

مکمل

وقائع راجستھان باتصویر

مصنفہ

ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

پرکاشک

داس اینڈ سنز تاجران کتب و پبلشرز لوہاری گیٹ لاہور

3rd Edition 1,000 Copies. Price R

علم تواریخ کی نہائت دلچسپ اور قابل دید کتاب

وقائع راجستھان

باتصویر

(مؤلفہ و مرتبہ)

ٹھاکر اچھر چند صاحب رئیس شاہ پوریہ

حسب فرمائش

رامداس اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب

لوہاری دروازہ لاہور

پرکاش سٹیم پریس میں باہتمام بابو دیوان سنگھ چھپی

بار سوئم　تعداد ۱۰۰۰　قیمت ہر دو جلد مکمل (صہ/)

فہرست تصویرات وقائع راجستھان

حصہ اول

مضمون	صفحہ
مہارانا باپا راول بانی سلطنت چتوڑ	سرورق
مہارانا رانا سانگا	٦٢
راجہ جیمل	٨٨
مہارانا [illegible]رتاپ	١١٠
مہارانا امر سنگھ	١٣٨
رانا راج سنگھ	١٥٤
مہارانا سنگرام سنگھ	١٦٤
رانا بھیم سنگھ	١٨٢
راؤ سیاجی والئے جودھپور	٢٠٥
راؤ اسوتھامان "	٢١١
راؤ جونڈاجی "	٢١٤
راؤ جودھاجی "	٢١٦
راؤ گنگاجی "	٢٢٤
راؤ مالدیوجی "	٢٢٦
راجا سور سنگھ جی "	٢٣٢
راجہ گج سنگھ "	٢٣٤
راجہ جسونت سنگھ "	٢٤٢
راجہ اجیت سنگھ "	٢٥٠
درگاداس راٹھور "	٢٥٤

حصہ دوئم

مضمون	صفحہ
راجہ پرتھی راج کچھواہا والئے جے پور	٤
راجہ بہارمل	٨
راجہ بھگوانداس	١٠
راجہ مان سنگھ	١٢
مہاراجہ سوائی جے سنگھ	١٦
راجہ جگت سنگھ	٢٦
بہری بیکاجی والئے بیکانیر	٢٨
راؤ سوجا راؤ	٥٣
راجہ چترسال والئے بوندی	٦١
امید سنگھ والئے "	٦٨
راج رانا ظالم سنگھ	١٠٠
مادھو سنگھ پسر رانا ظالم سنگھ	١٢٠
پرتھی راج چوہان	١٣٨
آلہا فخر مہوبا	١٤٢

فہرست مضامین جلد اول

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
دیباچہ	۱	رانا بھیم سنگھ (کرشن کماری کی قربانی)	۱۸۲
ریاست میواڑ		**ریاست جودھپور**	
باب اول	۱۴	راؤ سیاجی	۲۰۵
رانا بھیمسی چتوڑ کا پہلا ساکا	۲۱	راؤ اسوتھاما	۲۱۱
رانا ہمیر	۳۰	راؤ چونڈا	۲۱۴
رانا موکل جی	۳۷	راؤ جودھا بانی جودھپور	۲۱۶
رانا کوبھو	۴۵	راؤ سوجا جی	۲۲۲
رانا پرتھی راج	۵۰	راؤ گنگا جی	۲۲۴
رانا سانگا	۶۲	راؤ مالدیو	۲۲۶
فرزندان سانگا	۷۱	راؤ سور سنگھ	۲۳۱
چتوڑ کا دوسرا ساکا	۷۲	راجہ گج سنگھ	۲۳۴
رانا اودے سنگھ	۷۵	راجہ جسونت سنگھ	۲۴۱
جیمل فتا یعنی چتوڑ کا دوسرا ساکا	۸۸	راجہ اجیت سنگھ	۲۵۰
رانا پرتاب سنگھ	۱۱۰	راجہ ابھے سنگھ	۲۶۴
رانا امر سنگھ	۱۳۷	راجہ رام سنگھ	۲۷۴
رانا راج سنگھ	۱۵۴	راجہ بجے سنگھ	۲۸۳
رانا سنگرام سنگھ	۱۸۴	راجہ بھیم سنگھ	۲۹۲
		راجہ مان سنگھ	۲۹۳

فہرست مضامین جلد دوئم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ریاست جے پور		کشور سنگھ	۸۶
راجہ پرتھی راج کچھواہا مل	۴	بھیم سنگھ	۸۷
راجہ بہارمل	۸	درجن سال	۹۰
راجہ بھگوانداس	۱۰	چھتر سال	۹۳
راجہ مان سنگھ	۱۲	گمان سنگھ	۹۶
سوائی جے سنگھ	۱۶	آلا سنگھ	۹۸
ریاست بیکانیر		راج رانا ظالم سنگھ	۱۰۰
راؤ لون کرن	۳۳	ریاست اجمیر	
راؤ جیتسی	۳۶	پرتھی راج چوہان	
راؤ کلیان مل جی	۳۸	المشہور رائے پتھورا	۱۳۷
ریاست بوندی		ریاست جیسلمیر	
راؤ دیوا	۴۳	گج سنگھ	
[illegible]	۴۶	سالباہن	۱۶۵
راؤ ہامو جی	۴۷	دیوراج	۱۶۸
راؤ باندیو	۵۰	بسران جیتسی	۱۷۳
نرائن راؤ	۵۱	جاجک دیو	۱۸۱
سوجا راؤ	۵۳	مولراج	۱۸۷
راؤ بھوج	۵۶	کنور سادھو سنگھ	۱۹۲
راؤ رتن	۶۰	ریاست کھنڈیلہ	۲۰۲
راؤ چھتر سال	۶۱	سرداران شیخاوت	
راؤ بدھ سنگھ	۶۵	ریاست بھرتپور	۲۰۹
امید سنگھ	۶۸	سورج مل	
ریاست کوٹہ		ریاست مہوبا	۲۲۴
مند سنگھ	۸۵	آلہا اور اودن	۲۴۱

ओं

रामदास कोहली, पुस्तकां वाला

लोहारी दरवाज़ा, लाहौर।



RAM DASS, KOHLI,

Bookseller & Publisher,

LOHARI GATE, LAHORE.

وقایع رجستھان

جلد اوّل

دیباچہ

علم تواریخ کے لاانتہا فوائد کو احاطہ تحریر میں لانا ویسا ہی مشکل ہے۔ جیسا کہ کسی دریا کو کوزے میں بند کرنا گذشتہ زمانہ کے واقعات سے آگاہی حاصل کرنا لازمہ انسانیت ہے۔ خصوصًا ایک ایسی قوم کے لئے جو بلندی سے پستی میں آئی ہو۔ اسکا جاننا اشد ضروری ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی کسی ترقی یافتہ قوم کے لئے بھی اسکا مطالعہ خالی از فوائد نہیں ہو سکتا۔ اوّل الذکر قوم تو اس کے مطالعہ سے اپنی تنزلی کے اسباب دریافت کر کے اپنی بہتری کے وسائل سوچ سکتی ہے۔ اور موخر الذکر قوم کو بھی جب دوسری قوم کی تنزلی کے اسباب معلوم ہو جائینگے۔ تو وہ ان سے بچنے اور اپنی موجودہ ترقی کے معراج پر قائم رہنے کے لئے پوری پوری محتاط رہیگی؛

جو قوم اپنے بزرگوں اور شہیدانِ ملک پر ناز نہیں کرتی۔ اور ان کے شکریہ میں کوتاہی کرتی ہے۔ وہ سخت غلطی پر ہے۔ قومیت قائم رکھنے کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ کہ اپنے شہیدان کی یادگار قایم رکھی جائے۔ اور یہ مطلب صرف تواریخ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے۔ کہ مشہور و معروف آدمیوں کی سوانح عمریاں پڑھنا سب سے اچھا شغل ہے۔ بیوگرفی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر آواز دیتی ہے۔ کہ جاؤ دنیا میں نام پیدا کرنے کے لئے تم بھی ایسے ہی کام کرو۔ سچ پوچھو۔ تو بیوگرفی علم اخلاق سے زیادہ مفید مضمون ہے۔ علم اخلاق سے تو صرف نیکی یا بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے مگر

بیوگرفی سے اکثر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والے کو اس بات کا شوق اُٹھتا ہے۔ کہ وہ بھی اسلاف کی طرح دنیا میں نام پیدا کرنے کے لئے ایسے ہی کاموں کے لئے سعی اور کوشش کرے جس قوم میں اپنے قابلِ تعظیم بزرگوں کے نام زندہ رکھنے کا شوق پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کبھی بھی اپنی ترقی کے شاہراہ پر پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ یہ ظاہری حالت میں زندہ ہو گر زندہ نہیں مردہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا۔ کہ یہ تواریخ کیسی ہونی چاہئے۔ اِس پر غور کرنے کے لئے ہم مسز اینی بسنت کے لکچر کا جو کہ انہوں نے جنوری ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میں دیا تھا۔ کچھ حصہ اپنے ناظرین کی آگاہی کے واسطے یہاں درج کرتے ہیں۔

"نیلسن کی تاریخ سے ہمارے ہندوستانی طلبا کیا فائدہ اخذ کرسکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ اسکے حالات پڑھ پڑھ کر اپنے دماغ خالی کریں۔ یورپین لڑکوں کو البتہ اس کے حالات پڑھکر جوش طبعی پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستانی طلبار کے لئے ہندوستانی بہادروں کی ہسٹریاں ہونی چاہئیں اور وہ ہسٹریاں بھی ہندوستانی مؤرخوں کی تصنیفات ہوں۔

ہندوستان میں بیشمار لڑائیاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ہوچکی ہیں جسطرح انگلستان اور سکاٹلینڈ کے طلبا کو اُن کی اپنی اقوام کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔ اسیطرح مسلمان اور ہندو طلبا کو بھی بادشاہ اکبر اور مہاراج پرتھی راج کی ہسٹریاں پڑھانی چاہئیں جس سے قوم بن سکتی ہے ان کو زمانہ سلف کے حالات پڑھانے چاہئیں۔ لیکن یہ تعلیم بغض اور عداوت پھیلانے کے لئے نہ ہو۔ بلکہ قوم کے بنانے کے لئے ہو مسلمان اور ہندو دونوں اقوام کے بہادروں کی عظمت ہندو اور مسلمانوں کے ذہن نشین کرانی چاہئے۔ کیونکہ قومی ترقی کی یہی بنیاد ہے۔ ہندوستانی طلبار کے لئے اکبر اور پرتھی راج کی تواریخ نیلسن اور ویشنگٹن کی سوانح عمریوں سے بدرجہا بہتر اور مفید ہوگی"۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس بہادر اور دلاور قوم کے کارناموں کا فوٹو ہے۔ جس کی بے نظیر شجاعت اور حب الوطنی کے آگے ایک دفعہ دنیا بھر کی قومیں سر تسلیم خم کرچکی ہیں۔

یہ وہ قوم ہے۔ کہ جس کے برابر شجاع اور بہادر قوم دنیا میں آج تک نہ تو کوئی ہوئی۔ اور نہ

آئندہ ہوگی۔ یہ سچ ہے۔ کہ دنیا کی تاریخ میں اگر کوئی قوم ایسی بھی ہے۔ جو کہ اپنے آقا کے جھنڈے کے نیچے مرنا جانتی ہے۔ جو اپنے مالک کے پسینہ کی جگہ پر خون بہانے کو ہر وقت تیار رہتی ہے۔ جس کے دل میں موت کا خوف ہی نہیں پایا جاتا۔ تو وہ صرف آریہ ورت کی اکیلی نامور اور ممتاز قوم راجپوت ہے۔ ایک معزز مصنف کا قول ہے۔ ”راجپوت درصل شجاعت اور مردانگی کا پتلا بنکر دنیا میں آیا تھا۔ اُس کی رگ رگ میں مردانگی۔ اولعزمی۔ آقا پرستی اور وفاداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ شیر اسکا مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے۔ اور چیتے اِس کے ساتھ آنکھ ملانے کی ہرگز جرأت نہ کر سکتے تھے؛

انگلستان کا ایک مشہور زندہ دل شاعر جسکا نام رڈیارڈ کپلنگ ہے۔ تحریر کرتا ہے ”اگر دنیا میں کوئی ایسی جگہ بھی ہے۔ جہاں بہادروں کی ہڈیاں فرش راہ ہوئی ہیں۔ تو وہ جگہ ہندوستان کا راجستھان ہی ہو سکتا ہے“؛

کرنیل ٹاڈ صاحب مصنف تاریخ راجستھان نے اپنی قابل قدر تصنیف کو حضور بادشاہ ولیم فورتھ کیخدمت میں پیش کرتے ہُوئے جو مضمون لکھا ہے۔ اِسکا آخری فقرہ یہ ہے؛

”میری دلی خواہش ہے۔ کہ بادشاہ کے تخت کے گرد ہمیشہ ایسے سردار نامدار حاضر رہیں۔ جو مانند راجپوتوں کے مواقع خطرناک میں متحمل احکام اور کارگذار ہوں؛

کتاب ”گائیڈ فور ینگ راجپوت“ میں ایک قابل قدر مضمون درج ہے۔ اسکا ترجمہ کسی قدر اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

”راجپوت ان لوگوں کا نام ہے۔ جو ہندوستان کے راجوں اور مہاراجوں کی اولاد ہیں۔ اور ان کا تعلق شریف اور شاہی خاندانوں سے ہے۔ ان کے بزرگ خدا کے برگزیدہ تھے۔ اور اُن کی زندگی دنیاوی نہیں۔ بلکہ خاص دیوتاؤں کی زندگی تھی۔ وہ اِس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ اُن کی زندگی کا خاص مقصد یہ تھا۔ کہ وہ اپنے ملک اور قوم کو فائدہ پہنچائیں۔ اُن کے جیون چرتر درحقیقت رشیوں کی طرح پوتر اور شدہ تھے“؛

راجپوت لوگ بڑے درجہ کے نفس کش اور محب الوطن تھے۔ اپنے ملک کی محبت میں اور اپنی قوم کی بہتری کے لیئے جان قربان کرنے کو اپنی بہتری سمجھتے تھے۔ جنگ کے موقعہ پر زبردست جنگ آور اور امن کے زمانے میں باامن ہمسائے تھے۔ عیش و عشرت کی ان کو خبر تک تھی اور نہ ہی وہ آرائش و تجمل کو اپنے گھروں میں گھسنے دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ دنیاوی خواہشات کے

غلام نہ تھے۔ بلکہ وہ اپنے جذبات پر پورے پورے قادر تھے۔ پرماتما ہی کی پوجا اور اپنی قوم اور ملک کی حفاظت کرنا ان کی زندگی کا خاص مشن تھا۔ اور یہی دو باتیں تھیں۔ جنہوں نے ان کو دہرم بیر اور محب الوطن بنایا ہوا تھا۔ وہ دل سے پرماتما کے ساتھ محبت رکھتے تھے۔ اور اپنی رعایا کو پدرانہ شفقت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ نظام شمسی کا انکو پورا پورا علم تھا۔ حکومت کی سچی اور صلح جو پالیسی سے باخبر اور بے رو رعایت انصاف کے دلدادہ تھے۔ وہ راستی پسند تھے۔ دہرم کی پابندی کے علاوہ وہ ہر ایک سے محبت اور پیار سے برتاؤ کرتے تھے۔ اُن کی ہمتیں بلند تھیں۔ ان کی طبیعتیں فیاض تھیں۔ اور وہ بات کے دھنی (پابند سخن) اور اپنی رعایا کے سچے محب تھے امن کے وقت میں گائے کی طرح حلیم مگر جنگ کے موقعہ پر شیر نر سے بھی زیادہ زبردست تھے غرضیکہ انکی یہ ساری باتیں زندگی کے آسمان پر سورج کی طرح روشن تھیں۔ اور اس سے مغربی شائستگی کی نسبت جو کہ آج کل اپنے کمال کی وجہ سے پھولی جامے میں نہیں سماتی۔ زیادہ روشن کرنیں نکلتی تھیں؛

"راجپوت اگرچہ فن جنگ میں بڑے درجہ کے ماہر تھے۔ مگر وہ اس کو بڑی عقلمندی اور انصاف سے برتتے تھے۔ اور دہرم اور راستی کے لئے ہر وقت جان فدا کر دینے کو تیار رہتے تھے۔ ان کو خوشامد اور ظاہرداری سے سخت نفرت تھی۔ حتے کہ ان کے غلاموں تک بھی شائستہ دانا اور پرہیزگار تھے۔ شہوت پرستی اُن کے پاس تک نہ پھٹک سکتی تھی۔ اور زناکاری سے وہ کوسوں بھاگتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ میدان جنگ میں مرتے وقت اُن کو سچی خوشی حاصل ہوا کرتی تھی۔ اور موت کا بھیانک نظارہ انکو ہرگز خوف زدہ نہ بنا سکتا تھا۔ ان کے دل ہر وقت شانت رہتے تھے اور اسی شانتی کی بدولت آخری وقت میں انکو ذرا بھی تکلیف نہ ہوتی تھی"

راجپوت کی تلوار میدان جنگ میں بوڑھے مرد عورت اور بچے پر ہرگز نہ چلتی تھی نہ کوئی راجپوت بھاگتے ہوئے اور پناہ میں آئے ہوئے دشمن پر وار کرتا تھا۔ بلکہ اگر دشمن پناہ میں آ جاتا تو اس کے ساتھ دوستوں سے بڑھ کر سلوک کیا جاتا تھا۔ سچ پوچھو تو پرماتما نے راجپوتوں کو راستی کی بادشاہت قایم کرنے اور روحانی اور اخلاقی دنیا کو طاقت دینے کے لئے اس دنیا میں بھیجا تھا۔ انہوں نے اپنے جیون کو رامچندر جی یا کرشن جی کی شدہ زندگیوں کے نمونے پر چلا کر خلقت کی راہبری کے واسطے نمونے قایم کئے ہوئے تھے۔ اور یہی لوگ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کے چراغ تھے۔

"ہر ایک راجپوت صداقت اور راستی کا نمونہ تھا۔ اُنکو اس دنیا کے ہوا و ہوس سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اور اُن کی زندگی زیادہ تر زاہدانہ گذرتی تھی۔ مگر لطف یہ ہے۔ کہ بہادری اور شجاعت میں کوئی بھی انکا مقابلہ کرسکتا تھا۔

واقعی راجپوت قوم کسی وقت میں دنیا کی تمام سربرآوردہ قوموں کی سرتاج تھی۔ اور جس وقت موجودہ شجاع قوموں کا قومی حیثیت میں نام ونشان بھی موجود نہ تھا۔ اس کی شہرت کا آفتاب عین نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ اور چار دانگ دنیا میں اس کی شجاعت اور دلیری لاثانی گنی جاتی تھی۔

کرنیل ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں "اگر تواریخ اُس ہمدردی پر منحصر ہے۔ جو وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ تو تاریخ ملک راجستھان بیشک و لاریب بڑی پسندیدہ اور دلچسپ ہوگی مطالعہ حالات اُن اشخاص کا جو زمانہ ہائے دراز تک اپنی اور اپنے ملک کی آزادی کے لئے سعی ظہور میں لاتے۔ اور جان دیتے رہے ہیں۔ اور اپنے اباؤاجداد کے مذہبی عقائد و مسائل کی حفاظت میں جان نثار رہے۔ اور باوجود طمع نفسانی اور ترغیب ہائے دنیوی اپنے اور اپنے ہموطنوں کے حقوق آزادی کی محافظت میں بڑے سرگرم رہے۔ حتی کہ جان و مال کو بھی اس پر قربان کرنے میں دریغ نہ کیا۔ ایسا اثر بخش ہے۔ کہ ممکن نہیں۔ کہ کوئی بشر انکو سنکر اس سے موثر نہ ہو۔ اور بال اس کے بدن پر کھڑے نہ ہو جائیں۔ یا جذبہ ہمدردی پیدا نہ ہو"

ایک اور جگہ یہی مصنف راجپوتانہ کی بابت رقم کرتا ہے۔

"ان اضلاع (راجپوتانہ) میں بہ نسبت اور ممالک کے زیادہ تر عجیب وغریب واردتیں جو قابل درج تواریخ ہیں۔ واقع ہوئی ہیں۔ راجستھان میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست بھی ایسی نہیں۔ جو خوب کٹ کر نہ لڑی ہو۔ اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں کہ اشخاص بہادر مثل لونی ڈار (یورپ کے ایک بہادر سپہ سالار کا نام ہے) پیدا نہ ہوئے ہوں۔ سوائے راجپوتوں کے کونسی ایسی قوم روئے زمین پر ہے جو باوجود سالہا سال کے ظلم اور بربادی کے پھر بھی شائستگی اطوار اور رسم ورواج اپنے آباؤاجداد کے جاری رکھے۔ وہ بڑے جانباز اور بہادر ہیں۔ موقعہ پر صبر کرتے ہیں۔ اور جوش میں نہیں آتے۔ اور یہی نگران رہتے ہیں۔ کہ کب وقت آئے اور بدلہ لیں۔ تواریخ انسان میں سوائے راجستھان کے کوئی قوم ایسی نہیں۔ جو ہر طرح کا ظلم کہ اقوام وحشی سیرت اور بہایم سیرت نازل کرسکتے ہیں۔ یا انسان اپنی عقل سے اختراع کرتا ہے۔ برداشت

غلام نہ تھے - بلکہ وہ اپنے جذبات پر پورے پورے قادر تھے - پرماتما ہی کی پوجا اور اپنی قوم اور ملک کی حفاظت کرنا ان کی زندگی کا خاص مشن تھا - اور یہی دو باتیں تھیں - جنہوں نے ان کو دہرم بیر اور محب الوطن بنایا ہوا تھا - وہ دل سے پرماتما کے ساتھ محبت رکھتے تھے - اور اپنی رعایا کو پدرانہ شفقت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے - نظام شمسی کا انکو پورا پورا علم تھا - حکومت کی سچی اور صلح جو پالیسی سے باخبر اور بے رو رعایت انصاف کے دلدادہ تھے - وہ راستی پسند تھے - دہرم کی پابندی کے علاوہ وہ ہر ایک سے محبت اور پیار سے برتاؤ کرتے تھے - اُن کی ہمتیں بلند تھیں ان کی طبیعتیں فیاض تھیں - اور وہ بات کے دھنی (پابند سخن) اور اپنی رعایا کے سچے محب تھے امن کے وقت میں گائے کی طرح حلیم مگر جنگ کے موقعہ پر شیر نر سے بھی زیادہ زبردست تھے غرضیکہ انکی یہ ساری باتیں زندگی کے آسمان پر سورج کی طرح روشن تھیں - اور اس سے مغربی شائستگی کی نسبت جو کہ آج کل اپنے کمال کی وجہ سے پھولی جامے میں نہیں سماتی - زیادہ روشن کرنیں نکلتی تھیں *

"راجپوت اگرچہ فن جنگ میں بڑے درجہ کے ماہر تھے - مگر وہ اس کو بڑی عقلمندی اور انصاف سے برتتے تھے - اور دہرم اور راستی کے لئے ہر وقت جان فدا کر دینے کو تیار رہتے تھے - ان کو خوشامد اور ظاہرداری سے سخت نفرت تھی - حتےٰ کہ ان کے غلاموں تک بھی شائستہ دانا اور پرہیزگار تھے - شہوت پرستی اُن کے پاس تک نہ پھٹک سکتی تھی - اور زناکاری سے وہ کوسوں بھاگتے تھے - یہی وجہ تھی - کہ میدان جنگ میں مرتے وقت اُن کو سچی خوشی حاصل ہوا کرتی تھی - اور موت کا بھیانک نظارہ انکو ہرگز خوف زدہ نہ بنا سکتا تھا - ان کے دل ہر وقت شانت رہتے تھے اور اسی شانتی کی بدولت آخری وقت میں انکو ذرا بھی تکلیف نہ ہوتی تھی "

راجپوت کی تلوار میدان جنگ میں بوڑھے مرد عورت اور بچے پر ہرگز نہ چلتی تھی نہ کوئی راجپوت بھاگتے ہوئے اور پناہ میں آئے ہوئے دشمن پر وار کرتا تھا - بلکہ اگر دشمن پناہ میں آ جاتا تو اُس کے ساتھ دوستوں سے بڑھ کر سلوک کیا جاتا تھا - سچ پوچھو تو پرماتما نے راجپوتوں کو راستی کی بادشاہت قایم کرنے اور روحانی اور اخلاقی دنیا کو طاقت دینے کے لئے اس دنیا میں بھیجا تھا - انہوں نے اپنے جیون کو رامچندر جی یا کرشن جی کی شدہ زندگیوں کے نمونے پر چلا کر خلقت کی راہبری کے واسطے نمونے قایم کئے ہوئے تھے - اور یہی لوگ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کے چراغ تھے *

"ہر ایک راجپوت صداقت اور راستی کا نمونہ تھا۔ اُنکو اس دنیا کے ہوا و ہوس سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اور اُن کی زندگی زیادہ تر زاہدانہ گذرتی تھی۔ مگر لطف یہ ہے۔ کہ بہادری اور شجاعت میں کوئی بھی انکا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔

واقعی راجپوت قوم کسی وقت میں دنیا کی تمام سربرآوردہ قوموں کی سرتاج تھی۔ اور جس وقت موجودہ شجاع قوموں کا قومی حیثیت میں نام و نشان بھی موجود نہ تھا۔ اِس کی شہرت کا آفتاب عین نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ اور چار دانگ دنیا میں اس کی شجاعت اور دلیری لاثانی گنی جاتی تھی۔

کرنیل ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں" اگر تواریخ اُس ہمدردی پر منحصر ہے۔ جو وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ تو تاریخ ملک راجستھان بیشک و لاریب بڑی پسندیدہ اور دلچسپ ہوگی مطالعہ حالات اُن اشخاص کا جو زمانہ ہائے دراز تک اپنی اور اپنے ملک کی آزادی کے لیئے سعی ظہور میں لاتے۔ اور جان دیتے رہے ہیں۔ اور اپنے اباؤاجداد کے مذہبی عقائد و مسائل کی حفاظت میں جان نثار رہے۔ اور باوجود طمع نفسانی اور ترغیب ہائے دنیوی اپنے اور اپنے ہموطنوں کے حقوق آزادی کی محافظت میں بڑے سرگرم رہے۔ حتیٰ کہ جان و مال کو بھی اس پر قربان کرنے میں دریغ نہ کیا۔ ایسا اثر بخش ہے۔ کہ ممکن نہیں۔ کہ کوئی بشر انکو سنکر اس سے متاثر نہ ہو۔ اور بال اس کے بدن پر کھڑے نہ ہو جائیں۔ یا جذبہ ہمدردی پیدا نہ ہو۔"

ایک اور جگہ یہی مصنف راجپوتانہ کی بابت رقم کرتا ہے۔

"اِن اضلاع راجپوتانہ میں بہ نسبت اور ممالک کے زیادہ تر عجیب و غریب واردتیں قابل درج تواریخ ہیں۔ واقع ہوئی ہیں۔ راجستھان میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست بھی ایسی نہیں۔ جو خوب کٹ کر نہ لڑی ہو۔ اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں کہ اشخاص بہادر مثل لیونی ڈاس (یورپ کے ایک بہادر سپہ سالار کا نام ہے) پیدا نہ ہوئے ہوں۔ سوائے راجپوتوں کے کسی ایسی قوم روئے زمین پر جو باوجود سالہا سال کے ظلم اور بربادی کے پھر بھی شائستگی طور اطوار رسم و رواج اپنے آباؤاجداد کے جاری رکھے۔ وہ بڑے جانباز اور بہادر ہیں۔ موقعہ پر صبر کرتے ہیں۔ اور جوش میں نہیں آتے۔ اور یہی نگران رہتے ہیں۔ کہ کب وقت آئے اور بدلہ لیں۔ تاریخ انسان میں سوائے راجستھان کے کوئی قوم ایسی نہیں۔ جو ہر طرح کا ظلم کہ اقوام وحشی صفت اور بہائم سیرت نازل کرسکتے ہیں۔ یا انسان اپنی عقل سے اختراع کرتا ہے۔ برداشت

کر سکتی ہے۔ وہ ایسی صورت میں گردن ڈالے بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن جب بارِ گراں اُنکو دباتا ہے۔ تو ان کی مصیبت موجب زیادتی اُن کی دلیری کے ہو جاتی ہے"۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا۔ کہ ایسی شجاع اور بہادر قوم اپنی ترقی کے معیار سے کیونکر گری؟ یہ سوال اگرچہ ایک وزن دار سوال ہے۔ مگر عقل سلیم کے لئے اسکا جواب دینے کے لئے کچھ زیادہ غور و خوض کی ضرورت نہیں پڑتی۔ زمانہ کی نیرنگی جس سے آئے دن دنیا میں بیشمار تغیر و تبدل ہوتے رہتے ہیں۔ نہایت عجیب اور زبردست طاقت ہے۔ دنیا کی تواریخ جس کے ورق ورق پر اسکے کارنامے رقم ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ تو ایک سرسری نظر سے اُسکی کارگذاری کا نقشہ ہُو بہُو آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا۔ اس دنیا پر دن رات ہزاروں رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ اور ایک لمحہ بھی ایک حالت میں بسر نہیں ہوتا۔

جب یہ قانونِ قدرت ہے۔ کہ دنیا کی ہر ایک چیز میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل ہوتا رہے۔ تو راجپوت قوم کا بھی عین عروج سے گر کر پستی میں آجانا صاحبِ بصیرت کے لئے کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔ دنیا میں کبھی کسی کی حالت یکساں نہیں رہتی۔ کمال اور زوال دونوں لازم اور ملزوم ہیں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ زمانہ کے انقلاب اور اُس کی تلون مزاجیوں نے جس طرح دنیا کی بعض دیگر سربرآوردہ قوموں کو جن کی طوطی کبھی ساتویں آسمان پر بولا کرتی تھی۔ کچھ اس طرح مٹیامیٹ کر دیا۔ کہ آج روئے زمین پر ان کے نشان بھی نظر نہیں آتے۔ اسیطرح اُس نے راجپوت قوم کو بھی کچھ اس بے جگری کے ساتھ پاؤں کے تلے روندا۔ کہ بالکل نیم جان کر کے ہی چھوڑا۔ اور پستی کی ایسی گہری غار میں دھکیلا۔ جہاں گرتے وقت ہڈی پسلی چُور چُور ہو جانے سے اس میں اب اتنی سکت بھی باقی نہیں رہی۔ کہ وہ اپنے آپ کو زندوں میں شمار کر سکے۔ لیکن جس حالت میں بہت سی دیگر قومیں اس کے بعد پیدا ہوئیں۔ اور جتا آسا دنیا کو اپنا نمود دکھا کر معدوم ہو گئیں۔ اس کا اب تک نیمردہ بچے رہنا بھی کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے۔

اگر ہم دنیا کی تواریخ کو لے کر بغور اس کا مطالعہ کریں۔ اور شروع سے لیکر اخیر تک تمام ورق اُلٹ ڈالیں۔ تو صرف چند ایک قومیں ہی ایسی نکلیں گی۔ جنہوں نے ہزار سال یا کچھ زیادہ دیر تک متواتر حکومت کی ہو۔ ورنہ صرف پانچ چار سو سال کے اندر اندر ہی اس کا بننا اور بگڑنا سب کچھ ہو چکا ہوگا۔ برخلاف اِس کے راجپوتوں کے لئے یہ کوئی کم فخر کی بات نہیں ہے۔ کہ

ان کے بزرگوں نے لگاتار لاکھوں برس تک حکومت کی ہے۔ مہاراجہ رامچندرجی کے زمانہ سے لے کر مہابھارت کے زمانہ تک ساڑھے سات لاکھ برس سے کچھ اوپر کا اندازہ لگایا گیا ہے اگر رامچندرجی سے پہلا زمانہ نہ بھی شمار کیا جائے۔ تو بھی یہ ساڑھے سات لاکھ سال کا زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں راجپوتوں نے آریہ ورت پر لگاتار حکومت کی ہے۔ کیا کوئی دوسری قوم بھی دنیا کے تختہ پر موجود ہے۔ جس نے اس عرصہ کے برابر تو کجا اس کا ہزارواں حصہ بھی سلطنت کی ہو؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا!!

اس کتاب کے شائع کرنے سے ہمارے دو مقصد ہیں۔ اول تو یہ کہ کوئی قوم اپنے سدھار کی کوشش میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ اُسکو اپنے زمانہ عروج کے حالات سے آگاہی حاصل نہ ہو۔ پس اس قاعدہ کے مطابق راجپوت قوم کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ کہ اُس کی موجودہ سنتان کو اس کے بزرگوں کے حالات اور ان کے کمالات سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ اسکو معلوم ہو۔ کہ اسکی حالت کہاں تک پستی کی طرف جُھک چکی ہے۔ اور وہ کونسا مقام ہے۔ جہاں تک پہنچنے کے لئے اسکو کوشش کرنی چاہیئے؛

اگرچہ ہم کو ان بزرگوں کے مسلسل حالات دستیاب نہیں ہوسکتے۔ پھر بھی جو کچھ دستیاب ہوسکا ہے۔ کافی سے زیادہ ہے۔ اور قوی اُمید ہے۔ کہ راجپوت قوم کی شجاعت اور بہادری کی دردمند دلسوز داستانیں جو اس کتاب میں درج کی گئی ہیں۔ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے انسانیت کا سبق سکھلانے اور اپنے فرائض یاد دلانے کے لئے پوری پوری رہبر اور راہنما ثابت ہونگی؛

ہمارا دوسرا مقصد اس کتاب کے پیش کرنے سے اپنی حکمران قوم کی توجہ کو اس خستہ حال شجاع قوم کی طرف مبذول کرنیکا ہے۔ اگرچہ یہ قوم اِسوقت جان کندنی کیحالت میں ہے اس کی رگوں میں ابھی تک اُس کے بزرگوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ گو وہ سُست ہوچکا ہے منجمد ہرگز نہیں ہُوا۔ بہت تھوڑی کوشش سے یہ حرکت میں لایا جاسکتا ہے۔ اور پھر یہ وہی کام دیسکتا ہے۔ جیسا کہ اسکا خاصہ ہے۔ اس بات کی تائید میں کہ راجپوت قوم کہاں تک گورنمنٹ کے لئے مفید بن سکتی ہے۔ ہم اپنی ذاتی رائے ظاہر کرنے کے بجائے مشہور مصنف ٹاڈ کے الفاظ ہی درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں؛

"اگر کوئی اُنپر بیجا حکومت نہ کرے۔ تو وہ ممالک مشرقی میں سرکار انگلشیہ کے بڑے ممد و معاون ہونگے۔ ہم کو ان سے کسی طرح کا اندیشہ نہیں ہے۔ خواہ ہم ان کو جدا جدا سمجھیں

یا ایک۔ ہم ان کو اپنے دشمنوں سے چاہے۔ وہ بیگانہ ہوں یا خانگی لڑوا سکتے ہیں۔ وہ بدل ہماری طرف سے لڑیں گے۔ اور جان قربان کرینگے۔ بشرطیکہ ہم ان موقعہ جات پر وخل دیں۔ جن سے کہ انہیں فائدہ حاصل ہو۔ اور ان کے توہمات میں دست اندازی نہ کریں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ کیونکہ راجپوت اِن اشخاص کو جو خواہان صلح اور امن ہوں۔ اور انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں دل سے پسند کرتے ہیں ...."

ایک وقت راجپوتوں میں جمیع اوصاف حسنہ یعنی وفاداری احسانمندی اور عزت و توقیر موجود تھیں۔ اب بھی وہ ان اوصاف کے عاشق ہیں۔ اگر راجپوت سے پوچھیں کہ کونسا جرم نہایت سنگین ہے۔ تو وہ جواب دیگا۔ "احسان فراموشی"

پیشتر اِس کے کہ اِس دیباچہ کو ختم کیا جائے۔ ہم اپنے راجپوت بھائیوں کی توجہ اُن امورات کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ جو کہ ان کی تباہی اور تنزلی کا خاص باعث ہُوئے ہیں۔ یہ تو ثابت ہو چکا ہے۔ کہ راجپوت قوم میں شجاعت اور بہادری کی ہرگز کمی نہ تھی لیکن اُن میں اِس بات کی کمی ضرور تھی۔ کہ وہ موقع اور محل کو نہ پہچان سکتے تھے۔ وہ حد درجہ کے مغرور تھے۔ اور زور بازو پر حد سے زیادہ بھروسہ رکھنے کے باعث بعض وقت دشمن سے ضرورت سے زیادہ فیاضانہ سلوک کر بیٹھتے تھے۔ اور ان کی تباہی میں سب سے زیادہ حصہ جس چیز نے لیا۔ وہ اُن کی اپنی ہی خانہ جنگی تھی۔ مہابھارت کے تباہ کن جنگ سے کون ہے جو واقف نہیں؟ اِس جنگ میں بھائی بھائی کے مقابل نبرد آزما تھا۔ چچا کی تلوار بھتیجوں کا خون پینے کو بڑھتی تھی۔ اور بھتیجوں کے نیزے چچوں کے سینوں میں سوراخ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ بھائی بھائی کے مقابل کٹ گئے۔ اور کورچھتر کی زمین کو راجپوتوں کے خون سے رنگ دیا۔ مہابھارت کی خوفناک لڑائی ہندوستان کے لئے نحوست اور ادبار کے مقام کی پہلی منزل تھی۔ یہ وہ جنگ تھی جس میں آریہ ورت کے تمام بہادر راجے قتل ہو گئے۔ اور عالم اور فاضلوں کے مارے جانے سے ملک پر ہمیشہ کے لئے تاریک رات چھا گئی!!!

اس میں شک نہیں۔ کہ راجپوت قوم کی تباہی اور بربادی کے لئے مہابھارت کا جنگ کافی تھا۔ مگر افسوس کہ ستیاناسی خانہ جنگی اس کے بعد بھی جونک کی طرح خون چوستی رہی اِسکا ثبوت آپ کو آئندہ صفحوں میں ملے گا۔ اور آپ دیکھیں گے۔ کہ راجپوتانہ کی ریاستیں ایک دوسری کے مقابل میں کس طرح لڑتی اور کٹتی رہی ہیں!!

ایک دن کرنیل ٹاڈ صاحب نے اثنائے گفتگو میں ظالم سنگھ والی کوٹہ سے کہا۔ کہ سرکار انگلشیہ کا منشا ہرگز نہیں۔ کہ وہ ملک کو فتح کرتی چلی جائے۔ مگر اس دوراندیش اور دانا راجے نے جو جواب دیا۔ پڑھنے کے قابل ہے۔ جواب یہ تھا۔ آپ ایسا خیال کرتے ہونگے۔ لیکن میری رائے میں کل ہندوستان میں آخرکار ایک ہی سکہ رائج ہوگا۔ اور ایک ہی کا راج ہوجائیگا۔ آپ بہت اچھے وقت پر ہندوستان میں آئے۔ اسوقت پھوٹ بالکل پک چکی ہے۔ اور کھانے کے لئے لائق ہے۔ آپ اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرکے شوق سے کھائیں۔ آپ اپنی طاقت سے بادشاہ نہیں بنے۔ بلکہ ہماری پھوٹ نے ہی آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے۔ اور ہماری پھوٹ کے سبب آپ اس درجہ پر قائم رہیں گے؛؛

اگر آپ نے کسی قدر غور کے ساتھ آئندہ صفحوں کا مطالعہ کیا۔ تو اُمید کی جاتی ہے۔ کہ آپ کو اس سے بہت کچھ دلچسپی حاصل ہوگی۔ اور آپ دیکھیں گے۔ کہ راجپوت قوم اپنی تنزلی کے زمانہ میں بھی ایسے ایسے بہادر بیٹے پیدا کرتی رہی ہے۔ جن کے نزدیک اپنے ملک اور اپنی قوم کے بدلے جان قربان کردینا ایک معمولی بات تھی۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے۔ کہ تم کو تمہاری اصلیت سے آگاہ کیا جائے۔ اور بتلایا جائے۔ کہ تم کن جوانمردوں کی اولاد ہو تا۔ کہ تم بھی کچھ ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرو۔ اور دنیا کو دکھلا دو۔ کہ اُجڑی ہوئی اجودھیا اور برباد شدہ دوارکا اپنی خستہ حالت میں بھی دنیا بھر کے شہروں سے بڑھ کر دلچسپی کے سامان رکھتی ہے۔ آگ کا شعلہ یا دہکتا ہُوا کوئلہ ممکن ہے۔ کہ انقلاب زمانہ کے گرد و غبار کے نیچے کچھ عرصہ تک دبا پڑا رہے لیکن جونہی موافق ہوا کا جھونکا اُسکو برہنہ کریگا۔ اُس میں وہی پہلی سی چمک اور تیزی کا پیدا ہوجانا ناممکن نہیں ہے؛

اُمید کی جاتی ہے۔ کہ اس کتاب کے پڑھنے سے آریہ ورت کے نوجوانوں کے دلوں میں اپنے بزرگوں کا سا جوش اور دیش بھگتی کا پیار پیدا ہوگا۔ اور وہ انسانیت کے اعلٰی اصولوں کو سمجھتے ہُوئے قومی اور ملکی خدمات میں اپنے فرائض کو ادا کرنے کے لئے کمرہمت باندھ کر تیار ہوجائیں گے؛

میری اس کوشش کا مقصد محض آپ کی تفریح طبع کا سامان مہیّا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ میں چاہتا ہوں۔ کہ اسکو پڑھ کر آپ کچھ سبق حاصل کریں۔ اگر ایسا ہُوا۔ تو میں سمجھونگا۔ کہ

خربوزے کی قسم کا ایک شیریں پھل ہے۔ اور پھوٹ کے معنی نااتفاقی کے بھی ہیں؛

میری محنت رائگاں نہیں گئی ؛

قوم کا خادم

اچھر چند شاہپوریہ

ریاست میواڑ

ریاست میواڑ اپنے پڑوسی ریاستوں میں سب سے زیادہ معزز اور ممتاز ریاست شمار کی جاتی ہے۔ اور جس قدر عزت اور بزرگی اسکو حاصل ہے کسی دوسری ریاست کو نہیں۔ اور ہو بھی کیوں نہ؟ یہاں کے فرمانرواؤں کی شجاعت اُن کی بہادری اور اُن کی مستقل مزاجی اس حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ جہاں تک کہ کسی دوسرے خاندان کی رسائی ہرگز نہیں ہوئی۔ باوجودیکہ نفاق اور حسد کی مہلک مرض نے راجپوتی ہمت اور جرأت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بالکل نحیف کر رکھا تھا۔ تاہم مسلمان حملہ آوروں اور شاہان دہلی کے مقابلہ میں جس قدر بہادری اور ثابت قدمی اس خاندان نے دکھائی۔ وہ صرف اسی ایک کا حصہ تھا۔ گو مہا بھارت کے جنگ عظیم کے بعد راجپوتی عظمت اور شان و شوکت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور بھارت ورش کے اولوالعزم چھتریوں کے جھنڈے بالکل سرنگوں حالت میں تھے۔ پھر بھی اس خاندان کے پاک خون سے ملکی آزادی اور قومی ہمدردی کی اعلےٰ صفتیں کبھی زائل نہیں ہوئیں جس ہمت اور ثابت قدمی سے یہ اپنے فرض کو ادا کرتے رہے۔ اسکا ثبوت آپکو آیندہ صفحوں میں ملیگا۔ ان بہادروں کے مبارک نام شہرت کے آسمان پر آفتاب جہاں تاب کی طرح چمک رہے ہیں۔ اور جب تک دنیا قائم ہے۔ بدستور چمکتے رہیں گے۔ اس معزز خاندان کے لیئے یہ کوئی کم فخر کی بات نہیں کہ اس نے دہلی کے شاہی خاندان سے کبھی رشتہ داری کرنی منظور نہیں کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اودے پور کا رئیس ہمیشہ راجپوت رئیسوں کا سرگروہ سمجھا گیا ہے۔ اور جو لوگ اسکے کسی طرح فرمانبردار نہیں۔ وہ بھی بہ پابندی دستور قدیم اُس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

یہاں کے حکمران بلقب رانا ملقب ہیں۔ اور سورج بنسی خاندان کی شاخ کلاں ہیں تاریخ راجستھان کا نامور مورخ لکھتا ہے۔ کہ سوائے جیسلمیر کے راجپوتوں میں صرف اودے پور کا ہی خاندان ہے۔ جو کہ آٹھ سو برس کی غیر عملداری کے بعد بھی اسی سرزمین پر حکمران ہے۔ جو اس زمانہ سے پیشتر انکو بذریعہ فتح حاصل ہوئی تھی۔ رانا صاحب کے پاس اب بھی قریب قریب

وہی ملک ہے۔ جو محمود غزنوی کے عبور دریائے سندھ کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے
پہلے اِن کے بزرگوں کے قبضہ میں تھا۔ اِن کے سوا دیگر خاندان جو راجستھان کے شمال مغرب میں
حکمران ہیں۔ یا تو قدیم خاندانوں کے بقیہ جات ہیں۔ کہ اپنے اپنے مقامات سے مخروج ہو کر یہاں
مسکن گزیں ہوئے ہیں۔ یا بالکل نئے ہیں۔ جنہوں نے قوت بازو سے ریاستیں پیدا کی ہیں۔
ابتدا میں اِس ریاست کا پایہ تخت چتوڑ[1] تھا۔ آہ! یہ وہی چتوڑ ہے۔ جس کا نام لکھتے ہوئے قلم
کا سینہ شق ہوا جاتا ہے۔ اور اس قطعہ زمین کے پورانے دردناک واقعات کی یاد مؤلف کے دل
میں چٹکیاں لے رہی ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ ہمارے وہ معزز ناظرین بھی جو تواریخی دنیا سے کسی

[1] یہ شہر اور قلعہ نیچ ہے۔ ۴۰ میل شمال مغرب میں اور نصیر آباد سے ایک سو میل جانب .... جنوب
بیرس ندی کے کنارہ پر واقع ہے۔ اسکا عرض بلد شمالی ۲۴ درجہ ۵۲ دقیقہ اور طول بلد شرقی ۷۴ درجہ ۴۱ دقیقہ ہے۔ یہ قلعہ
اگرچہ زمانہ حال میں بالکل تباہ و ویران پڑا ہے۔ لیکن یہ قلعہ اور شہر کسی وقت میں ہندوستان کے تمام مقاموں سے مشہور
مقام تھا۔ قلعہ پہاڑ پر ہے۔ اور شہر کی فصیلیں بلند اور مکانات جا بجا پہاڑ کے اوپر واقعہ ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قلعہ اور شہر بہت
دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ ندی پر نو محرابوں کا پُل بہت عمدہ بنا ہوا ہے۔ اور قلعہ کے اندر کئی قدیم مکانات ہیں (۱) نولکھا بھنڈار
ایک مختصر اندرونی قلعہ ہے۔ اسکی دیواریں بڑی عریض اور بلند ہیں (۲) رانا صاحب کا محل جسکی عمارت بڑی خوبصورت مگر سادہ
وضع کی ہے (۳) کرشن جی کے ۲ بڑے بڑے مندر ہیں۔ اور ان مندروں کے قریب دو تالاب مکتر پتھر کے ٹکڑوں سے بنے ہوئے
ہیں ہر ایک تالاب کا طول ۱۲۵ فیٹ عرض ۵۰ فیٹ اور عمق بھی ۵۰ فیٹ ہے (۴) پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑا مندر مہادیو
کا ہے۔ اس کا نقشہ بہت ہی عمدہ ہے۔ اور اسکی عمارت نہایت اچھے مصالح سے تیار ہوئی ہے (۵) تمام عمارتوں سے
سب سے زیادہ نامور عمارت کیرت کنبھ ہے۔ جو کہ رانا کمبھو نے جو ۱۴۱۸ء سے ۱۴۶۸ء تک حکمران رہا۔ مالوہ اور گجرات کی متفق
فوجوں پر فتح پانے کی یادگار میں بنوایا تھا۔ یہ عمارت ۴۴ فیٹ کے مربع چبوترہ پر واقع ہے۔ اسکی بلندی ۱۲۲ فیٹ ہے
اور نیچے سے چاروں سمتوں میں ہر ایک ۳۵ فیٹ ہے۔ اس کی نو منزلیں ہیں۔ اور اخیر منزل پر چھتری ہے۔ اس کی
عمارت عمدہ سنگ مرمر کی ہے۔ اور ہندو دیوتاؤں کی مختلف تصویریں اس پر منقش ہیں۔ قلعہ کے اندر ۸۴ باوڑیاں
بتلائی جاتی ہیں۔ لیکن جب ہیبر صاحب سخت گرمیوں کے موسم میں اسکی سیر کو گئے۔ تو صرف بارہ باوڑیوں میں پانی
موجود تھا۔ جنوب اور مغرب کے کنارہ کی طرف ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ جس سے حملہ آور فوج کو قلعہ کی فوج کے
مقابلہ میں بہت پناہ مل سکتی ہے۔ اور اس طرف سے پہاڑ کی چڑھائی بڑی ہی سہل ہے۔

قدر واقفیت رکھتے ہیں۔ اسکا نام سنکر ایک دفعہ ضرور سناٹا کھا جائیں گے۔ آہ! یہ وہی سرزمین ہے جو مدت تک راجپوت بہادروں کی شہید گاہ بنی رہی ہے۔ یہ وہی مقام ہے۔ جسکی حفاظت میں ہزاروں چھتریونکے خون پانی کی طرح بہ چکے ہیں۔ بات کے دھنی اور قومی آن پر مٹنے والے ہٹیلے غیرت مند راجپوتوں کے لاکھوں ارمان اور کروڑوں حسرتیں اس وسیع میدان کی مٹی میں ملی ہوئی کچھ ایسے حسرتناک سین پیش کر رہی ہیں۔ جنکو دیکھکر زمانہ کی بیوفائی اور دنیا کی سردمہری کی بھیانک تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ یہ وہی چتوڑ ہے۔ جس کے دلاور حکمرانوں کی جاں فروشیوں کے معرکے اور کارنامے ایسے ولولہ انگیز ہیں۔ کہ آرین نیشن کی بجھی ہوئی ہمتوں اور منجمد ہوئے ہوئے خون میں بھی ایک دفعہ جوشیلی روح ضرور پھونک جاتے ہیں۔ یہ وہی چتوڑ ہے۔ جہاں جہاں وہ وہ گل پیدا ہوئے جنکی خوشبو سے تمام جہان مہک گیا۔ یہ وہی چتوڑ ہے۔ جسکی حیرت انگیز داستانوں کو تواریخی ورق اپنے وفادار سینوں سے لگائے۔ آج تک بڑے فخر سے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں یہ وہی چتوڑ ہے جہاں کے حکمران مسلمان بادشاہوں کی اطاعت قبول کرنا تو درکنار ان کو جھک کر سلام کرنا بھی عار سمجھتے تھے۔

یہ وہی قطعہ ہے۔ جہاں کی سپاہیانہ اولوالعزمی سچی بہادری اور مستقل مزاجی صرف مردوں پر ہی موقوف نہیں۔ بلکہ اُن کی عورتوں نے بھی ملکی خدمات اور قومی ضروریات کے موقعوں پر اپنی جانیں قربان کرنے میں پورا پورا حصہ لیا ہے۔ جس طرح یہاں کے بہادر راجپوت تلوار کے دھنی اور شجاعت کے پتلے تھے۔ اسی طرح ان کی عورتیں بھی عفت اور عصمت کی کانیں اور اپنے عزیز ملک کی دلی خیرخواہ تھیں۔ اگرچہ وہ جلتی بلتی چتائیں جن میں ان دیویوں نے ہنستے ہُوئے چہروں سے داخل ہو کر اپنی سچی وفاداری کا ثبوت دیا کب کی ٹھنڈی ہو چکی ہیں۔ بے رحم زمانہ کی دست درازیوں نے ان کے خاک کے ڈھیروں تک کو برباد کر دیا ہے۔ لیکن تواریخ ایسی بیوفا نہیں جو ان کے متبرک ناموں کو یونہی ملیامیٹ کر دے۔ ان قومی شہیدوں اور ملکی جان نثاروں کے کارنامے اس جگہ پر محتاج تشریح نہیں ہیں۔ ان کا ثبوت آپکو آئندہ صفحوں میں ملیگا+

یہی چتوڑ مدت تک ریاست میواڑ کا پایہ تخت اور خاندان سسودیہ کا دارالحکومت رہا۔ لیکن ۱۵۶۸ء میں چتوڑ کی مشہور لڑائی کے بعد جو اکبر کے ساتھ ہوئی تھی۔ رانا اودے سنگھ نے چتوڑ سے ستر میل کے فاصلہ پر گوشہ جنوب و مغرب کو جھکتا ہُوا پہاڑوں کے نرغہ میں ایک اور شہر بسا کر دارالسلطنت مقرر کیا۔ اور اپنے نام پر اُس کا نام اودے پور رکھا۔ جو آج تک اس سلطنت

کا دار الخلافہ چلا آتا ہے ؂

باپا راول

جب بلبھی پور کا راجہ سیلی ویتہ اپنے نمک حرام وزیر کی سازش سے نہایت بہادری کے س
غنیم کے مقابلہ میں مارا گیا۔ تو اس کی تمام رانیاں لاش کے ساتھ چتا میں بیٹھ کر جل گئیں صرف
ایک رانی جس کا نام پشپاوتی تھا۔ اور اپنے باپ کے ہاں کسی تقریب پر گئی ہوئی تھی۔ بچ رہی بلبھی
کی غارتگری اور شوہر کے قتل کا حال سنکر پشپاوتی نے بھی ستی ہونے کا ارادہ ظاہر کیا یہ حاملہ تھی
جب اسکو بتلایا گیا۔ کہ اس کے ستی ہو جانے سے شاہی نسل قطع ہو جائے گی۔ تو اس نے وضع حمل
تک زندہ رہنا منظور کر لیا۔ اگرچہ دنیا اس کی آنکھوں میں تیرہ و تار تھی۔ اور اس کا ایک ایک
نہایت رنج و غم میں گذرتا تھا۔ لیکن اس نے دل پر جبر کر کے ایام حمل کو پورا کیا ؂

مدت حمل پوری ہونے پر لڑکا پیدا ہوا۔ اور پشپاوتی اسکو کملاوتی نام ایک برہمنی کے
کر کے چتا پر چڑھ گئی۔ اور اسکو وصیت کر گئی۔ کہ وہ اس لڑکے کو برہمن کا لڑکا ظاہر کر کے پرورش
کرے۔ مگر اس کی شادی کسی چھتری نسل کی لڑکی سے کیجائے ؂

کملاوتی ایک پجاری برہمن کی لڑکی اور خود بھی صاحب اولاد تھی۔ اُس نے اس یتیم شہزادے
کی بہت اچھی طرح پرورش کی۔ اور اس کا نام گوہا رکھا۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات گوہا کو برہمنوں کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے سے سخت نفرت
تھی۔ وہ ہمیشہ بھیلوں کے لڑکوں سے مل کر جانوروں اور وحشی چوپایوں کا شکار کیا کرتا تھا۔ اور ابھی
اُس کی عمر مشکل سے گیارہ برس کو پہونچی تھی۔ کہ وہ کسی کا کہنا نہ مانتا تھا ؂

اُس زمانہ میں ایدر کا علاقہ ایک بھیل سردار کے ماتحت تھا۔ اس سردار کا نام منڈلیکا تھا
گوہا ابھی خورد سال ہی تھا۔ کہ وہ برہمن کے گھر سے نکل کر بھیلوں میں آملا۔ بھیل اس سے کمال محبت
رکھتے تھے۔ اور ہر طرح سے اس کی تعظیم کرتے تھے ؂

گوہا اوائل عمر سے ہی بڑا بہادر اور منچلا تھا۔ اور ان تمام مہمات میں جو ان لوگوں کو اکثر پیش آیا
کرتی تھیں۔ سب کا سرگروہ سمجھا تھا۔ آخر کار قوم بھیل نے ارادہ کیا تھا۔ کہ کسی شخص کو اپنا بادشاہ

منتخب کریں۔ کیونکہ آج تک ان میں کوئی مسلمہ افسر نہ تھا۔ گوہا پر سب کی نظر جا جمی۔ اور اسکو اپنا بادشاہ قرار دیا؛

اس طرح ایدر کا تمام علاقہ گوہا کے قبضہ میں آگیا۔ اسی راجہ کے نام سے اس کی اولاد گوہیلوٹ مشہور ہوئی۔ اور آخر کار یہ نام بدل کر گھلوٹ بن گیا۔

گوہا کے بعد آٹھ راجہ یکے بعد دیگرے اسی خاندان سے تخت نشین ہوئے۔ مگر آٹھویں راجہ کے عہد حکومت میں بھیل قوم پھر خود سر ہوگئی۔ اور اسکو غیر قوم کے بادشاہ کی اطاعت ناگوار گذرنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس آخری راجہ کو جس کا نام نگاوت تھا۔ دغا سے شکار گاہ میں قتل کیا گیا۔ اور ایدر کو چھین لیا۔

حسن اتفاق دیکھئے۔ کہ اسی کملاوتی برہمنی کی اولاد نے جس نے گوہا کی حفاظت کر کے بلبھی خاندان کی شاہی نسل کو برقرار رکھا تھا۔ اب بھی نگاوت کے خورد سالہ بچے کی جان بچائی؛

اس کم سن شہزادے کا نام باپا تھا۔ اور اس وقت اُس کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ اول اُسکو قلعہ بھندیری میں جو ہند کے اضلاع میں سب سے زیادہ اُجاڑ اور غیر آباد علاقہ ہے لے گئے۔ اور یہاں پر ایک خدا ترس اور نیک مزاج بھیل نے اس کی پرورش کی۔ مگر جب محافظ برہمن کو اسجگہ بھی اس کی زندگی کی نسبت اچھی طرح اطمینان نہ آیا۔ تو وہ اسکو پیری سر کے جنگل میں جو زیادہ تر محفوظ مقام تھا لے گیا۔ اس مقام پر انسان کی بہت کم رسائی تھی یہاں پر پہاڑ کی تین شاخیں آکر ملتی تھیں۔ اور اُس کے دامن میں ایک قصبہ تھا جسکا نام نگیندر تھا۔ اور اس جگہ سے جہاں بعد میں اودے پور آباد ہُوا۔ دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ آبادی محض برہمنوں کی تھی۔ اس گوشہ تنہائی میں باپا نے اپنے ایام طفولیت بسر کئے۔ مگر وہ ہر وقت اس جگہ محصور ہی نہ رہتا تھا۔ بلکہ اونچے اونچے پہاڑوں گھاٹیوں اور گردنواح کے جنگلوں میں بھی دوڑتا پھرتا تھا؛

اس مقام پر بڑے پرانے شوالے دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو تاریک گھاٹیوں پہاڑیونکی چوٹیوں گھنے درختوں چشموں اور ندیوں کے کناروں اور دیگر تنہائی کے مقامات میں برابر پائے جاتے اور دیکھنے والے کے دل کو خواہ مخواہ اپنی طرف راغب کر لیتے ہیں۔

گردنواح کے لڑکے جو جنگل میں مویشی چرانے آیا کرتے تھے۔ باپا کے دوست بن گئے۔ اور گرچہ یہ اس وقت خود بھی نہایت مفلسی کی حالت میں تھا۔ لیکن حکومت کا وہ مادہ جو قدرت

نے اس کی سرشت میں پیدا کر دیا تھا۔ یا خاندان سے اس کو ورثہ میں ملا تھا۔ سب پر غالب آیا
تمام لڑکے اس کو اپنا سرگروہ تسلیم کرتے۔ اور ہر وقت اس کے حکم میں حاضر رہتے تھے ؛
ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سردار سولانکی کی لڑکی گاؤں کی لڑکیوں کے ہمراہ اس مندر کے
جس میں باپا رہتا تھا۔ جھولا جھولنے کے لئے آئی۔ اتفاق سے باپا بھی وہاں موجود تھا۔ لڑکی
کے پاس رسی نہ تھی۔ اُنہوں نے باپا سے رسی لانے کے لئے درخواست کی۔ باپا نے رسی بہم پہنچانے
کا اقرار کیا۔ لیکن اس شرط پر کہ اول وہ اس کے ساتھ شادی کا کھیل کھیلیں۔ معصوم لڑکیوں
سوائے کھیل کے زیادہ تمیز نہ تھی۔ سب نے اس کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور سردار
لڑکی نے بھی منظور کر لیا ؛

سولانکی کی لڑکی کا دامن باپا کے دامن سے باندھا گیا۔ اور قصبہ کی تمام لڑکیوں نے باہم
ایک پرانے درخت کے گرد پھیرے دیئے۔ اگرچہ یہ شادی محض کھیل ہی کھیل میں گوڑیوں کی شادی
طرح سرانجام پائی تھی۔ اور معصوم لڑکیاں حتّٰے کہ باپا بھی اس کے نتیجے سے آگاہ نہ تھا۔
آخر کار یہی کھیل باپا کو نگیندر سے جان بچا کر بھاگنے کا باعث ہوا ؛

جب یہ کھیل ہو چکی تو باپا نے رسی لا کر جھولا ڈالا۔ اور تمام لڑکیاں کچھ دیر تک جھولنے
بعد انکے اپنے گھروں کو چلی گئیں ؛

باپا بالکل بے سمجھ بھی نہیں تھا۔ لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد اسکو خیال آیا کہ جب
یہ خبر سردار سولانکی کو ہوگی۔ تو وہ ضرور خفا ہوگا۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اس نے تمام لڑکوں
کو جمع کر کے قسم دی۔ کہ اس کھیل کا مطلق کسی سے ذکر تک بھی نہ کریں۔ باپا کی وہ ترکیب جس سے
اس نے لڑکوں کو قسم دلائی۔ اب تک بھی زبان زد خلائق ہے۔ اور وہ اس طرح تھی کہ اس نے
ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر اس میں پانی بھرا۔ اور ایک کنکری ہاتھ میں لے کر کہنے لگا "
قسم کھاؤ۔ کہ ہم تیرے نیک اور بد کو مخفی رکھیں گے۔ اور ہر طرح تیرے فرمانبردار رہکر قصبہ میں
کچھ اُس معاملہ کی نسبت سنیں گے۔ وہ بھی تجھ سے کہدیں گے۔ اگر اس میں قصور کریں گے تو
اباؤ اجداد کے نیک کام مثل اس کنکری کے جو اس وقت باپا نے گڑھے میں ڈالدی تھی
کے کنوئیں میں غرق ہو جائیں گے۔

چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق تمام لڑکوں نے حلف اُٹھائی۔ اب سولانکی کے باپ
اسکی شادی کی فکر ہوئی۔ مگر جب اسکو معلوم ہُوا۔ کہ اسکی شادی باپا سے ہو چکی ہے۔ تو اس

سخت غصہ آیا۔ اور ممکن تھا۔ کہ یہ غصہ باپا کی جان کو بھی نقصان پہونچاتا۔ مگر اس کے ہمراہی لڑکوں نے حسب وعدہ اسکو خبر پہنچا ئی۔ اور وہ یہاں سے بھاگ کر کسی نامعلوم گھاٹی میں پناہ گزین ہو گیا؛ اس وقت دو بھیل لڑکے بھی جو باپا کے بڑے گہرے دوست تھے۔ اس کے ساتھ فرار ہوئے ایک کا نام ہیلیو اور دوسرے کا دیوا تھا۔ چنانچہ جب باپا قوم موری کی ریاست چھین کر تخت نشین ہوا۔ تو ہیلیو نے انگلی چیر کر اپنے خون سے اُس کی پیشانی پر ٹیکا کیا تھا؛

یہ رسم آج تک بھی جاری ہے۔ اور جب باپا کی اولاد سے کوئی نیا راجہ تخت نشین ہوتا ہے۔ ہیلیو اور دیوا کی اولاد اُس کی پیشانی پر ٹیکا کرنے کو اپنا حق سمجھتی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں بھیلوں کی اولاد آج کل اوندری اور اوگنا پنوڑا میں آباد ہے۔ اور ہندوستان بھر میں صرف یہی دو مقام ہیں۔ جنکو قدرتی آزادی حاصل ہے۔ وہ کسی ریاست کے ماتحت نہیں نہ وہاں کسی غیر قوم کی آمد و رفت ہے۔ ان کا اپنا ہی سردار ہے۔ اس کا خطاب رانا ہے۔ ایک ہزار گاؤں جو اِس گھاٹی میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں۔ اِس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اور وہ ضرورت کے وقت پانچہزار تیر انداز فراہم کر سکتا ہے۔

باپا کے نگیندر قصبہ سے فرار ہونے کی وجہ جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ ایک معقول وجہ ہے۔ لیکن تواریخ میواڑ اس کو ایک اور ہی طرح پر بیان کرتی ہے۔ اگر چہ یہ توہمات سے لبریز اور مبالغہ سے پُر ہے۔ مگر خالی از دلچسپی نہیں۔ لہذا ناظرین کے مطالعہ کے لئے اس کو بھی یہاں درج کیا جاتا ہے؛

باپا ایام طفولیت میں جب گائیں چرایا کرتا تھا۔ تو یہ شک پیدا ہوا۔ کہ وہ ایک گائے کا دودھ چُرا کر اپنے کام میں لے آتا ہے۔ اس کا اعتبار جاتا رہا۔ اور اسکو پکڑنے کے لئے جاسوس مقرر کئے گئے۔ باپا درحقیقت بے قصور تھا۔ لیکن جب شام کو گائے گھر میں آئی۔ اور باپا کو اسکے تھن دکھلائے گئے۔ تو واقعی اُن میں دودھ نہ تھا۔ اُس روز باپا غور سے گائے کی طرف دیکھتا رہا۔ گائے ایک تنگ گھاٹی میں اتری۔ باپا بھی اُس کے پیچھے گیا۔ یہاں ایک شیو کا مندر تھا۔ اور گنجان درختوں کے نیچے ایک سادھو سمادی لگائے دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر بیٹھا تھا۔ باپا کے قدموں کی آہٹ سے سادھو چونک پڑا۔ اور باپا کو بھی معلوم ہو گیا۔ کہ گائے کا دودھ ہر روز اسی شوالہ میں رہ جاتا تھا؛ گوشہ نشین سادھو نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اور باپا نے اپنی ساری سرگذشت اس کے آگے بیان کی۔ اگر چہ اُس نے اپنے آپ کو اُس کے سامنے گوالا ظاہر کیا۔ مگر تیز نظر سادھو اُس کی

پیشانی کے ستارہ ہی سے معلوم کر چکا تھا۔ کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اور اس دنیا میں کسی خاص کام کے سرانجام دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ سادھو نے باپا کو آشیرباد دی۔ اور نہایت مہربانی سے رخصت کیا۔ لیکن باپا ہر روز اس کے پاس جاتا۔ اس کے پاؤں دھوتا۔ اور اُس کو پھل پھول اور دودھ وغیرہ پہنچاتا رہا۔ سادھو نے بھی اس خدمت کے عوض میں اُسکو مذہبی تعلیم شروع کی۔ اُس کو اپنا چیلا بنایا۔ اور اپنے ہاتھ سے اسکو جنجو پہنا کر شبو کا پورا پورا معتقد بنا دیا۔

باپا کی عبادت منظور ہوئی۔ اور ایک دن شکتی نے ظاہر ہو کر اسکو تیر کمان۔ ترکش۔ برچھی ڈھال اور تلوار تمام ہتھیار عنایت کئے۔ بلکہ اپنے ہاتھوں سے اُسکے زیب تن کئے۔

اب سادھو نے سفر آخرت کی تیاری کی۔ اور باپا کو اپنے ارادہ سے مطلع کر کے حکم دیا۔ کہ کل علی الصبح مندر میں حاضر ہو۔ لیکن نیند کے غلبہ سے مجبور ہو کر وہ ٹھیک وقت پر نہ پہنچ سکا۔ اور نیند کھلنے پر جب وہ مندر میں آیا۔ تو سادھو خوشنما بوان پر بیٹھا ہوا آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے باپا کو دیکھ کر بوان کو ٹھہرایا۔ اور اُسکو آخری ہدایت کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا۔ اسی وقت باپا کا قد ۲۰ ہاتھ کا ہو گیا۔ مگر وہ پھر بھی بوان تک نہ پہنچ سکا۔ سادھو نے حکم دیا۔ کہ منہ کھولو۔ باپا نے اسکی تعمیل کی اور سادھو نے اس میں تھوک دیا۔ مگر باپا نے نفرت سے ناک بھوں چڑھائی۔ اور اس حرکت سے لعاب دہن پاؤں پر آ گرا۔ سادھو نے اُسکی طرف دیکھا۔ اور کہا کہ تو میرا کہا مان جاتا۔ تو تو امر ہو جاتا۔ مگر اب کوئی ہتھیار تیرے جسم پر کاٹ نہ کر سکیگا۔ یہ کہکر سادھو تو آسمان پر چلا گیا۔ اور باپا نے گھر میں واپس آ کر تمام حال اپنی ماں سے بیان کیا۔ ماں نے بھی اب صاف طور پر بتلا دیا۔ کہ وہ راجہ کا لڑکا ہے صرف مصلحت وقت سے وہ اُسکو آج تک چھپائے ہوئے تھی"۔

شیر کا بچہ آج تک بھیڑوں کے گلہ میں پلتا تھا۔ لیکن جب اُس کو اپنی اصلیت معلوم ہوئی پھر اس سے چرواہے کا کام ہونا ناممکن تھا وہ اپنے چند دوستوں کو لے کر گوشہ تنہائی سے نکلا۔ اور ایک ولی سے جسکا نام گورکھ ناتھ تھا۔ اور کوہ ٹائگر کے جنگل میں رہتا تھا۔ ملاقی ہوا۔ اُس ولی نے اُسکو ایک تلوار دودھاری عنایت کی۔ یہ تلوار بڑی قیمتی تھی۔ اور اُس کی بابت مشہور ہے۔ کہ وہ پہاڑ کے بھی دو ٹکڑے کر سکتی تھی۔ اسی تلوار کی مدد سے باپا کو ناموری حاصل ہوئی۔ اور اُس نے چتوڑ کا تخت حاصل کیا۔

اسوقت چتوڑ پر موری خاندان کا ایک بادشاہ حکمران تھا۔ یہ بادشاہ قدیم مالکان مالوہ پرامر انسل سے تھا۔ اور ہندوستان کے تمام حکمرانوں سے زبردست تھا۔ باپا اُس کے پاس آیا۔

چونکہ اس کی ماں بھی اسی خاندان کی لڑکی تھی۔ اس لئے نہایت تپاک سے اس کا استقبال ہُوا۔ اور ایک معقول جاگیر عطا ہونے کے علاوہ وہ ایک معزز فوجی عہدہ پر مامور کیا گیا؛

رفتہ رفتہ باپا نے وہ رسوخ پیدا کیا۔ کہ راجہ اس پر خاص مہربانی کی نظر رکھنے لگا۔ مگر اس کی اس قدر قدر و منزلت کو دوسرے درباریوں نے برداشت نہ کیا۔ اور حسد کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ جب ایک زبردست بیرونی دشمن نے چتوڑ پر حملہ کیا۔ تو تمام سرداروں نے جنگ پر جانے سے انکار کر دیا۔ اور طنزاً کہا کہ اب اکیلے باپا کو ہی مقابلہ پر بھیجئے؛

باپا نے جب یہ حال سنا۔ تو وہ راجہ کے پاس آیا۔ اور سب کے سامنے کہا۔ "مجھے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں۔ میں خود غنیم کے مقابلہ پر جاؤنگا۔ اور تنِ تنہا اسکو خاک میں ملاؤنگا"؛

سرداروں کی جاگیریں ضبط ہو گئیں۔ اور اکیلا باپا ہی غنیم کے مقابلہ پر بھیجا گیا؛

اس غنیم کا نام تواریخ میں سلیم درج ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ وہ غزنی سے آیا تھا۔ عین مقابلہ کے وقت باقی سردار بھی حب الوطنی اور قومی جمعیت سے مجبور ہو کر باپا کے ساتھ جا ملے بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ اور اس لڑائی میں باپا نے وہ بہادری دکھائی کہ اپنے بیگانے سب دنگ رہ گئے سلیم کو شکست ہوئی۔ اور وہ اپنی بیٹی باپا کے ساتھ بیاہ کر واپس چلا گیا؛

اس نظیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسوقت تک ہندوؤں میں غیر قوم کی عورت سے شادی کر لینا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

باپا جب واپس آیا۔ تو سرداروں نے دربار میں جانے سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ راجہ سے سخت ناراض تھے۔ مگر باپا نے ان سب کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے ارادہ کیا۔ کہ جس طرح ہو۔ اسکو ہی چتوڑ کی گدی پر بیٹھایا جائے۔ چنانچہ تخت اور تاج کے لالچ نے باپا کو بھی انکا ہم خیال بنا دیا۔ اور چتوڑ کی سلطنت موری خاندان کے ہاتھوں سے نکل کر اس کے قبضہ میں آگئی۔ اور اسکا لقب ہندوؤں کا سورج اور راج گرو مشہور ہوا۔ اور یہ واقعہ ۷۲۸ء کا بیان کیا گیا ہے؛

باپا پورا سو سال کا ہو کر جان بحق ہوا۔ مگر لکھا ہے۔ کہ آخری عمر میں اس نے ایک لشکر جرار سے خراسان پر حملہ کیا۔ اُس نے اصفہان۔ قندھار۔ کشمیر عراق۔ ایران۔ توران اور کافرستان کو فتح کر کے اُن کے بادشاہوں کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔ جن سے ایک سو تیس فرزند پیدا ہوئے۔ اور اُنکی اولاد آج کل نوشیرا پٹھان کے نام سے نامزد ہے؛

باپا کی کئی رانیاں تھیں مگر دختر شاہ اسپ گول والئے جزیرہ بندر دھیو اسے اُسکو بڑی

محبت تھی۔ اس شہزادی سے اپراجیت پیدا ہوا۔ اور چونکہ یہ چتوڑ میں پیدا ہوا تھا۔ اِس لئے یہی باپ کا ولیعہد مقرر ہوا۔ اور باپا کے خراسان کو چلے جانے کے بعد میواڑ کی گدی پر بیٹھا:

باپا ۷۶۴ء میں ایران کو گیا۔ اس زمانہ سے لے کر سلطنت سمرسی یعنی ۱۱۹۱ء تک کے حالات تاریکی میں ہیں۔ اگرچہ وہ بہت مشہور ہیں۔ مگر دستیاب نہیں ہوتے۔ اس عرصہ میں اٹھارہ بادشاہ چتوڑ کے تخت پر بیٹھے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اِن کے زمانہ کے تفصیلی حالات ابھی تک معلوم نہیں ہوسکے:

سمرسی بارہویں صدی کے اخیر میں چتوڑ کے تخت پر بیٹھا۔ سمرسی بڑا مشہور اور جنگ آور تھا۔ اُس کے زمانہ کے شاعروں نے خصوصاً چند شاعروں نے اس کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ ۱۱۹۱ء میں جب شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو اس نے اپنے سالے پرتھی راج چوہان والئے دہلی کی مدد پر جاکر بمقام تھانیسر اس کا مقابلہ کیا۔ شہاب الدین کو شکست ہوئی۔ اور وہ ہندوستان سے بھاگ گیا۔ مگر دو برس بعد شہاب الدین غوری نے پھر پرتھی راج پر حملہ کیا۔ اس وقت اس کے بڑے بڑے سردار جے چند کی لڑائی میں جو سینوگتا کے بدلے ہوئی تھی مارے گئے تھے۔ پھر بھی اُس نے مقابلہ کے سامان کئے۔ سمرسی اس مرتبہ بھی اُسکی مدد کے لئے گیا۔ مگر اس دفعہ شہاب الدین کو تین روز کے سخت جنگ کے بعد فتح نصیب ہوئی۔ پرتھی راج قید ہوگیا۔ اور سمرسی بھی داد شجاعت دیتا ہوا معہ اپنے بہادر سرداروں کے مارا گیا:

سمرسی کے بعد اسکا بیٹا کرن تخت نشین ہوا۔ اور جب وہ فوت ہُوا۔ تو سمرسی کا بھتیجا راہپ مسند نشین ہُوا۔ اور اس نے اپنے خاندان کا لقب راول سے راوت قرار دیا:

راہپ سے لاکسی تک پچاس برس کے عرصہ میں چتوڑ میں نو رئیس مسند نشین ہُوئے جن میں سے چھ میدان جنگ میں قتل ہُوئے۔ یہ زمانہ ریاست میواڑ کے لئے بڑا ہی سختی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ لیکن اُس نے اپنی خود اختیاری اور آزادی کو ہاتھ سے نہیں دیا:

رانا بھیمسی

چتوڑ کا پہلا ساکا

تواریخی پہلو سے یہ زمانہ بڑا مشہور زمانہ ہے۔ اسی عہد میں علاؤالدین نے چتوڑ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ کچھ ملک گیری کی نیت سے نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ علاؤالدین کی غرض محض پدمنی کو اپنے قبضہ میں لانے کی تھی۔

اس دردناک واقعہ کی تصویریں مختلف صورتوں میں دکھلائی گئی ہیں۔ مگر سب کی سب ایسی دردانگیز اور رقت خیز ہیں۔ کہ ان کے دیکھنے سے سنگدل آدمی بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

چتوڑ کی بربادی اور پدمنی کا حسرت ناک انجام آج صدہا سال کے بعد بھی پڑھنے اور سننے والے کے دل کو تڑپا جاتا ہے۔ اور جانبار راجپوتوں کی سرفروشیاں اور جان نثاریاں اُنکی غیور طبیعتوں کا ایک نمایاں ثبوت پیش کرتی ہیں۔

۱۲۷۵ء میں لکھمسی اپنے باپ کی جگہ چتوڑ کے تخت پر بیٹھا۔ چونکہ وہ نابالغ تھا۔ اس لئے سلطنت کا انتظام اِس کے چچا بھیمسی کے ہاتھ میں تھا۔ اور پدمنی دختر ہمیرسنگھ چوہان والئے سیلون اُسی کی بیوی تھی۔ اور حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت کے سارے کمال بھی اُسمیں موجود تھے۔ گو راجہ کے محلوں میں اور بھی بہت سی رانیاں تھیں۔ مگر جو حسن اور دلربائی خدا نے پدمنی کو عطا کی تھی۔ وہ کسی اور کو نصیب نہ تھی۔ اس کا نازک بدن پھولوں میں تولنے کے قابل تھا۔ اور جس طرح چاند کے سامنے ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ اسیطرح راجپوتانہ کی کوئی عورت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ راجہ کو اس سے کمال محبت تھی۔ اور یہ بھی اس پر دل وجان سے نثار تھی۔ گویا دونوں دو قالب اور ایک جان تھے۔

پدمنی کے حسن وجمال کا شہرہ جب علاؤالدین خلجی کے کانوں تک پہنچا۔ تو اس کا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور پدمنی کو حاصل کرنے کے لئے ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر چتوڑ پر چڑھ آیا۔

بھیمسی نے بھی اپنے جاں نثار راجپوتوں اور چتوڑ کے سرفروشوں کو جمع کر کے مقابلہ کی تیاری کی۔ اور میدان میں نکل کر دل کھول کر مقابلہ کیا۔ مگر جب کامیابی کی صورت دکھائی نہ دی۔ تو وہ قلعہ نشین ہوگیا :

محاصرہ کو ایک مدت گذر گئی۔ مگر علاؤالدین کو اپنی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ شاہی لشکر اپنی پوری ہمت سے حملہ آور ہوتا تھا۔ لیکن اہل قلعہ کے ہاتھوں بڑا نقصان اُٹھا کر پس وپا ہونا پڑتا تھا۔ ایک عرصہ دراز کی ناکامیابوں سے جب علاؤالدین کو اپنی تمام کوششیں رائگاں جاتی نظر آئیں۔ اور اُسکو یقین ہوگیا۔ کہ راجپوتوں کی شجاعت اور ہوشیاری کی وجہ سے قلعہ کا حاصل کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ تو اس کا حوصلہ پست ہوگیا۔ اور اس نے اپنے افسروں کو جمع کر کے مشورہ کیا سب نے صلاح دی۔ کہ راجپوتوں کو لڑ کر زیر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مناسب ہے۔ کہ انکو دغا اور فریب سے قابو کیا جائے :

اس مشورہ کے بعد علاؤالدین نے پیغام بھیجا۔ کہ پدمنی کو صرف ایک نظر دکھا دینے سے محاصرہ اُٹھایا جاسکتا ہے :

اگرچہ اس وقت ہندوؤں میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ مگر پھر بھی غیرت مند راجپوتوں نے اسکو خلاف شان سمجھا۔ اور جواب دیا۔ کہ وہ جیتے جی اس بے عزتی کو گوارا نہیں کر سکتے۔ مگر بھیمسی نے سمجھایا۔ کہ اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اگر اس ایک بات پر خونریزی بند ہوسکتی ہے۔ تو ہونے دو :

پدمنی کو بھی یہ خبر سنائی گئی۔ اُس کا خون جوش کھا گیا۔ اور اس نے کہہ دیا۔ کہ وہ اس بات پر رضامند نہیں ہے۔ مگر شوہر کا حکم ٹالنا اس کے احاطۂ امکان سے باہر تھا قاصد کی زبانی بادشاہ کو کہلا بھیجا۔ کہ وہ چند آدمی ہمراہ لے کر قلعہ میں آجائے۔ پدمنی کا عکس شیشہ میں دکھلا دیا جائیگا :

علاؤالدین جانتا تھا۔ کہ راجپوت دغا و فریب سے سخت متنفر اور اپنے قول و اقرار پر مرتے دم تک پہرہ دینے والے ہیں۔ اِس لیئے ان کی ایمانداری پر اعتبار کر کے وہ صرف چند آدمیوں کے ساتھ قلعہ چتوڑ میں داخل ہوا حسب وعدہ پدمنی کا عکس شیشے میں دکھلایا گیا۔ اور بھیمسی بھی اس پر بھروسہ کر کے دامن قلعہ تک اس کے ہمرکاب چلا آیا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ علاؤالدین نے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر فریب کھیل کر اپنی پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگا لیا۔ مسلمان سپاہیوں نے جو گھات میں لگے ہوئے تھے۔ راجہ کو قید کر لیا۔ اور کیمپ میں لے گئے :

راجپوت حیران تھے۔ وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اور علاؤالدین کا وہ ارادہ جو زی حوصلہ

اور شجاع راجپوتوں کے مقابلہ میں تلوار سے پورا نہ ہو سکا تھا۔ دغا سے تکمیل کو پہنچا ؛

عورتش پدمنی کے لئے اپنے شوہر کی گرفتاری سے بڑھکر اور صدمہ کیا ہو سکتا تھا۔ اُس نے تمام راجپوتوں کو فراہم کیا۔ اور راجہ کی رہائی کی تجویز پیش کی گئی۔ ٹھیک اسی موقعہ پر علاؤالدین کا قاصد پیغام لایا۔ کہ اگر راجہ بھیمسی کی رہائی منظور ہے۔ تو پدمنی کو بلا تامل شاہی خیمہ میں بھیجدیا جائے بوڑھے مگر شہوت پرست سلطان کا پیغام پدمنی کو سنایا گیا۔ جسکو سن کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور نہایت غیظ و غضب کے عالم میں جواب دیا۔ ظالم بادشاہ سے کہدو۔ کہ پدمنی بدنصیب بخت برگشتہ اور دکھیاری ضرور ہے۔ مگر وہ پست ہمت اور اپنے خاندان کے نام پر دھبہ لگانے والی نہیں۔ اس سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ کہ جان و مال کے خوف سے بادشاہ کے محل میں داخل ہو یا اُس کی دھمکی میں آکر راجپوتی آن کو بدنام کردے۔ وہ ایسی بے عزتی کی زندگی سے موت کو ہزار درجہ ترجیح دیتی ہے ؛

راجپوتوں کو بھی اپنی قومی عزت کا پاس تھا سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کہ ہم سب کٹ کر مر جائیں گے۔ مگر ہمارے جیتے جی کوئی شخص پدمنی کو شاہی کیمپ میں لیجانے کا نام نہیں لے سکتا۔ مگر سب سے بڑھکر خیال راجہ کی گرفتاری کا تھا۔ جسکو پدمنی کے بدلے صدہا قسم کی تکلیفیں دیجاتی تھیں۔ اور حسب قول مصنف "پدماوت" وہ ایک آہنی پنجرہ میں قید تھا جس میں انسان صرف بیٹھ سکتا تھا لیکن لیٹنے کی گنجائش نہ تھی۔ بلکہ پنجرے کی دیوار سے سہارا لگانا بھی ناممکن تھا۔ کیونکہ اس میں چاروں طرف تیز کانٹے لگے ہوئے تھے۔ پانی مانگتا۔ تو آگ لے کر دوڑتے۔ کھانے کو کہتا۔ تو سر پر مونگری لگاتے۔ لیکن اس جوانمرد نے ایسی ایسی سختیاں سہکر بھی پدمنی کا دینا قبول نہ کیا۔ پھر تو بادشاہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ حکم دیا۔ کہ راجہ کو سخت عذاب پہنچاؤ۔ چنانچہ کبھی گرم چمٹوں سے اُس کا بدن داغتے تھے۔ بھڑوں اور بچھوؤں سے کٹواتے اور آگ میں سرخ کی ہوئی سیخیں چبھوتے تھے ؛

راجہ کی ایسی ایسی تکلیفوں کا حال سُنکر پدمنی کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو رہی تھی۔ اور غصے کے مارے سرداروں کا خون جوش مار رہا تھا۔ مگر سب حیران تھے۔ اور کوئی تدبیر سوجھائی نہ دیتی تھی آخر کار بہت کچھ بحث مباحثہ کے بعد سب نے گورہ اور بادل[1] کی رائے سے اتفاق کیا۔ یہ تجویز واقعی معقول تھی۔ اور اس سے بھیمسی کی خلاصی کے علاوہ پدمنی کی عزت میں بھی فرق آنے کا اندیشہ

---

[1] گورہ پدمنی کا چچا اور بادل اُسکا بھتیجا تھا ۱۲

نہ تھا۔ بیشک فرسی کو فریب سے ہی قابو کیا جا سکتا ہے۔ اور لوہے کے کاٹنے کے لئے لوہا ہی بہتر کام دے سکتا ہے؛

قاصد علاؤالدین کے پاس بھیجا گیا۔ اور کہدیا گیا۔ کہ اگر بادشاہ چتوڑ کا محاصرہ چھوڑ دے۔ تو پدمنی اُس کے پاس بھیجدی جائے گی۔ مگر اس کی لونڈیوں کو جو اُس کے ساتھ دہلی جائینگی۔ اور قلعہ کی باقی عورت کو بھی جو اُسکو الوداع کہنے کے لئے شاہی کمپ تک آئینگی۔ اس کے ہمراہ آنے کی اجازت دیجائے؛

اس پیغام کے پُہنچنے سے علاؤالدین باغ باغ ہو گیا۔ اور اس نے حکم دیا۔ کہ پدمنی کو بڑی عزت اور حرمت سے شاہی کیمپ تک لایا جائے؛

مقررہ دن پر پدمنی کی مصنوعی سواری قلعہ سے نکلی۔ سات سو ڈولیاں اسکے ہم رکاب تھیں چھ چھ مسلح سپاہی بھیس بدلے ہُوئے ہر ایک ڈولی کو اُٹھائے ہُوئے تھے۔ اور ہر ایک کے اندر بھی ایک مسلح راجپوت بیٹھا ہُوا تھا؛

بادشاہ کا خیمہ قناتوں سے گھرا تھا۔ تمام ڈولیاں باہر اتاری گئیں۔ اور التجا کی گئی کہ پدمنی اپنے شوہر سے آخری ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ علاؤالدین نے مشکل سے نصف گھنٹہ کی مہلت عطا کی۔ مفروضہ پدمنی کی ڈولی راجہ کے خیمہ میں پُہنچا دی گئی۔ لیکن نصف گھنٹہ سے زیادہ عرصہ گذر جانے سے بادشاہ کو شک سا پیدا ہو گیا۔ اِس لئے وہ خود سوار ہو کر راجہ کے خیمہ میں آیا مگر اس وقت راجپوت اپنا کام کر چکے تھے۔ اور چند جان نثار راجہ کی بیڑیاں کاٹ کر اور اسکو گھوڑے پر سوار کر کے چتوڑ کے رستہ پر ہو لئے تھے؛

راجہ کا خیمہ خالی پاکر علاؤالدین کے ہوش اُڑ گئے۔ اِس کا ارادہ پدمنی کو لے کر بھی راجہ کو رہا کرنیکا نہ تھا۔ مگر جب راجپوت دلاور تلواریں سوت بجلیوں کی طرح پالکیوں سے کود پڑے۔ اور کہاروں نے بھی جب اپنے لمبے لبادے اُتار کر تلواریں کھینچ لیں۔ تو بادشاہ کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ اور اسکو معلوم ہو گیا کہ پدمنی کا صرف بہانہ ہی تھا۔ راجپوتوں کا مقصد صرف راجہ کو چھوڑا کر لیجانا تھا۔ حکم ہُوا۔ کہ رسالے تیار ہو کر راجہ کا تعاقب کریں۔ اور قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے پہلے مع اسکے ہمراہیوں کے پا بزنجیر کر کے لے آئیں۔ فوراً منچلے سواروں نے گھوڑے اُڑائے۔ اور راجہ کا تعاقب کیا۔ مگر راجپوت بھی بلا کے پتلے تھے۔ انہوں نے پہلے ہی تمام انتظام پورا کر رکھا تھا۔ رستہ میں کچھ کچھ فاصلہ پر راجپوتوں کے گروہ مقرر کئے گئے تھے۔ تاکہ تعاقب میں آنے والی فوج

کاتا کا روکے رکھیں۔ اور راجہ کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقعہ ملجائے ؛

اول ہنگامہ بادشاہ کے کیمپ میں ہُوا شاہی فوج تو یہ چاہتی تھی۔ کہ جس طرح ہو راجہ تک پہنچ جائے۔ اور اسکو گرفتار کرکے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرے۔ مگر راجپوت سینہ سپر ہوکر اُس کے اس ارادہ کو پورا نہ ہونے دیتے تھے۔ لوہا خوب برسا۔ طرفین کے دلاوروں نے خوب دادشجاعت دی۔ مسلمان دلاور تو اپنے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بڑھ بڑھ کر تلوار یں مارتے تھے۔ اور راجپوت اپنے راجہ کے بچاؤ کے لئے خوشی خوشی موت کے منہ میں داخل ہوتے تھے ؛

غرضیکہ شاہی سواروں کو ایک ایک قدم آگے بڑھنے کے لئے راجپوتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ایک کا علاج دو اور دو کا چار مگر یہاں تو سینکڑوں کا مقابلہ ہزاروں سے تھا صرف پانچہزار راجپوت کے قریب قلعہ سے نکلے تھے۔ مگر علاوالدین کی سپاہ تیس ہزار سے بھی زیادہ تھی ؛

ان تمام راجپوت سرداروں میں سے جو اپنے راجہ کی آزادی کی کوشش میں قربان ہوئے تھے۔ گورا کی بہادری آج تک زبان زد خلایق ہے۔ اور راجپوت اس کا ذکر بڑی عزت کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ گورا کے ساتھ ایک ہزار راجپوت تھے۔ اُس نے بائیس ہزار شاہی سپاہ کا مقابلہ کیا۔ تعداد کے لحاظ سے اُس کو کامیابی کی امید ہرگز نہ تھی۔ لیکن وہ تو اپنا فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ بادشاہی لشکر کو روک کر راجہ کے تعاقب سے باز رکھے سخت مقابلہ ہُوا۔ مگر اُس کی جمعیت دم بدم گھٹنے لگی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ گورا کو زندہ گرفتار کرو۔ دو ہزار آدمی آگے بڑھے۔ مگر کون تھا۔ جو اُس شیر مست کے مقابل ہوتا۔ بہادر نے تلوار کھینچ لی اور جدہر بڑہتا صفیں کی صفیں اُلٹ دیتا۔ جب سو جوان کے قریب گورا کی اپنی تلوار سے قتل ہو چکے۔ تو اُس نے بادشاہ سے کہا "شیر جیتے جی گرفتار نہیں ہو سکتا۔ ہاں مرنے پر جدہر کوئی چاہے۔ لیجائے۔ گورا جب تک زندہ ہے۔ تم کو راجہ تک ہرگز نہ پہنچنے دیگا" بادشاہ اور بھی جل گیا۔ اور فوراً حملے کا حکم دیا۔ گورا کے ہمراہیوں میں سے اب ایک بھی زندہ نہ تھا۔ اور زخمی ہوکر خود بھی اُسکی آنتیں نکل آئی تھیں۔ تاہم وہ دودستی تلوار لئے مارے جاتا تھا۔ ایک سوار نے کہا۔ گورا! آنتیں سمیٹ کر تو کاندھے پر رکھ لے۔ گھوڑے کے پاؤں تلے آتی ہیں"۔ اس نے گرج کر جواب دیا۔ جب آخر میں زمین پر ہی گرنا ہے۔ تو پھر ان کا کیا فکر ہے ؛

یہ کہکر ایک دفعہ پھر جھپٹا۔ پانچ سوار اور قتل کئے۔ اور گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ گورا نے جو کچھ کہا تھا۔ سچ کر دکھایا۔ اُس کے جیتے جی کیا اُس کے مرنے کے بعد بھی بادشاہ کے سپاہی راجہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور وہ بخیریت قلعہ چتوڑ میں پہنچ گیا؛

فرض شناس گورا! تو واقعی شیر دل راجپوتوں اور جانباز چھتریوں کی ایک زندہ مثال تھا؛ بادل کی عمر اس وقت صرف بارہ سال کی تھی۔ مگر تواریخ شہادت دیتی ہے۔ کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی اُس نے وہ بہادری دکھلائی۔ جو کہ ایک راجپوت دلاور کی شان کے شایاں تھی۔ وہ بھی ایک دستہ راجپوتوں کا افسر تھا۔ اور اُس نے دل توڑ کر غنیم کا مقابلہ کیا تھا۔ اُس کے تمام ہمراہی قتل ہو چکے تھے۔ اور وہ بھی سخت زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن وہ جان سلامت لے گیا۔ اور قلعہ چتوڑ میں پہنچنے پر جو گفتگو اُس کے اور اُس کے چچا گورا کے قبیلے کے درمیان ہوئی۔ پڑھنے کے قابل ہے۔

بادل کی چچی یعنی گورا کی بیوہ نے چتا پر چڑھنے سے پہلے اُس سے دریافت کیا "بیٹا۔ لڑائی میں تیرے چچا نے جو کچھ کارنمایاں کئے۔ مجھے بھی مفصل طور پر سنا" خورد سال بادل نے جواب دیا؛ "ماتاجی! چچا نے لڑائی میں خوب ہاتھ دکھلائے۔ بڑھکر تلوار چلائی۔ میں بھی اُن کے قدموں میں حاضر تھا۔ اور اُن کی تلوار کا ایک ایک وار آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اُس نے میدان جنگ کی خون آلودہ زمین کو پلنگ بنا کر اُس پر غنیم کی نعشوں کا بستر بچھایا۔ اور ایک مسلمان سوار کا تکیہ بنا کر سو گیا" راجپوتنی نے پھر پوچھا "بادل! ذرا کھول کر بیان کر۔ کہ میرے شوہر نے میدان جنگ میں کس طرح اپنے چھتری دہرم کا پالن کیا۔ اور اپنے چچا کے کارنامے کو ایک دفعہ پھر مجھے سُنا۔ بادل نے جواب دیا؛

ماتا میں کیا بیان کروں۔ جب کوئی دشمن بھی مقابلہ کرنے یا اُس کی تلوار کی آنچ سہارنے یا اُن کے قوت بازو کی تعریف کرنے کے لئے باقی نہ رہا۔ تو وہ آرام کے لئے لیٹ گئے۔ اس گفتگو کو سُنکر شجاع راجپوتنی مسکرائی۔ اور کہا" لو بیٹا! رخصت اب میں تیرے چچا کے پاس چلتی ہوں مجھے دیر ہوتی ہے۔ اپنے چچا کے اس کارنامے کو یاد رکھنا۔ اور جب کبھی موقعہ آیا۔ تو اسی طرح اپنی قومی آن کا پاس کرنا یہ کہکر وہ چتا میں کود گئی۔ اور جلتی ہوئی آگ نے اسکا جسم اپنے شعلوں میں چھپا لیا!! وہ یہی ماتائیں تھیں۔ جن سے شریف اور شجاع بیٹے پیدا ہوتے تھے؛

اب علاؤالدین کی سپاہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئی تھی۔ مگر راجپوت بھی شیر کی طرح

باہر نکلے۔ دل توڑ کر مقابلہ ہُوا۔ اور اگرچہ علاؤالدین کو اپنی کثیر التعداد فوج پر ناز تھا۔ مگر راجپوتوں کے جوش کے سامنے اُس کی کچھ پیش نہ گئی۔ اور وہ بحالت مجبوری محاصرہ اُٹھا کر دہلی کو پلٹ گیا۔

پہلی لڑائی میں اگرچہ علاؤالدین کو بڑی بھاری ناکامی نصیب ہُوئی تھی۔ لیکن اُس سے خاموش بیٹھنا محال تھا۔ پدمنی کی تصویر ہر وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی تھی۔ اور جب سے اس نے اس کا عکس شیشہ میں دیکھا تھا۔ اُس وقت سے اُسکو کھانا پینا حرام ہو رہا تھا۔ اُس نے بہت جلد دوسری مرتبہ سامان جنگ تیار کئے۔ اور ایک جدید اور کثیر لشکر آراستہ کر کے چتوڑ کی طرف روانہ ہُوا۔ اور جاتے ہی چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

پہلی لڑائی میں چتوڑ کا سخت نقصان ہُوا تھا۔ اِسکے تمام بہادر افسر مارے گئے تھے۔ اور اس میں لشکر شاہی کے مقابلہ کرنے کی کچھ بھی طاقت باقی نہ تھی۔ لیکن غیور راجپوتوں کے لئے تابعداری کا جولا گلے میں پہننا اور خصوصاً علاؤالدین کے اُن ارادوں سے اتفاق کرنا جن کے لئے کہ وہ دونوں دفعہ چتوڑ پر حملہ آور ہُوا تھا ایک ناممکن امر تھا۔ باقیماندہ سرداراں نے فراہم ہوکر نئے سرے سے قسمیں یاد کیں۔ اور لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو بیٹھے۔ اگرچہ وہ فتح سے بالکل ناامید تھے۔ مگر وہ اپنے بزرگوں کی طرح قومی آن کے بدلے مرنا تو جانتے تھے!!!

اول اول بڑے زور شور سے مقابلے ہوتے رہے۔ جانہاروں نے بڑھ بڑھ کر ملک کے نام پر جانیں قربان کیں۔ مگر جب وہ پہاڑ جو قلعہ کی جنوبی طرف واقعہ ہے۔ غنیم کے قبضہ میں آگیا۔ تو راجپوتوں کی رہی سہی اُمیدیں بھی قطع ہوگئیں۔

ایک رات رانا دن بھر کی لڑائی کے بعد تھک کر بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ کچھ دیر کروٹ بدلتا رہا۔ لیکن کہتے ہیں کہ نیند سُولی پر بھی آجاتی ہے۔ رانا کی آنکھ لگ گئی۔ یکایک ایک عورت اُسکے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور کہا کہ میں بھوکی ہوں رانا نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ چتوڑ کی محافظہ دیوی ہے۔ جواب دیا "اے دیوی میرے آٹھ ہزار رشتہ دار تیرے پیٹ میں چلے گئے۔ مگر تعجب ہے۔ کہ تو پھر بھی بھوکی ہے"۔ اس کے جواب میں دیوی نے کہا:

مجھے ان ہزاروں سے کچھ واسطہ نہیں۔ میں تو شاہی خاندان کی قربانی چاہتی ہوں اگر تیرے بارہ لڑکے باری باری شاہی تاج پہنکر میدان جنگ میں جان نہیں دینگے۔ تو یہ یاد رکھ کہ چتوڑ تیری نسل کے ہاتھ سے نکل جائیگا۔ پس تو میری نصیحت کو مان اور جس طرح میں کہتی

ہوں۔ اُسیطرح کہ ہر روز وارثانِ تاج میں سے ایک ایک کو تخت پر بٹھاؤ۔ اور تمام رسومات تخت نشینی کو پورا کرو۔ تین دن تک اس کا حکم جاری رہے۔ اور چوتھے روز وہ دشمن کے مقابل ہو کر جان دیدے۔ بس یہی ایک صورت ہے جس سے چتوڑ تیرے خاندان کے قبضہ میں رہ سکتا ہے"۔

ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس خواب میں کہاں تک صداقت کی بو پائی جاتی ہے۔ آیا یہ شاعرانہ بندش ہے۔ یا راجہ نے ہی اپنے بیٹوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے اختراع کی تھی۔ مگر نتیجہ یہ ہوا۔ کہ صبح کے وقت جب راجہ نے اپنے بیٹوں اور سرداروں سے اس کا ذکر کیا۔ تو سب نے اسکو تسلیم کیا۔ اور کہا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

راجپوتوں کی بات بات اُن کی غیور طبیعت اور ان کی بے نظیر شجاعت کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ بھیمسی کے لڑکوں میں جھگڑا پیدا ہوا۔ اور اس بات پر تکرار ہونے لگی۔ کہ کون پہلے قربان ہوگا۔ ہر ایک کا دعوےٰ تھا۔ کہ سب سے پہلے میں بلی دان دوں۔ آرسی سب سے بڑا تھا۔ اُس نے کہا۔ کہ تاج و تخت کا وارث میں ہوں۔ اس لئے میرا حق ہے۔ کہ سب سے پہلے میں بلی دان دوں۔ چنانچہ تاج شاہی اُسکے سر پر رکھا گیا۔ اُس نے تین دن تک چتوڑ میں حکومت کی اور چوتھے روز زعفرانی لباس پہن میدان میں نکلا۔ اور نہایت بہادری کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کرتا ہُوا مارا گیا۔

ارسی کے بعد اجیسی کی باری تھی۔ اب اُس نے اپنے آپ کو بلی دان کے لئے پیش کیا لیکن چونکہ وہ بھیمسی کو سب سے پیارا تھا۔ اِس لئے یہ تجویز قرار پائی۔ کہ پہلے باقی لڑکے گدی نشین ہوں۔ اجیسی کے لئے یہ بہت ہی ناگوار گذرا۔ مگر وہ باپ کے حکم سے مجبور تھا۔ غرضیکہ گیارہ بیٹے یکے بعد دیگرے اسیطرح کام آئے۔ اب اجیسی کی باری تھی۔ لیکن بھیمسی نے کمال محبت سے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور کہا بیٹا میں تجھے میدان جنگ میں نہیں بھیج سکتا۔ تیرے قتل ہو جانے سے شاہی نسل قطع ہو جائیگی۔ تیرے بدلے میں خود چتوڑ کی محافظت میں اپنی جان دیتا ہوں"۔ فرمانبردار بیٹا باپ کا حکم نہ ٹال سکا۔ وہ تھوڑی سی سپاہ لے کر نہایت بہادری کیساتھ غنیم کے دل کو کاٹتا چھانٹتا نکل گیا۔ اور صحیح وسلامت کیلواڑا میں جا پہنچا۔ اس بات کا اطمینان کر کے کہ اسکا خاندان بالکل نیست نہیں ہوا۔ بھیمسی نے اپنے باقیماندہ راجپوتوں کو جمع کیا۔ اور دریافت کیا۔ کہ اب وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

راجپوتوں کو کوئی اُمید فتح کی باقی نہیں رہی تھی۔ سب نے جوہر کی تجویز پیش کی۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ عورتیں چتا میں بیٹھکر اپنی پاکدامنی اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیں۔ اور مرد زعفرانی لباس پہن تلواریں گھسیٹ دشمن کے دل میں گھس جائیں۔ فتح کرنا تو ناممکن۔ مگر خود کٹ کر دکھلاویں۔ کہ راجپوتوں کی جانیں قومی بات اور اپنے ننگ و ناموس کے بدلے کس بے جگری سے نثار کر دی جاسکتی ہیں ؛

جب یہ تجویز پختہ طور پر قرار پا چکی۔ تو راجہ نے پدمنی کو سامنے بلایا۔ مگر منہ سے بات نہ نکل سکی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ واقعی اُس حسن کی دیوی کو جسے وہ جان سے بھی عزیز سمجھتا تھا۔ مرنے کی دعوت دینا کوئی آسان کام نہ تھا ؛

پدمنی ہر چند کہ عورت تھی۔ لیکن بڑی رمز شناس اور عقلمند تھی۔ راجہ کا منشا تاڑ گئی۔ فوراً قلعہ کے تہ خانہ[1] میں چتا تیار کرنے کا حکم دیا۔ اُسیوقت صندل کی لکڑیاں جمع ہوئیں۔ اور ایک بڑی بھاری چتا چن دی گئی ؛

قلعہ کی تمام عورتیں جن میں بڑے بڑے ٹھاکروں راجپوتوں سرداروں اور شہزادوں کی بیویاں بھی شامل تھیں جمع ہوئیں۔ چتا کو آگ دکھلائی گئی۔ شعلے بلند ہوئے۔ اول پدمنی آگے بڑھی۔ اور نہایت استقلال کے ساتھ باقی عورتوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے جلتی بلتی چتا کے اوپر چڑھ گئی۔ اور اس کے بعد ہر ایک ستونتی لاج کی ماری ایک ایک سے آگے بڑھتی تھی۔ اپنی آبرو اور اپنے مردوں کی فتح کی دعا کرتی ہوئی پروانہ کی طرح اُس بھڑکتی ہوئی آگ پر گر کر آن کی آن میں جل مرتی تھی !!!

عورتوں کی اِس ہمت مردانہ کو دیکھکر مردوں کے دل زندگی سے بیزار ہو گئے۔ سب نے زعفرانی لباس پہنکر ہتھیار لگائے۔ دل پانی پانی ہو رہے تھے۔ اور نگاہوں سے خون ٹپکتا تھا۔ مگر نہ تو آنکھ سے آنسو نکلتا تھا۔ نہ کسی کے منہ سے بات سُنائی دیتی تھی !!!

[1] یہ تہ خانہ اُس دن سے بالکل بند پڑا ہے۔ اور کوئی شخص اسکے اندر جانے نہیں پاتا۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ اس کا محافظ ایک بڑا اژدہا ہے۔ اور اُس کی پھنکار سے اندر جانے والے کی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں۔ یہ صرف وہم ہی وہم ہے۔ یا اُسکی کچھ اصلیت بھی ہے۔ ہم اسکی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتے۔ مگر کرنیل ٹاڈ صاحب کہتے ہیں۔ میں اُس تہ خانہ کے دروازہ تک گیا تھا مگر اندر نہیں جاسکا۔ کیونکہ اول تو اسکے اندر جانیکی ممانعت تھی۔ اگر میں اندر جانیکی کوشش بھی کرتا تو بھی بدبو جو اندر سے آتی تھی اور زہریلے جانور جو وہاں کثرت سے تھے۔ ہرگز مجھے اندر جانے نہ دیتے تھے :

قلعہ کا پھاٹک کھول دیا گیا۔ اور راجا اور اُن کے ساتھی تلواریں سونت میانوں کو پھینک شاہی لشکر کے دریا میں کود پڑے۔ مگر علاؤالدین کے بیشمار لشکر کے مقابلہ میں یہ چند جانیں کیا کر سکتی تھیں۔ ہاں سینکڑوں نے ہزاروں کو قتل کیا۔ مگر خود بھی ایک ایک کر کے کٹ گئے ؛
اس دردناک واقعہ کو صدیاں گذر چکی ہیں۔ مگر اب بھی قلعہ چتوڑ کے در و دیوار زبان حال سے ان قومی شہیدوں کے ناموں کو یاد کر کے نوحہ خوانی کرتے نظر آتے ہیں۔ عام لوگوں کے نزدیک تو آجکا دن اِن مقتول راجپوتوں کے لئے ایک منحوس دن تھا۔ مگر اہل نظر جانتے ہیں۔ کہ جب تک چاند اور سورج باقی ہیں۔ اِن شہیدوں کے نام آسمان شجاعت پر آفتاب و مہتاب بنکر چمکیں گے مردہ دل راجپوت اگرچہ اسوقت کسی قابل نہیں رہے۔ مگر اپنے بزرگوں کی دردناک کہانی سنکر اُن کا خون بھی ایک دفعہ ضرور جوش مار جاتا ہے!!!
میدان جنگ کا اس طرح خاتمہ ہونے پر علاؤالدین قلعہ میں داخل ہوا۔ مگر اب وہاں رکھا ہی کیا تھا! قلعہ کے اندر کوئی زندہ آدمی موجود نہ تھا۔ قدم قدم پر بہادروں کی نعشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور چتا کا دھواں ابھی تک اُٹھ رہا تھا۔ جاتے ہی پدمنی کا محل دریافت کیا۔ مگر جب ایک نیم بسمل سپاہی نے بیان کیا۔ کہ وہ جل کر راکھ ہو چکی ہے۔ تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ دونوں ہاتھوں سے دل کو تھام کر زمین پر بیٹھ گیا۔ جس ایک جان کے بدلے اِس قدر خونریزی ہوئی۔ اِس قدر جانیں تلف ہو چکیں۔ اِسقدر خون کے دریا بہے۔ اور اس قدر تباہی کی گئی۔ وہ بھی ہاتھ نہ آئی! سرد آہیں بھرتا۔ قلعہ سے باہر نکلا۔ اور فوج کو دہلی کی طرف کوچ کا حکم دیا ؛

رانا ہمیر

چتوڑ کی تباہی کے وقت جب اجیسی رانا کے حکم سے کیلوارا میں بھیجا گیا۔ تو اس کے ہمراہ اِس کے دو بیٹے سوجنسی اجیسی اور اس کا بھتیجا ہمیر بھی تھا۔ مگر رانا کی وصیت یہ تھی۔ کہ اس کے بعد ہمیر ہی وارث میواڑ قرار دیا جائے ؛
ہمیر کی پیدائش اور اُس کے زمانہ طفولیت کی بابت بھی تواریخ میں بہت کچھ درج

لکھا ہے۔ کہ جس زمانہ میں بھیمسی نابالغ رانا لکسمی کی طرف سے چتوڑ پر حکومت کر رہا تھا۔ اور ابھی علاؤالدین کے حملہ کا کسی کو خیال تک بھی نہ تھا۔ اُس کا بیٹا ارسی ایک دن اوندوا کے جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ ایک سور سامنے آیا۔ اور جب ارسی نے اُس کے پیچھے گھوڑا ڈالا تو یہ بھاگ کر جوار کے کھیت میں جا چھپا۔ جوار کے پودے دس بارہ فٹ بلند تھے۔ اور اسقدر گھنے تھے۔ کہ سور نظر نہ آتا تھا۔ ہمراہیوں نے ہر چند تلاش کیا۔ مگر نہ ملا زمیندار کی ایک لڑکی محافظت کھیت کے لئے مچان پر بیٹھی تھی۔ آدمیوں کا شور سُنکر نیچے اُتر آئی۔ ارسی کے ہمراہیوں نے ازراہ تمسخر اسے سور کو کھیت سے نکالنے کے لئے کہا۔ لڑکی ایک دو پودے جوار کے ہاتھ میں لیکر کھیت میں گھس گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد سور کو گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئی۔ وحشی حیوان لڑکی کے ہاتھوں صرف جوار کے پودوں کی ضربوں سے جان بحق ہو چکا تھا!!! ؛

سور کو باہر پھینک کر شجاع لڑکی پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ ارسی اگرچہ اپنے ملک کی عورتوں کے کارِ جوانمردی دیکھتا رہا تھا۔ مگر اس لڑکی کی اسقدر دلیری سے اُسکو بڑا تعجب ہوا ؛

کھیت سے کچھ فاصلہ پر ایک ندی تھی۔ شکاری اس کے کنارے پر جا کر کھانا تیار کرنے لگے۔ ارسی لڑکی کی بہادری کی تعریف کر رہا تھا۔ کہ ناگاہ مٹی کا ایک غلہ اُس کے گھوڑے کے پاؤں میں لگا۔ اور اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ یہ غلہ بھی اس لڑکی کا تھا اور وہ کھیت کو جانوروں سے محفوظ رہنے کے لئے ادھر اُدھر پھینک رہی تھی ؛

بے خوف لڑکی بھی اس حال سے مطلع کی گئی۔ اور جب اُسکو معلوم ہوا۔ کہ اس کے غلہ سے راجہ کا گھوڑا لنگڑا ہو کر مر گیا ہے۔ تو وہ مچان سے اُتر کر اُس کے پاس آئی۔ اور عذر خواہی کر کے پھر اپنی جگہ پر واپس چلی گئی ؛

جب ارسی شکار گاہ سے واپس ہوا۔ تو رستہ میں پھر وہی لڑکی نظر آئی۔ اُس کے سر پر دودھ کا بھرا ہوا مٹکہ تھا۔ اور بغل میں بھینس کا بچہ دبائے ہوئے تھی۔ رانا کے ساتھیوں میں سے ایک کو مذاق سوجھا۔ اور اُس نے گھوڑے کو بڑھا کر دودھ کے مٹکہ پر چوٹ دی۔ لڑکی مطلق نہ گھبرائی۔ سوار کی ٹانگ کھینچکر گھوڑے سے زمین پر گرا دیا۔ اور خود خاموشی کے عالم میں پاس سے گذر گئی ؛

لڑکی کے ان متواتر کار جوانمردی سے رانا کو سخت حیرت ہوئی۔ مگر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ ایک غریب راجپوت کی لڑکی ہے۔ اور اس کا باپ قوم چندانو سے ہے۔ جو کہ چوہان خاندان کی ایک شاخ ہے ؛

دوسرے دن رانا پھر اسی مقام پر آیا۔ اور اُس کے باپ کو طلب کیا۔ راجپوت بالکل مفلسی کی حالت میں تھا۔ اُس کے کپڑے پھٹے پُرانے تھے۔ مگر وہ آتے ہی نہایت بے تکلفی کے ساتھ رانا کے پاس بیٹھ گیا۔ رانا کے ہمراہی اُس کی اس حرکت سے ہنسنے لگے۔ مگر اسی نے پیشانی پر شکن نہ ڈالا۔ اور اس سے التجا کی۔ کہ وہ اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دے ؛

غریب راجپوت نے لاپرواہی کے ساتھ رانا کی درخواست کو نامنظور کیا۔ اور اُٹھکر چلا گیا لیکن گھر میں جاکر جب اپنے قبیلہ سے اس بات کا ذکر کیا۔ تو اُس عقلمند عورت نے جواب دیا۔ کہ یہ تمہاری سخت غلطی ہے۔ رانا کی درخواست کو کیوں نامنظور کیا؟ جاؤ۔ اور جس طرح وہ کہتا ہے اس کے کہنے پر عمل کرو ؛

مختصر یہ کہ اس لڑکی کی شادی اسی سے کردی گئی۔ اور ہمیر اُسی شجاع راجپوتنی کے پیٹ سے پیدا ہُوا تھا۔ اور اُس کی قسمت میں لکھا تھا۔ کہ وہ چتوڑ کو حالت اصلی پر لاوے۔ اور اپنے خاندان کی عزت کو بحال کرے ؛

چتوڑ کی تباہی کے بعد اجیسی نے کیلوارا میں سکونت اختیار کی۔ کیلوارا ایک محفوظ مقام تھا۔ اور ارادلی پہاڑ کے وسط میں میواڑ کی مغربی سرحد پر واقعہ تھا۔ اِس ریاست کے حکمران میواڑ کی مدد سے ہی بارہ سو سال سے یہاں حکومت کرتے تھے۔ یہ علاقہ کوہستانی اضلاع میں سے سب سے زیادہ زرریز سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ چونکہ اجیسی کے ساتھ اس کے بہت سے رفیق بھی یہاں چلے آئے تھے۔ اِس لئے اِسکے دل میں حصول ریاست میواڑ کی توقع ابھی تک بنی ہوئی تھی۔ مگر یہ توقع اس کی اپنی زندگی میں پوری ہوتی نظر نہ آتی تھی ؛

چتوڑ سے نکلتے وقت اجیسی کے باپ نے اُسکو حکم دیا تھا۔ کہ وہ ہمیر کو اپنا جانشین مقرر کرے چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں اُس نے ہمیر کو اپنا ولیعہد قرار دیا۔ مگر ہمیر سچ مچ اس لایق بھی تھا مزید برین اجیسی کے اپنے لڑکے ایسے نازک موقعہ پر تخت نشینی کے قابل بھی نہ تھے۔

اب میواڑ شاہ دہلی کے قبضہ میں تھا۔ اِس کے علاوہ بعض پہاڑی دشمن بھی اجیسی کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ جن میں منجا بلیچا اِس کا سب سے زبردست دشمن تھا۔ ایک دفعہ منجا نے کیلوارا پر حملہ کیا۔ رانا اجیسی نے خود اِس کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ اِس لڑائی میں منجا کو پیچھے ہٹا دیا گیا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ سے اجیسی کے سر پر برچھی کا ایک گہرا زخم آیا۔ راجپوت ایسے

خراشوں کو خیال میں بھی نہیں لایا کرتے۔ لیکن اِس گستاخی کا بدلہ لینا ضروری تھا۔ اجیسی کے فرزند انتقام کا حوصلہ نہ کر سکے۔ لیکن ہمیر نے جواب دیا۔ کہ منجا کا مقابلہ کرونگا۔ اور یا تو اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں پر لا رکھونگا یا وہیں میدان جنگ میں کام آؤنگا؛

ہمیر نے کچھ سپاہ ہمراہ لیکر منجا پر چڑھائی کی۔ وہ بھی مقابلہ پر آیا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ مگر ہمیر کامیاب ہُوا۔ اور اپنے ہاتھ سے منجا کا سر کاٹ کر اپنے چچا کے قدموں پر لا رکھا۔ اور کہا دیکھ پہچان لیجئے۔ گستاخ منجا کا سر یہ ہے۔" اجیسی اپنے بھتیجے کی اس نمایاں شجاعت کو دیکھکر کمال خوش ہُوا اُس نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور منجا کے خون سے اُس کی پیشانی پر ٹیکا کھینچکر کہنے لگا۔ بیشک تو حکومت کرنے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ میواڑ کو اِس وقت تیرے ہی جیسے حکمران کی ضرورت ہے۔ تو ضرور چتوڑ کو فتح کر کے اپنے باپ دادا کے نام کو روشن کریگا؛

ممکن تھا۔ کہ ہمیر اور اجیسی کے فرزندوں میں تخت کی بابت کچھ جھگڑا پیدا ہو۔ مگر قسمت نے ہی اجیسی کے بیٹوں کا فیصلہ کر دیا۔ ایک تو ان میں سے کیلوارا میں ہی فوت ہو گیا اور دوسرا جس کا نام سوجنسی[51] تھا۔ خود جلاوطن ہو کر دکن میں چلا گیا۔ اور پھر واپس نہ آیا۔ اجیسی کی وفات کے بعد آخر کار ۱۳۰۱ء میں ہمیر نے اپنے باپ ارسی کی تلوار میان سے کھینچی۔ اور اپنے باپ دادا کے ملک کو جو قریب قریب نصف صدی کے اندر تباہ و برباد ہو چکا تھا اصلی حالت پر لانے کیلئے کوشش کرنے لگا۔ ٹیکا کے دن سے اُس نے عہد کیا۔ کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے ملک کو آزادی بخشنے کے لئے جان تک بھی فدا کر دیگا۔ اول وہ کچھ سپاہ لیکر منجا کے ملک میں گھسا۔ اور مضبوط و مستحکم قلعہ پیکیا کو تسخیر کیا۔ ٹاڈ صاحب نے یہاں پر راجپوتوں کی ایک رسم کا ذکر کیا ہے۔ اس رسم کے مطابق جب نیا راجہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ تو اس کے لئے لازمی ہوتا تھا۔ کہ وہ دشمن کے مستحکم قلعہ کو تسخیر کرے۔ یا اُس کے کسی شہر کو لوٹ کر معہ اسباب غنیمت کے واپس آئے۔ ہمیر نے بھی اسی رسم کو پورا کرنے کے لئے پیکیا کے قلعہ کو تسخیر کیا؛

اِس وقت شاہ دہلی راجپوتوں کے آئے دن کے مقابلوں سے تنگ آ کر چتوڑ کا قلعہ جالور کے سردار مالدیو کے سپرد کر کے دہلی کو واپس جا چکا تھا۔ ہمیر نے اُسکے علاقہ پر خوب ہاتھ صاف

[51] یہ وہ ہی سوجنسی ہے جسکی نسل میں کئی پشت کے بعد سیواجی بھونسلہ پیدا ہُوا۔ اور اُس نے مرہٹہ سلطنت کی بنیاد ڈال کر اورنگ زیب کو عمر بھر لرزاں رکھا۔ اور اُس کے جانشینوں نے بعد میں ہندوستان کی سلطنت کو الٹ کر راجستھان کو بھی تباہی کے درجہ تک پہنچا دیا؛

کرے۔ میدانوں کو دل کھول کر لوٹا۔ اور برباد کیا۔ اور کوہستان ارا دلی سے نکل کر تمام راستے
مسدود کر دیئے۔ حتے کہ غنیم کے قبضہ میں ایک مستحکم شہر باقی رہگیا ؛

ہمیر نے تمام علاقہ میں یہ حکم جاری کر دیا۔ کہ لوگ اپنا گھر چھوڑ کر مشرقی اور مغربی سرحد
کوہستان میں پناہ گزین ہوں۔ ورنہ جو حال دشمن کا ہوگا۔ وہی ان کا بھی ہوگا ؛

باپ دادا کی رعیت کو پھیر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہمیر نے اپنے بزرگوں کے جاگیردار
اور راجپوت بھائیوں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کے لئے پیغام بھیجا۔ اور لکھا۔ کہ وہ اس کا
ساتھ دیں۔ اور اسکے علاقہ میں آکر آباد ہوں۔

راجپوتوں میں ابھی قومی آن باقی تھی۔ سب نے ہمیر کے پیغام کو بڑی حسرت سے سُ
اور بہت سے راجپوت خاندان نقل مکان کر کے فوراً اُس کے پاس چلے آئے۔ کیلوارا کا مقا
نہایت محفوظ مقام تھا۔ اِس جگہ بہت سے سلسلے پہاڑوں کے آکر ملتے تھے۔ اور پیچیدہ گھاٹیو
کے باعث یہ جگہ دشمن کی پہنچ سے دور تھی۔ یہ مقام ایک درہ کے متصل واقعہ تھا جس کا ر
ایک ایسے پہاڑ سے گذر کر جاتا تھا۔ جہاں مشکل سے انسان کا گذر ہو سکتا تھا۔ باوجود اِس
یہ جگہ بڑی زرخیز اور سرسبز تھی۔ اور پانی اور میوہ جات کی کثرت تھی۔ یہ وہی مقام تھا جہا
کہ آجکل کوملمیر واقع ہے ؛

اس اثنا میں مالدیو نے چتوڑ سے ہمیر کے لئے اپنی لڑکی کا ناریل (پیغام نسبت) بھیجا
مصاحبوں نے کہا۔ کہ دغا ہے۔ مالدیو ضرور دھوکا دینا چاہتا ہے۔ مگر ہمیر نے جواب دیا۔ مالدیو
کا مطلب اس پیغام سے خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر مجھ کو اس میں صورت بہتری کی نظر آتی ہے۔ آپ
لوگ کچھ اندیشہ نہ کریں۔ یہ پیغام حصول ریاست چتوڑ کا پیغام ہے۔ زیادہ نہیں۔ تو اتنا تو
ضرور ہوگا۔ کہ میں اپنے آباؤ اجداد کے ملک میں پہنچ جاؤنگا۔ ڈرنا یا خوف کھانا راجپوت کی
شان کے شایاں نہیں۔ نہ ایک دفعہ کی ناکامیابی سے دل چھوڑ دینا چاہیئے۔ کامیابی اور
ناکامیابی دونوں توام ہیں۔ ایک دن ایسا ہوتا ہے۔ کہ بادشاہ کو زخمی ہو کر اپنا وطن چھوڑنا
پڑتا ہے۔ مگر دوسرے دن وہ واپس آکر اُسی تخت پر جگہ پاتا ہے۔ پس میری یہ عین آرزو
ہے۔ کہ ناریل کو رکھ لیا جائے" ؛

دلبر ہمیر کے حکم سے جو چتوڑ کو واپس لینے کے لِئے اپنی جان ہتھیلی پر دھرے ہوئے
تھا کس کو انحراف ہو سکتا تھا ؛ ناریل منظور کیا گیا۔ اور پانچسو چیدہ راجپوت ہمیر کے ساتھ چتوڑ

روانہ ہوئے ؛

جب یہ چتوڑ کے متصل پہنچے۔ تو مالدیو کے پانچوں بیٹے اس کے استقبال کو آئے لیکن شہر کے دروازے پر پہنچکر جب کوئی علامت شادی کی نظر نہ آئی۔ تو سب حیران رہ گئے۔

ساتھیوں نے اس موقعہ پر بھی اشارہ کیا۔ کہ دغا ہے۔ لیکن ہمیر نے جواب دیا "کچھ پرواہ نہیں بڑھتے چلو۔ آج کا دن بڑا مبارک دن ہے۔ کہ میں اول مرتبہ قلعہ چتوڑ میں داخل ہوتا ہوں" شیر دل ہمیر بیباکانہ محل میں داخل ہوگیا۔ مالدیو معہ اُمرا و وزرا کے تعظیم کے لیئے موجود تھا۔ ہمیر کو اُس کے آباؤ اجداد کے قدیم کمرہ میں لے گئے۔ دُلہن بلائی گئی۔ اور دونوں کے ہاتھ ملا کر اور گٹھ جوڑا کر کے نہایت مختصر طور پر شادی کی۔ رسومات ادا کرنے کے بعد سب کے سب باہر چلے گئے ؛

ہمیر تاڑ گیا۔ کہ اسکے ساتھ ضرور دھوکا ہوا ہے۔ وہ دُلہن کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا "نیک بخت! سچ بتلا یہ کیسی شادی ہے؟ رسومات اسقدر مختصر طور پر کیوں ادا کی گئی ہیں"۔ دلہن نے اپنی رام کہانی اس طرح بیان کی "آپ کے ساتھ بلاشبہ دہوکا کیا گیا ہے۔ میں بیوہ ہوں۔ پہلی مرتبہ میری شادی ایک بھٹی سردار سے کی گئی تھی۔ لیکن شادی کے چند دن بعد ہی میرا شوہر فوت ہوگیا۔ اُس وقت میں بالکل نابالغ تھی۔ اور میں نے اپنے شوہر کا چہرہ بھی اچھی طرح نہ دیکھا تھا"؛

ہمیر کا چہرہ مارے غصہ کے سُرخ ہوگیا۔ کیونکہ ان دنوں بیوہ کی شادی کا رواج مطلق نہ تھا۔ مگر اُس نے اپنی دلی کیفیت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور خاموش ہو رہا۔ دلہن پھر اسکی طرف مخاطب ہوتی اور کہنے لگی :

میں ہرگز اس شادی پر رضامند نہ تھی۔ مگر باپ کے حکم سے مجبور تھی۔ جو کچھ ہوا ہے نہیں کی زبردستی سے ہوا ہے۔ مگر آپ اس کا کچھ فکر نہ کریں۔ آپ کے لیئے یہ ایک نیک فال ہے۔ اور اس بات کی خوشخبری دیتی ہے۔ کہ اب چتوڑ کا قلعہ بڑی آسانی سے آپکے ہاتھ آ جائیگا ؛

دلہن کے آخری جملہ پر ہمیر کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ اُس کی طرف مخاطب ہوا "قلعہ چتوڑ کیونکر میرے ہاتھ میں آسکتا ہے؟" دلہن نے جواب دیا "اسکی بڑی آسان ترکیب آپ کو میں بتلاتی ہوں۔ بموجب رسم راجپوتانہ آپ کو حق حاصل ہے۔ کہ جہیز کے طور پر ایک درخواست جو چاہو۔ میرے باپ سے کرو۔ اُسکو ضرور پوری کرنی پڑیگی۔

یہ درخواست صرف جال سنگھ مہتہ کی جو کہ چتوڑ کا مالی افسر ہے ہونی چاہیئے۔ یہ شخص ضرورت کے وقت آپ کے بڑا کام آئیگا"؛

ہمیر کا رنج بالکل جاتا رہا۔ اور دو ہفتہ کے بعد معہ دلہن اور جال سنگھ مہتہ کے کیلوارا کو واپس چلا گیا؛

کچھ عرصہ کے بعد ہمیر کے اِس قبیلہ سے لڑکا پیدا ہُوا۔ اِس کا نام کھیتسی رکھا گیا۔ اور جب یہ ایک سال کا ہُوا۔ تو مالدیو کو پیغام بھیجا گیا۔ کہ اُس کی لڑکی مع اپنے لڑکے کے چتوڑ کی دیوی کی پوجا کے لیئے آنا چاہتی ہے۔ مالدیو امیران میڈیریا کے مقابلہ کے لئے گیا ہُوا تھا دوسرے آدمیوں نے اس سازش کا مطلب نہ سمجھا۔ اور ہمیر کی رانی بچہ کو لے کر مع جال سنگھ چتوڑ میں داخل ہوگئی؛

چنددن کے اندر ہی رانی نے قلعہ کے بہت سے افسروں کو اپنی طرف کر لیا۔ اور ہمیر کو بلا بھیجا۔ کہ آپ جلد آئیں۔ موقعہ بالکل مناسب ہے؛

رانا کی آنکھیں آگے ہی چتوڑ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ قاصد کے پہنچتے ہی وہ اپنے جانبازوں کو ساتھ لیئے اڑتا ہُوا آپہنچا۔ اور کھلے دروازوں قلعہ میں داخل ہو گیا۔ باوجودیکہ سپاہ کا بہت سا حصہ رانا کے ساتھ مل گیا تھا۔ پھر بھی مالدیو کی فوج نے ایسا سخت مقابلہ کیا۔ کہ اندیشہ تھا۔ کہ مبادا تدبیر الٹی نہ پڑ جائے۔ مگر شیر کا پنجہ رایگان جانا مشکل تھا۔ فتح ہمیر کی شمشیر پر لکھی تھی۔ مالدیو کی فوج کو شکست ہوئی۔ اور شسودیہ خاندان کا سورج مکھی زریں جھنڈا چتوڑ پر لہرانے لگا؛

مالدیو کو یہ خبر پہنچی۔ تو وہ اپنی جمعیت کو لے کر چتوڑ پر چڑھ آیا۔ مگر شیر اپنے گھر پر قابض ہو چکا تھا۔ اب اُسکو کون نکال سکتا تھا؟ شکست فاش کھا کر بھاگا۔ اور خود اپنی تباہی کی خبر لے کر علاؤالدین کے جانشین محمود کے پاس چلا گیا؛

ہمیر کے چتوڑ پر قابض ہونے کی خبر تمام میواڑ میں پھیل گئی۔ راجپوت جو اس موقعہ کے منتظر بیٹھے تھے۔ اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر جوق درجوق ہمیر کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں ایک بھاری تعداد راجپوتوں کی جمع ہوگئی؛

تھوڑے عرصہ بعد محمود ایک کثیر التعداد لشکر کے ساتھ چتوڑ کی طرف روانہ ہُوا۔ مگر ہمیر کا دل بڑھا ہُوا تھا۔ اُس نے رستہ میں ہی اُسکو جالیا۔ اور اپنی بہادری اور شجاعت سے اُسے اسیر نمایا

فتح حاصل کی۔ مالدیو کے بیٹے ہری سنگھ کو اپنے ہاتھ سے میدان جنگ میں قتل کیا۔ اور شاہی فوج کو شکست فاش دیکر محمود کو قید کر کے چتوڑ میں لے آیا؛

محمود تین ماہ تک قید رہا۔ اور آخر کو اجمیر رن تھمبور۔ ناگور اور سومی سیو پور کا علاقہ پچاس لاکھ روپیہ نقد اور ایک سو زنجیر فیل دیکر قید سے رہا ہوا؛

بن بیر فرزند مالدیو نے ہمیر کی اطاعت قبول کی۔ اور نیمچہ جیرن رتن پور اور کیرار کے ضلعے اسکو بطور جاگیر عطا ہوئے۔ بر وقت عطائے جاگیر ہمیر نے بن بیر سے یہ کلمات کہے۔ "کھاؤ۔ خدمت کرو۔ اور وفادار رہو۔ پہلے تم ایک قومی دشمن کے خدمت گذار تھے۔ مگر اب تم اپنے ہی ہم قوم کی تابع ہو؛"

اب چاروں طرف ہمیر کی دہائی پھرنے لگی۔ تمام ہندوستان میں اس وقت ہمیر ہی ایک زبردست راجہ تھا۔ باقی خاندان سب مغلوب ہو چکے تھے۔ راجگان بوندی۔ گوالیار۔ چندیری رائے سین سکری۔ کالپی اور آبو وغیرہ نے بخوشی اس کی اطاعت قبول کی۔ اگرچہ شاہان تاتار کے حملوں سے پہلے بھی میواڑ کو بڑا عروج حاصل تھا۔ لیکن ہمیر نے اپنی ریاست کو دوبارہ حاصل کر کے اسکو وہ استحکام بخشا۔ کہ اس سے بہتر کبھی نہ ہوا ہو گا؛

ہمیر کا انتظام بڑا نرم اور مربیانہ تھا۔ اس کے عہد میں رعایا بہت خوشحال تھی۔ اور وہ ایسا عقلمند اور شجاع تھا۔ کہ میواڑ میں اب تک بھی اس کے نام کی خاص طور پر عزت کی جاتی ہے۔ اس نے ۱۳۶۵ء میں پورے سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور ایک مستحکم اور وسیع سلطنت اپنے جانشین کے لئے چھوڑ گیا؛

ہمیر کا جیون چرتر راجپوتی ہمت اور استقلال کا ایک نمایاں ثبوت ہے؛

رانا مُوکل جی

رانا لکھا ۱۳۷۳ء میں تخت چتوڑ پر بیٹھا۔ اس میں بھی اپنے دادا ہمیر کی سی ہمت و جرأت موجود تھی۔ اس نے اول پہاڑی اضلاع مارواڑ کو مطیع کیا۔ اور بیراٹ گڈھ کے مضبوط

قلعہ کو مسمار کر کے اُس کی جگہ بدنور آباد کیا۔ یہ بڑا خوش قسمت تھا۔ کیونکہ اسی کے عہد میں جورا میں چاندی اور قلعی کی کانیں دریافت ہوئیں۔ اور کھودی گئیں۔ اگرچہ یہ کانیں پہلے بھی موجود تھیں۔ مگر اول حکمرانوں میں سے کسی نے بھی اِن سے فائدہ اٹھانے کا خیال نہ کیا تھا۔

لکھا رانا نے نگرچال کو فتح کیا۔ اور بدنور کے میدان میں محمد شاہ لودھی کو بڑی بھاری شکست دی۔

یہ رانا علوم وفنون کی ترقی کا بھی بڑا شائق تھا۔ اور ہمیشہ ملک کی بہبودی کے وسائل سوچتا رہتا تھا۔ اُس نے بہت سے چشمے اور تالاب کھدوائے۔ بہت سے بند بندھوائے۔ اور کئی ایک مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ اُن مندروں اور شوالوں کی نئے سرے سے تعمیر کرائی گئی۔ جو کہ علاؤالدین نے مسمار و منہدم کرادیئے تھے۔ برہما کا مندر جو بڑا عالیشان مندر ہے اُسی کے وقت میں تیار ہُوا تھا۔ یہ مندر آج تک ویسے کا ویسا ہی موجود ہے۔ اور کہیں سے شکست نہیں ہوا۔

رانا کے ایام جوانی ڈھل چکے تھے۔ کہ رنمل والئے مارواڑ نے اس کے بیٹے چونڈا کے لئے اپنی لڑکی کا ناریل بھیجا۔ چونڈا اُس وقت موجود نہ تھا۔ اور رانا تخت پر بیٹھا تھا۔ برہمن کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔ مگر جب اُس نے ناریل نکال کر پیش کیا۔ تو رانا نے موچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تم دیکھتے ہو۔ کہ میرے بال سفید ہو چکے ہیں۔ اب مجھے ایسے کھلونوں (مراد از ناریل) سے کیا کام!" حاضرین دربار نے رانا کے اِس ظرافت آمیز فقرہ کی تعریف کی۔ لیکن جب چونڈا نے آکر یہ حال سُنا۔ تو اُس نے ناریل لینے سے بالکل انکار کر دیا۔ اور کہا۔ "اب میں اُس لڑکی سے ہرگز شادی نہیں کر سکتا۔" باپ نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر چونڈا نے نہ مانا۔ اور یہی کہتا گیا۔ کہ اب اُس کی شادی ضرور آپ سے ہی ہونی چاہیئے۔ چونکہ انکار سے رنمل کا رنجیدہ ہو جانا لازمی تھا۔ اور یہ بھی اندیشہ تھا۔ کہ والئے مارواڑ اس ہتک سے ضرور آمادہ جنگ ہوگا۔ اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لئے بغیر نہ رہے گا۔ لہذا رانا نے اِس ناریل کو خود قبول کیا۔ مگر چونڈا سے کہا۔ "اگر تمہاری یہی مرضی ہے۔ کہ میں ہی اس لڑکی سے شادی کروں تو تم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اُسکی اولاد تاج و تخت کی وارث ہوگی۔" چونڈا نے بلا تامل اس شرط کو منظور کیا۔ اور کہا۔ "میں آج سے ہی تاج و تخت کا دعوے چھوڑتا ہوں۔ اور قسم کھاتا ہوں۔ کہ اگر اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ تو وہ ہی گدی کا مالک ہوگا۔"

رانا اب مجبور تھا۔ ناریل لینا ہی پڑا۔ شادی ہو گئی۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس لڑکی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام موکل جی رکھا گیا۔ یہ ابھی پانچ سال کا ہی ہُوا تھا کہ رانا کے دل میں گیا کو آزاد کرانے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس متبرک تیرتھ کو شاہان دہلی کے قبضہ سے نکالنے کے لئے فوج کشی کے سامان کئے۔

لکھا ہے۔ کہ لکھّا نے ان لڑائیوں میں باوجودیکہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ بڑی جوانمردی دکھلائی۔ مگر خود بھی وہیں کام آیا۔

قبل از روانگی اس مہم کے اُس نے اپنے بڑے بیٹے چونڈا کو طلب کیا۔ اور کہا "اب میں واپس میواڑ میں نہیں آؤنگا۔ ممکن ہے کہ میں لڑائی میں مارا جاؤں۔ اگر کامیاب ہُوا۔ تو بھی میں گیا میں قیام کرونگا۔ گویا میں تم سے آج ہمیشہ کے لئے جدا ہوتا ہوں۔ پس میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ تمہارے نزدیک موکل کو کون علاقہ دیا جائے۔

سخن پرور چنڈا نے جواب دیا۔ میں اپنے وعدہ کو نہیں بھولا ہوں۔ موکل ہی تخت کا وارث ہے۔ قبل از روانگی آپ اپنے ہاتھ سے اسکو تخت پر بٹھلاتے جائیں۔ سب سے پہلے اس کی اطاعت میں کرونگا۔ اور بطور مشیر کے سلطنت کا کام انجام دونگا۔ میرے لئے یہی کافی ہوگا کہ جاگیرداروں کو جو سندیں دیجائیں۔ اُنپر علاوہ دستخط موکل جی کے میری نشانی بھی ثبت ہُوا کرے۔"

رانا اپنے ہونہار فرزند کو جو درحقیقت تاج و تخت کا وارث تھا۔ اپنے وعدے پر قائم دیکھکر کمال خوش ہُوا۔ اور اُس بات کا کامل اطمینان کرکے وہ اپنی مہم پر روانہ ہُوا۔

جب رانا لکھا کی موت کی خبر میواڑ میں پہنچی۔ تو چونڈا نے بڑی خوشی سے اپنے خورد سال بھائی کو گدی پر بٹھایا۔ اور بطور نائب کے سلطنت کا انتظام کرتا رہا۔

چونڈا بڑا بہادر اور سادہ مزاج تھا۔ وہ بڑی عقلمندی سے ریاست کا کام چلاتا رہا۔ رعایا اسکو دل سے پیار کرتی تھی۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ موکل کی والدہ کو چونڈہ کا اقتدار سوخ بھی نہ بھایا۔ اور یہ اُس کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگا۔ اگرچہ وہ اُس میں کوئی نقص نہ دیکھتی تھی۔ مگر اُس کے رسوخ کو دیکھکر اسکو شبہ پیدا ہُوا۔ کہ گو اس وقت یہ بطور نائب کے سلطنت کا کام کرتا ہے۔ مگر ایک وقت ضرور گدی پر بھی دندان طمع تیز کریگا۔ چونڈا نے بھی رانی کی یہ باتیں سُنیں۔ اُسکو سخت افسوس آیا۔ لیکن وہ اُس کی عزت بھی ویسی ہی کرتا تھا جیسی کہ اپنی حقیقی

ماں کی اُس نے تمام اختیارات اُسکے ہاتھ میں دیدیئے۔ اور خود علاقہ میڈور میں چلا گیا۔ مگر جاتی دفعہ کہہ گیا۔ "آپ مجھ پر بیجا شک کرتی ہیں۔ مگر مجھے اس کا کچھ افسوس نہیں۔ میں تمام اختیا آپ کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ اور التجا کرتا ہوں۔ کہ حقوق خاندان سشودیہ کا اچھی طرح خیال رکھنا اور ان کی حفاظت بخوبی کرتے رہنا ؛

چونڈا کا چتوڑ سے نکلنا تھا۔ کہ شہزادی کے رشتہ دار جوق درجوق میواڑ میں جمع ہونے لگ اول اس کا بھائی جودھا جس نے بعد میں اپنے نام پر جودھپور آباد کیا۔ اس کے بعد رنمل اور اُس کے رشتہ دار ایک ایک کرکے میواڑ میں پہنچ گئے۔ پورانے سرداروں کے اختیارات چھین لے گئے۔ اور تمام بڑے بڑے عُہدے رانی کے رشتہ داروں کے ہاتھ میں دے دیئے گئے میواڑ مُہتیر اپیچ وتاب کھاتے تھے۔ لیکن اب سلطنت کا تمام انتظام مارواڑیوں کے ہاتھ میں آچکا اور جو کچھ وہ چاہتے تھے۔ کرتے تھے ؛

رانا کی دایہ اس بات کو برداشت نہ کرسکی۔ اُس نے رانی کو سمجھایا۔ کہ تو بڑی غلطی کر رہی۔ تیرے رشتہ دار کمسن رانا کا ورثہ چھین لینے کے منصوبے باندھ رہے ہیں۔ راست باز اور وفا دایہ کے سمجھانے سے رانی کی آنکھیں بھی کُھل گئیں۔ اُس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ مگر معاملہ بگڑ چکا تھا۔ شہزادی سخت اندیشہ میں پڑ گئی ؛

چونڈا کا چھوٹا بھائی راگھودیو کیلوا اور گوارا کی جاگیر پر قابض تھا۔ راؤ رنمل نے اُس کو خلعت فاخرہ بھیجا۔ مگر موقعہ پاکر اُسی قاصد نے اُس پر تلوار کا وار کیا۔ اور وہیں اُسکو قتل کر دیا ؛

راگھودیو بڑا نیک مزاج بہادر اور خوبصورت تھا۔ اور لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے اس کے قتل کا حال سُنکر تمام میواڑ میں ماتم برپا ہوگیا۔ رانی بھی کانپ گئی۔ اُس کے ہاتھ کے طوطے اُڑ گئے۔ اور سوچنے لگی۔ کہ جس طرح راگھودیو مارا گیا ہے۔ ایک دن ضرور اس کا بیٹا بھی قتل کر دیا جائیگا۔ مگر وہ علانیہ طور پر اپنے باپ اور رشتہ داروں کو کچھ سرزنش نہ کرسکتی تھی چاروں طرف سے مایوس ہوکر آخر کار اُس کی نگاہ چونڈا پر ہی جاکر ٹھہری۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ میں نے اس سے بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ مگر ایسی نازک حالت میں بجز اُس کے دوسرا کرنے والا بھی نظر نہ آتا تھا۔ رانی نے فوراً خط لکھا۔ اور ایک معتبر کے ذریعہ چونڈا کے پاس بھیجدیا ؛

"میرے بہادر بیٹے! میں نے تمہارے دل کو سخت رنج پہنچایا ہے۔ مگر اب مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ کہ میں غلطی پر تھی۔ تمہارا خورد سال بھائی اس وقت بڑی نازک حالت میں گھرا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اب مجھے اس کی جان کا بھی اندیشہ ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ تم میری پچھلی باتوں کو بالکل بھلا دوگے۔ ایک فرمانبردار بیٹے کے لئے اپنے قابل تعظیم والدین کی غلطیوں کو معاف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میواڑ پر آنے والی تباہی صرف تمہارے ہی قوت بازو سے رک سکتی ہے۔ اب دیر کرنے کا وقت نہیں رہا۔ بہت جلد کچھ انتظام کرو۔ اور اپنے کمسن بھائی کی جان اور تخت میواڑ کو تباہی سے بچاؤ"۔

خط کا پہنچنا تھا۔ کہ چونڈا کی رگ حمیت جوش میں آئی۔ اور سوتیلی ماں کی ساری بدسلوکیاں اس کے صفحۂ دل سے محو ہو گئیں۔ اس نے تخت میواڑ کے ان بہی خواہوں کو جو اس کے ساتھ مبڈور میں آئے ہوئے تھے۔ جمع کیا۔ اور انکو ہدایت کی کہ وہ واپس جا کر اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کے بہانہ سے چتوڑ میں داخل ہوں۔ اور موقعہ کے منتظر رہیں۔

وفادار سرداروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور چند ایک نے اپنے خاندان کی عزت اور اپنے سابقہ رتبوں کا کچھ بھی لحاظ نہ کر کے قلعہ کی ڈیوڑھی پر دربانوں میں نوکری اختیار کر لی۔

کچھ دن بعد رانی کو سمجھایا گیا۔ کہ وہ دیوالی کے دن قلعہ سے باہر نکل کر یگ کا سامان کرے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور بروز دیوالی سادھو اور برہمنوں کو ایک بھاری دعوت دی گئی۔ خورد سال رانا اور اس کی والدہ معہ چند سرداروں کے قلعہ سے باہر آئے۔ مگر سارا دن گذر گیا۔ رات بھی قریب الاختتام ہوئی۔ اور چونڈا ابھی تک نہ آیا۔ دایہ اور پروہت مغموم ہو کر رانا کو ہمراہ لے کے قلعہ کی طرف چل پڑے۔ مگر چتوڑی پہاڑی کے قریب ایک شخص معہ چالیس ہمراہیوں کے کسانوں کے بھیس میں ان کے سامنے آیا۔ یہ چونڈا تھا۔ اس نے جھک کر خورد سال رانا کو سلام کیا۔ سمجھنے والے سمجھ گئے۔ مگر قلعہ کے پھاٹک پر پہنچکر دربانوں نے روکا۔ سردار جمع نے جواب دیا۔ "ہم کسان لوگ ہیں۔ اور رانا کو قلعہ میں پہنچانے کے لئے آئے ہیں"۔ عذر معقول تھا۔ سب نے اس بیان کو باور کیا۔ اور یہ لوگ بلا روک ٹوک قلعہ میں داخل ہو گئے۔ لیکن چونڈا کا گروہ جو پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ جب قلعہ کے پھاٹک پر آپہنچا۔ تو یہ بھید کھل گیا۔ اور دربان چلائے کہ دغا ہے اب غافل ہونے کا کونسا وقت تھا۔ چونڈا نے خنجر کمر سے کھینچ لیا۔ اور ساتھ ہی اس کے ہمراہی بھی جے جے کار کے نعرے بلند کرتے۔ تلواریں میانوں سے گھسیٹ کود پڑے۔ رات سخت

اندہیری تھی۔ قلعہ والے چونڈا کی آمد کی خبر سنکر گھبرا اُٹھے۔ بچارے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ غنیم کی تعداد کتنی ہے۔ اِدہر اُدہر بھاگنے لگے۔ اور حملہ آوروں نے چُن چُن کر ایک ایک کو قتل کر دیا۔

راؤ رنمل کے قتل کا حال نہایت دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اُس نے رانی کی ایک لونڈی کو زبردستی اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا جس وقت چونڈا کے حملہ کی خبر اس لونڈی کے کانوں میں پُہنچی۔ رنمل شراب اور افیون کے نشہ میں بدمست پڑا تھا۔ اُس نے راؤ کی پگڑی سے پلنگ کے ساتھ اُس کی مشکیں کس دیں، چونڈا کے ساتھی اِس کے کمرہ میں داخل ہُوئے۔ رنمل بیدار کیا گیا مگر اپنے آپ کو مجبوری کی حالت میں دیکھکر وہ کمال خفا ہُوا۔ اُس نے اپنے آپ کو اس بلا سے نکال لینے کے لئے کوشش کی۔ اور بڑے جدوجہد سے وہ قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ مگر پلنگ پیٹھ پر بندھا تھا۔ اُس وقت کوئی ہتھیار بھی پاس نہ تھا۔ پیتل کا ایک لوٹا اُس کے ہاتھ میں آیا۔ اُسی کو اُٹھا کر حملہ آوروں پر دے مارا۔ مگر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کب تک کام دیسکتا ہے، چونڈا کے ہمراہیوں سے ایک آدمی کی گولی نے فوراً اُس کا کام تمام کر دیا۔ رنمل کے تمام بیٹے اور رشتہ دار مارے گئے۔ اور صرف اِس کے ایک بیٹے جودھا نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ اور منڈور کو چلا گیا۔

چونڈا نے اِس کا تعاقب کیا۔ اِس لئے وہ منڈور میں بھی قیام نہ کر سکا۔

اِس طرح بہادر چونڈا نے میواڑ کی گدی کی حفاظت کی۔ اور غاصبوں کو قتل کر کے نئے سرے سے موکل جی کو تخت پر بٹھایا۔

کچھ عرصہ تک جودھا اِدہر اُدہر پھرتا اور اپنے آپ کو اراولی پربت کی غاروں میں چھپاتا رہا۔ مگر اُسے کیا خبر تھی۔ کہ کسی وقت اُسی کے نام پر اُس کے خاندان کا نام قائم ہو جائے گا اور وہ اپنے نام پر ایک جدا سلطنت قایم کر کے منڈور کو بھی اپنے علاقہ میں شامل کریگا۔

اب رانا بالغ ہو چکا تھا۔ اور جودھا بھانڈک پیراؤ کے جنگلوں میں چھپا ہُوا تھا صرف چند سوار اس کے ساتھ تھے۔ اور مارواڑ کے بعض آزاد سردار اُسکو کھانے پینے کا سامان پہنچاتے رہتے تھے۔ ایک دن کبیشر اُس کے پاس آیا۔ اور اطلاع دی۔ کہ رانی چتوڑ یعنی اُس کی ہمشیرہ نے رانا کو کہہ سُنکر منڈور کا علاقہ واپس دینے کے لئے راضی کر لیا ہے۔

یہاں پر مارواڑ اور میواڑ کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ میواڑ کی تواریخ سے تو یہ ظاہر

ہوتا ہے۔ کہ یہ ملک جودھا کو بطور بخشش عطا ہوا تھا۔ مگر تواریخ مارواڑ اُسکو فتح میں داخل کرتی ہے۔ مگر ہمارے نزدیک دونوں بیان درست ہیں۔ رانا نے جودھا کو سند مندور بھیجکر چوندا کو وہاں سے طلب کر لیا تھا۔ مگر اس طلبی کی وجہ اُس پر ظاہر نہ کی گئی تھی؏

جودھا نے اس سند کو لے کر ارادہ کیا۔ کہ مندور میں بطور ایک بہادر راجپوت کے داخل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ ہربا منکلا کے پاس جو کہ ایک عابد بھی تھا۔ اور سپاہی بھی آیا۔ اور اُسکو اپنا طرفدار بنا لیا۔ اور اُس کی اور میوجی کی مدد سے فرزندان چوندا پر مندور میں حملہ آور ہوا چوندا مندور سے رخصت ہو کر ابھی دو کوس ہی گیا تھا۔ کہ اس کو قلعہ میں آگ کی روشنی دکھلائی دی۔ چوندا خود تو واپس نہ ہوا۔ مگر اپنے لڑکے کو خبر لینے کے لئے بھیجا۔ اس اثنا میں جودھا مندور پر قابض ہو چکا تھا۔ اور چوندا کے دونوں فرزند مارے جا چکے تھے؏

کوہ اراولی کے درہ پر چوندا کو یہ خبر ملی۔ اور وہ سُنتے ہی مندور کو روانہ ہُوا۔ مگر جودھا جانتا تھا۔ کہ اِس کا مقابلہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس نے قلعہ سے باہر نکل کر چوندا کو سند دکھلائی۔ جس میں عطیہ مندور کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا۔ کہ تم چوندا کے ساتھ ملکر سرحد کا فیصلہ بھی کر لو؏

چوندا کے دو بیٹے قتل ہو چکے تھے۔ مگر اُس نے اِس موقعہ پر بھی علو ہمتی سے کام لے کر انتقام کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور رانا کے حکم کے آگے سر جُھکا کر کہا۔ "اگر رانا نے تمکو مندور بخش دیا ہے۔ تو مجھے بھی ان کے حکم سے انحراف نہیں ہو سکتا"؏

جودھا جانتا تھا۔ کہ میواڑ کی طاقت زبردست ہے۔ اور وہ صرف بیگانی مدد کے زور پر لڑ رہا ہے۔ علاوہ اِس کے زیادتی بھی اُسی کی طرف سے ہوئی تھی۔ لہذا اُس نے شعلہ فساد کو فرو کرنے کے لِئے یہ شرط پیش کی۔ کہ یہ مقام جہاں چوندا کا بیٹا منجا قتل ہُوا ہے۔ سرحد قرار پائے۔ چونکہ اِس شرط میں میواڑ کا سراسر فائدہ تھا۔ چوندا خوش ہو گیا۔ اور اپنے لڑکوں کا بدلہ لینے سے درگذر کر کے جودھا کی درخواست قبول کر لی۔ اور مارواڑ اور میواڑ میں رشتہ اتحاد قایم ہو گیا؏

چوندا کی زندگی ہمارے نوجوانوں کے لِئے ایک عمدہ سبق پیش کرتی ہے۔ اگرچہ وہ ریاست کے حقوق چھوڑ بیٹھا تھا۔ لیکن ملک اور قوم کی نسبت اُس کے دل سے دور نہیں ہوئی تھی۔ ضرورت کے وقت وہ تلوار ہاتھ میں لیکر موکل کی مدد کو آیا۔ اور نہایت بہادری

سے اُسکو غاصبوں کے پنجہ سے رہائی بخشی۔ جودھا نے اس کے دونوں بیٹے قتل کردیئے لیکن اُس نے اپنی ملکی بہبودی کے خیال سے انتقام کا خیال فوراً دل سے دور کردیا؛

کاش کہ چونڈا جیسے لائق بیٹے آجکل بھی ملک میں پیدا ہوتے۔ اور اس کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش کرتے!!

موکل ۱۹۱۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اگرچہ اُس کی فطرت میں حکمرانی کی لیاقت موجود تھی مگر افسوس ہے۔ کہ وہ زیادہ عرصہ تک اُس سے فائدہ نہ اُٹھا سکا؛

علاوہ تین فرزندوں کے رانا موکل کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اِس کا نام لال بائی تھا۔ اور یہ دالنٹے گوگراؤں سے منسوب تھی۔ شادی کے وقت داماد نے موکل سے قول لے لیا تھا۔ کہ کسی بیرونی دشمن کے حملہ کے وقت وہ اس کی مدد کریگا۔ چنانچہ جب مالوہ کے حاکم ہوشنگ نے دہیرج پر حملہ کیا۔ تو اُس وعدہ کے مطابق وہ موکل سے طالب امداد ہوا؛

اس زمانہ میں رانا کا لشکر پہاڑی سرکشوں کی سرکوبی کے لئے مدیریا میں مقیم تھا اور قسمت میں لکھا تھا۔ کہ اسی جگہ اس کی زندگی کا خاتمہ ہو؛

موکل کے دو چچا تھے۔ جنکا نام میرا اور چاچا تھا۔ یہ اُس کے دادا کیتسی کے کنیزک زادہ بیٹے تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ ان کی ماں بڑہئی ذات کی عورت تھی۔ جسکو کیتسی نے مدخولہ عورت کی طرح محلوں میں ڈال لیا تھا۔ یہ دونوں بھائی موکل کے باڈی گارڈ کے سات سو سواروں کے افسر تھے۔ مگر ان کے مزاج ایسے بگڑے ہوئے تھے کہ باقی سرداران کے دفعیہ کے وسائل ڈہونڈہنے لگے۔ اتفاق سے اِن کو ایک موقعہ ہاتھ آگیا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اِس میں اِنکے راجہ کی جان بھی جاتی رہی؛

ایک دن رانا معہ چند سرداروں کے چمن میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ سامنے ایک قسم کا درخت دکھائی دیا۔ رانا اِس کا نام نہیں جانتا تھا۔ اِس نے ایک سردار سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس سردار نے دیدہ دانستہ اپنے تئیں بے خبر بنا کر آہستہ سے اشارہ کیا۔ کہ آپ اپنے چچا سے دریافت کریں۔ رانا اس رمز کو نہ سمجھ سکا۔ اور پوچھا چچا اس درخت کا کیا نام ہے؟ میرا چونکہ بڑہئی کی بیٹی کا لڑکا تھا۔ اُسکو رانا کے اِس استفسار سے کمال غصہ آیا۔ اور سمجھا۔ کہ اس نے اسکو طعنہ دیا ہے۔ اُس وقت تو خاموش ہو رہا۔ لیکن اسی روز شام کے وقت جب کہ رانا سر جھکائے عبادت میں مصروف تھا۔ اُس نے تلوار کے متواتر واروں سے اُسکا کام تمام کردیا

اُس کے بعد ان دونوں سرداروں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ فوراً چتوڑ کا راستہ لیا۔ تاکہ وہاں جا کر تخت پر قابض ہو جائیں۔ مگر قلعہ والے اِس خبر کو سنکر پہلے سے ہی ہوشیار ہو گئے تھے۔ اور رانا کا نوجوان مگر عقلمند بیٹا کومبھو ہر طرح مقابلہ کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اِس لئے یہ اُلٹے پاؤں واپس آئے۔ اور مدیریا کے متصل ایک مضبوط قلعہ میں جو کہ پہاڑوں کے درمیان میں واقعہ تھا۔ چلے گئے ؛

رانا کومبھو

رانا کومبھو کی بابت لکھا ہے۔ کہ روئے زمین کے عقلمند بادشاہوں میں سے نہا ہمیر جیسی ہمت اور جوانمردی اور لاکھا جیسی ذی ہنری اور قدردانی اور دونوں کی سی ذہانت اس میں موجود تھی۔ اور دونوں سے زیادہ خوش نصیب تھا؛

باپ کی وفات کے بعد چتوڑ کی حکومت ہاتھ میں لے کر پہلا خیال جو اُس کے دل میں پیدا ہُوا۔ یہ تھا۔ کہ جس طرح ہو اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے جودھا کو اپنی مدد کے لئے لکھا۔ اور جیسا کہ اسکو امید تھی۔ ویسا ہی ظہور میں بھی آیا۔ کیونکہ جودھا نے فوراً اپنے لڑکے کو بسر کردگی ایک لشکر جرار کے قاتلوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ چونکہ قاتل اُس کے علاقہ کے نزدیک ہی رہتے تھے۔ اس لئے بہت جلد مقابلہ ہوا۔ اور وہ بھاگ کر پایا میں پناہ گزیں ہُوئے۔ اور کوہستان راناکوٹ میں ایک مستحکم قلعہ بنا کر رہنے لگے ؛

کومبھو نے ابھی تک باپ کے قاتلوں کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ ایک دن وہ معہ فرزند جودھا ان کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ کہ اثنائے راہ میں اُسکو ایک راجپوت ملا۔ اور اُس نے اپنی دردناک سرگذشت اس طرح بیان کی ؛

"میں چوہان راجپوت ہوں۔ میرا نام سوجا ہے۔ چچا اور میرا نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے وہ میری کنواری بیٹی کو زبردستی چھین کر لے گئے ہیں۔ میں مزدوروں کے بھیس میں اُن کے قلعہ میں بھی گیا ہوں۔ اور وہاں کے تمام حالات سے مجھے واقفیت ہے۔ میں آپ کو راناکوٹ

کا صرف رستہ ہی نہیں بتلا سکتا۔ بلکہ قلعہ کے اندر تک بھی پہنچا سکتا ہوں۔ خدا سے اُتر کر
آپ کے سامنے فریاد کر سکتا ہوں۔ اگر آپ نے میرا انصاف نہ کیا۔ تو اور کون کریگا۔ بیشک
چتوڑ ہی میری بے عزتی کی سزا ان ظالموں کو دے سکتا ہے۔ قلعہ بیشک مضبوط ہے اور
بھی خطرناک ہے، لیکن میں آپ کو اس طرف لے جاؤنگا۔ جہاں کہ قلعہ کی فصیل بہت کم او
ہے۔ اور آدمی ایک معمولی زینہ لگا کر اوپر چڑھ سکتا ہے ؎

رانا کو اس راجپوت کی دردناک داستان سنکر بڑا رنج ہوا لیکن وہ خوش ہوا۔ کہ ا
انکو رہبر بھیجدیا۔ کیلوارا کے مقام پر کیمپ ڈال دیا گیا۔ اور جب آفتاب غروب ہوگیا۔ تو رانا
فرزند جودہا اپنے چیدہ چیدہ راجپوتوں کو ہمراہ لے کر اُس قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ مگر نہایت خامو
کے عالم میں! ذرا سی آہٹ سے دشمن کا خبردار ہو جانا ممکن تھا۔ اِس لئے کسی کو آواز تک نکا
کی بھی اجازت نہ تھی ؎

جانباز راجپوتوں نے نہایت ہمت اور استقلال کے ساتھ رانا کے حکم کی تعمیل کی۔ اندھیر
رات برسات کا موسم موسلادھار بارش اور پہاڑی رستہ کچھ کم خطرناک اسباب نہ تھے لیکن
عجب چیز ہے۔ جو سب کچھ کر دکھاتی ہے۔ بہادروں کا جو قدم پڑتا تھا۔ آگے ہی پڑتا تھا
چٹانوں پر چلنا اندھیری رات کے عالم میں کیسا کچھ مشکل نہ تھا۔ قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی
چپہ چپہ پر پہاڑی غاروں میں گرنے اور پھر قیامت تک وہاں سے نہ نکلنے کا اندیشہ تھا۔
جانباز اور باہمت راجپوت ان تمام مشکلات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے ہی بڑھتے چلے
قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک شیرنی ان کے رستہ میں بیٹھی دکھائی تھی۔ سو جاسب سے آ
تھا۔ اُس نے رانا کا ہاتھ دبا کر اس خطرہ سے آگاہ کیا۔ دنیا کی کوئی طاقت مستقل مزاج راجپو
کے رستہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ چمکتی ہوئی تلوار فوراً میان سے باہر نکلی۔ اور شیرنی
دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ اب رستہ بدستور صاف تھا۔ آگے بڑھے۔ اور منزل مقصود
جا پہنچے ؎

شیرنی کا قتل کرنا ایک نیک فال خیال کی گئی۔ اور رانا کے ساتھیوں نے اُسی دفعہ
فتویٰ لگا دیا۔ کہ اب دشمن پر ضرور کامیاب ہونگے ؎

سیڑھیاں لگائی گئیں۔ اور بہادر رانا معہ اپنے ہمراہیوں کے فصیل قلعہ پر چڑھنے
نصف آدمی اوپر چڑھ گئے۔ اور نصف ابھی چڑھ رہے تھے۔ کہ ایک باجے والے کا پاؤں فص

سے پھسل گیا۔ اور وہ معہ ڈھول کے دیوار سے ٹکراتا ہوا نیچے آرہا۔ چچا کی لڑکی جاگ رہی تھی۔ اُس نے اپنے باپ کو بیدار کیا۔ مگر اُس نے جواب دیا۔ "بیٹی تم کسی قسم کا فکر نہ کرو۔ اور بے خطر سو رہو۔ کس کی مجال ہے۔ کہ ایسی موسلادھار بارش میں اس پہاڑی قلعہ تک پہنچ سکے۔ یہ آواز جسکو تم نے ڈھول کی آواز سمجھا ہے۔ بادل کی آواز ہے۔ دشمن تو ابھی کیلواڑا میں ہے۔ آج شام کو مجھے اُس کی خبر ہو چکی ہے۔ جاؤ آرام سے سو رہو" اتنا کہکر وہ پلنگ پر لیٹ گیا۔ مگر لڑکی ابھی اپنے بستر پر نہ گئی تھی۔ کہ قلعہ میں شور مچ گیا۔ رانا اور اس کے ساتھی قلعہ میں داخل ہو چکے تھے۔ چشم زدن میں موت کا بازار گرم گیا۔ اہل قلعہ جو بے خبری کے عالم میں پاؤں پسارے لیٹے پڑے تھے۔ گھبرا گھبرا کر بستروں سے اُٹھے۔ مشکل سے اپنی جمیعت کو فراہم کیا۔ مگر سوتے اور جاگتے کا مقابلہ وہ بھی کومبھو جیسے بہادر سے کچھ پیش نہ گئی۔ اور سب کے سب یا تو قتل ہوئے۔ یا بھاگ کر قلعہ سے نکل گئے۔ چچا اور میرا کو تو خوابگاہ سے بھی باہر نکلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اور ان کے کمروں میں پہنچکر ہی ایک کا رانا نے اور دوسرے کا مارواڑ کے راؤ نے خاتمہ کر دیا؀

باپ کا بدلہ لیکر شجاع کومبھو انتظام ریاست کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ تیمور نے دہلی پر حملہ کر کے یہاں کے بادشاہ کو بالکل کمزور کر دیا۔ جگہ جگہ کے صوبیدار خود سر بن بیٹھے تھے۔ دکن میں بیجاپور اور گولکنڈا اور مشرق میں مالوہ اور گجرات اور جونپور نے جدا جدا ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ کالپی میں بھی خود مختار بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ کومبھو کی تخت نشینی کے وقت مالوہ اور گجرات کے بادشاہوں کو بڑا اقتدار حاصل تھا۔ ان دونوں نے ۱۴۴۰ء میں اپنی متفقہ فوج سے میواڑ پر فوج کشی کی۔ باوجودیکہ یہ زمانہ ہندوؤں کے لئے کچھ ترقی کا زمانہ نہ تھا۔ پھر بھی کومبھو نے اپنی سرحد پر ایک لاکھ سوار پیادہ اور چودہ سو زنجیر فیل سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور غنیم کو شکست فاش دیکر محمود خلجی شاہ مالوہ کو قید کر کے چتوڑ میں لے گیا۔ ابوالفضل نے رانا کی اس فتح کا حال اپنی تواریخ میں مفصل درج کیا ہے۔ اور کومبھو کی فیاضی اور اُس کی دریا دلی کی بڑی تعریف کی ہے۔ محمود چھ مہینے تک چتوڑ میں قید رہا۔ مگر آخر کار کومبھو نے اُسکو رہا کر دیا۔ رہائی کے وقت تاوان جنگ یا وعدہ خراج کا کوئی ذکر تواریخ میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ لکھا ہے۔ کہ کومبھو نے اُس کو بہت کچھ انعام واکرام عطا کیا؀

اِس نظیر سے راجپوتوں کی فیاضی اور نیک دلی کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی عالی حوصلگی کے ساتھ غنیم سے سلوک کرنا صرف راجپوتوں کا ہی حصہ تھا۔ ورنہ مغلوب دشمن پر کیا کچھ مصیبتیں

نازل نہیں کی جاتیں۔ اور اُس کی کمزوری سے کس قوم نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔
اِس فتح کی یادگار میں کومبھو نے چتوڑ میں ایک مینار کھڑا کیا۔ جس کی بابت لکھا ہے
کہ دس سال میں تیار ہوا تھا۔
محمود نے بھی بعد ازاں اپنے فیاض فاتح کے سامنے سر نہ اُٹھایا۔ بلکہ جب کومبھو جھنجھنو
کے مقام پر شاہ دہلی سے مقابل ہوا۔ تو اس وقت محمود بھی اُس کے ساتھ تھا۔
میواڑ میں کل ۸۴ قلعہ جات ہیں۔ جن میں سے ۳۲ کومبھو نے تعمیر کرائے تھے۔ اِس سے
پایا جاتا ہے۔ کہ اس رانا کو تعمیرات کا بھی بڑا شوق تھا۔ قلعہ کوملمیر بھی جو چتوڑ سے دوسرے
درجہ پر ہے۔ اُسی کا بنوایا ہوا ہے کوہ آبو کی چوٹی پر بھی ایک قلعہ بنوایا تھا۔ جو کہ قدیم پرمار کے
قلعہ کی سرحد کے اندر واقعہ ہے۔ کومبھو اکثر وہاں رہا کرتا تھا۔ اِن کے علاوہ اِس کے تعمیر کردہ
دو اور مشہور قلعہ بھی ہیں۔ ایک تو سردھی کے متصل جسکا نام بسنتی ہے۔ اور دوسرا اجین
شیر دنالہ اور دیوگڑھ کو حملہ میار ساکن اراولی سے محفوظ رکھنے کے لئے بنوایا تھا۔ قلعہ اہور
اور دیگر قلعہ جات کو دوبارہ معمور و آباد کیا۔ تاکہ بھولی بھیل ساکن جرول و پنوراڈرتے رہیں
ان عالیشان عمارتوں کے علاوہ دو اور مذہبی عمارتیں بھی ہیں۔ جو کہ کومبھو کے نام کو یاد
دلاتی ہیں۔ ایک کا نام کومبھو شام ہے۔ جو آبو پر واقعہ ہے۔ اور دوسری عمارت پر جو عمارت
موجودہ میں سب سے زیادہ عالیشان ہے۔ ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ صرف ہوا ہے
اس کی تعمیر کے لئے کومبھو نے اپنی جیب خاص سے آٹھ لاکھ روپیہ دیا تھا۔ وہ درہ صدری
میں رشب دیو کے نام پر بنا ہے چونکہ وہ گوشہ تنہائی میں بنا ہوا ہے۔ اِس لئے وہ متعصب
شاہان اہل اسلام کے ہاتھ سے محفوظ رہا ہے۔
کومبھو شاعر بھی تھا۔ میرا بائی اُس کی رانی جو اپنے حسن وجمال کے لئے مشہور تھی۔ بڑی
پارسا عورت تھی۔ اُس کی تصنیفات بہت ہیں۔ یہ ہمیشہ بھجن بولا کرتی تھی۔ راگ گوبند اسی
کا تصنیف کیا ہوا ہے۔
کومبھو کے زمانہ کا ایک اور مشہور واقعہ یہ ہے۔ کہ اُس نے زبردستی سردار جھالا وار کی
لڑکی سے جو کہ مندور کے راجہ سے منسوب تھی، شادی کر لی۔ اِس سے پورانی خاندانی دشمنی تازہ
ہو گئی۔ راٹھور نے اپنی منسوبہ کو چھوڑانا چاہا۔ وہ بھادوں کی تاریک رات میں زینہ لگا کر
قلعہ کومل میر پر چڑھ گیا۔ مگر پہرے دار جاگ اُٹھے۔ اور وہ مارا گیا۔

کومبھو نے پچاس سال سلطنت کی۔ وہ اپنی قوم کے دشمنوں پر غالب آیا۔ اُس نے کئی ایک مضبوط اور مستحکم قلعے بنوائے۔ اُن کو شوالوں سے آرائش دی۔ اور ۱۴۶۹ء میں قتل ہوا قاتل کوئی بیرونی دشمن نہیں تھا۔ بلکہ اُسی کا ناخلف بیٹا اودے سنگھ تھا؛

اودے سنگھ نے پانچسال تک حکومت کی۔ مگر میواڑ میں اُس کا نام ہتیارا مشہور تھا اور اس کے رشتہ وار وغیرہ سب اُس سے متنفر تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا تھا۔ اِسکے عہد میں میواڑ کی حالت بگڑ گئی۔ اور نصف کے قریب علاقہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ شاہ دیو را کوہ آبو میں خود سر بن بیٹھا اور سانبھر اجمیر اور متعلقہ اضلاع جودھپور کے قبضے میں چلے گئے؛

کومبھو کا بڑا بیٹا رائے مل تخت کا وارث تھا۔ مگر وہ جلاوطن تھا۔ اُس کی جلاوطنی کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ رانا زمانہ جنگ جھنجھنو کے بعد ہمیشہ تخت پر بیٹھنے سے پہلے اپنی تلوار تین بار سر کے گرد پھرایا کرتا تھا۔ رائے مل نے ایک دفعہ اِسکا سبب دریافت کیا۔ جس پر کومبھو نے ناراض ہوکر اُسکو جلاوطن کردیا۔ اور یہ ایدر کو چلا گیا؛

رائے مل نے باپ کے قتل کا حال سنکر اودھے سنگھ پر چڑھائی کی۔ اور کئی بڑی لڑائیوں کے بعد اُسکو شکست فاش دیکر چتوڑ سے نکال دیا۔ راجپوتوں نے تہِ دل سے اُسکا استقبال کیا۔ اور ایک بھاری جشن مناکر گدی پر بٹھا دیا؛

گنہگار اودے سنگھ کو جب کسی طرف سے بھی مدد کی اُمید نہ رہی۔ تو وہ شاہ دہلی کے پاس بھاگ گیا۔ اور اُس کی مدد حاصل کرنے کے لئے اُس سے رشتہ داری کرنا بھی تسلیم کیا؛ آج تک خاندان سشودیہ کو اس بات کا فخر تھا۔ کہ اُن نے دہلی کے شاہوں سے کبھی رشتہ داری منظور نہیں کی۔ اودے سنگھ نے تاج و تخت کے لالچ میں آکر اس بدنامی کے ٹیکا کو اپنی پیشانی پر لگانا چاہا۔ لیکن ایشور کو باپا راول کی اولاد کا کلنک کرنا منظور نہیں تھا۔ جس وقت وہ شاہ دہلی کے دیوان خانہ سے باہر نکلا۔ اُس وقت بادل گھرا ہوا تھا۔ اور تھوڑی تھوڑی بوندیں بھی پڑ رہی تھیں۔ دفعتاً رعد کی ہیبت ناک کڑک سنائی دی۔ اور ساتھ ہی اودے سنگھ بھی زمین پر لیٹ گیا۔ بجلی نے اس ننگ خاندان کا خاتمہ کردیا تھا؛

رانا پرتھی راج

رانا رائے مل کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصہ بعد شاہ دہلی نے شمسی مل اور سورج مل پسران اودے سنگھ کی مدد پر میواڑ پر حملہ کیا۔ اور سیارہ کے مقام پر جسکو آج کل ناتھ دوارا کہتے ہیں۔ خیمہ زن ہوا۔

رائے مل نے اٹھارہ ہزار سوار اور گیارہ ہزار پیدل کے ساتھ گھاسا کے مقام پر انکا مقابلہ کیا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ طرفین کے بہادروں نے خون کی ندیاں بہادیں۔ اودے سنگھ کے بیٹوں نے کمال جوانمردی دکھلائی۔ لیکن بادشاہ دہلی کو شکست فاش ہوئی۔ اور پھر کبھی اُس نے میواڑ کی طرف منہ کرنے کا حوصلہ نہ کیا؛

رائے مل نے اپنے بھتیجوں یعنی فرزندان اودے سنگھ کا قصور معاف کیا۔ اور اُنہوں نے بھی بدل اُس کی تابعداری منظور کی؛

رائے مل بڑا شجاع اور بہادر حکمران تھا۔ اُس نے اپنے بزرگوں کی طرح بڑا نام پیدا کیا تھا۔ غیاث الدین صوبیدار مالوہ سے اُس کی اکثر لڑائیاں ہوئیں۔ اور ہر ایک لڑائی میں نمایاں فتح حاصل کرتا رہا؛

رائے مل کے تین فرزند تھے۔ اور تینوں ہی تواریخ راجستھان میں بڑے مشہور اور نامور گذرے ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ میواڑ کی بدقسمتی سے تینوں میں نزاع پیدا ہو گئی۔ اور تینوں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ باہمی جنگ وجدل سے ریاست سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ اور باپ کی زندگی بھی تلخ ہو گئی۔ اگر یہ خانہ جنگی میں نہ پھنس جاتے۔ تو اس میں شبہ نہیں۔ کہ ان کی ذات سے میواڑ کو بڑا استحکام نصیب ہوتا۔ مگر یہ ایشور کو منظور نہیں تھا!!

ان لڑکوں کے نام پرتھی راج سانگا اور رائے مل تھے۔ پرتھی راج اور سانگا تو دونو سگے بھائی تھے۔ اور جیمل دوسری رانی سے تھا؛

پرتھی راج کے اعمال وافعال اپنے ہم نام پرتھی راج چوہان شاہ دہلی سے ملتے ہیں۔ قوم

ششودیہ کو اس بہادر کے نام سے فخر ہے۔ راجپوت اِس نام کو سنکر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جب وہ دن کو کام سے فارغ ہو کر دسترخوان پر یا گرمی کی راتوں میں شام کے وقت چوپاڑ میں ہوا کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو کبیشروں کی زبانی پرتھی راج کی زندگی کے واقعات سُنکر کمال خوش ہوتے ہیں ؛

سنگا سب سے بڑا اور ولیعہد تھا۔ اور اسکا مزاج اپنے بھائیوں کے مزاج سے مختلف قسم کا تھا۔ وہ بہادر تھا۔ اور ساتھ ہی صاحب عقل اور تمیز بھی تھا۔ پرتھی راج بڑا جنگجو تھا۔ اور ہمیشہ جنگ وجدل میں مشغول رہنے سے خوش ہوتا تھا۔ اِسکا مقولہ تھا۔ کہ قدرت نے مجھے حکومت میواڑ کے لئے پیدا کیا ہے ؛

ایک دن تینوں بھائی اپنے چچا سورج مل کے ساتھ بیٹھے ہوئے اِس معاملہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں تخت نشینی کا تذکرہ چھڑا۔ پرتھی راج کی فطرت میں اعلےٰ درجہ کی امنگیں بھری ہوئی تھیں۔ اور وہ چاہتا تھا۔ کہ جس طرح ہو۔ سنگا کے خاندانی حقوق کو زائل کر کے میواڑ کی گدی پر قابض ہو۔ سنگا بھی بہادر اور عالی خیال تھا۔ لیکن وہ آپس کے جھگڑوں میں میواڑ کو تباہ کرنے سے متنفر تھا۔ اُس نے کہا" اگرچہ میں تخت کا وارث ہوں۔ مگر میں بخوشی اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔ مگر یہ جھگڑا اِس طرح بھی فیصل نہ ہو گا۔ آؤ ہم چارنی دیبی کے مندر میں چلیں۔ اور اپنے حقوق کا فیصلہ پجارن کے کہنے پر چھوڑ دیں" سب نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور اکٹھے ہو کر مندر میں گئے۔ پرتھی راج اور جیمل اوّل مندر میں داخل ہوئے اور ایک چارپائی پر جو وہاں بچھی تھی۔ جا بیٹھے۔ اس کے بعد سنگا آیا۔ مگر وہ چیتے کی کھال پر جو زمین پر بچھی ہوئی تھی جا بیٹھا۔ سورج مل بھی ساتھ تھا۔ وہ بھی اُسکے ایک کنارے پر ہو بیٹھا جب سب بیٹھ گئے۔ تو تمام حال پجارن سے بیان کر کے اسکی رائے دریافت کی۔ پجارن نے فوراً چیتے کے چمڑے کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا۔ کہ جو شخص اس پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہی میواڑ کا راجہ ہو گا۔ اور اس کا ساتھی یعنی سورج مل اِس کا جزوی حصہ دار ؛

پرتھی راج نے آگ بگولا ہو کر تلوار کھینچ لی۔ اور سانگا پر حملہ کر کے اُسی جگہ پجارن کے شگون کو غلط ثابت کرنا چاہا۔ مگر اتفاق سے جیمل درمیان آگیا۔ اور پرتھی راج کی تلوار جو سنگا کے قتل کے لئے اُٹھائی گئی تھی۔ اُس کے سر پر پڑی۔ یہ گر پڑا۔ اور پرتھی راج دوبارہ جھپٹا۔ سنگا کو پانچ زخم تلوار کے لگے۔ اور ایک تیر آنکھ پر بیٹھا۔ مگر پرتھی راج بھی سخت زخمی ہو کر

گر پڑا۔ اور ہلنے کے قابل نہ رہا۔ سنگا زخمی ہو کر مندر سے باہر نکلا۔ اور بیدا یعنی اوداوت کے پاس پناہ گزین ہوا۔ جیمل نے اس کا تعاقب کیا۔ بیدا اپنے مہمان کی جان بچانے کے لئے بمقابلہ پیش آیا۔ اور مارا گیا۔ سانگا مشکل سے جان بچاکر یہاں سے نکلا ؛

جب رانا رائے مل کو اس جھگڑے کی خبر ہوئی۔ تو اُس نے پرتھی راج کو بھی جلاوطن کر دیا یہ صرف پانچ سواروں کو ہمراہ لے کر گھر سے نکلا۔ اور گوندوار کی ریاست کو سردار مینا سے چھین کر خود وہاں کا مالک بن بیٹھا ؛

انہیں ایام میں شاہ دہلی نے شیو رتن کو تھوڈا سے خارج کر کے للہ خاں کو یہاں کا حکمران کر دیا تھا۔ اور شیو رتن زیر دامن کوار اولی مقام بدنور میں جو کہ سرحد میواڑ میں داخل ہے۔ اپنی گمنامی کے دن بسر کر رہا تھا ؛

شیو رتن کی صرف ایک لڑکی تھی۔ جو کہ اس مصیبت کے وقت میں بھی اُس کیساتھ تھی۔ یہ بڑی حسین اور نازک اندام تھی۔ لیکن چونکہ اس نے عین گردش کے ایام میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے لازمی تھا۔ کہ اس کی طبیعت میں ناز پروردہ شہزادیوں اور راج کماریوں کی سی خودنمائی و خودستائی کی نسبت متانت اور سنجیدگی زیادہ پائی جائے۔ وہ اعلےٰ درجے کی شہسوار تھی۔ گھوڑے کی پیٹھ پر جب کہ وہ تیزرواں ہوتا تھا۔ تیر چلایا کرتی تھی۔ اور اس خوبی سے نشانہ لگاتی تھی۔ کہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ اسی طرح شمشیر زنی نیزہ بازی وغیرہ تمام سپاہیانہ فنون میں کامل مہارت رکھتی تھی ؛

شیو رتن نے دو دفعہ تھوڈا پر حملہ کیا۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ تارا بائی بھی ہر موقعہ پر اُس کے ساتھ تھی۔ اور اگرچہ اسکو اپنی ناکامی پر بہت رنج تھا۔ تاہم اُس نے اپنے باپ کی طرح حوصلہ کو ہاتھ سے نہیں دیا تھا۔ اسکا شجاع دل اُسکو مایوس نہ ہونے دیتا۔ اور باوجود اس خستہ حالی کے بھی اُسکو امید تھی۔ کہ وہ کبھی نہ کبھی تھوڈا کو ضرور آزاد کرائے گی ؛

تارا بائی کی خوبصورتی اور خوب سیرتی کا شہرہ تمام راجپوتانہ میں پھیل چکا تھا اور بہت سے راج کنور اس کے ساتھ شادی کے خواہشمند تھے۔ مگر تارا بائی کی شرط یہ تھی۔ کہ جو شخص اس کے باپ کی ریاست کو غنیم کے ہاتھوں سے آزاد کرانے میں اُس کی مدد کریگا۔ وہ اسی کے ساتھ شادی کرے گی ؛

رانا رائے مل کے بیٹے جیمل نے جو اپنے دونوں بھائیوں کی جلاوطنی کے باعث اب میواڑ

کا ولیعہد مقرر ہوچکا تھا۔ تارا بائی کی شرط کو پورا کرنے اور اس کے ساتھ شادی کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ وہ بدنور میں گیا۔ لیکن قبل از وفائے وعدہ اس نے تارا بائی کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا۔ یہ بات شیورتن کو ناگوار گذری۔ اور جیمل کو سمجھانے لگا۔ مگر جلد باز کنور نے اُس کا جواب نہایت سختی سے دیا۔ شیورتن کو بھی برداشت کہاں تھی۔ اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اور آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور غصہ کے عالم میں ایک ایسا بھرپور ہاتھ دیا۔ کہ نوجوان رانا کا سر تن سے جدا ہوکر زمین پر جا پڑا۔ اور دیکھتے دیکھتے ٹھنڈا ہوگیا ؎

امید تھی کہ رائے مل اپنے بیٹے کے قتل کا حال سُنکر ضرور انتقام کے لیئے آمادہ ہوگا بعضوں نے اُسکو بھڑکایا بھی۔ مگر اُس نے اپنے بیٹے کی موت پر ذرا بھی افسوس نہ کیا۔ اور کہا۔ جیمل اگر میرا بیٹا ہوتا۔ تو کبھی ایسی بیہودہ حرکت نہ کرتا۔ مجھے ایسے نالائق بیٹے کی موت پر ذرا بھی افسوس نہیں۔ اچھا ہوکہ ننگ خاندان واصل جہنم ہوگیا۔ اُس کی خطا اسی سزا کے قابل تھی۔ شیورتن ایک شریف راجپوت ہے۔ اور اُس نے وہی کیا ہے۔ جو کہ راجپوت کے شایان تھا۔ میں اُس پر خوش ہوں۔ اور اُسکو بدنور کا ضلع عطا کرتا ہوں"۔

یہ مثال بھی راجپوتوں کی سیرچشمی اور فیاضی کا ثبوت دیتی ہے۔ دنیا دنگ رہ گئی۔ اور دوست اور دشمن سب نے رائے مل کے حوصلہ کی تعریف کی ؎

جیمل کی وفات کے بعد رائے مل نے اپنے دوسرے بیٹے پرتھی راج کو جو کہ گوندوار میں مقیم تھا۔ طلب کیا۔ اور اُس کا پہلا قصور معاف کرکے خلعت ولیعہدی عطا فرمایا ؎

تارا بائی کے حسن وجمال کا شہرہ راجپوتانہ کے دیگر شہزادوں کی طرح پرتھی راج کے کانوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اور چونکہ وہ خود شجاع اور جری راجپوت تھا۔ اِس لیئے تارا بائی کی اس شرط کی بدولت جو اُس نے اپنی شادی کے بارہ میں کی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں اُس کی بہت کچھ عزت تھی۔ لہٰذا اُس نے شیورتن کے آگے اپنی درخواست پیش کی۔ کہ وہ بھی تارا بائی کے لیئے قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہے ؎

شیورتن اور تارا بائی پرتھی راج کے گذشتہ بہادرانہ کارناموں سے ناواقف نہیں تھے۔ اِس لیئے یہ درخواست بڑی خوشی کے ساتھ منظور کرلی گئی ؎

ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ خود تارا بائی نے اُس کی بہادری اور شجاعت کے کارناموں

کو سُنکر اپنے باپ کی منظوری سے اُسکو پیغام بھیجا تھا۔ کہ تم تھوڈا کے آزاد کرنے میں میر
مدد کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرسکے۔ تو راجپوت کہلانے کے مستحق نہ ہوگے ؛

خواہ کسی طرح سہی پرتھی راج صرف پانچسو سوار ہمراہ لے کر بدنور میں آیا۔ اِن راجپو
کی تعداد غنیم کے مقابلہ کے لئے بہت ہی تھوڑی تھی۔ لیکن پرتھی راج کو ان کی شجاعت
اور جوانمردی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور ان میں وہ وفادار راجپوت بھی شامل تھے۔ جنہوں
جلا وطنی کے زمانہ میں بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ اور غربت کے ایام میں اس کے سا
ویسی ہی وفاداری سے پیش آئے تھے۔ جیسا کہ کسی شریف راجپوت سے اُمید ہوسکتی ہے
شیو رتن حیران تھا۔ کہ وہ اِس تھوڑی سی جمیعت سے دشمن کے مقابلہ پر کس طرح کام
حاصل کریگا۔ مگر پرتھی راج کے اصرار سے اُس نے اُسکو اجازت دیدی ؛

ضروری سامان کی آراستگی کے بعد جب پرتھی راج شیو رتن سے ملنے آیا۔ تو اُس نے
کہ تارا بائی بھی اِس مہم میں اس کے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔ اور اس بار
میں وہ اپنے باپ سے اجازت بھی حاصل کرچکی ہے۔ پرتھی راج نے اس کی جرارت کی تع
کی۔ مگر ساتھ لے چلنے سے انکار کردیا ؛

بہادر راجپوتنی نے جو جواب دیا۔ یہ تھا "اس میں شک نہیں۔ کہ میں عورت ہوں اور
کہ میرے ہاتھوں سے وہ کام زیادہ خوبی سے پورا نہ ہوسکے۔ جیسا کہ ایک تجربہ کار سپاہی
دے سکتا ہے۔ تاہم میں آپ کو اطمینان دلاتی ہوں۔ کہ تارا بائی بزدل اور راجپوتوں کے نا
دھبہ لگانیوالی نہیں یہ ہوسکتا ہے۔ کہ غنیم کی تلوار میدان کارزار میں اس کی ہستی کا خات
لیکن یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ جان کے خوف سے بھاگتی ہوئی دیکھی جائے۔ دشمن مقابلہ میں
زخمی کرسکتا ہے۔ لیکن اُس کی پشت پر زخم لگانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ میر
لئے یہ عمدہ موقعہ اس بات کے ثابت کرنے کا ہے۔ کہ راجپوت عورتیں کس طرح اپنا فرض
کرتی ہیں۔ اور اپنے عزیز ملک اور دھرم پر جان قربان کرتے وقت کس قدر مستعدی
کام لیتی ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ کہ میرا ساتھ ہرگز آپ کو ناگوار نہ گذریگا"؛

مجبوراً پرتھی راج کو اسکے کہنے سے اتفاق کرنا پڑا۔ اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو تھ
کی طرف روانہ ہوئے ؛

شہر سے کچھ فاصلہ پر ہمراہی سواروں کو چھوڑ دیا۔ اور اُنکو موقعہ کا منتظر رہنے کے

ہدایت کر کے مع سردار سینگر کے دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک عالمگیر ماتم کا نقشہ کھچا ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دن محرم کے تھے۔ اور "یا حسین" "یا حسین" کی آوازیں چاروں طرف گونج رہی تھیں۔ پرتھی راج اور تارا بائی نہایت اطمینان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوئے۔ اور اُس موقعہ تک جا پہنچے۔ جہاں کہ للّٰہ خاں معہ اراکین سلطنت ماتمی مجلس مرتب کئے مرثئے سُن رہا تھا۔ جونہی کہ اُس نے اِن اجنبی سواروں کو دیکھا۔ بول اُٹھا "یہ کون ہیں؟ اِن کو فوراً گرفتار کر لو۔" پرتھی راج نے کمان ہاتھ میں لی۔ اور ایک تیر اِس زور سے للّٰہ خاں کی چھاتی میں مارا۔ کہ وہ ہڈیوں کو توڑتا نصف کے قریب تکیہ میں جا دھسا۔ زخم کاری تھا اور امید نہ تھی۔ کہ للّٰہ خاں اس کے صدمہ سے جانبر ہو سکے۔ لیکن تارا بائی نے معاملہ کو شک میں رہنے دینا مناسب نہ سمجھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ یہ آگ کی طرح بھبکا۔ اور کود کر خاں کے مقابل جا کھڑا ہوا تارا بائی نے تلوار میان سے نکالی۔ اور بہادرانہ طریقے سے ایک ایسا بھرپور ہاتھ دیا۔ کہ للّٰہ خاں کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر جا رہا؛

یہ کام صرف چند سکنڈ کا تھا۔ حاضرین مجلس نقش دیوار کی طرح حیران و پریشان بیٹھے دیکھا کئے۔ اور اُن پر اس قسم کا رعب چھا گیا۔ کہ کسی نے بھی اپنے آقا کی جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ خبر ہوئی تو اُس وقت ہوئی۔ جبکہ کافی طور پر اسکا کام تمام ہو چکا تھا؛

یہ قیامت خیز خبر تمام قلعہ میں پھیل گئی۔ چاروں طرف شور مچ گیا۔ اور مسلمان قاتلوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ وقت بڑا نازک تھا۔ چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ مگر پرتھی راج کی تلوار برابر کا جواب دے رہی تھی؛

تارا بائی نے بھی جس ہمت اور استقلال سے اس موقعہ پر کام لیا۔ اور جو کچھ مردانگی اُس سے ظہور میں آئی۔ اُس کی تصدیق تواریخ کے صفحوں سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ چاروں طرف ننگی تلواریں چمک رہی تھیں۔ اور "دغا۔ دغا" "پکڑو مارو" "جانے نہ پائیں" وغیرہ وغیرہ آوازیں آ رہی تھیں۔ قلعہ کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور اب اس بات کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ کہ پرتھی راج اور تارا بائی کی جانیں کس قدر خطرے میں تھیں۔ اگرچہ اِن کے سوار قلعہ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ اور جان ہتھیلیوں پر رکھ کر دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن قلعہ کا دروازہ بند تھا۔ اِس لئے اُن کی کچھ پیش نہ جاتی تھی؛

تینوں سوار (پرتھی راج تارا بائی اور سردار سینگر) بڑی بہادری سے دشمنوں کا مقابلہ

کرتے آخر کار دروازے کے قریب پہنچ ہی گئے۔ لیکن دروازہ بند تھا۔ اور ایک کوہ تمث
مست ہاتھی ملک الموت کی طرح اس بات کا منتظر کھڑا تھا۔ کہ ادہر یہ سوار اُس کے قریب پہ
اور اُدہر اُس نے کچل کر پھینک دیئے ؛

یہ حالت دیکھکر پرتھی راج گھبرا گیا۔ تارا بائی نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ا
نہایت سنجیدگی سے کہا۔ اگر ہماری قسمت میں یہیں کی خاک پر سونا لکھا ہے۔ تو کبھی نہیں ٹ
سکتا۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر ہزار ہاتھی بھی مقابلہ پر ہوں۔ تو روک نہیں سکتے۔ بیشک
جب تک تلوار ہاتھ میں ہے۔ مایوس نہ ہونا چاہیئے" اتنا کہکر اُس نے اپنا گھوڑا آگے بڑ
اور ہاتھی کے مقابل کھڑا کر دیا۔ عورت ذات اور ہاتھی مست کا مقابلہ اُن لوگوں کے لئے
بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ جو اپنے زعم میں فرقہ نسوان کو قدرتاً کمزور اور بزدل
بیٹھے ہیں۔ ہاتھی غضب ناک ہو کر جھپٹا۔ اور قریب تھا۔ کہ تارا بائی کو سونڈ میں لپیٹ کر گھ
سے کھینچ لے۔ کہ شیر دل تارا بائی نے بجلی کی طرح چمکتی ہُوئی تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور ا
ہی وار میں اُس دیوزاد کی سونڈ کٹ کر زمین پر جا پڑی!!!

ہاتھی چینختا ہُوا بھاگا۔ اب رستہ بالکل صاف تھا۔ پرتھی راج نے فوراً گھوڑے
اُتر کر پھاٹک کھول دیا۔ اور وفادار سوار جو اپنے آقا کے لئے سخت بیتاب ہو رہے تھے
میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے بہت کچھ دادِ مردانگی دی۔ مگر راجپوتوں کے سامنے کچھ پیش
نہ گئی۔ افسر کی موت نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ اور رات کے اندھیرے نے ا
اور بھی مغالطے میں ڈالدیا تھا سب کے جی چھوٹ گئے۔ تین چوتھائی سپاہ قتل ہوئی۔
باقی بھاگ نکلی۔ تارا بائی نے راجپوتوں کو تعاقب سے روکا۔ اور کہا ہماری غرض صرف ا
ملک کو حاصل کرنے کی تھی نہ کہ بیجا خونریزی کی!

للہ خاں کے بھائی نے ٹھوڈا کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ او
میں کام آیا؛

اس کے بعد نواب ملو خاں حاکم اجمیر نے مقابلہ کی تیاری کی۔ مگر پرتھی راج نے اسکو
میں ہی جا لیا۔ اور بڑی خونریز لڑائی کے بعد اُس کو شکست فاش دی۔ اجمیر پر قبضہ کر
اور شاہ اجمیر معلوم نہیں کہ جان بچا کر کس طرف کو نکل گیا؛

تواریخ میں پرتھی راج کی بہادری کا ایک اور قصہ بھی درج ہے۔ اور وہ اس طر

کہ ایک موقعہ پر کہ اُس نے اپنے باپ رائے مل کو شاہ مالوہ کے عہدی سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اور خفا ہو کر کہا۔ افسوس ہے۔ کہ والیٔ چتوڑ اپنے سے کم رتبہ آدمیوں سے اس طرح بے تکلف گفتگو کر کے اپنی عزت کم کرتا ہے۔ اور نہیں جانتا۔ کہ اس کی اور اس معمولی آدمی کی پوزیشن میں کتنا فرق ہے۔ رانا نے اس کے جواب میں طنزیہ کہا۔ بیشک تم صاحب ہمت ہو اور بادشاہوں کو گرفتار کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو۔ لیکن میں تو اپنے ہی ملک کو تھامنا غنیمت سمجھتا ہوں ؂

پرتھی راج نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور سر جھکائے باپ کے سامنے سے چلا آیا۔ مگر اُسی وقت اپنے ہمراہیوں کو لیکر نیچہ کی طرف روانہ ہُوا۔ اور یہاں ٹھہر کر کچھ عرصہ میں ایک کافی تعداد سواروں اور پیدلوں کی بہم پہنچا کر دیال پور پر جو کہ بادشاہ مالوہ کے علاقہ میں تھا۔ اور اُس کی طرف سے ایک گورنر یہاں حکومت کرتا تھا جا گرا۔ اگرچہ غنیم نے بہت کچھ داد مردانگی دی۔ اور دل توڑ کر مقابلہ کیا۔ لیکن راجپوتی تلواریں آخر کار کامیاب ہوئیں۔ گورنر مارا گیا۔ اور تمام علاقہ میں پرتھی راج کی دہائی پھر گئی۔

جب شاہ مالوہ نے یہ خبر سنی۔ تو جس قدر فوج وہ فراہم کر سکا لے کر مقابلہ کو نکلا اور دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل جم گئے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کہ پرتھی راج ایک دستہ چیدہ سواروں کا ہمراہ لیکر اپنے کیمپ سے نکلا۔ اور غنیم کے لشکر سے پہلو بچاتا پانچ سات میل کا چکر دیکر فوج کے پیچھے عین اُس موقعہ پر جا پہونچا۔ جہاں کہ شاہ مالوہ اپنی بیگم کے پڑا آرام کر رہا تھا۔ چونکہ خیمہ تمام سپاہ کے پیچھے تھا اِس لئے اُس کی حفاظت غیر ضروری سمجھکر صرف چند آدمی پہرہ پر مقرر کئے گئے تھے مگر اس وقت وہ بھی سوئے پڑے تھے۔ انہیں خبر ہوئی۔ تو اُس وقت جب کہ پرتھی راج اور اس کے ہمراہی تلواریں سونت خیمہ میں گھس آئے ؂

مسلمانوں کی سپاہ میں کھلبلی مچ گئی۔ مگر رات کا اندھیرا اور گھبراہٹ کا عالم فوج کی ترتیب یا مناسب صف بندی ناممکن امر تھا۔ جو جس کے سامنے آتا تھا۔ وہ اسی کو دشمن خیال کرتا تھا ؂

اسی حالت میں صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ لیکن فوج شاہی کی حیرانی اور پریشانی کی کوئی حد نہ تھی۔ جب انہیں معلوم ہُوا۔ کہ ان کا بادشاہ غنیم کے ہاتھوں اسیر ہو چکا ہے۔ پرتھی

راج اپنا کام کرچلتا بنا تھا۔سواروں نے گھوڑے دوڑائے۔اور پرتھی راج ابھی اپنے کیمپ
پہنچنے نہ پایا تھا۔کہ پیچھے سے جاملے ؛

پرتھی راج نے اپنے ہمراہیوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔اور اپنے تعاقب کرنے والوں سے
طرح مخاطب ہوا۔اگر تم اپنے بادشاہ کی جان کی خیر چاہتے ہو۔تو واپس چلے جاؤ۔تمہار
طرف سے ایک تیر چھوٹنے کی دیر ہے۔کہ تمہارے بادشاہ کا سر دھڑ سے جدا کردیا جائے
مجھے تمہارے بادشاہ سے کوئی دشمنی نہیں۔اور میں وعدہ کرتا ہوں۔کہ اُسکو اپنے باپ
سامنے لیجاکر رہا کردونگا؛

اب غنیم کی سپاہ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔کہ پرتھی راج کے قول
اعتبار کرکے اپنے بادشاہ کی جان بچائے مجبوراً پیچھے ہٹ گئے۔اور پرتھی راج شاہ مالوہ
چتوڑ میں اپنے باپ کے پاس لے گیا۔اور اُس کے قدموں پر ڈال کر کہنے لگا"آپ عہدی
طلب کریں۔اور اُس سے پوچھیں کہ یہ کون ہے"؛

بیٹے کی اِس ہمت اور شجاعت کو دیکھ کر رائے مل کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو
اُس نے بڑی محبت سے اُسکو چھاتی کے ساتھ لگالیا۔اور اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا؛
شاہ مالوہ آزاد کردیا گیا۔اور پرتھی راج اپنے مقام کومل میر کو چلا آیا؛

اب پرتھی راج کی غیر حاضری میں اس کے چچا سورج مل نے شاہ مالوہ کی امداد سے
پر حملہ کیا۔رائے مل خود مقابلہ کے لئے نکلا۔مگر اُس کی سپاہ ناکافی تھی دریائے گمبیری
دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔رانا نے اس لڑائی میں بڑی بہادری دکھلائی۔بائیس ز
اِس کے بدن پر لگے۔اور خون کے بہ جانے سے حالت غشی میں اپنے گھوڑے سے گر
کو ہی تھا۔کہ پرتھی راج ایک ہزار سوار ہمراہ لیکر موقعہ پر آپہنچا۔لڑائی پھر تازہ ہو گئی
پرتھی راج نے سورج مل پر گر کر اُسکو کئی زخم دیئے۔طرفین کے بہت سے آدمی کام آئے۔او
شام ہوجانے سے دونوں لشکر فتح اور شکست کا فیصلہ دوسرے دن پر چھوڑ کر اپنے اپنے
قیام گاہ کو چلے گئے؛

اِس موقعہ کا سب سے دلچسپ واقعہ چچا اور بھتیجے کی ملاقات ہے۔جو کہ راجپوتوں کی
خصلت اور اُن کے اعلےٰ اخلاق کا پتہ دیتی ہے۔لڑائی ختم ہوتے ہی پرتھی راج اپنے چچا کی
ملاقات کو گیا۔وہ ایک چھوٹے سے خیمہ میں بیٹھا تھا۔اور جراح اس کے زخم سی رہا تھا

بھتیجے کو دیکھتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کمال محبت سے اُسکو چھاتی سے لگا کر بٹھلایا پرتھی راج نے مُسکرا کر پوچھا۔ چچاجی! زخموں کا کیا حال ہے؟ اِس حرکت سے اگرچہ سورج مل کے بعض زخم کُھل گئے تھے۔ مگر اِس نے نہایت کشادہ پیشانی سے جواب دیا۔ "بیٹا تم کو دیکھتے ہی میرے تمام زخم اچھے ہو گئے ہیں۔ پرتھی راج نے پھر کہا:

میں ابھی تک پتاجی سے بھی نہیں ملا۔ اور اول آپ کی ملاقات کے لئے چلا آیا ہوں۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ حاضر ہو تو منگوائیے"؛

کھانا منگوایا گیا۔ اور دونوں نے بے تکلف اکٹھے بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد پرتھی راج کو پان دیا گیا۔ اُس نے اُسکو بھی خوشی خوشی لے لیا۔ اور جب رخصت ہونے لگا تو کہا۔ چچاجی! کل لڑائی کا فیصلہ ضرور ہو جانا چاہیئے۔ سورج مل نے جواب دیا۔ بہت بہتر! بیٹا! کل میدان میں بھی بہت سویرے آنا"؛

دوسرے روز پھر لڑائی ہوئی۔ چچا اور بھتیجے نے بڑھ بڑھ کر نہایت جوانمردی کے ساتھ ایک دوسریکا مقابلہ کیا۔ پرتھی راج کو فتح نصیب ہوئی۔ اور سورج مل کو بہت سا نقصان اُٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا؛

اِس کے بعد اور بھی بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں ہمیشہ پرتھی راج ہی کامیاب ہوتا رہا سورج مل کی جمیعت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ لیکن وہ تابعداری کی قسم کھا چکا تھا۔ پرتھی راج برابر اُس کے تعاقب میں تھا۔ جہاں پتہ چلتا۔ فوراً اُس کے سر پر جا پہنچتا۔ ایک دن سورج مل اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ کسی جنگل میں ڈیرا ڈالے پڑا تھا۔ کہ پرتھی راج یکایک آن گرا۔ سورج مل نے فوراً اپنے ہمراہیوں کو سنبھال کر اِس کا مقابلہ کیا۔ تلوار چلنے لگی۔ اور تھوڑی دیر کے اندر ہی چچا اور بھتیجے کا دوبدو مقابلہ ہو گیا۔ پرتھی راج کی تلوار سورج مل کے سر پر پڑی۔ اور وہ تیورا کر گرنے کے قریب ہی تھا۔ کہ سارنگ دیو نے پکارا "گذشتہ لڑائی میں آپ کے جسم پر بیس زخم آئے۔ لیکن آج ایک ہی زخم سے یہ حالت! افسوس کا مقام ہے"۔

سورج مل نے گرج کر جواب دیا۔ کہ آج کا ایک زخم ہی ان بیسوں زخموں سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ میرے بھتیجے کے ہاتھ سے لگا ہے"۔ اِس کے بعد سورج مل نے پرتھی راج سے مخاطب ہو کر کہا "بیٹا بس کرو! اب میں لڑنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اگر میں اس لڑائی میں مارا گیا۔ تو کچھ مضائقہ نہیں میرے فرزند راجپوت

ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی گذر اوقات کا انتظام کریں گے۔ اور میرے عوض تمہارا مقابلہ بھی کرتے رہیں گے۔ لیکن تمہارے مارے جانے سے چتوڑ کا بُرا حال ہوگا۔ جیمل مر چکا ہے۔ رسانگا مفقود الخبر ہے۔ اور اب تم ہی چتوڑ کی گدی کے وارث ہو۔ اور چتوڑ کے وارث کو قتل کرکے میں نیک نام نہیں بن سکتا۔"

یہ کہکر سورج مل نے تلوار میان میں کر لی۔ پرتھی راج اپنے چچا کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا۔ "تو اب مجھے کیا حکم ہے؟ میں قسم کھا چکا ہوں۔ کہ میں آپ کو چتوڑ کے علاقہ سے ایک چپہ بھر زمین بھی نہ دونگا۔"

سورج مل نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میرا پرن بھی یہ ہے۔ کہ تم میرے علاقہ سے مرلہ زمین بھی واپس نہ لے سکو گے۔ لیکن میں اس کا فیصلہ بھی ابھی کئے دیتا ہوں۔"

اس کے بعد سورج مل نے کھڑے کھڑے اپنا تمام علاقہ برہمنوں اور کبیشروں کو دان کر دیا۔ اور کہا "لو! اب ہم تم دونوں کی قسمیں پوری ہو گئیں۔ نہ تم نے مجھے کسی علاقہ پر قابض رہنے دیا۔ نہ میں نے یہ علاقہ تمہارے ہاتھ میں دیا۔"

اب پرتھی راج تو کومل میر کو چلا گیا۔ اور سورج مل نے بھی علاقہ میواڑ کو خیرباد کہا۔

اس کے بعد سورج مل چند دن تک اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ ایک دن کنستل کے جنگل سے گذر رہا تھا۔ کہ ایک بکری اپنے بچے کو بھیڑیے کے چنگل سے بچانے کے لئے اُس سے لڑتی ہوئی نظر آئی۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ بکری نے بھیڑیے کو مار کر بھگا دیا۔ سورج مل نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ کہ یہیں ڈیرے ڈال دیئے جائیں۔ اِس مقام سے بڑھ کر محفوظ مقام ہمارے لئے کہیں بھی نہ مل سکیگا۔ چنانچہ اسی مقام پر ایک شہر آباد کرکے پرتاب گڈھ اس کا نام رکھا گیا۔ اور رفتہ رفتہ سورج مل تمام علاقہ کو فتح کرکے ایک ہزار گاؤں کا مالک بن بیٹھا۔ یہ علاقہ آج تک اُس کی اولاد کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔

اب ہم پھر پرتھی راج کا حال شروع کرتے ہیں۔ تواریخ بتلاتی ہے۔ کہ چودہ برس کی عمر سے تئیس برس کی عمر تک متواتر لڑائیوں میں مصروف رہا۔ پس ایسے شخص کی زندگی جو ہر وقت جنگ وجدل ہی میں مصروف رہتا ہو۔ زیادہ لمبی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ وہ نہ تو تلوار سے قتل کیا گیا۔ نہ بندوق سے لیکن پھر بھی اس کی موت کا باعث اُس کی حد سے بڑھی ہوئی دلیری ہی تھا۔

پرتھی راج کی بہن والیئے سروہی سے بیاہی ہوئی تھی۔ مگر وہ اُس کو بڑا تنگ رکھتا تھا۔ اگرچہ پرتھی راج نے اسکو بارہا متنبہ بھی کیا تھا۔ مگر وہ اپنی عادت سے باز نہ آتا تھا۔ ناچار بہن نے مجبور ہو کر اپنے بھائی کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ پیارے بھائی! ہر روز کی سختیاں سہتے سہتے میرے سینے میں اب تو ناسور بھی پڑ گئے۔ مگر افسوس کہ تمہارا بھنیوی اپنی عادت سے باز نہیں آتا۔ وہ بڑا سنگدل ہے۔ اب تم آؤ اور مجھے چتوڑ میں لیجاؤ۔ میں یہاں جان سے بھی بیزار ہوں ؂

خط کو دیکھتے ہی پرتھی راج کا چہرہ مارے غصہ کے سرخ انگارہ بن گیا۔ اور بغیر کسی کو کچھ کہے سُنے تن تنہا سروہی کو روانہ ہُوا۔

آدھی رات کے وقت وہ سروہی میں پُہنچا۔ پھاٹک بند تھا۔ کمند ڈال کر محل پر چڑھ گیا۔ پربھورائے پلنگ پر پڑا سوتا تھا۔ پرتھی راج نے جاتے ہی خنجر کھینچکر اُس کے گلے پر رکھدیا ؂

جان بڑی عزیز چیز ہے۔ پربھورائے اپنے آپ کو یکایک موت کے پنجہ میں گرفتار پاکر رحم کا خواستگار ہوا۔ مگر جب پرتھی راج کو بدستور غصہ سے بھرا ہُوا پایا۔ تو اُس نے اپنی عورت کی طرف نگاہ ڈالی۔ نیک بخت راجپوتنی اگرچہ اُس کی سخت گیریوں کی وجہ سے جان سے بھی بیزار تھی۔ مگر شوہر کی اس بے عزتی کو نہ دیکھ سکی۔ اُس نے جھپٹ کر بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ میں اسکو معاف کرتی ہوں۔ اور امید کرتی ہوں کہ تم بھی اِس کی زندگی اُس کو بخش دوگے ؂

پرتھی راج نے اپنا خنجر پربھورائے کے گلے سے اُٹھالیا۔ اُس نے اِس مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اور قسم کھائی۔ کہ آئندہ کبھی اِس قسم کی بدسلوکی نہ کروں گا۔ مگر وہ اِس ہتک کو کب فراموش کر سکتا تھا؟

پانچ یوم کے بعد پرتھی راج رخصت ہُوا۔ پربھورائے ایک قسم کی مٹھائی بنانے میں مشہور تھا۔ چلتے وقت کچھ مٹھائی اُس کے پیش کی۔ لیکن افسوس کہ یہ زہر آلودہ تھی۔ اور زہر بھی ایسا مہلک کہ اُسکی تاثیر سے آدمی کبھی بچ ہی نہ سکے ؂

کومل میر کے نزدیک پُہنچ کر پرتھی راج نے کچھ مٹھائی کھائی۔ مگر مندر تارا دیوی تک پُہنچتے پُہنچتے زہر اپنا اثر کر گیا۔ اور وہ آگے بڑھنے کے قابل نہ رہا ؂

حالت زیادہ نازک ہو گئی۔ اور جب بچنے کی کچھ امید باقی نہ رہی۔ تو اُس نے تارا بائی کو پیغام بھیجا۔ اور آخری ملاقات کے لئے مندر ماتا دیوی میں طلب کیا ؛

تارا بائی دوڑتی ہوئی آئی۔ مگر افسوس کہ پرتھی راج اس وقت جان کنی کی حالت میں تھا۔ اُس کے آتے ہی دم توڑ دیا۔ اور اپنی جان سے عزیز تارا بائی کے ساتھ بات تک بھی کی چتا تیار کرنے کا حکم دیا۔ خادموں نے فوراً تعمیل کی۔ اور دیکھتے دیکھتے تارا بائی اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ جل بل کر چند مٹھی راکھ کا ڈھیر بن گئی ؛

اِس واقعہ کو صدیاں گذر چکی ہیں۔ لیکن اُس عمارت کو جو چتا کی جگہ پر بطور یادگار بنوائی گئی ہے۔ دیکھ کر پاس سے گذرنے والے شخص کی آنکھوں سے بشرطیکہ وہ اِس واقعہ سے واقف ہو۔ خواہ مخواہ آنسو بہ نکلتے ہیں۔ اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے کھچ جاتا ہے ؛

بدنصیب بھارت! کیا پرتھی راج جیسے شجاع اور اولوالعزم بچے کبھی پھر بھی تیری گود میں دکھائی دینگے ؟؛

رانا سانگا

بیدا کی جان نثاری سے سنگا کی جان بچ گئی۔ اور وہ صحیح وسلامت نکل بھی گیا لیکن اب اس کے لئے چھپا رہنا لازمی تھا۔ کیونکہ اُسے اندیشہ تھا۔ کہ اُس کے تندمزاج بھائی جو اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کبھی اِس کا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ اور اُس کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ کہ آپس کے جھگڑوں میں تخت میواڑ کو کچھ نقصان پہنچے۔ لہذا اُس نے ایک گڈریئے کے گھر میں پناہ لی۔ اور گمنامی کی حالت میں بھیڑ بکریاں چرانے لگا۔ دنوں کی گردش بُری! وہی سانگا جو بعد میں ایک لاکھ آدمی جمع کر کے بابر کے مقابل ہوا۔ اور جس کی تلوار نے غنیم کے لاکھوں سپاہیوں کے دل ہلا دیئے۔ اور جس کی تدبیروں نے دشمن کو حیران کر دیا۔ وہی شخص بھیڑ بکریاں چرانے میں نکما نکلا۔ اور اسی عذر سے وہ گڈریئے کے گھر سے نکال دیا گیا ؛

شبیہ مہارانا سانگا



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۶۲

राणा सांगा

سانگا کو اُمید تھی۔ کہ وہ اپنی مصیبت کے ایام گڈریوں میں کاٹ سکیگا۔ اور اسی جگہ وہ پوشیدہ بھی رہ سکیگا۔ مگر قسمت نے یہاں بھی نہ ٹھہرنے دیا۔ یہاں سے نکل کر وہ کچھ عرصہ تک آوارہ پھرتا رہا۔ ایک دن جنگل میں چند راجپوتوں نے اُسکو پہچان لیا۔ اور اس کے ہمراہ ہو گئے۔ سانگا کو افشائے راز کا اندیشہ تھا۔ مگر انہوں نے قسم کھائی۔ اور تادم زیست اسکے وفادار رہنے کا اقرار کیا؛

سانگا ان راجپوتوں کے ساتھ ملکر راؤ کرم چند سرداوسری نگر کے پاس جاکر ملازم ہُوا۔ اور ایک معمولی سوار کی حیثیت میں اپنے ایام کاٹنے لگا؛

اسی طرح سانگا نے کچھ مدت بسر کی۔ ایک دن جنگل میں وہ بڑ کے درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ اور اُس کے رفیق کھانا پکا رہے تھے۔ کہ درخت کے ٹوٹے ہُوئے تنے کے باعث سورج کی کرنیں اُس کے چہرے پر پڑنے لگیں۔ ہمراہی کھانا تیار کرکے سانگا کو جگانے کے لئے آئے۔ دیکھتے کیا ہیں۔ کہ درخت کی جڑوں سے ایک سیاہ سانپ نکل کر اپنی پھن سے اِس کے چہرے پر سایہ کئے ہُوئے ہے۔ اور سانپ کے سر پر ایک چھوٹا سا جانور جس کے جسم پر سیاہ اور سفید داغ تھے۔ بیٹھا ہُوا تھا۔ اتنے میں ایک چرواہا بھی وہاں آگیا۔ اور اس کو تک تک کو دیکھ کر کہنے لگا۔ "یہ سوار کوئی معمولی سوار نہیں ہے۔ اس کی رگوں میں شاہی خون دورہ کر رہا ہے۔ اور ایک دن ضرور اس کے سر پر چھتر شاہی پھریگا؛

یہ خبر راؤ کرم چند کے کانوں تک بھی جا پہونچی۔ اُس نے سانگا سے اس کی بابت استفسار کیا۔ سانگا اپنا راز ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر سردار کے بڑھے ہُوئے اصرار سے آخر کار تمام حال بتلانا پڑا۔ اور جب کرمچند کو معلوم ہو گیا۔ کہ اِس کا ملازم چیتوڑ کا ولیعہد ہے تو اُس نے چُپکے سے اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کر دی۔ اور اس کا حامی اور مددگار بن گیا۔ مگر یہ حال عوام کے لئے پھر بھی پوشیدہ رہا؛

جیمل پہلے قتل ہو چکا تھا۔ سانگا مفقود الخبر تھا۔ اِس لئے پرتھی راج کے مرنے سے رائے مل کی زندگی بھی تلخ ہو گئی۔ اور وہ بھی تھوڑے عرصہ کے اندر فوت ہو گیا؛

باپ کی وفات کی خبر سُنکر سانگا اپنے گوشہ سے نکلا۔ اور ہندوستان کا نامی بہادر ۱۵۰۹ء میں چیتوڑ کی گدی پر جلوس فرما ہُوا؛

سانگا کے عہد میں میواڑ کو اعلےٰ درجہ کی ترقی نصیب ہوئی۔ اس کے معرکوں کا حال از

بس دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ اول اُس نے خانگی فسادوں کو رفع کیا۔ پھر دہلی ا
مالوہ کے مسلمان بادشاہوں کے مقابلہ کے لئے فوج آراستہ کی۔ اور ان کو اٹھارہ دیر
لڑائیوں میں کامل شکست دی۔ اُن میں دو مقامات بکرول اور گھاٹولی خود ابراہیم لود
اس کے مقابلہ پر تھا ۔

سانگا کی حشمت کا حال اِس کے لشکر کی تعداد سے جو میدان جنگ میں اس کے سا
ہوتا تھا۔ عیاں ہوتا ہے۔ اسّی ہزار سوار سات راجے اعلٰے درجہ کے نو راؤ ایک سو جا
بلقب راول اور راوت پانچسو جنگی ہاتھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ روسار مارواڑ او
اس کے مطیع تھے۔ اور گوالیار اجمیر سیکری۔ رائسین کالپی چندیری بوندی گاگرون ر
اور آبو کے راؤ اس کے خراج گذار اور جاگیردار ہو کر اسکے تابع فرمان ہو چکے تھے ۔

سانگا احسان فراموش نہیں تھا مصیبت کے ایام میں جن شخصوں نے ان کو
دی تھی۔ اُس نے انکو اس کا پورا پورا عوض دیا۔ چنانچہ کرمچند کو اجمیر کا علاقہ جاگیر میں د
اور اس کے فرزند جگ مل کو اسکی حسن خدمات کے صلہ میں جو بوقت محاصرہ چندی
اس سے ظہور میں آئی تھیں۔ راؤ کا خطاب عطا کیا ۔

وہ تمام خوبیاں جن کی ضرورت عموماً بہادر قوموں کے لئے ہُوا کرتی ہے سانگا
سب موجود تھیں۔ جانبازی جرارت مستقل مزاجی شجاعت اور صائب تدبیری کا تو
پتلا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ فتح اور کامیابی ہمیشہ اِس کے ہمرکاب رہتی تھی۔ اور راجپوت ا
پر جان و دل سے نثار تھے۔ اور سارا راجستھان اِس پر فدا تھا ۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ بابر سے لڑنے سے پہلے سانگا کو اول دہلی مالو
گجرات کے بادشاہوں سے اٹھارہ لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر وہ ایسا خوش قسمت تھا
ان تمام لڑائیوں میں فتح کا سہرہ اُسی کے سر پر باندھا گیا۔ گھٹولی کے میدان میں ابرا
بڑی بھاری شکست ہوئی۔ اس کا بہت سا لشکر تہ تیغ ہوا۔ اور ایک شہزادہ مقید ہوا
محمود کو اُس کی اپنی دار الریاست میں شکست دیکر گرفتار کر لینا۔ اور پھر اُس کی جان
کر کے چھوڑ دینا۔ اُس کی شاہانہ اولوالعزمی اور بے نظیر شجاعت کی شان کو دوبالا کرتا
حالانکہ وہ سلوک جو مسلمان بادشاہ ہندو راجوں سے کیا کرتے تھے۔ اُس کی مثالیں
کے سامنے موجود تھیں ۔

سانگا کے عہد میں میواڑ کی شمالی سرحد بیانا مقرر ہوئی۔ اور جنوب کی طرف دریائے سندھ اور مغرب کی طرف کوہستان تک اِس کی حکومت پھیل گئی تھی۔ اسی طرح راجستھان کا وسیع قطعہ یا تو خود اس کے زیر نگیں تھا۔ یا ان راجوں کے ماتحت تھا۔ جو کہ اِس کے فرمانبردار اور محکوم تھے ؛

سانگا کا زمانہ میواڑ کے لئے اعلےٰ ترین عروج کا زمانہ تھا۔ اور اِس میں شک نہیں کہ اگر مغربی حملہ آور ہندوستان میں آکر یہاں کا پاسہ نہ پلٹ دیتا۔ تو سانگا بھی آریہ ورت کا ایک چکرورتی راجہ ہوتا۔ مگر ایشور کو یہ منظور نہیں تھا۔ کہ بزرگی کا جھنڈا اندرپرست سے اکھڑ کر چتوڑ کے قلعہ پر نسب ہو۔ اس حملہ آور کا نام جس نے اہل اسلام کے شکستہ عزم کو پھر تقویت دی بابر تھا ؛

بابر اس وقت کابل کا حکمران تھا۔ جو کہ اپنے باپ دادا کی جگہ سے نکالا گیا۔ یار کی ہمت اور جرات سے افغانستان کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ دہلی کی حالت ان دنوں ایسی خراب تھی جس نے بابر کو ادھر آنے کی ترغیب دی۔ پنجاب پر کئی حملے ہوئے بدروہات اسکو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ وہ چار دفعہ ہندوستان میں آیا۔ اور ہر دفعہ قدم آگے بڑھایا۔ مگر پانچویں دفعہ ایسا آیا۔ کہ پھر جنازہ ہی یہاں سے پھرا ؛

چار حملوں میں بابر نے پنجاب سے آگے قدم نہ رکھا۔ اِس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دہلی کے بادشاہوں کی کمزوری کا پورا پورا علم نہ تھا۔ مگر پانچویں دفعہ اُس نے دہلی کے ایک نزدیکی رشتہ دار اور سلطان پور کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور دہلی پر محصول اس کے علاوہ میواڑ کے زبردست حکمران رانا سانگا سے بھی اُسکو مدد کی اُمید تھی

اگرچہ تواریخ اس بات کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔ کہ بابر کے ساتھ سنگھ کے خط و کتابت پہلے پہل کب اور کس بنا پر شروع ہوئی تھی۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آخری حملہ سے پہلے بابر اور سنگا میں رابطہ اتحاد ضرور تھا۔ توزک بابری میں لکھا ہے۔ رانا نے مجھ کو ابراہیم کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اور عہد کیا۔ کہ اگر میں دہلی پر حملہ کروں۔ تو وہ آگرہ پر چڑھ آئیگا۔ مگر بابر کی آمد پر جب رانا خاموش بیٹھا رہا تو وہ افسوس ظاہر کرتا ہے۔ یہاں یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ابراہیم کے آخری ایام حکومت میں جب اُس کی طاقت بہت ہی کم ہوگئی تھی۔ رانا نے کیوں دہلی پر قبضہ نہ کر لیا۔ شاید اغلباً

نے اُسکو ایسا نہ کرنے دیا ہو۔ اور اس کا خیال ہو۔ کہ جب دونوں مسلمانی طاقتیں آپس میں
کر کمزور ہو جائیں گی۔ تو پھر میں آسانی سے اُن کو قابو کر سکوں گا۔ اگر رانا کا یہ خیال تھا۔
اس کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ مگر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ بڑا دور اندیش اور عقلمند حکمران
تھا۔

غرضیکہ تمام انتظام درست کر کے بابر دہلی کی طرف چلا۔ ادہر سے ابراہیم لودھی نے
مقابلہ کی تیاری کی۔ اور ایک لاکھ فوج لے کر اُس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ پانی پت کے
میدان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ افغانوں نے شکست کھائی۔ ابراہیم لڑائی میں
مارا گیا اور بابر اس کی جگہ دہلی کی سلطنت پر قابض ہو گیا۔

اس وقت سانگا بیانہ کا محاصرہ کر رہا تھا۔ اور مقتول ابراہیم لودھی کے خویش دا
اور کئی افغان بھی اُس کے ساتھ تھے۔ بابر کو مالوہ اور گجرات کی طرف سے کچھ اندیشہ
نہ تھا۔ نیز راجستھان یعنی سانگا کی طرف سے اُس کی روح ہمیشہ خایف رہتی تھی۔ اور
وہ جانتا تھا۔ کہ جب تک رانا پر فتح حاصل نہ کر لوں۔ میری سلطنت کو کبھی استحکام
نہیں ہو سکتا۔ بابر نے فضول وقت کھونا مناسب نہ سمجھا۔ اور پانی پت کی
سال کے اندر ہی وہ رانا کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

سانگا نے بابر کے آنے کی خبر سنکر بیانہ کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور اُس کی طرف روانہ
راجستھان کے تمام راجے قریب قریب اس کے ساتھ تھے۔ کنودا کے مقام پر بابر کی
فوج سے پہلی ٹکر ہوئی۔ شاہ دہلی کے تمام آدمی مارے گئے۔ اور چند آدمیوں نے
کر بادشاہ کو اپنی خستہ حالی کی خبر سنائی۔

اس خبر کے پہنچتے ہی بابر کا حوصلہ پست ہو گیا۔ فتح کی اُمید باقی نہ رہی۔ مگر وہ
اُٹھانے کا عادی تھا۔ وہ کئی بار اپنی عمر میں شکستیں کھا چکا تھا۔ اِس لئے اُس کا
ہونا مشکل تھا۔ البتہ اُس نے مورچے قائم کر کے اُس کے اندر توپیں لگا دیں اور تمام تو
کو زنجیروں سے باندھ دیا۔ اگر رانا دبائے چلا جاتا۔ تو اغلب ہے۔ کہ فتح اُس کی ہوتی۔
اس نے بھی اُس موقعہ پر غفلت سے کام لیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی۔ کہ وہ سمجھتا ہوگا
جتنا توقف ہوگا غنیم کے حق میں زہر قاتل ہوگا۔ مگر وہ غلطی پر تھا۔ اسکو اپنے ہموطنوں
کے حالات سے واقف ہونا چاہیئے تھا۔ اُس کی سپاہ مختلف گروہوں سے مشتمل تھی۔

عرصہ دراز تک ان کا اتفاق رہنا ناممکن تھا! منحوس پھوٹ نے بیشک ہندوستان کو تباہ کردیا
تھا۔ اور اسی نے اس وقت رانا کو بھی ناکام رکھا ؂

اب بابر نے اپنے امراؤ وزرا سے مشورہ کیا سب نے لوٹ جانے کی صلاح دی بابر خود
اپنی تزک میں اس موقعہ کا حال اس طرح درج کرتا ہے "اس موقعہ پر میری سپاہ اس قدر
خوف زدہ ہوگئی تھی۔ کہ کوئی سردار حملہ کرنے کا نام نہ لیتا تھا۔ میں دو ہفتوں تک مورچوں
میں گھرا بیٹھا رہا۔ ایک دن میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا معائنہ کرنے کے لئے چلا جا
رہا تھا۔ کہ یہ خیال میرے دل میں گذرا۔ کہ میں ہمیشہ دل میں گناہوں سے توبہ کرنے کا ارادہ
کرتا ہوں۔ مگر بعد توبہ بھی میرے دل میں مکروہات کا شوق بنا رہتا ہے۔ میں نے کہا" او
میری روح! تو کتنی مدت گناہ سے لذت اٹھاویگی۔ توبہ بد ذائقہ نہیں۔ اس کا مزہ شوق
سے چکھ۔ کس قدر زندگی تو نے بیجا صرف کی ہے۔ جب سے تو نے مذہبی جنگ اختیار کی ہے
تو نے اپنی آنکھوں کے سامنے ہزاروں کو مرتے دیکھا ہے۔ جو اپنی مغفرت کے لئے جان
دینا چاہتا ہے۔ اس کو وہ درجہ حاصل ہوگا۔ جسکو کہ تو خود جانتی ہے۔ اب بھی تو مکروہات
سے باز رہ۔ اور گناہ سے اجتناب کر" لہذا میں نے قسم کھائی۔ کہ آئندہ کبھی شراب نہ پیونگا
چاندی سونے کے شراب پینے کے ظرف توڑوا کر فقیروں اور مسکینوں کو تقسیم کروادیئے۔ میں
نے ڈاڑھی نہ کٹوانے کا عہد کیا۔ اور اسی رات کو قریب تین سو آدمیوں نے جن میں امیر درباری
اور سپاہی بھی شامل تھے۔ بدل توبہ کی۔ شراب جو ہمارے ساتھ تھی۔ زمین پر گرادی۔ اور
باقی میں نمک ملا کر سرکہ بنادیا۔ میں نے یہ بھی عہد کیا۔ کہ اگر سنگا پر فتحیاب ہوگیا۔ تو میں محصول
تمغہ مسلمانوں سے نہ لیا کرونگا۔ باوجود ان تمام باتوں کے میرے لشکریوں سے پھر بھی گھبراہٹ
دور نہ ہوئی۔ اور ان میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا۔ جو کہ بہادری سے گفتگو کرتا یا استقلال کے
ساتھ جنگ کے متعلق کسی بات کا جواب دیتا ہو سب بیدل ہوچکے تھے۔ اور سب کے حوصلے
پست تھے۔ آخرش اپنی فوج کو بیدل دیکھ کر میں نے ایک اور منصوبہ گانٹھا۔ تمام امیرس
سران فوج کو جمع کیا۔ اور کہا صاحبو! جو شخص دنیا میں پیدا ہوا۔ اسکو ایک دن مرنا بھی
لازمی ہے۔ جو زندہ ہے۔ وہ ضرور فنا ہوگا۔ جو شخص دنیا میں آیا ہے۔ اسکو ضرور شربت
مرگ چکھنا پڑیگا۔ ہم سب کو ایک دن ضرور اس سرائے فانی سے کوچ کرنا ہوگا۔ لیکن عزت
کی موت بدنامی کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگر موت سے شہرت حاصل ہو۔ تو ہمیں

ہرگز اس سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ تمام سپاہ کے دل بجھے ہوئے ہیں۔ مگر تمکو معلوم ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ برسوں محنت کی۔ مدتوں مصیبت سہی۔ ہزاروں رفیقوں کی جانیں دیں۔ تب تم کو یہ ملک نصیب ہوا۔ بہادرو میں دیکھتا ہوں۔ کہ تمہارے دل گھٹتے جاتے ہیں۔ مگر جمعیت کا گھٹ جانا اتنا بُرا نہیں جتنا کہ دلوں کا گھٹنا۔ اگر ذرا بھی ہوا پلٹ گئی۔ تو پھر زمین و آسمان میں کہیں تمہارا ٹھکانا نہ ہوگا۔ تیموری تلوار جس نے تمکو یہاں پہنچایا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پھر خطرہ کس بات کا ہے۔ آخر مرنا۔ اول مرنا۔ پھر مرنے سے کیا ڈرنا۔ مگر تلوار مار کر مرنا ہزار زندگی سے بہتر ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ سب کی ہڈیاں بھی یہیں خاک ہوں۔ اور بیوفائی سے روسیاہی کے دفتر میں نام بھی لکھا جائے۔ قرآن تمہارے سامنے ہے۔ آؤ ہم سب ملکر قسمیں کھائیں۔ کہ جب تک جان میں جان ہے۔ میدان جنگ سے منہ نہ موڑیں گے"۔

بابر کی اس حکمت عملی سے سب کے دل قوی ہو گئے۔ اور وہ مورچے توڑ کر آگے بڑھا۔ مگر ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں۔ اگرچہ بابر بڑا دل چلا اور بہادر سپاہی تھا۔ اور اس کے ہمراہی بھی بڑی بڑی لڑائیوں میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ مگر اس موقعہ پر جس چیز نے کامیابی نصیب کی وہ ہندوؤں کی پرانی پھوٹ تھی۔ ورنہ یہ اغلب تھا۔ کہ وہ اور اُس کے ساتھی اپنی زندگیاں بیانہ کی پہلی لڑائی پر ختم کر دیتے۔

بابر جیسا تجربہ کار اور جہاندیدہ سپاہی اپنے لشکر کے مذہبی جوش پر مطمئن رہنے والا نہ تھا۔ ادہر تو لشکر کو جوش دلاتا رہا۔ ادہر سانگا سے صلح کی درخواست کی۔ اس خط و کتابت کا منشا یہ تھا۔ کہ اُسکو کچھ وقت ملجائے۔ اور رانا کہیں حملہ نہ کر دے۔ ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ بابر کی حالت اس موقعہ پر درحقیقت بڑی نازک تھی۔ اور جو کچھ اقرار یا عہد اس سے کروایا جاتا۔ وہ قبول کرنے کو تیار تھا۔

ویش گھاتک سردار سلہدی جس کا نام رائے سین تھا۔ اس خط و کتابت کا ذریعہ تھا۔ اور جو شرطیں صلح کی قرار پائیں۔ وہ یہ تھیں۔ کہ بابر دہلی اور اس کے متعلقات پر قابض رہے اور پیلا کھال واقعہ بیانہ دونوں ریاستوں کی سرحد مقرر ہو۔ بلکہ بابر نے رانا کو سالانہ خراج بھی دینا منظور کر لیا تھا۔ مگر یہ ساری چالبازی سلہدی کی تھی۔ اور اس ویش گھاتک نے سانگا کو دہوکا دیا تھا۔

صلح کا تو صرف بہانہ تھا۔ سانگا بھی مطلب کو سمجھ گیا۔ مگر وقت گذار کر ۱۶ مارچ کو تاتاریوں کے لشکر پر بڑے زور شور سے حملہ ہُوا۔ کئی گھنٹوں تک بڑی سخت لڑائی ہوتی رہی۔ لکھا ہے کہ راجپوتوں نے جس قدر بہادری اس جنگ میں دکھلائی۔ شاید ہی کبھی دکھلائی ہوگی۔ اور جس قدر آدمی ان کے اِس موقعہ پر کام آئے۔ کبھی نہ آئیں گے۔ بابر کا توپخانہ بڑا زبردست تھا اس نے راجپوتوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ اگرچہ یہ کئی مرتبہ حملہ کر کے توپوں کے منہ تک پہنچ جاتے تھے۔ یہ لڑائی بھی زمانہ کے مشہور جنگوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس میں بڑی خونریزی تھی۔ بلکہ اِس لئے بھی کہ دونوں طرف کے سردار نہایت بہادر جفاکش اور زمانہ کا سرد گرم دیکھے ہُوئے تھے۔ سانگا کے ایام طفولیت کے حالات قلم بند ہو چکے ہیں۔ آج تک اُس کی زندگی کا حِصہ صرف ہُوا تھا۔ وہ جنگ و جدل میں ہی صرف ہوا تھا ایام نوجوانی میں اُس نے برسوں جنگلوں کی خاک چھانی تھی۔ سینکڑوں میل پا پیادہ سفر کیا تھا۔ اور اپنی جان بچانے کے لئے اُس کو گڈریوں تک کے بستروں میں پناہ لینی پڑی تھی۔ اُس کی ایک آنکھ بھائی کی نذر ہو چکی تھی۔ ایک بازو ابراہیم لودھی کے مقابلہ پر کٹ گیا تھا۔ ایک اور لڑائی میں گولی کھا کر لنگڑا ہو گیا تھا۔ اور اس کے جسم پر تلوار برچھی اور دیگر آلات حرب کے اسّی زخموں کے نشان تھے ؛

دوسری طرف بابر نے بھی اپنے مدمقابل کی طرح پہلی عمر میں بڑی بڑی سختیاں اُٹھائی تھیں۔ وہ بارہ برس کی عمر میں اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا تھا۔ مگر چچا اور ماموں کے ہاتھوں سے وہ برسوں بھاگتا۔ اور جان بچاتا پھرا۔ تخت پر بیٹھتے ہی چاروں طرف سے وہ دشمنوں میں گھر گیا۔ مگر یہ ہمت والا سب کو جواب دیتا رہا۔ ۱۶ سال کی عمر میں اُس نے سمرقند کو فتح کیا۔ اور دو سال کے اندر ہی وہ اس کے قبضہ سے نکل گیا۔ دوبارہ پھر حاصل کیا۔ زندگی میں اُس نے کئی دفعہ شکست کھائی۔ اور کئی دفعہ فتحیاب ہوا۔ کسی وقت تو وہ ایک زبردست بادشاہ بن بیٹھتا تھا۔ اور کسی وقت جان بچانے کے لئے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ ہاں امید نے کبھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ لڑائی میں اس نے غنیم کے پانچ پہلوان اپنے ہاتھ سے خاک میں ملا دیئے تھے۔ سات برس وہ پنجاب اور کابل کے بیابانوں میں آوارہ پھرتا رہا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ دونوں حریف یعنی بابر اور سانگا ایک دوسرے سے بڑھ کر کار آزمودہ اور بہادر تھے ؛

لڑائی خوب زور شور پر تھی۔ دونوں طرف کے دلاور خوب کٹ کٹ کر لڑ رہے تھے۔ اور ابھی اِس بات کا فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ کہ کون فتحیاب ہوگا۔ اور کس کی شکست ہوگی۔ کہ سانگا کی فوج کا نمک حرام سردار سلیدی جو فوج ہراول کا افسر تھا۔ بابر سے جا ملا۔ اور اس طرح پر اس آریہ ورت کے ایک بد باطن اور ناخلف بیٹے نے ہمیشہ کے لئے راجستھان کا پاسہ پلٹ دیا! اِس موقع کی تصویر کھینچنے کے لئے ہم کو ایک معزز مصنف کے ذیل کے الفاظ سے بہتر الفاظ نہیں مل سکتے:۔

بدنصیب بھارت! تو اپنے ہی ناخلف بیٹوں اور دشمن قوم بچوں کے ہاتھ سے ذلیل ہو رہا ہے! اے قابلِ رحم بھارت! ایسے نالائق کم ظرف اور کمینے بچے کیوں تیرے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیوں دودھ کی جگہ ان کمینوں کی گھٹی میں زہر نہیں دیا گیا۔ ننگ خلایق دنیا کے لئے باعث شرم! ان کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی! گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے جب اپنا ہی گوشت اور پوست دہوکا دے۔ جب اپنے ہی آدمیوں کو قومی حمیت کا پاس نہ ہو۔ جب اپنے ہی بھائی ملک اور قوم کے گلے کو اس طرح مکاری کی کند چھری سے ریتنے لگیں تو پھر اصلاح و فلاح کی کیا اُمید ہو سکتی ہے! راجپوتوں میں کھل بلی پڑ گئی۔ اُن کی حالت زار ہو گئی۔ توپوں نے بربادی مچا دی۔ جب صف بندی ہی نہیں رہی۔ تو کوئی کس طرح لڑ سکے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بہادروں کی لاشوں کے ہر چہار طرف ڈھیر ہی ڈھیر دکھائی دینے لگے۔ باہمت راجپوت میدان سے نہیں ہٹے۔ مگر وہ کیا کر سکتے تھے۔ ایک طرف چنداوت رئیس کا سر دھڑ سے الگ پڑا ہے۔ اور اُس کے تین سو وفادار ساتھی بھی اپنے سردار کی موت میں اِس کے ساتھ خون کی ندی میں لت پت ہیں! دوسری طرف مارواڑ کا حکمران سینکڑوں کی جمیعت کے درمیان سر بریدہ نظر آ رہا ہے! راول اودے سنگھ والئے ڈونگر پور کی لاش معہ دو ہمراہیوں کے ایک طرف تڑپ رہی ہے۔ اور کھٹیسی ریتا سردار میرٹیا رام داس سونگرا او۔ اجہا لاگوکل داس قوم پرمرا۔ مانک چندر بھان جو میواڑ میں اول درجہ کے چوہان سردار تھے۔ سب کے سب اپنے ملک پر بیش قیمت جانیں نثار کر چکے ہیں۔ کیسا خوفناک منظر ہے۔ مبارک ہیں۔ وہ روحیں جنہوں نے اِس طرح اپنے ملک کی محبت میں جانیں دیں۔ ان کی شکست بھی ایک اعلٰے قسم کی فتح ہے۔ لعنت ہے۔ ان کمینہ اور دون ہمت آدمیوں پر جنہوں نے خود غرضی کے دام میں آ کر اپنی ملکی آزادی کو دوسرونکے ہاتھ

فروخت کردیا۔ اُن کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ اور آنے والی نسلیں اُنکو نفرت سے یاد کریں گی۔ اور ان کے نام پر تھوکیں گی:

آخرکار سانگا کو زخمی ہوکر اس میدان سے جہاں کہ وہ بڑی امیدوں کے ساتھ آیا تھا۔ پیچھے ہٹنا پڑا۔ مگر اس نے قسم کھائی۔ کہ جب تک بابر کو شکست نہ دے لونگا۔ چتوڑ میں قدم نہ رکھونگا۔ وہ میوات کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر اُسکی زندگی وفا کرتی تو وہ ضرور اپنے اقرار کو پورا کرتا لیکن جس سال کہ اُس نے شکست کھائی وہی اُسکی زندگی کا آخری سال تھا:

سانگا نے بسوا کے مقام پر جو کہ سرحد میواڑ پر واقعہ ہے وفات پائی شک کیا جاتا ہے کہ بابر کی سازش سے کسی شخص نے اُسکو زہر دیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ درست بھی ہو کیونکہ بابر کو باوجود ایک نمایاں فتح حاصل ہونے کے سانگا کے تعاقب کا حوصلہ نہ پڑ سکا اِس نے دوسری مرتبہ اُس پر چڑھائی کی اِن باتوں سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ بابر اس سے ڈرتا تھا۔ اگر اُس نے اُس کو زہر دلوانے میں حصہ لیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں:

آج تک جتنے حکمران خاندان ششودیہ کے چتوڑ کی گدی پر بیٹھے تھے۔ سانگا سب سے زیادہ طاقتور بہادر اور مدبر تھا۔ اگر کوئی اس کا وارث بھی ویسا ہی دوراندیش اور صاحب تمیز ہوتا۔ تو بابر کو ہندوستان کی سلطنت کرنا غیر ممکن ہو جاتا:

فرزندانِ سانگا

(رتن سین۔ بکرماجیت۔ اودے سنگھ)

سانگا کے سات فرزند تھے۔ جن میں سے دو تو ایام خوردسالی میں ہی فوت ہو چکے تھے اور جو اس کی وفات کے بعد باقی رہے تھے۔ اُن میں سے ایک کا نام رتن سین تھا یہ سب سے بڑا تھا

دوسرے کا نام بکرماجیت تھا۔ یہ اُس کی رانی جواہر بائی کے بطن سے تھا۔ اور اُس کی سب
چاہتی بیوی کرناوتی کے بطن سے جو لڑکا اس کی وفات کے چند مہینے بعد پیدا ہوا تھا۔ و
کا نام اودے سنگھ تھا۔

سانگا کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا رتن سین گدی پر بیٹھا۔ تمام خصلتیں جو اس
خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلی آتی تھیں۔ سب اس میں موجود تھیں۔ رتن سین باپ کیطر
بہادر اور شجاع تھا۔ اور اُس نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ چتوڑ کے دروازے کبھی بھی بند نہ
پائیں۔ اس کا مقولہ تھا۔ کہ چتوڑ کے دروازے دہلی اور مندو رہیں۔ اگر اس کا مزاج اپ
باپ کی طرح حلیم ہوتا۔ اور اگر وہ تندی اور تیزی جو نوجوانوں میں عام طور سے پائی جاتی
اس پر غالب نہ ہوتی۔ تو اس میں شک نہیں کہ وہ بلاشبہ اپنے باپ کے ارادوں کو پو
کرتا۔ اور دشمنوں کی سازشوں کو جو اس کے ملک اور مذہب کے خلاف ہوئیں تھیں۔ ت
دیتا۔ مگر اس کی تقدیر میں یہ نہیں تھا۔ کہ وہ اپنی زندگی امن وامان سے گذارے۔ اس ک
طبیعت جنگ وجدل کی دلدادہ تھی۔ اور اگر کوئی جھگڑا یا فساد نہ ہوتا۔ تو وہ خود پیدا کرل
تھا۔

رتن سین نے صرف پانچسال تک سلطنت کی۔ مگر بوندی کے راؤ سے کچھ جھگڑا ا
گیا۔ اور اس میں یہ دونوں مارے گئے۔

رتن سین نے بہت تھوڑے عرصہ تک حکومت کی۔ لیکن وہ خوش نصیب تھا۔ ک
بابر بادشاہ دہلی اس کے مقابلہ سے جی چرا کر ہٹ گیا تھا۔ اور سانگا کے بعد اُس کی ریاست
میں سے ایک بگہ زمین بھی کم نہ ہوئی تھی۔

چتوڑ کا دوسرا ساکا

رتن سین کی وفات کے بعد اسکا بھائی بکرماجیت ۱۵۳۵ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ
رانا بڑا بدمغ اور زود رنج تھا۔ اور وہ صفات حسنہ جن کے سبب سے اس کا بھائی رتن
سین اپنی رعایا میں ہردلعزیز تھا۔ اُس کی خصلت میں مطلق نہ پائی جاتی تھیں۔ یہی وجہ
تھی۔ کہ تمام راجپوت سردار اُس سے نفرت کرتے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ اس میں حکومت
کا مادہ ہی موجود نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے سرداروں کا دل ہاتھ میں لانیکی کوشش کر

وہ کشتی گیروں اور قمار بازوں کی صحبت میں زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ وہ پیادہ سپاہ پر زیادہ مہربان تھا۔ مگر شہسواران راجستھان اِسکے اِس فعل کو بڑی حقارت سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ راجپوت پیادوں کو کچھ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ راجپوت کے نزدیک میدان جنگ میں گھوڑے پر سے مرکر گرنا ایک عزت کا نشان ہے۔ اگرچہ توپوں کے ایجاد ہونے سے حملہ کے وقت انکو پیادوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور وہ انکو بھرتی بھی کر لیتے تھے۔ لیکن سوائے کسی خاص موقعہ کے اُن سے کام نہ لیتے تھے ؁

ایسی ایسی باتوں سے بکرماجیت کا رعب بالکل جاتا رہا۔ اور ملک میں فساد کی آگ روشن ہوگئی۔ بہادر سلطان شاہ گجرات نے راجپوتوں کے اِس تفرقہ سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ پرتھی راج نے اس کے باپ مظفر شاہ کو قید کر لیا تھا۔ اور اس نے بہت سا نقد روپیہ اور سات سو گھوڑے جرمانہ دیکر رہائی حاصل کی تھی۔ بہادر سلطان نے اس انتقام کو تازہ کرنا چاہا۔ اور میواڑ پر فوج کشی کی ؁

اگرچہ غنیم کا لشکر تعداد میں زیادہ تھا۔ اور گھر میں بھی پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ پھر بھی بکرماجیت نے اپنی خاندانی شجاعت اور بہادری کے سہارہ پر اس کا مقابلہ کیا۔ مگر جو لوچی کے میدان پر شکست کھائی۔ اور بہادر سلطان نے چتوڑ کو جا گھیرا ؁

راجپوت بھی اگرچہ بکرماجیت سے متنفر تھے۔ مگر چتوڑ کی عزت اُنکی نگاہوں میں کم نہ ہو سکتی تھی۔ اور اُس کی حفاظت کرنا وہ اپنی زندگی کا خاص مقصد سمجھتے تھے۔ سورج مل کا بیٹا بدھ سنگھ والئے ریاست دیولا کو چھوڑ کر اپنی سپاہ کے ساتھ چتوڑ کی حفاظت کے لئے روانہ ہوا۔ بوندی کا راؤ پانچہزار جان نثار ہاڑا کو ہمراہ لیکر شامل ہوا۔ علاوہ ازیں راؤ جھالور اور آبو بھی بہت سے مددگار ہمراہ لے کر آن موجود ہوئے ؁

بہادر سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور وہ بھاری بھاری توپوں سے محصورین پر آگ برسا رہا تھا۔ ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ چتوڑ پر جس قدر حملے ہوئے ہیں۔ یہ سب سے سخت اور عظیم حملہ تھا۔ راجپوتوں نے اگرچہ دل کھول کر جانیں قربان کیں۔ اور بڑھ کر ملک اور قوم پر نثار ہوئے۔ مگر یورپین گولہ اندازوں کے آگے جو کہ مخالف فوج کے ساتھ شامل تھے کچھ پیش نہ جاتی تھی ؁

بیکا نام پہاڑی کی طرف سے سرنگ لگائی گئی۔ اُس سے پینتالیس ہاتھ لمبی فصیل اور

ایک برج جس میں کہ بوندی کا سردار معہ اپنے جانبہار راجپوتوں کے مقیم تھا۔ اڑا دیا گیا۔ مگر را درگا اور سرداران چونڈاوت کی جانفشانی سے غنیم کی فوج قلعہ میں داخل نہ ہوسکی۔ اور فصیل درست کردی گئی ؎

رانا کی والدہ جواہر بائی نے جب دیکھا۔ کہ دمبدم جمیعت کے گھٹتے جانے سے راجپوتوں میں کسیقدر افسردگی سی پھیلتی جاتی ہے۔ تو اُس نے اُن کے ارادوں کو استحکام دینے کے لئے خود ہتھیار پہنے۔ اور ایک دستہ فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر قلعہ سے باہر نکلی۔ غنیم کی سپاہ پر حملہ کیا۔ اور سینکڑوں کا خون بہا کر خود بھی چتوڑ کے نام پر قربان ہوگئی !!!

جواہر بائی کی اس مردانہ مثال نے راجپوتوں کے حوصلوں کو دوبالا کردیا۔ اور انہوں نے بڑھ بڑھ کر محاصرین سے مقابلے کئے۔ مگر غنیم کے کثیر التعداد لشکر کے سامنے کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ اودے سنگھ خورد سال تھا۔ اِس لئے فوج کی کمان اِس کی والدہ کرناوتی کو اپنے ہاتھوں میں لینی پڑی۔ کرناوتی بھی آخر بہادر سانگا کی رانی تھی۔ اُس نے نہایت دلیری اور ثابت قدمی سے اپنے فرض کو ادا کیا۔ مگر جب اُسکو یقین ہوگیا۔ کہ اب قلعہ کا بچنا ناممکن ہے۔ تو اس نے ہمایوں کے پاس راکھی[1] بھیجی۔ اور چتوڑ کی مدد کے لئے طلب کیا۔ مگر جب ہمایوں وقت پر نہ آیا۔ تو اُس نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کرکے جوہر کی تجویز پیش کی۔ کون راجپوت تھا۔ جو رانی کی اس تجویز سے انحراف کرتا۔ سب نے سرِتسلیم خم کیا۔ اور جوہر کی تیاریاں ہونے لگیں ؎

پیشتر اِس کے کہ جوہر کی رسم ادا کیجائے۔ اور قلعہ کے عورت و مرد اپنی اپنی جانیں چتا اور میدان جنگ کی نذر کرکے ملک اور قوم کے نام پر نثار ہوں۔ راجپوت سرداروں نے متفقہ فیصلہ کیا۔ کہ خورد سال اودے سنگھ کی حفاظت ضرور کرنی چاہیئے۔ مگر رانی نے جواب دیا کہ چتوڑ بدون قربانی شاہ کے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا جواب سرداروں نے یہ دیا۔ کہ ہم میں سے ایک کے سر پر تاج رکھکر چتوڑ کی بھینٹ دیا جائے۔ بدہ سنگھ سردار دیولا نے اپنے آپ کو اس مطلب کے لئے پیش کیا۔ اور تاج شاہی اس کے سر پر رکھا گیا۔ لکھا ہے۔ کہ چتوڑ کا سونے کا ملکی جھنڈا جس آب و تاب کے ساتھ اس روز چمک رہا تھا کبھی نہیں چمکا۔ یہ شخص جس نے صرف مرنے کے لئے بخوشی تمام تاج اپنے سر پر رکھا تھا۔ رانا سانگا کے چچا سورج مل کا بیٹا تھا۔

[1] راکھی کی رسم معلوم نہیں کہ کب سے شروع ہوئی مگر ہندوستان میں آج تک بھی رائج ہے۔ راجپوت کی لڑکی جب کسی کو راکھی بھیجتی تھی۔ تو وہ اُسکا مجازی بھائی سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ بھی اُسکی حفاظت میں اپنی جان تک لڑا دینے کو تیار ہوجاتا تھا

القصہ اودے سنگھ کو سردار بوندی کے پاس پہنچا کر راجپوتوں نے زعفرانی پوشاکیں زیب تن کیں۔ اور بہادرانہ موت کے لئے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے تمام قیمتی اسباب صحن قلعہ میں جمع کیا گیا۔ اور اس پر بارود بچھا کر آگ دکھلادی۔ اول دھواں اُٹھا۔ پھر شعلے بلند ہُوئے۔ اور آن کی آن میں لاکھوں کا اسباب راکھ کا ڈھیر بنکر رہ گیا؛

اِس کے بعد چتا تیار کی گئی۔ اور سب سے پہلے کرناوتی اور ہمشیرہ ارجن ہارا اور اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے قلعہ کی تمام عورتوں نے بخوشی تمام اِس میں بیٹھکر آگ دکھلانے کا اشارہ کیا۔ آگ سلگائی گئی۔ اور دیکھتے دیکھتے تیرہ ہزار راجپوتنیوں کے جسم خاک سیاہ ہو گئے! راجپوتوں نے نہایت استقلال سے کھڑے ہو کر اس خوفناک نظارہ کو دیکھا۔ مگر کیا مجال کہ کسی کی آنکھ نے ایک آنسو تک بھی ٹپکایا ہو؛

اس بات کا کامل اطمینان ہو جانے پر کہ قلعہ میں داخل ہو کر غنیم کو سوائے راکھ کے ڈھیر کے کوئی چیز میسر نہ ہو سکے گی۔ راجپوتوں نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ اور سردار دیولا باقیماندہ جانبازوں کے ساتھ جن کے بانے کیسری تھے۔ دشمن کے دل میں کود پڑا؛ جانباز راجپوت باز کی طرح جھپٹے۔ اور کٹ مرے۔ مگر مسلمانوں کی ہزاروں زخمی نعشیں دیکھ کر بہادر کے بدن پر بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے؛

یہ دوسرا ساکا قتل چتوڑ کہا جاتا ہے۔ اِس میں بتیس ہزار راجپوت اور تیرہ ہزار عورتیں کام آئی تھیں۔ اور جس وقت فتحیاب قلعہ میں داخل ہُوئے۔ تو ایک آدمی بھی زندہ نہیں پایا گیا تھا؛

رانا اُودے سنگھ

ادھر جب کرناوتی کی راکھی ہمایوں کے پاس پہنچی۔ تو وہ بنگال کی لڑائی میں مشغول تھا۔ وہ فوراً ہی چتوڑ کی امداد کے لئے روانہ ہُوا۔ مگر چتوڑ اب فتح ہو چکا تھا۔ ہمایوں کو اپنے وقت پر نہ پہنچنے سے سخت رنج ہُوا۔ مگر پھر بھی اُس نے بہادر کو چتوڑ سے نکالدیا۔ چونکہ شاہ مندو نے والئے گجرات کی مدد کی تھی۔ اِسلئے اُسکو بھی شکست دیکر اُسکے علاقہ کو تاخت و تاراج کردیا؛

اب بکرماجیت دوبارہ چتوڑ پر قابض ہوا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ گذشتہ ایام مصیبت سے ا
نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ اور بدستور اپنے سرداروں سے گستاخی سے پیش آنے لگا۔ ایک دن کرجی
راجہ اجمیر کو جو کہ اسکے باپ سانگا کا ایام مصیبت میں رفیق رہا تھا۔ سرور بار گھونسا مارا یہ سرد
بوڑھا اور قابل تعظیم تھا۔ اُس کی بے عزتی کو دیکھ کر تمام سردار آپے سے باہر ہو گئے۔ دیر
سال کرمچند کی بے عزتی ناقابل برداشت تھی۔ سب سردار خفا ہو کر دربار سے اُٹھ کھڑے ہوئے
سردار چونداوت نے جو اعلےٰ درجہ کا سردار تھا۔ کہا یارو آج تک تو غنچہ کی بو تمہارے دماغوں
تک پہنچی تھی۔ مگر اب اِس کا پھل بھی کھانا ہوگا۔ سردار پرامر نے جواب دیا۔ اُس کا مزا کل ہی
معلوم ہو جائیگا؛

راجپوت اپنے راجہ کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ اور اسکو پرمیشور سے دوسرے درجہ پر شمار
کرتے ہیں۔ مگر بکرماجیت کی نامناسب حرکتوں نے انہیں اسکو تخت سے اُتارنے پر مجبور کر
دو نابالغ حکمرانوں کی حکومت نے میواڑ کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اور آئندہ اس سے بڑھکر
ملک کو تنزل آنے کا اندیشہ تھا۔ اِس لئے تمام سردار فراہم ہو کر بن بیر کنیز زادہ پرتھی راج
کے پاس گئے۔ اور بہت کچھ صلاح مشورہ کے بعد یہ قرار پایا۔ کہ اودے سنگھ کے سن بلوغت
تک پہنچنے تک اس کو میواڑ کی گدی پر بٹھا دیا جائے۔ اگرچہ بن بیر نے پہلے پہل سرداروں
کی درخواست کو نامنظور کیا اور کہا کہ میں چتوڑ کی گدی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیونکہ وہ لونڈی کا بیٹا
تھا۔ مگر حکومت کو کون پسند نہیں کرتا۔ سرداروں کی درخواست منظور کرلی گئی؛
بکرماجیت کو تخت سے اُتارنا اور اُس کا قتل کرنا کچھ بڑے عرصہ کا کام نہیں تھا عورتوں
کی ماتمی آوازوں نے اس واقعہ کو سب پر روشن کر دیا۔ لیکن یہ آوازیں بہت جلد تخت نشینی
کے جشن اور خوشی کے نعروں کے نیچے دب گئیں؛

ابتدا میں بن بیر کو تخت پر بیٹھنے سے بھی گریز تھا۔ لیکن حکومت کی باگ ہاتھ میں آتے ہی
یہ تمام خیالات یکدم دل سے دور ہو گئے۔ بکرماجیت کے قتل کے بعد اس کے دل میں یہ
خیال پیدا ہوا۔ کہ ساتھ ہی اودے سنگھ کا بھی فیصلہ کر دیا جائے تاکہ آئندہ ہمیشہ کے لئے
راستہ صاف ہو جائے؛

اودے سنگھ اس وقت صرف چھ سال کا تھا۔ اِس کی ماں کرناوتی بہادر سلطان کے
حملہ کے وقت چتا کی نذر ہو چکی تھی۔ مگر اس کی وفادار دایہ پنا جو کہ خود بھی راجپوتنی تھی اپنے

بیٹے کے ساتھ کمال محبت سے اِس کی ... ت کی۔ اور کہا "یہ تمہارا راجہ ہے۔ اِسکی حفاظت کرو"؛
وغل سُنکر چونک اُٹھی اتنے میں حجام ... حاضر ہوگیا۔ مگر اس کی والدہ نے جو وہاں موجود تھی کہا "کیوں!
کے قتل کی خبر دی؛ ... ہ ہے۔ اس کی جان کی حفاظت کرو۔ وفادار کبھی مشکلات سے
اودے سنگھ کھانا کی مشکلات سے گھبرا جانا کام بزدلوں کا ہے۔ یہ سانگا کا فرزند ہے۔
خبر کو سنکر دایہ کے ہاتھوں ... اور مصیبت میں اپنے آقا کی حفاظت کرو۔ اسکا نتیجہ ضرور نیک نکلیگا۔
گئے۔ اور سوتے ہوئے اُ ... نہ تھے۔ کہ آسا کے دل پر مؤثر ہوئے بغیر رہتے۔ اِس نے نابالغ
حوالہ کیا۔ اور اُسکو قلعہ ... ۔ اور نیک نہاد دایہ بچے کو اس کے سپرد کرکے کومل میر سے چلی گئی؛
ہوشمند دایہ کے ... اودے سنگھ کو اپنا بھتیجا مشہور کیا۔ اور اسی طرح یہ خفیہ طور پر یہاں
وہ اُودے سنگھ کو کب ... جانتے تھے۔ کہ سانگا کی نسل قطع ہوچکی ہے۔ بن بیر خوش تھا کہ اب
حجام کے حوالہ کرکے او ... ئی بھی تاج و تخت کا دعویدار نہیں رہا۔ مگر اسے کیا معلوم تھا۔ کہ قدرت
ہُوا محل میں وارد ہُوا ... نے اُس کی تمام تدبیروں پر پانی پھیر رکھا ہے؛
پنا کی زبان بند ... ہے چکنے چکنے پات! اگرچہ اُودے سنگھ لوگوں میں آسا شاہ کا بھتیجا مشہور
میں ننگی تلوار تھی ... اوضاع واطوار بعض وقت مغالطہ میں ڈال دیتے تھے۔ اور شک پیدا ہوتا
کی تلوار اس کے ... کی رگوں میں بنئے کا خون نہیں۔ بلکہ کسی شاہی خاندان کا خون گردش کر رہا ہے
کی کب اجازت ... برس تک مخفی رہا۔ مگر آخر کار کھُل گیا۔ ایک دن والدہ آسا کی سالگرہ کے موقعہ
کی جان کا سخت ... ر کے قلعہ میں تمام راجپوت سردار مہمانوں کی حیثیت میں جمع تھے۔ اودے سنگھ
شایاں تھا۔ من کا ڈونہ[۱] ہاتھ میں پکڑ لیا۔ لوگ حیران رہ گئے۔ بعضوں نے اِسکو طفلانہ حرکت
ہاتھ اُٹھا ... دھمکایا۔ مگر اودے سنگھ نے اُس دھمکی کی کچھ پرواہ نہ کی اور ہنسنے لگا۔ اگرچہ یہ
اپنی ... وقت ہنسی میں ٹل گئی۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے۔ کہ یہ بچہ کسی معمولی آدمی کا بچہ نہیں ہے
مگر پنا کا ... اور موقعہ پر مونگرہ کا سردار آسا شاہ کی ملاقات کے لئے آیا۔ اودے سنگھ اُس کے
گئی۔ ... لال کے لئے بھیجا گیا۔ اُس کی عمر اِس وقت تیرہ سال کے قریب تھی۔ مگر وہ سردار مذکور
تھی ... ساتھ اِس طرح پیش آیا۔ کہ وہ حیران رہ گیا۔ اُس نے آسا شاہ سے اس لڑکے کی نسبت
دریافت کیا۔ مگر جب اُس نے بیان کیا۔ کہ یہ اُسکا بھتیجا ہے۔ تو سردار نے اس کو باور نہیں کیا۔
اور کہا یہ کبھی تمہارا بھتیجا نہیں ہوسکتا۔ اس کی قطع وضع صاف طور پر کہہ رہی ہے کہ اسکی رگوں

[۱] ایسے موقعہ پر راجپوتوں میں وہی کا یہ ڈونا اس شخص کو پیش کیا جاتا ہے جسکو کہ سب سے زیادہ معزز خیال کرتے ہیں؛

میں شاہی خون دورہ کر رہا ہے۔ لال کبھی گودڑی میں چھپ نہیں سکتے۔ یہ ضرور راجہ کا بیٹا ہے۔ آساشاہ نے اب زیادہ دیر تک اس راز کو چھپا رکھنا فضول سمجھا۔ اور کھول کر کہدیا "یہ واقعی ہمارے آقا سانگا کا فرزند ہے۔ مصلحت وقت کے لحاظ سے میں نے آج تک اس بات کو چھپا رکھا تھا۔ مگر اب اس کو خفیہ رکھنے کی ضرورت نہیں"۔

کون ہے۔ جو سردار کی خوشی کا اندازہ لگا سکے! یہ خبر بہت جلد تمام میواڑ میں پھیل گئی۔ اور جب لوگوں کو معلوم ہوا۔ کہ سانگا کا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ تو راجپوت جوق درجوق اپنے آقا کے بیٹے کو دیکھنے کے لئے کومل میر میں آنے لگے ؛

ادھر بن بیر جب سے میواڑ کی گدی پر بیٹھا تھا۔ اُس نے بکرماجیت سے بڑھ کر سرداروں کا دم ناک میں کر دیا تھا اور وہ اس قدر مدمغ ہوگیا تھا۔ کہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتا تھا میواڑ میں یہ رسم ہے۔ کہ رانا خاص خاص موقعوں پر اپنے تمام راجپوت سرداروں کو بلا کر دعوت دیتا ہے اور جب سب آدمی جمع ہو کر کھانا کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو سب کی نگاہ رانا کی طرف لگی ہوتی ہے کیونکہ حاضرین میں سے جس جس شخص کو وہ معزز خیال کرتا ہے۔ اُسکو وہ اپنے خاص دسترخوان سے کھانا شروع کرنے سے پیشتر کچھ نہ کچھ سامان بھیجتا ہے۔ بن بیر نے بھی ایک موقعہ پر اپنے دسترخوان سے سرداروں کو ڈونے بھیجے۔ مگر انہوں نے اُسکو ہتک سمجھا۔ بلکہ سردار چنداوت نے علانیہ کہدیا۔ کہ جس طرح باپا راول کی اولاد کے ہاتھ سے ڈونا لینے میں ہماری عزت ہے اسی طرح ایک کنیزک زادہ کے ہاتھ سے ڈونا لینے میں ہماری ہتک بھی ہے۔ بن بیر سخت ناراض ہوا۔ اور سردار مذکور کو سزا دینی چاہی۔ مگر تمام سردار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چونکہ ان کو اودے سنگھ کے ظاہر ہونے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ وہ سیدھے کومل میر میں چلے آئے ؛

قلعہ کومبھومیں ایک عام دربار منعقد کیا گیا۔ جس میں آساشاہ نے اودے سنگھ کا ہاتھ چوہان سردار کو ٹیریو کے ہاتھ میں دیا۔ یہ پہلے ہی اس بھید سے واقف تھا۔ پنّا اسکو تمام حال بتلا چکی تھی۔ اُس نے راجپوتوں کے اطمینان کے لئے اودے سنگھ کے ساتھ بیٹھ کر ایک تھالی میں کھانا کھایا۔ اِس کے بعد ٹیکا کی رسم ادا کی گئی۔ سونگرراؤ نے بلا تامل اپنی لڑکی اس سے منسوب کی۔ اور تمام سرداروں نے نذریں گذران کر اودے سنگھ کی تخت نشینی کا باقاعدہ اعلان کر دیا ؛

اِس کے بعد اودے سنگھ کی شادی بڑی دھوم دھام سے انجام پائی۔ اور عین اسی موقعہ پر

بن بیر کی لڑکی کا جہیز جوکہ دس ہزار بیلوں پر لدا ہوا گجھ سے روانہ ہوا تھا۔ اور جس میں پانچسو گھوڑے بھی شامل تھے۔ لوٹ لیا گیا۔ یہ ایک خاص علامت اس بات کی تھی۔ کہ بن بیر کا ستارہ اب غروب ہو چکا ہے۔ اودے سنگھ کی شادی میں تمام راجگان راجستھان یا تو بذات خاص شامل ہوئے تھے۔ یا انہوں نے تحفہ تحائف دیکر اپنے اپنے وکیلوں کو بھیجا تھا۔ صرف مہولی اور ملحانا کے سرداروں نے اس موقعہ پر شامل ہونے سے پہلو تہی کی تھی۔ ان دونوں پر فوج کشی کی گئی۔ اگرچہ بن بیر نے انکی امداد کے لئے اپنی سپاہ بھی بھیجی۔ لیکن سردار ملحانا تو مارا گیا اور سردار مہولی نے اطاعت قبول کرلی ؀

میواڑ کے تمام راجپوت سردار بن بیر کا ساتھ چھوڑ کر اب اودے سنگھ کے پاس چلے آئے تھے۔ اور صرف گنتی کے چند آدمی اُس کے پاس باقی رہگئے تھے۔ وہ چتوڑ پر حملہ کیوقت مارے گئے۔ اور قلعہ اودے سنگھ کے قبضہ میں آگیا ؀

امید تو یہ تھی۔ کہ جو سلوک بن بیر نے بکرماجیت کے ساتھ کیا تھا۔ وہی سلوک اس کے ساتھ بھی کیا جائیگا۔ لیکن سب سرداروں نے خود اسکو چتوڑ کی گدی پر بٹھایا تھا۔ اس لئے اسکی جان بخشی کی گئی۔ اور اس کو اجازت دی گئی۔ کہ وہ اپنے عیال واطفال و مال و دولت کو لیکر قلعہ سے نکل جائے ؀

بن بیر کے لئے یہ بھی غنیمت تھا۔ وہ بال بچہ کو لے کر دکن کو چلا گیا۔ اور آج کل ناگپور میں جو بھونسلا خاندان آباد ہے۔ وہ اسی کی اولاد ہیں ؀

اودے سنگھ ۱۵۴۲ء میں چتوڑ کی گدی پر قابض ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ یہ شخص بھی باپا راول کی گدی کے ناقابل ثابت ہُوا۔ سنگا کے بعد میواڑ کا آفتاب اقبال ڈھلنا شروع ہو چکا تھا۔ رتنا نے اگرچہ ملک کو کچھ نقصان نہیں پُہنچایا تھا۔ مگر اُس کی تندمزاجی سے راجپوتوں میں تفرقہ کا بیج بویا جا چکا تھا۔ بکرماجیت کی تلون مزاجیوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا۔ اور اس کی متواتر بدسلوکیوں اور زبان درازیوں نے میواڑ کے بڑے بڑے نامی اور جان نثار راجپوتوں کے دل توڑ دیئے تھے۔ بن بیر کا عہد حکومت بھی میواڑ کے لئے کچھ کم نحوست کا باعث نہیں ہُوا۔ مگر اُودے سنگھ کا زمانہ حکمرانی ان سب سے بدتر ثابت ہُوا۔ اُودے سنگھ ایک عیش پسند حکمران تھا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی متواتر شادیاں کیں۔ وہ ہمیشہ راگ ورنگ میں غلطاں رہتا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں بڑے بڑے راگ تصنیف ہوئے۔ جوکہ

آج تک بھی گائے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ قوم کا عزم پست ہوگیا۔ اور اب یہ امید کسی کو بھی نہ رہی تھی۔ کہ چتوڑ کی گدی کو پھر بھی اس کا کھویا ہُوا عروج نصیب ہوگا۔ کبیشروں کا قول ہے کہ جس ملک میں بچہ یا عورت حکومت کرتی ہو۔ وہ ملک کبھی سرسبز نہیں ہوسکتا۔ مگر جس جگہ یہ دونوں باتیں موجود ہوں۔ اس کی قسمت کا تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ اُودے سنگھ میں اپنے باپ یا دادا کی کوئی بھی صفت نہ پائی جاتی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ حکمرانی کے قابل ہی نہ تھا۔ چنانچہ ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ اگر اودے سنگھ ایام خوردسالی میں بن بیر کے ہاتھ سے قتل ہوجاتا تو میواڑ کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا؛

جس سال اودے سنگھ کے ظاہر ہونے سے کومل میر میں خوشی کا راگ گایا گیا تھا اور بن بیر سے چتوڑ کی گدی چھین لینے کے سامان ہو رہے تھے۔ اُسی سال مغلیہ خاندان کا وہ نامور حکمران پیدا ہوا۔ جو کہ اِس خاندان کا سب سے مدبّر بادشاہ مانا جاتا ہے اور جو ہندوستان کے تمام حکمرانوں پر فوق لے گیا تھا۔ اِس کا نام اکبر تھا۔ اور یہ ایسے وقت میں پیدا ہُوا تھا۔ جب کہ اسکا باپ ہمایوں تاج وتخت کو ہاتھ سے دیکر اپنی جان بچاتا ہُوا اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا؛

اکبر کی پیدائش کے بہت تھوڑے عرصہ بعد ہمایوں کو قندھار کا سفر کرنا پڑا۔ مگر راستہ کی مشکلات سے اکبر کو اس کے چچا کامران کے پاس چھوڑنا پڑا۔ آخر کار اُس نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کی۔ اکبر اس وقت بارہ برس کا تھا۔ باپ دارالخلافہ میں حکمرانی کرتا تھا مگر وہ اسی عمر میں جالندھر کے پہاڑوں میں افغانوں سے لڑ رہا تھا۔ جب ہمایوں محل سے گر کر مر گیا۔ تو اکبر کو کلانور میں تخت نشین کیا گیا۔ مگر ہیموں نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اکبر کے قبضہ میں صرف پنجاب کا علاقہ باقی رہگیا تھا۔ مگر بیرم خاں کی مدد سے اُس نے اُسکو شکست دی؛

اس کے بعد اکبر نے سلطنت کا انتظام کرنا شروع کیا۔ محاصل کے انتظام اور آمدنی کی تدبیریں ایسی خوش اسلوبی سے کیں۔ کہ اس وقت تک کسی مسلمان بادشاہ کو نہ سوجھیں تھیں متواتر فتحوں سے ہندوستان میں اکبر کی بہادری کی دھاک بندھ گئی۔ اور کئی ایک راجے اُس کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے؛

اس نے کالپی چندیری کالنجر کل بندیلکھنڈ اور مالوہ کو فتح کر کے اپنے علاقہ میں شامل کیا

اور اٹھارہ برس کی عمر میں وہ ایک زبردست بادشاہ بن گیا؛
اب اکبر کو یہ خیال دامنگیر ہوا۔ کہ جس طرح ہو۔ راجپوتوں کو اپنے قبضہ میں لائے۔ راجہ مالدیو نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کی۔ مگر اودے سنگھ نے باوجودیکہ وہ کاہل اور سست الوجود تھا۔ اس سے رشتہ داری کرنے سے انکار کر دیا؛
اکبر کو جب ادہر ادہر کی مہمات سے فراغت ہوئی۔ تو اس نے اس بہانہ سے کہ اودے سنگھ نے باز بہادر شاہ مالوہ کو اپنے پاس پناہ دی تھی۔ چتوڑ پر حملہ کیا؛
اودے سنگھ اب بچہ نہیں تھا اگر وہ اپنے سرداروں کے کہنے پر چلتا۔ تو اب بھی اس کے پاس بڑے بڑے عقیل اشخاص موجود تھے۔ مگر افسوس کہ وہ اس وقت حرم سرائے کی ایک عورت کے قبضہ میں تھا۔ اور جو کچھ وہ چاہتی تھی۔ اس سے کراتی تھی۔ گویا وہ موم کی ناک تھا۔ اور جدہر وہ چاہتی۔ موڑ لیتی تھی؛
فرشتہ نے اپنی تواریخ میں اکبر کے اس حملہ کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن تواریخ راجستھان کا نامور مورخ ٹاڈ اس حملہ کا مفصل ذکر کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ اس لڑائی میں رانا کی حرم سرائے کی ایک شہزادی نے نہایت جوانمردی کے ساتھ اکبر کی سپاہ کو شکست دی تھی؛
اکبر کا لشکر چتوڑ کے گرد ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ اور اودے سنگھ نے اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ کل صبح قلعہ کی طرف سے کون شخص غنیم کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلیگا۔ اپنے سرداروں کو طلب کیا۔ دفعتاً وہی شہزادی[1] کہ جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ حاضر ہوئی۔ اور دست بستہ رانا سے التجا کی:-
"اگر مصلحت وقت اس امر کی اجازت دے کہ اس مہم کی خدمات میرے سپرد کیجا سکیں تو میں نہایت ادب سے اس عزت افزائی کی التجا کرتی ہوں"
زمانہ حال کے رواج کے مطابق آج کل ہندوستان کے کسی راجہ یا مہاراجہ کے دربار میں کسی عورت کا شامل ہونا ایک عجوبہ خیال کیا جائیگا۔ اس لئے ہم اپنے ناظرین کو جتلانا چاہتے ہیں۔ کہ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت تک ہند میں یہ حال نہ تھا۔ اور رسم پردہ جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے آج کل آبرودار کے تمام شریف خاندانوں میں رائج ہو چکی ہے۔ اس وقت ایسی عام نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ یہ شہزادی رانا کے دربار میں عموماً نظر آیا کرتی

[1] افسوس ہے کہ اس بہادر شہزادی کا نام تواریخ میں درج نہیں ہے۔

تھی۔ اور اسکو ملکی معاملات میں رائے زنی کا ایسا ہی استحقاق حاصل تھا۔ جیسا کہ دیگر معزز منیران اور تخت چتوڑ کے نامی افسروں کو۔ تواریخ راجستھان میں اِس قسم کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ اور ثابت کرتی ہیں۔ کہ راجپوتوں کی بہادری صرف مردوں تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ ضرورت کے وقت اُن کی عورتوں نے بھی اپنی پوترتا اور پاکیزگی کے اعلےٰ نمونے دکھاتے ہُوئے اپنی قومی بزرگی اور بہادری کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔ سینکڑوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے خاوندوں اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کی کمروں میں تلواریں باندھی ہیں۔ اور اپنی آنکھوں کے سامنے ان کو میدان جنگ میں مرتے دیکھکر ایک آنسو تک بھی نہیں ٹپکایا۔ ہزاروں نے مردانے لباس پہن کر اپنی قوم کی عزت اور دہرم کی حفاظت کے لئے میدان میں تلواریں ماری ہیں ؀

رانا نے شہزادی کی درخواست کو کمال دلچسپی سے سُنا۔ اس کا دل اس کی گفتگو سے نہایت موثر ہُوا۔ اور بڑی خوشی سے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا ؀

"بیشک! ابھی چتوڑ کو اس امر کا فخر باقی ہے۔ کہ اُس میں ایسی عالی حوصلہ عورتیں بھی موجود ہیں۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ انہیں تلوار اٹھانے کی ضرورت دکھائی دے"۔ دلیر شہزادی نے عرض کی: "میری یہ درخواست اِس خیال سے نہیں۔ کہ اس وقت چتوڑ میں بہادر افسروں کی کمی ہے۔ بلکہ اس خیال سے ہے۔ کہ جب ایک عورت اپنے کمزور بازوؤں کے بھروسہ پر غنیم کو پس و پا کرنے کی اُمید رکھتی ہے۔ تو پھر اُن کو میدان میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے ؀

رانا نہیں چاہتا تھا۔ کہ یہ نازک عہدہ ایک عورت کو عطا کرے۔ اور وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ اکبر جیسے زبردست غنیم سے مقابلہ تھا۔ نہ ہی دوسرے راجپوت سرداریہ مناسب سمجھتے تھے۔ تاہم شہزادی کی لیاقت ذاتی اور اُس کی فطرتی دلیری اس بارے میں ایک کافی سفارش تھی۔ رانا نے اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اور اجازت دیدی۔ کہ وہ مناسب سپاہ ہمراہ لے کر اکبر کا مقابلہ کرے ؀

دن نمودار ہوا اور اکبری سپاہ جس کا دل پچھلے جنگوں کی کامیابیوں سے بہت کچھ بڑھا ہُوا تھا۔ اور نہیں جانتی تھی۔ کہ چتوڑ کے مقابلہ میں اُس کی ساری شیخی کرکری ہو جائیگی۔ قلعہ کی طرف بڑھی۔ ادہر سے بھی وہی بہادر شہزادی اپنے جانثار راجپوتوں کے ساتھ قلعہ سے

نکلی۔ اور بادشاہی لشکر کے مقابلہ میں اپنی فوج کو جما دیا۔

طبل جنگ بجے۔ اور دونوں طرف کے جانبار سر ہتھیلیوں پر دھرے۔ اپنے اپنے آقا کے بدلے تلواریں مارنے لگے۔ قتل کا بازار گرم ہو گیا۔ اور کچھ اس جوش وخروش سے حملے ہونے لگے۔ کہ چشم زدن میں قیامت کا سا سماں آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا۔ دم بھر میں سینکڑوں سر تن سے جدا ہو کر زمین پر لڑکنے لگے۔ اور بے سر نعشیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہونے لگیں۔ اُدھر سے "یا علی" "یا علی" کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تو اِدھر سے "جے دیو" "جے دیو" کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ سورج نکلا۔ اور بلند ہوتے ہوتے عین سمت الراس پر آن پہنچا۔ دوپہر ڈھل گئی۔ تیسرا پہر ختم ہوا۔ لیکن طرفین کے جوش ہنوز ابتدائی حالت پر تھے بہادروں کے نعروں اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازوں سے میدانِ کارزار میں حشر کا نقشہ کھنچ ہوا تھا۔ کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ اور طرفین کے بہادروں کی روحیں عزیز جسموں پر الوداعی نظریں ڈالتی ہوئی رخصت ہو رہی تھیں۔ دفعتاً اکبری سپاہ کو حرکت ہوئی۔ ہلالی جھنڈا آگے بڑھا۔ اور مسلمانوں کی فوج نے فراہم ہو کر کچھ اس زور سے حملہ کیا کہ راجپوتی سپاہ حیران رہ گئی۔ یہ حملہ واقعی ایک سخت حملہ تھا۔ اور اس نیت سے کیا گیا تھا کہ جنگ کا یک طرفہ فیصلہ کر دیا جائے۔

بہادر شہزادی نے مسلمانوں کے اس جوش کو غور سے دیکھا۔ ساتھ ہی اپنی سپاہ کی بیدلی کا ملاحظہ کیا۔ اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے وہ بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئی کہ راجپوتی تلواریں سُست پڑ گئی ہیں۔ اور غنیم کے بازو نہایت سرعت سے کام لے رہے ہیں۔ اُس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ اور اپنی سپاہ سے یوں مخاطب ہوئی۔

اے معزز راجپوتو۔ چتوڑ کے فخر شور بیرو! دیش اور دھرم کے نام پر جان قربان کرنے والو! غالباً تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو۔ کہ تمہارے بزرگ چتوڑ کی حفاظت میں کس ہمت اور ثابت قدمی سے کام لیتے رہے ہیں۔ تم یہ بھی ضرور جانتے ہو گے۔ کہ چتوڑ اور اس کے گرد نواح کی چپہ چپہ زمین پر سینکڑوں راجپوتوں کے خون پانی کی طرح بہ چکے ہیں۔ یہ وہی چتوڑ ہے۔ جس کی حفاظت کے بدلے ہزاروں چھتریوں کی قیمتی جانیں تلوار کے گھاٹ اُتر چکی ہیں اب اُسی چتوڑ کو تمہاری حفاظت کی ضرورت ہے۔ اے بہادرو! آج تمہارے امتحان اور اس بات کے جانچنے کا موقع ہے۔ کہ اپنے دیش اور وطن میں تمہاری کتنی محبت ہے۔ یہ وہ

موقع ہے۔ جب کہ بہادر اور بزدل کی اچھی طرح پرتال ہوسکتی ہے۔ اے راجپوتوں کے نام کی لاج رکھنے والو! اپنے بزرگوں کے کارناموں کو یاد کرو۔ کیسے کارنامے جنہوں نے دنیا کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ انکی بزرگی اور شہرت کی حفاظت کرو۔ مگر یہ حفاظت صرف اسی حالت میں ہوسکتی ہے۔ جب کہ تم خود بھی ان کے قدم بقدم چلنے کا حوصلہ پکڑو! ماتاؤں نے تم کو اس لئے پیدا نہیں کیا۔ کہ میدان جنگ میں اپنی بزدلی کا ثبوت دیکر ملک اور قوم کا نام بدنام کرو۔ بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ دھرم اور دیش کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے فرض کو پورا کرو۔ چھتری کا دھرم کیا ہے۔ اس کو تم بخوبی سمجھتے ہوگے۔ فتح اور شکست اختیاری امر نہیں۔ لیکن تم اپنا فرض ادا کرنے سے مطلق کوتاہی نہ کرو۔ اگر فتح کرلیا۔ تو تمہارے لئے سب کچھ حاضر ہے۔ دنیا کی تمام نعمتیں ہاتھ باندھے سامنے کھڑی ہیں اگر مارے گئے۔ تو بھی یہ موت مبارک موت ہوگی۔ تمہارے اس طرح پر جان دینے سے تمہاری استریاں اور تمہاری ماتائیں ہرگز ماتم نہیں کریں گی۔ بلکہ خوش ہونگی۔ کہ اُن کے پتی اور پتر سچے راجپوتوں کی طرح اپنا فرض ادا کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ ماتا اور استری تمہارا نام لیتے ہوئے فخر کیا کریگی۔ اور تمہاری اولاد کو بڑی ہونے پر تمہارے نقش قدم پر چل کر دھرم اور دیش پر جان قربان کرنے کی جرات ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر تم نے ذرا بھی بے حوصلگی اور بزدلی سے کام لیا۔ تو تمہاری اس شرمناک حرکت سے نہ صرف ملک کو ہی نقصان پہنچیگا یا تمہارے بزرگوں کے کارناموں پر پانی پھر جائیگا۔ بلکہ تمہاری عورتیں بھی رنج کا رونا روئینگی اور ماتائیں افسوس کرینگی۔ میرے بہادر واکیوں؟ خاموش کیوں ہو؟ یہ موقعہ تمہاری ہمت آزمائی کا ہے۔ راجپوتوں کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ لیکن یہ اُسی صورت میں رہ سکتی ہے جب تم اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر دشمن کا مقابلہ کرو۔ دیکھو! مسلمانوں کا بادشاہ اس غرض اور اس نیت سے تم پر حملہ آور ہوا ہے۔ کہ تمہارے دھرم اور تمہاری عزت کو نیست و نابود کرے اس وقت اگر تمہاری طرف سے ذرا بھی غفلت ہوئی۔ تو یاد رکھنا۔ تمہاری عزت اور تمہارا دھرم غنیم کے قبضہ میں ہوگا۔ تمہاری عورتیں اس کے رحم کی محتاج ہوں گی۔ تمہارے بال بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا جائیگا۔ اور تم بکری اور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاؤگے اگر کسی طرح بچ بھی رہے۔ تو تمہاری زندگی بالکل بے شرموں کی سی زندگی ہوگی۔ اگر تم میں وہی راجپوتی خون دورہ کررہا ہے۔ جو کہ تمہارے بزرگوں کی رگوں میں دوڑتا تھا

تمہاری غیرت کبھی بھی ایسی ناجائز حرکت کا مرتکب نہ ہونے دیگی۔ مانا کہ زمانہ کے انقلاب سے تم میں اپنے بزرگوں کی سی ہمتیں اور ان کے سے حوصلے نہیں رہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ راجپوتی خون ابھی بالکل سرد نہیں ہوا۔ اگر ہمت کرو۔ تو اب بھی دشمن کی سپاہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دینا کوئی مشکل بات نہیں۔ اب باتوں میں صرف کرنیکا وقت نہیں رہا بہتر ہے۔ کہ ہمت کرکے دشمن کا مقابلہ کرو۔ اور اپنی قوم اور اس کی عالمگیر شہرت پر بٹہ نہ لگاؤ۔ ورنہ دوسری صورت میں مجھے اجازت دو کہ میں اپنے ہاتھوں اپنا سر تن سے جدا کردوں بدنامی کی سیاہی چہرے پر ملکر میں چتوڑ میں ہرگز واپس نہیں جاسکتی۔ میں خود دشمن کے لشکر اور اس خونریزی کے دریا میں کود کر اپنی جان دیدونگی۔ مگر بدنامی کی سیاہی چہرے پر ملکر چتوڑ میں کبھی نہ جاؤں گی۔ کیا درحقیقت اب چتوڑ کی تباہی کا وقت آگیا؟ کیا سچ مچ اس کے دوستوں کے دل سے اس کی محبت جاتی رہی؟

بہادر اور غیرت مند شہزادی کی اس پر زور تقریر نے راجپوتوں کے دلوں کو کئی گنا بڑھا دیا سب کے چہرے جوش غضب وغیرت سے خون کی طرح سرخ ہو گئے۔ اور تلواریں کھینچ جانوں سے ہاتھ دھو اس غضب کا مقابلہ کیا۔ کہ اکبری سپاہ کو جو ابھی دریا کی لہر کی طرح بڑھتی چلی آتی تھی۔ اپنی جگہ پر قائم رہنا محال ہوگیا۔ بہادر شہزادی سب کے آگے تھی۔ اور اپنی جوہر دار تلوار کے متواتر واروں سے غنیم کی سپاہ پر لوہے کی آگ برسا رہی تھی چشم زدن میں کچھ کا کچھ بن گیا۔ راجپوت جانبازوں کے متواتر حملوں سے تنگ آکر مغلیہ لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اکبر اور اس کے سرداروں نے اُن کے سنبھالنے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر اب سب تدبیریں بے سود تھیں۔ جوانمرد شہزادی اپنے دلاور راجپوتوں کے ساتھ تعاقب میں تھی۔ حتیٰ کہ اکبر کے ہیڈ کوارٹر میں گھس گئی۔ اور ایک دفعہ پھر خونریز لڑائی کا نقشہ کھچ گیا۔ شاہی فوج نے بہت کچھ دادِ مردانگی دی۔ دل توڑ کر حملے کئے۔ لیکن قسمت پلٹا کھا چکی تھی۔ کچھ پیش نہ گئی۔ اور دہلی کا نامور بادشاہ ایک عورت کے مقابلے سے شکست کھا کر پاؤں سر پر دھر کر ایسا بھاگا کہ دار السلطنت میں آکر دم لیا۔

جب لشکر شاہی یوں پسپا ہوکر شکست کا داغ پیشانی پر لئے دہلی کو پلٹ گیا۔ تو رانا اکثر سر دربار اس شہزادی کی شجاعت کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ اس مرتبہ چتوڑ کی عزت واقعی اسی نے بچائی ہے۔ راجپوت اسکو مہتنگ سمجھنے لگے۔ اکبر دل کی طبیعت میں غضب

نے جوش مارا اور یہ بہادر شہزادی زہر دلوا کر مروا دی گئی ٭

اکبر بھی کوئی خاموش بیٹھنے والا انسان نہ تھا۔ اس نے دوسری مرتبہ بڑی تیاری سے چتوڑ پر حملہ کیا۔ اُس وقت اُسکی عمر پچیس سال کی تھی۔ اور اس کی عین آرزو تھی۔ کہ جس طرح ہو۔ چتوڑ کو تسخیر کر کے شہرت حاصل کرے ٭

اودے سنگھ ہرگز مقابلے کے قابل نہ تھا۔ وہ چتوڑ کو چھوڑ کر راج پیلی کے جنگل میں گوہیل قوم کے سردار کے پاس پناہ گزین ہوا۔ اور یہاں سے گھاٹی گروہ واقعہ اراولی پربت میں چلا گیا تھا۔ یہ مقام اُس گوشہ کے قریب واقعہ ہے۔ جہاں کہ باپا راول پناہ گزین ہوا تھا۔ چند سال اِس واقعہ سے پیشتر اودے سنگھ نے اِس گھاٹی کے دروازہ پر ایک جھیل بنوائی تھی۔ آج کل یہ اودے ساگر کے نام سے مشہور ہے۔ اِس کے قریب ایک شہر اور ایک قلعہ آباد کر کے اپنے نام پر اس کا نام اودے پور رکھا۔ اور یہیں سکونت اختیار کی۔ یہ شہر آج کل بھی میواڑ کا دارالسلطنت ہے ٭

جیمل وفتا

چتوڑ کا تیسرا ساکا

بادشاہ اکبر کا زمانہ سلطنت مغلیہ کے لئے عین عروج کا زمانہ تھا۔ اور اس کے عہد میں جس قدر وسعت سلطنت اسلام کو ہوئی۔ آج تک کسی مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں نہ ہوئی تھی مشہور ہے۔ کہ د

ف۱ یہ شہر چتوڑ سے ... میل کے فاصلہ پر گوشہ جنوب مغرب کو جھکتا ہوا پہاڑوں کے نرغہ میں ایک شہر ہے جو بلحاظ رونق اور آبادی کے میواڑ کے عمدہ ترین شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بجز مغرب کے جس طرف پانچ میل کے محیط کا ایک خوشنما تالاب ہے۔ تینوں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے شہر کے اردگرد چھوٹے چھوٹے تالاب اور جھیلیں کثرت سے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہاں بخار کی بیماری زیادہ رہا کرتی ہے۔ مشرق کی طرف دور سے دیکھنے سے شہر خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ مگر قریب سے دیکھا جائے۔ تو شہر کی وضع اور طرز عمارت چنداں خوبصورت نظر نہیں آتی۔ البتہ مہارانا صاحب کا محل نہایت عمدہ سنگین عمارت کا ہے۔ جو پہاڑ کی چوٹی کے اوپر قریب سو فیٹ کے بلند کھڑا ہے۔ اس کے اوپر سے جھیل گھاٹ اور شہر کی خوب سیر ہوتی ہے ٭

شبیہ راجہ جیمل



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۸۸

بے تعصب تھا صلح کل تھا۔ اور ہندو مسلمان سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا تھا۔ لیکن سچ تو یہ ہے۔ کہ یہ بھی ایک پولیٹیکل چال تھی۔ اس کا خیال تھا۔ کہ راجپوتوں کے معزز خاندان کو باہمی شادی و بیاہ کے رواج کے مضبوط زنجیر سے باندھ کر ہندو و مسلمانوں کو ایک کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ہندوستان بھر میں صرف راجستھان ہی ایک ٹکڑہ ہے۔ جو ہمیشہ سلطنت اسلام کے لیئے باعث خطر رہا ہے۔ اس خیال کی تہ میں جو کچھ مطلب تھا۔ اُسکو ایک معمولی سمجھ کا آدمی کبھی نہیں پہنچ سکتا یہ وہ بات تھی۔ جو ہندؤں کو کبھی اور کسی زمانہ میں بھی نہ سوجھی۔ اور سوجھی تو بھی اُنہوں نے اس سے فائدہ اُٹھانے کی ہرگز کوشش نہ کی ؀

اکبر کا مذہب شیعہ تھا۔ اور تمام سُنّی پٹھان جو پہلے ہندوستان پر قابض تھے۔ ہمیشہ اُس کے مخالف رہتے تھے۔ چنانچہ اکبر نے خیال کیا۔ کہ جس طرح ہو۔ راجپوتوں کو اپنا مددگار بنایا جائے۔ مگر اس ارادہ کو سختی سے پورا کرنے میں بہت کم کامیابی دکھائی دیتی تھی۔ لہذا اس نے ارادہ کیا۔ کہ اِسکو نرمی اور حکمت عملی سے قابو کیا جائے۔ اس نے اپنی یہ تجویز راجپوت راجوں کے پیش کی۔ اور یقین دلایا۔ کہ اگر وہ بادشاہ سے رشتہ داری منظور کریں۔ تو ان کو شاہی خاندان کی لڑکیاں بھی دیجائیں گی۔ جس کے ساتھ وہ دشمنی بھی رفع ہو جائیگی۔ جو ہندو اور مسلمانوں کی باہمی خونریزی کا باعث ہو رہی ہے ؀

ہر چند ابتدا میں راجپوتوں نے اُس کی اِس درخواست کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور صاف انکار کر دیا۔ لیکن چونکہ اکبر کا ستارہ عروج پر تھا۔ اور وہ ایک زبردست سلطنت پر قابض تھا۔ برخلاف اس کے راجپوت راجے آئے دن کی خانہ جنگیوں سے بالکل کمزور ہو چکے تھے۔ اور نفاق و حسد کی مہلک امراض نے انکو بالکل ناتوان کر رکھا تھا۔ لہذا اِس قانون قدرت کے مطابق کہ زیر دست زبردست کے آگے سر جھکائے چند ایک راجوں نے جبر و تشدد کی دھمکی میں آکر اکبر سے رشتہ داری کرنی منظور کر لی۔ اور راجپوتانہ کے اکثر سرداروں نے ان کی پیروی کرنا اپنا فخر سمجھا۔ البتہ اُس کی یہ پولیسی رانائے چتوڑ پر کچھ اثر نہ کر سکی۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن رانا اودے سنگھ باوجودیکہ وہ فطرتاً شجاع نہ تھا۔ پھر بھی وہ اُسکو ہمیشہ دندان شکن جواب دیتا رہا۔ بلکہ جن جن راجوں نے اکبر کے ساتھ رشتہ داریاں کی تھیں اُن سے بھی قطع تعلق کر لیا گیا۔ یہ بات اکبر کو سخت ناگوار گذرتی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کے رشتہ دار راجپوتوں کو بھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اکبر کے ساتھ عنقریب تمام راجپوتانہ کے راجے رانا کے دشمن بن

رہے تھے۔ مگر رانا ان کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا۔ وہ برابر اپنی ہٹ پر قائم رہا اور ثابت کر دیا کہ اگرچہ باپا راول کا ایک بیٹا اپنے خاندان کی طرح بہادر اور شجاع نہیں۔ لیکن وہ ابھی اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتا۔ جسکو کہ اس کے ہمعصر راجوں نے ترقی جاہ و منزلت کے لالچ سے قبول کیا تھا۔

جب دنیاوی لالچ اور معمولی دھمکیوں سے کام نکلتا نظر نہ آیا۔ تو اکبر نے بزور شمشیر رانا کے اس عہد کو توڑنا چاہا۔ اور اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اپنی قوت بازو سے چتوڑ کے مشہور و معروف مضبوط قلعہ کو مسخر کر کے دنیا کے دل پر اپنی بہادری اور شجاعت کا سکہ ضرور بٹھائیگا۔ اور رانا کو اس کے غرور کی سزا دیگا۔ چنانچہ چتوڑ پر فوج کشی کی گئی۔ اکبر کو یقین تھا۔ کہ وہ یا تو رانا کو لڑکی دینے پر مجبور کر دیگا۔ یا بصورت ہونے انکار قلعہ اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیگا۔ مگر ہوتا وہی ہے۔ جو ایشور کو منظور ہوتا ہے۔ اس مرتبہ اکبر کو ہی نیچا دیکھنا پڑا۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ محض ایک عورت کے مقابلے شکست فاش کھا کر دہلی کو بھاگ آیا۔

اکبر کے دل پر اس شکست کا صدمہ کچھ ایسا صدمہ نہ پہنچا تھا۔ کہ اسکو فراموش ہو جاتا یہ بدنامی خصوصاً ایک عورت کے مقابلۃً ناکامی ہمیشہ اس کے دل کو مسلتی رہتی تھی۔ مورخ لکھتا ہے۔ کہ اکبر رات کے وقت بارہا سوتے سوتے چونک اٹھتا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا۔ کہ چتوڑ کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں[۱]۔ اور وہ اس بات سے بھی اچھی طرح آگاہ تھا۔ کہ چتوڑ کی محافظت میں کئی ہزار راجپوت اپنا خون پانی کی طرح بہانے کو تیار ہیں۔ لیکن چونکہ اس شکست سے شاہی رعب و داب میں بہت کچھ فرق آ چلا تھا۔ اس لئے اس داغ بدنامی کو پیشانی سے دور کرنے کے لئے اس نے دوبارہ فوج کشی کے سامان کئے۔ اور ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر آندھی اور بھونچال کی طرح چتوڑ کو روانہ ہوا۔

اس وقت وہ بہادر شہزادی جس نے پہلی مرتبہ اکبر کو شکست دی تھی۔ گھر کی نااتفاقی کی

---

[۱] اکبر پہلے ہی راجپوتوں کی جانبازیوں سے ناواقف نہیں تھا۔ مگر حال میں ہی اسکو ایک تازہ ثبوت دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ بات اس طرح تھی۔ کہ ایک دن دو راجپوت نوکری کے طالب آئے۔ اکبر نے پوچھا کہ کیا جوہر دکھلا سکتے ہو۔ ایک راجپوت نے نیزہ لیکر ایک انی تو اپنے سینہ پر رکھی اور دوسری دوسرے رفیق کے سینہ پر۔ ساتھ ہی تلواریں کھینچ لڑنے کو ڈٹ گیا۔ دونوں چھد کر بیچ نیزہ پر آ گئے۔ اور خود ایک ایک تلوار پر ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان مرنے والوں میں سے ایک راجپوت کی زبان سے جو الفاظ نکلے یہ تھے۔ بادشاہ دیکھ! اور آنکھیں کھول کر دیکھ! راجپوتی جوہر کا یہ ایک ادنے سا کرشمہ ہے۔

نذر ہو چکی تھی۔ اور خود رانا اودے سنگھ چتوڑ چھوڑ کر پہاڑوں میں ایک محفوظ جگہ پر اپنے نام پر شہر اودے پور بسا کر اپنا دارالسلطنت وہاں منتقل کر چکا تھا۔ لیکن پھر بھی چتوڑ میں بہادروں کی کمی نہ تھی۔ قلعہ کا حاکم جیمل والئے بدنور اور قوم راٹھور ساکن میرتیا میں سے تھا۔ اور فرقہ ہائے مارواڑ کے بہادروں میں سب سے زیادہ بہادر شمار کیا جاتا تھا۔ یہ وہی جیمل ہے۔ جس کا نام لیتے ہوئے ہر ایک راجپوت کا خون جوش کھا جاتا ہے۔ یہ وہی مشہور عالم شور ہیر ہے جسکی سچی بہادری وشی جگتی اور جان نثاری کے گیت صرف راجپوتانہ کی سرزمین یا چتوڑ کے گردنواح میں ہی سنائی نہیں دیتے۔ بلکہ اس کی شجاعت اور اعلے قربانی کا اعتراف ممالک غیر کے مصنفوں نے بھی کیا ہے۔ یہ وہی جیمل ہے۔ جس کی دلاوری اور جان نثاری کے فسانے آج چار سو سال کے بعد بھی راجپوتی خون میں ایک فوری جوش پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جس کی وفاداری اور نمک حلالی نے آج کل کی بہادر سے بہادر قوموں کو بھی حیرت میں ڈال رکھا ہے ؎

جیمل کے نام کے ساتھ ایک اور پیارا نام بھی ہے۔ جسکی بہادری اور جان نثاری نے اسکو آبحیات کا پیالہ پلا دیا تھا۔ اگرچہ اب وہ ہماری آنکھوں کے سامنے نظر نہیں آتا۔ لیکن اس کے کارنامے کبھی بھی اہل دنیا کے دلوں سے فراموش نہ ہونگے۔ اس کا نام فتا تھا جو کہ فرقہ چنداوت کے نامی سردار والئے کیلوار کا بیٹا تھا۔ اس کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی۔ اس کا باپ اس وقت فوت ہو چکا تھا۔ صرف اس کی ماں اپنے بیٹے کی پرورش کے لیئے ستی ہونے سے بچ رہی تھی۔ یہ نوجوان دلاور بھی معہ اپنی شجاع والدہ کے قلعہ میں موجود تھا۔ انکے علاوہ سائینداس سلمراجسکی قربان گاہ اب تک پہاڑ کی چوٹی پر قائم ہے۔ اپنی قوم کے جانبازوں کی ایک کافی تعداد ہمراہ لے کر قلعہ کی حفاظت کے لیئے آیا تھا۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل سردار اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ جانیں لڑا دینے کے لیئے تیار تھے۔ راوت اوداساکن مدیا جو سنگاوت کا سردار تھا۔ پرامرا ساکن بجولی۔ جہالا ساکن سدری۔ سردار دیولا کا ہونہار بیٹا سونگرا اُدساکن جہالور۔ ایشر داس راٹھور۔ کرمچند کچھواہا معہ دودا سدانی اور سردار گوالیار وغیرہ وغیرہ ؎

اکبر کی اس چڑھائی اور شاہی لشکر کی روانگی کی خبر چتوڑ میں پہنچ چکی تھی۔ رانا کی غیر حاضری میں چتوڑ کی حفاظت کا ذمہ وار جیمل تھا۔ اس کی ساری توجہ جنگی سامانوں کی درستی کی طرف مبذول پائی جاتی تھی۔ اکبر جیسے جلیل القدر بادشاہ سے مقابلہ تھا۔ مگر شیردل جیمل کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ کہ چتوڑ کے معدودے چند راجپوتوں سے شاہی

لشکر کا مقابلہ کرنا۔ اور کامیابی کی امید رکھنا ایک مشکل امر ہے۔ لیکن وہ اپنے فرض کو بخوبی سمجھتا تھا وہ قلعہ کی حفاظت کے لئے مقرر تھا۔ اس لئے وہ اپنے فرض کو ادا کرنا لازمی سمجھتا تھا۔ وہ بھی جانتا تھا۔ کہ یہ جنگ کوئی ملکی جنگ نہیں۔ اگر بادشاہ اکبر کی خواہش کے مطابق اس سے رشتہ داری منظور کر لی جائے۔ تو قلعہ چتوڑ کے ساتھ ہی اس میں رہنے والے راجپوتوں کی جانیں بھی اس آنے والے خطرہ سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ لیکن اس کا غیور دل اس بات کے خیال تک کو بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مغل بادشاہ کے دربار میں گھنٹوں ہاتھ باندھے کھڑے رہنا اور بات بات پر "جی بجا" اور "جی درست" کا تار باندھ دینا ایسی باتیں تھیں۔ جو اس سے کبھی بھی بن پڑتی دکھائی نہ دیتی تھیں۔ وہ اطاعت کی نسبت موت کو زیادہ ترجیح دیتا تھا۔ ساتھ ہی وہ ان تمام مشکلات کو بھی بخوبی سمجھتا تھا جو انکار کی صورت میں ان کے پیش آنیوالی تھیں۔ راجپوتانہ کے دیگر راجے چتوڑ کی حفاظت کرنا تو درکنار خود اس کی تباہی کے درپے ہو رہے تھے۔ پس کسی سے مدد کی امید کرنا فضول تھا۔ لیکن یہ اسی جوانمرد کا کام تھا۔ کہ باوجود ان تمام مشکلات کے بھی وہ تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی زبردست طاقت کا مقابلہ کرنے سے ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اسے یقین ہو چکا تھا۔ کہ اس کی تمام کوششوں کا نتیجہ آخر کار اسکی اپنی شہادت ہو گی۔ لیکن اس نے اپنے فرض کو پورا کرنا لازمی جانا۔ اور اکبر جیسے زبردست بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے خیال پر برابر ثابت قدم رہا:

اکبر کی آمد آمد سنکر جیمل نے ان تمام راجپوتوں کو جو چتوڑ کی حفاظت میں اپنا خون نچھاور کرنے کو پورے پورے مستعد تھے۔ جمع کیا۔ تاکہ وہ اچھی طرح اس بات کا اطمینان کرلے۔ کہ اس کے ساتھی اس خوفناک مہم میں کہاں تک اس کا ساتھ دینے اور قومی آن کے بدلے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں:

جب سب راجپوت جمع ہو چکے۔ تو جیمل نے ان سے مخاطب ہو کر کہا "اے راجپوتوں کے سپوتو! دیش اور دھرم کے بدلے جان قربان کرنے والو! جس امر کے لئے میں نے تم کو طلب کیا ہے۔ غالباً تم اس سے ناواقف نہیں ہو۔ اکبر پھر اپنے بیشمار لشکر کے ساتھ مار و مار کرتا چتوڑ پر حملہ کرنے کی نیت سے آرہا ہے۔ اور غالباً آج کل ہی یہاں پہنچا چاہتا ہے۔ اب چتوڑ کی نیک و بد قسمت کا انحصار محض تمہاری کوششوں اور ہمتوں پر ہے۔ اور وہ وقت آن پہنچا ہے۔ کہ تم اپنے ان وعدوں کو پورا کرو۔ جو تم ہمیشہ اپنے ملک کے بچانے کے لئے کیا کرتے تھے

اگرچہ یہ وہی اکبر ہے۔ جسکی پیشانی پر تمہاری بے پناہ تلواریں ایک دفعہ شکست کا داغ لگا چکی ہیں تاہم یہ بات بہت کچھ غور طلب ہے۔ کہ اس وقت تیس ہزار لشکر جرار اس کے ہمرکاب ہے علاوہ ازیں ہر وقت تازہ کمک کا پہونچتے رہنا بھی یقینی امر ہے۔ برخلاف اس کے ہماری کل سپاہ کی تعداد بہ ہیئت مجموعی مشکل سے ۸ ہزار تک پہنچتی ہے۔ باقی رہی کسی سے مدد کی امید یہ بالکل ناممکن! وہی راجپوت راجے جن کے لئے اِس وقت ہماری مدد کرنا لازمی امر تھا۔ اُس کے ساتھ شامل ہیں۔ اور اُلٹا ہمارے مقابلہ پر ہونگے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ ہمارے راجپوتوں کو اس تفاوت کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ تاہم اصول جنگ کے لحاظ سے یہ کمی ایک خوفناک کمی ہے۔ پس ایسی صورت میں میں تم سے دریافت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اب تمہاری کیا رائے ہے؟"

جیمل کی گفتگو کو سُنکر حاضرین کے خون جوش کھا گئے۔ سب نے اپنی کمروں سے بندھی ہوئی تلواروں پر نگاہ ڈالی۔ ترکشوں میں پڑے ہوئے تیروں کی طرف جو کندھوں پر سے سرگوشی کر رہے تھے۔ نہایت خوفناک نگاہوں سے دیکھا۔ اُن کے پاک خون میں ایک غیر معمولی حرکت ہوئی۔ آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ اور سائینداس سلمر اسپہ سالار فوج اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہنے لگا:

"اب ہم راجپوتوں کی رائے سوائے مرنے اور مر کر اپنی شجاعت کا ثبوت دینے کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ تمام راجپوت اکبر کی سپاہ کے مقابل لڑ کر اپنی جانیں قربان کر دینے کو تیار ہیں۔ اور شاید ان میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلیگا۔ جو اکبر کی اطاعت کی ذلت کو گوارا کر سکے۔ گو اکبر کو راجپوتانہ کے بعض راجوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہونے سے اپنی سپاہ پر بہت کچھ ناز ہے۔ لیکن مجھے اپنے راجپوتوں کی طرف سے بھی اچھی طرح اطمینان ہے اگر اکبر کو اپنی بہادری اور سپاہ گری کا دعوےٰ ہے۔ تو ہمارے راجپوت بھی ہر وقت جان نثاری کے مشتاق ہیں"۔

جیمل نے نہایت دلچسپی سے سائینداس کے جواب کو سُنا۔ اور پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "کیا آپ سب کی بھی یہی رائے ہے"؟ حاضرین نے یک زبان ہو کر جواب دیا "راجپوتوں کی بات راجپوتوں کے سر کے ساتھ ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہم اپنے ننگ و ناموس اور آزادی کو بیچ کر اپنی جانیں بچائیں؟ کبھی نہیں! ہمارے ہاتھ اور ہماری تلواریں آپ کے

اشاروں پر چلنے اور ہمارے سر چتوڑ کی حفاظت میں نثار ہونے کو تیار ہیں۔ جب تک ہما
ہاتھوں میں سکت اور ہماری تلواروں میں چلنے کی ہمت باقی رہیگی۔ دشمن کا مقابلہ کرنے او
اُس کی سپاہ کا خون بہانے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔ موت ہر شخص کے سر پر آنیوالی
مگر ہم مردوں کی موت مریں گے۔ اور اکبر کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ راجپوتی خون ابھی بالکل
نہیں ہوا۔ اور یہ کہ راجپوت اپنے دھرم اور اپنی آن کے بدلے کس طرح جانیں قربان کرتے
ہمارے سینوں میں انہیں غیر تمند راجپوتوں کا خون جوش زن ہے۔ جن کی جانبازیوں کے
نقش ابھی اہل وطن کے دلوں سے دور نہیں ہوئے۔ اور جن کی وفاداریوں کے افسا
انکے بعد بھی آج تک لوگوں کے ورد زبان ہیں۔ اور قیامت تک رہینگے۔ آپ کو مطمئن
چاہیئے۔ کہ ہم ہر وقت جان پر کھیلنے کے لئے تیار اور اپنے ارادوں پر مستقل ہیں۔ اور تا دم
زیست رہیں گے"۔

جیمل نے بڑی ہی دلچسپی سے اپنے راجپوت دلیروں کی اس پُرجوش تقریر کو سُنا۔
کا شجاع دل مارے خوشی کے پہلو میں اچھلنے لگا۔ اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ سب
رخصت کر دیا۔

دن ڈھل چکا تھا۔ آسمان پر پھیلے ہوئے بادلوں کی گہری سُرخی کسی بے گناہ کا خون
بنکر دکھائی دے رہی تھی۔ اور چتوڑ کا موجودہ حکمران جیمل معہ اپنے سرداروں کے فصیل
پر کھڑا دشمن کی آمد آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دور فاصلہ پر کچھ غبار سا اُڑ
دکھائی دیا۔ اور پھر ہوا میں پھڑکتا ہوا مسلمانوں کا ہلالی جھنڈا نظر آنے لگا۔ جس کے ساتھ
مغلوں کی وہ سپاہ بھی نمودار ہوگئی۔ جس کا ان سب کو انتظار تھا۔ اور جس کے مقابلہ کے
ان کی تلواریں میانوں سے نکلی پڑتی تھیں۔ یہ آنے والی سپاہ دم کے دم میں تمام مید
میں پھیل گئی۔ اکبری جھنڈا قلعہ کے مقابل ایک بلند جگہ پر گاڑ دیا گیا۔ اور ابھی دو گھنٹے
نہ گذرنے پائے تھے۔ کہ یہ وسیع میدان خیموں اور چھولداریوں سے بھرا ہوا نظر آنے لگا۔
قول ٹاڈ صاحب یہ فوج پنڈولی سے لیکر بسی تک کہ دس میل کا فاصلہ ہے۔ پھیل گئی۔
دیکھتے دیکھتے یہ جنگل ایک آباد اور بارونق شہر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

اب رات کے اندھیرے نے قلعہ اور اکبری سپاہ کے درمیان اپنی سیاہ چادر کا پردہ
طرفین کو ایک دوسرے کی بے طرح گھورنیوالی نگاہوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک طرف اکبر

سرداروں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہونے کی تجویزیں سوچ رہا ہے۔ دوسری طرف راجپوت بھی اپنے
ئیں کیل و کانٹے سے درست کرنے اور غنیم کے حملہ کو بیکار ثابت کرنے کے سامانوں میں نہایت
ی احتیاط اور ہوشیاری سے گرم ہیں۔ چتوڑ کے چاروں پھاٹک بند کرنے کے بعد انکی حفاظت
اُن بہادر راجپوتوں کو مقرر کردیا گیا ہے۔ جن سے یہ امید ہی نہیں۔ کہ وہ بغیر جان دیئے اپنی
کہ سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹائیں گے۔ اور جن کی تلواریں اپنے ملک اپنی عزت اور اپنی ابرو
بچانے کے لئے ہر وقت نیاموں سے نکل کر چمکنے کی مشتاق اور مغل بادشاہ کی بڑھی ہوئی ہمتوں کو
س و پاک کردینے کا یقینی دعویٰ رکھتی ہیں۔ فصیل اور برجوں پر فوجی عہدہ دار دم بدم گشت کرتے
ئے اِس بات کا اطمینان کر رہے ہیں۔ کہ کہیں کسی بات میں کمی تو نہیں رہ گئی۔ قلعہ کے مشرقی
پھاٹک پر چدہر آج شام کے وقت اکبر کی نگاہیں جمی ہوئی تھیں۔ اور راجپوت اچھی طرح سمجھ
گئے تھے۔ کہ وہ قلعہ میں داخل ہونے کے لیئے اسی راستہ پر زور دینا چاہتے ہیں۔ حفاظت
خاص بندوبست کیا گیا ہے۔ اور سائیند اس سلمرا خاندان چوندا کا مشہور بہادر کئی سو راجپوتوں
لیئے بڑی مستعدی سے اس کے بچاؤ کی کوششوں میں جان لڑا دینے کو تیار ہے۔

تمام رات طرفین کے بہادروں کی تیاریوں میں کٹی۔ ایک طرف صبح ہونے کے ساتھ ہی
ہ پر حملہ کردینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف اپنی حفاظت کے ضروری سامانوں
جانچ اور پڑتال ہو رہی تھی۔ ایک طرف بزور شمشیر اپنا رعب قائم کرنے کی دھن لگی ہوئی
ی۔ تو دوسری طرف تلوار کی دھار پر کھیل کر اپنے بزرگوں کی عظمت اور اپنی قومی آن کا ثبوت
ں کرنے کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ ایک کو اپنے ٹڈی دل لشکر پر ناز تھا۔ تو دوسرے کو اپنے
مٹنے والے جانثاروں کی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا بھروسہ تسکین دے رہا تھا۔

ابھی آفتاب بھی طلوع نہ ہونے پایا تھا۔ کہ آسمان کے مشرقی کنارے پر شفق کے نشانات
ئی دینے کے ساتھ ہی طبل اور سرنا نے میدان جنگ کے مشتاقوں کو چونکا دیا۔ اور اکبر کی
اہ کا ایک حصہ آلات حرب سے آراستہ قلعہ کے اُس پھاٹک کی طرف بڑھتا دکھائی دیا
رکہ پیشتر ہی امید کی گئی تھی۔ کچھ دیر توپوں کے گولے معمولی طور پر ایک دوسرے کی مزاج

اکبر کے ہیڈکوارٹر کے مقام پر جو مخروطی شکل کا مینا بنایا گیا تھا۔ اب تک بھی موجود ہے۔ اکبر کا دیوا کہلاتا ہے وہ جیسا بنا تھا۔
ی ویسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس میں بڑے بڑے ٹکڑے سفید پتھر کے پاس پاس جوڑے ہوئے ہیں۔ اس کا قاعدہ ۱۲ فٹ
ور تیس فٹ بلند ہے سیڑھیاں چوٹی تک بنی ہوئی ہیں۔ اور اس پر ایک بڑا مجوف ظرف آگ سے پر رہتا ہے۔ تاکہ چرواہے
فر جو وہاں جمع ہوتے ہیں اندھیرے میں راستہ نہ بھول جائیں۔

پرسی کرتے رہے۔ لیکن دفعتاً اکبری سپاہ آگے بڑھی۔ جس کو دیکھ کر راجپوت جانبازوں نے بھی حرکت کی۔ اور ادھر اُدھر سے سمٹ کر اس پھاٹک پر جمع ہو گئے۔ جدھر سے قلعہ میں داخل ہونے کی امیدوں پر مسلمانوں کے قدم نہایت شوق سے آگے کی طرف اُٹھ رہے تھے راجپوتوں نے بندوقیں سنبھالیں۔ اور اس حملہ آور فوج کو اپنا نشانہ بنانا شروع کیا۔ گو مسلمانوں کے جوش کی کچھ انتہا نہ تھی۔ اور بڑھ بڑھ کر حملے کرتے۔ اور اپنی عزیز جانیں شاہی خدمات پر قربان کرکے اپنی نمک حلالی کا ثبوت دے رہے تھے۔ لیکن قلعہ کی طرف سے آنیوالی گولیوں کی بارش کچھ اس سختی سے ہو رہی تھی۔ کہ یہ سوائے جان دے دینے کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ گو ان کا استقلال قابل تعریف تھا۔ لیکن جوں جوں وہ اپنی کوششوں میں ناکامیاب رہتے تھے توں توں ان کی ہمتیں بھی پست ہوتی چلی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ اُن کے دلوں میں پریشانی پیدا ہو گئی۔ مسلمان فتح کے امیدوار تھے۔ اور اُن کا خیال تھا۔ کہ پہلے ہی حملہ میں ہلالی جھنڈا چتوڑ پر لہراتا نظر آئیگا۔ لیکن اب انہیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ چتوڑ آسانی سے ہاتھ آجانے والا مقام نہیں ہے ؎

دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ مسلمانوں کے بڑھے ہوئے حوصلے راجپوتوں کی شجاعت اور جوانمردی پر غالب آنے کے لئے دل توڑ کر کوشش کرتے رہے۔ لیکن راجپوتوں نے بھی ثابت کر دیا کہ ابھی وہ قوم جس کے گذشتہ کارنامے دنیا کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ اس قدر ضعیف نہیں ہوئی۔ کہ آسانی سے غنیم کے قابو آجائے۔ اور ان کی جرات اور اُنکی شجاعت درحقیقت اُسی تعریف کی مستحق ہے۔ جیسا کہ دنیا سمجھتی ہے۔ شام سے پہلے مسلمانوں نے کئی ایک سخت حملے کئے۔ مگر راجپوتوں نے ہر دفعہ اُن کو نہایت جانبازی سے روکا۔ اور ایسا روکا کہ سوائے ناکامیاب واپس لوٹنے کے کچھ نہ سوجھا۔ آخر کار دن ختم ہو گیا۔ اور رات کے اندھیرے نے طرفین کے بہادروں کے ہاتھ روک کر انہیں چار پہر کے لئے ستانے اور صبح کے وقت تازہ دم ہو کر میدانِ جنگ میں اپنی اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے ایک دوسرے سے جدا کر دیا ؎

دوسرے دن پھر حملہ ہُوا۔ آج کی لڑائی پہلے دن کی نسبت زیادہ خوفناک لڑائی تھی۔ گذشتہ دن کی ناکامیابی سے مسلمانوں کے غضب کی آگ بہت کچھ بھڑک چلی تھی اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ آج قلعہ پر ہلالی جھنڈا نصب کئے بغیر ہم کبھی واپس نہ ہونگے اور

قلعہ کا پھاٹک کھولدیا گیا۔ اور ساٹیند اس سلمر اپنے چیدہ چیدہ بہادروں کا دستہ لئے باہر نکلا اور تیروں کی بارش کرتا ہوا غنیم کی طرف بڑھا۔ حریف کی سپاہ نے بھی کمانیں سنبھالیں اور تیروں کا جواب تیروں سے دیتے ہوئے آگے کی طرف جھکے۔ حتی کہ دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں۔ جس کے ساتھ ہی دونوں طرف ایک عام جوش پھیل گیا۔ اور لڑائی کا خونریز سماں ہر شخص کے دل پر نقش ہیبت بٹھانے لگا۔ کمانیں کاندھوں پر ڈال لی گئیں اور تلواریں گھسیٹ اپنی اپنی بہادری کے جوش ظاہر کرنے لگے۔ ابتدا میں مسلمانوں نے راجپوتوں پر بہت کچھ زور ڈالا۔ اور اس غضب کے حملے کئے۔ کہ راجپوتوں کے قدم جو بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے آتے تھے بالکل رُک گئے۔ مگر آخر کار راجپوتی کھانڈوں نے اصفہانی تلواروں کی بھاریں کند کرنی شروع کردیں۔ موت کا بازار گرم تھا۔ اور طرفین کے بہادروں کا خون پانی کی طرح نہایت بے وقری کے ساتھ زمین پر بہ رہا تھا۔ بڑے بڑے خوبصورت نوجوان جو الدین کے لاڈلے بیٹے خوشرو اور بانکے سپاہی جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے اپنے اپنے آقا کے جھنڈے تلے نثار ہو رہے تھے۔ گھوڑوں کی پیٹھوں سے زخمی ہوکر گرنے والوں کو اٹھانا تو درکنار کوئی اتنا بھی نہ دیکھتا تھا۔ کہ ابھی ان میں کچھ رمق باقی ہے یا بالکل ہی بیجان ہوکر گرے ہیں۔ تیز رو گھوڑوں کے سُم اُن کے سروں کو کچلتے اور چھاتی کی ہڈیاں توڑتے ہوئے اس دنیا سے رخصت کردیتے۔ آفتاب بڑی تیزی سے چمک رہا تھا۔ اور اسکی روشن کرنیں خون کے اُن گڑھوں میں چمک پیدا کر رہی تھیں۔ جو کہ رزمگاہ کے اکثر نشیب مقاموں میں جمع ہوچکا تھا۔ جوہردار تلواریں جو نیاموں سے نکلتے ہی خون سے نہا گئی تھیں دھوپ کے پرتو سے لعل بدخشاں کی طرح جھلک رہی تھیں۔ میدان جنگ کا یہ نظارہ نہایت خوفناک نظارہ تھا۔ مگر بہادروں کے دل اس سے زیادہ دلیر ہوتے جاتے تھے۔

آخر کار بہادر راجپوتوں کی تلواروں اور قلعہ پر سے لپک لپک کر آنے والے گولوں نے کچھ اس طرح شاہی لشکر میں ہل چل ڈالدی۔ کہ باوجودیکہ اکبر نے لڑائی کا رنگ بدلتا ہوا دیکھ کر فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اور گھوڑے پر سوار ہوکر ایک سپاہی کی طرح جوانمردی کی داد دیتا ہوا فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ پھر بھی اُس کے قدم قائم نرہ سکے۔

اکبر کے دل بڑھانے والے حملے اور پرجوش تقریریں جو فوجی سپاہیوں کو اُبھار اُبھار

کر قلعہ کی طرف بڑھنے کی ترغیب دے رہی تھیں۔ کچھ بھی کام نہ دے سکیں۔ راجپوتوں کی تلوار نے اس غضب کی آگ برسائی۔ کہ لشکر شاہی کے چھکے چھوٹ گئے سب سے پہلے سید جمال الدین کے دستہ نے پیٹھ دکھائی۔ اور گو خان زمان اپنی سپاہ لئے عین وقت پر امداد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ لیکن اکھڑے ہُوئے پاؤں جمنے مشکل! لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا۔ راجپوت عساکر سلطانی کو دور تک پیچھے ہٹاتے لے گئے۔ اور آخر کار نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اکبری سپاہ بھاگ کھڑی ہوئی اور میدان راجپوتوں کے ہاتھ رہا۔ راجپوتوں کے لئے یہ عمدہ موقعہ تھا۔ کہ وہ حریف کا تعاقب کرکے آج ہی سارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن نہ معلوم کیوں اور کس خیال سے ان کا تعاقب نہ کیا۔ اور خوشی کے نعرے لگاتے قلعہ کو پلٹ گئے ؛

تمام رات طرفین کے بہادروں کو بڑی بے چینی سے کٹی۔ اور آفتاب ابھی طلوع نہ ہونے پایا تھا کہ مسلمانوں کی سپاہ نے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ چونکہ دو دن کی متواتر ناکامیابیوں نے انکو غضب کا جری بنا دیا تھا۔ اِس لئے آج انہوں نے اپنی پوری طاقت اور دلیری سے کام لیا۔ لیکن شیر دل راجپوتوں کے آگے پھر بھی کچھ پیش نہ جا سکی۔ اور نہایت نقصان اُٹھا کر ناکامیاب واپس ہونا پڑا۔ اکبر نے بارہا آناً فاناً ایسے قلعے تسخیر کرائے تھے۔ مگر چتوڑ کی بابت اب اس کو یقین ہو چکا تھا۔ کہ گو آخر کار اُس کو فتح کرنے میں کامیابی ہو بھی رہے۔ تاہم راجپوتی تلواریں کچھ آسانی سے جھک جانے والی تلواریں نہیں ہیں ؛

محاصرہ کو تین ہفتے گذر گئے۔ مگر قلعہ والوں کے استقلال میں مطلق فرق نہ آیا۔ اکبر کا دل اِس محاصرہ سے اُکتا گیا۔ اور کچھ تعجب نہ تھا۔ کہ وہ دہلی کو پلٹ جاتا۔ اگر ہندوستان کی وہی پورانی پھوٹ جس نے اکبر کے دادا بابر کو رانا سانگا کے مقابلہ میں کامیاب کرایا تھا جس نے محمد غوری کو راے پتھوڑا (پرتھی راج) پر فتحیاب کیا تھا جس نے کورو اور پانڈو کے خاندان کو غارت کرایا تھا اس کی مددگار اور معاون نہ بنجاتی ؛

قلعہ چتوڑ میں ایک راجپوت سردار تھا۔ اس کی نگاہ جیمل کی چھوٹی لڑکی پر تھی اگرچہ وہ ذی حیثیت اور معزز شخص تھا۔ مگر جیمل نے اُس کے ساتھ اپنی لڑکی کا رشتہ کرنیسے مطلق انکار کر دیا تھا۔ یہ دیش گھاتک افسر راجہ کی اِس بدسلوکی کو برداشت نہ کرسکا۔ اسکے سینہ میں کینہ کی آگ روشن ہو گئی۔ اور اس بدبخت نے اپنے ذاتی عناد سے دشمن کے ساتھ ملکر جیمل کی تباہی اور قلعہ چتوڑ کی بربادی کا بیڑا اُٹھایا۔ اور اُس بات کا کچھ خیال نہ کیا۔ کہ ایسی

نالائق اور مذموم حرکت کے بدلے میری قوم ہمیشہ مجھ پر لعنت بھیجا کریگی ؛

اِس ویش گھاتک نے اکبر کو قلعہ کے تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ اور کہا " قلعہ میں اِس قدر سامان موجود ہے۔ کہ اگر وہ دو سال تک بھی محصور ہو کر مقابلہ کریں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر میری تجویز پر عمل کیا جائے۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ گھر کا بھیدی کس طرح لنکا کو تباہ کر سکتا ہے۔ وہ تجویز یہ ہے۔ کہ ساباط کی آڑ میں سرنگیں لگا کر فصیل قلعہ کو اڑا دیا جائے۔ اکبر ایسے آدمیوں سے فائدہ اُٹھانا خوب جانتا تھا۔ راجپوت کی پیش کردہ تجویز پر غور کیا گیا۔ تو افسروں نے اُس کی تائید کی۔ اور اکبر نے بھی اُس کو پسند کر کے سرنگیں تیار کرنیکا حکم دیا ؛

حسب قول فرشتہ۔ پانچہزار نجار سنگتراش۔ لوہار نقاب جن میں مزدور اور بیلدار بھی شامل تھے۔ ساباط تیار کر کے دو سرنگیں قلعہ کے سامنے والے برجوں تک پہنچانے کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کرنے لگے ؛

اِس واقعہ کے چند دن بعد جمیل فصیل قلعہ پر کھڑا لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً دھماکے کی آواز آئی۔ پلٹ کر دیکھا۔ تو قلعہ کی دیوار کا ایک حصہ مع ان راجپوت سپاہیوں کے جو اُس کی حفاظت پر معین تھے بالکل اڑ چکا تھا۔ اس واقعہ نے راجپوتوں کے دل دہلا دیئے لیکن ابھی ان کی حیرت کم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ اُسی قسم کی ایک اور آواز نے اُٹھ کر آسمان دُھواں دھار کر دیا۔ غبار ہلکا ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ فصیل کا ایک اور حصہ شکست ہو چکا ہے ؛

یہ آوازیں ان دونوں سرنگوں کے اُڑنے کی تھیں۔ جو ویش گھاتک راجپوت کے مشورہ سے ساباط کے ذریعہ بنائی گئی تھیں ؛

اس دفعتاً آپڑنے والی مصیبت نے اہل قلعہ کے دل کسی قدر پریشان کر دیئے۔ لیکن انہوں نے بہت جلد اپنے تئیں سنبھالا۔ اور چاروں طرف سے گھونگٹ کھا کر ادھر جھک پڑے چونکہ یہ یقینی امر تھا۔ کہ اب مسلمان قلعہ میں داخل ہونے کے لئے اپنی پوری ہمت اور ساری کوشش سے کام لیں گے۔ اِس لئے راجپوتوں نے بھی اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے لئے کمریں کس لیں۔ اور اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن تمام سامانوں کی تصویر پھر گئی۔ جن کے

سلہ ساباط اس دیوار سے مراد ہے۔ جو ایک تیر کی زد پر قلعہ سے تیار کیجاتی ہے۔ اور تختوں اور ٹوکروں کی پناہ میں جو چمڑے سے منڈھے ہوتے ہیں۔ قلعہ کی دیوار تک پہنچاتے ہیں۔ اور آتشباز اور نقب لگانیوالے ان دیواروں کے کوچہ وسیع سے بفراغ خاطر قلعہ کے نیچے آکر نقب کھودنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور بارود بھر کر اُڑاتے ہیں۔ جس سے دیوار میں شکست ہو جانے سے قلعہ میں گھس جانے کا رستہ ملجاتا ہے ؛ (تواریخ فرشتہ)

ذکر اپنے بزرگوں کے کارناموں میں وہ اکثر سُنا کرتے تھے۔ یہ موقعہ دست بدست لڑائی تھا۔ لہذا سب کے ہاتھ تلواروں کے قبضوں پر جا پڑے۔ ڈاڑھیاں دانتوں میں دبالی گئیں اور اب اس بات کے منتظر تھے۔ کہ ادہر مسلمانوں نے دروازوں سے سر نکالے ادہر انہوں ان کو تکا بوٹی کر ڈالا؛

کچھ دیر سناٹے کا عالم رہا۔ اور راجپوت جانبار قلعہ میں داخل ہونے والوں کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن وہ سخت متعجب ہوئے جب انہوں نے دیکھا۔ کہ مسلمانوں کی طرف سے قلعہ میں داخل ہونے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی گئی؛

تجویز یہ تھی۔ کہ دونوں سرنگیں یکدم اُڑائی جائیں۔ اور دیوار قلعہ میں دراز ہونے پر دو ہزار مسلمان سپاہیوں کے دونوں دستے جو سرنگوں کے دائیں بائیں گھات میں لگے ہوں۔ فوراً قلعہ میں گھس جائیں۔ دونوں سرنگوں کو آگ دی گئی۔ لیکن یہ ایک ساتھ نہ اڑیں۔ صرف ایک سرنگ کے اُڑنے سے مسلمانوں کی سپاہ کے دونوں دستے قلعہ میں داخل ہونے کی امنگ میں بھرے ہوئے قلعہ کی فصیل تک جا پہنچے۔ اتنے میں دوسری سرنگ اڑی۔ اور اپنے ساتھ مسلمانوں کے اِس دستہ کو بھی اُڑاتی لے گئی۔ جو سب سے پہلے قلعہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا؛

یہ خوفناک منظر بیان سے باہر تھا جب قول فرشتہ اکبری سپاہ کے پندرہ نامی افسر مثلاً سید جمال الدین و مردان قلی شاہ وغیرہ معہ پانچسو دیگر چیدہ چیدہ مسلمان سپاہیوں کے جنہوں نے بہت سی مہموں میں بڑے بڑے نمایاں کام کئے تھے اِس حادثہ کی نذر ہوئے۔ اتنے جان نثاروں کی لایعنی موت پر اکبر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ تمام جمعیت یکجا ہو کر قلعہ پر حملہ کرے۔ مسلمان افسر "یا علی" "یا علی" کے نعرے لگاتے اپنے سپاہیوں کے دل بڑھاتے آگے بڑھے۔ ادہر سے بھی راجپوتوں کی جے جے کار نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور جوش میں بھرے ہوئے ہاتھ دشمنوں کی صورتیں بگاڑنے لگے۔ ہر چند مسلمانوں کی طرف سے بڑی ہی سخت کوشش ہو رہی تھی مگر دلاور راجپوتوں کے مقابلہ میں جو بجائے اینٹوں اور پتھروں کے اب زندہ انسانوں کی دیوار بنائے ہوئے اس عظیم الشان فوجی سیلاب کو روکنے کے لئے کھڑے تھے کچھ پیش نہ گئی۔ سائیندا اس سلمرا اس موقعہ پر ایسا لڑا۔ کہ جب تک دنیا آدمیوں سے آباد ہے۔ اُس کی یادگار برابر قائم رہیگی۔ مگر آخر کار کام آیا۔ اور اسکی قربانگاہ

اس پہاڑ کی چوٹی پر قائم ہے۔ جو کہ اِس کے خون سے تر ہُوا تھا*

اس میں شک نہیں۔ کہ آج کی لڑائی میں قلعہ کی طرف سے بھی خاص خاص نامی افسر مارے گئے تھے۔ اور راجپوتی ہمت کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن پھر بھی مسلمان قلعہ میں داخل نہ ہو سکے*

شام سر پر آپہنچی۔ لہذا لڑائی بند کر دیگئی۔ اور دونوں طرف کے جانباز چار پہر کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ راجپوتوں نے اِس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اور ٹوٹی ہوئی فصیل کی مرمت کر کے راتوں رات اُسکو نئے سرے سے مستحکم کر دیا*

دوسرے دن ابھی آفتاب طلوع نہ ہُوا تھا۔ کہ ایک خوبصورت اور حسین جوگن قلعہ سے نکلتی ہوئی دکھائی دی۔ جس کے نازک نازک بدن پر پہنے ہُوئے شنگرفی کپڑے۔ گلے میں لمبے لمبے اور سیاہ بالوں کی لٹکی ہوئی لٹیں اُس کی منور پیشانی پر ملی ہوئی بھبھوت اور کاندھے پر رکھی ہوئی چھوٹی سی ستار کچھ ایسے سامان تھے۔ جنہوں نے اس کی فطرتی خوبصورتی میں ایک خاص چمک پیدا کر دی تھی*

قلعہ سے نکل کر یہ جوگن شاہی کیمپ میں آئی۔ اور اِس بات کی خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ بادشاہ کو گانا سنانا چاہتی ہے۔ حسین جوگن کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ اور وہ فوراً ہی اکبر کے سامنے پُہنچادی گئی۔ اکبر تاڑ تو گیا۔ کہ یہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور حکم دیا کہ وہ اپنا گانا شروع کرے*

جوگن نے اپنی ستار اُٹھا کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ اول ایک دو گتیں بجائیں۔ اور پھر ایک راگنی جو موقعہ اور وقت کے مناسب تھی۔ بڑے مزے سے آلاپنی شروع کر دی اول تو صبح کا سہانا وقت دوسرے خوش گلو جوگن کی رسیلی آواز اکبر کے ساتھ تمام حاضرین کے دل پہلوؤں سے نکل گئے۔ اُس کی لے میں ڈوبی ہوئی تانوں میں کچھ ایسا جادو کا اثر بھرا ہوا تھا کہ تمام دربار میں سناٹے کا عالم ہو گیا۔ اور حاضرین میں سے کوئی آدمی بھی ایسا نہ تھا جس کو اپنے آپ کی کچھ سدھ رہی ہو۔ خصوصاً اکبر کو تو کچھ ایسا بیخود کر کے چھوڑا۔ کہ اُسکو اپنے تن بدن کی بھی کچھ ہوش باقی نہ رہی*

جوگن جو اسی موقعہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ پہلو سے ایک چھوٹا سا خنجر نکالا اور چاہتی تھی کہ اکبر کی آنکھ بچا کر اسکے جگر کے پار کر دے۔ کہ اکبر نے دیکھ لیا۔ اور جھٹ اُس کی

کلائی پکڑ لی ؛

جوگن نے نہایت اطمینان کے لہجہ میں کہا۔ "اب مجھے اپنا آپ چھپانے کی کچھ ضرورت نہیں میں راجہ جیمل کی رانی ہوں۔ اور محض تیرے قتل کے لیئے یہ سوانگ بھرا تھا۔ لیکن افسوس مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اب تیرا اختیار ہے جس طرح چاہے۔ اپنا بدلہ لے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ بلکہ تو یہ بھی دیکھ لیگا۔ کہ بہادر راجپوتوں کی عورتیں بھی کس قدر خندہ پیشانی سے موت کو قبول کرتی ہیں"۔ اکبر عورت کی اس جرات پر حیران رہگیا۔ اور کہنے لگا۔ تیری جان بخشی کرتا ہوں۔ تو اپنے شوہر کے پاس جا۔ اور اسے سمجھا۔ کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز رانی نے مسکراکر جواب دیا۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ کہ تو رحم کرنے والا انسان نہیں ہے۔ لیکن یقین رکھ کہ تیری وہ اُمید جس پر تو نے میری جان بخشی کی ہے قیامت تک بھی پوری نہ ہو میرا شوہر تیری اس اخلاقی مروت سے تیرا مشکور ضرور ہوگا۔ لیکن جس خیال نے تجھے اس مروت پر آمادہ کیا ہے۔ اُس کی مطلق امید نہ رکھ"؛

اکبر نے اس کی گفت گو کا جواب نہ دیا۔ اور ایک فوجی افسر کو حکم دیا۔ کہ وہ اُسے عزت کے ساتھ چتوڑ میں پہونچا دے ؛

راما بائی کے ناکامیاب واپس آنے کے دوسرے دن اکبر نے جو کہ خاص مورچہ بادشاہی کا ملاحظہ کر رہا تھا۔ عشا کی نماز کے بعد مشعل کی روشنی میں جیمل کو فصیل قلعہ پر ایسی جگہ دیکھا۔ جو اس سے بہت ہی قریب تھی۔ اس نے فوراً بندوق اُٹھائی۔ اور داغ دی۔ جیمل کی قسمت پلٹا کھا چکی تھی۔ گولی سردار قلعہ کی پیشانی پر بیٹھی!!!

زخم کاری تھا۔ بہادر جیمل نے بچے کھچے راجپوتوں کو طلب کیا۔ اور قومی آن اور اپنی بات پر مر مٹنے کی ہدایت کرتے ہوئے نہایت شانتی سے جان دیدی ؛

جیمل کی موت اہل قلعہ کے شیشہ ہمت اور جرارت کے لئے کوئی کم صدمہ نہ تھا۔ ان کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ دلوں سے آہیں نکل رہی تھیں۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہ رہے تھے۔ ان کا بہادر افسر انکی قوم کا نہایت خوبصورت پھول اور بیش قیمت موتی ان کے ہاتھوں سے چھینا جا چکا تھا۔ در و دیوار سے حسرت برس رہی تھی اور افسر سے لے کر سپاہی تک کے چہروں سے دلی پریشانی اور نا قابل برداشت رنج کے آثار نمایاں تھے۔ راجپوت اب زندگی سے بالکل سیر ہو چکے تھے۔ اور اُنکی آنکھوں کے

اس بہادرانہ موت کی تصویر پھر رہی تھی۔ جوکہ اکثر موقعوں پر اُن کے بزرگوں کو نصیب ہو چکی تھی۔ اور جن کا ذکر سُنکر ان کا خون جوش مارجایا کرتا تھا؛

دفعتًا پانچسو راجپوت کیسری بانے کئے منہ میں تلسی کی پتیاں دبائے رانا بائی کے سامنے آئے۔ بہادر رانی نے اُنکو دیکھتے ہی اُن کا ارادہ معلوم کرلیا۔ اور حکم دیا۔ کہ گھوڑا تیار کیا جائے گھوڑا حاضر ہوا۔ اور خود بھی اسلاح حرب سے آراستہ ہو سوار ہوگئی؛

راجپوتوں نے جے جے کار کے نعرے بلند کئے۔ اور اپنی بیوہ رانی کی زیر کمان قلعہ کا پھاٹک کھول کر باہر نکلے۔ یہ نظارہ نہایت خوفناک نظارہ تھا۔ ان جانہاروں نے آتے ہی عالم بے خودی میں کچھ اس طرح تلواریں مارنی شروع کیں کہ اگر مسلمان انکو قلعہ سے نکلتے دیکھ کر ذرا ہی ہوشیار نہ ہوگئے ہوتے۔ تو ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا۔ رانا بائی کے جوش کی کچھ انتہا نہ تھی۔ تلوار ہاتھ میں لئے شوہر کا بدلہ لینے کے جوش میں دیوانہ وار حملے کررہی تھی اس کی تلوار بجلی کی طرح چمکتی ہوئی اٹھتی۔ اور ساتھ ہی کسی نہ کسی مسلمان دلاور کے گلے پر بیٹھ کر اس کا کام تمام کردیتی؛

اِس کا رخ شاہی خیمے کی طرف تھا۔ اور اس کا ارادہ تھا کہ جس طرح ہو اکبر کے خیمے تک پہنچ جائے۔ اور اپنی تلوار جوہردار سے مغل بادشاہ کا خاتمہ کردے۔ لیکن یہ کام کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ پھر بھی شیر دل راجپوتنی کی بڑھی ہوئی ہمتوں نے اُسکو ایسا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ کہ وہ مصمّم ارادہ کرچکی تھی۔ کہ جس طرح ہو آج یا تو اکبر کا فیصلہ کردے یا خود کسی مسلمان کی تلوار سے میدان جنگ میں ڈھیر ہو کر دکھلا دے۔ کہ راجپوت عورتیں کس طرح اپنی ہٹ پر ثابت قدم رہتی ہیں۔ اور کیسی ہمت سے دشمن کا مقابلہ کرتی ہوئی اپنی جان قربان کردیتی ہیں؛

راجپوت جانہاروں کے اس جوش کو دیکھ کر شاہی لشکر بھی اِدھر اُدھر سے جھرمٹ مار کر ان کے مقابل آ ڈٹا۔ اور راجپوت اور مسلمان بہادروں کی تلواریں بڑی سرعت سے انسانی ہستی کا خاتمہ کرنے لگیں تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور خون کی ندیاں بہ گئیں پھر مسلمانوں کی طرف سے بڑی ہی کوشش سے کام لیا گیا تھا۔ اور رانا بائی کے ساتھی ایک ایک کر کے کاٹ دیئے گئے تھے۔ مگر آخر کار یہ کاٹتی چھانٹتی شاہی خیمہ تک جا ہی پہنچی۔ یہاں پہنچکر اس کا چہرہ مارے خوشی کے دمک اُٹھا۔ وہ گھوڑے سے کود کر خیمے میں داخل ہوئی۔ لیکن اُسے

سخت افسوس ہُوا جب اُس نے دیکھا۔ کہ اکبر اس میں موجود نہیں ہے!!! راما بائی کے ساتھی
کے سب قتل ہو چکے تھے۔ اور خود بھی زخموں سے چور چور ہو رہی تھی۔ اکبر کے نہ ملنے سے اِس کا د
ٹوٹ گیا بے ہوش ہو کر گر پڑی!!! سپاہیوں نے اُسکو گرفتار کر لیا۔ اور وہ اکبر کے سامنے لا
گئی۔ وہ خون میں نہائی ہوئی تھی۔ اِس کا تمام جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ اکبر نے اسکی طرف
نہایت تعجب کی نگاہوں سے دیکھا۔ اُس کی شجاعت اور دلیری پر دنگ رہ گیا۔ اور کہا رانی
سُن! میں تیری اِس شجاعت کا مداح ہوں۔ اور تیری حب الوطنی کی تعریف کرتا ہوں۔ مگر
خونریزی تمہاری ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اگر اس وقت بھی میری بعض تجویزیں مان لیجائیں۔ تو
چتوڑ کو معاف کرنے کو تیار ہوں۔ راما بائی نے اپنی معمولی جراءت اور بہادری سے جواب دیا
مجھ سے پوچھا جائے۔ تو میں چتوڑ کے راجپوتوں کو کبھی صلح کی رائے نہ دونگی۔ میرے نزدیک
ان کا ایک ایک کر کے کٹ جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ مسلمان بادشاہ ک
اطاعت کی بے عزتی کو گوارا کیا جائے۔ میں نے دو مرتبہ تیری جان لینے کی کوشش کی لیکن
تیرا ستارہ غالب ہے۔ میں اپنی کوشش میں ناکامیاب رہی۔ اکبر نے نہایت سنجیدگی سے
کہا۔ میری شرطیں ایسی نہیں ہیں۔ جن سے تمہاری عزت میں کچھ فرق آسکے"۔ راما بائی
جواب دیا۔ میں اپنے شوہر کے قاتل سے ہرگز صلح نہیں کرسکتی۔ راما بائی زندگی بھر تجھ سے مقا
کرے گی۔ اور جب تک اس کے دم میں دم ہے۔ اپنی کوششوں میں مطلق کوتاہی نہ کرے
اکبر نے کہا! رانی سخت افسوس ہے۔ کہ تو نے ان تجویزوں کے سننے سے بھی انکار کر دیا۔ جو کہ
پیش کرنے والا تھا۔ لیکن کیا تمکو یقین ہے۔ کہ اکبر چتوڑ کو فتح کئے بغیر واپس چلا جائے
راما بائی کی پیشانی پر شکن پڑ گئے۔ اور کہنے لگی۔ مجھے خود یقین ہے۔ کہ چتوڑ ضرور فتح ہو جا
مگر لطف تو جب تھا۔ کہ تیری سپاہ اور چتوڑ کے راجپوتوں کی تعداد مساوی ہوتی تیس چال
ہزار سپاہ کے ساتھ اگر تو آٹھ ہزار راجپوتوں پر فتحیاب بھی ہو گیا۔ تو کونسی بہادری کی
فخر تیرے ہی شایاں ہوگا۔ یقین رکھ۔ کہ راجپوت مرتے دم تک اپنے عہد پر قائم رہیں
تو ضرور کامیاب ہوگا۔ لیکن اس وقت تک قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایک
ایک سپاہی تلوار کے گھاٹ نہ اتار دیا جائے ؟

اِس روکھے پھیکے جواب نے اکبر کو سخت رنجیدہ کر دیا۔ مگر اُس نے کسی سخت حکم صا
کرنے کی بجائے حکم دیا۔ کہ چند سپاہیوں کی حفاظت میں راما بائی کو قلعہ میں پہنچا دیا جائے

اکبر کے اس سلوک سے آپ حیران ہونگے۔ لیکن یہ بھی اُس کی ایک پالیسی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ کہ ایک عورت کے قتل سے دشمن کی طاقت کچھ بھی کم نہیں ہوسکتی۔ بہتر ہے۔ کہ اس کو ممنون احسان بناکر واپس کردیا جائے۔ شاید یہ حکمت عملی راما بائی اور نیز اہل قلعہ کے دلوں پر کچھ نیک اثر پیدا کرکے ان کو صلح پر آمادہ کردے ؀

راما بائی نے اکبر کے اس سلوک کا کچھ بھی شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ نہایت مغرورانہ طریقہ سے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تو چاہتا ہے۔ کہ اپنا احسان جتا کر راما بائی کے دل کو تسخیر کرے۔ لیکن یہ ناممکن امر ہے۔ وہ مرتے دم تک تیری دشمنی کا دم بھرتی رہیگی۔ اور قیامت تک بھی اپنے شوہر کے قاتل سے صلح کی خواستگار نہ ہوگی ؀

راما بائی قلعہ میں واپس آئی۔ تو زخموں سے سخت نڈھال تھی۔ لیکن دو چار یوم کے بعد یونہی اُس کو ذرا افاقہ ہوا۔ اور چلنے پھرنے کے قابل ہوئی۔ تو اُس نے باقیماندہ راجپوتوں کو طلب کیا۔ اور ان سے یوں مخاطب ہوئی ؀

"میرے بہادر راجپوتو۔ قلعہ چتوڑ کے سچے سرفروشو! اس میں شک نہیں۔ کہ تم اور ان راجپوتوں نے جن کی روحیں اب بہشت میں آرام کررہی ہیں۔ قلعہ چتوڑ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن تقدیر کے زبردست ہاتھوں سے ہماری ساری کوششیں خاک میں ملادی گئی ہیں۔ اب چتوڑ کسی صورت میں بھی دشمن کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہماری قسمت نے ہمکو ہار دیدی ہے۔ اب سوائے اس کے کہ ہم راجپوتوں کی آخری تجویز پر عمل کریں۔ کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔ وہ آخری تجویز کیا ہے۔ مجھے اس کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اسکو اچھی طرح سے جانتے ہو" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔ ہاں ہاں! ہم سب جانتے ہیں۔ جوہر! جوہر! عورتیں چتا میں بیٹھکر اپنی پاکدامنی اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیں۔ اور مرد تلواریں گھسیٹ دشمن پر جا پڑیں ؀

اب راما بائی نے اپنا مُنہ عورتوں کی طرف پھیرا۔ لیکن اُدھر سے بھی آواز آئی۔ ہاں! ہاں! ہمارے لئے بھی اب وہ وقت آن پہنچا ہے۔ کہ ہم چتا کی جلتی ہوئی آگ۔ اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بیٹھکر دکھلادیں۔ کہ راجپوت عورتیں ایسے موقعہ پر کس استقلال سے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہوجاتی ہیں۔ اکبر اگر قلعہ میں داخل ہوکر ہمارا کچھ نشان پائیگا تو وہ صرف راکھ کا ڈھیر ہوگا؀

چونکہ اب راجپوتوں کی امیدوں نے بالکل ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا - اور انہیں اپنی کا
کی ذرا بھی اُمید نہ رہی تھی - اِس لئے یہ قرار پاگیا - کہ کل صبح اپنی قسمتوں کا آخری فیصلہ کر دیا
آفتاب مصیبت کا ستارہ بنکر چتوڑ کی سرزمین پر ایک دفعہ پھر چمکا - جس کے ساتھ
قلعہ کے باقیماندہ عورت و مرد تمام صحن قلعہ میں جمع ہوئے - اس وقت کا سین ایک
سین تھا - چاروں طرف اُداسی چھائی ہوئی تھی - دل غم سے پانی پانی ہو رہے تھے - لیکن
نہ تو کسی آنکھ سے آنسو نکلتا تھا - نہ کسی منہ سے بات ہو سکتی تھی - البتہ اِن کے چہروں
ظاہر ہوتا تھا - کہ ہر شخص ایک دوسرے کو غیرت دلاتا - اور سمجھاتا ہے - کہ آزادی اور قو
آن کتنی بڑی ضروری چیزیں ہیں ؛

رانا بانی نے چتا تیار کرنے کا اشارہ کیا - اور یہ فوراً ہی تیار کر دی گئی ! اب سب سامان
چکے تھے - مگر ابھی اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا - کہ آج کی آخری کھیل کھیلنے والے راجپوتو
افسر کون بنے - تمام افسر جو سپہ سالاری کے عہدہ پر مقرر کئے جا سکتے تھے - یکے بعد دیگرے
قتل ہو چکے تھے - صرف ایک کیلوا کے سردار کا لڑکا جس کا نام فتا تھا - باقی تھا - اسکی عم
وقت صرف ۱۶ سال کی تھی - اِس کا باپ لڑائی میں فوت ہو چکا تھا - ماں قلعہ میں موجو
تھی - اُس نے فوراً اپنے بیٹے کو سامنے بلایا - اور کہنے لگی - بیٹا ! اب تم بھی زعفرانی لبا
پہنو - اور چتوڑ کی حفاظت کے لئے اپنی جان دو - میں بڑی خوشی سے تم کو رزمگاہ میں جا
کی اجازت دیتی ہوں - نہیں ! بلکہ اس کی ہدایت کرتی ہوں - تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ
چھترانی نے محبت کے جنجال میں پڑ کر اپنے اکلوتے بیٹے کو میدان جنگ میں جانے سے رو
میں تم کو خوشی سے رخصت کرتی ہوں اور تاکید کرتی ہوں - کہ کہیں اپنی کمزوری اور بزد
مجھ کو شرمندہ نہ کرنا - بیٹا ! اپنے باپ دادا کی عزت کی طرف دیکھنا - چھتری دھرم کی لاج
اور دھرم کے لئے اپنی قربانی دینا - ورنہ یاد رکھنا کہ دوسری صورت میں میں کبھی تمکو معا
نہ کروں گی ؛

ماتا کا یہ حکم سنکر نوجوان لڑکے نے نہایت کشادہ پیشانی سے جواب دیا - ماتا اطمینا
تیرا بیٹا میدان جنگ میں وہی کام کریگا - جو ایک راجپوت کے شایاں ہے - اسے بچہ سمجھ
ہراساں نہ ہو - اِس نے ایک چھترانی کا دودھ پیا ہے - اور ایک بہادر ماں کی گود میں پرور
پائی ہے - وہ بڑی خوشی سے اپنا خون ملک اور قوم پر نثار کریگا - اس کی عزیز جان ہنسی

میدان جنگ کی نذر ہوگی۔ جہاں تک اِس کے بازو کام دیں گے۔ وہ دشمن کا خون بہانے میں کوشش کریگا۔ دشمن کی تلوار کے آگے وہ اپنے سینہ کو سپر کریگا۔ غرضیکہ جہاں تک اس کے امکان میں ہوگا۔ وہ سب کچھ کریگا۔ لیکن اس کا قدم پیچھے نہ ہٹے گا۔ اور وہ بے عزتی کے ساتھ میدانِ جنگ سے واپس آنا کسی صورت میں بھی پسند نہ کریگا" ماں نے اپنے جگر گوشہ کی اِس دلیرانہ گفتگو کو نہایت شوق سے سُنا۔ اور اُس کی پیشانی چوم کر الوداع کہا ؛

آہ! اے بھارت!! بدنصیب بھارت!! کیا واقعی کبھی تجھ میں ایسی ایسی پر حوصلہ مائیں بھی موجود تھیں!!!

شیردل راجپوتنی کی شجاعت یہاں تک ہی ختم نہیں ہوگئی۔ بلکہ بخیال اِس کے کہ اس کا بیٹا اپنی عورت کی محبت سے جس کے ساتھ اُس کی شادی ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے۔ مغلوب ہوکر کہیں اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر نہ رہجائے اُس نے دُلہن کو برچھی ہاتھ میں دیکر اپنے ساتھ لیا۔ خود بھی تلوار گھسیٹ لی۔ اور فصیل قلعہ سے نیچے اتر کر اہل قلعہ کے دیکھتے دیکھتے دشمن کے لشکر میں کود پڑی۔ اور کٹ کر مر گئی ؛

عورتوں کی اِس ہمت مردانہ نے جس پر ہزار ہزار جوانمردوں کو بھی صدقہ کر ڈالئے۔ تو بھی تھوڑا ہے۔ حاضرین کے دل پانی پانی کردیئے۔ عورتوں نے بڑے استقلال کے ساتھ اپنے پیارے شوہروں کو الوداع کہا۔ بہنوں نے اپنے ہاتھوں سے عزیز بھائیوں کی کمروں میں تلواریں باندھیں ماتاؤں نے نہایت ہی کشادہ پیشانی سے اپنے فرزندوں کو قربان گاہ میں جانے کی اجازت دی اور معصوم بچوں نے جنکا مسکرانا اس وقت والدین کے دلوں پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ نہایت حسرت بھری نگاہوں سے اِس ہجوم کی غیر معمولی حرکات کو دیکھا ؛

ایک دوسرے سے اِس طرح رخصت ہونے کے بعد سب سے پہلے بہادر رانا بائی اپنی دونوں نوجوان لڑکیوں کے ہاتھ پکڑے ہُوئے چتا پر چڑھتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے بعد قلعہ کی باقی عورتوں نے بھی اُس کی پیروی کی۔ اور ایک ایک کرکے تمام چتا پر جا بیٹھیں۔ لکڑیوں کو آگ دیدی گئی۔ اور چاروں طرف سے بھڑک بھڑک کر بلند ہونے والے شعلوں نے ان سب کو اپنے پردہ میں چھپا لیا ؛

مردوں نے نہایت ہی اطمینان کے ساتھ کھڑے ہوکر اس قیامت خیز منظر کو دیکھا۔ لیکن جس طرح چتا میں بیٹھ کر جلنے والی دیویوں کا استقلال انہیں زبان سے اُف تک بھی

نکالنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اُسی طرح اُنہوں نے بھی پرلے درجہ کے سکوت اور خاموشی
کام لیا ؛

اِدھر سے فراغت پاکر سب نے کیسری کپڑے پہنے۔ سر پر سُرخ پگڑیاں باندھیں
منہ میں تلسی کی پتیاں دبا کر قلعہ کی فصیل کی طرف بڑھے۔ مشرقی پھاٹک کھول دیا گیا۔ اور
"جے دیو بجے دیو" کے نعرے بلند کرتے قلعہ سے نکلے۔ تلواریں کھینچ لی گئیں۔ اور نیاموں کو
کر پھینک دیا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اب یہ لوگ قلعہ میں واپس جانے کی نیت سے نہیں
آئے۔ نہ ان کی تلواریں اب کبھی میانوں میں ہوں گی ؛

ان گنتی کے راجپوتوں نے نکلتے ہی حملہ کیا۔ اور اس طرح بے جگر ہو کر گرے۔ کہ کچھ د
لیئے میدانِ جنگ کا منظر ایک ہیبت ناک منظر بن گیا۔ راجپوتوں کی تعداد دم بدم گھٹتی
جاتی تھی۔ لیکن ان کا جوش ہرگز کم نہ ہوتا تھا۔ وہ اُسی جوش و خروش کے ساتھ لڑائی میں مشغو
تھے۔ جس طرح کہ قلعے سے نکلے تھے۔ لیکن کب تک؟ کہاں اکبر کا ٹڈی دل لشکر اور کہاں
معدودے چند راجپوت! دیکھتے دیکھتے غنیم کی تلواروں نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ اور ا
ایک راجپوت اپنے وطن اور اپنے ملک کی آزادی کے لیئے جان نثار کرتا ہوا کھیت رہا!!!

لڑائی کا اس طرح پر خاتمہ ہونے سے جب چتوڑ کے ہوا خواہوں میں سے ایک بھی راجپ
باقی نہ رہا۔ تو فتحمند لشکر خوشی کے نعرے بلند کرتا قلعہ میں داخل ہوا۔ لیکن اُس وقت و
سوائے اس کے کہ جلتی ہوئی چتا سے کسیقدر دھواں اٹھ رہا تھا۔ یا جا بجا راجپوت شہیدو
کی نعشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا ؛

اس تباہی اور بربادی کے سین کو دیکھ کر بھی اکبر کا دل متاثر نہ ہوا۔ اُس نے تمام م
اور محل گرا دیئے۔ مورتیاں توڑ ڈالیں۔ اور چتوڑ کی بربادی اور اپنے فخرِ فتح کو مکمل کرنے
لیئے اُس نے قلعہ کی تمام یادگاروں اور خوبصورتی کو مٹی میں ملا دیا۔ نقارہ شاہی جس کا ق
دس فٹ تھا۔ اور بوقت آمد و رفت راجگان چتوڑ بجا کرتا تھا۔ اور اُس کی آواز کوسوں تک
رانا کی آمد و رفت کی خبر دیا کرتی تھی۔ اجمیر کی درگاہ پر بھیجدیا گیا۔ راجپوتوں کے مقدس مک
بڑی مائی کے شوالہ کے دروازے اور کواڑ اکبرآباد کے لئے اکھاڑ لئے گئے۔ اور باپا راول
تلوار جس سے اُس نے چتوڑ فتح کیا تھا۔ اور آج تک بطور تبرک اس خاندان کے قبضہ
چلی آتی تھی۔ وہ بھی اُس کے ہاتھ آئی ؛

بقول ٹاڈ صاحب اکبر نے اپنی فتح کی عظمت کا اندازہ مقتول راجپوتوں کے زناروں سے کیا ان زناروں کا وزن ۷۴½ من تھا۔ اور یہ من چار سیر کا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ آج تک بھی راجپوتانہ میں صرافوں کی چٹھیوں پر ۷۴½ لکھے جاتے ہیں۔ اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اسکو کھول کر نہ پڑھے۔ جو کھولیگا۔ اس پر شہیدانِ چتوڑ کا گناہ عاید ہوگا ؀

چتوڑ کی عمارتیں اب بالکل غیر آباد پڑی ہیں۔ وہ شہر جو مدت دراز سے سشودیہ خاندان کا دار السلطنت چلا آتا تھا۔ اور وہی قلعہ جو ایک مقدس مقام سمجھا جاتا تھا۔ اب غیر مقدس اور منحوس قرار پا چکا ہے۔ وہی چتوڑ جو کبھی بڑا مستحکم اور ناقابل شکست تھا۔ اب اتنا بھی نہیں رہا۔ کہ اپنے تئیں کچھ دیر کے لیئے بھی دشمن سے محفوظ رکھ سکے۔ وہی شہر شاہی جو ایک ہزار سال تک ہندوستان کے شہروں میں سب سے افضل خیال کیا جاتا تھا۔ اب وحشی جانوروں کی جائے پناہ ہے۔ جنگلی چارپائے اس کے شوالوں اور مندروں میں آرام کرتے ہیں۔ اور اُس کے شہزادوں کو اس میں قدم رکھنے کی کلی ممانعت ہے ؀

شاہی محل اور عالیشان عمارتیں جہاں کبھی پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ اب بالکل ویران پڑی ہیں۔ اور چاروں طرف چھایا ہوا سناٹا زمانہ کی سرد مہریوں اور اُس کی تلون مزاجیوں کا پتہ دے رہا ہے۔ بعض بعض جگہ مر مٹنے والے راجپوتوں کے جسموں کی بوسیدہ ہڈیاں جو بے رحم زمانہ کی ٹھوکروں سے ابھی تک معدوم نہیں ہوئیں۔ ادھر ادھر بکھری ہوئی زبان حال سے پکار پکار کر اس بات کا اظہار کر رہی ہیں۔ کہ ہم بھی کبھی اُن خوش قسمت وجودوں کا حصّہ تھیں جن کی روحیں اپنے دموں کے ساتھ اس جگہ کی رونق کو لئے ہوئے راہی ملک عدم ہو چکی ہیں ؀

قلعہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ شہر کی رونق اور اُس کی شان و شوکت خاک میں مل چکی ہے اور اس جگہ پر جہاں کبھی خوشنما پودے اور دل لبھانے والے پھولوں کی کیاریاں بہار دکھایا کرتی تھیں ببول اور سرکنڈوں کے درخت پھیل رہے ہیں۔ محل ویران پڑے ہیں اور وہاں سوائے کسی الو کی منحوس آواز یا کسی چمگادڑ کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کے کسی انسان کی آواز تک کانوں میں نہیں آتی۔ یہ سب کچھ ہے۔ اور گو زمانہ نے اپنے بے رحم ہاتھوں سے اُس کی شان و شوکت کے ساتھ ہی اس کے نام کو بھی مٹی میں ملانے کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن کیا ہوا۔ زمانہ اُس کی ظاہری حالت کو بدل سکتا ہے۔ شور دیواروں کو کمزور کر سکتا ہے۔

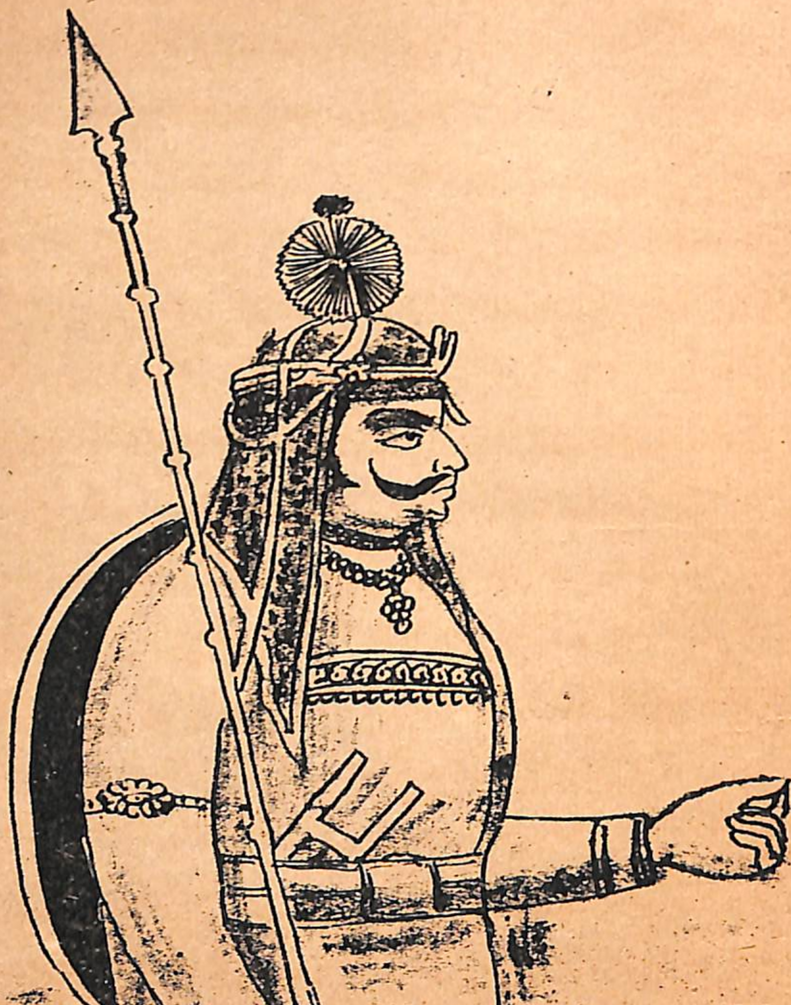
دیمک لکڑیوں کو کھا سکتی ہے۔ لیکن اُس کی اِس عالمگیر شہرت اور عزت کو جو آریہ ورت کے تمام قلعوں اور شہروں سے محض اسی ایک کے حصہ میں آئی ہے۔ زمانہ کی کوئی طاقت مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور بقول ٹاڈ صاحب جب تک راجپوتوں کے پاس کچھ بھی ورثہ اپنے باپ دادا کا چلا جائیگا۔ اور ان کی قدیم مہمات کی یادگار کچھ بھی قائم رہے گی تب تک چتوڑا ور اُس کی حفاظت میں مر مٹنے والے راجپوتوں اور اپنی دھن کے پکے اور قول کے سچے چھتریوں کے نام اُنکے صفحہ دل سے کبھی بھی محو نہ ہوں گے ؏

رانا پرتاب سنگھ

بس بہادر کی خداداد طاقت اور فطری شان وشوکت سے آریہ ورت کی سرزمین ایک مرتبہ تھرا اُٹھی۔ اور اکبر جیسا شہنشاہ اپنی سلطنت سے گھبرا گیا جس کی تلوار کا لوہا ہر ایک قوم نے دلی اعتقاد کے ساتھ تسلیم کیا۔ وہ بہادر پردہ زمین پر نظر نہیں آتا ہر چند اس کا حوصلہ کسی دشمن کے مقابلہ میں پست نہیں ہوا تھا۔ لیکن موت کے خونی پنجہ نے اسے عاجز کر دیا۔ اِس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سیدھا عدم کا رستہ اختیار کیا۔ اگرچہ اُس کا شجاعت بھرا جسم ہمارے پیش نظر نہیں۔ لیکن اُس کا پاک و پوتر نام تاریخ کے زریں صفحے پر چمکتا ہُوا نظر آتا ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں۔ کہ یہ مبارک نام قیامت تک نہ مٹے گا۔ اور اُس کی آب وتاب ہمیشہ یکساں رہے گی ؏

رانا پرتاپ کی زندگی راجپوتانہ شان وشوکت اور میواڑی صولت اور ہیبت کا ایک اعلےٰ نمونہ کہی جا سکتی ہے۔ یہ الوالعزم رانا نہ صرف اپنے زمانہ میں یکتائے روزگار تھا بلکہ راجپوتانہ کی مقدس سرزمین جو قدرت کی طرف سے جانبازیوں کا تھیٹر بنانے کے لئے انتخاب کر لی گئی ہے۔ پھر ہمیشہ کے لئے ترستی رہی۔ کہ کوئی اس کا غیور حاکم اُسکو نصیب ہو۔ جو پرتاب سنگھ کی طرح اپنی ذاتی قومی اور ملکی عزت کا سچا نگہبان ہو۔ جسے اپنی غربت میں بھی دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا رتی بھر بھی لحاظ نہ ہو۔ اور جو اپنی وطن کی ر[illegible]

شبیہ مہارانا رانا پرتاپ



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۱۱۰

گذری ہوئی آزادی دوبارہ حاصل کرلے ؛

کیسے بہادر تھے۔ اور کیسی ان کی اولوالعزمیاں تھیں۔لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اب اُن کی نظیر پردہ دنیا پر نظر نہیں آتی۔ اس گلشن مین کچھ اس طرح خزاں آئی۔ کہ اب بہار کا وہ نوخیز دلفریب نقشہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ راجپوتوں کی نسلیں اگرچہ انہیں بہادروں کی یادگار ہیں۔لیکن اُن میں اب نہ وہ جانبازی ہے نہ سرفروشی نہ وہ ہمت ہے۔ نہ وہ عزم بلکہ اس زندہ دل قوم پر انتہا کی مردہ دلی اور افسردگی چھائی ہوئی ہے۔ اور زمانہ نے اسے اور بھی زیادہ خاموش بنا دیا ہے۔ چونکہ ان دلچسپ پرجوش مضامین کے پڑھنے والے زیادہ تر وہی ہوں گے۔ جن کی رگوں میں راجپوتی خون آج تک گردش کرتا ہے۔ تو کیا اپنے ایسے ہمخیال ناظرین کو ساتھ لے کر میرا یہ نوحہ بیجا ہوگا۔ کہ اپنی گذشتہ آزادیوں کو یاد کر کر کے انہیں شریک فریاد بناؤں۔لیکن در اصل ایک بہادر کی شجاعت یہی نہیں۔ کہ وہ صرف میدان جنگ میں جاکر دشمن کی خونریزی کرے۔ بلکہ شجاع اور بہادر کے ہر ایک کام سے اور ہر ایک بات سے شجاعت اور بہادری ظاہر ہوتی ہے۔ مانا کہ تلوار جو ہماری سچی زینت تھی۔ اور فولاد جو صرف ہمارے ہی لئے زمین کی آغوش محبت چھوڑ کر باہر نکلتا تھا ہمارے قبضہ میں نہ رہی۔ لیکن وہ جوانمردی اور شجاعت جو فطرت کی طرف سے ہمیں عطا ہوتی ہے کسی طرح نہیں مٹ سکتی۔ ہاں اگر ہماری رگوں میں راجپوتی مقدس خون ہے۔ تو وہ ضرور جوش میں آئیگا۔ اور میدان رزم میں نہ سہی۔ اخلاقی میدان ہی میں ہم سے وہ کارنمایاں ہونگے۔ جو راجپوت جیسی زندہ قوم کے لئے نہ صرف شایاں بلکہ لازمی ہیں ؛

چونکہ انسان کا دل قدرتی طور پر عبرت پسند بنایا گیا ہے۔ اس لئے دوسروں کا حال آنکھ سے دیکھ کر یا کان سے سنکر وہ ضرور عبرت حاصل کرتا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے بھی اپنے اسلاف اور بزرگان پیشین کے شجاعت بھرے کارناموں سے واقفیت حاصل کرنا بھی ایک عبرت کا باعث ہوگا۔ کیا عجب ہے۔ اگر ہم غفلت کی نیند سے چونک پڑیں بیدار ہو کر آنکھیں کھولیں۔ اور اپنی گذشتہ اور موجودہ حالت کا موازنہ کریں۔ تو ہمارے ساتھ ہی غریب ہندوستان کا نصیب بھی جاگ اُٹھے ؛

مانا کہ اسلاف کی طرح ہمارے کارنامے شہرت کے آسمان پر روشن نہیں ہو سکتے لیکن کم از کم ہمارے چھپے ہوئے جوہروں کی نہ چھپنے والی چمک دمک اس قدر تو ضرور ہونی

چاہیئے۔ کہ جس سے ہم اسلاف کے اخلاف کہے جانے کے مستحق سمجھے جائیں ؏

رانا پرتاب سنگھ مشہور و معروف رانا اودے سنگھ کے پچیس فرزندوں میں سے
لخت جگر تھا۔ جو راؤ سونگرا کی حسین لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا۔ میواڑ کا یہ اولوالعزم شہ
جس وقت کنارِ مادر میں آیا۔ اگرچہ دارالریاست تباہ ہو چکا تھا۔ اور راج میواڑ کی اگلی س
عظمت اور شان و شوکت باقی نہ تھی۔ لیکن اُس کی فراخ درخشان پیشانی اور پر رعب چہ
بتا رہا تھا۔ کہ میواڑ کی گئی گذری ہوئی صولت و سطوت کو وہ دوبارہ واپس لیگا۔ قوم و و
کا وہ سچا خدمت گذار اور جان نثار ہوگا۔ اور اُس کے جاہ و دبدبہ کا نقارہ اپنی آواز بیرِ فلک
کے کان تک پہنچائیگا؏

بالائے سرش ز ہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

رانا پرتاب سنگھ کی طبیعت بچپن ہی سے شجاعت پسند اور رزم آرا واقع ہوئی تھ
اُس نے بہت آسانی کے ساتھ جنگی قوانین اور فن سپاہگری سے واقفیت حاصل کر لی ا
تھوڑی عمر میں وہ ایک نبرد آزما سپاہی بن کر اُس وقت کا منتظر تھا۔ کہ دشمن سے ان کی
رسانی اور آبروریزی کا قرار واد عوض لے۔ جیسے وہ ایامِ طفلی سے اس وقت تک برابر س
چلا آیا تھا۔ اور دل ہی دل میں اُس کا اضطراب پیچ و تاب کے ساتھ بڑھتا جاتا تھا؏

راج میواڑ کی گدی نشینی کا یہ عام قانون تھا۔ کہ بڑا بیٹا تاج و تخت کا مالک قرار د
اِس لئے رانا پرتاب جو اودے سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ راج میواڑ کا حقیقی وار
تھا۔ لیکن رانا اودے سنگھ جسے تمام مورخین نے پست ہمت اور کم حوصلہ تسلیم کیا
ان امور کے ساتھ ہی سُست رائے بھی تھا۔ چنانچہ جب چتوڑ کے محاصرے سے چار بر
بعد مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ تو اُس نے مرتے وقت وصیت کی کہ جگ مل چھوٹا بیٹا
کا جانشین ہو۔ رانا پرتاب سنگھ اس کے سوا کہ تاج و تخت کا سچا وارث تھا اپنی شجاع
بہادری حب قوم اور حب وطن کے لحاظ سے تمام راجپوتوں میں سردلعزیز تھا۔ اور و
کی دل سے وقعت کرتے تھے۔ سب سرداروں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی؏

پرتاب سنگھ کا ماموں جھلاراؤ والئے مونی گورا بھی موجود تھا یہ نامنصفانہ تج
سنکر نہایت غضبناک ہوا۔ اور اُس نے ایک معزز سردار کشن سنگھ کی طرف مخاط

ہوکر کہا۔ کہ کیا یہ بے انصافی روا ہے۔ کہ بڑے بیٹے کے ہوتے ہُوئے چھوٹا بیٹا گدی پر بیٹھے ؛ سردار مذکور نے پرتاب سنگھ کی گدی نشینی سے اتفاق ظاہر کیا۔ اور کہا۔ کہ میں اسکے ساتھ رہونگا ؛

لیکن جب یہ لوگ مرحوم رانا کی لاش جلانے مرگھٹ میں گئے۔ تو موقع غنیمت سمجھ کر جگمل تخت پر آ بیٹھا۔ اور بھاٹ نئے رانا کی تخت نشینی پر مبارک کے گیت آلاپنے لگے ؛

پرتاب سنگھ نے جب چھوٹے بھائی کی تخت نشینی کا حال سُنا۔ تو اُس نے اپنے استحقاق واجبی کا بالکل اظہار نہ کیا۔ کیونکہ وہ اپنے وطن کا سچا شیدائی تھا۔ اور اس صورت میں عام خونریزی کا اندیشہ تھا۔ وہ انجام بین نوجوان رانا نہایت متانت کے ساتھ میواڑ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کو آمادہ ہوا۔ کیونکہ چھوٹے بھائی کے گدی نشین ہونے کی حالت میں اُس کا قیام مشکل تھا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا۔ کہ گھوڑے تیار کئے جائیں۔ مگر اسی اثنا میں راناوت کشن سنگھ و راجہ گوالیار وغیرہ سرداران دربار بھی موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور بڑی منت و سماجت سے اس کو روک لیا۔ پرتاب سنگھ نے جو گفتگو اس وقت اُن سرداروں سے کی۔ اُسکے ایک ایک لفظ سے اُس کی اُلوالعزمی اور حب الوطنی کا اظہار ہوتا ہے ؛

آپ جانتے ہیں کہ میواڑ اس وقت بالکل تباہ اور برباد ہو چکا ہے۔ اور اس میں کچھ بھی سکت باقی نہیں رہی۔ اگر میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ تو ضروری ہے۔ کہ تلوار میان سے باہر کیجائے۔ مگر میں محض اپنے ذاتی فائدہ کے لئے کسی طرح کی خونریزی کو پسند نہیں کرتا جگمل بھی میرا بھائی ہے۔ اودے پور کی گدی اُسی کو مبارک ہو میں ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو خیر باد کہنے کو تیار ہوں۔ مگر اپنے بزرگوں کے بچے کھچے اقبال کو خانہ جنگی کی نذر کر کے تباہ و برباد کرنا نہیں چاہتا'' عالی حوصلہ بلند نظر اور مستقل مزاج رانا کی گفتگو سنکر سرداران میواڑ عش عش کرنے لگے۔ اُس کی نیاضی اُس کی بہادری حب الوطنی قومی ہمدردی اور ملک پرستی کی سب نے تعریف کی۔ اور زبردستی اس کو محل میں لے گئے۔ جگمل تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ جاتے ہی دونوں سرداروں نے جو رانا پرتاب کے استحقاق تخت و تاج پر متفق خیال تھے۔ نہایت ملایمی اور نرمی کے ساتھ اس کو تخت سے اُتار کر قریب ہی ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ اور عرض کیا۔ کہ حضور دراصل یہ آپ کے بھائی کی جگہ ہے۔ اور وہی اس کا سچا مستحق ہے۔ اس کاروائی کے بعد پرتاب سنگھ کے سر پر تاج پہنایا۔ اور کمر سے تیغ

تلوار لگائی۔ اور رانا مذکور نے نہایت جاہ و جلال کے ساتھ گدی کو رونق بخشی ؛

درصل میواڑ کی اجڑی ہوئی تباہ شدہ آبادی جسے اکبر کے جابرانہ حملوں اور ترکوں کے روز افزوں تصرف نے کسی قابل نہیں رکھا تھا۔ ایسے ہی لایق جفاکش انجام بیں اوالعزم اور بہادر رانا کی متلاشی تھی۔ ان دنوں میواڑ کا جس قدر زرخیز حصہ تھا۔ اُس پر اکبر قابض ہوچکا تھا۔ اور صرف کوہستانی غیر آباد حصہ راج میواڑ کے تصرف میں تھا جسکا پایہ تخت یادارالریاست اودے پور بنایا گیا تھا۔ نہ فوج تھی۔ نہ روپیہ تھا۔ نہ قلعہ تھا۔ برائے نام ریاست رہ گئی تھی۔ یہ صرف رانا پرتاب کا دل تھا۔ کہ وہ اپنی تباہ شدہ حالت سے بالکل نہ گھبرایا۔ اور استقلال کے ساتھ مآل کار کو سوچنے لگا۔ اُس نے اپنی بلند ہمت اور بے نظیر بہادری پر اعتماد کرکے یہ مستقل ارادہ کرلیا۔ کہ جب تک وہ اپنی گذشتہ عظمت و ریاست کو واپس نہ کرلیگا۔ اُس وقت تک بالکل بے چین رہیگا ؛

چاندی سونے کے خوشنما برتن اپنے باورچیخانہ سے اٹھوا دیئے۔ اور قیمتی لباس کو جسم سے اتار ڈالا۔ نرم نرم مخملی گدے اُٹھا کر اُس نے پیال کا بچھونا بچھایا۔ اور دل سے یہ مصمم ارادہ کرلیا۔ کہ اگلا اساو قار حاصل کئے بغیر ہیں ذرا بھی آرام نہ کروں گا۔ اور داں کے دودھ کی قسم بھی کھائی۔ پرتاب نے عہد کرلیا۔ کہ جب تک علامات شاہی چتوڑ دوبارہ حاصل نہ ہوں۔ وہ ڈاڑھی پر استرا نہ پھروائیگا۔ ملک کی بدقسمتی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اِس کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے لئے اُس نے حکم دیا۔ کہ نقارہ شاہی جو سابق ہیں ہمیشہ لشکر کے آگے بجا کرتا تھا۔ اب پیچھے بجا کرے ؛

جس طرح بہادر راجپوتوں کا یہ عام دستور ہے۔ کہ اپنے ارادے کے سامنے اُس کے پورا ہونیکی مشکلات پر بالکل غور نہیں کرتے۔ اُسیطرح رانا پرتاب نے کچھ بھی پرواہ نہ کی اُس کا مدِمقابل ایک صاحب جاہ و سپاہ اور اوالعزم ذی حوصلہ بادشاہ ہے۔ اس کے سوا اکبر بذات خود ایک بڑی سلطنت پر قابض تھا۔ راجپوتانہ کا بھی بڑا حصہ گجرات خاندیش مالوہ۔ مادواڑ۔ اجمیر۔ بیکانیر۔ جودھپور۔ بوندی۔ امبر وغیرہ وغیرہ فتح ہوچکے تھے۔ راول اور راناوت اور وہ تمام راجے جو بادشاہ کے ساتھ رشتہ کرکے اپنی عزت و جمعیت کا خاتمہ کرچکے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے لڑنے کو آمادہ اور اوالعزم رانا پرتاب کے خون کے پیاسے تھے۔ غیر تو غیر تھے۔ خاص رانا کا بھائی ساگرجی دغابازی کرکے بادشاہ سے جاملا تھا

غرض اگر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو ساری دنیا ایک طرف تھی۔ اور اپنے ارادے کا پکا راجپوت "پرتاب" ایک طرف تھا۔ اس جگہ نامور مورخ مسٹر ٹاڈ صاحب کا مقولہ لکھنے کے قابل ہے۔ کہ جس قدر پرتاب سنگھ کے سامنے خطرہ عظیم تھا۔ اس کا استقلال بھی اسی قدر مضبوط ہوتا گیا"۔

وہ بخوبی جانتا تھا۔ کہ اکبر کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مگر وہ سمجھتا تھا کہ ہمت اور استقلال کے ساتھ آدمی ہر ایک مشکل پر غالب آسکتا ہے۔ اگرچہ اسکو اپنی کوششوں میں بہت کم کامیابی کی اُمید تھی۔ مگر اُس نے عہد کر لیا۔ کہ اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریگا۔ اور اگر وہ اپنے اس ارادہ کو پورا نہ بھی کر سکا۔ تو بھی اُس کو تسلی تو ہو جائے گی۔ کہ ایشور کو ہی میواڑ کی بہتری منظور نہیں ہے۔ یہ سوچکر بہادر اور جانباز رانا پرتاب نے جس کی آنکھوں کے سامنے ہمیر اور سانگا کے کارناموں کے فوٹو موجود تھے۔ اپنی ہمت اور شجاعت پر بھروسہ رکھتے ہوئے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ وہ اکبر کا مقابلہ کر کے چتوڑ کو آزاد کرانا اپنا خاص فرض سمجھیگا۔ وہ تمام خطرات اور مشکلات جو اُسکو اپنے طاقتور دشمن کے مقابلہ میں نظر آتے تھے۔ بے تعداد تھے۔ مگر یہ اس کے حوصلہ کو ہرگز پست نہ کر سکتے تھے چنانچہ اس نے قسم کھائی۔ کہ جب تک چتوڑ آزاد نہ ہو جائیگا۔ وہ برابر ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے غنیم سے مقابلہ کریگا۔ اور دنیا کی عیش و عشرت اس پر حرام ہو گی۔

اِس کے خیالات کو زیادہ تقویت دینے والے وہ بہادر راجپوت بھی تھے جنکے بزرگوں نے اپنے رانا اور راج کی عزت و حرمت بچانے کے لئے میدان جنگ میں اپنی قیمتی جانوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ اور قوم پر دلی خوشی کے ساتھ نثار ہو گئے۔ ایسے بہادر جنہیں جانبازی فطرت کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی۔ اپنے جوانمرد رانا کے اشارہ پر لڑنے مرنے کو ہر وقت آمادہ تھے۔ اور اُن کی یہ دلی آرزو تھی۔ کہ اُن کا سر وطن کی غیرت پر نثار ہو جائے۔

جس وقت رانا پرتاب گدی نشین ہوا حسن اتفاق سے ان دنوں بسنت رُت تھی۔ اِس نے اپنی قسم سے فراغت کرنے کے بعد اپنے بہادروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ بہادر راجپوتو اب تم قدیمی رسم اہیریہ کے ادا کرنے کے لئے۔ طیار ہو جاؤ۔ چنانچہ رانا کے بہت

سلہ میواڑ کی راجدھانی میں یہ عام قاعدہ تھا کہ بسنت رُت میں رانا اور اُس کے مصاحبین گھوڑوں پر سوار ہوتے اور رانا ان میں سبز پگڑیاں تقسیم کرتا۔ اور سب ملکر سؤر کا شکار کھیلنے جاتے تھے۔ اور کئی سور شکار کر کے گوری کی بھینٹ کر تے تھے۔ نیز یہ رسم گدی نشینی کے پہلے کام اور سالانہ تہواروں میں بھی ادا کی جاتی تھی۔

سے مصاحب اپنے اپنے صبارفتار گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ رانا نے سبز پگڑیاں تقسیم کیں اور خود بھی ان کے ساتھ شکار کھیلنے کو چلا۔ اُس دِن خوب شکار ہاتھ آیا۔ اور شکاریوں نے بکثرت سور شکار کر کے گوری پر چڑھائے۔ رانا اس بات سے بہت خوش ہُوا۔ اور اپنے مصاحبوں سے کہا کہ اس سے ہم نیک شگون لے سکتے ہیں۔ جس سے آئندہ کامیابی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

گدی نشین ہوتے ہی رانا پرتاب کی طرزِ معاشرت میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا۔ بجائے اس کے کہ وہ ایک ناز پروردہ راج کنور تھا۔ اب اس کی حالت ایک معمولی سپاہی سے بھی زیادہ جفاکش تھی۔ دنیا کی تمام عیش و راحت سے اُس نے برت کر لیا۔ اور اپنی قسم کو سچے دل سے نباہنے لگا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ کاش رانا سنگا کا بیٹا میں خود ہوتا۔ اور کمزور دل اودے سنگھ ہمارے درمیان نہ ہوتا۔

مسند نشینی سے چند دن بعد ہی رانا پرتاب اپنی مختصر ریاست کے اندرونی انتظام میں مشغول ہوا۔ اکثر راجپوتوں کو جاگیر و منصب عطا ہوئے۔ اور تمام ارکان ریاست و ملازمین کے لئے اُس نے قوانین بنائے۔ جن کی پابندی لازمی طور پر ادا کی گئی۔ رعیت کو حکم دیا گیا کہ زمین چھوڑ پہاڑوں میں جا بسیں۔ اور جس نے اس حکم سے سرتابی کی وہ فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس تدبیر سے چند دنوں ہی میں آباد اور دل کشا شہر اُجڑ کر ویران ہو گیا۔ جہاں بہادروں کا مسکن تھا۔ اس میں صحرائی جانور بستے تھے۔ عام رستوں کی یہ کیفیت تھی کہ خاردار جھاڑیاں جا بجا پیدا ہو گئیں۔ اور اب اکبر کے لئے ایک ویران جنگل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پرتاب نے اس حکم کی تعمیل بڑی سختی سے کرائی۔ اور کسی کو بھی اس سے سرتابی نہ کرنے دی ایک دن چند سواروں کے ساتھ دیکھنے گیا۔ کہ آیا اِس کے حکم کی تعمیل بخوبی ہوتی ہے یا نہیں میدان ویران پڑے تھے۔ کوسوں تک انسان کی آواز کان میں نہ پڑتی تھی۔ جہاں کبھی اناج کے ہرے بھرے کھیت لہلہاتے دکھائی دیتے تھے۔ وہاں اب خاردار جھاڑیاں اور ببول کے خودرو درخت کھڑے تھے۔ انسانوں کی آبادیاں جنگلی جانوروں کا مسکن بن چکی تھیں۔ کئی کوس گشت کرنے سے صرف ایک چرواہا اُن کی نظر پڑا۔ جو کہ دریا کے کنارے پر اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ بس صرف یہی ایک آدمی تھا جس نے رانا کے حکم سے انحراف کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دن میں ریوڑ چرا کر شام کو پہاڑ پر چلا جائیگا۔ پرتاب نے حکم دیا۔ کہ اسکو فوراً پھانسی دیدیا جائے۔ جس پر وہ فوراً ایک درخت سے لٹکا دیا گیا۔ اور رانا کے سامنے ہی اُنکے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔

ادہر تو رانا پرتاب اپنی مختصر ریاست کے لیئے مختلف تدبیریں سوچ رہا تھا۔ جن میں سے
ں پر عمل درآمد بھی ہو چکا تھا۔ اور اُس کا دلی منشا تھا۔ کہ کسی طرح اپنے وطن کو ترکوں کی تصرف
محفوظ رکھے ۔

ادہر اکبر اپنی پولٹیکل چالیں چل رہا تھا۔ اور وہ اِس ارادے پر تلا ہوا تھا۔ کہ جس طرح ہو
وتانہ کے تمام راجوں کو اپنا مطیع کر کے چھوڑوں۔ چنانچہ راجپوتانہ کے اکثر راجہ تاب مقاومت
ر اور حرص و طمع کے دام میں اسیر ہو کر اس کی یہ خواہش پوری کر چکے تھے۔ اور اب اکبر کی یہ
کمت یا پالیسی یہ تھی۔ کہ وہ اپنے مطیع و منقاد بلکہ رشتہ دار راجوں کو دوسرے راجپوتوں کے
بلہ پر بھیجتا تھا۔ چنانچہ اکبر کی آنکھوں میں رانا پرتاب بھی بے طرح کھٹک رہا تھا ۔

چند دنوں کے بعد یہ ایک عجب اتفاق پیش آیا۔ کہ راجہ مان سنگھ جو اکبر کے رشتے کا فخر
ل کر چکا تھا۔ اور اکثر لڑائیوں میں اُس کے ہمرکاب رہتا تھا۔ مہم شولاپور میں فتحیاب ہو کر
ہ کی طرف جا رہا تھا۔ اتفاق سے حدود اودے پور میں گذر ہوا۔ موقعہ مناسب سمجھ کر راجہ
سنگھ نے پرتاب سے درخواست کی۔ کہ مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ اگر کچھ ہرج نہ ہو
ہے اجازت دیجئے۔ رانا پرتاب سنگھ نے خوشی سے منظور کیا۔ اور جھیل اودے ساگر پر وقت
رہ پر استقبال کیا گیا۔ اور جب معمولی تکلف کے ساتھ فرش بچھایا گیا۔ اور آسن لگائے گئے
ں رانا خود نہ آیا۔ اور اس کا راج کنور امر سنگھ مہمانوں کی خاطر تواضع کی خدمت انجام
ے لگا ۔

راجہ مان سنگھ نے رانا کو پوچھا۔ تو راجکمار نے ادب کے ساتھ عرض کیا۔ کہ وہ درد سر سے
ور ہیں۔ آپ رسم کا خیال نہ کریں اور ماحضر تناول کریں۔ راجہ مان سنگھ بات کی تہ کو پہنچ گیا
ولا کہ رانا سے کہو کہ درد سر کی وجہ مجھے معلوم ہو گئی۔ لیکن درد درماں کے قابل نہیں اب اگر
ی اپنے ہاتھ سے تھال سب کے سامنے نہ رکھیں گے تو کون رکھیگا۔ رانا پرتاب سنگھ نے
نت کو برطرف کر کے صاف صاف جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ جس راجہ نے اپنی بہن ترکوں کو
دی۔ اور ممکن ہے۔ کہ اُس نے ترکوں کے ساتھ کھایا بھی ہو ایسے راجہ کے ساتھ افسوس ہے
ں نہیں کھا سکتا"۔ مان سنگھ کو یہ بات بہت ناگوار گذری۔ اور نہایت طیش میں آیا لیکن
حت وقت سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ اور اُسیوقت کوچ کا حکم دیدیا۔ جب مان سنگھ چل پڑا۔
نا پرتاب بھی اپنے خوبصورت گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ اس وقت اس کی پوشاک پرانی اور

کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اور اُس کی مجموعی ہیئت سے ایک دہقانی قیافہ مکمل نظر آتا تھا۔
کے شگفتہ چہرہ پر نور کی طرح رعب چمک رہا تھا۔ جس کی طرف راجہ مان سنگھ جیسے
دربار کے حاضر باش کی نگاہ مشکل سے اُٹھتی تھی۔ چلتے وقت مان سنگھ اور رانا
ملاقات ہوئی۔ لیکن مان سنگھ اُس کی اِس شکستہ حالت پر ایسا غرور دیکھ کر اور بھی
غضبناک ہوا۔ لیکن مصلحت نے اُس کی زبان پر سکوت کی مہر لگا دی۔ اور وہ
رہا۔ مگر اُس میں بھی راجپوتی خون تھا۔ اس قدر تاب کہاں سے لاتا۔ آخر چلتے چلتے
کہہ گیا کہ اس حالت پر ایسا غرور؟ میرا نام مان سنگھ نہیں۔ اگر اس کا مزہ نہ چکھایا
خندہ پیشانی سے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ کہ مجھے ہر حالت میں آپ سے ملکر خو
لیکن کسی دریدہ دہن نے چپکے سے یہ بھی اضافہ کر دیا۔ کہ خود بھی آنا اور اپنے بہنوئی
لیتے آنا۔" یہ سنکر مان سنگھ اور بھی آگ بگولا ہو گیا۔ جب وہ دہلی میں پہنچا۔ تو اکبر کے
رانا کی طرف سے ہزاروں باتیں لگائیں بجھائیں۔ جسے اکبر نے غور کے ساتھ سُنا۔
افسوسناک نتیجہ آگے چل کر نکلا۔

ادھر جب راجہ مان سنگھ مع اپنی فوج کے سرزمین اودے پور سے رخصت ہوا۔
پرتاب سنگھ کے حکم سے اس قدر زمین جس پر وہ بیٹھا تھا۔ گنگا جل چھڑک کر پاک کی
ترکوں کی آمیزش سے راجپوت مان سنگھ اور اس کے ہمراہیوں کو بھی ناپاک سمجھتے
راجہ مان سنگھ نے اکبر کے دل میں رانا پرتاب سنگھ کی طرف سے جو بُرائی پیدا کی تھی
دبی ہوئی آگ شروع ساون میں بھڑکی۔ اور اکبر نے راجہ مان سنگھ سا گرجی۔ اور مہابت
کافی فوج کے ساتھ شہزادہ سلیم کی ماتحتی میں روانہ کیا۔

رانا پرتاب سنگھ نے یہ خبر سُنی تو وہ بھی اپنی مختصر سپاہ کی تیاری میں مشغول ہوا
ماتحت راجواڑوں کو پیام بھیجا۔ اول راوت کشن سنگھ مع فوج حاضر ہوا۔ اور اس کے بعد
سے بھی سنگاوت کا راجہ دو ہزار فوج لیکر آیا۔ مہنت میشورا ور خاندان کیلوا کے سردار بھی
اپنی جمعیت لے کر آ پہنچے۔ غرض بمشکل بائیس ہزار جوان مجتمع ہو گئے۔ جو پرتاب سنگھ
الوالعزم بہادر اور مستقل مزاج رانا کی تسلی کے لئے کافی تھے۔ لیکن زیادہ افسوس کے
تھی کہ سامان جنگ کچھ بھی نہ تھا۔ اور پھر ایسے کثیر التعداد لشکر سے جو نہایت ساز و
کے ساتھ آ رہا تھا۔ مقابلہ کرنا تھا۔ اِس بے سرو سامانی پر بھی پرتاب سنگھ مطمئن تھا۔

ڑ جو اس کی انجام بین عقل نے اس کا مسکن بنا دیا تھا۔ اُس کے دشوار گذار راستے اور تنگ
ریک درے اور خاردار ٹیلے اپنی مشکلات کی افزونی سے کسی قدر اس کی تشفی کرتے تھے۔
د وہ نہایت اشتیاق کے ساتھ شاہی لشکر کا انتظار کر رہا تھا۔

چند ہی دن میں شاہی فوج اُودے پور کی حدود میں داخل ہوئی۔ اور رانا پرتاب سنگھ کے
مکن تک آ پہونچی۔ لیکن وہ حیران تھی۔ کیونکہ اسے جس مقام کا محاصرہ کرنا تھا وہ ایسی کوتاہ
ر تنگ تھی۔ کہ کہیں فوج اُترنے کی جگہ نہ تھی۔ جابجا مخدوش پہاڑیاں آسمان سے سر ملائے
ڑی تھیں۔ یا نیچے اونچے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں نے زمین کو بالکل ناہموار و ناقابل قیام بنا
تھا۔ پرتاب سنگھ کی فوج جس کی سرکوبی اور گوشمالی کے لئے یہ فوج بھیجی گئی تھی۔ پہاڑ
ے اوپر تھی۔ اور اس تک پہنچنا شاہی فوج کے اختیار میں نہ تھا ؛

اس معدود قیام میں اگرچہ رانا پرتاب کی بہت سی آزادی خاک میں مل گئی۔ اور خوشگوار
ب شیریں کے چشمے تک وہ حریف کی میزبانی کے لئے چھوڑ چکا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے ایک
ے سے زیادہ محفوظ مقام پر بہت نازاں تھا۔ اور یہی اُس کی تسلی کا ایک بڑا سامان تھا ؛

شاہی فوج بہت خستہ اور خراب رہتی اور جس مطلب کے لئے وہ آئی تھی۔ وہ کبھی حاصل
ہوتا۔ مگر خوش قسمتی سے ایک صاف کھلا ہوا ریگستانی میدان اسی قلعہ کے سامنے ہی مل گیا۔
ر شاہزادہ سلیم کے حکم سے اسی میدان میں شاہی فوج نے اپنی فرودگاہ بنائی ؛

پرتاب سنگھ کے لئے یہ پہلا وقت تھا۔ کہ وہ اپنے مدتوں کے دبے ہوئے دلی ارمان نکالکر
یدان رزم میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اور قوم و وطن کی وہ آزادی جو دشمن کے قوی ہاتھوں
ں چلی گئی تھی۔ دوبارہ اپنی زور شمشیر اور طاقت بازو سے واپس کرے۔ چنانچہ اس نے نہایت
نتظام کے ساتھ اپنی بہادر فوج کو مجتمع کیا۔ اور پہاڑ سے نیچے اُتر کر شاہی فوج کے بالمقابل ہُوا۔
بر کی بے شمار تعداد کے سامنے راجپوتوں کی کوئی ہستی نہ تھی۔ اور انصاف سے دیکھا جائے
پشہ و فیل یا مورچہ و سلیمان کا مقابلہ تھا۔ لیکن بہادر راجپوت جو شجاعت کی ننگی تلوار ماں کے
ٹ سے لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ دشمن کی کثرت تعداد سے بالکل نہ گھبرائے۔ اور رانا پرتاب سنگھ
س کی بائیس ہزار کی مختصر تعداد دشمن کے مقابلہ میں قوانین جنگ سے ناواقف اور فن
سپاہگری سے بے خبر تھی۔ بالکل ہراساں نہ تھا۔ اُس نے اپنے بہادروں کی نہایت ترتیب
ے ساتھ صفیں باندھیں۔ اور بڑی خوشی کے ساتھ شاہی فوج پر حملہ آور ہُوا۔ دونوں طرف کے

بہادر تلواریں نیام سے کھینچکر ایک دوسرے سے مل گئے۔ اور شجاعت کی داد دینے
دیر کے لئے نہایت زور شور کے ساتھ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ بہادر سرداروں اور
جانبازوں کی قیمتی جانیں دونوں طرف سے نثار ہو رہی تھیں۔ اور اُن کے خون کے
راجپوتی بہادری سے نہایت مسرت کے ساتھ بہایا گیا تھا۔ میدانِ رزم میں ہولی کھیل
اس امر کا ثبوت دے رہے تھے۔ کہ وہ نہایت خوشی کے ساتھ مرے ہیں۔ اور اب
نہایت خوش ہیں ؛

جس طرح کوئی خونخوار شیر غضب ناک ہو کر دہاڑتا ہوا اپنے شکار پر گرتا ہے۔
رانا پرتاب سنگھ اپنی اعلےٰ شجاعت اور دلیری کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں آبدار تلو
لئے ہوئے دو دستہ شمشیر زنی کر رہا تھا۔ جس طرح عام راجپوت اپنی جانیں جوہر دار تلوار
سپرد کر چکے تھے۔ اُسی طرح ان کا سردار بھی جو ہر حیثیت سے ان کی سرداری کا مستحق تھا۔ نہا
جانبازی کے ساتھ سربکف لڑ رہا تھا۔ اور اُس کی دلی کوشش تھی۔ کہ سر جائے جان جا
نہ رہوں لیکن کل راجپوتانہ کو ایک مرتبہ فتح کر کے راجپوتوں کی گئی گذری ہوئی آزادی
کو واپس کر دوں۔ وہ اُسی جوش میں مستانہ وار شاہی فوج پر بے طرح ٹوٹ پڑا۔ اور صف
صف صاف کر دی۔ اُس کی تلوار تھی یا بجلی تھی۔ جو تڑپ تڑپ کر ہستی اعدا کا خرمن خاک
کر رہی تھی۔ ایک مرتبہ وہ حملہ کرتا ہوا راجہ مان سنگھ کی طرف پہنچا جس نے یہ آتش فشانی
بے موقعہ تکلیف دی تھی۔ اور ارادہ کیا۔ کہ آج اِس سے خوب جی کھولکر عوض لوں لیکن
کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور مجبور ہو کر شہزادہ سلیم ہی کی طرف جھک
ایک ہی یورش میں تمام محافظ فوج خاک و خون میں تڑپنے لگی۔ اب رانا نہایت کامیابی
ساتھ شہزادہ کے ہاتھی تک پہنچ گیا۔ اور زہر میں بجھا ہوا نیزہ تاک کر لگایا۔ شہزادہ کا کام
سے تمام ہو جاتا۔ لیکن خوش قسمتی سے نیزہ ہودے پر لگ کر اٹک گیا۔ ساتھ ہی رانا نے
اور صبا رفتار چتک نے بہت ہی پھرتی دکھائی۔ اور آن کی آن میں دوسرے نیزے
کیا۔ لیکن اتفاق سے یہ فیلبان پر پڑا۔ اور اس کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی ہاتھی
مہاراج کی طرح میدان جنگ سے چنگھاڑتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ اور شہزادہ رانا کے ناخطا کرنے
حملوں سے بچگیا ؛

مغل اپنے شہزادہ پر حملہ کئے جانیکا خوفناک نظارہ دیکھ کر نہایت پریشان ہوئے

نہایت جوش کے ساتھ لڑنے لگے۔ لڑائی کا زور لحمہ بلحمہ بڑھتا جاتا تھا۔ اور راجپوتوں کی قوت ضعیف ہوتی جاتی تھی۔ مغل اپنی تمام مجموعی کوشش اس بات پر صرف کئے دیتے تھے کہ رانا پر چاروں طرف سے حملہ کیا جائے۔ اور راجپوت اپنے رانا کی حفاظت کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ بعض آزمودہ کار راجپوتوں کی یہ رائے ہوئی کہ جھنڈا گرا دیا جائے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے لوگ خاصکر رانا پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ لیکن رانا نے منظور نہیں کیا۔ اور برابر لڑتا رہا۔ آخر سات کاری زخم اُسکے جسم پر لگے جن سے بکثرت خون نکلا۔ اور رانا کمزور ہو گیا۔ ساتھ ہی اُس کا پیارا گھوڑا چیتک بھی سخت زخمی ہُوا۔ وہ کئی بار دشمن کے حملوں میں گھر گھر کر اپنی قوت بازو اور راجپوتوں کی جان نثاری سے بالکل محفوظ رہا۔ لیکن اب اس میں اور اس کے گھوڑے میں بالکل طاقت نہ رہی تھی۔ ایک گولی پرتاب کی جانگ کے پار ہو گئی تھی۔ تین زخم گھرے تلوار کے اور تین ہی برچھی کے اس کے جسم پر آئے تھے۔ مگر بہادر کو ان زخموں کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی۔ اپنی تلوار خارا شگاف سے خون کے دریا بہا رہا تھا۔ دو تین دفعہ تو گروہ مخالف میں ایسا گھرا کہ اُسکے بچنے کی ہرگز اُمید باقی نہ رہی تھی۔ مگر صاف کا صاف نکل گیا۔

چوتھی مرتبہ جب رانا دشمنوں میں گھرا۔ تو ہمراہیوں نے بڑے زور سے جھنڈا گرا دینے کی درخواست کی۔ کیونکہ دشمن سورج مکھی کو پہچان کر پرتاب پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ مگر پرتاب نے نہ مانا اور کہا کہ ایسے قابل نفرت ذریعہ سے میں جان بچانا ہرگز مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کا یہی ارادہ تھا کہ آج اپنی قیمتی جان بھی قوم اور وطن پر نثار کر دے۔ لیکن سردار جھالا نے بڑھکر سورج مکھی جھنڈا ہاتھ سے لے لیا۔ اور عرض کیا "میواڑ کی اُمیدیں آپ کی جان کیساتھ وابستہ ہیں۔ مگر آپ ان سب کا خاتمہ کیا چاہتے ہیں۔ امر سنگھ ابھی کم سن ہے وہ ریاست کے کاروبار کو ہرگز نہ سنبھال سکے گا۔ میواڑ کی رہی سہی حالت بھی تباہ ہو جائے گی۔ اب آپ نشان کو چھوڑ دیں۔ اور چتر شاہی بھی میرے حوالہ کر دیں۔ اگر آپ نے اپنی جان اس وقت میدانِ جنگ کی نذر کر دی۔ تو بتلایئے۔ کہ پھر میواڑ کا حامی کون ہوگا؟ کون اُس کی آزادی کے لئے اکبر کا مقابلہ کریگا؟ کون راجپوتوں کی عزت کی حفاظت کریگا؟ آپ کے زندہ رہنے سے قوم اور ملک دونوں زندہ رہ سکتے ہیں۔ آپ کی موجودگی میں راجپوت پھر آزادی کی کوشش کر سکیں گے۔ جاؤ! اب میدان سے نکل جاؤ۔ اور اپنے ملک و قوم کی خاطر اپنی جان کی حفاظت کرو۔"

یہ کہکر سردار جھالا نے جھنڈا پرتاب کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور چتر شاہی لگا کر ایک طرف

کو چلا لوگ اُس کو پرتاب سمجھ کر ٹوٹ پڑے۔ اور رانا صحیح وسلامت میدان جنگ سے نکل
سردار جھالا نے بڑی جوانمردی سے اپنے آقا کی جان بچائی۔ اور جب وہ مہلک زخم کھا
میدان کارزار کی زمین پر گرا۔ تو یہ الفاظ اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ "میرے جیسا خوش
کون ہوگا۔ جس کا جسم اپنے آقا کے بدلے کام آرہا ہے۔ واقعی میں بڑا خوش نصیب ہوں
جسم اور میری جان رانا کی تھی۔ اور آج اسی کے کام آئی ہے"۔

اگرچہ اس وفادار سردار کی آخری حالت کا ملاحظہ کرنے کے لئے رانا وہاں موجود
مگر جو لوگ موجود تھے۔ اُن کی زبان سے ذیل کے الفاظ نکل رہے تھے۔ "بہادر سردار! آ
ہے۔ تمہاری ہمت اور شجاعت پر تم نے اپنے دیش اپنی قوم اور اپنے آقا کے لئے اپنا خو
گرا یا۔ راجپوت تمہاری اس ہمت پر شیدا ہیں۔ اور تمہاری اس جان نثاری کی دل
قدر کرتے ہیں"۔

چنانچہ اس بہادری کے عوض میں ہلدی گھاٹ کی لڑائی کے بعد آج تک شاہی جھ
اُنہی سردار کی اولاد کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اور ان کو رانا کے داہنے ہاتھ پر جگہ دیجاتی ہے۔
میواڑ میں اس سردار کی اولاد کے لئے یہ کوئی کم فخر کی بات نہیں ہے۔ کہ صرف انہی کا نق
محل شاہی کے دروازہ تک بجتا چلا آتا ہے۔ حالانکہ دوسروں کو اسکی مطلق اجازت نہیں
اس جنگ میں راجپوتوں نے اپنی قوم اور وطن کی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کر
میں بالکل دریغ نہیں کیا۔ اور خوب دل کھول کر لڑے جس کا کافی ثبوت ان جان نثاروں
تعداد سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ جو میدان کارزار سے سیدھے تلوار کے گھاٹ بہشت بر
کو سدھارے۔ چنانچہ اس لڑائی میں پرتاب کے چودہ ہزار آدمی کام آئے۔ اور بائیس ہز
میں سے صرف آٹھ ہزار بچکر اپنی کوہستانی فرودگاہ میں داخل ہوئے۔

شکستہ بدن رانا اپنے مجروح چیتک گھوڑا کو اڑائے ہوئے جا رہا تھا۔ اور وفادار گھوڑے
کی یہ کوشش تھی۔ کہ اپنے سوار کو کسی محفوظ مقام تک پہنچا دے۔ اگرچہ وفادار حیوان کی
بالکل سلب ہو چکی تھی اور قدم قدم پر اس کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ دو مغل سواروں نے
کا تعاقب کیا۔ ایک کی وضع تو ملتانیوں سے ملتی تھی۔ اور دوسرا خراسانی معلوم ہوتا تھا
نے ان دونوں سواروں کو اپنے تعاقب میں دیکھکر زخمی چیتک کو اور بھی تیز کر دیا۔ دونوں
بھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ چند کوس کے بعد ایک پہاڑی نالہ راستہ

درمیان حایل ہوگیا۔ وفادار چیتک بے دریغ اپنے آقا کو لے کر اس پر سے صاف کود گیا۔ تعاقب کرنیوالوں کے گھوڑے اس نالہ کو نہ پھاند سکے۔ اور اُن کو ندی میں سے گذرنا پڑا۔ مگر افسوس کہ رانا کو یہ وقفہ بہت تھوڑا ملا تھا۔ سوار نالہ کو عبور کر کے پھر اُس کے پیچھے لگ گئے۔

اب رانا کی حالت سخت نازک تھی۔ خون کے متواتر بہ جانے سے اِسکا جسم نڈھال ہوچکا تھا۔ مگر سب سے مشکل یہ تھی۔ کہ وفادار گھوڑا اب بہت ہی کمزور ہوچلا تھا۔ اور تکان اسے فرش زمین پر گرائے دیتا تھا۔ غرض کہ سوار اور گھوڑا سخت مجروح تھے۔ آگے چلنا محال تھا ٹھہر جانے سے گرفتار ہوجانیکا اندیشہ تھا۔ دفعتاً ایک محبت بھری آواز رانا کے کانوں میں آئی۔ پیچھے پھر کر دیکھا۔ تو اب صرف ایک ہی سوار اُس کے تعاقب میں تھا۔ مگر یہ ان دونوں پہلے سواروں میں سے نہ تھا۔

اگرچہ اس سوار کا چہرہ گرد آلودہ تھا۔ مگر پرتاب نے فوراً پہچان لیا۔ کہ اس کا بھائی سکت[1] ہے۔ رانا کو تعجب بھی ہؤا۔ اور غصہ بھی آیا۔ لیکن سکت کے محبت بھرے الفاظ سے یہ دونوں خیالات جاتے رہے۔ سکت نے کہا۔ "میں اس وقت دشمن بن کر نہیں۔ بلکہ ایک جان نثار بھائی بنکر آیا ہوں۔ آج سے پہلے میں آپ کا دشمن تھا۔ مگر آج آپ کی بہادری اور جانبازی کو دیکھ کر میری ضمیر مجھ کو لعنت و ملامت کرنے لگی۔ افسوس ہے۔ کہ ایک بھائی تو اپنی قوم اور وطن کی آزادی بحال کرنے کے لئے اس بے جگری کے ساتھ تلواریں مار رہا ہو۔ اور دوسرا اپنے باپ دادا کے نام کو ڈبو کر اُلٹا دشمن کی طرف سے اُس کا مقابلہ کر رہا ہو۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر اِشرم کا مقام ہے۔ پرتاب تو اس طرح جان ہتھیلی پر دھر کر اپنے ملک اور اپنی قوم کے دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ اور سکت اُس کی تباہی کے سامان مہیا کر رہا ہو۔ حیف ہے۔ اُس کی زندگی پر! جو ہوا سو ہؤا۔ مگر آج سے یہ سر پرتاب کا ہے۔ جب وہ چاہے اِسکو اتار سکتا ہے۔

سکت آج تک واقعی پرتاب کا دشمن تھا۔ اور اکبر کی طرف سے۔ ابر اس کے مقابلہ پر لڑ رہا تھا۔ مگر اس جنگ میں بھائی کی جوانمردی دیکھ کر اس کا خون بھی جوش کھا گیا اور جب اس نے دیکھا کہ پرتاب سنگھ بہت مجروح ہو کر میدان سے نکلا جاتا ہے۔ اور دو شاہی افسر اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ تو وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ چنانچہ اس نے اپنی برچھی سے ان

[1] سکت پرتاب کا حقیقی بھائی تھا۔ مگر وہ لڑ کر اکبر کے پاس چلا گیا تھا۔ اور شاہی لشکر میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اس کا اور اس کی اولاد کا مفصل حال کسی اور موقعہ پر بیان کیا جائے گا۔

دونوں تعاقب کرنیوالوں کو قتل کیا۔ اور اس طرح وہ پرتاب سے آملا ۔
پرتاب بھی اپنے بھائی کی گفتگو سنکر صبر نہ کرسکا۔ فوراً گھوڑے سے کود کر اس سے بغلگیر
اور دونوں بھائی دل کھول کر ایک دوسرے کے گلے ملے ۔

اسی اثنا میں غریب چتک زمین پر گر پڑا۔ اور دم توڑنے لگا۔ رانا کو بالکل فرصت نہ
کہ اپنے رفیق کی اس قابل رحم حالت پر دو چار محبت کی نگاہیں ڈالتا۔ یا اپنی آنکھوں
چند آنسو ٹپکا کر اُس کو الوداع کہتا۔ ایسے موقعہ پر چند لمحہ ٹھہرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا۔ سکت
نے اپنا گھوڑا اُس کے پیش کیا۔ اور وہ اُس پر سوار ہو کر کسی غیر معلوم سمت کو روانہ ہو گیا ۔
سکت دوسرے سوار کے گھوڑے پر سوار ہو کر سلیم کے لشکر میں واپس آیا۔ اور بیان
کیا کہ پرتاب نے دونوں تعاقب کرنے والوں کو قتل کر دیا۔ اور میں بمشکل جان بچا کر اور
گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں تک آیا ہوں۔ سلیم کو اُس کی بات کا یقین نہ آیا۔ اور کہا۔ کہ اگر تم
سچ کہدو گے۔ تو میں تمہاری جان بخشی کردوں گا۔ ورنہ بری طرح پیش آؤنگا۔ سکت نے
حال صاف صاف بیان کر دیا۔ اور کہا کہ سلطنت کا سارا بوجھ صرف پرتاب کے کندھوں
پر ہے۔ اُسکو نازک حالت میں دیکھ کر میں کب برداشت کرسکتا تھا۔ محبت کے جوش نے
مجھے بھائی کی حفاظت پر مجبور کیا۔ اور میں نے دونوں مسلمان سرداروں کو مار گرایا۔ سلیم سکت
کی باتیں سنکر دم بخود رہ گیا۔ مگر وہ اپنے وعدہ سے مجبور تھا۔ اُس کو موقوف کر کے لشکر سے
دیا۔ اور وہ رانا سے جا ملا ۔

ہلدی گھاٹ کی لڑائی رانا کی مصیبتوں کی پہلی منزل تھی۔ میواڑ کی حالت پہلے ہی تباہ ہو چکی
مگر اب رہی سہی پونجی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ رانا کی طاقت دولت اور حکومت میں بڑا بھاری
آگیا تھا۔ ۲۲ ہزار راجپوتوں میں سے جنکو ہمراہ لیکر وہ ہلدی گھاٹ میں گیا تھا۔ صرف آٹھ
آدمی بچے تھے۔ مگر وہ بھی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے۔ پھر بھی ملک اور قوم کا عاشق رانا
ارادہ پر ثابت قدم تھا ۔

اِدھر ملک اور قوم کے بدخواہ راجے جنہوں نے اکبر کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن
تھا۔ اور رانا کو بھی اُسی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بادشاہ کو ہر وقت اس کے خلاف
بھڑکاتے رہتے تھے۔ ہلدی گھاٹ کے میدان پر گو اکبر کی سپاہ کو نمایاں فتح حاصل ہوئی
مگر وہ بخوبی جانتا تھا۔ کہ جب تک پرتاب زندہ ہے۔ وہ اُس کو آرام سے نہ بیٹھنے دیگا۔ یہی

تھی۔ کہ اُس کو رانا کے صحیح وسالم نکل جانے سے اس فتح کی کچھ بھی خوشی نہ ہوئی تھی۔ لہذا اُس نے دوسری مرتبہ رانا پر فوج کشی کے سامان کئے۔ اور ایک لشکر کثیر لے کر بذاتِ خود رانا کے مقابلہ کو نکلا۔ مگر اجمیر پہنچکر معلوم نہیں کہ کس خیال سے خود تو اس جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ اور مان سنگھ کو خطاب فرزندی اور منصب پنجہزاری عطا کر کے ایک لشکر عظیم کے ساتھ معہ بہت سے کار آزمودہ افسروں کے سلیم کے ماتحت رانا کے مقابلہ کو روانہ کیا؛

شاہی لشکر آگے بڑھا۔ اور وہ اس فکر میں تھا۔ کہ کسی طرح رانا کو گھیرے میں لے لیا جائے کہ خبردار نے پرتاب کو خبر دی۔ کہ مان سنگھ شاہی فوج کے ساتھ پھر اس پر چڑھا چلا آتا ہے پرتاب کو سُننے اور سُنکر خاموش بیٹھے رہنے کی تاب کہاں تھی۔ فوراً پیغام دوڑا دیئے۔ اور ادھر اُدھر سے تین ہزار جان نثاروں کی جمعیت اکٹھی کر کے درہ کوکندہ سے نکل کر یکایک شاہی لشکر پر آگرا۔ مان سنگھ کے ساتھ اس وقت ۳۵ ہزار فوج جرار تھی۔ اور گولہ وبارود کا سامان بھی ضرورت سے زیادہ تھا۔ اِس قدر قلیل تعداد کے ساتھ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا پرتاب کا ہی کام تھا۔ ورنہ آج کل کے بڑے بڑے تجربہ کار سپہ سالار اس واقعہ کو پڑھ کر دانتوں میں انگلی دبا رہے ہیں۔ پرتاب نے اسی قلیل جمعیت کے ساتھ بڑے زور وشور سے حملہ کیا۔ شاہی لشکر کیطرف مان سنگھ کے علاوہ چیدہ چیدہ کار آزمودہ افسر مثلاً خواجہ محمد رفیع۔ شہاب الدین۔ علی مراد وغیرہ قلب لشکر میں موجود تھے۔ اور سید ہاشم اور سید احمد خاں اور قاضی خاں وغیرہ کے ساتھ مردانِ جنگ آزمودہ کار متفرق مقاموں پر تعینات تھے۔ جونہی کہ پرتاب نے اپنے تین ہزار سوار کے ساتھ درہ سے نکل کر حملہ کیا۔ اکبری لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ اور راجہ لون کرن اور آصف خاں اور قاضی خاں سیکری کے شیخ زادے شتر بے مہار کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ اِس لڑائی میں قاضی خاں کا رانا سے دو بدو مقابلہ ہو۔ مگر قاضی خاں زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ شیخ منصور جو شیخ ابراہیم کا داماد تھا۔ فرار ہوا۔ اور بھاگتے ہوئے کے چوتڑوں پر تیر کا نشانہ لگا؛

سخت گرمی کا موسم تھا۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ مگر رانا نے اس ناگوار موسم میں بھی نہایت جوانمردی کے ساتھ تلوار ہاتھ میں لے کر غنیم کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ شروع شروع میں اکبری سپاہ کے پاؤں بالکل ہل گئے تھے۔ مگر تین ہزار کا مقابلہ ۳۵ ہزار سے دل لگی نہیں تو اور کیا تھا۔ رانا کی جمعیت گھٹنے لگی۔ جیمل راٹھور شجاع چتوڑ کا بیٹا اور رام شاہ گوالیاری معہ اپنے بیٹے سالباہن اور دو چھوٹے چھوٹے کندروں کے جنہوں نے اس لڑائی میں بڑی

بہادری دکھلائی تھی۔ مارے گئے اور اسی طرح منا کا راجہ معہ ڈیڑھ سو رشتہ داروں کے رانا کی
خیر خواہی کا دم بھرتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا۔ غرضیکہ جب رانا کے بہت سے بھائی بیٹے
مارے گئے۔ اور وہ خود بھی زخمی ہوگیا۔ اور اُس کی جمیعت اِس قدر تھوڑی رہ گئی۔ کہ اب رانا
کو اپنی گرفتاری کا بھی اندیشہ تھا۔ تو وہ نقارہ پر چوب دیتا ہوا پہاڑوں میں گھس گیا؂

اس فتح کی خبر اکبر کو بھی پہنچائی گئی۔ مگر جب اسکو معلوم ہوا۔ کہ رانا محض تین ہزار
سواروں کے ساتھ اس قدر خونریزی کرکے صحیح وسالم نکل گیا ہے۔ تو وہ ناک بھوں چڑھا اور
خون جگر پی کر رہ گیا؂

یہاں سے نکل کر پرتاب نے کوملمیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ مگر دشمن یہاں بھی پیچھے لگے
ہوئے تھے۔ شہباز خان بخشی اور غازیخاں نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ یہاں کا بھی محاصرہ
کرلیا۔ رانا نے دل کھولکر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اور ممکن تھا کہ یہ قلعہ غنیم کے ہاتھ نہ آتا۔ مگر دیورے
سردار آبو نے جو رانا سے منحرف ہوکر اکبر کا طرفدار بنگیا تھا۔ چاہ قلعہ میں کوئی ناپاک چیز ملا کر پانی
خراب کردیا۔ چنانچہ چاہ کا پانی بالکل گندہ ہوگیا۔ اور اِس میں کرم پڑ گئے۔ اِدہر توپ کے پھٹ
جانے سے قلعہ کا سارا بارود جل گیا۔ ناچار رانا کو یہ قلعہ بھی چھوڑنا پڑا۔ اور وہ یہاں سے نکل
چٹوند علاقہ چپن میں چلا گیا؂

انہیں دنوں میں کنور امر سنگھ رانا کا بڑا بیٹا اپنے باپ سے جُدا ہوکر اِدہر اُدہر گھاٹیوں میں
مارا مارا پھرتا تھا۔ اتفاقیہ اُس کا مقابلہ مرزا خانخاناں سے ہوگیا۔ اور وہ اِس کے قبائل قید
کرکے رانا کے پاس لے آیا۔ باخلاق رانا اگرچہ دشمن کے ہاتھوں سے سخت تنگ آیا ہوا تھا مگر
وہ کسی کمینہ طریقہ سے دشمن کے مظالم کا بدلہ لینا خلاف شان سمجھتا تھا۔ اس نے بڑی عزت
کے ساتھ خانخاناں کے قبایل اِس کے پاس بھیجدیئے۔ اور کہلا بھیجا۔ مانا کہ پرتاب اس وقت
سخت تنگ حالت میں ہے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے اُسکو گھیر رکھا ہے۔ اور اس کے
سامان رسد رسانی تک بھی بند کردیئے ہیں۔ مگر اِس کا دل کبھی پست نہیں ہوسکتا۔ پرتاب
کے سارے مضبوط مقام اور قلعے اِس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ اور وہ ایک گھاٹی سے
دوسری گھاٹی میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اُس کے پاس اس وقت کوئی فوج بھی نہیں۔ نہ
کوئی سامان رسد رسانی۔ مگر وہ ابھی تک بالکل پست ہمت نہیں ہوا۔ وہ اِس مایوسی اور ناامیدی
کی حالت میں بھی کامیابی کی توقع رکھتا ہے؂

رانا کے اس پیغام کو سنکر سب کے سب اُس کی ہمت اور استقلال کی تعریفیں کرنے لگے۔ مگر اب رانا کی تکلیف دِن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ چٹوند کا قلعہ بھی اُس کی محافظت نہ کرسکا اور وہ اپنے عیال واطفال کی حفاظت کے لئے اِدھر اُدھر مارا پھرنے لگا۔ ناچار اُس نے اپنے قبائل کو قلعہ سورج محل کے اندر رکھنے کی تجویز کی ؛

سورج محل کا قلعہ کسی زمانہ میں چنداوت راجپوتوں نے تعمیر کرایا تھا۔ مگر کچھ عرصہ سے راٹھوروں نے ان سے چھین لیا تھا۔ درجن سنگھ نے جو سائینداس[1] چنداوت کی اولاد سے تھا۔ موقعہ پاکر یہ قلعہ پھر واپس لے لیا۔ اور تیج سنگھ راٹھور بھاگ کر بھیلوں میں پناہ گزین ہوا۔ اور رانا کی رفاقت میں دل وجان سے حاضر رہنے لگا۔ درجن سنگھ پر رانا کو بہت بڑا اعتماد تھا۔ مگر تیج سنگھ بھی ہر ایک لڑائی میں سایہ کی طرح اُس کے ساتھ لگا رہتا۔ اور مصیبت کے ایام میں بھی اُس کا دلی وفادار رہا تھا۔ رانا نے اپنے قبائل اس کے ہمراہ سورج محل میں درجن سنگھ کے پاس بھیجے ؛

درجن سنگھ اور تیج سنگھ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ مگر دونو نے اِس وقت سابقہ دشمنی کو بالکل فراموش کردیا۔ درجن سنگھ نے تمام عداوت پر خاک ڈال کر رانا کے قبائل اور تیج سنگھ کو بڑی عزت کے ساتھ قلعہ میں لے لیا۔ اور دونوں گہرے دوستوں کی طرح ایک ساتھ قلعہ میں رہنے لگے۔ پھر بھی تیج سنگھ کے ساتھی اکثر دفعہ اس کو اکساتے اور قلعہ اپنے قبضہ میں کر لینے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ مگر اُس بہادر کا جواب یہ ہوتا تھا ؛

بھائیو! میں نے ایک دن قلعہ ضرور لینا ہے۔ مگر جس حالت میں ہمارا سردار پرتاب خود مصیبت میں گھرا ہوا ہے۔ اور اُس کے عیال واطفال قلعہ میں مقیم ہیں۔ میں نئی خونریزی پر کمر نہیں باندھونگا۔ بلکہ جب تک ہمارے رانا کو پھر وہی عروج حاصل نہ ہوجاوے۔ میں اِس بات کا ارادہ بھی نہ کروں گا ؛

اگر اس نازک حالت میں ہم ایک دوسرے سے ہی لڑ مریں۔ تو پھر رانا کے لئے کون تلوار اُٹھائیگا۔ اور اُس کڑے وقت میں کون اس کا ساتھ دیگا" ؛

جب فوج شاہی کو یہ خبر ملی۔ کہ رانا کے قبائل قلعہ سورج محل میں مقیم ہیں۔ تو انہوں نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ درجن سنگھ اور تیج سنگھ نے بڑی بہادری سے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوکر

[1] یہ وہی سائینداس ہے جس نے قلعہ چتوڑ کے سورج پول دروازہ پر بڑی بہادری سے اکبری سپاہ کا مقابلہ کیا تھا اور لڑتا ہوا مارا گیا تھا؛

غنیم کا مقابلہ کیا۔ اور باری باری سے لڑ کر حریف کے دانت کھٹے کرتے رہے۔ مگر جب قلعہ کی
حفاظت کے سامان کم ہوتے نظر آئے۔ تو وہ یہاں سے نکل کر قلعہ بھیم گڈھ میں چلے گئے۔ مگر
وہاں بھی دشمن نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا؛

بھیم گڈھ میں صرف پانچسو راجپوت مقیم تھے۔ ان پانچسو نے ہی دو ہزار مسلمانوں کا مقابلہ
کیا۔ مگر شجاع تیج سنگھ نے دشمن کی سپاہ کے دن بدن بڑھتے جانے سے رانا کی ننگ و
ناموس کو خطرہ میں پاکر اس جگہ پر بھی ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا؛

تیج سنگھ نے اپنے خورد سال بیٹے چندن سنگھ کو جس کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ
سال کو پہنچی تھی۔ طلب کیا۔ اور کہا "میرے عزیز! اب لڑائی عنقریب ختم ہونے والی ہے
دشمن ضرور کامیاب ہوگا۔ مگر جب تک تلوار ہاتھ میں ہے۔ مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ یہ وقت امتحان
کا ہے رانا پرتاب کے قبائل کی عزت سخت خطرے میں ہے۔ البتہ اگر تم اپنی ہمت مردانہ سے
رات بھر دشمن کو قلعہ میں داخل نہ ہونے دو۔ تو اس عرصہ میں رانا کے قبائل کسی اور محفوظ
مقام پر پہنچائے جاسکتے ہیں"۔ کم سن چندن سنگھ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "پتا جی! ہمارے
لیئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ کہ ہمارا جان و مال رانا پر نثار ہو۔ میں
آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں رات بھر دشمنوں کو قلعہ میں نہ آنے دونگا۔ آپ رانا صاحب
کے قبائل کو جہاں امن کی جگہ دکھائی دے لیجائیے"؛

تیج سنگھ نے اپنے ہونہار فرزند کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور رانا کے قبائل کو ہمراہ لے کر
ایک خفیہ رستہ سے قلعہ سے نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا
چندن سنگھ نے بڑی بہادری سے اپنا فرض ادا کیا۔ اور رات بھر مسلمانوں کو قلعہ کے پاس تک
نہ آنے دیا۔ صبح تک دو سو راجپوت کام آئے۔ اور چندن سنگھ بھی سخت زخمی ہو گیا؛

جب بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ تو چندن سنگھ نے رسم جوہر ادا کرنے کا حکم دیا۔ قلعہ
کی عورتیں چتا میں بیٹھ کر جل گئیں۔ اور چندن سنگھ باقیماندہ راجپوتوں کو ہمراہ لے کر قلعہ
باہر نکلا۔ راجپوتوں نے چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں ہاتھوں میں لیں۔ اور بجلی کی طرح غنیم پر
پڑے۔ نوجوان چندن سنگھ سب کے آگے تھا۔ اس کی جوہردار تلوار نے خوب خون بہایا۔ آخر
کار مع اپنے ہمراہیوں کے مارا گیا؛

اب رانا بالکل بے دست و پا ہو چکا تھا۔ اس کے ہمراہی یا تو گذشتہ لڑائیوں میں
قتل

ہو چکے تھے۔ یا اِدھر اُدھر جانیں بچاتے پھرتے تھے۔ تمام علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔ اور خستہ جگر رانا کے لئے اب جنگلی غاروں کے سوائے کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہی تھی جہاں کہ وہ بود و باش اختیار کرتا۔ زیادہ تر عیال و اطفال کا بار اُس کی تکالیف دوچنداں کر رہا تھا۔ جہاں وہ جاتا۔ دشمن اُس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ اور سایہ کی طرح اُس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر اُس نے جنگل ہی کی بود و باش اختیار کی۔ درخت اُس کے عالیشان ایوان کے ستون تھے۔ اور اُن کے ہرے ہرے پتے خوشنما چھت گیری کا کام دیتے تھے۔ لیکن کیسے وفادار تھے۔ اِس کے جانباز رفیق کہ اِس حالت میں بھی وہ پیارے رانا کی وہی تعظیم کرتے تھے۔ جو میواڑی راج کے عمدہ ترین زمانے میں کی جاتی تھی؛ زمانے کے ستائے ہوئے راجپوت جنگلوں میں رہتے تھے۔ درختوں کی پتیاں یا صحرائی پھل پھول اُن کی خوراک تھی۔ خواب و استراحت کے وقت سبزہ اُن کا فرش مخملی تھا۔ اور قدرتی سرچشمے انہیں شفاف نہروں کا مزہ دیتے تھے۔ پھر بھی دشمن اس طرح اُنکی جستجو میں دشت نوردی کرتے پھرتے تھے۔ جس طرح کوئی شکاری جنگلوں میں شیروں اور چیتوں کے بھٹوں میں شکار دیکھتا پھرتا ہو۔ مگر واہ رے بہادر رانا ایسی مصیبتیں پڑیں۔ ایسی تکالیف کا سامنا ہوا۔ دولت خاک میں مل گئی۔ تاج گیا۔ تخت گیا۔ سپاہ نام کو نہ رہی۔ لیکن اُس کی پیشانی پر شکن تک نہ پڑی۔ جب ذرا بھی اسے معلوم ہوا۔ کہ شاہی فوج اسے تلاش کر رہی ہے فوراً جا کر مقابل ہوا۔ اور اس طرح بہادرانہ مقابلوں سے بڑے بڑے رسالونکو خاک میں ملا دیا؛ غنیم کو زیادہ تر تلاش اس کے عیال و اطفال کی تھی۔ تاکہ اُن پر قبضہ کر کے مصیبت زدہ رانا کو زیر کر لیں۔ لیکن اس ارادے میں وہ کبھی کامیاب نہ ہوئے۔ رانا اور اُس کے جان نثار بہادر ہمیشہ سینہ سپر ہوتے رہے؛

باوجودیکہ پرتاب کی جمعیت بالکل تباہ اور خستہ ہو چکی تھی۔ پھر بھی وہ اکثر موقعوں پر دشمن کو حیرت میں ڈالدیتا تھا۔ تعاقب کرنے والے اس بات کا یقین کر کے کہ پرتاب اب کسی تاریک گوشے میں چھپا بیٹھا ہوگا جب کچھ سستانے کے لئے ٹھہر جاتے۔ تو وہ عالم بے خبری میں یکایک سینکڑوں اور بعض موقعہ پر ہزاروں کا انبوہ لے کر اُن پر آ گرتا۔ اور بہت بڑا نقصان پہنچا کر پھر پہاڑوں میں گھس جاتا۔ ایک مرتبہ سلیم کا مشہور جنرل فرید پرتاب کے تعاقب میں پھرتا ہوا ایک گھاٹی میں گھر گیا۔ اور اُس کا ایک ایک سپاہی تہ تیغ ہوا۔ مسلمان چونکہ ایسی

لڑائیوں کے عادی نہ تھے۔ اِس لئے وہ اکثر دفعہ بیدل ہوجاتے تھے بارش کے موقع پر جب
ندیاں طغیانی پر آجاتیں۔ اور پہاڑی نالے پانی سے لبریز ہوجاتے تھے۔ تو سلیم کی فوج [illegible]
لئے۔ اور بھی مصیبت کا سامنا ہوجاتا تھا؟

اسی طرح کئی سال گذر گئے۔ شاہی فوج نے پرتاب کی گرفتاری میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا [illegible]
مگر اِس شیر راجستھان کا ہاتھ آنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ البتہ ہر سال پرتاب کے وسایل کم ہو[illegible]
جاتے تھے۔ اور اس کے مصائب بڑھتے جاتے تھے۔ لیکن پرتاب بھی گھبرانیوالا مرد نہیں [illegible]
ہاں اسکو اپنے عیال واطفال کی طرف سے بڑی تشویش تھی۔ اور وہ ڈرتا تھا۔ کہ کہیں یہ غنیم کے
ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ یہ اندیشہ اُس کا بجا بھی تھا۔ کیونکہ کئی بار یہ گرفتار ہوتے ہوتے بچ گئے [illegible]
ایک دفعہ کیلوہ کے بھیلوں نے انکو بچایا تھا۔ وہ اِس کے عیال واطفال کو سرکنڈ و نکے ٹوکر[illegible]
میں رکھ کر لے گئے۔ اور غاروں میں چھپا دیا۔ ان مصیبتوں کے باوجود بھی پرتاب حوصلہ نہ ہار[illegible]
تھا۔ اکبر نے جو جاسوس اس کے پیچھے لگائے ہُوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آکر بیان کیا
کہ ایک دن پرتاب معہ اپنے سرداروں کے کھانے پر بیٹھا ہُوا تھا۔ جلاوطنی کا عالم تھا۔ لیکن
پھر بھی اِس کے سردار اس کی ویسی ہی تعظیم کرتے تھے۔ جیسی کہ وہ اُس وقت کرتے جب کہ
وہ تخت چیتوڑ پر جلوہ افروز ہوتا کھانے کے لئے صرف جنگلی پھول پھل مہیا تھے۔ مگر پرتاب اپنی
آبائی رسم کے بموجب انہیں کے ڈونے اپنے معزز سرداروں کو دیتا تھا۔ اور وہ کمال ادب سے
قبول کرتے تھے۔ پرتاب کی جوانمردی کا حال سنکر اکبر کے دل پر بھی بڑا گہرا اثر ہوا۔ اور تمام آدمی
جو اُس کے پاس موجود تھے۔ پرتاب کے استقلال کی تعریف کرنے لگے۔ خانخاناں نے
اُس کی تعریف میں اکثر دوہے تصنیف کئے تھے۔ اور ان کا مطلب یہ تھا۔ دنیا کی تمام
چیزیں فانی ہیں۔ دولت وحکومت جاہ وحشمت سب کچھ نابود ہوجائیں گی۔ لیکن پرتاب
کا نام کبھی نہیں مٹ سکیگا۔ اس نے سب کچھ کھو دیا۔ مگر اُس کی آزادی اس کے پاس ہے
سچ تو یہ ہے۔ کہ راجپوتوں میں سے صرف پرتاب نے ہی اپنی عزت کو محفوظ رکھا ہے؟

پرتاب کا استقلال لاثانی تھا۔ لیکن پھر بھی وہ انسان تھا کہاں تک ضبط کرتا
مصیبتیں اُٹھاتے اور تکلیفیں برداشت کرتے اُس کی عمر گذر گئی۔ اگرچہ اُس کو اپنی کچھ
پرواہ نہ تھی۔ مگر بعض دفعہ اپنے عیال واطفال کی حالت دیکھ کر دیوانہ ہوجاتا تھا۔ دمبدم
ساتھی کم ہوتے جاتے تھے۔ دن بدن مصیبت بڑھتی جاتی تھی۔ دشمن تعاقب میں تھا ایک

دن پانچ دفعہ کھانا پکایا گیا۔ مگر غنیم کے سر پر آپہنچنے سے پکا پکایا چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ خورد سال بچے بھوک سے چلاتے تھے۔ اور باپ کا دل پانی پانی کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ امر سنگھ کی عورت نے جنگلی گھاس کے اناج کی چند روٹیاں پکائیں۔ صرف ایک ایک روٹی سب کے حصے آئی۔ چونکہ شام کے کھانے کا کوئی انتظام نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے رانا نے حکم دیا۔ کہ آدھی آدھی روٹی اس وقت کھاؤ۔ اور آدھی شام کے لئے رہنے دو۔ پرتاب لیٹا ہوا تھا۔ دفعتاً اس کی چھوٹی لڑکی کے رونے کی آواز اس کے کان میں آئی۔ چونک کر دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جنگلی بلی اس کی آدھی روٹی چھین کر لے گئی ہے۔ اور یہ بچاری بھوک کے مارے رو رہی ہے۔ پرتاب اپنی آزادی کے بدلے سب کچھ نثار کر چکا تھا۔ اس کے بیٹے اور رشتہ دار اس کی آنکھوں کے سامنے مارے گئے۔ مگر اس کے استقلال میں مطلق فرق نہ آیا تھا۔ اس کا مقولہ تھا۔ کہ راجپوت پیدا ہی تکلیفیں اٹھانے کے لئے ہوا ہے۔ لیکن اس وقت معصوم لڑکی کی آہ وزاری نے اس کا دل ہلا دیا۔ اور اس کے صبر کی بنیادیں جنبش کھا گئیں ؎

ایسی مایوسی کی حالت میں اس نے اگر اکبر کو صلح کے لئے خط لکھ دیا۔ تو اس کی شان میں ہرگز فرق نہیں آسکتا ؎

اکبر کی خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ اس نے پرتاب کا خط پہنچتے ہی جشن عام کا حکم دیا شادیانے بجنے لگے۔ لیکن وہ پرتاب کے حوصلہ سے واقف تھا۔ اس لئے اس کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ یہ خط پرتاب کا ہے۔ (اکبر نامہ یا کسی اور تواریخ سے مطلق نہیں پایا جاتا۔ کہ پرتاب نے کبھی کوئی ایسی درخواست کی ہو۔ اگر کی ہوتی۔ تو ابوالفضل جس نے ذرا ذرا بات کو بنا بنا کر لکھا ہے۔ اس واقعہ کو بھی بڑی آب وتاب سے لکھتا۔ مگر اکبر نامہ میں اس کا ذکر تک بھی نہیں پایا جاتا اس سے یہ بات بالکل غلط معلوم ہوتی ہے) خط پرتھی راج کو دکھایا گیا۔ یہ شخص راجہ بیکانیر کا بھائی تھا۔ اور اپنے عہد میں بڑا بہادر سردار تھا۔ اگرچہ اس کو ضرورت زمانہ نے اکبر کی تابعداری پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی راجپوتی دلیری اور قومی آن اس کی سرشت سے دور نہ ہو سکتی تھی۔ پرتاب کا خط پڑھکر اس کے دل پر سانپ سا لوٹ گیا۔ اگرچہ وہ پرتاب کے دشمن کا معاون تھا مگر وہ پرتاب کی عزت کرتا تھا۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔ یہ خط پرتاب کا نہیں ہے۔ کسی جعلساز نے آپ کو دھوکا دینے کے لئے لکھا ہے۔ میں پرتاب کو خوب جانتا ہوں۔ اگر آپ اس کو کل سلطنت بھی بخشدیں۔ تو بھی وہ آپ کی شرائط کو قبول کرنے والا نہیں۔ اس کے بعد اس

نے عرض کی۔ کہ اُسکو خط لکھ کر خود پرتاب سے دریافت کرنے کی اجازت مل جائے۔ کہ آیا وہ اطاعت قبول کیا چاہتا ہے۔ اس درخواست سے اس کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ جس طرح ہو۔ وہ پرتاب کو اس حرکت سے باز رکھے۔ بادشاہ کی اجازت سے اُس نے پرتاب کو ایک خط لکھا یہ خط دوہے میں تھا۔ اور اُس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

"سارے راجستھان کی آنکھیں پرتاب کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ رانا اُن کو مایوس کرتا ہے۔ اور اُن کی دستگیری سے پہلوتہی۔ اگرچہ اکبر نے تمام راجپوتوں کی عزت کو خرید لیا ہے۔ مگر وہ پرتاب کی عزت کو نہیں لے سکتا۔ اگر پرتاب ہندوؤں کی عزت کا محافظ نہ ہو تو اور کون ہوگا۔ اکبر ہماری قوم کا برباد کنندہ ہے۔ اور اگرچہ باقی راجپوت اسکے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ مگر پرتاب کو اس کی ترغیب میں نہ آنا چاہیئے۔ کیا پرتاب بھی چند روزہ زندگی کے لئے اپنی عزت کو فروخت کرنا منظور کر لیگا؟ راجپوتانہ کے عنقریب تمام راجے اپنی عزت کو کھو بیٹھے ہیں۔ مگر ہمیر کی اولاد ابھی تک اس بدنامی سے محفوظ ہے۔ لوگ دریافت کرتے ہیں۔ کہ ایسی مایوس حالت میں بھی پرتاب کو کہاں سے مدد ملتی ہے؟ میں کہتا ہوں کہیں سے نہیں! صرف اسکی تلوار اس کی عزت کو بچا رہی ہے۔ ظالم کا دور آخر ایک دن ختم ہوگا۔ اُس وقت ہماری قوم پرتاب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگی۔ اور اُس سے اپنے پیارے وطن کی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کرنے کی التجا کرے گی۔ پرتاب ہی سب کو بھروسہ ہے۔ پرتاب ہی کی طرف سب کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ اور اُمید ہے۔ کہ پرتاب بھی ہمکو مایوس نہ کرے گا"۔

راٹھور کے خط میں غضب کا جوش بھرا ہوا تھا۔ پرتاب نے اُسکو پڑھتے ہی صلح کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور کہا۔ جب تمام قوم کی آنکھیں پرتاب کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ تو وہ بھی اُن کو مایوس نہیں کر سکتا۔ وہ ضرور زندگی بھر اکبر کا مقابلہ کریگا۔" مگر اب وہ موجودہ حالت میں اکبر کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ اُس کی پست شدہ ہمت پھر عالی ہو گئی تھی۔ اور اُس کا گرا ہوا حوصلہ پھر بلند ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر اب وہ چتوڑ کی حفاظت کے قابل ہی نہیں ہا تھا کیونکہ اُس کی جمعیت بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ بہت سے ہمراہی تو آئے دن کی لڑائیوں میں کام آ چکے تھے۔ اور بہت سے ہر روز کی مصیبتوں سے تنگ آ کر اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ دور اندیش رانا کے دل میں اب یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ موجودہ حالت میں وہ کبھی بھی چتوڑ کو واپس نہیں لے سکتا۔ تاوقتیکہ کسی دوسری جگہ کچھ عرصہ ٹھہر کر اپنی طاقت کو نئے سرے سے فراہم

کرلے اِس خیال کے پیدا ہوتے ہی اُس نے ارادہ کرلیا۔ کہ وہ قوم شُشودیہ کو ہمراہ لیکر دریائے سندھ
ر جائے۔ اور وہاں اپنی سلطنت قایم کرکے پھر میواڑ کا عازم ہو۔ غیرت مند راجپوت جو غلامی
ی نسبت جلاوطنی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اِس اعلان کو سُنتے ہی جوق درجوق جمع ہُوئے
ور پرتاب ہزاروں کی تعداد ہمراہ لے کر کوہ اراولی سے اُترا۔ مگر وہ ابھی اپنے ملک کی سرحد تک
ی پہنچا تھا۔ کہ بھاماشاہ اس کا وزیر جس کے بزرگ پشتہا پشت سے میواڑ کی وزارت پر متعین
چلے آتے تھے۔ اُس کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور عرض کی "میرے پاس اپنے باپ دادا کی جمع
ی ہوئی اِس قدر دولت موجود ہے۔ کہ اُس سے پچیس ہزار سپاہ بارہ برس تک نوکر رکھی جاسکتی
ہے۔ یہ تمام روپیہ آپ کی نظر ہے۔ آپ ایک دفعہ اور قسمت آزمائی کردیکھیں"؛

رانا کے لئے یہ امداد۔ امدادِ غیبی تھی۔ اِس کا حوصلہ تو پہلے ہی بلند تھا۔ کمی صرف روپیہ
تھی۔ سو اب وہ بھی پوری ہوگئی۔ اُس نے نمک حلال اور وفادار وزیر کا شکریہ ادا کیا۔ اور
یاروں طرف جانثاروں کو پیغام دوڑا دیئے؛

شہباز خاں کا لشکر دیویر کے مقام پر ڈیرا ڈالے پڑا تھا۔ اور اِس لئے بے فکر تھا۔ کہ اُسکو
نا کے جلاوطن ہونے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ پرتاب یکایک ان پر بجلی کی طرح آگرا۔ بہادر راجپوتوں
ے نعروں نے سوئے ہُوئے دشمن کو بیدار کیا۔ راجپوتوں نے اپنے دلوں میں فیصلہ کرلیا تھا۔
یہ آخری لڑائی ہے۔ اور یہی اُن کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ایسے دل توڑ کر لڑے۔ کہ
سلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت سے تو وہیں قتل ہُوئے۔ اور جنہوں نے بھاگ کر جانیں
انی چاہیں۔ اُن کا امیت تک تعاقب ہُوا۔ اور بھاگتے ہُوئے مارے گئے؛

رانا کی اِس فتح اور بادشاہی لشکر کی تباہی کی خبر جب کومل میر میں پہنچی۔ تو وہاں کی
سپاہ میں بھی سخت گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ مگر پرتاب نے اُن کو سنبھلنے یا تیاری کرنے کی فرصت
ی۔ اور یکایک حملہ کرکے کومل میر کو بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اور اکبر کا مشہور سپاہ سالار عبداللہ
مع اپنے لشکر کے تہ تیغ ہُوا۔ اسی طرح بتیس ۳۲ قلعے یکے بعد دیگرے پرتاب کے ہاتھ میں آگئے
ور ایک سال کے اندر ہی اس نے تمام میواڑ کو سوائے اجمیر چتوڑ اور منڈل گڈھ کے اپنے قبضہ
یں کرلیا؛

پرتاب اس بات کو بھولا نہیں تھا۔ کہ ایام گذشتہ میں جس قدر تکلیفوں کا سامنا اُسکو
رنا پڑا ہے۔ اِس میں زیادہ تر حصہ مان سنگھ کی مہربانی کا تھا۔ چنانچہ اب اُس سے بھی انتقام لینا

چاہا۔ اور بہت سا لشکر لیکر امبیر پر چڑھ گیا۔ شہر لُٹ گیا۔ علاقہ تباہ ہوگیا۔ اور تمام مارواڑ میں پرتاب کی دُہائی پھر گئی ٭

اُس کے بعد اودے پور بھی بہت جلد پرتاب کے ہاتھ آگیا۔ مسلمان مؤرخوں نے اُس کا باعث یہ لکھا ہے۔ کہ اکبر نے ازراہ فیاضی اور دریادلی خانخاناں کی سفارش سے جو کہ پرتاب کی بہادری پر مفتون تھا۔ خود اُودے پور کو خالی کردیا تھا۔ لیکن کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ اصل بات یہ تھی۔ کہ قرب وجوار کے تمام اضلاع پرتاب کے ہاتھ میں آچکے تھے۔ اِس لئے اُودے پور کا اکبر کے ہاتھ میں رہنا محال تھا۔ اور یہی وجہ اِس کے خالی کرنے کی تھی ٭

آخر عمر کا کچھ حصہ پرتاب نے آرام وچین سے بسر کیا۔ اُس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے۔ کہ اکبر کو دوسرے جھگڑوں میں پھنس کر ادہر توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملی تھی۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ پرتاب کی بہادری دیکھ کر اکبر خود رعب میں آگیا تھا۔ چونکہ راجپوتانہ کے بہت سے راجے اِس کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ اِس لئے وہ دوبارہ اِس شیر راجستھان کے مقابلہ کا حوصلہ نہ کرسکا ٭

بیان کیا گیا ہے۔ کہ پرتاب کے آخری ایام آرام سے گذرے۔ مگر پرتاب کو اطمینان کہاں نصیب تھا؟ جب وہ اُودے پور کی گھاٹی پر کھڑا ہو کر چتوڑ کے کنگروں کو دیکھتا تھا تو اُس کی چھاتی پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔ آرام سے بیٹھنا تو پرتاب کی طبیعت کے خلاف تھا۔ اُس کی روح ہمیشہ اپنی آبائی شان وشوکت کے دیکھنے کی خواہاں تھی۔ ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہنا پرتاب کے لئے ناممکن امر تھا۔ اپنی گذشتہ مصیبتیں اُس کو بھول نہیں گئی تھیں اُس کو وہ دن بخوبی یاد تھے۔ جب کہ وہ مصیبت کا مارا زخموں سے چور چور پہاڑوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اور اُس کی ساری ساری رات اسی سوچ میں بسر ہوجاتی تھی۔ کہ اپنے بزرگوں کی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کونسی تدبیر عمل میں لائے۔ ماسوائے اپنی تکلیفات کے اِس کے بزرگوں کے کارناموں کا فوٹو بھی ہر وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا رہتا تھا۔ اول باپا راول کی تصویر اُس کو دکھائی دیتی تھی۔ اور اُس کی اولوالعزمی یاد کرکے اِس کا خون جوش کھا جاتا تھا۔ اس کے بعد سمرسی کی رُوح جس نے پرتھی راج کے ساتھ شامل ہوکر حصولِ آزادی کی خاطر دریائے گیگر کے کنارے شہاب الدین غوری کے مقابلہ میں اپنی جان قربان کی تھی۔ پرتاب کو حوصلہ دلاتی تھی۔ اس کے بعد رانا ہمیر کے بارہ

رزند چتوڑ سے نکل کر یکے بعد دیگرے قرمزی جھنڈے کے نیچے قربان ہوتے دکھائی دیتے تھے
ب سے پیچھے جیمل اور فتا کی باری آتی تھی۔ اُن کو چتوڑ کی حفاظت میں قربان ہوئے بہت
یادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ اِس لیئے اُن کی خیالی تصویریں آنکھوں کے سامنے آتے ہی پرتاب
دیوانگی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اور وہ چلا اٹھتا تھا۔ کہ کیا میں چتوڑ کو پھر کبھی اصلی حالت
نہ لا سکوں گا؟ اگر مجھ سے یہ نہ ہو سکا۔ تو پھر میرا پیدا ہونا ہی فضول تھا۔

پرتاب کی کامیابی اب نزدیک تھی۔ اور جب اُس نے تمام میواڑ کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا
چتوڑ کا لے لینا اب کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ قدرت نے یہ خوشی پرتاب
قسمت میں نہیں لکھی تھی۔ چونکہ پہلی عمر اُس نے مصیبت پر مصیبت اٹھائی تھی۔ اور اُس کی
گذشتہ عمر کا ایک ایک لمحہ بڑے غم اور فکر میں گذرا تھا۔ اس لئے اس کی تندرستی نے عین
جوانی میں ہی اس کو جواب دیدیا۔ اور وہ ایسا سخت بیمار ہو گیا۔ کہ اسکو اپنی زندگی کی کوئی اُمید
نہ رہی۔

موت کا بھیانک نظارہ بڑے بڑے منچلے بہادروں کے چھکے چھوڑا دیتا ہے لیکن پرتاب
حوصلہ کو یہ بھی پست نہ کر سکا۔

ٹھیک اُس وقت جبکہ وہ بسترِ مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ اور نزع کی حالت طاری تھی۔ اُس کے
سردار جو مصیبت کے ایام میں اس کے ہمرکاب رہے تھے۔ اُس کے سرہانے بیٹھے ہوئے
سردار سلمبر نے پرتاب کو سخت تکلیف میں دیکھ کر سرد آہ بھری۔ اور کہا آپ کو اس وقت کس
کی تکلیف ہے۔ جو آپ کی جان شانتی کے ساتھ قالب سے جدا نہیں ہوتی؟ پرتاب نے
کر جواب دیا۔ مجھے اِس بات کی تسلی ہونی چاہیئے۔ کہ میری وفات کے بعد یہ ملک دشمن
لے تو نہیں کیا جائیگا۔ یہی خیال ہے۔ جو خار کی طرح میرے دل میں کھٹکتا ہے۔ اور
ہے۔ کہ میری جان تن سے جدا نہیں ہوتی۔ امر سنگھ بڑا کاہل الوجود ہے۔ اور مجھ کو
ال سے سخت رنج پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ آرام طلبی میں پڑ کر دشمنوں سے اپنا بدلہ لینا بھول
تم کو یاد ہوگا۔ کہ جب ہم لوگ جھیل پیشولا کے کنارے جھونپڑیاں ڈالے پڑے تھے تو ایک
نپڑی سے نکلتے ہوئے دوپٹے کی تہ بانس میں لپٹ گئی تھی۔ اور وہ اِسی طرح کھینچتا ہوا
ھا۔ اُس کی اس لاپرواہی کو دیکھکر مجھے اُسی وقت سے یقین ہو چکا ہے۔ کہ میرا بیٹا کبھی
دل کو برداشت نہ کر سکیگا۔ جو کہ دشمن کے مقابلہ کے لیئے ضروری ہیں۔ مجھے شک ہے۔

کہ میرا بیٹا بجائے جھونپڑیوں کے عالیشان محل کھڑے کریگا۔ اور اسی طرح عیش و عشرت [illegible] پڑ جائیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ میواڑ کی وہ آزادی جس کے لِئے ہم نے اِس قدر خون بہایا ہے [illegible] سے جاتی رہے گی۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اپنے راجہ کو آرام طلب دیکھ کر تم بھی اُس کی پیروی کرنے لگ جاؤ"۔

پرتاب کی ان باتوں سے جن کے لفظ لفظ سے مایوسی برستی تھی۔ سرداروں کے آنسو [illegible] سب نے قسم کھائی۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ کہ جب تک میواڑ کو [illegible] پوری آزادی حاصل نہ ہوگی۔ ہم کبھی اپنی کوششوں کو بند نہ کریں گے۔ ہمارا خون ملک [illegible] قوم کی خاطر برابر بہتا رہیگا۔ اور جب تک چتوڑ فتح نہ ہولے۔ ہم رانا کو کبھی محل کھڑا نہ کر[illegible] دینگے۔ ہم آپ کی وصیت کو کبھی نہ بھولیں گے۔ اور اس بات کے بھی ذمہ وار ہوں گے [illegible] امر سنگھ کو اس کے فرایض یاد دلاتے رہیں"۔

یہ تسلی بخش تقریر سنکر پرتاب جس پر جان کنی کی حالت طاری تھی مطمئن ہوگیا۔ اب [illegible] اپنے سرداروں کی قسم اور عہد و پیمان کا شکریہ ادا کرنے کے لِئے آنکھیں کھول دیں۔ جو [illegible] واہو کر رہ گئیں۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں۔

اِس طرح پرشسودیہ خاندان کے ایک مشہور بہادر کی زندگی کا خاتمہ ہُوا۔ رانا پرتاب بلاشبہ راجپوتانہ کے بیروں کا سرتاج اور راجپوت بہادروں کا ایک اعلےٰ نمونہ تھا۔ اُس [illegible] بہادری اور شجاعت کے کارنامے آج تک صرف راجپوتوں کے ہی ورد زبان نہیں [illegible] اُس کے دشمن بھی اُس کے ثناخواں ہیں۔ [illegible] خانخاناں و ابوالفضل بھی ہیں۔ بہت سے اہل قلم نے جن میں سے اکبر کے [illegible] اِس کے غیر فانی نام کے ذکر کا فخر لیا ہے۔ اِس کی موت [illegible] بعد آج تک بھی اِس کا نام سچی بہادری اور سچی حبّ الوطنی کا مترادف ہے۔ اور جب [illegible] راجپوت کی نسل قایم رہے گی۔ یا اراولی پربت موجود رہیگا۔ اِس بہادر کے کارناموں [illegible] نقش اوّل کے دلوں اور دویم کے دروں سے دور نہیں ہو سکتے۔

رانا امر سنگھ

پرتاب کی وفات کے بعد ۱۵۹۷ء میں اِس کا بڑا بیٹا امر سنگھ تخت نشین ہُوا۔ یہ اِس وقت عین عالمِ شباب میں تھا۔ مگر آٹھ برس کی عمر سے لیکر اسوقت تک اپنے باپ کی مصیبتوں میں اس کا شریک حال رہا تھا۔ چونکہ اس کی پہلی عمر ساری کی ساری خوفناک پہاڑوں اور تاریک غاروں کے کناروں پر دوڑتے بسر ہوئی تھی۔ اِس لیئے وہ خوف وخطر کا بھی عادی ہو چکا تھا۔

اگر امر سنگھ تلوار کے زور سے اپنے ملک کو وسعت دینا چاہتا۔ تو اُس کے پاس ایسے ایسے بہادر سردار جمع تھے۔ کہ جو کچھ وہ حاصل کرتا۔ یہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہُوا۔ ادہر تو اکبر نے اِس خیال سے میواڑ کا پیچھا چھوڑ دیا۔ کہ اِس کا فتح کر لینا بھی شکست کے نقصان سے کچھ کم نہیں تھا۔ ادہر امر سنگھ نے دیدہ دانستہ فساد برپا کر کے مغلوں کو آمادہ جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پرتاب کی وفات کے بعد اکبر آٹھ سال تک زندہ رہا۔ اور یہ زمانہ امر سنگھ کے لیئے بھی آرام سے گذرا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی نئے قانون جاری کیئے۔ جاگیریں عطا کی گئیں۔ اور دیہات کی جمع بندی کر کے جاگیرداروں سے حسب ضرورت مناسب خدمات پیش کرنے کے لیئے وعدے کیئے گئے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ پرتاب کی پیشینگوئی سچ نکلی۔ اُسکی آنکھیں بند ہوتے ہی جب امن وامان کی صورت دکھائی دی۔ تو رانا اور اُس کے سردار پرتاب کی پند ونصائح کو بالکل بھول گئے۔ امر سنگھ نے جھیل کے کنارے ایک عالیشان محل[1] تعمیر کرایا اور بہادر باپ کی نصیحت کو فراموش کر کے عیش وعشرت میں غرق ہو گیا!!!

اکبر کی وفات کے بعد اسکے جانشین جہانگیر نے خانگی جھگڑوں سے فراغت حاصل کر کے ارادہ کیا۔ کہ رانا میواڑ کو جو آج تک شاہانِ مغلیہ کی متابعت سے بچا ہُوا تھا۔ مطیع کر کے نام پیدا کرے۔ اپنے اِس ارادہ کی تکمیل کے لیئے اس نے بیشمار لشکر فراہم کیا۔ اور میواڑ پر فوج کشی کر دی۔

---

[1] اس محل کی عمارت بڑی شاندار اور سنگ مرمر کی ہے اور زمانہ حال میں بھی شاہ میواڑ اسی جگہ سکونت رکھتا ہے۔

جانہار راجپوت جو اپنے ملک پر جانیں قربان کرنا فخر سمجھتے تھے جمع ہوئے اور رانا سے اجازت
جنگ کی درخواست کی۔ مگر افسوس کہ رانا اب وہ رانا نہیں رہا تھا۔ ہر روز کی عیش و عشرت نے
اُس کو کاہل بنا دیا تھا۔ بجائے اِس کے کہ وہ پرتاب کی تلوار لے کر غنیم کے مقابلہ پر تیار ہوتا۔ اُس
نے صلح کا ارادہ ظاہر کیا۔ سردار حیران رہ گئے۔ اور اس کو مقابلہ کے لئے تیار کرنے کے لئے پند
و نصائح سے بھی کام لیا۔ مگر تمام بے سود تھا۔

اتنے میں خبردار نے خبر دی کہ غنیم آ پہنچا۔ رانا اُس وقت پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ اور سردار
بمنت اُسکو جنگ پر جانے کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ سردار چونداوت نے پرتاب کی وصیت
یاد دلائی۔ اور کہا کہ اُس مہاپرش کے کہنے پر ضرور کاربند ہونا چاہیئے۔ آزادی میں خواہ تکلیفیں
ہی کیوں نہ ہو۔ مگر وہ متابعت کے آرام سے بدرجہا بہتر ہیں۔ مگر افسوس کہ رانا پھر بھی خواب
غفلت سے بیدار نہ ہوا۔ اور بدستور بستر استراحت پر پڑا ہوا اونگھتا رہا۔ سردار سلمبر کی آنکھیں
مارے غصہ کے سُرخ انگیارہ ہو گئیں۔ اُس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر رانا کا بازو پکڑا اور ہلا کر
کہنے لگا:

"سردارو گھوڑا لاؤ۔ اور پرتاب کے بیٹے کو داغ بدنامی سے بچاؤ"۔ رانا اس بے عزتی کو
کب گوارا کر سکتا تھا۔ سرداروں کو سینکڑوں بے نقط سنائیں۔ یہاں تک کہ محب وطن
سردار سلمبر کو نمک حرام تک کہنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مگر کسی نے بھی ان باتوں کی پرواہ نہ کی۔
اُنھوں نے مرتے ہوئے پرتاب سے وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ امر سنگھ کو اس کے فرائض یاد دلاتے
رہیں گے۔ آج اِس وعدہ کو پورا کرو کہا یا۔
رانا کو زبردستی گھوڑے پر سوار کیا گیا۔ وہ اُس کو اپنی بے عزتی سمجھ کر رونے لگا۔ مگر
کسی نے اِس طرف توجہ نہیں کی۔
گھاٹی سے اُتر کر جب اِس جگہ پر آئے۔ جہاں کہ آج کل شوالہ جگرناتھ قایم ہے تو امر سنگھ
کی حالت یک بیک تبدیل ہو گئی۔ وہ کافی غور کے بعد اپنی غلطی کو تسلیم کر چکا تھا۔ سرداروں
سے مخاطب ہوا۔ اور کہنے لگا۔ آپ میرا کہا سُنا معاف کریں۔ میں سخت غلطی پر تھا۔ مگر سردار
سلمبر کا ممنون احسان ہوں۔ کہ اس نے مجھے بدنامی سے بچا لیا۔ اب بلا شبہ بڑھتے چلو پرتاب
کا بیٹا اپنے ملک اور قوم کی آزادی کی خاطر اپنی جان قربان کریگا۔ اور اپنے سرداروں کو افسوس
کرنے کا ہرگز موقعہ نہ دیگا"

شبیہ مہارانا امر سنگھ



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۱۳۸

رانا کی اس گفتگو سے سب کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور جھومتے ہُوئے آگے بڑھے۔ دیوا کے مقام پر دشمن سے مقابلہ ہُوا۔ اور سخت خونریزی کے بعد برادر خانخاناں کو جو شاہی لشکر کا افسر تھا شکست نصیب ہوئی۔

دو سال تک جہانگیر کو میواڑ پر دوبارہ فوج کشی کرنے کا حوصلہ نہیں ہُوا۔ مگر ۱۶۱۰ء میں اُس نے پھر ایک بڑا بھاری لشکر فراہم کر کے عبد اللہ کی ماتحت میواڑ کو روانہ کیا۔ مگر درہ رمپور پر اُس کو شکست ہُوئی۔ اور سارے کا سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔ راجپوتوں نے اس فتح کی بڑی خوشی منائی۔ گھر گھر شادیانے بجنے لگے۔ اور قرمزی جھنڈا نئے سرے سے گودوار پر لہرانے لگا۔

ان متواتر شکستوں سے جہانگیر کے دل میں سخت اندیشہ پیدا ہُوا۔ مگر قبل اِس کے کہ وہ نئے سرے سے میواڑ پر فوج کشی کے سامان تیار کرے۔ اس نے ایک اور چال چلی۔ اگرچہ وہ اپنی اِس چال میں ناکامیاب رہا۔ مگر اس کے معقول ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا وہ چال یہ تھی۔ کہ اس نے سوگرا کو جو پرتاب کی رفاقت چھوڑ کر اکبر سے آ ملا تھا۔ چتوڑ کی گدی پر بٹھانا چاہا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کی کمر میں تلوار باندھ کر مغلیہ لشکر کے ہمراہ چتوڑ کو روانہ کیا۔ جہانگیر کا خیال تھا۔ کہ اِس تدبیر سے امرسنگھ کا جتھا ٹوٹ جائیگا۔ اور اس کے بہت سے سردار اس سے منحرف ہو کر ادھر شامل ہو جائیں گے۔

چتوڑ اب بالکل تباہ اور برباد ہو چکا تھا۔ سوگرا سات برس تک اُس پر حکمران رہا لیکن خوشی کی بات ہے۔ کہ اگرچہ وہ پرتاب اور اُس کی اولاد کا دشمن تھا۔ مگر چتوڑ کی تباہی کو دیکھکر اس کا دل پگھل گیا۔ چتوڑ کی محافظت میں اِس کی چپہ چپہ زمین پر اس کے رشتہ داروں اور جانہار راجپوتوں کا خون بہ چکا تھا۔ سوگرا کا دل اپنے بھتیجے (امرسنگھ) کی طرف سے پتھر کی مانند سخت تھا۔ مگر جب وہ دلاوروں کی قربان گاہوں کو دیکھتا تھا۔ جنھوں نے اپنی جانیں چتوڑ کی محافظت میں قربان کی تھیں۔ تو اس کا خون جوش کھا جاتا تھا۔ قلعہ کے وہ ستون جو شاہان مالوہ اور گجرات پر فتحیاب ہونے کے وقت کھڑے کئے گئے تھے۔ دیکھ کر مارے شرم کے اُس کی گردن جھک جاتی تھی۔ اور شاہ دہلی کی حمایت سے چتوڑ پر حکومت کرنے کو وہ سخت بزدلانہ افسوس کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ سوگرا کی طبیعت ایسی حکومت سے بیزار ہو گئی۔ اور اُس نے اپنے بھتیجے امرسنگھ کو طلب کر کے چتوڑ اُس کے حوالے کر دیا۔ اور خود قندھار کو چلا گیا۔

چتوڑ کو لے کر امر سنگھ اور اُس کے سرداروں کو جس قدر خوشی ہوئی۔ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مگر اس خوشی کا قایم رکھنا ایک مشکل امر تھا۔ راجپوتوں کے لیئے تو یہی تدبیر معقول تھی۔ کہ وہ پہاڑوں میں ٹھہر کر دشمن کو دق کرتے رہتے۔ اور اگر وہ ان پر غالب بھی آجاتا تو کسی قسم کا فایدہ تو نہ اُٹھا سکتا۔

چتوڑ پر قابض ہونے کے بعد ۸۰ قلعے اور شہر اور امر سنگھ کے قبضہ میں آگئے۔ یہ مقامات کچھ تو حملہ کر کے اس کے ہاتھ لگے تھے۔ اور کچھ دشمن نے خود سپرد کر دیئے تھے۔ اِن میں سے اونٹالا کا واقعہ سب سے مشہور اور قابل ذکر ہے۔ اس قلعہ کی تسخیر کے وقت فرقہ ہائے چونداوت اور سکتاوت میں اس بات پر سخت تکرار ہوئی تھی۔ کہ کون سب سے پہلے قلعہ پر حملہ کرنے کا مستحق ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس حملہ کا مفصل ذکر کریں۔ اول بیان کرنا اِس امر کا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرقہ سکتاوت کو کس طرح یہ عروج حاصل ہُوا تھا۔ کیونکہ اِس سے آگے تواریخ میواڑ میں اِس خاندان کا ذکر اکثر آئے گا۔

اُودے سنگھ کے چوبیس بیٹوں میں سے سکت دوسرا بیٹا تھا۔ پانچ برس کی عمر میں وہ اپنے باپ کے پاس دربار میں بیٹھا ہُوا تھا۔ کہ داروغہ اسلح خانہ ایک نیا خنجر لایا۔ رانا نے پتلی روئی منگا کر اُس پر اُس کی دھار کا امتحان کرنے کا حکم دیا۔ مگر خورد سال سکت نے خنجر داروغہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور کہا اگر یہ خنجر گوشت اور ہڈی کے کاٹنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ تو اس کی آزمائش روئی پر کیوں کی جاتی ہے؟ اِس کا تجربہ بھی اُسی چیز پر ہونا چاہیئے جس کے کاٹنے کے لیئے یہ بنایا گیا ہے"۔ یہ کہکر خنجر کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دوہر کر دبایا۔ خون بہ کر قالین پر ٹپکنے لگا۔ مگر لڑکے نے اُف تک بھی تو نہ کی نہ اس خون کو دیکھ کر کچھ متعجب ہُوا۔ اگر رانا خود بھی بہادر ہوتا۔ تو بیٹے کی اس جرارت کو دیکھ کر پھولا جامے میں نہ سماتا۔ مگر افسوس کہ وہ خود بہادری سے خالی تھا۔ اِس لئے بیٹے کی اِس جرارت کو ایک گستاخانہ حرکت سمجھ کر فوراً اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ جلاد بہادر اور بے گناہ لڑکے کو قتل گاہ کی طرف لے چلا۔ مگر سردار سلمبرا نے عرض کی۔ کہ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہ لڑکا مجھے بخشدیا جائے۔ میں اُس کی پرورش کرونگا۔ اور فرقہ چنداوت کا سردار بناؤنگا۔ رانا اِس معزز سردار کی درخواست رد نہ کر سکا۔ اور سکت کی جان بخشی کر کے اُس کے حوالے کر دیا۔

اُودے سنگھ کی وفات کے بعد پرتاب نے سکت کو اپنے پاس بلالیا۔ اور ایک دوسرے

سے کمال محبت کرنے لگے۔ لیکن طالع کی برگشتگی سے ایک دفعہ شکار کر کے موقعہ پر دونوں بھائی
آپس میں جھگڑ پڑے۔ اور معاملہ یہاں تک طول پکڑ گیا۔ کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے
ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک یہ حالت رہی۔ مگر ایک دن جنگل میں جب کہ دونوں بھائی تنہا تھے پرتاب
نے کہا۔ آؤ آج اِس جھگڑے کا فیصلہ کر دیں۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ نہ
میواڑ میں سلطنت کے دو دعویدار رہ سکتے ہیں۔ سکت بھی آخر سانگا کا پوتا تھا۔ اس کو کب عذر
ہو سکتا تھا۔ بلا تامل جواب دیا۔ "بہت بہتر"۔ مگر دونوں بہادر تھے۔ اِس لئے ایک نے دوسرے کو
پہلے وار کرنے کی درخواست کی۔ مگر جب کسی نے نہ مانا۔ تو یہ قرار پایا۔ کہ دونوں یک دم ایک
دوسرے پر حملہ کریں۔ اتنے میں کل پروہت وہاں پہنچ گیا۔ اور ان کو اس حالت میں وہاں دیکھ
کر چلا اُٹھا۔ جب آپ آپس میں ہی لڑ کر تباہ ہو جائیں گے۔ تو میواڑ کی حفاظت کون کرے گا۔ مگر
اُن کی کون سنتا تھا۔ پروہت نے جب دیکھا۔ کہ اِس کی درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ تو
اُس نے دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر خنجر اپنی چھاتی میں مار لیا۔ اور وہیں گر کر مر گیا۔

اس بیگناہ برہمن کا خون بہتے دیکھ کر دونوں کانپ گئے۔ تلواریں میانوں میں کر لی گئیں۔
پرتاب نے بلند آواز سے کہا "میں بہ حیثیت رانا تم کو حکم دیتا ہوں۔ کہ فوراً میواڑ سے نکل جاؤ
اور کبھی مجھے منہ نہ دکھلاؤ"۔ سکت سر جھکا کر اسی وقت چلدیا۔ اور اکبر سے جا ملا۔

ہلدی گھاٹ کی لڑائی کے بعد جب اُس نے پرتاب کی جان بچائی۔ اور سلیم کے لشکر سے
ت کر کے نکالا گیا۔ تو وہ پرتاب سے آملا۔ مگر خالی ہاتھ ملنا بہادر کی شان کے خلاف تھا۔
میں بھنسرور کا قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ سے فتح کیا۔ مگر جب پرتاب سے ملاقی ہوا۔ تو اُس نے
اسی کو دیدیا۔

سکت نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام یہیں بسر کئے۔ اور جب وہ فوت ہوا۔ تو اُس کے
لڑکے تھے۔

بھائی باپ کی نعش کو لیکر مرگٹ میں جلانے کے لئے گئے۔ اور ایک لڑکا جسکا نام
جی تھا۔ قلعہ میں رہ گیا۔

جب دہا کرم سے فارغ ہو کر واپس آئے۔ تو شہر کے دروازے بند تھے۔ اور کسی کو اندر
اجازت نہ تھی۔ فرزندانِ سکت نے حیران ہو کر اس کا سبب دریافت کیا۔ تو بھان جی
بھیجا۔ بھنسرور میں ہم سب کی گنجایش نہیں۔ تم کسی اور جگہ جا کر اپنی قسمت آزمائی کرو

انہوں نے جواب دیا۔ "اچھا! اگر آپ کی یہی مرضی ہے۔ تو ہمکو صرف ہمارے گھوڑے
دے دیئے جائیں۔ ہم یہاں سے نکل جانے کو تیار ہیں۔ یہ کوئی بڑی درخواست نہیں
منظور کر لی گئی۔ اور ۱۶ بھائی اپنے قبائل کو لے کر ایدر کو روانہ ہو گئے۔ اچل کی بیوی
ٹوڈی کے مقام پر پہنچکر اُس کو دردزہ شروع ہو گئی۔ سردار ٹوڈی سے مدد کی التجا کی
اخلاق نے ان مصیبت زدوں کو چند روزہ پناہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ مجبوراً
ایک ٹوٹتے پھوٹتے شوالے میں جا ٹھہرے۔ بارش کثرت سے ہو رہی تھی۔ مینہ کے زور
کی عمارت پھٹ گئی۔ اور قریب تھا۔ کہ چھت کا شہتیر ٹوٹ کر حاملہ کا خاتمہ کر دے۔
جو کہ سب بھائیوں میں طاقتور تھا۔ اُس کو اپنے سر پر تھام لیا۔ دوسرے بھائی دوڑ
جھٹ پٹ ایک ببول کا درخت کاٹ کر شہتیر کے نیچے دیدیا۔ اور بیلو کو جو کہ ابھی تک
بوجھ کو سر پر اُٹھائے کھڑا تھا رہائی دی۔

آخر کار اسی گوشہ تنہائی میں اچل کی بیوی کو لڑکی پیدا ہوئی۔ اور یہ بے سروسامان
مشکل اور مصیبت سے ایدر تک پہنچا۔ سردار ایدر ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا
کی پرورش کے لئے ایک معقول جاگیر عطا کی۔

اِس طرح سکت کے بیٹے ایدر میں اپنے ایام بسر کرنے لگے۔ مگر اُن کو یہاں رہتے
کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہُوا تھا۔ کہ رانا امر سنگھ کے وزیر کا گذر ایدر میں ہُوا۔ یہ تیرتھ یاترا
سکت کے بیٹوں کی جائے قیام کے نزدیک ہی خیمہ زن ہُوا۔ اتفاق سے اُس رات
آندھی چلی۔ اور وزیر کے قبایل کا خیمہ اکھڑ کر گرنے کے قریب تھا۔ کہ انہیں جوانمردوں
سے نکل کر اس کی تنابیں سنبھال لیں۔ اور جب تک کہ آندھی رفع نہ ہولی۔ وہاں سے
وزیر اس سلوک سے بہت خوش ہُوا۔ اور جب اُسکو معلوم ہُوا۔ کہ یہ بھی رانا کے قریبی رشتہ
ہیں۔ تو اس نے ان کو اودے پور چلنے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ
جانا ہمیں ہرگز منظور نہیں ہے۔

اِس واقعہ کے چند دن بعد ہی رانا نے جہانگیر کے مقابلہ کے لئے فوج بھرتی
کی۔ وزیر کو سکت کے بہادر لڑکوں کا احسان ابھی تک یاد تھا۔ اس کی سفارش سے
پور میں بلائے گئے۔ اور انہوں نے اپنی حسن خدمات سے رانا کو بہت خوش کیا۔ اور وہ ان
مہربانی ظاہر کرنے لگا۔

ایک موقعہ پر رانا ایک پہاڑی پر خیمہ زن تھا۔ رات کو سخت سردی پڑنے لگی۔ اور کوئی شبہ نہیں تھا۔ کہ صبح تک رانا اور اس کے رشتہ دار اکڑ کر رہجاتے۔ لیکن بیلو اور جو دانے لکڑیاں اور لنڈے جمع کر کے خیمہ کے اِرد گِرد ڈھیر لگا کر اتنی آگ روشن کر دی۔ کہ رات کی برف باری سے رانا کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ ایک اور موقعہ پر بیلو نے اس قدر بہادری دکھلائی۔ کہ رانا نے آئندہ لڑائی میں اس کو سپہ سالار اور ہراول فوج کا افسر مقرر کرنے کی خوشخبری دی۔ مگر رانا کی اس مہربانی نے فرقہ چنداوت وسکتاوت (فرزندانِ سکت) میں رقابت کا جوش پیدا کر دیا؛

آج تک ہراول فوج کی افسری کا حق صرف سردار چنداوت تک مخصوص تھا۔ اور راجپوت اس عہدہ کو سب سے افضل سمجھتے ہیں؛

بھاٹ کی زبانی یہ خبر سنکر سردار چنداوت حیران رہ گیا۔ اُس نے کبیشر سے کہا۔ کہ تو دیوانہ ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا؛

یہی جواب اِس کے باقی ہم قوم راجپوتوں کا تھا۔ مگر کبیشر نے کہا "میں دیوانہ نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ سب سچ ہے۔ رانا وعدہ کر چکا ہے۔ اور کل سپاہ سالاری اور ہراول فوج کی سرداری کے حقوق ضرور سکتاوت کو دیئے جاوینگے۔ اگر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کچھ کر سکتے ہو۔ تو کر لو۔ ابھی وقت ہے۔ سردار چنداوت اس بے عزتی کو کب گوارا کر سکتا تھا فوراً غصہ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور رانا کے پاس آیا۔ سکتاوت بھی موجود تھے۔ سردار چنداوت نے کہا "ہم نے کونسا ایسا قصور کیا ہے۔ جو ہمارے حقوق چھینے جا رہے ہیں" امر سنگھ سمجھا۔ کہ معاملہ بگڑ گیا۔ مگر اُس کو بہت اچھی بات سوجھ گئی۔ اور کہا "آئندہ کے لئے فوج ہراول کی سرداری کا مستحق وہی سمجھا جائیگا۔ جو کہ سب سے پہلے اونٹالہ کے قلعہ میں داخل ہوگا" دونوں فریق رانا کے اس فیصلہ پر خوش ہو گئے؛

قبل از طلوعِ آفتاب دونوں فرقے اپنی اپنی جمیعت لے کر ایک ہی وقت پر اونٹالہ کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے؛

اونٹالہ کا قلعہ سوائے چتوڑ کے میواڑ میں سب سے زیادہ مضبوط قلعہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس وقت اس پر مسلمان قابض تھے۔ یہ اودے پور سے بجانب مشرق اس پرانی سڑک پر۔ جو کہ چتوڑ کو جاتی ہے۔ ایک ٹیلے پر واقعہ ہے؛

اُس کی دیواریں بڑی مضبوط اور بلند ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر برج بنے ہوئے ہیں

نیچے دریا بہتا ہے۔ اور اُس کے وسط میں جو گورنر کا مکان ہے۔ وہ بھی بڑا مستحکم ہے۔ اس
اندر جانے کے لئے صرف ایک ہی دروازہ ہے ؛

چونداوت رستہ بھُول گئے۔ اور سکتاوت ان سے پہلے قلعہ کے پھاٹک تک جا
ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب اُنہوں نے معلوم کیا۔ کہ ان کا رقیب یہاں نہیں پہنچ
وہ خوش ہُوئے۔ کہ اب میدان ہمارا ہے۔ لیکن جب قلعہ پر حملہ کیا گیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ دشمن
غافل نہیں تھا۔ سینکڑوں آدمی آن کی آن میں فصیل قلعہ پر حفاظت کے لئے سینہ سپر
ہو گئے۔ مگر سکتاوت کو جس غلطی نے مایوس کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی۔ کہ وہ جلدی کے مارے زینے
اپنے ہمراہ لانا بھول گئے تھے۔ جب فصیل پر چڑھنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو اچل
سردار سکتاوت نے اپنے ہمراہیوں کو دروازہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور یہی ایک رستہ
جہاں سے یہ قلعہ میں داخل ہو سکتے تھے ؛

اب چنداوت بھی قلعہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک چرواہے کی مدد نے ان کو
مقصود تک پہنچا دیا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے رقیب سے دیر کے بعد پہنچے تھے۔ مگر ان کا قلعہ پر
ہونا یقینی امر تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ زینے بھی تھے۔ سردار چنداوت فوراً زینہ لیکر آگے
اور اس کے ذریعے فصیل پر چڑھ گیا۔ مگر ابھی سر پر پہنچنے نہ پایا تھا۔ کہ دشمن کی ایک گولی
اس کا کام تمام کر دیا۔ اور یہ لڑکتا ہُوا فصیل کے نیچے آ رہا! افسوس اس سردار کی قسمت
رانا کی فوج ہراول کی سرداری نہیں لکھی تھی ؛

سردار سکتاوت چنداوت کو فصیل پر چڑھتے دیکھ کر مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن اُس
ناکام اور مقتول واپس آنے سے اس کے دل میں ایک دفعہ پھر اُمنگ پیدا ہوئی۔
اپنا ہاتھی دروازے پر بڑھانے کا حکم دیا۔ اور مہاوت کو اشارہ کیا۔ کہ ہاتھی کی ٹکر سے
توڑ دیا جائے۔ مگر پھاٹک کے بیرونی حصہ پر بڑی بڑی سیخیں لگی ہوئی تھیں۔ ہاتھی
طرح لگاتا! مہاوت نے اپنے آقا اچل سنگھ کے حکم کی تعمیل میں ہاتھی کو متواتر آنکس
مگر حیوان اتنا بیوقوف نہیں تھا۔ لوہے کی سیخیں سامنے نظر آتی تھیں۔ اُنپر ٹکر مار کر
زندہ رہ سکتا تھا۔ اچل سنگھ اصل مطلب سمجھ گیا۔ اب دیر کا موقعہ نہیں تھا۔ دونوں
سے متواتر نعرے اُٹھ رہے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ابھی قلعہ میں داخل ہوئے
اچل سنگھ فوراً ہاتھی سے اتر پڑا۔ اور لوہے کی سلاخوں کے ساتھ کھڑا ہو کر مہاوت

حکم دیا" ہاتھی مجھ پر ریل دو کچھ پرواہ نہیں کہ میں مرجاؤنگا۔ مگر سکتاوت اپنے رقیب سے پہلے قلعہ میں داخل ہو کر ہراول فوج کی سرداری کے مستحق تو بن جائیں گے"؛

مہاوت کی کیا مجال تھی۔ کہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ ہاتھی ہول دیا گیا۔ اچل سنگھ چھد گیا۔ مگر پھاٹک گر گیا۔ اور سکتاوت نعرے مارتے قلعہ میں گھس گئے؛

اچل سنگھ کی بہادری بیشک لاثانی تھی۔ اُس نے جان دیکر عزت کو خریدا تھا لیکن افسوس کہ جس عزت کے بدلے اُس نے یہ قربانی دی تھی۔ وہ اِس کے فرقہ کی قسمت میں نہیں لکھی تھی کیونکہ اُس کے رقیب کی نعش اُن سے پہلے قلعہ میں پڑی ہوئی دکہائی دے رہی تھی؛

بات یہ تھی کہ جب سردار چنداوت گولی کھا کر فصیل سے گر پڑا۔ تو اُس کی جگہ پر سردار دیوگڈہ جو اُس سے دوئم درجہ پر تھا مقرر کیا گیا۔ یہ شخص بھی بڑا بہادر اور دل چلا تھا۔ اور ایسا بے خوف تھا۔ کہ خواہ کیسی ہی خطرے کی جگہ کیوں نہ ہو وہ بلا تامل گھس جاتا تھا۔ اُس نے اپنے پٹکے سے فوراً مقتول سردار کی نعش کو پشت سے باندھا اور زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ گیا۔ گولیاں برستی رہیں۔ ضربیں پڑتی رہیں۔ لیکن بہادر کا حوصلہ پست کرنا ان سب کے امکان سے باہر تھا؛

شیردل راجپوت اپنی برچھی سے محافظان فصیل کو چھیدتا آخر کار اوپر چڑھ گیا۔ سردار چنداوت کی نعش قلعے میں پھینک دی۔ اور چلا اُٹھا "چنداوت ہی پہلے قلعہ میں داخل ہوئے ہیں" قلعہ کا پھاٹک اِس سے چند منٹ بعد ٹوٹا تھا؛

اب دونوں گروہ قلعہ میں داخل ہو چکے تھے۔ چنداوت تو زینے لگا فصیل پر سے کود پڑے تھے۔ اور سکتاوت پھاٹک کی طرف سے اندر آگئے تھے۔ قلعہ والوں نے دل توڑ کر مقابلہ کیا۔ مگر شکست نصیب ہوئی۔ اور قرمزی جھنڈا قلعہ کے بُرج پر نصب کر دیا گیا؛

اِس موقعہ کا ایک اور دلچسپ واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب راجپوت قلعہ میں داخل ہو کر مغلوں کو قتل کر رہے تھے۔ تو اِس وقت قلعہ کے دو نامی افسر ایک مقام پر بیٹھے ہوئے شطرنج کھیل رہے تھے۔ یہ غنیم کے حملہ سے بے خبر نہیں تھے۔ ان کو سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن ان کو یقین تھا۔ کہ اونٹالہ کا قلعہ کوئی معمولی قلعہ نہیں ہے۔ فتح ضرور ہماری ہوگی۔ اِس زعم میں وہ کھیل میں مصروف رہے۔ مگر اب راجپوت ننگی تلواریں لئے سر پر آ پہنچے تھے۔ انہوں نے التجا کی۔ کہ ہم کو بازی ختم کر لینے دو۔ یہ ایک فضول درخواست تھی۔

لیکن راجپوتوں نے اُس کو منظور کر لیا۔ اور جب یہ بازی ختم کر چکے۔ تو ان کو اُسی جگہ پر قتل کر
گیا؛

رانا اِس موقعہ پر بکرول کے مقام پر ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ قلعہ کی فتح کی خبر سنکر فوراً
ہو کر آیا۔ ایک طرف سردار چنداوت کی نعش پڑی تھی۔ دوسری طرف اچل سنگھ کا جسم
کی سلاخوں میں چھدا ہُوا تھا۔ پاس ہی اُس کے تین بھائی بے جان پڑے تھے۔ چوتھا جس
نام بیلو تھا۔ دم توڑ رہا تھا۔ اُس نے رانا کو دیکھ کر سلام کیا۔ اور دم توڑتے توڑتے کہا۔ دو
مہربانی اور چار حصے قربانی"۔ اِس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بادشاہ جس قدر اپنی رعایا پر مہربان
ہو گا۔ وہ اُس سے دگنی اُس کی جان نثار ہو گی۔ بیلو کا اشارہ اِس سے یہ بھی تھا۔ کہ آپ
نے ہم سے دو عہدوں کا وعدہ کیا تھا۔ اور اُس کے عوض میں ہم چار بھائی جانیں قر
کرتے ہیں؛

معزز ناظرین غور کیجئے۔ کہ اپنے حقوق حاصل کرنے اور پھر ان پر قابض رہنے کے لئے کس
قدر جد و جہد کی ضرورت ہُوا کرتی ہے! کاش کہ ایسے ایسے بہادر ملک میں پھر بھی پیدا ہوں
اب ہم پھر اپنے اصلی مضمون کو شروع کرتے ہیں۔ ان متواتر شکستوں نے عالمگیر کے دل
میں سخت اندیشہ پیدا کر دیا۔ اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ جس طرح ہو۔ وہ رانا کو ضرور مطیع
کر کے رہیگا۔ اُس نے اپنا دارالسلطنت دہلی سے اجمیر میں منتقل کیا۔ اور ایک کثیر التعداد
جمع کر کے اپنے بیٹے پرویز کو اس کا افسر مقرر کیا۔ اور رانا کے مقابلہ پر بھیج کر ہدایت کی۔ کہ اگر
وہ صلح قبول کرلے۔ تو پھر اُس کے ملک پر دست درازی نہ کرنا۔ مگر اب امر سنگھ کو صلح
پر رضامند کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی یہ وہی رانا ہے۔ جو کہ عیش و عشرت میں پڑ کے پہلی
کے موقعہ پر اپنے فرائض کو بالکل فراموش کر چکا تھا۔ اور سردار سلمبرا نے زبردستی اُس کو گھوڑے
پر سوار کیا تھا۔ مگر اپنے فرض کو سمجھ کر جو جو کارنمایاں اُس نے کئے۔ ناظرین کی نظروں سے
گذر چکے ہیں۔

رانا نے درہ کھمنور پر پرویز کا مقابلہ کیا۔ اور اس مرتبہ بھی لشکر شاہی کو شکست فاش دی
اور وہ بڑی بے عزتی کے ساتھ اجمیر کو بھاگ کھڑے ہُوئے۔ فرشتہ خود اقرار کرتا ہے
یہ دن میواڑ کے لئے بڑی خوشی کا دن تھا۔ پرویز درہ میں پھنس گیا تھا۔ اِس کے کیمپ میں
پیدا ہو گیا تھا۔ غنیم نے اس کی رسد رسانی بند کر دی۔ ایسی حالت میں اس پر حملہ ہُوا۔ اور

وہ پریشان ہو کو بھاگا۔ غنیم نے تعاقب کیا۔ اور اس تعاقب میں بہت سی شاہی سپاہ قتل ہوئی"۔ لیکن جہانگیر اپنے روزنامچہ میں اس واردات کو بالکل اڑا جاتا ہے۔ اور صرف اتنا لکھتا ہے۔ کہ میں نے پرویز کو خود وہاں سے طلب کر لیا تھا۔ اور اس کے فرزند کو حکم دیا تھا۔ کہ چند سردار لیجا کر رانا کا نگران حال رہے۔ بیشک جہانگیر اس لڑائی کا مفصل حال اپنے روزنامچہ میں کس طرح درج کر سکتا تھا۔ اس کے اپنے بیٹے کو شکست ہوئی تھی۔ اور یہ الفاظ اُس کی قلم سے نکلنے مشکل تھے ؛

امر سنگھ نے پرتاب کی وفات کے بعد آج تک سترہ لڑائیاں لڑیں۔ اور ہر لڑائی میں کامیاب رہا۔ لیکن بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور افسروں کے مارے جانے سے اُسکو فتح کی کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی تھی۔ آخری لڑائی میں لشکر شاہی کو بہت بُری طرح شکست ہوئی تھی۔ مگر رانا ابھی سنبھلنے نہ پایا تھا۔ کہ ایک اور لشکر کثیر خورم کے زیر حکم جو کہ جہانگیر کے لڑکوں میں سب سے زیادہ لئیق اور دانا تھا۔ اور جو بعد میں بہ لقب شاہ جہان تخت پر بیٹھا تھا۔ میواڑ پر آپہنچا ؛

رانا نے بھی حتےالمقدور مقابلہ کا انتظام کیا۔ اور کوہستانی علاقوں کی بچی کھچی سپاہ جمع کر کے مقابلے کو تیار ہُوا۔ مگر یہ لشکر شاہی لشکر کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھا۔ میواڑ میں اب جان نہیں رہی تھی۔ آٹھ سو سال کے جدوجہد نے جو کہ وہ شاہان دہلی کے مقابلہ میں کرتا رہا تھا اس کو پایمال کر دیا تھا۔ اس کی بہادر قومیں گھٹتے گھٹتے آخر کار نابود ہونے کے قریب ہو گئی تھیں دہلی کی سلطنت وسیع تھی۔ اِس کے دس ہزار آدمی کسی لڑائی میں کام آتے۔ تو وہ ایک لاکھ اور بھرتی کر سکتا تھا۔ مگر راجپوتوں کا جو آدمی مرتا تھا۔ وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ جاتا تھا۔ امر سنگھ نے انہیں چند جانوں کے ساتھ جو اس کے پاس جمع ہو گئی تھیں۔ کئی مہینوں تک خرم کا مقابلہ کیا۔ مگر یہ مقابلہ مقابلہ نہیں کہلا سکتا تھا۔ شاہی فوج بڑھتی چلی گئی۔ رانا کے سردار قتل ہوتے گئے۔ اکثر قید ہُوئے۔ اور رانا کو مجبوراً پہاڑوں میں پناہ گزیں ہونا پڑا ؛

شہزادہ خورم بھی رانا کی کمزوری سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسی حالت میں بھی بزور شمشیر کامیابی حاصل کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ راجپوتوں کی سابقہ خونریز لڑائیاں اُسکو اچھی طرح یاد تھیں۔ اور باپا راول کے وقت سے لیکر اس وقت تک میواڑ کی حفاظت میں راجپوتوں نے جسقدر خون بہایا تھا۔ وہ اُس سے ناواقف نہیں تھا

اس میں شک نہیں کہ وہ اِس دفعہ رانا پر ضرور فتح حاصل کر لیتا۔ مگر اِس کا انجام نہایت
خوفناک تھا۔ علاوالدین نے چتوڑ کو فتح کیا۔ مگر کیا ہاتھ آیا! بہادر سلطان نے میواڑ میں
خونریزی کی۔ مگر فایدہ کیا ہُوا؟

اکبر نے بھی نمایاں فتح حاصل کی۔ چتوڑ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ خون کی ندیاں
دیں لیکن اِس کے عوض میں اسکو ملا کیا؟

پرتاب کے مقابلہ پر بھی اُسکو اول اول نمایاں فتح حاصل ہوتی رہیں۔ لیکن اُن سے سلطنت
مغلیہ کو کیا ملا؟ راجپوتوں پر فتح پاکر بھی جو کچھ ہاتھ آتا تھا۔ اُس کی نظیریں خرم کی آنکھوں
کے سامنے موجود تھیں۔ ان تمام باتوں پر اچھی طرح غور کرکے وہ آخر کار اِس نتیجہ پر پہنچا کہ
سلطنت مغلیہ کو اگر کچھ فائدہ راجپوتوں سے پہنچ سکتا ہے۔ تو وہ حالت صلح میں ہی پہنچ
یہی ہدایت اِس کے باپ کی بھی تھی۔ لہذا اُس نے امر سنگھ کو پیغام بھیجا۔ کہ رانا اب بھی سلطنت
مغلیہ کا دوست بنجائے۔ تو اُس کی عزت قائم رکھی جاسکتی ہے۔

خرم کے پیغام کو امر سنگھ نے بھی نہایت غور کے ساتھ سُنا۔ یہ پیغام اُس کی زندگی بھر
کا پیغام تھا۔ میواڑ میں رکھا ہی کیا تھا۔ تمام راجپوت سردار اور نامی جان نثار ملک پر قربان
ہو چکے تھے۔ صرف چند جانیں اپنا آخری پارٹ ادا کرنے کے لئے اِس کے جھنڈے کے
جمع ہوئیں تھیں۔ مگر نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ یہ لوگ بھی اپنے باپ دادوں کی طرح میدان جنگ
میں مر مٹیں گے۔

بہتیری خونریزی ہوچکی! خاندان ششودیہ نے اپنی آزادی کے لئے لاکھوں جانیں
قربان کردیں۔ آٹھ سو سال تک مسلمان بادشاہوں کا مقابلہ کیا!! مگر جب ایشور کو ہی اس کا
فروغ منظور نہیں تو پھر کیا بن سکتا ہے!!! اب تلوار میان میں ہونی چاہیئے!!! ششودیہ
نسل کو بالکل قطع کردینا بھی مناسب نہیں!!!

ان خیالات سے مغلوب ہوکر رانا نے خرم کے پیغام کو منظور کرلیا۔ اور صلح کی رضامندی
دیدی۔

مذکورہ بالا سطور کو پڑھ کر ممکن ہے کہ ہمارے ناظرین بے تاب ہوجائیں۔ اور آزادی
کی زبان سے بے تحاشا ذیل کے الفاظ بھی نکل جائیں۔ تو بھی کچھ تعجب نہیں ہے۔
شاہی اطاعت کا قبول کرنا ششودیہ دن کی شان کے ہرگز شایاں نہ تھا۔ رانا نے بہت

بُرا کیا۔ اور جس عزت کے لئے یہ خاندان صدیوں سے لڑتا۔ اور کٹتا چلا آتا تھا۔ آج امر سنگھ نے اِس عزت کو کھو دیا ٭

مگر میں اپنے ناظرین سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ کسی قسم کا فیصلہ دینے کے لئے جلدی سے کام نہ لیں۔ شیر کے جیتے جی کوئی اس کی مونچھ کا بال نہیں اکھاڑ سکتا۔ مگر مرنے پر چیونٹیاں بھی اِس کا خون چوسنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ میواڑ بھی جب زندہ تھا۔ تو کوئی طاقت اس کو اطاعت پر مجبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ سچ پوچھو۔ تو بحالت جان کنی بھی اس کا وہی دم خم تھا۔ لیکن اِس مرتبہ میواڑ کی حالت مردہ شیر کی نسبت کچھ بھی بہتر نہ تھی۔ ایسی صورت میں اگر رانا نے راجستھان کے دوسرے راجوں کی طرح شہنشاہ دہلی کے ساتھ صلح کو تسلیم کر لیا۔ تو اِس سے اِس کی عزت میں ہرگز فرق نہیں آسکتا۔ مزید بریں جب ہم صلح کی شرایط کی طرف دھیان کرتے ہیں۔ تو انکو پڑھکر ہمارا اور بھی اطمینان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ شرایط سراسر میواڑ کے حق میں ہیں۔ اور اِس بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ کہ جہانگیر کے دباؤ نے نہیں بلکہ محض اِس کے نرم برتاؤ نے ہی رانا کو صلح پر آمادہ کر دیا تھا۔ اگرچہ جہانگیر نامہ میں بادشاہ نے اس کی وجہ رانا کی مجبوری بیان کی ہے۔ مگر اس کی اپنی تحریر ہی اس بات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ کہ اِس کا یہ دعوےٰ بالکل غلط ہے ٭

اس واقعہ کو ہم جہانگیر کے اپنے الفاظ میں کسی قدر اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں ٭

میری تخت نشینی کے نویں سال ۱۶۱۴ء میں میرے بیٹے خرم نے رانا کی سواری کا خاص ہاتھی معہ دیگر سترہ ہاتھیوں کے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا۔ میرے عہد حکومت کا یہ نہایت ہی دل خوش کن واقعہ تھا۔ میں دوسرے دن اسی ہاتھی پر سوار ہو کر سیر کے لئے نکلا۔ اور خدا کا شکر یہ ادا کر کے بہت سا سونا چاندی خیرات کیا ٭

جب مجھے یہ خبر پہنچی۔ کہ رانا اطاعت کے لئے تیار ہے۔ اور میرے بیٹے نے جو کہ بڑا صاحب قسمت ہے۔ میواڑ کے بہت سے مضبوط مقام اپنے قبضے میں کر لئے ہیں۔ تو میں پھولا نہ سماتا تھا۔ اگرچہ میواڑ کی آب و ہوا ناقص تھی۔ پھر بھی میری سپاہ آفتاب کی طپش اور بارش وغیرہ کا کچھ خیال نہ کر کے میواڑ کو تاخت و تاراج کرتی رہی۔ یہ حال دیکھ کر رانا مایوس ہوا۔ اور اس خیال سے کہ اگر کچھ عرصہ تک یہی حال رہا۔ تو ملک بالکل تباہ ہو جائیگا۔ اِس لئے اطاعت اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور اس مطلب کے لئے اپنے دو سردار سوپ کرن اور ہری داس

میرے بیٹے خرم کے پاس بھیجے۔ اور انہوں نے آکر بیان کیا۔ کہ اگر رانا کی تقصیر معاف ہو۔ اور اس کی دستگیری کیجائے۔ تو وہ اطاعت قبول کرنے کو تیار ہے۔ اگرچہ وہ خود تو بوڑھا ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اپنے بیٹے کو دوسرے راجوں کی طرح دربار شاہی میں بھیج دیگا۔ خرم نے یہ خبر میرے پاس پہنچائی۔ میں بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا۔ کہ میواڑ کے قدیمی حکمرانوں کو ملک سے خارج کرنا مناسب نہیں۔ وہ بدستور وہاں قایم رکھے جائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ رانا اور اس کے بزرگ بڑے صاحب دماغ تھے۔ وہ اپنے پہاڑی علاقہ پر جو کہ بڑا مستحکم اور ناقابل تسخیر تھا۔ بھروسہ کر کے کسی بادشاہ کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ بدیں خیال کہ کہیں یہ موقعہ بھی میرے ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ میں نے اس خبر کے سنتے ہی فوراً رانا کا قصور معاف کر دیا۔ اور اس کو لکھا۔ کہ ہماری طرف سے ہر طرح اطمینان رکھو۔ ہر طرح پر تمہاری مدد کیجائے گی مزید اطمینان کے لئے میں نے اس پروانہ پر اپنا پنجہ لگایا۔ اور خرم کو بھی لکھا۔ کہ عالی خاندان رانا کے ساتھ بڑی خاطرداری سے پیش آئے۔ اور جس طرح وہ کہے۔ اسی طرح کرے۔ خرم نے میرے خط کو رانا کے پاس بھیجدیا۔ اور اسکو اطمینان دلایا۔ کہ وہ ہر طرح سے خاطر جمع رکھے"۔

آخر تاریخ ملاقات مقرر ہوئی۔ اور رانا نے حاضر آکر دو بیش قیمت جواہر معہ دیگر طلائی ہتھیاروں اور سات زنجیر فیل اور گھوڑے خرم کے پیش کئے۔ خرم اس کے ساتھ کمال مہربانی سے پیش آیا۔ اور اسکو تشفی دی کہ بہرصورت اس کی حمایت کی جائے گی۔ اور اس کی عزت و توقیر کا برابر خیال رکھا جائیگا۔ خرم نے بوقت رخصت ایک ہاتھی ایک گھوڑا اور ایک تلوار بطور خلعت رانا کو دیا۔ اگرچہ رانا کے کل امرا و وزرا اس وقت اس کے ہمراہ نہ تھے۔ مگر پھر بھی ایک سو بیس خلعت پچاس گھوڑے اور بارہ ہاتھی معہ جڑاؤ ہودج کے ان کے لئے عطا ہوئے۔ میرے بیٹے کے خدمتگار محمد بیگ نے اس ملاقات کی خبر میرے پاس پہنچائی۔ جسکو سنکر مجھے ازحد خوشی ہوئی۔ اور میں نے محمد بیگ کو ایک ہاتھی ایک گھوڑا اور ایک خنجر بطور خلعت عطا کیا۔ اور ذوالفقار خاں کا خطاب بھی دیا۔ چونکہ راجپوتانہ کی رسم کے مطابق کوئی راجہ مع اپنے ولیعہد کے کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔ اس لئے[1] رانا کا بیٹا کرن بھی اس موقعہ پر اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ رانا نے بوقت رخصت خرم سے اقرار کیا کہ وہ دوسرے دن ولیعہد

[1] جہانگیر کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ ولیعہد کو ہمراہ نہ لانے سے رانا کا مطلب یہ تھا۔ کہ کہیں دغا نہ ہو۔ ورنہ ٹاڈ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس رانا صاحب اکثر دفعہ مع اپنے بیٹے کے ملاقات کو آیا کرتے تھے۔

کو بھی ملاقات کے لئے بھیجے گا۔ چنانچہ وہ حسب اقرار حاضر آیا۔ اور اسکو بھی بیش قیمت خلعت عطا ہُوا۔ اُسی دن خرم نے میرے پاس اجمیر میں آکر درخواست کی۔ کہ اگر حکم ہو۔ تو کرن کو حاضر دربار کروں۔ میں نے حکم اس کی حاضری کا دیا۔ کرن حاضر آیا۔ اور میں نے اپنے فرزند کی سفارش سے اُس کو اپنے داہنے ہاتھ پر نشست دی۔ جو کہ میرے درباریوں میں سے سب سے اول درجہ تھا۔ اس روز میں نے اس کو ایک بیش قیمت خلعت بھی مرحمت فرمایا۔ چونکہ کرن نے کوہستانی علاقہ میں پرورش پائی تھی۔ اِس لئے وہ حاضر دربار رہنے سے پہلوتہی کیا کرتا تھا مگر میں نے ہر روز اس پر مہربانی کی نظر زیادہ کرنی شروع کی۔ تاکہ اس کے دل میں الفت پیدا ہو۔ اور اسکو میری حمایت کا یقین کلی ہو جائے۔ چنانچہ اسی خیال سے میں نے دوسرے دن اس کو ایک خنجر جواہرات سے جڑا ہوا عنایت کیا۔ اور تیسرے دن بھی ایک نادر گھوڑا اُس کو مرحمت ہُوا۔ اسی روز میں اسکو نورجہاں کے پاس بھی لے گیا۔ اُس نے بھی اسکو ایک گراں بہا خلعت مع ہاتھی گھوڑے اور ساز و سامان کے دیا۔ پھر میں نے نہایت بیش قیمت موتیوں کی مالا اُس کو عطا کی۔ دوسرے دن میں نے ایک اور ہاتھی تین شاہی شکرے اور تین باز ایک زرہ بکتر اور جڑاؤ چھلے دیئے۔ چنانچہ اسی مہینے کی آخری تاریخ پر میں نے اسکو مندرجہ ذیل اشیاء عنایت کیں۔ قالین مسند گدی۔ عطریات۔ ظرف طلائی ایک جوڑہ گاؤ گجراتی ؛

حاصل کلام یہ کہ جب وہ دربار سے رخصت ہُوا۔ تو اِس دن تک جو چیزیں اسکو مرحمت ہوئی تھیں۔ ان کی مجموعی قیمت دس لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی۔ ماسوائے اِس کے ایک سو دس گھوڑے اور پانچ ہاتھی جو میں نے اِس وقت دیئے۔ اور جو کچھ کہ خرم دیتا رہا۔ اس کے علاوہ تھا ؛

دوسرے سال کرن کو منصب پنجہزاری[51] عطا ہُوا۔ اور اِس وقت میں نے اُس کو موتیوں کا ایک بازوبند جس میں نہایت بیش قیمت ہیرا لگا ہُوا تھا عنایت کیا ؛

اُسی سال میں یعنی ۱۶۱۵ء میں کرن کا بیٹا جگت سنگھ بھی جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی حاضر دربار آیا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ شخص[52] بڑا عالی خاندان ہے۔ میں

[51] ایک جگہ یہ بھی درج ہے۔ کہ بوقت عطائے منصب کرن کو مفصلہ ذیل اضلاع بھی بطور جاگیر عطا ہوئے تھے۔ خرار۔ پھولیہ۔ بید نور۔ مانڈل گڈھ۔ جیرن نیمچہ۔ بھنسرور۔ ریاست دیولا اور ڈونگر پور ۱۲ [52] سر طامس رو جو اسوقت دربار جہانگیر میں موجود تھے بیان کرتے ہیں مغل کی ریاست میں ایک شاہ پورس کی اولاد سے بھی موجود ہے جسکے خاندان نے گذشتہ سال تک کبھی اطاعت قبول نہ کی تھی حقیقت یہ ہے کہ اسکو مہربانی سے نہ کہ زور بازو سے وہ کثرت مہربانی سے مغلوب ہوا ہے۔ سر طامس رو کا اشارہ امر سنگھ کے پوتے جگت سنگھ کی طرف ہے ۱۲

نے اُس کو خلعت گراں بہا دیکر خوش کیا۔ اور بوقت رخصت میں نے اُس کو بیس ہزار روپیہ نقد
گھوڑا ایک ہاتھی اور ایک خلعت مرحمت کیا۔ اور ہری داس اُستاد جگت سنگھ کو پانچہزار رو
اور ایک گھوڑا مع خلعت بخشا۔ اِسی کے ہاتھ میں نے چھ تصویریں سونے کی رانا کے لئے
بھیجیں"

مذکورہ بالا بیان جہانگیر کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہُوئے ہیں۔ اِس لئے وہ معاملہ پر
روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ حالات مفصل ہیں۔ اسی لئے دلچسپ بھی ہیں:۔

جہانگیر خود بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ راجپوت بڑی بہادری سے اس کا مقابلہ کرتے رہے
وہ یہ بھی لکھتا ہے۔ کہ جب تک رانا ایسا تنگ نہ ہُوا۔ کہ یا تو قید ہوجائے۔ یا جلا وطن کیا جا
اُس نے اطاعت قبول نہ کی یہ بالکل درست ہے۔ رانا کا خود دربار شاہی میں حاضر نہ ہونا
سواری کا ہاتھی ہاتھ آنے سے جہانگیر کا ازحد اظہار خوشی کرنا اور اپنے فرزند کو ہدایت کرنا کہ وہ
رانا کی خاطر کرے۔ اور جس طرح وہ چاہے۔ اُس سے پیش آئے۔ اور ہر بات میں اُسکی خوشی
کا خیال رکھے۔ یہی باتیں تھیں۔ جو ظاہر کرتی ہیں۔ کہ رانا نے محض دباؤ سے ہی شاہی اطاعت
قبول نہیں کی تھی۔ بلکہ مصلحت وقت نے اُسکو مجبور کردیا تھا۔ جہانگیر کا ولیعہد میواڑ کو
کے جملہ سرداروں پر ترجیح دیکر اپنے داہنے ہاتھ اول درجہ پر بٹھلانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ اُس
سب سے بزرگ تر تسلیم کرتا تھا۔

پہلی ملاقات کے وقت خرم نے رانا سے یہ کہا تھا۔ کہ اگر وہ فرمان شاہی کو دارالریاست
باہر آکر قبول کرلے۔ تو صرف اتنی بات پر ہی شاہی فوجیں میواڑ سے ہٹالی جائینگی۔ مگر
نے اُسکو منظور نہیں کیا۔ اور بادشاہ کی بزرگی کا اقرار کرنے سے صاف انکار کردیا۔

خرم نے بوقت ملاقات جو خطاب اور درجہ اس کو پیش کیا۔ اُس کو بھی نامنظور کیا
کہ راجپوت کے لئے کسی مصنوعی خطاب کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اس کی عزت کے لئے
کے اپنے جوہر ذاتی ہی کافی ہیں۔

عالی حوصلہ امر سنگھ نے جب دیکھا۔ کہ اب دوسرے کی مرضی پر چلنا اور دوسرے
رائے کی پابندی سے حکومت کرنی ہوگی۔ تو اس کی غیور طبیعت نے ہرگز اس کو پسند
اور اپنے سرداروں کو بلا کر سلطنت سے دست برداری کی خواہش ظاہر کی۔ اور اپنے ہاتھ سے
کو گدی پر بٹھا کر گوشہ نشین ہو بیٹھا۔ اِس کے بعد وہ کبھی محل سے باہر نہیں نکلا اور

میں اسی جگہ فوت گیا۔

امر سنگھ کی خصلتوں کی تشریح کرنی محض فضول ہے۔ وہ اپنے باپ کا لایق بیٹا تھا۔ قوم کا سچا بہی خواہ تھا۔ اور تمام جسمانی و روحانی صفتیں جن کا کہ ایک راجپوت میں موجود ہونا ضروری ہے۔ سب اس میں موجود تھیں۔ آج تک جتنے حکمران میواڑ کی گدی پر بیٹھے۔ وہ سب سے زیادہ قد آور اور جسیم تھا۔ وہ اکثر خاموش اور مغموم رہتا تھا۔ اور اُس کی وجہ ظاہر تھی۔ کہ وہ اپنے ملک اور قوم کے مصائب کو دیکھنا برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس کے سردار اس کی فیاضی اس کی دریا دلی اور اس کی بہادری کی وجہ سے اس سے کمال محبت رکھتے تھے۔ اور اُس کی رعایا اس کے انصاف اور اس کی مہربانیوں سے اس پر دل و جان سے نثار تھی۔

۱۶۲۱ء میں کرن اپنے بزرگوں کے تخت پر بیٹھا۔ جہانگیر اور خرم دونوں اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کرن نے جو جہانگیر سے صلح کی تھی۔ اُس میں یہ بھی شرط تھی۔ کہ میں بذات خود حاضر دربار نہ ہُوا کرونگا۔ صرف ولیعہد کو دربار میں بھیجا جاتا تھا۔ لیکن جب وہ گدی پر بیٹھتا تھا۔ تو وہ پھر کبھی دربار میں نہ جاتا تھا۔ کرن نے اپنے عہد میں دارالریاست اُودے پور کے اردگرد فصیل بنوائی۔ اور اس کے نیچے خندق بھی کھدوائی۔ اور اس بند کو بھی بڑھایا جس سے کہ دریائے پشولا کا پانی روکا گیا ہے۔ وہ محل بھی جسکا نام راؤلا نامزد ہے۔ اس کے عہد میں تعمیر ہُوا تھا۔

شاہجہان نے جب اپنے باپ کے مقابلہ پر علم بغاوت کھڑا کیا۔ اور شکست کھائی۔ تو وہ مع مہابت خاں کے اُودے پور میں پناہ گزیں ہُوا۔ رانا نے اِس کی بڑی خاطر تواضع کی جھیل ودے ساگر میں مہمانوں کے لئے ایک خوبصورت محل استادہ کیا گیا۔ اور اُن کے آرام و آسایش کے تمام سامان مہیا کئے گئے۔

شاہجہان نے رانا سے پگڑی بدلی۔ اور اس سے اتحاد برادرانہ قایم کیا۔ اگرچہ بعد میں اس کے جانشینوں نے ہندوؤں پر بڑھ بڑھ کر سختیاں کیں۔ لیکن اس پگڑی کی عزت میواڑ کی نظروں میں ہرگز کم نہیں ہوئی۔ یہ اب تک بھی اُودے پور میں موجود ہے۔ اور اُس کی ویسی ہی تعظیم کی جاتی ہے۔ جیسی کہ رانا کرن کیا کرتا تھا۔

کرن نے ۱۶۲۸ء میں وفات پائی۔ اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا جگت سنگھ میواڑ کی گدی پر بیٹھا۔ جگت سنگھ نے چھتیس سال تک سلطنت کی اس کا زمانہ بڑے امن و امان سے گذرا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اُس کے عہد میں کبیشروں کا بازار سرد پڑ گیا۔ جو کہ ایام جنگ و جدل میں ہی گرم ہُوا

کرتا ہے۔ ہاں اِس کے وقت میں بڑی عالیشان عمارتیں تیار ہوئیں۔ اور وہ اُودے پور
رونق کا خاص باعث ہیں۔ وہ عالیشان محل جو جھیل کے کنارہ پر چار ایکڑ زمین میں کھڑا ہے
کے عہد میں تعمیر ہُوا تھا۔ اِس محل کا نام جگنی محل ہے۔ اور اودے پور میں ایک قابل دید عمارت

رانا راج سنگھ

ایک دن ایک ہرو دیا راجپوت اپنا معمولی کام کر کے کھیت سے واپس آرہا تھا۔ کہ جنگل
سے اُس کو سلام کی آواز آئی۔ اُس نے سلام کا جواب دیا۔ اور جہاں سے یہ آواز آئی تھی
روانہ ہُوا۔ وہاں ایک ناواقف مگر ذی رتبہ شخص کو دیکھا۔ اُس کا گھوڑا ہانپ رہا تھا۔
تو معلوم ہُوا۔ کہ یہ بھی راجپوت ہے اجنبی شخص نے پانی مانگا۔ اُس نے فوراً اُس کو پانی دیا
دو روٹیاں مکی اور کچھ دال نخود کی بھی پیش کی۔ اجنبی نے نہایت رغبت کے ساتھ جبقدر
زمیندار سلام کر کے واپس ہونے کو تھا۔ کہ چند سوار اس کی نظر پڑے۔ یہ دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔
اُس نے دیکھا۔ کہ یہ سب اُس اجنبی کے گرد آ کر جمع ہو گئے ہیں۔ اور بڑے ادب سے
سامنے کھڑے ہیں۔ اِس سے اسکو معلوم ہوا۔ کہ اسکا مہمان کوئی عام آدمی نہیں ہے
دراصل یہ رانا جگت سنگھ تھا۔ جو شکار کا بڑا شایق تھا۔ اور اُس روز ناہر مگرے
راستوں میں گم راہ ہو کر اِس جنگل میں آنکلا تھا۔ اب رانا نے دودیا سے چند سوالات
کے جواب اِس نے ایسی صفائی سے اور ایسے بیباکانہ طرز سے دیئے۔ جیسے کہ ایک آزاد
شخص سے ہونے چاہیئے۔ اور یہ دونوں خصلتیں قدرتی طور پر ہر ایک راجپوت میں موجود
رانا اپنے دیہاتی میزبان سے ایسا خوش ہُوا۔ کہ اُس نے حکم دیا۔ کہ خاصے کا ایک
جو جلو میں تھا۔ حاضر آوے۔ اور دودیا کو اِس پر سوار ہو کر اپنے ساتھ اودے پور جانے
کہا۔ اُودے پور یہاں سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔ چندر بھان اِس دیہاتی کا نام تھا
کسانی پوشاک میں گھوڑے پر ایسی آسانی سے سوار ہُوا۔ گویا وہ پہلے سے ہی اِس کا عادی
دوسرے دن یہ حضور میں حاضر کیا گیا۔ رانا نے خوش ہو کر اپنی پوشاک اُسکو عطا کی اور

شبیہ رانا راج سنگھ



بغل سے لکڑیاں سر پر
...یا پیا کرتے تھے۔ میں ڈھوتی

... لڑتا تھا ۔
... جواب سے رانا کسیقدر ناراض ہوگیا۔ کیونکہ یہ جواب واقعی بے احتیاطی سے دیا گیا
... طعنہ آمیز بھی تھا۔ رانا نے کہا۔ اچھا سردار سنگھ اگر تم اِس کا ثبوت پیش نہ کروگے
... سزا دیجائے گی ۔
... دار سنگھ نے کہا کوار یو کے مندر میں جو دیوتا ہے۔ وہ اس کی شہادت دیگا۔" اگرچہ
... ی ہنسی میں ہوگئیں۔ مگر جب رانا راج نے کپڑے پہن اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسکو
... ثبوت دینے کے لئے مندر میں چلنے کو کہا۔ تو سردار سنگھ کو سخت اندیشہ پیدا ہوگیا۔"
... دیکھئے۔ جونہی کہ یہ مندر کے نیچے کھڑے ہوئے۔ کنگرہ سے ایک سنگین پھول
... سے اُٹھا کر رانا کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور کہا کہ بس اب اس سے زیادہ ثبوت اور

متعلق کی حاضر جوابی پر خوش ہوگیا۔ اور مہربان ہو کر کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے سردار سنگھ
... کی وہ معمولی تھی۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ علاقہ لدو مع اراضی متعلقہ کے جو ملحق

اقہ بطور جاگیر مرحمت فرمایا ؛

چندر بھان اور اس کا مربی ایک ہی سال میں فوت ہوئے۔ ادھر رانا راج سنگھ گدی نشین
واڑ ہوا۔ ادھر چندر بھان کا بیٹا سردار سنگھ بحیثیت جاگیر دار دربار میں حاضر رہتا تھا۔ راجہ ہر
ز اپنے مصاحبوں کے ساتھ سہیلیا کی باغیچی میں جاکر نہایا کرتا تھا۔ اور پانی میں خوش فعلیاں
یا کرتے تھے۔ یہ باغ اودے پور سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور اس قدر بے تکلفی ہوتی
ی۔ کہ ایک دوسرے کا مطلق لحاظ باقی نہ رہتا تھا۔ سردار سنگھ کی حرکات ہی چونکہ ایسی تھیں
اُس کو ہر ایک ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ ایک دن خیال آیا۔ کہ سردار سنگھ جب حوض میں غسل
تا ہے۔ تو دستار اپنے سر سے علیحدہ نہیں کرتا۔ رانا کو گمان ہوا۔ کہ شاید اس کے سر پر بال
ہیں ہیں۔ اس نے کہا۔ کہ سب باہم ملکر پانی میں کھیلو سب کھیلنے لگے۔ اور ایک دوسرے کو
نے اور غوطے دینے لگے۔ اِس کھیل میں سردار سنگھ کی دستار گر پڑی۔ رانا کا گمان درست
کلا۔ اُس نے ہنس کر کہا۔ کہ سردار سنگھ تمہارے بال کہاں گئے؟ اُس نے ترشی سے جواب دیا
میرے بال پہلے جنم میں آپ کی خدمت کرتے کرتے گھس گئے ہیں۔ ہم دونوں پہلے جنم میں
ری ناتھ کے پہاڑوں میں تپسیا کیا کرتے تھے۔ میں دھونی کے لئے جنگل سے لکڑیاں سر پر
ٹھا کر لایا کرتا تھا ؛

اس جواب سے رانا کسیقدر ناراض ہوگیا۔ کیونکہ یہ جواب واقعی بے احتیاطی سے دیا گیا
تھا۔ اور طعنہ آمیز بھی تھا۔ رانا نے کہا۔ اچھا سردار سنگھ اگر تم اس کا ثبوت پیش نہ کروگے
تم کو سخت سزا دیجائے گی ؛

"سردار سنگھ نے کہا کوار یو کے مندر میں جو دیوتا ہے۔ وہ اس کی شہادت دیگا" اگرچہ
باتیں ہنسی ہنسی میں ہوگئیں۔ مگر جب رانا راج نے کپڑے پہن اور گھوڑے پر سوار ہوکر اسکو
نی گفتگو کا ثبوت دینے کے لئے مندر میں چلنے کو کہا۔ تو سردار سنگھ کو سخت اندیشہ پیدا ہوگیا"
حسن اتفاق دیکھئے۔ جونہی کہ یہ مندر کے نیچے کھڑے ہوئے۔ کنگرہ سے ایک سنگین پھول
سردار سنگھ نے اُٹھا کر رانا کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور کہا کہ بس اب اس سے زیادہ ثبوت اور
مل سکیگا ؛

راجہ اس کی حاضر جوابی پر خوش ہوگیا۔ اور مہربان ہوکر کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے سردار سنگھ
جو درخواست کی وہ معمولی تھی۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ علاقہ لدود معہ اراضی متعلقہ کے جو ملحق

علاقہ کواریو سے ہے۔ عنایت ہوا۔

رانا ابھی خورد سال تھا۔ اور اُس کی والدہ مختار ریاست اور کارپرداز تھی۔ دونوں اس کے
پاس گئے۔ مگر افسوس کہ یہ علاقہ رانی کی خاص جاگیر تھی۔ اگرچہ اُس نے اپنے بیٹے کی بخشش کو
نامنظور نہیں کیا۔ مگر کہا کہ اس علاقہ کی نسبت اگر کوئی اور علاقہ دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ رانا نے
اصرار کیا جس پر رانی نے کہا "اچھا! تمہاری مرضی۔ اگر تم چاہو۔ تو میواڑ بھی اسکو دے سکتے
رانا ان نا ملایم الفاظ سے ناخوش ہوا۔ مگر فوراً جواب دیا۔ بہت بہتر! اور اُسی وقت سردار
سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ ہم تم کو تین دن کے لئے میواڑ کی گدی دیتے ہیں۔ اس عرصہ میں جو کچھ
تم نے کرنا ہے۔ کرلو! اور جو کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اُٹھالو۔ سپاہ خزانہ تخت اور اہلکار سب
تمہارے اختیار میں ہیں۔ ماں نے بھی اپنے بیٹے کے قول کو صدق دل سے تسلیم کیا اور سردار
تین دن کے لئے با اختیار حاکم قرار دیا گیا۔

سہ روزہ راجہ نے اپنے اختیارات عظیم کا فائدہ اُٹھایا۔ اور جو چاہا اپنے علاقہ میں بھیجا
نے ان دنوں میں ایک عالیشان دربار بھی کیا۔ لیکن اس موقعہ پر بھی اس نے اپنے مالک کی
گدی پر بیٹھنے سے انکار کیا۔ اور راج سنگاسن سے نیچے تخت بچھا کر جلوس کرتا رہا۔

تیسرے دن رانی نے اس کے پاس سند لدور کی بھیجدی۔ اور چوتھے روز اُس نے عزت سے
حکومت اپنے آقا کے سپرد کردی۔

رانا راج سنگھ ۱۶۵۴ء میں میواڑ کی گدی پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح
بہادر شجاع رانا گذرا ہے۔ شاہجہان اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کے بیٹے تخت کے لئے آپس
میں لڑ رہے تھے۔ ان لڑائیوں کا ذکر کسی اور جگہ پر کیا گیا ہے۔ لہٰذہ دوبارہ بیان کرنیکی ضرورت
نہیں۔

مختصر یہ کہ ان لڑائیوں میں دارا شجاع اور مراد سب کے سب مارے گئے اور اورنگ
زیب کامیاب رہا۔

راجپوتانہ میں جس قدر بہادر راجے اورنگ زیب کے عہد میں ہوئے۔ اتنے کسی مسلمان
کے عہد میں نہیں ہوئے۔ جے سنگھ ساکن امبر جو کہ مرزا راجہ کے نام سے مشہور تھا۔ جسونت
ساکن مارواڑ ہاڑا ساکن بوندی و کوٹہ بیکانیر کا راٹھور بوندیلا ساکن اوچھا جیسے ایسے
تھے کہ اورنگ زیب اگر انکو ہاتھ میں رکھتا۔ تو سلطنت مغلیہ کو کبھی زوال نہ آتا لیکن

یب ہیں اتنا مادہ نہ تھا۔ وہ بڑا متعصب حکمران گذرا ہے۔ جو مدبری کہ خاندان مغلیہ نے اختیار کی تھی۔
ور جس سے کہ اکبر جہانگیر اور شاہجہان نے فایدہ کثیر اُٹھایا تھا۔ اورنگ زیب نے بالکل ترک کردی
جہ یہ ہُوا۔ کہ ادہر تو سیواجی نے مرہٹوں کو آزاد کرنے کے لئے جد و جہد شروع کی۔ ادہر راجستھان کے
مام راجوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔

تمام مورخ اس بارے میں متفق ہیں۔ کہ اورنگ زیب بڑا عمدہ سپہ سالار مگر فن مکر و فریب
ں بھی یگانہ روزگار تھا۔

اورم لکھتا ہے۔ کہ جسقدر اختیار و اقتدار اورنگ زیب کا زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ اسیقدر مکرو
زیب اس میں بڑہتا جاتا تھا۔ اس نے تخت نشینی کے لئے اپنے بھائیوں کو قتل کیا تھا یہ فعل
س کا بڑی نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے اِس جرم کے چھپانے اور
سلمانوں کو خوش کرنے کے لِئے بزور شمشیر ہندوؤں کو مسلمان کرنا چاہا۔ اس سے اِس کا مقصد
یہ تھا۔ کہ رعایا کا خون اس کے ان گناہوں کو صاف کردیگا۔ جن سے کہ اس نے تخت حاصل کیا۔
تھا۔ مگر اُس کا نتیجہ اُلٹا نکلا صنعت و حرفت کا بازار سرد پڑ گیا۔ کاشتکاروں نے کھیتی کرنی چھوڑ
دی۔ ملک کا بیوپار بند ہولیا۔ اور آمدن اس قدر قلیل ہوگئی۔ کہ اُسکو بناچاری محصول جزیہ مقرر
کرنا پڑا۔ شریعت محمدی کا مسئلہ ہے۔ کہ جس ترکیب سے مذہب اسلام بڑہے بڑہاؤ۔ یہی طریقہ ان
کی نجات کا ہے۔ اور یہی ہر گناہ کا بخشانے والا اور مغفرت کرانیوالا ہے۔ اورنگ زیب اس مسئلہ
پر چلتا تھا۔ باوجودیکہ اس نے ہزاروں جانیں اہل ہنود کی جنہوں نے مذہب اسلام قبول نہ کیا۔
تلوار سے قربان کیں۔ لیکن پھر بھی بوقت نزع اس کا دل اس کو لعنت و ملامت کرتا تھا۔ اور
اُس کی جان بڑی تکلیف سے نکلی۔ وہ چٹھی جو اُس نے اپنے پوتے کو حالت بیماری اور دم واپسیں
میں لکھی ہے۔ صاف طور پر اُس کے اندیشہ خاطر کو بیان کرتی ہے۔ اِس چٹھی میں لکھا ہے
کہ جدہر میں دیکھتا ہوں۔ خدا کا غضب دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ میرے اعمال و افعال قبیح سے
بڑا ناراض ہے۔ ایک اور چٹھی جو اُس نے چندروز قبل از وفات اپنے بیٹے کے نام لکھی تھی یہاں
درج کیجاتی ہے۔ اِس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ اورنگ زیب صاحب فہیم اور مستعد تھا اور
اگر اُس کو مذہبی تعصب نہ ہوتا۔ تو وہ بڑا نیک طینت خیال کیا جاتا۔

ترجمہ چٹھی اورنگ زیب بنام شہزادہ اعظم

خدا تم کو تندرست رکھے میرا خیال ہر وقت تمہاری طرف لگا رہتا ہے۔ اب میں بوڑہا ہو چکا ہوں

طاقت جسمانی جواب دے چلی ہے۔ اعضا کمزور پڑ گئے ہیں۔ میں اس دنیا میں بیگانہ وار آیا۔ اور بیگانہ وار ہی چلا جاؤنگا۔ مجھے خبر نہیں۔ کہ میں کون ہوں۔ اور کس مطلب کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ اور آئندہ میری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ حکومت کی۔ مگر اس کا نتیجہ سوائے رنج و غم کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ افسوس میں نے نہ تو سلطنت کو استحکام دیا۔ نہ رعایا کی حفاظت کا فرض ادا کیا۔ افسوس میری زندگی رایگاں گئی۔ میری ضمیر ہر وقت مجھ کو نصیحت کرتی تھی۔ لیکن افسوس میں نے اس کی نصیحت پر عمل نہ کیا۔ میری آنکھیں اندھی تھیں۔ لہذا میں روشنی کو نہ دیکھ سکا۔ زندگی حباب بر آب ہے۔ گیا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ میری عاقبت بخیر نظر نہیں آتی۔ بخار اتر گیا ہے۔ لیکن جسم پر سوائے پوست اور ہڈیوں کے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ میرا بیٹا کام بخش بیجاپور میں ہے۔ لیکن میں اس کو دل کے نزدیک سمجھتا ہوں۔ تم اس سے بھی نزدیک تر ہو۔ شاہ عالم قابل عزت ہے۔ مگر وہ بھی دور رہتا ہے عظیم الشان ہندوستان کے نزدیک آگیا ہے۔ میرے ساتھی بھی میری طرح متفکر اور اندیشناک ہیں۔ اور پارے کی طرح ہر وقت بے قرار رہتے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد۔ وہ نہیں جانتے کہ کون ان کا آقا ہوگا۔ میں اس دنیا میں خالی ہاتھ آیا۔ اور خالی ہاتھ ہی جاؤنگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں کبھی بخشا نہ جاؤنگا۔ خدا جانتا ہے۔ کہ عاقبت میں مجھے کیسی سزا بھگتنی پڑیگی۔ ایسی صورت میں مجھے اگر کچھ اطمینان ہے۔ تو یہ ہے کہ خدا رحیم اور کریم ہے۔ مگر میری گنہگار زندگی اور میرے برے اعمال ہر وقت مجھ کو لرزاں رکھتے ہیں۔ یہ خیالات مرتے دم تک میرے دل سے دور نہ ہونگے۔ خیر جو ہوگا دیکھا جائیگا کشتی دریا میں ڈال چکا ہوں۔ سب کا محافظ خدا ہے۔ لیکن ظاہری نظر سے میں اپنے فرزندوں کی حفاظت کی تاکید کرتا ہوں۔ میرے پوتے بیدار بخت کو میری دعا دینا۔ میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری بیٹی بڑی غمگین رہتی ہے۔ مگر اس کے دل کا حال خدا کو ہی معلوم ہوگا۔ وہ عورت ہے۔ اور اپنی جبلی بیوقوفی کی وجہ سے ہر وقت مایوس رہتی ہے۔

"دوسری چٹھی بنام کام بخش"

فرزند دلبند سلامت اگرچہ عروج کے زمانہ میں میں نے تم کو بہت کچھ نصیحت کی۔ اور تمہاری تعلیم میں بھی بڑی کوشش کی۔ لیکن چونکہ خدا کی مرضی ہی یہی تھی۔ اس لئے تم نے میری نصیحت کو نہ سنا۔ اب میں اس دنیا سے کوچ کرتا ہوں۔ اور اپنی نالائقی کی طرف سے رنجیدہ ہوں۔ مگر اب یہ رنج بے فایدہ ہے۔ میرے گناہ میرے ساتھ جائیں گے۔ خدا کے کارخانے بڑے عجیب ہیں۔ میں تنہا اس دنیا میں آیا۔ اور تنہا ہی یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔ سردار عالم میرا ساتھ چھوڑ گیا

جنے بخار جو کہ بارہ دن تک مجھکو کمال تکلیف دیتا رہا۔ اب جاتا رہا ہے۔ میں جدھر دیکھتا ہوں۔
خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ مجھے اپنے کنبے اور رفیقوں کی طرف سے بڑا اندیشہ ہے لیکن افسوس یہ
ہے۔ کہ مجھے اپنے ہی حال کا پتہ نہیں کہ کیا ہوگا میری پشت مارے ضعف کے ٹیڑھی ہوگئی ہے
میرے پاؤں چلنے پھرنے سے رہ گئے ہیں۔ اب میں کوئی دم کا مہمان ہوں۔ میں بڑا گنہگار ہوں
خدا جانے کہ عاقبت میں مجھے کیا سزا ملے گی۔ اگرچہ خدا ہی سب کا محافظ ہے لیکن تاہم تم نے
میرے فرزندوں دیگر رشتہ داروں اور خدمت گذاروں کی حفاظت میں کوشش رکھنا میری حیات
میں انہوں نے میری باتوں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اِس کا نتیجہ جو کچھ ہوگا۔ ظاہر ہے رعیت کی حفاظت
خدا نے میرے بیٹوں کے سپرد کی ہے۔ اعظم شاہ پاس ہی قیام رکھتا ہے۔ اِس بات سے ہوشیار
رہنا کہ وفاداروں اور ہوا خواہوں میں سے کوئی بھی قتل نہ ہو۔ نہیں تو ان کے مصائب کا جواب
دہ مجھے بننا پڑیگا۔ چونکہ اب میں مرنے کے قریب ہوں۔ اِس لئے میں تم کو تمہاری والدہ اور تمہارے
فرزند کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں۔ موت سامنے کھلی ہے۔ بہادر شاہ وہیں ہے۔ جہاں کہ پہلے تھا۔
اور اس کا فرزند ہندوستان کے قریب آپہنچا ہے۔ بیدار بخت گجرات میں ہے۔ حیات النسا
جس نے کبھی آج تک رنج والم نہ دیکھا تھا۔ بڑی مغموم ہو رہی ہے۔ بیگم کا لحاظ رکھنا تمہاری
والدہ بھی بیمار پڑی ہے۔ اور چاہتی ہے۔ کہ میرے ساتھ ہی عقبےٰ میں چلے لیکن ہر شے کے لئے
وقت مقرر ہے۔ تمہارے خاندان کے آدمی یا درباری خواہ کیسے ہی مکر و فریب کیوں نہ کریں
لیکن تم نے ان سے بدسلوکی نہ کرنا۔ ہمیشہ نرمی اور حکمت سے اپنا کام نکالنا۔ اور جتنی چادر ہو۔
اتنے ہی پاؤں پھیلانا۔ وہ سپاہ جسکو تنخواہ نہیں ملی ہے۔ اب تک نالاں و شاکی ہے۔ داراشکوہ
نے جو کہ بڑا عقلمند ہے۔ اگرچہ اپنے ملازموں کی بڑی بڑی پنشنیں مقرر کردی ہیں۔ لیکن چونکہ روپیہ
انکو وقت پر نہیں ملتا رہا۔ اِس لئے وہ ہمیشہ ناراض رہے ہیں۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں
جو کچھ نیک و بد میں نے کیا سب تمہارے لئے تھا۔ اس لیے جو کچھ خطا میں نے تمہاری نسبت
کی ہو۔ اُسکو معاف کردینا اور برا مت ماننا۔ تاکہ قیامت کے روز مجھ سے اِس کا جواب نہ طلب کیا
کیا جائے۔ کسی نے اپنی روح نکلتے نہیں دیکھی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ میری روح نکلنے
کے قریب ہے ؛

رانا راج سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی پرانی رسم ٹیکہ[۱] کو پھر بحال کیا۔ اور مال پورا پر
حملہ کر کے لوٹ لیا۔

[۱] ریاست میواڑ کا دستور تھا کہ جب نیا رانا تخت نشین ہوتا تھا۔ تو وہ غنیم کے کسی نہ کسی علاقہ پر
حملہ کر کے ایک آدھ قلعہ ضرور فتح کرتا تھا۔ یا کم سے کم وہ لوٹ مار ضرور کیا کرتا تھا ؛

اگرچہ یہ شہر اجمیر کی سرحد پر واقعہ تھا لیکن جب مشیروں نے شاہجہان کو بدلہ لینے کی صلاح دی
تو اس نے کہا کہ یہ میرے بھتیجے کی بے وقوفی ہے ؛

لیکن جب اورنگ زیب نے تخت پر بیٹھ کر رانا کو بہادر سمجھکر اُس کی سپاہ کو بھی دوسرے
راجوں کی سپاہ کے ساتھ شامل ہونے کے لئے لکھا۔ تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ اور
اس کے مقابل ہوا ؛

پہلا سبب جس نے رانا راج سنگھ کو اورنگ زیب کے مقابلہ پر کھڑا کیا یہ تھا کہ اورنگ زیب
نے روپنا گڈھ کی شہزادی کے حسن وجمال کی تعریف سُنکر اُس سے شادی کرنی چاہی۔ سردار روپنا گڈھ
علاقہ مارواڑ میں ایک کمزور رئیس تھا۔ بادشاہ کا مقابلہ اس بیچارے سے کیا ہو سکتا تھا اورنگ
زیب نے دو ہزار سواروں کی جمعیت روانہ کی۔ تا کہ شہزادی کو دہلی لے آئیں ؛

تواریخ اس بات کا کچھ پتہ نہیں بتلاتی۔ کہ رئیس روپنا گڈہ نے اورنگ زیب کی اس
درخواست سے موافقت کی۔ یا مخالفت مگر اُس کی بیٹی کو یہ امر سخت ناگوار گذرا۔ اور اُس نے
علانیہ اپنے باپ کو کہدیا۔ کہ وہ مرنا قبول کرے گی۔ لیکن اس ذلت کو ہرگز گوارا نہ کر سکیگی ؛

اردگرد کے راجپوت راجے سب اپنے اپنے خانگی جھگڑوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس لئے
ان سے مدد کی امید کرنا ہی فضول تھا۔ باپ بادشاہ کے مقابلے کے ناقابل تھا مصیبت زدہ
شہزادی مایوسی کے عالم میں پلنگ پر گر پڑی۔ اس کی ایک لونڈی بڑی عقلمند اور دانا تھی
اُس نے راجکماری کو سنبھالا۔ اور نہایت محبت کے لہجہ میں پوچھنے لگی۔ اب آپ کیا کہتی ہیں
اُس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا۔ اب سوائے اس ہیرے کی انگوٹھی کے کوئی بھی
ہمدم نہیں ہے۔ یہی میری عزت اور آبرو کو بچائے گی۔ اور اسی پر مجھ کو بھروسہ بھی ہے وفادار
لونڈی راجکماری کے ان الفاظ کو سننے کی تاب نہ لا سکی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ
آنسو بہ نکلے۔ اور کہنے لگی۔ کیا اب اس کے سوائے کوئی اور تدبیر نہیں ہے۔ جس سے جان بھی
بچ جائے۔ اور عصمت پر بھی دھبہ نہ آئے ؛ راجکماری نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ میرے
خیال میں تو اس سے بڑھکر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ کیا راجپوتانہ میں اب کوئی ایسا جری
بہادر بھی موجود ہے جو میرے لئے اورنگ زیب کا مقابلہ کرے۔ اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے
افسوس مجھے ایسا آدمی ایک بھی دکھائی نہیں دیتا۔ کاش آج پرتاب سنگھ ہوتے۔ اور میری

۱؎ راج سنگھ کا باپ شاہجہان کا پگڑی بدل بھائی تھا اور جب شاہجہان مارا مارا پھرتا تھا تو اُس نے اپنے ہاں پناہ دی تھی ؛

مدد کو پہنچتے"! لونڈی فوراً بول اُٹھی۔ اگر پرتاب سنگھ اس وقت موجود نہیں ہیں تو رانا راج سنگھ
تو ہیں۔ کیا عجب جو وہ اس وقت آپ کی مدد پر آمادہ ہو جائیں"۔ لونڈی کے اس فقرہ سے
راجکماری کے رخساروں پر کسیقدر سُرخی دوڑ گئی۔ وہ سنبھل کر پلنگ پر ہو بیٹھی اور کہنے لگی "بیشک اب
راجپوتانہ بھر میں سوائے اُن کے مجھے کسی سے امداد کی توقع نہیں۔ وہ میری مدد کریں یا نہ کریں لیکن
میں اُن سے مدد کی درخواست ضرور کرونگی"۔ اتنا کہکر راجکماری نے اپنے ہاتھ سے ایک خط رانا کے
نام لکھا۔ اور قاصد کو دیکر اودے پور کو روانہ کر دیا۔

قاصد کو تاکید کر دی گئی تھی۔ کہ جہانتک جلدی ممکن ہو سکے۔ اودے پور تک پہنچنے کی کوشش
کرے ایک معقول انعام کا وعدہ تھا۔ قاصد پارے کی طرح اڑا۔ اور دنوں کی منزلیں گھنٹوں
میں طے کرتا ہوا رانا صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا۔

راج سنگھ دربار میں بیٹھا ہوا تھا میواڑ کے نامور راجپوت موجود تھے۔ اور کسی ایک ضروری
معاملہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ قاصد نے حاضر ہو کر بڑے ادب سے راجکماری کا خط اس کے ہاتھ
میں دیدیا۔

رانا نے خط کو کھولکر پڑھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور غصے کے مارے تلوار میان سے
باہر نکل پڑی۔ مضمون یہ تھا۔

فخر خاندان سسودیہ! آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ اور شاید آج تک میرا نام بھی آپ نے
نہ سُنا ہو۔ ایسی صورت میں میرا آپ کو خط لکھنے کی جرأت کرنا ایک خلاف تہذیب امر تصور ہوگا
مگر میں ستم رسیدہ اور مظلوم ہوں۔ اور اپنی آبرو کی حفاظت کے لئے ملتجی ہوتی ہوں۔ اس لئے امید
کرتی ہوں۔ کہ میری اس گستاخی کو معاف فرمایا جاویگا۔ آپ سورج بنسی خاندان کے آفتاب اور
راجپوتوں کے سرتاج ہیں۔ سرن میں آئے ہوئے دکھیا کی مدد کرنا آپ کا دہرم ہے۔ میں آپ سے
اپنی سہاتیا کی التجا کرتی ہوں۔ دہلی کے بادشاہ اورنگ زیب نے زبردستی مجھ کو اپنے حرم میں
داخل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور شاہی فوج مجھے دہلی لیجانے کے لئے عنقریب ہی یہاں آیا
چاہتی ہے۔ مگر میں اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گی مگر
جیتے جی مغل بادشاہ کی واسی بنکر رہنا ہرگز گوارا نہ کرونگی۔ افسوس ہے۔ کہ پتاجی میں بادشاہ کے
ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ راجپوتانہ کے باقی راجے مارے خوف کے تھر تھر کانپ
رہے ہیں۔ چاروں طرف نظر دوڑاتی ہوں۔ مگر سوائے آپ کے کسی کو بھی اپنی مصیبت میں ہاتھ بٹانے

والا نہیں باقی۔ بیشک آپ کی ذات پر ہی مجھے بھروسہ ہے۔ آپ بھی اُسی خاندان کی یادگار ہیں اور انہیں مہاتماؤں کے پوتر سنگھاسن پر براجمان ہیں۔ جنہوں نے اکبر جیسے عالی حوصلہ بادشاہ کو بھی ناکوں چنے چبائے تھے۔ میں چاروں طرف سے مایوس ہو کر آپ کی پناہ میں آئی ہوں اور امید کرتی ہوں۔ کہ آپ ایک ایسی آنانتھ لڑکی کی مدد کرنے سے کبھی تامل نہ کریں گے۔ جس کا آج اِس دنیا میں سہایتا کرنے والا کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ مہاراج کیا آپ اِس بات کو سنکر برداشت کر سکیں گے۔ کہ ہنسنی کوے کے ساتھ بند کیجائے۔ یا ایک راجپوتنی بندر صورت وحشی کے ساتھ منسوب ہو۔ اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو میں ضرور زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر دونگی۔ اور میرا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔

خط کے پڑھتے ہی رانا کی جمعیت نے جوش مارا۔ اُس کی آنکھیں مارے غصہ کے سُرخ ہو گئیں۔ اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ شہزادی روپنا گڈھ کی حمایت ضرور کریگا۔ اور اُسکو اورنگ زیب کے ہاتھوں سے بچائیگا۔ اُس نے اُسی وقت تلوار میان سے کھینچ لی۔ میان کو توڑ کر پھینک دیا۔ اور چیدہ چیدہ جانبازوں کو ہمراہ لیکر اراولی پربت سے اترا۔ اور ٹھیک اس موقعہ پر جب کہ شاہی سپاہ شہزادی کو ہمراہ لے دہلی کو روانہ ہونے والی تھی۔ ان پر جا گرا۔

اپنے خط کا جواب نہ پا کر اور ابھی تک قاصد کے واپس نہ آنے سے راجکماری مایوس ہو چکی تھی۔ اِس کا دل بیقرار تھا۔ اور حسرت اور ناکامی کی تصویریں اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھیں۔ کہ یکایک بادشاہی سپاہ کے کیمپ کی طرف سے شور و غل کی آواز آئیں سب لوگ حیران تھے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اتنے میں کسی نے خبر دی۔ کہ رانا راج سنگھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا ہے۔ اور ان کا سارا لشکر کاٹ دیا ہے۔ اس خبر نے تمام شہر میں سراسیمگی کا عالم پیدا کر دیا مگر راجکماری کی خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی۔

یہ کام کچھ زیادہ عرصہ کا نہ تھا۔ راج سنگھ کے ہمراہیوں نے آتے ہی مغلیہ سپاہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ اور راجکماری کو ہمراہ لے ہنستے کھیلتے اودے پور کو روانہ ہو گئے۔ رانا راج سنگھ کی اِس کارروائی نے راجپوتوں کو ایک دفعہ پھر بیدار کر دیا۔ انہوں نے اُس کی بہادری کی تعریف کی۔ اور میواڑ کے سربرآوردہ راجپوت ایک دفعہ پھر قرمزی جھنڈے کے تلے مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بادشاہی سپاہ ساری کی ساری قتل ہو چکی تھی۔ صرف چند سوار بمشکل جان بچا کر دہلی میں
ے۔ اور اس واقعہ کی خبر اورنگ زیب کو پہنچائی۔ اورنگ زیب نے سخت پیچ و تاب کھایا
ر اگر اس کا بس چلتا۔ تو میواڑ کا تختہ الٹ دیتا۔ لیکن چند ایک وجوہات کے باعث وہ
س وقت رانا پر فوج کشی نہ کر سکا۔ اور اپنے غصہ کو پی کر رہ گیا؛

دوسری مرتبہ اس سے بھی زیادہ حق بجانب لڑائی میں راج سنگھ کو اورنگ زیب کا
ابلہ کرنا پڑا۔ اور اس کا باعث یہ تھا۔ کہ جب اورنگ زیب نے جسونت سنگھ والیٔ مارواڑ کو
ہر سے مروا دیا۔ اور اس کے بیٹے اجیت سنگھ کی جان لینے کے درپے ہوا۔ تو اس کی والدہ اپنے
ن میں جنگ کی تیاری کرتی رہی۔ تمام راجستھان کے راجے ایک دفعہ پھر رانا کے جھنڈے
جمع ہوئے۔ اور راجپوتوں نے کمر ہمت کو بالاتفاق کس کر باندھا۔ تواریخ بتلاتی ہے۔ کہ اگر اس
عہ پر راجپوتوں میں وہی پرانی پھوٹ پیدا نہ ہو جاتی۔ تو سلطنت مغلیہ کے نیست و نابود ہو
ے میں کوئی شبہ باقی نہ تھا؛

سب سے زیادہ بات جس نے رانا کو اورنگ زیب کے برخلاف تلوار اٹھانے کی ترغیب
۔ اورنگ زیب کا منکران اسلام پر جزیہ لگانا تھا؛

یہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ اورنگ زیب نے تخت پر بیٹھتے ہی بزور شمشیر ہندوؤں کو
سلمان کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ یہ تدبیر نہایت خوفناک تدبیر تھی۔ ہر روز صدہا آدمی
دین اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ تلوار کے گھاٹ اتارے جاتے تھے۔ مگر اس طرح
بھی اس کا ارادہ پورا نہ ہوا۔ بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاروبار بند ہو جانے سے محاصل میں کمی ہو گئی
ر آمدن اسقدر قلیل ہو گئی۔ کہ بادشاہ کو مجبوراً رعایا پر جزیہ مقرر کرنا پڑا۔ مگر مسلمان اس جزیہ سے
تثنٰی تھے۔ یہاں پر یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب تک شاہانِ ذی اقتدار
ے جسونت سنگھ ساکن مارواڑ اور جے سنگھ ساکن امبر زندہ رہے۔ تو اورنگ زیب نے ان کے
ف سے ہنود پر جزیہ لگانے کا ہرگز ارادہ ظاہر نہ کیا۔ لیکن جب یہ دونوں بہادر بحکم بادشاہ جو
واقعی ایک کمینہ پن کا کام تھا زہر سے مارے گئے۔ تو اس نے اپنے اس حکم کو نافذ کیا۔ مگر
ڈ صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ان تدبیروں میں اس نے سخت غلطی کی۔ اور ان دونوں راجوں
قتل اس کی بربادی کا باعث بن گیا؛

جس وقت کہ اس جزیہ کا حکم مشتہر کیا گیا۔ اور رانا کو اس کی خبر پہنچی تو اورنگ زیب کو اس نے

ایک خط لکھا۔ ٹاڈ صاحب اس خط کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور واقعی یہ خط جس پیرایہ میں لکھا گیا ہے۔ اُس کو پڑھکر بلا شبہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں اور کسی رئیس نے کسی بادشاہ کو ایسا خط نہ لکھا ہوگا۔ اِس خط کا مضمون ایسا عمدہ ہے۔ اور ایسے ایسے خیالات وحدانیت سے لبریز اور رعایا کی محبت سے بھرا ہُوا ہے کہ بے تحاشا پڑھنے والے کی زبان سے کلمات تحسین و آفرین نکل جاتے ہیں۔ اِس میں بادشاہ کو علانیہ طور پر لعنت و ملامت کر کے اُسکو نصیحت کی گئی تھی۔ کہ جب سب کا مالک خدا ہے۔ تو پھر ایک فرقہ پر کیوں اس قدر سختی کی جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اگر اورنگ زیب رانا کی اس نصیحت پر عمل کرتا۔ تو اِس کو ہرگز اس قدر متاسف ہونا پڑتا۔ جتنا کہ وہ مرتے وقت تھا۔ چونکہ اس چٹھی کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہیں۔ اِس لئے ناظرین کی آگاہی کے لئے اِس کا خلاصہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے ؎

چٹھی مرسلہ انا راج سنگھ بنام اورنگ زیب

بعد ادائے حمد خالق زمین و زمان و تعریف اخلاق جناب جو آفتاب اور مہتاب کی طرح روشن ہے۔ واضح ہو کہ اگرچہ آپ کا یہ خیر اندیش اِس وقت آپ کے پاس نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کا سچا بہی خواہ ہے میں دل سے ہندوستان کے بادشاہوں، امیروں۔ وزیروں۔ راجوں راؤں کا خیر خواہ ہوں۔ اسی طرح ایران۔ توران۔ روم۔ شام غرضیکہ سات ولایت کے بادشاہوں سے لے کر بحری اور بری مسافران تک کی بہتری چاہتا ہوں میرا یہ بیان ہرگز مبالغہ آمیز نہیں بلکہ سب لوگ میری طبیعت سے واقف ہیں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی اِس میں شک نہ ہوگا۔ اپنی گذشتہ خدمات کے بھروسہ پر میں التجا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں۔ کہ آپ مندرجہ سطور کو جو محض آپ کی اور خلقت کی بہتری کے لئے لکھی گئی ہیں غور سے پڑھیں گے۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ آپنے جو روپیہ مجھ جیسے بہی خواہ کی تباہی کے لئے صرف کیا ہے اس کی کمی کو پورا کرنے اور شاہی خزانہ پُر کرنے کے لئے محصول جزیہ کا حکم نافذ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ محمد جلال الدین اکبر مرحوم نے جو آپ کے آباؤ اجداد میں سے تھے۔ باون سال ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ مگر اپنے زمانہ حکمرانی میں بڑے عدل و انصاف سے کام لیا اور ہر ایک قوم کے آرام و آسائش کا لحاظ رکھا۔ ان کے نزدیک کیا ہند و کیا مسلمان کیا برہمن اور کیا عیسائی سب ایک تھے۔ ہر ایک پر اُن کی ایک سی نظر رہتی تھی۔ وہ یہاں تک رعیت پر مہربانی کرتے تھے کہ رعیت

ان کو جگت گرو کا خطاب دے رکھا تھا۔

محمد نورالدین جہانگیر مرحوم نے بھی بائیس سال تک حکمرانی کی چونکہ وہ رعایا پر بڑی مہربانی کرتے تھے۔ اِس لئے رعایا بھی ہر وقت وفادار رہتی۔ اور اسی وجہ سے ان کو ہر وقت فتح نصیب ہوتی تھی۔

شاہجہان نے بھی ۳۲ سال سلطنت کی۔ اور اس عرصہ میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا جو کہ محض انکی نیکی اور رحمدلی کا نتیجہ تھا۔

آپ کے بزرگ جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے زیادہ ترنیک تھے اور چونکہ وہ رعایا سے فیاضی اور رحمدلی سے پیش آتے تھے۔ اِس لئے فتح ہمیشہ ان کے قدم چومتی تھی۔ نیک نیت ہونے کی وجہ سے انہوں نے بہت سے قلعے اور بہت سے ملک فتح کئے۔ مگر آپ کے عہد میں کئی ایک علاقے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور چونکہ ابھی تک طریقِ ظلم رائج ہے۔ اِس لئے یقین ہے کہ آئندہ بہت سے اضلاع قبضہ سے نکلتے رہیں گے آپ کی رعایا مصیبت اور افلاس کے ہاتھوں نالاں ہے ملک برباد ہو رہا ہے۔ اور مشکلات بڑھتی جاتی ہیں۔ جب خود بادشاہ اور شہزادے مفلسی کے شاکی ہیں تو پھر اُمرا و وزرا اور رعایا کا تو اللہ بیلی ہے سیاہ سروہتی ہے۔ تاجر آسمان سر پر اُٹھا رہے ہیں۔ مسلمان جدا ناراض ہیں ہندو روٹی تک محتاج ہیں۔ کسی کو دو وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا فاقہ کش غصے سے سر ٹپکتے رہتے ہیں جو بادشاہ ایسی غریب رعایا پر سنگین محصول کا بوجھ ڈالتا ہے اسکی بادشاہت کیونکر قایم رہ سکتی ہے۔ چاروں طرف یہ خبر مشہور ہو رہی ہے کہ آپ صرف حسد سے مغلوب ہو کر سادھوا ور برہمنوں پر جبراً محصول جزیہ قایم کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ خاندان مغلیہ کی عزت پر خاک ڈالکر بیکس گوشہ نشینوں پر طاقت آزمائی کی جاتی ہے اگر آپ کو ان کتابوں پر اعتبار ہے۔ جنکو کہ آپ کلام الٰہی کہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ خدا صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ وہ مالک تمام قوموں کا ہے۔ ہندو اور مسلمان سب اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں رنگ وروپ کا فرق بھی اُسی کی مرضی سے ہے کوئی مسجد میں بیٹھ کر اُسکو یاد کرتا ہے اور کوئی بت خانہ میں اسکی پرستش کرتا ہے مگر سب کا معبود ایک ہی ہے کسی قوم یا کسی مذہب کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرنا خدا کی مرضی کے خلاف ہے۔

اگر ہم کسی مصوّر کی بنائی ہوئی تصویر کو بگاڑتے ہیں۔ تو ہم ایک معنوں میں مصوّر کو ناراض کرتے ہیں۔ قدرت کے کارخانہ میں نکتہ چینی کرنا کبھی بھی درست نہیں مختصر یہ کہ آپ کا ہندوؤں

پر محصول جزیہ لگانا بالکل بے انصافی ہے۔ کوئی مدبر اسکو پسند نہ کریگا۔ ایسی سختیوں سے ملک تباہ
اور برباد ہو جائیگا مزید برین یہ ایک نئی اختراع ہے۔ اور قانون مروجہ ہند کے سراسر خلاف ہے
اگر آپ کا مذہب ہی آپ کو ایسے کام کے لئے مجبور کرتا ہے۔ تو آپ کو مناسب ہے کہ اول جزیہ
رام سنگھ سے جو کہ ہندوؤں کا لیڈر ہے وصول کیا جائے۔ اس کے بعد مجھ سے طلب ہو لیکن
غریب رعایا کو دق کرنا جس کی ہستی چیونٹیوں کے برابر بھی نہیں ہے۔ خلاف کام انسانیت
اور ایک فیاض اور شجاع حکمران کی شان کے ہرگز شایاں نہیں۔ سب سے تعجب کی بات یہ
کہ آپ کے صلاح کاروں نے بھی اس موقعہ پر آپ کو نیک مشورہ نہیں دیا"۔

ان تین وجوہات کے سبب سے جنکا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اورنگ زیب نے میواڑ پر
فوج کشی کے لئے بڑے زور سے تیاریاں کیں راج سنگھ نے بھی حتے الامکان اپنی کل ریاست
میں سے جسقدر فوج کہ فراہم ہو سکتی تھی۔ جمع کی اور ایسا سخت مقابلہ کیا کہ آخر کار اورنگ زیب
کا دم ناک میں کردیا۔ اور اُس کو مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ مگر اس لڑائی کے شروع ہونے کے وقت
قحط اور وبا نے میواڑ کی جو خوفناک حالت بنا رکھی تھی۔ اول اُس کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم
ہوتا ہے۔

سنہ ۱۶۶۱ء میں یعنے راج سنگھ کی تخت نشینی کے سات سال بعد میواڑ میں قحط اور وبا نے
منہ دکھایا۔ اول بارش ہونی بند ہو گئی۔ اساڑھ کا مہینہ بالکل سوکھا گذر گیا۔ ساون اور بھادوں
میں مینہ کی ایک بوند دکھائی نہ دی۔ تمام راجپوتانہ میں شور مچ گیا۔ لوگ بھوکوں سے مرنے
لگے پانی کی سخت قلت تھی۔ بھوک کے مارے لوگ دیوانے ہو گئے اور وہ چیزیں کھانے لگے
کہ وہ کبھی چھوتے بھی نہ تھے۔ شوہر اور بی بی کا تعلق بڑا گہرا ہوتا ہے۔ مگر اس موقعہ پر اکثر مرد
عورتوں کو چھوڑ گئے۔ بیویاں شوہروں سے جدا ہو گئیں۔ بھوکے والدین بچوں تک بیچ بیچ کر
اپنا پیٹ پالنے لگے۔ ہزاروں آدمی بھوک سے جاں بحق ہوئے اور یہاں تک سختی ہوئی
کیڑے مکوڑے بھی مارے بھوک کے مر گئے۔ جن کو کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ اُن کا یہ حال تھا
مگر فاقہ کشوں کے لئے غذا کا ملنا بھی بعض وقت بہت برا نتیجہ پیدا کرتا تھا۔ عرصہ کے فاقہ
کے بعد جب کسی کو کھانا نصیب ہوتا تھا۔ تو وہ بھوک سے دو چند کھا جاتا۔ اور تڑپ کر مر جاتا
تھا۔ دن رات میں ایک وقت بھی آسمان پر بادل کا نشان نظر نہ آتا تھا نہ رعد کڑکتی تھی نہ بجلی
چمکتی تھی۔ آسمان کی یہ حالت دیکھ کر لوگ کانپ جاتے تھے۔ دریا جھیلیں اور چشمے سب خشک

لئے۔ دولتمند بھی تول تول کر کھانا پکاتے تھے۔ سادھو اور برہمن مذہبی فرائض ادا کرنا بھول گئے
ت پات کی تمیز جاتی رہی۔ طاقت جسمانی عقل و دانائی اور فہم و فراست کا کوئی ذکر بھی نہ کرتا
ہر ایک کا خیال دن رات روٹی کی طرف لگا رہتا تھا۔ صبح کی خوراک اگر میسر ہوتی تو شام
میسر نہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ پتوں اور درختوں کی چھالوں تک اتار کر کھا گئے تھے۔ اکثر خاندانوں
تخم ہی اکھڑ گیا۔ جو باقی تھے انکو بھی بچ رہنے کی کوئی امید نہ تھی۔ آدمی کو آدمی کھاتا تھا
چاروں طرف مایوسی برستی تھی۔

یہی حال میواڑ میں بھی ہونے لگا لیکن قوم پرور اور محب الوطن رانا نے فوراً ہی خیراتی کام
شروع کر دیا۔ اور اس بات کا ثبوت دیا کہ اگر رعایا فارغ البالی میں شاہی خزانہ کو پُر کرتی ہے
نیک دل بادشاہ بھی مصیبت کے وقت اپنی رعایا کی امداد سے ہرگز دریغ نہیں کرتا اودے
سے بجانب شمال پچیس میل کے فاصلہ پر ایک جھیل کی کھدوائی شروع کر دی گئی تاکہ غریب
نادار لوگ بھوک سے نہ مریں اور تھوڑا بہت کام کر کے پیٹ پالتے رہیں۔ اس جھیل کا نام
راج سمندر ہے اور دامن اراولی کوہ سے دو میل کے فاصلہ پر ڈھلوان سطح زمین پر بنی ہوئی
ایک چھوٹی سی ندی کو جس کا نام گومتی ہے بندھ کے ذریعہ روک کر اس جھیل میں ڈالا
گیا۔

یہ بندھ بے قاعدہ دائرہ کی شکل میں واقع ہے۔ اور جھیل کے چاروں طرف چلا جاتا ہے
اس کا محیط بارہ میل کا ہے۔ اور یہ بندھ بالکل سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اس جھیل کے
سے جانب جنوب ایک شہر اور قلعہ بھی جس کا نام راج نگر ہے بنوایا گیا تھا۔
اس کے علاوہ ایک شوالہ بھی تعمیر ہوا۔ جو کہ اس وقت کی سنگ تراشی کا ایک اعلےٰ نمونہ
پیش کرتا ہے۔

ان عمارتوں پر ۹۶ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ جو رانا۔ اس کے سرداروں اور دولت مند
لوگوں نے چندے سے جمع کیا تھا تمام مصالح جو ان عمارتوں میں صرف ہوا تھا متصل کے پہاڑوں
کی کانوں سے نکالا گیا تھا۔ یہ عمارتیں بڑی عالیشان قیمتی اور فائدہ بخش ہیں۔ مگر جس مطلب کے
لئے بنائی گئی تھیں۔ ان کے ذکر سے ان کی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یعنی یہ عمارتیں محض رعایا
کے مصائب دور کرنے اور اُسکو فاقہ کشی سے بچانے کے لئے شروع کی گئی تھیں۔
ایسے وقت میں جب کہ خود قدرت میواڑ کو برباد کر رہی تھی۔ اورنگ زیب نے انا راج سنگھ

پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں بڑے زور شور سے کیں۔ مگر رانا نے بھی حتے الامکان جس قدر فوج جمع ہو سکتی تھی۔ فراہم کی۔ اور ایسا سخت مقابلہ کیا کہ دوست تو دوست دشمن بھی اُس کی بہادری پر عش عش کرنے لگے۔ اورنگ زیب بڑی بے عزتی کے ساتھ پسپا کیا گیا۔ اور سچ پوچھو تو انہیں وجوہ کے باعث سلطنت بھی اُس کے جانشینوں کے ہاتھ سے جاتی رہی ؛

اورنگ زیب نے اکبر کو بنگال سے اعظم کو کابل سے اور معظم کو جو دکن کی مہم پر گیا ہوا تھا طلب کیا اور ایک بھاری لشکر فراہم کر کے سرحد میواڑ پر چڑھ آیا ؛

راج سنگھ نے بھی پرتاب سنگھ کے پرانے طریق پر عمل کیا۔ میدانی علاقے تمام اجاڑ کر دیے اور باشندوں کو حکم دیا۔ کہ وہ پہاڑی علاقوں میں جا کر آباد ہوں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ وہاں اورنگ زیب کے لشکر کی اچھی طرح خبر لی جائے گی۔ چنانچہ تمام میدانی علاقے اورنگ زیب کے ہاتھ آگئے اور اُس نے چتوڑ۔ منڈل گڈھ۔ مندسور اور جیرن پر بغیر کسی سخت اور خونریز لڑائی کے اپنا قبضہ کر لیا اس عرصہ میں رانا بھی اراولی پربت میں اپنے بہادروں کو جنگ کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اور اس کا ارادہ تھا۔ کہ خوب تیار ہو کر غنیم کا مقابلہ کرے۔ اس لڑائی میں ہر ایک راجپوت۔ نے اپنے دھرم کے بدلے جان قربان کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اس موقعہ پر تمام پہاڑی قومیں ہزاروں کی تعداد میں میواڑ کے جھنڈے کے نیچے کٹ کر مرنے کے لئے جمع ہوئی تھیں ؛

رانا نے اپنے لشکر کے تین حصے کئے۔ اور اپنے بڑے بیٹے جے سنگھ کو اراولی پربت کی بڑی چوٹی پر تعینات کیا۔ تاکہ وہ دونوں طرف سے دشمن کا نگران حال رہے ؛

کنور بھیم سنگھ کو ایک دستہ سپاہ کے ساتھ مغرب کی طرف غنیم کے مقابلہ کا منتظر رہنے کا حکم ملا اور خود رانا راج سنگھ ایک حصہ فوج کو ہمراہ لے کر فاین کی گھاٹی میں جو بڑی دشوار گذار ہے مقیم ہوا اور اس بات کا منتظر تھا کہ اِدھر دشمن گھاٹی میں داخل ہوا اور اُدھر یہ اس پر حملہ کر کے پیچھے سے اس کا رستہ روک لے ؛

مگر اورنگ زیب بھی ان چالوں کو اگرچہ اچھی طرح تو نہیں مگر کچھ کچھ ضرور سمجھتا تھا۔ اُس گھاٹی میں داخل ہونے کی بجائے اُس کے دروازے پر آ کر ڈیرہ ڈال دیا۔ اور شہزادہ اکبر کو ہزار سپاہ کے ساتھ تہر خاں کے مشورہ سے اودے پور کو روانہ کیا یہ پہاڑی قطعہ بشکل بیضوی واقعہ ہے۔ اس کا طول شمالاً جنوباً چودہ میل اور شرقاً غرباً گیارہ میل ہے۔ اس کے قطعہ کے انجام پر اودے پور آباد ہے۔ اور اس شہر اور کوہ اراولی کے مابین جھیل پشولا واقعہ ہے اس

کی مور گھاٹی آٹھ سو سے لے کر بارہ سو فٹ تک بلند اور اُس کی شکل ہر طرف سے مختلف ہے۔ اور ایک پہاڑی پر دوسری پہاڑی اُٹھتی چلی جاتی ہے۔ مغرب کی طرف پہاڑوں کا سلسلہ سطح میدان سے دو ہزار فٹ بلند ہے۔ اور اس کو وتر قرار دے سکتے ہیں۔ مشرق کی طرف تین درے واقع ہیں ایک درہ تو جو شمال کی طرف ہے دیوارا کو اور دوسرا دو باری کو جاتا ہے اور تیسرے کے تین درے بن جاتے ہیں۔ تیسرے درے کا نام فائن مشہور ہے اور یہ پیچیدہ رستہ چین کو جاتا ہے۔ ان تینوں دروں میں سے اورنگ زیب نے اِس درہ کو جو سب سے کم دشوار گذار درہ تھا منتخب کیا۔ اور جھیل اودے ساگر کے متصل درے کے دروازہ پر بائیں جانب ڈیرا ڈال دیا۔

شہزادہ اکبر اپنی سپاہ کے ساتھ آگے بڑھا۔ مگر اودے پور تک کوئی بھی اِس کے مقابل نہ ہوا۔ تمام علاقہ ویران پڑا تھا۔ میدان سنسان تھے۔ اور کہیں ایک آدمی بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اکبر نے بے خطر ہو کر یہیں ڈیرہ ڈال دیا۔ لشکری اپنے تئیں محفوظ سمجھکر غافل تھے بعض نماز پڑھ رہے تھے بعضے شطرنج کھیل رہے تھے۔ کہ رانا راج سنگھ کے بیٹے جے سنگھ نے یکایک ان پر حملہ کیا۔ مورخ بیان کرتا ہے کہ اکبری لشکر چوری کرنے آیا تھا۔ مگر غافل ہو کر سو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے آدمی مارے گئے باقی ماندہ پریشان ہو کر بھاگے۔ مگر اب ان کا اورنگ زیب کے لشکر سے ملنا مشکل تھا۔ اکبر نے گوگنڈہ کے رستہ میدانہائے مارواڑ میں جانا چاہا۔ لیکن یہ تدبیر بھی اس کے حق میں مناسب نہ تھی۔

ادہر پہاڑی سرداروں اور بھیلوں نے نال کی گھاٹیوں میں اُسکو گھیر لیا۔ اور پہاڑوں پر جو آدمی جمع تھے۔ انہوں نے پتھر برسا برسا کر ان کی خوب خبر لی۔ ادہر جے سنگھ نے درہ کی راہ بند کردی تھی۔ اب اکبر کو پیچھے پلٹنا بھی محال تھا۔ چاروں طرف موت ہی موت دکھائی دیتی تھی۔ اور راجپوتوں کی تلوار یا محض فاقہ کشی سے ہی ان کا کام تمام ہو جانا یقینی امر تھا۔ جب کوئی صورت بچاؤ کی نظر نہ آئی۔ تو شہزادہ اکبر نے جے سنگھ سے جان بخشی کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ میں آئندہ آپ کے سامنے تلوار نہیں اُٹھاؤنگا۔ فیاض اور رحمدل رانا نے فوراً ہی منظور کر لیا۔ اور حکم دیا کہ اکبر کا رستہ چھوڑ دو اور اس کو صحیح وسالم درہ سے نکل جانے دو۔ ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جے سنگھ نے غلطی سے دشمن کو چھوڑ دیا۔ قید کر لینا چاہیے تھا۔ مگر یہ اُس کی غلطی نہیں، بلکہ شجاع راجپوتوں کے لاثانی اخلاق کا برتاؤ تھا۔

اورنگ زیب نے دلیر خاں کو دسوری درہ کے رستہ اکبر کی امداد کے لئے بھیجا تھا۔ مگر اس

کا بھی وہی حال ہُوا تھا۔ راجپوتوں نے حسب دستور اول اول اُس کی بھی کچھ مزاحمت نہ کی۔
جب اُس کا لشکر درہ کے دہانہ پر پہنچ گیا۔ تو بکرم سنگھ سردار روپنا گڈھ اور گوپی ناتھ سردار
حملہ کیا۔ اور ایک خونریز لڑائی کے بعد دلیر خاں کا سارا لشکر تباہ کر دیا۔ راجپوتوں کو کامل
نصیب ہوئی۔ اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا؛

اس لڑائی میں راجپوت ایسی ہوشیاری سے لڑتے تھے۔ کہ مورخوں نے انکی عقلمندی کی
ازحد تعریف کی ہے۔ ٹھیک اسی وقت جب کہ اکبر کی سپاہ پر حملہ کیا گیا تھا۔ خود رانا راج
اور والئے مارواڑ نے اورنگ زیب پر حملہ کیا جو کہ معہ اپنے بیٹے اعظم کے دوباری کے مقام
ہُوا اکبر اور دلیر خاں کے جنگ کے نتیجہ کی خبر سُننے کا انتظار کر رہا تھا۔ اورنگ زیب کے
بڑی بڑی توپیں بھی تھیں۔ اور اُن کے گولہ انداز فرانسیسی تھے۔ مگر راجپوتوں کی برچھیوں
آگے یہ بھی کچھ کام نہ دے سکیں اور اورنگ زیب ایک درے میں گھر گیا۔ آگے کی طرف راستہ
ناممکن گذار تھا۔ پچھلی طرف راجپوتوں نے درخت کاٹ کاٹ کران سے رستہ بند کر دیا
اور خود پہاڑوں پر کھڑے ہو کر تیروں اور پتھروں سے شاہی فوج کا ستیاناس کر رہے تھے۔ او
زیب کی پیاری بیوی بھی اُس کے ہمراہ تھی۔ وہ بھی معہ اپنی محافظ سپاہ کے ایک درے میں
گئی۔ ہمراہیوں نے جب بچاؤ کی صورت نہ دیکھی۔ تو انہوں نے خود بخود اپنے آپ کو رانا کے
کر دیا۔ اور بیگم کو بھی اس کے پاس لے گئے۔ رانا نے اُس کی بڑی خاطر تواضع کی۔ اور نہا
عزت واحترام کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ اورنگ زیب اِس موقعہ پر ایسا گھر گیا تھا کہ اگر راجپ
تلوار سے بھی کام نہ لیتے تو بھی وہ چند دنوں میں فاقہ کشی سے مر جاتا۔ مگر فیاض رانا نے اپنی نمک
یاد دیا دلی سے اکبر کی طرح اسکو بھی رستہ دے دیا؛

اِس لڑائی میں اورنگ زیب کا سخت نقصان ہُوا۔ اُس کی سپاہ غتربود ساری
ساری ضائع ہو گئی۔ تمام اسباب غارت ہو گیا۔ اور ہاتھی گھوڑے اور بہت سا سامان
یہاں تک کہ شاہی جھنڈا بھی رانا کے ہاتھ آ گیا؛

اورم لکھتا ہے۔ کہ اورنگ زیب نے جب ایسی بے عزتی کے ساتھ شکست کھا کر
رانا کی مہربانی سے اس بلا سے نجات پائی۔ تو رانا نے بیگم کو اپنے آدمیوں کے ساتھ بحفاظت
اِس کے پاس بھیجدیا۔ اور اس نیک سلوک کے عوض میں صرف اتنا چاہا۔ کہ وہ اس
علاقہ میں گاؤکشی سے باز رہے؛

انسانیت کا خاصہ یہ تھا۔ کہ اورنگ زیب اپنے بااخلاق غنیم کا شکریہ ادا کرتا لیکن افسوس ہے کہ اس تنگدل نے رانا کی اس مہربانی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اُس نے ڈر کر اُس کے قبیلہ کو اُس کے پاس بھیجدیا ہے۔ لہذا تھوڑے عرصہ کے اندر ہی اُس نے دوبارہ فوج کشی کے سامان کئے اور رانا پر حملہ کیا۔ لیکن دوسری مرتبہ بھی اُس کو پہلی ہی مشکلات پیش آئیں اور بمشکل جان بچا کر پہاڑوں سے نکلا اور چتوڑ میں آکر دم لیا۔

ان دونوں لڑائیوں میں بڑی مشکل سے اورنگ زیب کی جان بچی تھی۔ اِس لئے اس کو دوبارہ بذاتِ خود رانا کے مقابلہ پر جانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ لشکر کے دو حصے کرکے اپنے دونوں بیٹوں اعظم اور اکبر کے سپرد کئے۔ اور خود اجمیر کی طرف روانہ ہُوا۔ اور اُن کو ہدایت کر گیا کہ جب تک اجمیر سے کمک نہ آجائے۔ تب تک مقابلہ سے پہلوتہی کرتے رہیں۔

چتوڑ اور اجمیر کے رستہ پر ساولؔ داس پھر اورنگ زیب پر گرا۔ اور اُس کا رستہ روک لیا۔ اس موقعہ پر بھی بادشاہ کو شکست ہی نصیب ہوئی۔ اور وہ مشکل سے جان بچا کر اجمیر میں پہونچا۔

اجمیر پہنچکر اورنگ زیب نے بارہ ہزار سپاہ معہ بہت سے سامان رسد وغیرہ کے اکبر کی مدد پر روانہ کی۔ لیکن گوپی ناتھ نے منڈوپور کے قریب اِس کا مقابلہ کیا۔ اور یہ سپاہ بھی شکست کھا کر پیچھے کی طرف اجمیر کو بھاگ گئی۔

اِدھر رانا اور اُس کا ولیعہد جے سنگھ غنیم کو شکست پر شکست دے رہے تھے۔ اِدھر کنور بھیم سنگھ نے گجرات پر حملہ کیا۔ اور ایدر کو تسخیر کرکے حسن کو شکست دی۔ اور اُس کو وہاں سے خارج کرکے یکایک پٹن پر گرا۔ اور اس کے علاقہ کو خوب تاخت وتاراج کیا۔ یہ حال سدپور بھوسوا۔ اور دیگر شہروں کا ہوا۔ حسن چاروں طرف سے مایوس ہوکر رانا کے پاس آیا۔ اور اس نے اپنی معمولی فیاضی اور دریا دلی سے اس کا تمام علاقہ اُس کو واپس دیدیا۔

راج سنگھ کا وزیر مالی بڑا دلیر اور اولوالعزم اور بے رحم بھی تھا۔ رانا کی متواتر مہربانیوں اور اُس کے عوض میں احسان فراموش اورنگ زیب کی چالبازیوں سے جل کر اُس نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہا۔ وہ اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر مالوہ سے مرندہ اور ٹیوہ تک غارت کرتا چلا گیا اُس

۱؎ یہ شخص اُسی نامور جیمل کی اولاد میں سے تھا جس نے بڑی بہادری کے ساتھ چتوڑ میں اکبر کا مقابلہ کیا تھا۔ اور رانا اودے سنگھ کی غیر حاضری میں قلعہ کی حفاظت میں اپنی جان قربان کی تھی۔

نے سرنگ پور سرونج - مندور اوجین اور چندیری کو خوب لوٹا - اور یہاں کے باشندونکو بید
تہ تیغ کیا ؛

مؤرخ بیان کرتا ہے کہ اِس موقعہ پر اُس نے بھی مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا ج
اورنگ زیب ہندوؤں سے کیا کرتا تھا - قاضیوں کو پکڑ کر اُن کی ڈاڑھیاں منڈوا ڈالیں قرآ
کو کنوؤں میں پھنکوا دیا - اور مالوہ کو تو بالکل تباہ اور بے چراغ کردیا - اِس طرح لوٹ اور غا
گری میں بے شمار دولت اِس کے ہاتھ آئی - اور وہ لاکھوں کا اسباب جمع کرکے جے
ولیعہد رانا سے آملا - اور اُس کے ساتھ شامل ہوکر چتوڑ کے متصل اعظم پر حملہ آور ہوا - اِس ل
میں میواڑ کے تمام نامی سردار موجود تھے - سب نے ملکر دشمن پر حملہ کیا - اور شہزادہ اعظم شکس
کھاکر کرون بھمبور میں بھاگ گیا ؛

اِس لڑائی کے بعد جنگ میواڑ کا تو ایک طرح خاتمہ ہوا - مگر رانا نے اپنے بیٹے بھیم سنگھ
بہت سا لشکر ہمراہ دیکر خورد سال اجیت سنگھ کی امداد کے لئے گوڈوار میں بھیجا - اِس لڑا
مفصل حال اجیت سنگھ کے بیان میں لکھا جائیگا ؛

نتیجہ اِس لڑائی کا بھی اورنگ زیب کے حق میں زبون نکلا - اور بادشاہی سپاہ جو شہز
اکبر و دلیر خاں جمع ہوئی تھی شکست فاش ہوئی - مگر جس طریق سے راجپوتوں نے اِس موقعہ
فتح حاصل کی - اِس کا بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا - ایک راجپوت سردار بادشاہ کے لشک
پانچسو اونٹ گرفتار کرکے لے گیا تھا - اُن کی پشتوں پر مشعلیں روشن کرکے باندھیں گئیں
اور رات کو بادشاہ کے لشکر میں چھوڑ دیا - حیوان اپنی جائے قیام کا رخ کرکے آئے - مگر ا
شتر بے مہاروں کے داخل ہونے سے ہاتھی اور گھوڑے خوف زدہ ہوکر اِدھر اُدھر بھا
لگے - اور تمام لشکر میں گھبراہٹ سی پڑگئی - اِدھر راجپوتوں نے حملہ کرکے سب کو تباہ کرد
اِس لڑائی کے بعد اکبر راجپوتوں کے ساتھ مل گیا - اور ان سے شامل ہوکر اپنے با
سے لڑتا رہا - ان لڑائیوں کا تعلق مارواڑ سے ہے - اِس لئے تواریخ مارواڑ میں ہی اِن
ذکر کیا جائیگا ؛

اب ہم تواریخ کے اُس موقعہ پر پہنچ گئے ہیں - جب کہ راج سنگھ اپنے پورے عروج پر
اور اورنگ زیب اپنی متواتر کوششوں سے ناکامیاب ہوچکا تھا - راجپوت اگرچہ اورنگ
زیب کی جان کے خواہاں نہ تھے - مگر اس کو یہ اندیشہ پیدا ہوچکا تھا کہ اگر یہی حالت ر

تو ایک روز وہ ضرور اُسے تخت سے بھی اُتار دیں گے۔

اب اورنگ زیب رانا سے صلح کرنا چاہتا تھا۔ مگر بذاتِ خود صلح کی درخواست کرنا بھی اس کے لیے سخت مشکل تھا۔ اُس کی اِس مشکل کو ایک راجپوت سردار نے جو کہ دلیر خاں کے لشکر میں ملازم تھا حل کر دیا۔ یہ افسر اپنے وطن جانے کے بہانہ سے شاہی لشکر سے رخصت ہو کر رانا کے پاس گیا۔ اور جب لڑائی کا تذکرہ درمیان میں آیا۔ تو اس نے رانا سے بیان کیا۔ کہ اورنگ زیب دِل سے صلح کا خواہاں ہے۔ اگرچہ وہ خود صلح کی درخواست نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کرے۔ تو وہ ضرور منظور کر لیگا۔ رانا بھی محض اپنی ضد سے مزید خونریزی کا خواہشمند نہ تھا۔ افسر مذکور کی گفتگو کو سُنکر جواب دیا۔ کہ اگر یہ صورت ہے۔ تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ تم ہی بادشاہ سے صلح کا پیغام ڈالو۔

اس سردار کا نام تواریخ میں راجہ شام سنگھ ساکن بیکانیر لکھا ہے۔ یہ رانا سے رخصت ہو کر اورنگ زیب کے پاس آیا۔ اور مندرجہ ذیل شرائط پر صلح قرار پا گئی۔

(۱) چتوڑ معہ تمام ان اصلاع کے جو بوقت اس کے آباد ہونے کے اِس کے متعلق تھے رانا کو واپس دیا جاوے۔

(۲) شوالے اور ہندوؤں کے عبادت خانوں کی جگہ جو مسجدیں بنی ہیں آئندہ بننے نہ پاویں۔

(۳) جس طرح رانا پہلے بادشاہ کو مدد دیا کرتا تھا اب بھی دیتا رہیگا۔ لیکن کوئی نیا حکم جاری نہ ہو۔

(۴) اجیت سنگھ فرزند جسونت سنگھ کو جب کہ وہ اپنے فرائض ادا کرنے کے لائق ہو اُس کا ملک واپس کیا جاوے۔

رانا راج سنگھ نے ۱۶۸۱ء میں وفات پائی۔ ٹاڈ صاحب نے اُس کی خصلت کا اورنگ زیب سے مقابلہ کیا ہے۔ ہم بھی اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے اِس کا اختصار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

رانا راج سنگھ اور اورنگ زیب کی خصلتوں کا مقابلہ کرنا انصاف سے خارج ہے۔ کیونکہ ہر دو کے خصائل ہر باب میں ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ ایشیا کے تمام بادشاہوں میں سے اورنگ زیب سب سے زیادہ گنہگار تھا۔ فتح کے جوش میں اس سے کبھی بھی کوئی کام

فیاضی کا ظہور میں نہ آیا۔ وہ انسان کی جان کو تو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ خلاف خصلت ا
جب کوئی شاہ معافی کے لئے اس کے پاؤں پر گرتا تھا۔ وہ بدلہ لئے بغیر ہرگز نہ چھوڑتا تھا
مثال اس کی موجود ہے۔ جب شاہ گولکنڈہ اس کے پاؤں پر گرا۔ تو اس نے کوڑوں سے
کی پشت سوجا دی۔ مگر رانا راج سنگھ برعکس اُس کے بڑا فیاض اور رحم دل تھا۔ باوجودیکہ
زیب اِس کے قابو میں آچکا تھا۔ اور اُس کی بربادی سے اسکو اور اس کے ملک کو بہت
فائدہ تھا۔ پھر بھی اُس نے اس پر رحم کھا کر چھوڑ دیا۔ راج سنگھ جیسا بہادر اور شجاع جن
ویسا ہی محب الوطن بھی تھا۔ جب روپنا گڈھ کی شہزادی نے اس سے امداد طلب کی۔
نے بڑی الوالعزمی اور بہادری ظاہر کی اُس کی لیاقت اُس چٹھی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو
محصول جزیہ کے موقعہ پر اورنگزیب کو لکھی تھی۔ اُس چٹھی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑا نیک
صاحب اخلاق عقلمند اور صاحب فہم وفراست تھا۔ جھیل راج سمند جو اُس نے بنوائی
ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کو عمارتوں کے بنوانے کا بھی بڑا شوق تھا۔

رانا سنگرام سنگھ

رانا راج سنگھ کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے بیٹے جے سنگھ اور پوتے امر سنگھ
نے میواڑ کی گدی پر حکومت کی۔ مگر اُن کی زندگی کے واقعات تواریخی پہلو سے کچھ زیادہ
اور قابل اندراج نہیں ہیں۔

سلہ رانا راج سنگھ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام بھیم سنگھ اور چھوٹے کا نام جے سنگھ تھا اور رواج کے مطابق
گدی کا حقدار تھا۔ مگر راج سنگھ کو اندیشہ تھا کہ میرے بعد ضرور ان دونوں میں جھگڑا برپا ہوگا اِس خیال سے ایک
نے بھیم سنگھ کو طلب کیا اور تلوار اس کے ہاتھ میں دیکر کہا۔ اگر تمہارے دل میں حکمرانی کی ہوس ہو اور چاہتے
بعد جے سنگھ میواڑ کی گدی پر نہ بیٹھے۔ تو اس تلوار سے ابھی اپنے بھائی کا گلا کاٹ دو لیکن میرے بعد باہمی
سے ملک کو تباہ و برباد نہ کرنا۔ بھیم سنگھ باپ کی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے اُسی وقت قسم کھائی اور
آپ کے حکم سے ہرگز انحراف نہیں ہے میں اپنے بھائی کے حق گدی نشینی کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنی خوشی سے اقرار کرتا
کے بعد وہی تخت پر بیٹھے گا۔ میں کسی طرح بھی اُس کا مزاحم نہ ہونگا۔ بلکہ آپکے اطمینان کے لئے ابھی ملک سے نکل جاتا ہوں

شبیہ مہارانا سنگرام سنگھ



م لھائی ہوئی ؛

آگے چلنے کا اشارہ کیا ؛

بیتاب ہو رہا تھا پانی زمین پر پھینک دیا گیا۔ اور ہمراہیوں کو

سے چلکر بھیم سنگھ بہادر شاہ کے پاس آیا جس نے اُسکو تین ہزار سوار کا افسر مقرر کردیا اور باون اضلاع

ست فرمائے کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے کسی فساد رفع کرنیکے لئے اُسکو دریائے سندھ کی طرف بھیجا اور

نے وفات پائی بھیم سنگھ بڑا چالاک اور ہوشیار سپاہی تھا۔ اُسکی شہسواری کی راجپوتانہ میں دہوم تھی وہ

پٹ دوڑاتا ہوا کسی درخت کے نیچے سے گذرتا اور اُس کی ٹہنی کو پکڑ کر لٹک جاتا۔ مورخ لکھتا ہے کہ اُسی

کھیل میں آخر کار اُسکی جان بھی گئی ؛

اور قابل ا...

سا رانا راج سنگھ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام بھیم سنگھ اور چھوٹے کا نام جے سنگھ تھا اور ...

گدی کا حقدار تھا۔ مگر راج سنگھ کو اندیشہ تھا کہ میرے بعد ضرور ان دونوں میں جھگڑا برپا ہوگا اِس خیال سے ایک...

نے بھیم سنگھ کو طلب کیا اور تلوار اس کے ہاتھ میں دیکر کہا۔ اگر تمہارے دل میں حکمرانی کی ہوس ہو اور چاہتے ہو...

بعد جے سنگھ میواڑ کی گدی پر نہ بیٹھے۔ تو اِس تلوار سے ابھی اپنے بھائی کا گلا کاٹ دو لیکن میرے بعد باہمی جنگ...

سے ملک کو تباہ و برباد نہ کرنا بھیم سنگھ باپ کی گفتگو سے اِس قدر موثر ہُوا کہ اُس نے اُسی وقت قسم کھائی اور...

آپ کے حکم سے ہرگز انحراف نہیں ہے میں اپنے بھائی کے حق گدی نشینی کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنی خوشی سے اقرار کرتا ہوں...

کے بعد وہی تخت پر بیٹھے گا۔ میں کسی طرح بھی اُس کا مزاحم نہ ہونگا۔ بلکہ آپکے اطمینان کے لئے ابھی ملک سے نکل جاتا ہوں

۱۷۱۶ء میں رانا سنگرام سنگھ میواڑ کی گدی پر بیٹھا۔ سنگرام سنگھ قریب قریب اسی عہد میں تخت نشین ہُوا تھا جب کہ تیموریہ خاندان کا آخری بادشاہ محمد شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس نے اٹھارہ سال تک حکومت کی راجپوت اِس کے نام کا بڑا ادب کرتے ہیں بہت سے اضلاع جو سابق میں میواڑ کے علاقہ سے نکل گئے تھے۔ دوبارہ حاصل ہُوئے۔ بہاری داس ساکن پنچولی کو وزارت کے عہدہ پر مامور کرنا اُس کی اعلےٰ درجہ کی دور اندیشی کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ میواڑ کے دربار میں آج تک اس سے زیادہ لئیق اور وفادار وزیر کوئی نہیں گذرا تھا؛

سنگرام سنگھ بڑا صاحب لیاقت منتظم مدبر۔ عقلمند مستقل مزاج منصف اور زبان کا پکا تھا۔ سنگرام سنگھ کی بابت بہت سے قصے اور روایتیں مشہور ہیں اور اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ وہ میواڑ کا درحقیقت ایک قابل حکمران تھا۔

ایام گدی نشینی میں سنگرام سنگھ نابالغ تھا۔ اور حسب رواج ملک اس کی ماں سلطنت کا سارا انتظام کرتی رہی تھی۔ مگر اب وہ بالغ ہو چکا تھا۔ اور تمام کام خود سرانجام دیتا تھا۔ کسی باعث سے سردار وارادو کی جاگیر ضبط کی گئی۔ سردار سنگھ کسی کو کبھی بے وجہ سزا نہیں دیتا تھا۔ بلکہ اول اچھی طرح اُس کے جرم کی تصدیق کر لیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی حکم کو منسوخ بھی نہ کرتا تھا۔

عہد کرتا ہوں کہ اس ملک میں پانی تک نہ پیوں گا"

اتنا کہکر بھیم سنگھ اپنے باپ سے رخصت ہُوا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر اودے پور سے نکلا تاکہ وہ کسی دوسری جگہ جاکر قسمت آزمائی کرے اُس روز گرمی کی سخت شدت تھی۔ آفتاب کی جھلسنے والی گرمی زمین پر آگ کی بارش کر رہی تھی سرحد پر پہنچکر دھوپ کی گرمی سے بیتاب ہو کر بھیم سنگھ مع اپنے ہمراہیونکے ایک درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ پیاس شدت سے لگ رہی تھی۔ نوکر سے پانی مانگا۔ اُس نے فوراً ایک چشمہ سے پانی کا گلاس بھر کر اسکے پیش کیا۔ لیکن جب وہ ہونٹوں کے قریب لایا۔ تو اُسکو یاد آگیا کہ میں نے تو اس ملک کا پانی پینے کی قسم کھائی ہوئی ہے باوجودیکہ وہ پیاس سے سخت بیتاب ہو رہا تھا پانی زمین پر پھینک دیا گیا۔ اور ہمراہیوں کو آگے چلنے کا اشارہ کیا؛

یہاں سے چلکر بھیم سنگھ بہادر شاہ کے پاس آیا جس نے اُسکو تین ہزار سوار کا افسر مقرر کر دیا اور باون اضلاع بطور جاگیر مرحمت فرمائے کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے کسی فساد رفع کرنیکے لئے اسکو دریائے سندھ کی طرف بھیجا اور وہاں جا کر اُس نے وفات پائی۔ بھیم سنگھ بڑا چالاک اور ہوشیار سپاہی تھا۔ اُسکی شہسواری کی راجپوتانہ میں دھوم تھی وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا کسی درخت کے نیچے سے گذرتا اور اُس کی ٹہنی کو پکڑ کر لٹک جاتا۔ مورخ لکھتا ہے کہ اُسی قسم کا ایک سپاہیانہ کھیل میں آخر کار اُسکی جان بھی گئی؛

نہ کسی کو اس قسم کی سفارش کرنے کی جرأت پڑتی تھی۔ سردار مذکور دو سال تک مورد عتاب رہا۔
جس عرصہ میں اس نے اپنی جاگیر دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر
یہ کوشش تمام بے سود تھی۔ کسی طرح اُس کی مطلب براری نہ ہو سکی ٭
چاروں طرف سے مایوس ہو کر اس نے اپنی درخواست رانا کی ماں کے پاس بھیجی۔ اور
یہ بھی لکھا کہ اگر اس کی جاگیر واپس ملجائے۔ تو وہ دو لاکھ روپیہ بطور نذرانہ پیش کریگا۔ معلوم نہیں
کہ رانی نے روپیہ کے لالچ میں آ کر یا اُس کی خستہ حالی پر رحم کر کے رانا سے سفارش کر کے اُس
کا علاقہ واپس دلانیکا ارادہ کیا ٭
سنگرام سنگھ کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ ہر روز کھانا کھانے سے پہلے اپنی والدہ کی خدمت میں
حاضر ہوا کرتا تھا۔ حسب دستور جب وہ محل میں آیا تو ماں نے سردار مذکور کی درخواست پیش کی
اور خود بھی اُس کی بحالئے جاگیر کی سفارش کی۔ رانا نے بغیر کسی پس و پیش کے درخواست کو منظور
کر لیا۔ اور کہا۔ آپ کا حکم میری سر آنکھوں پر جو کچھ ارشاد ہُوا۔ مجھے اُس کی تعمیل میں کچھ عذر
نہیں ہے ٭
دستور یہ تھا۔ کہ جو درخواست رانا کے پاس گذرتی تھی۔ اور اُس پر جو حکم صادر ہوتا تھا۔ وہ
آٹھویں روز مشتہر کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک کاغذ پر آٹھ وزیروں کی مہریں ثبت ہُوا کرتی تھیں
مگر خلاف دستور رانا نے حکم دیا کہ کاغذ اسی وقت تیار کیا جائے۔ رانا ابھی ماں کے پاس ہی
بیٹھا ہُوا تھا۔ کہ کاغذ تیار ہو کر آ گیا۔ اُس نے بڑے ادب سے اسکو رانی کے ہاتھ میں دیا۔ اور
خود سر جھکائے بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنے کے محل سے چلا گیا ٭
دوسرے دن رانا نے حکم دیا کہ کھانا معمول سے ایک گھنٹہ پہلے تیار ہو۔ اور ماں کی خدمت
میں لکھ کر بھیجا۔ کہ آج اِس کا انتظار نہ کیا جائے۔ رانی اس نئے حکم سے حیران تھی۔ مگر اسکی وجہ
اُس نے یہ قرار دی کہ آج کسی خاص کام کے باعث سنگرام محل میں نہیں آیا۔ لیکن جب دو تین
دن متواتر اسیطرح گذر گئے۔ اور رانا محل میں نہ آیا۔ تو وہ بڑی متفکر ہو گئی۔ اور اُسکو یہ بھی معلوم
ہو گیا کہ اسکی وجہ وہی سردار کی سفارش ہے۔ اس خیال سے اُسکو کمال رنج ہُوا۔ اور اُس نے
لونڈی کی معرفت رانا کو محل میں بلایا۔ مگر افسوس کہ رانا نے اُس کو بھی یوں ہی ٹال دیا۔ رانی
نے وزیر اعظم کو کہلا بھیجا کہ وہ اس معاملہ میں اُس کی مدد کر کے رانا کی ناراضگی کو دور کرنے کی
کوشش کرے۔ مگر اس نے بھی یہ جواب دیا کہ مجھے سوائے امور سلطنت کے کسی اور معاملہ پر گفتگو

کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ اب رانی کا دل سخت پریشان تھا۔ اور وہ افسوس کرتی تھی کہ کیوں اُس نے سردار کی سفارش کر کے اپنے لڑکے کو ناراض کر لیا۔ ناچار وہ گنگا کی یاترہ کو تیار ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ سنگرام سنگھ اُسکو رخصت کرنے کے لئے ضرور آئیگا۔ لیکن رانا اب بھی نہ آیا۔ دل شکستہ رانی تیرتھوں کو چلی گئی۔ مگر وہ ہر وقت مغموم اور اُداس رہتی تھی راستہ میں اس کا گذر ریاست امبر میں ہُوا۔ یہاں کا راجہ جے سنگھ اس کا داماد تھا۔ وہ بڑی عزت سے اس کے ساتھ پیش آیا۔ اور شہر سے باہر آ کر بہ پاس ادب خود اُس کی پالکی کو کندھا دیکر محل میں لیگیا رانی چند روز جے پور میں رہی۔ مگر وہ ہر وقت اُداس رہتی تھی۔ جے سنگھ نے بڑی منت سے اُس کا حال دریافت کیا۔ اور وعدہ کیا کہ میں آپ کے ساتھ چل کر ماں بیٹوں میں صفائی کرا دوں گا ؂

رانی کی سواری اودے پور کو روانہ ہوئی۔ جے سنگھ بھی ہمرکاب تھا۔ رانا نے بھی یہ حال سُنا۔ راجپوت قواعد میزبانی کے بڑے پابند ہوتے ہیں اپنے مہمان کی درخواست کو رد کر دینا سنگرام سنگھ کی شان کے برخلاف تھا جے سنگھ کا کہنا اُسکو ضرور ہی ماننا پڑتا۔ مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا۔ کہ کوئی دوسرا شخص اُن کے درمیان صلح کرائے۔ اِس سے اُس کی والدہ کی ایک طرح سبکی تھی۔ فرمانبردار بیٹا ماں کی اِس بے عزتی کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ وہ اُس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اگرچہ وہ اُس سے ناراض تھا۔ مگر یہ ناراضگی اُس کو گستاخ نہیں بنا سکتی تھی ابھی یہ اودے پور سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہی تھے۔ کہ سنگرام سنگھ گھوڑے پر سوار ہو کر جے سنگھ کے استقبال کے بہانہ سے آگے آیا۔ اور سیدھا اپنی ماں کے خیمہ میں گیا۔ اور حسب دستور آداب بجالا کر اُسکی پالکی اُٹھوا کر شہر میں لے آیا۔ اور پھر واپس جا کر جے سنگھ سے ملاقی ہُوا ؂

مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سنگرام سنگھ بڑا منصف مزاج تھا۔ انصاف کے آگے سفارش سے سخت متنفر تھا۔ اِس سے بڑھ کر اِس کے منصف مزاج ہونیکا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ وہ اپنی ماں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مگر عدل و انصاف کے معاملہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھی اُس کی سدِ راہ ہو۔ پہلی دفعہ اُس نے اپنی ماں کی سفارش کو مان تو لیا لیکن ازراہ دور اندیشی آئندہ ہمیشہ کے لئے اُس کی زبان بند کر دی ؂

سنگرام سنگھ کو فضول خرچی سے سخت نفرت تھی۔ اُس نے اپنے ہر قسم کے ذاتی اخراجات کے لئے جدا جدا دیہات کی آمدن مقرر کر چھوڑی تھی۔ مثلاً چند گاؤں کی آمدن باورچیخانہ کے لئے

مخصوص تھی۔ چند دیہات اس کی جیب خاص کے لیئے اور اسیطرح شہزادوں اور رانیوں کے اخراجات کے لئے خاص رقمیں مقرر تھیں ؛

ایک دن سردار کوٹیریو نے جو اعلےٰ درجہ کے سرداروں میں سے تھا۔ رانا کے لباس خاص میں کچھ زیادتی کرنے کی درخواست کی۔ چونکہ اس درخواست سے انکار کرنا خلاف اخلاق تھا رانا نے اُس کو منظور کر لیا سردار مذکور خوشی خوشی اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ مگر رانا نے اُسی وقت وزیر کو حکم دیا کہ علاقہ کوٹیریو کے دو گاؤں ضبط کر لیئے جائیں۔ سردار کوٹیریو اپنے علاقہ کے گاؤں کی ضبطی سُنکر کمال متحیر ہُوا۔ اور رانا کے پاس حاضر ہو کر اس ناراضگی کی وجہ دریافت کی۔ رانا نے جواب دیا کہ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ گاؤں کے ضبط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم نے خود ہمارے لباس میں زیادتی کی درخواست کی ہے۔ چونکہ میں اپنے ایک معزز سردار کا کہنا رد نہیں کر سکتا۔ اِس لئے لباس کا اضافہ کرنا پڑا۔ مگر میرے خاص گاؤں کی آمدنی جدا جدا مدّوں کے لئے مخصوص ہے۔ لباس کا زاید خرچ پورا کرنے کے لیئے میں نے مناسب سمجھا کہ جس شخص کی ترغیب سے یہ خرچ بڑھا ہے اُسی کی جیب سے پورا بھی کیا جائے۔ سردار مذکور خاموش ہو گیا۔ اور آئندہ کبھی اِس قسم کی درخواست کرنے کا حوصلہ نہ پڑا ؛

ایک دن سنگرام سنگھ مع اپنے سرداروں کے کھانے پر بیٹھا ہُوا تھا۔ باورچی دہی لایا مگر اس میں کھانڈ نہیں تھی سبب دریافت کیا۔ تو باورچی نے عرض کیا کہ جس گاؤں کی کھانڈ باورچی خانہ میں استعمال ہوتی تھی وہ گاؤں ضبط ہو چکا ہے۔ یہ سنکر رانا خاموش ہو گیا۔ بغیر میٹھے کے دہی استعمال کیا گیا۔ اور پھر کبھی رانا نے کھانڈ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رانا سنگرام سنگھ قواعد کا سخت پابند تھا ؛

اِسی طرح کا ایک اور قصّہ سنگرام سنگھ کی بابت مشہور ہے۔ اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ رعایا کا بھی بڑا مشہور محافظ تھا۔ ایک دن وہ کھانے پر بیٹھا تھا۔ مگر ابھی ایک لقمہ بھی نہ اٹھانے پایا تھا۔ کہ کسی نے آکر عرض کیا کہ مالوہ کے پٹھانوں نے علاقہ مندلیوںہ کے بہت سے دیہات لوٹ لئے ہیں اور باشندوں کو قید کر کے لے گئے ہیں رانا نے تھالی آگے سے سرکا کر اپنے ہتھیار طلب کئے۔ اور اُسی وقت نقارہ پر چوٹ پڑنے کا حکم دیا۔ اراکین سلطنت حاضر ہُوئے۔ اور جب اُن کو معلوم ہُوا کہ رانا خود پٹھانوں کو سزا دینے کے لیئے تیار ہے۔ تو سب نے ملکر درخواست کی کہ یہ مہم آپ کے لائق نہیں ہے ایک معمولی غارت گر گروہ کے مقابلہ میں

کا بذاتِ خود جانا میواڑ کی ہتک ہے آپ اس مہم کو ہمارے سپرد کردیں۔ ہم خود ان سے اچھی طرح نپٹ لیں گے۔

اوّل اوّل تورانا نے نہ مانا۔ لیکن جب سرداروں نے متواتر اصرار کیا۔ تو اپنے ارادہ کو ملتوی کر کے سرداروں کو روانہ کیا۔ چند گھنٹوں کے بعد سردار کنورہ حاضر ہُوا۔ یہ سخت بخار میں مبتلا تھا۔ اور کئی روز سے بستر بیماری پر لیٹا ہُوا تھا۔ اس وقت بھی اُسکو شدت کا بخار چڑھا ہُوا تھا۔ لرزہ کے مارے اُسکا جسم کانپ رہا تھا۔ مگر طبل جنگ کی آواز کانوں میں پہونچتے ہی وہ دربار میں بھاگا آیا۔ اور مہم پر جانے کی اجازت چاہی۔

رانا نے اُس کی یہ حالت دیکھ کر اُسکو گھر جانے کے لئے کہا۔ لیکن اُس نے ایک نہ مانی۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ راجپوت کے لئے اپنی بہادری کے جوہر ظاہر کرنے کے لِئے ہر روز موقعہ ہاتھ نہیں آیا کرتا۔ میرا فرض ہے۔ کہ اس موقعہ پر میں اپنی تلوار کو میان سے نکالوں اور اپنے آقا کے نمک کا عوض ادا کروں۔ بیماری مجھے مہم پر جانے سے نہیں روک سکتی۔ رانا نے پھر سمجھایا۔ اور بڑی ملایمت سے کہا۔ تمہاری حالت بڑی زار ہے۔ تمہارا جسم کمزور ہے بہتر ہے کہ تم آرام کرو اور میدان جنگ میں نہ جاؤ۔ مگر سردار ندکور نے اپنی ہٹ نہ چھوڑی۔ ناچار رانا نے اجازت دیدی۔ اور یہ اُسی وقت سوار ہو کر فوج کے ساتھ جا ملا۔

فرض شناس راجپوت کی یہ مثال ثابت کرتی ہے کہ راجپوت اپنے فرض پر کس طرح فدا ہوتے تھے۔ اور سوائے موت کے کوئی چیز ان کے سد راہ نہ ہو سکتی تھی۔ بیشک دنیا میں اگر کوئی قوم اپنے فرض کو سمجھ سکتی تھی۔ تو وہ اکیلی راجپوت قوم تھی۔

بڑی خونریز لڑائی کے بعد پٹھانوں کو شکست ہوئی۔ قریب قریب ان کے تمام آدمی قتل کر دیئے گئے۔ ان کا سردار بھاگ گیا۔ اور سردارانِ میواڑ فتح کے جھنڈے اُڑاتے واپس آئے۔ مگر افسوس کہ وہ زخمی سردار واپس نہیں آیا وہ اپنے آقا کے کام میں جان نثار کر چکا تھا۔ اور اس کا بیٹا بھی سخت زخمی ہو کر مرتے مرتے بچا تھا۔

کامیاب لشکر کی واپسی پر اودے پور میں ایک بڑا دربار کیا گیا۔ تمام سردار جنہوں نے اس مہم میں کارنمایاں کئے تھے حاضر تھے۔ میواڑ کے دستور کے مطابق رانا نے پان کا بیڑا منگوایا۔ یہ بیڑا اس شخص کو دیا جاتا تھا۔ جو کہ سب سے معزز اور ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ سب کی نگاہیں رانا کی طرف لگیں تھیں۔ یہ بیڑا عموماً اول درجہ کے سرداروں سے کسی ایک کو دیا جاتا تھا۔

سردار کنورہ دوسرے درجہ کے سرداروں میں سے تھا۔ اِس لئے وہ اس کا مستحق ہی نہ
سمجھا جاتا تھا۔ مگر رانا نے یہ بیڑا اُس مرحوم سردار کے بیٹے کو عنایت کیا۔ نوجوان کی خدمت کا
یہ صلہ کافی تھا۔ اس کو اپنے باپ کی موت اور اپنے زخموں کی تکلیفات ساری بھُول گئیں
یہ انعام اس کی عزت افزائی کے لئے کچھ کم انعام نہیں تھا۔

ایک موقعہ پر امیر الامراء اوت سلمبرا نے شاہ مالوہ کو شکست دیکر واپس آتے ہُوئے دربار
میں حاضر ہونے سے پہلے گھر جانے کی اجازت حاصل کی۔ ایک خوشامدی نے رانا کے کان
بھر کر سردار مذکور کیطرف سے بدظن کرنا چاہا۔ مگر سنگرام سنگھ کوئی کم ظرف حکمران نہیں تھا۔
اُسکو اپنے ماتحتوں پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور وہ بخوبی جانتا تھا۔ کہ اس کے سرداروں میں
سے ایک بھی اُسکو دغا دینے والا نہیں ہے۔ اُس نے چُغل خور کی باتوں کو بغور سُنا۔ مگر بعد
میں بڑی نفرت ظاہر کی۔ چغلخور نے پھر اصرار کیا۔ اور عرض کیا۔ کہ سردار مذکور ضرور غنیم سے ملگیا
ہے۔ رانا نے اِس کا جواب یہ دیا۔ تمہارا کہنا بالکل غلط ہے۔ اگر تم نے یہ باتیں حسد سے جل کر
بیان کی ہیں اور میرے دل کو اُس سے متنفر کرنے کی کوشش کی ہے تو میں تمہاری اس حرکت
کو نہایت ہی ناپسند کرتا ہوں۔ اگر تم کو صرف شبہ گذرا ہے۔ اور نیک نیتی سے مجھے اِس بات
سے آگاہ کرتے ہو۔ تو میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ سردار مذکور ریاست کا بڑا خیر خواہ ہے تمہارے
اِس شبہ کو ابھی دور کرتا ہوں۔ اِس کے بعد رانا نے قاصد کو طلب کیا۔ اور ایک خط اس کو
دیکر تاکید کردی کہ سردار مذکور کے گھر پر پُہنچنے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ اور یہ خط اُس
کو دیدے۔

جس وقت یہ قاصد سردار مذکور کے گھر پر پہنچا۔ وہ بھی اُسی وقت شہر میں داخل ہُوا تھا
اور اپنے نوکروں کو رخصت کرکے اور خود گھوڑے سے اُتر کر محل کے پھاٹک میں داخل ہونیکو تیار
تھا کہ اپنے عیال و اطفال کو ملکر ان کی ملاقات سے دل ٹھنڈا کرے۔ قاصد نے رانا کا خط اُسکے
ہاتھ میں دیا۔ سردار انہیں قدموں پر ٹھہر گیا۔ اور پھاٹک کے ساتھ سہارا دیکر خط کو پڑھنے لگا
خط کا مضمون کیا تھا۔ ناظرین خود سمجھ جائینگے۔ سردار بغیر محل میں داخل ہونے اور بال
بچوں کو ملنے کے گھوڑے پر سوار ہُوا۔ اور چھ سوار ہمراہ لے کر اودے پور کو چلدیا۔ نصف شب
کے قریب یہ شہر میں پہنچا۔ اُس کے نوکروں کو اس کے یوں یک بیک آجانے کی کچھ امید نہ
تھی۔ اِس لئے وہ غافل تھے۔ اور روٹی وغیرہ کا کوئی سامان تیار نہ تھا۔ مگر رانا نے اِس کے کھانے

کی خبر سنتے ہی شاہی باورچیخانہ سے کھانے پینے کا تمام سامان اس کے ہاں بھجوا دیا۔

دوسرے دن صبح سردار مذکور دربار میں حاضر ہوا۔ رانا نے معمول سے زیادہ اُس پر مہربانی ظاہر فرمائی۔ ایک بیش قیمت خلعت عنایت کیا۔ اور اُس کی جاگیر میں بھی کچھ علاقہ اضافہ کیا۔ سردار نے حیران ہوکر اس قدر مہربانی کا سبب دریافت کیا۔ اور کہا میں نے کونسی ایسی نمایاں خدمت کی ہے۔ جس کے بدلے میں اِس قدر مہربانی کا مستحق سمجھا گیا ہوں؟

رانا نے تمام حال اُس کے آگے بیان کیا۔ جسکو سنکر سردار مذکور نے انعام لینے سے انکار کر دیا اور کہا۔ میں ہرگز اس انعام کا مستحق نہیں ہوں یہ حضور کی مہربانی ہے کہ مجھ پر کسی قسم کا ظن نہیں کیا گیا۔ ورنہ دربار میں طلب کرنے کی بجائے میرا سر اُتارنے کا حکم دیا جاسکتا تھا۔ ہاں اگر میری عزت افزائی ہی منظور ہے۔ تو میں درخواست کرتا ہوں۔ کہ جب کبھی میں یا میرے متعلقین کو دربار میں طلب کیا جائے۔ تو ہمیشہ اسیقدر کھانا بھیجا جایا کرے۔ جسقدر کہ اِس موقعہ پر مجھے بھیجا گیا ہے۔ بس اتنی عزت ہی میری اور میرے خاندان کے لئے کافی ہے۔" رانا نے سردار کی اِس درخواست کو منظور کرلیا اور آج تک بھی میواڑ میں یہ دستور برابر چلا آتا ہے کہ جب اس سردار کی اولاد میں سے کوئی شخص اودے پور میں بلایا جاتا ہے۔ تو کھانا ہمیشہ اُن کو شاہی باورچیخانہ سے بھیجا جاتا ہے۔

رانا سنگرام سنگھ کے عہد میں سلطنت مغلیہ بڑی کمزور ہو چکی تھی۔ مگر اُس نے اِس سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ البتہ راجپوتانہ کی دوسری ریاستوں نے اِس موقعہ سے خوب فائدہ اُٹھایا اور حتے الوسع اپنے اپنے علاقوں کو وسعت بھی دی۔ راجہ امبر نے جمنا تک شاہی علاقہ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ راجہ مارواڑ نے اپنا جھنڈا اجمیر پر گاڑ دیا تھا۔ اور گجرات کے بعض اضلاع بھی دبا لیے تھے۔ مگر رانا سنگرام سنگھ نے میواڑ کو وسیع کرنے کی نسبت سابقہ علاقہ کو ہی محفوظ بنانا مناسب سمجھا۔ اُس کو اپنے ہی ملک کی حفاظت کے لیے اٹھارہ لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

سنگرام سنگھ نے ۱۷۳۴ء میں وفات پائی۔ وہ بڑا نیک نام حکمران تھا۔ رعایا اس سے بڑی محبت رکھتی تھی۔ اور وہ بھی اپنے ملک کی بہتری اور بہبودی میں بدل ساعی رہتا تھا۔ سچ پوچھو تو سنگرام سنگھ میواڑ کے ان حکمرانوں میں سے آخری حکمران تھا۔ جنہوں نے باپا راول کی گدی کی عزت کو قایم اور برقرار رکھا تھا۔

رانا بھیم سنگھ

(کرشن کماری کی قربانی)

۱۷۷۸ء میں رانا بھیم سنگھ میواڑ کی گدی پر بیٹھا۔ مگر اُس نے اپنی پچاس سالہ حکومت میں ایسے ایسے انقلاب دیکھے کہ اِس مشہور خاندان میں سے آج تک کسی نے نہ دیکھے تھے یہ زمانہ ریاست میواڑ کے لئے سخت نحوست کا زمانہ تھا یا یوں کہو کہ میواڑ کی تباہی اِسوقت کمال کو پہنچ گئی تھی۔ آئے دن کی خونریز لڑائیوں اور مسلمان بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ کرتے کرتے ریاست کی حالت بڑی نازک ہو رہی تھی۔ انیسویں صدی کا آغاز تھا۔ راجپوتانہ بھر میں اتفاق واتحاد کا نام تک بھی سنائی نہ دیتا تھا۔ البتہ نفاق اور حسد کی آگ پوری تیزی کے ساتھ چاروں طرف روشن ہو رہی تھی۔ اور راجپوتوں کی رہی سہی ہمتوں کو جلا کر راکھ کر رہی تھی۔ محبت اور یگانگت کی مضبوط زنجیر بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اور راجپوت بہادروں کی وہ شجاعت اور دلیری جو قدرت نے ہی ان کے دلوں میں پیدا کر رکھی ہے ایک دوسرے کی تباہی کا باعث بن رہی تھی۔ افسوس وہ سپاہیانہ جوہر جن کی برکت سے کبھی اس قوم کے بزرگوں کے جھنڈوں کے فتحیاب پھریرے ہندوستان کی سرزمین سے گذر کر یورپ اور امریکہ پر لہرا چکے تھے۔ اِس وقت اپنی ہی قوم کی تخریب کا باعث بن رہے تھے۔ وہی جوہر دار تلواریں جن کی چمک کبھی دنیا بھر کے باشندوں کی آنکھیں چندھیا چکی تھیں۔ اِس وقت اپنے ہی بھائیوں کے خون کی پیاسی ہو رہی تھیں اس وقت ایک بہادر راجپوت کی تلوار کا وار اگر پڑتا تھا تو اپنے ہی بھائی کی گردن پر پڑتا تھا اس کا نیزہ اگر کسی چیز سے اپنی پیاس کو بجھا سکتا تھا۔ تو اپنے ہی ہمقوم کے قیمتی خون سے غرض جو کوئی تھا۔ اپنی تمام طاقت شجاعت اور دولت اپنے ہی بھائی کی تخریب میں صرف کر رہا تھا۔ ادہر بادشاہانِ دہلی کے اقبال کا ستارہ بھی غروب ہو چکا تھا۔ دہلی کے تخت پر خاند

شبیہ رانا بھیم سنگھ



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۱۸۲

مغلیہ کا آخری شاہ عالم ثانی حکمران تھا۔ مگر اُس کی حکومت بھی برائے نام تھی۔ جابجا خود مختار ریاستیں بن رہی تھیں۔ بنگال۔ اودھ اور حیدر آباد کے صوبہ دار خودسر بن گئے تھے مرہٹوں کا اقتدار بڑھ چکا تھا۔ اور وہ مالوہ اور گجرات پر قابض ہو چکے تھے۔ ایک طرف سندھیا اور ہلکر کی زبردست جماعتیں راجپوتانہ کو غارت کر رہی تھیں تو دوسری طرف پنڈاروں کی قوم ٹیڈروں کی طرح ان کے پیچھے لگی ہوئی ملک کے لئے آفت برپا کر رہی تھی؛

اِس وقت تخت برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کا نائب السلطنت یعنی گورنر جنرل سرجارج بارلو تھا۔ اُس کی پولیسی تھی۔ کہ ہندوستانی رئیسوں کی لڑائی جھگڑوں میں مطلق دخل نہ دیا جائے۔ اِس کا باعث شاید یہ تھا کہ انگریزی فوج بذاتِ خود مرہٹوں اور رہیلوں کیساتھ جنگ میں مصروف تھی۔ ایسی اندھیر گردی کے زمانہ میں ممکن تھا کہ اگر راجپوت اتفاق سے کام لیتے۔ تو اپنی ریاستوں کو جسقدر چاہتے وسعت دے لیتے اور کچھ مشکل نہ تھا کہ ہندا یکدفعہ پھر آریہ ورت بنجاتا لیکن افسوس ہے۔ کہ یہ خود ایسی بے طرح خانہ جنگیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ کہ انہیں دوسری طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ راجپوتانہ کی نامور ریاستیں منحوس نااتفاقی کے ہاتھوں خود تباہ ہو رہی تھیں۔ تمام ملک میں ابتری پھیل رہی تھی۔ اور جابجا خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ اِس بھاری خونریزی کا باعث کرشن کماری تھی۔ جو کہ رانا بھیم سنگھ والئے اُودے پور کی حسین و خوبصورت لڑکی تھی؛

کرشن کماری جیسی خوبصورت تھی۔ ویسی ہی خوب سیرت اور نیک طینت بھی تھی۔ اور اس کی چال ڈھال اور بول چال ایسی فریفتہ تھی کہ وہ گلِ راجستھان کے نام سے مشہور تھی ٹاڈ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اُس کی ماں راجگان انہلواڑہ کی قوم چورہ سے تھی۔ اور عمدہ حسب نسب اور لاثانی حسن پر خوش مزاجی اور نیک طینتی کا اضافہ ہوا تھا۔ ان اوصاف کے اعتبار سے جو اسکو فخر راجستھان لکھا ہے۔ ہرگز بے محل نہیں۔ اسی طرح ملکم صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ہیں اسکے برادر حقیقی جیون سنگھ ولیعہد راجہ کے دیکھنے سے اِس کے احسن حمیدہ واطوار پسندیدہ کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں۔ مشہور ہے کہ ان دونوں بھائی بہنوں کی شبیہ بہت ملتی تھی شہزادہ کا رنگ سانولا اور چہرے پر ایک قسم کی نزاکت نمایاں تھی۔ اور صورت سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ نہایت ذکی اور تیز طبع ہے؛

کرشن کماری کی نسبت راجہ بھیم سنگھ والئے جودہ پور سے قرار پاچکی تھی مگر ابھی ابتدائی

رسومات بھی ادا نہ ہونے پائی تھیں۔ کہ والئے جودھپور موت کا شکار ہو گیا؛

بھیم سنگھ کی وفات کے بعد سپہ سالار فوج نے اس کے بھائی[۵۱] مان سنگھ کو پیغام بھیجا
کہ تخت خالی ہے آپ تشریف لائیں اور قابض ہو جائیں۔ ہم جان و دل سے آپ کی اطاعت
کو حاضر ہیں۔ اول تو مان سنگھ کو یقین نہ آیا۔ اور ڈر گیا کہ شاید میری گرفتاری کے لئے یہ چال
چلی گئی ہے۔ لیکن جب گورو دیوناتھ نے جس پر اُسکو کامل بھروسہ تھا۔ اس بات کی تصدیق کی
اور اندراج وزیر کی تحریر بھی پہنچی۔ تو فوراً جودھپور میں آیا۔ اور تمام امرا و وزرا کے اتفاق
سے ۱۸۰۴ء میں تخت نشین ہو گیا؛

مان سنگھ کی طبیعت میں بڑا بھاری نقص یہ تھا کہ اُسکو اپنے ماتحتوں سے بہت کم آدمیوں
پر بھروسہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سوائی سنگھ وزیر راجہ بھیم سنگھ مرحوم تھوڑے ہی دنوں میں اس
سے رنجیدہ ہو کر برسر پرخاش ہو گیا سوائی سنگھ بڑا چالباز اور ہوشیار افسر تھا اور اس میں شک
نہیں کہ اگر مان سنگھ اُسکو ہاتھ میں رکھتا۔ تو یہ ایک عمدہ ترین اشخاص میں سے ہوتا لیکن معاملہ
بالکل پلٹا کھا گیا۔ اور مسند نشینی کے وقت سے لیکر مرتے دم تک اُس نے مان سنگھ کو آرام سے
بیٹھنے نہ دیا؛

اول سوائی سنگھ اپنے فریق کے لوگوں کو لیکر چمپاسنی کے مقام پر جو جودھپور سے قریب
پانچ میل کے فاصلہ پر ہے گیا۔ اور ایک پرائیویٹ جلسہ میں تمام سرداروں کو طلب کر کے بیان
کیا کہ راجہ بھیم سنگھ مرحوم کی رانی حاملہ ہے۔ اگر اس کے لڑکا پیدا ہو۔ تو اس کو مارواڑ کی گدی
بٹھایا جاوے۔ سب نے اِس بات کو منظور کیا۔ اور متفق ہو کر جودھپور میں آئے۔ اور رانی کو اپنی حفاظت
میں کر لیا۔ پھر ایک جلسہ ہُوا جس میں مان سنگھ بھی شریک تھا اُس نے سب کے سامنے عہد کیا
کہ اگر رانی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تو بطور وارث مارواڑ کے ناگور اور سیوانہ کا مالک تصور ہو گا؛

مدت حمل گذرنے پر لڑکا پیدا ہوا۔ مگر چونکہ ظاہری صورت میں اُس کی جان کا اندیشہ تھا
اِس لئے رانی نے اُس کی ولادت کو مخفی رکھا اور ٹوکرہ میں بند کر کے ایک معتمد خاص کے ذریعہ

۵۱ مان سنگھ بھیم سنگھ کا چچیرا بھائی تھا بھیم سنگھ نے تخت پر بیٹھ کر کل عویداران سلطنت کا خاتمہ کر کے مان سنگھ کی
گرفتاری میں بھی بڑی کوشش کی لیکن وہ اسکی رسائی سے باہر قلعہ جالور میں رہتا تھا اِس لئے کامیاب ہو سکا اگر لڑائیاں
اور ممکن تھا کہ کبھی بھیم سنگھ کا یہ ارادہ بھی پورا ہو جاتا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور موت نے سارے جھگڑے فیصل کر دیئے

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۸۳ ۵۱ ناظرین نام کی مطابقت سے مغالطہ میں نہ پڑیں۔ رانا صاحب اودے پور کا نام
تھا۔ اور والئے جودھپور کا نام بھی یہی تھا؛

شہر سے باہر نکلوا دیا۔ یہ لڑکا اِس طرح پوشیدہ طور پر سوائی سنگھ کے پاس جا پہنچا جس نے دھونکل سنگھ نام رکھ کر اُس کی پرورش شروع کر دی دو سال تک یہ معاملہ بالکل مخفی رہا۔ اور اِس میں شک نہیں کہ اگر مان سنگھ ایام گذشتہ کے حالات بھول جاتا۔ تو معاملہ ہمیشہ کے لئے مخفی رہتا لیکن افسوس ہے کہ اُس نے طریقہ عفو تقصیرات سے انحراف کر کے جن سرداروں نے جالور میں اِس کے ساتھ وفاداری کی تھی۔ صرف انہیں پر اعتبار کیا۔ اور دربار میں اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز فرمایا اور باقی سرداروں سے جو اپنے آقا یعنے بھیم سنگھ کے حکم سے اُس کے مخالف رہے تھے۔ بالکل متنفر رہا۔ اِس کے رفیقوں میں صرف چند سردار تو راٹھور تھے۔ اور باقی کل غیر قوم یعنی بھاٹی راجپوت یا وِشنو سوامی ماتحت مہنت کھیم داس تھے؛

دھونکل سنگھ کی پیدائش کے دو سال بعد تک بھی جب سوائی سنگھ کو مان سنگھ کا رُخ برگشتہ دکھائی نہ دیا۔ تو اُس نے اپنے فریق کے سرداروں کو پھر جمع کیا۔ اور راجہ سے ایفائے اقرار یعنے عطائے سند حکومت ناگور و سیوانہ کے واسطے کہا۔ اُس نے اقرار کیا کہ اگر واقعی یہ لڑکا میرے متقدم سے پیدا ہُوا ہے تو میں اپنا وعدہ پورا کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن سوائی سنگھ کو اس بات کا ثبوت بہم پہنچانے میں بالکل ناکامی رہی۔ رانی سے دریافت کیا۔ تو اُس کی جبلی محبت پر خوف ریاست غالب آیا۔ اور اُس نے کہدیا کہ دھونکل سنگھ میرا لڑکا ہی نہیں؛

سوائی سنگھ کو اِس معاملہ میں بڑی زک اٹھانی پڑی۔ لیکن وہ اِس قسم کا اِنسان نہ تھا کہ آئندہ کے لئے حوصلہ ہار دیتا۔ بلکہ اُس نے ایک ایسی پیچیدہ چال چلی جس سے جودھپور کے تباہ ہونے میں کچھ کسر باقی نہ رہ گئی۔ گو اِس کے اقدام میں خود بھی تباہی میں آیا۔ اور اپنے ملک کی آزادی کو بھی غیر لوگوں کے ہاتھ منتقل کر دیا۔ مگر اس کارروائی سے اُس کی ذہانت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ اول اِس نے دھونکل سنگھ کو چتر سنگھ بھاٹی کے ہمراہ راجہ ابھے سنگھ کے پاس بھجدیا۔ اور خود اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے جے پور کو روانہ ہُوا؛

اِن دنوں میں جے پور کا راجہ جگت سنگھ تھا۔ مؤرخ اِسکو بڑا عاشق مزاج لکھتے ہیں۔ سوائی سنگھ نے اسکو کرشن کماری کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اس نے اپنے خاص مشیر رائے چند کو چار ہزار فوج کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ مع درخواست ناطہ کرشن کماری اودے پور کو روانہ کر دیا؛

اب سوائی سنگھ پھر واپس جودھپور آیا۔ اور کہا کہ کرشن کماری کی نسبت بلحاظ مارواڑ سے جو لی

تھی۔ اب اگر اُس کو راجہ جے پور بیاہ کر لے گیا۔ تو جودھپور کی سخت ہتک ہو گی۔ جس صورت میں آپ جائز طور پر بھیم سنگھ کے تخت و تاج کے مالک ہیں۔ اسی طرح کرشن کماری کے ناطہ کے بھی حقدار ہیں۔ اس کے دوسری جگہ بیاہے جانے سے آپ کو بھی اسی قدر بدنامی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ جتنا کہ بھیم سنگھ کو کرنا پڑتا"۔

سوائی سنگھ کی یہ باتیں مان سنگھ کے دل پر بے طرح اثر کر گئیں۔ وہ یہ تو نہ سمجھا کہ اس کی تہ میں اس کا مطلب کیا ہے۔ مگر طیش میں آکر اُسیوقت میرا سنگھ کو حکم دیدیا۔ کہ تین ہزار سوار کی جمعیت لے کر رسمیات نسبت کو روکنے کے لئے فوراً میواڑ کو روانہ ہو جاؤ۔ چھتری کی بات سر کے ساتھ ہے۔ مان سنگھ کی موجودگی میں کوئی دوسرا راجہ کبھی کرشن کماری سے شادی نہیں کر سکتا۔

سوائی سنگھ چاہتا تھا۔ کہ جس طرح ہو مان سنگھ کو گدی سے اُتار کر دھونکل سنگھ کو اُس کی جگہ تخت پر بٹھایا جاوے۔ اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے اس نے جو پیچیدہ چال چلی اُس کو ناظرین سمجھ گئے ہوں گے۔ اول اُس نے راجہ جگت سنگھ کو کرشن کماری کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دی۔ مگر جب وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا۔ اور اپنی درخواست رانا صاحب کے پاس بھیج چکا۔ تو جودھپور میں آکر مان سنگھ کو اُکسایا۔ اور اُسے بھی کرشن کماری کا خواستگار بنایا۔ اس طرح راجگان جے پور اور جودھپور کے درمیان وہ جھگڑا برپا ہو گیا۔ جسکو فیصل کرنے کے لئے سینکڑوں من خون کی ضرورت تھی۔ تلواریں تن گئیں۔ اور دونو راجے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ رقابت کا دریا لہرایا۔ اور جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

جب سب طرح سے فساد کی تیاری ہو گئی۔ تو سوائی سنگھ علانیہ مان سنگھ سے منحرف ہو گیا۔ اول دھونکل سنگھ کو ہمراہ لے کر جے پور گیا۔ اور جگت سنگھ کے ساتھ کھانا کھلا کر اُس کی اصلیت قایم کردی۔ پھر رانی انند کور بیوہ راجہ بھیم سنگھ والئے مارواڑ کی گود میں بٹھا کر بطور پسر متبنّے اس کے دعوے سند کو استحکام دیا۔ ان دنوں میں راجہ جے پور کا مصاحب خاص رائے چند تھا۔ اُس نے بھی اس خیال سے کہ اُس کے آقا کا دعوے ازدواج کرشن کماری پورا ہو سوائی سنگھ کی تائید کی۔ اور دھونکل سنگھ کی دستگیری کا بیڑا اُٹھایا۔ اسکے بعد فراہمی فوج کی تجویزیں شروع ہوئیں۔ راؤ نرسنگھ داس وغیرہ سرداران کھنڈیلہ کو جو جے پور میں قید تھے رہا کیا گیا۔ اور دس ہزار شیخاوٹ صرف مروزانہ خوراک پر

سلہ یہ مجمع راج جے پور سی نکل کر انقضا مدت اور اتفاقات زمانہ سے ریاست مذکورہ کے برابر زبردست و صاحب حشمت ہو گیا تھا۔

مرنے مارنے کے ارادہ پر جمع ہوئے۔ بیکانیر کا راجہ جو علاقہ مارواڑ میں ایک علیحدہ اور خود مختار ریاست کا مالک ہے۔ اُن کا شریک ہوا مزید برین مرہٹے بھی جو بطمع تنخواہ و لوٹ مار ہمیشہ ایسے ہی موقعہ کے منتظر رہا کرتے تھے جوق درجوق آنے لگے۔ اور نواب امیر خاں[1] جو اس وقت پنڈاروں کی ایک زبردست جماعت کا سردار تھا راجہ جے پور کے پاس نوکر ہو گیا۔ حتے کہ مارواڑ کے اکثر سردار جو دہونکل سنگھ کے حق کو مان سنگھ کے حق سے بہتر سمجھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اِس طرح بڑا بھاری لشکر جس کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی تیار ہو گیا۔

مان سنگھ نے بھی اِس جنگ کے لئے خوب تیاریاں کیں لیکن افسوس ہے کہ سوائی سنگھ کے علاوہ اور بھی بہت سے نمک خوار اس موقعہ پر اسکو دغا دیکر اس کا ساتھ چھوڑ گئے یہاں

[1] امیر خاں کا دادا طالع خاں علاقہ بونیر سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان میں آیا اور علی محمد خاں رہیلہ کی فوج میں نوکر ہوا۔ اس کے بیٹے حیدر خاں نے علاقہ سنبھل علاقہ مراد آباد میں جاگیر حاصل کی ۱۷۶۶ء میں اس کے گھر امیر خاں پیدا ہوا جو تواریخ راجپوتانہ میں ایک مشہور شخص گذرا ہے بیس سال کی عمر میں مع اپنے چھوٹے بھائی اور دس آدمیوں کے مالوہ کو گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا ۱۷۹۱ء میں جب جھتہ خاں فوت ہو گیا تو مختلف فریقوں نے فوجیں بھرتی کرنی شروع کیں اسوقت امیر خاں مع چھ سواروں اور ساٹھ پیادوں کے نواب حیات محمد کے پاس نوکر ہو گیا۔ ایک سال کے بعد سالو گڈہ کے مخرج رئیسوں کے پاس جنکو راجہ سندھیا نے نکالدیا تھا چلا گیا یہ گروہ آوارہ گردی اور غارت گری سے اپنا گذارہ کرتا تھا انکی نوکری میں امیر خاں نے بہت شہرت حاصل کی مگر ایک رئیس سے نا اتفاقی پیدا ہونے پر استعفے دیدیا۔ اس کے بعد بالا رام انگلیہ مرہٹہ کے پاس جو حسب ایما سردار محمد وزیر بھوپال انتظام ملک کرتا تھا نوکر ہو گیا اور فتحگڈہ کا قلعہ اور نواب غوث محمد کی ذات خاص کی حفاظت سپرد ہوئی۔ مگر سردار محمد کے انتقال کے بعد حذیر خاں وزیر جدید نے اسکو موقوف کر دیا کیونکہ اسکو ثابت ہو چکا تھا کہ یہ پُر شر اور فتنہ انگیز ہے ۱۷۹۹ء میں راجہ جسونت سنگھ رائے ہلکر کے پاس جس کا ستارہ اِس وقت کامل عروج پر تھا نوکر ہوا یہاں اس کا اقتدار بہت کچھ بڑھ گیا اور فوج کا افسر اول سمجھا جانے لگا، ایس باختیاری کے ساتھ ذلت بھی بہت تھی بے زری اور تہیدستی کے سبب سے بضرورت ادائے تنخواہ فوج اکثر غارت گری اور کشت و خون کا مرتکب ہونا پڑتا تھا اور بعض اوقات جب لوٹ مار سے بھی روپیہ ہاتھ نہ آتا تو فوج کے ہاتھ سے سخت اذیت اٹھانی پڑتی۔ فوج کے لوگ اسکو توپ سے باندھدیتے اور اسی حالت میں دہوپ میں ڈال چھوڑتے غرضیکہ یہ فوج اگرچہ ضرورت کیوقت اپنے آقا کے زیر حکم بہت کچھ بہادری اور جانفشانی ظاہر کرتی تھی مگر اصل میں بجائے سپاہ کے غارت گروں کی جماعت تھی اور اسکی تعداد رفتہ رفتہ تیس ہزار ہو گئی تھی ۱۸۰۶ء میں امیر خاں نے اپنے سالے غفور خاں کو تو اندور میں متعین کیا۔ اور خود راجہ جگت سنگھ والئے جے پور کے پاس نوکر ہو گیا۔

تک کہ میرٹہ بھی جو ہمیشہ سے وفاداری میں مشہور ہیں۔ چمپاوت اور دہیاوتوں کے دہونکل سنگھ سے جا ملے صرف چار سردار کچاون - اہلور - جالور اور نیماج کے اِس کے ساتھ رہے۔ مان سنگھ کو ہلکر سے جو اِس کا بڑا مرہون احسان تھا مدد کی اُمید تھی - مگر سوائی سنگھ نے اُسکو بھی آٹھ لاکھ روپیہ دیناکر کے گمراہ کردیا - تاہم مان سنگھ نے اُس کی کچھ پرواہ نہ کی اور مقابلہ کو نکلا ؛

اے منحوس نا اتفاقی! تیرا رو سیاہ!! تونے آریہ ورت کے ساتھ کیا کچھ بدسلوکیاں نہ کیں!!! افسوس تیری ہی مہربانی سے اہل ہند کو وہ دن دیکھنے نصیب ہوئے - کہ ایشور کسی کو نہ دکھلائے! بادشاہ تھے - اُن کو غلاموں کے درجہ تک پہنچایا - صاحب دولت تھے - انکو کوڑی کوڑی کا محتاج کردیا - صاحب ہنر تھے - انکو نیم وحشی کا خطاب عطا کیا! اف تیری ناقابل برداشت ستمگریاں یاد پڑتی ہیں - تو بے تحاشا آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں!!!

آہ! آج گنگولی کے میدان میں راجگان جے پور و جودہپور کی متعدد فوجیں اس لئے جمع ہوئی ہیں کہ تلوار کے ذریعہ کرشن کماری کے دعوے کا فیصلہ کریں - کوئی نہیں سوچتا کہ ایک معمولی بات کے لیئے ہزاروں نوجوان میدان کارزار کی نذر ہوجائیں گے - کیا ان میں کوئی ایسا نہیں جو مہابھارت کے جنگ عظیم سے واقف ہو اگر ہے تو انکو سمجھادے کہ کورو اور پانڈو کے جنگ وجدل سے آریہ ورت کو جس قدر نقصان پہنچا ہے - وہی صدیوں تک پورا نہ ہوگا - آؤ! باز آؤ!! اور اس جان کندنی کی حالت میں آرین نیشن کی نصدنہ لو!!!؛

افسوس دنیا سے محبت بالکل اُٹھ گئی! قیامت کے آثار نمودار ہوگئے - بھائی بھائی کے خون کا پیاسہ ہے رشرم کا مقام ہے - ناواجب ہٹ دہرمی کی آڑ میں ملک کی تباہی کے سامان ہوں! حیف!! صد حیف!!!؛

سیاہ رات جس نے جانہار راجپوتوں کے ماتم میں جو ابھی ابھی میدان کارزار کی خون آلود زمین پر تڑپتے اور جانیں توڑتے دکھائی دیں گے - چار پہر پہلے سے ہی گہرا سیاہ ماتمی لباس پہن لیا تھا دور ہوچکی ہے اور اراولی پربت کی اونچی اونچی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر بڑی حسرت کے ساتھ ان نوجوانوں کے چہروں پر ایک آخری نظر ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں جو کہ کچھ دیر بعد ہمیشہ کے لئے دنیا کی نظروں سے پنہاں ہوجائیں گی - آفتاب طلوع ہوا چاہتا ہے آسمان نے اپنا خونی سُرخ پھریرا جسے عوام شفق کہتے ہیں کھولدیا گویا جنگ کے خواہشمند نوجوانوں کو جو رات بھر بڑی بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہے تھے - دلی جوش ظاہر کرنے کی اجازت دے رہا ہے جنگی باجے

بجے طرفین کے سُرخ پھریرے ہوا میں لہرائے اور دونوں لشکر تیار ہو کر ایک دوسرے کے مقابل آ ڈٹے ؛

اب انتظار کی تاب کہاں ؟ لڑائی شروع ہو گئی۔ اور طرفین کے جانثار حق نمک ادا کرنے لگے موت کا بازار گرم ہو گیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں سینکڑوں نوجوان جو ابھی لڑائی کے انتظار میں بیتاب نظر آتے تھے زمین پر تڑپتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ برہنہ تلواریں جو ایک شفاف دریا کی طرح چمک چمک کر آنکھوں کو چُندھیا رہی تھیں۔ خون میں نہا گئیں۔ کڑکڑاتی ہوئی کمانوں سے نکلتے ہوئے تیر جسموں کے پار ہونے لگے۔ اور سواروں کے نیزے بیدلوں کی ہڈی پسلی ایک کرنے لگے ؛

دفعۃً افسران مارواڑ فراہم ہو کر مان سنگھ کے پاس آئے۔ اور فوجی قاعدے سے سلام کیا۔ راجہ نے سمجھا کہ جنگ پر جانے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کا یہ سلام رخصتی سلام تھا۔ اُسی دم واپس ہوئے اور یہ جا وہ جا دشمن کی سپاہ میں شامل ہو گئے ؛

عین لڑائی کے وقت افسروں کی اس بغاوت نے جودھپور کی فوج کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور مان سنگھ کے اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن بہت جلد اپنے آپ کو سمبھالا۔ گھوڑا طلب کیا۔ اور فوج کے ہمراہ سپاہیوں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دینے لگا۔ راجہ کی اس جرأت سے سپاہ کی کھوئی ہوئی ہمتیں دوبارہ عود کر آئیں سب کے دلوں میں ایک فوری جوش پیدا ہو گیا۔ اور تلواریں سونت غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ اِسقدر گھمسان کا رن پڑا کہ کسی کو تن بدن کی ہوش نہ رہی خون کے دریا بہ نکلے۔ اور لاشوں نے حملہ آوروں کے راستے روک دیئے۔ دوپہر تک یہی حال رہا۔ جودھپور کی فوج نے بہت کچھ داد مردانگی دی۔ غنیم کی سپاہ کا بڑا نقصان کیا لیکن اس تھوڑی سی جمعیت کی اس عظیم الشان لشکر کے مقابلہ میں بساط ہی کیا تھی۔ سپاہیوں کی تعداد گھٹتے گھٹتے بہت تھوڑی رہ گئی۔ مان سنگھ کی دور اندیش نگاہیں فوراً اس نتیجہ تک پہنچ گئیں۔ جو تھوڑی دیر تک ظاہر ہونے والا تھا اسے یقین ہو گیا کہ گو میری سپاہ بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہی ہے مگر کامیابی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی وہ سوچتا تھا کہ اب کیا بندوبست کرے۔ کہ غنیم کی طرف سے دوسرا حملہ ہوا۔ اور مارواڑی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگے ؛

غیرتمند راجہ اِس نظارے کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا۔ موت آنکھوں کے سامنے پھر گئی

چاہتا تھا کہ گھوڑے کو ایڑی لگا کر غنیم کے دل میں گھس جائے اور جان پر کھیل کر اپنے بزرگوں کے نام کو برقرار رکھے کہ شوناتھ سنگھ کچاون والے نے گھوڑے سے کود جھٹ باگ پکڑ لی۔
مان سنگھ سرد آہ بھر کر کہنے لگا۔ شوناتھ سنگھ تم مجھے کیوں روکتے ہو؟ چھوڑ دو۔ اب فتح کی اُمید باقی نہیں رہی دشمن دم بدم غلبہ پاتا جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ شکست کا داغ اپنی پیشانی پر لوں! شوناتھ سنگھ نے ہاتھ باندھکر عرض کیا مگر اب اِس طرح جان دینے سے بھی تو کچھ فائدہ نظر نہیں آتا۔ سر قایم جنگ دایم۔ جودھپور چلکر فوج کی فراہمی کا بندوبست کیجئے جب تک گدی پر بیٹھکر مقابلہ کیا جائے شکست نہیں کہلاتی۔ مناسب یہی ہے کہ اپنے دلی جوش کو کسی دوسرے موقعہ کا انتظار کرنے دیں۔" مان سنگھ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور کہنے لگا میں راٹھوروں کے نام کو بدنام کرنا نہیں چاہتا اور چاہتا ہوں کہ آج اِس راٹھور کی طرح جس نے اپنی جان پر کھیل کر غیرت خان کو شرمندہ کیا تھا میں بھی

۵۱ ایک روز دربار اکبری لگا ہوا تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے ہندو راجہ اور مسلمان افسر سب اپنی اپنی جگھوں پر بیٹھے تھے۔ کسی خاص مہم کی نسبت جو اس وقت تک کسی کے ہاتھ سے سر نہ ہوئی تھی گفتگو ہو رہی تھی۔ بادشاہ نے کچھ سوچتے سوچتے سر اٹھایا اور کہنے لگا یہ مہم سوائے راٹھور کے کسی دوسرے سے فتح ہوتے معلوم نہیں ہوتی۔ بادشاہ کے اِس کلام سے تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ سب نے ایک قسم کی دل گرفتگی کیسا تھ گردنیں جھکالیں۔ مگر غیرت خاں جو آج کل بہت ہی بادشاہ کے منہ چڑھا ہوا تھا۔ اپنے مقام پر کھڑا ہوا اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا:
حضور آپ کے نمکخوار خادموں میں ایک سے ایک بڑھکر سورما بہادر موجود ہے جسے جو حکم ہو فوراً بجا لائے۔ راٹھوروں کے کوئی سرخاب کا پر نہیں لگا ہوا ہے۔" غیرت خاں کی اِس بات نے گو دوسرے آدمیوں پر کچھ ہی اثر کیا ہو مگر اِدھر تو بادشاہ چیں بجبیں ہو کر خاموش ہو رہا۔ اُدھر راٹھوروں کے ایک راجہ کے دلیر جو اسوقت دربار میں موجود تھا۔ سانپ سا لوٹ کر رہ گیا۔ دربار برخاست ہوا۔ یہ بھی اُٹھ کر اپنے گھر چلا آیا۔ مگر غیرت خاں کی زبانی تلوار کا زخم اِس کے غیور دلپر ایسا نہ لگا تھا کہ اتنی جلدی مندمل ہو جاتا۔ رسوئی کے وقت جب ساتھ بیٹھکر ایک تھالی میں کھانا کھانیوالے اِس کے بھائی بند راٹھور بھی جمع ہو چکے تو اُس نے ٹھنڈی سانس لیکر بڑے دردناک الفاظ میں تمام واقعہ کو دوہرایا۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے گئے ایک راٹھور نے اُٹھ کر کھانڈا سمبھالا نہ اس سے کسی نے پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے نہ اُس نے اپنے دلی ارادہ کے اظہار میں زبان ہلائی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں رخصتی باتیں ہوئیں اور یہ نکل کر سیدھا غیرت خاں کے مکان کی طرف چلا ڈیوڑھی پر پہنچتے ہی آدمی سے کہا کہ خانصاحب سے عرض کرو کہ ایک راٹھور آپ کی ملاقات کو حاضر ہوا ہے غیرتخاں نے بڑی بے پرواہی سے کہا کہ آنے دو۔ راٹھور بہادر سامنے آیا۔ خانصاحب کو اپنے ارادہ سے اطلاع دی اور کھانڈا کھینچ لیا۔ غیرتخاں نے فوراً کمان اُٹھائی اور تیر جوڑ کر اس پر چھوڑا

باقی بر صفحہ ۱۹۱ باید دید

دیگر راٹھوروں کے نام پر دہبہ نہ آنے دوں۔ شوناتھ سنگھ نے پھر عرض کیا اب زیادہ اصرار کی گنجائش نہیں رہی۔ وقت نازک ہے۔ میں اپنی سپاہ کے ساتھ دشمن کو روکتا ہوں۔ آپ میدانِ جنگ سے نکل جائیں ؛

مان سنگھ نے ایک سرد آہ بھری اور میدانِ جنگ سے گھوڑے کی باگ پھیر کر میرٹھ کے رستہ پر ڈال دیا۔ اور نیبارہ کے راؤ نے تعاقب کیا۔ لیکن بوندی کی پلٹنوں اور جودہپور کی فوج محکوم نہدل خاں نے بڑی بہادری کے ساتھ اس کا رستہ روک لیا ؛

راجہ مان سنگھ بادلِ ناخواستہ میدان جنگ سے نکلا تو اس وقت اُس کے ہمراہ تھوڑے سے آدمی اور صرف چار سردار تھے۔ باقی لشکر غارت ہو چکا تھا۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ جالور جا ٹھہرے۔ اور نئے سرے سے جنگ کا سامان کرے۔ لیکن بر سل پہنچکر سرداروں نے رائے دی کہ دارالحکومت کو چھوڑنا مناسب نہیں اگر ہم جودہپور میں ہی نہ ٹھہر سکے تو دوسری جگہ ٹھہرنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جب تک گدی پر بیٹھ کر مقابلہ کیا جاوے۔ شکست نہیں کہلا سکتی راجہ نے ان کی نصیحت پر عمل کیا اور جودہپور کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچے تو نہدل خاں کی فوج کے تین ہزار آدمی اور فوج بشن سوامی محکوم کہیم داس اور ایک ہزار پردیسی راجپوت بھاٹی اور [illegible] بندو نسل سے پانچہزار کی جمعیت فراہم کی سامان قلعہ درست کیا اور ہر طرح سے مقابلہ کی تیاریاں کر کے حملہ آوروں کا انتظار کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ مان سنگھ کی طبیعت نے اب بھی پلٹا نہ کھایا۔ اور اتنا نقصان اُٹھا کر بھی اس کو اپنی قوم سے بدستور بے اعتباری ہی یہاں تک کہ جن چار سرداروں نے عین مصیبت کے وقت اس کا ساتھ دیا تھا اُن کو بھی قلعہ کے اندر نہ آنے دیا۔ اور کہا کہ اگر شہر کی حفاظت کرنی منظور ہو تو رہیں ورنہ چلے جائیں۔ ناچار ان سرداروں نے بھی وہی کیا۔ جو کہ ان کے ساتھیوں نے کیا تھا۔ اور دشمن سے جا ملے ؛

ادہر جب فوج متفق میرٹھ میں پہنچی تو راجہ جگت سنگھ نے سوائی سنگھ سے کہا کہ اب

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۹۰ ۔ ... [illegible] طرف بڑھا جب ... کر سینہ کے پار ہو گیا لیکن جانہار راٹھور جن قدموں سے آ رہا تھا اسیطرح کہانڈا کھینچے ہوئے غیر تنخاں کی طرف بڑھا جب بالکل نزدیک پہنچگیا تو غیر تنخاں نے برچھی اُٹھائی اور اس کے سینہ پر رکھکر نامدی راٹھور نے اپنے تنے ہوئے جسم کو اور بھی تان کر اس طرح دہکا دیا کہ برچھی تو سینہ کے پار ہو گئی مگر یہ غیر تنخاں کے قریب پہنچگیا اور کھانڈے والے ہاتھ کو جنبش دی غیر تنخاں گھبرا گیا اور پہلو سے تکیہ اُٹھا کر مدافعت کرنے کے ارادہ سے سامنے کر دیا یہ دیکھکر راٹھور نے کھانڈا پھینکدیا اور کہا خانصاحب! ایک راٹھور کے مردہ کے ہاتھ کا ایک زخم بھی نہ اٹھا سکے! دیکھئے! یہی سرخاب کا پر ہے جس کا فخر راٹھوروں ہی کے حصہ میں آیا ہے! اتنا کہکر وہیں گر پڑا اور جان دیدی رشادی و غم م

تمہاری فتح ہو چکی ہے تم اپنا کام کرو میں اودے پور جاتا ہوں سوائی سنگھ نے بھی خیال کیا کہ مان سنگھ تو جالور کو جائیگا۔ اور میں دہونکل سنگھ کو لے کر سیدہا جودہپور پر قابض ہو جاؤں گا۔ اِس لئے ان کو رخصت کر دیا۔ اور خود تین دن تک میرٹھ میں رہا۔ مگر جودہپور پہنچکر معلوم ہُوا کہ مان سنگھ پہلے ہی یہاں پہنچ گیا ہے ؛

پانچ مہینہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ مگر قلعہ والوں کی جمعیت میں کچھ فرق نہ آیا۔ شمال مشرق کی فصیل شکست ہو گئی مگر اُس سے حملہ آوروں کا مطلب حاصل نہ ہُوا۔ اس طرف ۸۰ فیٹ بلند پہاڑ کھڑا ہے۔ جسپر چڑہنے کے بغیر قلعہ کے اندر داخل ہونا ناممکن تھا۔ البتہ شہر لٹ گیا۔ تمام مارواڑ میں دہونکل سنگھ کی دہائی مچ گئی۔ اور اس کے راجہ ہونے میں صرف قلعہ پر فتح پانا باقی رہ گیا ؛

لڑائی طول کھینچ گئی۔ اور دہونکل سنگھ کے مددگار روپیہ کی قلت سے نالاں ہوئے روپیہ کی قلت سے سوار جنوبی اضلاع میں چلے گئے۔ اور امیر خاں نے سب سے علیحدگی غنیمت سمجھ ریاست کے ملک پالی پنپیار اور بھلاورہ وغیرہ قصبوں سے مصاورہ وصول کیا۔ مگر جو سردار دہونکل سنگھ کے شریک تھے۔ اِن کے علاقوں میں بھی یہی حال ہُوا ؛

جب سوائی سنگھ کے ساتھ اس کے ہمراہیوں کا خزانہ بھی صرف ہو گیا تو مصارف فوج سے تنگ آکر اس نے ان چاروں سرداروں سے جو مان سنگھ سے علیحدہ ہو کر اس کے ساتھ شامل ہُوئے تھے۔ روپیہ طلب کیا جس پر وہ علیحدہ ہو کر سیدہا امیر خاں کے پاس چلے گئے اور بہت تھوڑی کوشش سے اسکو دہونکل سنگھ کی طرفداری سے ہٹا کر مان سنگھ کا طرفدار بنالیا۔ اور یہ صلاح قرار پائی کہ سوائی سنگھ کا جتھا توڑنے کے لیئے دشمن کے ملک پر حملہ کریں اور شہر جے پور کو جو بلا حفاظت رہ گیا ہے۔ لوٹ لیں ؛

اب امیر خاں نے جواب تک جے پور کی دوستی کا دم بھرتا رہا تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں اِس کا نمک خوار تھا۔ بطمع لوٹ مار سابقہ قول و قرار پر بالکل پانی پھیر دیا۔ اور اپنی فوج لے کر جے پور کو جا گھیرا ؛

اِس پُر خطر وقت میں سرداران جے پور نے سپہ سالار بخشی شیو لال کو مقابلہ کا حکم دیا۔ اس نے امیر خاں کی خوب خبر لی اور مار مار کر لونی ندی کے پار کر دیا۔ اور مقام گوبند گڈہ پر شبخون مار کر بھاگی۔ واقعہ سرحد جے پور تک اس کا تعاقب کیا۔ مگر وہ اِس کامیابی پر ایسا نازاں ہُوا

فوج کو تو وہیں چھوڑا۔ اور خود جودھپور چلا آیا۔ امیر خاں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور محمد خاں
اور راجہ مان سنگھ کی فوج کو ہمراہ لے کر مع رسالہ حیدر آبادی جو کہ غارتگری میں مشہور تھا۔
بے خبر جے پور پر حملہ آور ہوا۔ جے پور والوں نے باوجود قلت فوج اور غیر حاضری مہاراجہ کے
بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ہیرا سنگھ کی پلٹنیں عنقریب تباہ ہو گئیں۔ مگر آخر کار شکست
ہوئی۔ شہر لٹ گیا۔ اور توپیں اور جملہ سامان دشمن کے ہاتھ آیا؛

تھوڑے دنوں تک تو دیوان رائے چند نے بسازش سوائی سنگھ اپنے آقا کو جے پور کی
تباہی کی خبر نہ پہنچنے دی۔ پیغام پر پیغام جاتے تھے۔ مگر آخر کار بذریعہ چٹھی ماجی جگت سنگھ کو سب
حال معلوم ہوا۔ سخت پیچ وتاب کھایا۔ اور اپنے سرداروں کو مع مال مغرونہ جس میں چالیس توپیں
بھی تھیں جے پور کو روانہ کیا۔ اور مرہٹوں کو بخیریت تمام یہ اسباب دارالریاست تک پہنچا دینے کے
عوض بارہ لاکھ روپیہ دینا منظور کیا۔ مگر آفرین ہے اس کے حوصلے کو کہ امیر خاں نے تو اس کے
ساتھ یہ سلوک کیا اور اس نے نو لاکھ روپیہ جو سابقہ امداد کے بدلے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اسکو
بھی کوڑی کوڑی گن دیا۔ مگر اپنی عہد شکنی نہ کی؛

اب ایک اور گل کھلا۔ یعنے انہیں چاروں سرداروں نے جنھوں نے امیر خاں کو جگت سنگھ
سے علیحدہ کیا تھا میرٹھ سے ۲۰ میل بجانب مشرق اپنی برادری کو جمع کیا اور کہا کہ یہی وقت ہے
جب ہم دشمن کے خون سے اپنی چند روزہ خلاف ورزی کا داغ دھو سکتے ہیں۔ ہمت کرو اور
مال مغرونہ کو چھین کر اپنی وفاداری کا ثبوت دو۔ راٹھور جمع ہوئے اور اندراج سنگی ان کا افسر
قرار پایا۔ سرحد پر لڑائی ہوئی۔ اور بہت سی خونریزی کے بعد وہ اسباب مع توپوں کے جو کہ
ریاست جودھپور سے لٹ کر بحفاظت مرہٹوں کے جے پور کو جا رہا تھا چھین لیا۔ اس کے
بعد راجہ کشن گڈھ نے کہ وہ بھی راٹھور ہے۔ اور اس لڑائی میں سب سے علیحدہ تھا امیر خاں
کو حمایت جاری رکھنے کے لئے دو لاکھ روپیہ دیا؛

اب چاروں سردار جودھپور میں گئے۔ مان سنگھ بڑی تواضع سے پیش آیا سرداروں
کے قصور معاف ہوئے اور اندراج فوج کا بخشی مقرر ہوا۔ امیر خاں کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔
رہنے کے واسطے قلعہ میں ہی ایک علیحدہ محل خالی کروا دیا۔ اور بعد رفع ہونے اس فساد کے
بہت بڑا انعام دینے کا اقرار کیا۔ امیر خاں نے بھی سوائی سنگھ کے فریق کی بیخ کنی کرنیکا وعدہ
کیا بطور طمانیت راجہ سے پگڑی بدل لی اور واسطے مصارف ضروری کے تین لاکھ روپیہ لیا؛

اب امیر خاں نے ایک اور چال چلی۔ اپنی سپاہ کو جودھپور سے لے کر مونڈیاوار میں قیا
اور سوائی سنگھ کو جو محاصرہ اُٹھا کر ناگپور میں مقیم تھا۔ پیغام بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو پیر
تارکین کی زیارت کو جاؤں۔ سوائی سنگھ نے اجازت دیدی امیر خاں تھوڑے سے سوار
سے وہاں گیا۔ اور بعد زیارت درگاہ کے سوائی سنگھ سے ملاقات کی۔ جب رخصت ہونے لگ
تو راجہ مان سنگھ کی بہت سی شکایت کی اور کہا کہ وہ بہت ناشکر گذار ہے۔ میں نے غلطی سے
اس کا ساتھ دیا۔ بہتر ہوتا۔ اگر میری فوج اس سے علیحدہ ہو جاتی۔ سوائی سنگھ بذات خود چا
اور ہوشیار تھا۔ مگر امیر خاں کے فریب میں آگیا۔ اور کہا کہ اگر آپ اب بھی ہماری مدد کریں
دھونکل سنگھ کے جودھپور کی گدی پر بیٹھنے کے بعد بیس لاکھ روپیہ آپ کی نذر کیا جاوے گا
امیر خاں نے منظور کیا۔ اور قرآن شریف کی قسم کھا کر اپنے عہد و پیمان کی پختگی کا یقین دلایا۔ پگ
بدلی گئی۔ اور رخصت ہو کر اپنے لشکر میں چلا گیا۔ دوسرے دن سوائی سنگھ بھی بتقریب دعو
بلا کسی خوف و خطر مع اپنے رفیقوں اور پانچسو ہمراہیوں کے اس کے لشکر میں چلا آیا۔ بڑی
تعظیم و تکریم سے مہمانوں کا استقبال ہوا۔ اور پر تکلف دعوت دی گئی۔ وسط لشکر میں ایک
وسیع خیمہ ایستادہ تھا۔ اس میں ناچ رنگ شروع ہوا اور ظاہرہ تمام سامان جشن کے نظر آتے
تھے۔ لیکن امیر خاں کا ارادہ کچھ اور ہی تھا۔ چاروں طرف گراپ بھری توپیں لگی تھیں
اور وقت کا انتظار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد امیر خاں کچھ بہانہ کر کے خیمہ سے باہر نکل گیا۔ ناچ جاری تھا جس وقت
قوالوں نے لفظ "دغا" زبان سے نکالا صاف دل راجپوتوں پر دفعتہً خیمہ گرا۔ اور سوائی سنگھ
مع ۲۴ سرداروں کے ہلاک ہوا اور سیطرح اسکے ہمراہی سوار بھی دفعتاً حملہ کر کے قتل کر دیئے گئے

"چاہ کندہ را چاہ در پیش"

سوائی سنگھ جو مان سنگھ کی تباہی کا خواہاں تھا۔ خود بخود تباہ ہو گیا۔ اور اس کا سر معہ دیگر
مشہور سرداروں کے مان سنگھ کے پاس بھیجا گیا۔

اس کے بعد امیر خاں نے قلعہ ناگور پر حملہ کیا اور کل سامان نہ صرف سوائی سنگھ کا جمع
کیا ہوا بلکہ بخت سنگھ کے وقت کا بھی مع تین سو توپوں کے لوٹ کر سانبھر و دیگر قلعہ جات
جو اس کے قبضہ میں تھے روانہ کیا خود جودھپور گیا۔ اور دس لاکھ روپیہ نقد دو گاؤں تین ہز
سالانہ جمع کے اور سو روپیہ یومیہ خرچ دسترخوان بطور عوضانہ اس مشہور بے ایمانی کے وصول کیا۔

اِس کے بعد ان تمام لوگوں پر جو سوائی سنگھ کے مددگار رہے تھے مصیبت نازل ہوئی امیر خاں نے چین چین کران کو قتل کیا جے پور کے ملک کو ویران کر دیا۔ اور بیکانیر پر فوج کشی کر کے دو لاکھ روپیہ نقد اور قصبہ پھلودی لے کر صلح کی ؎

اب امیر خاں مارواڑ میں حاکم ہو گیا۔ اُس نے غفور خاں کو ناگور میں متعین کیا۔ میرٹھ کی زمین اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دی اور نوحہ کے قلعہ پر خود قبضہ کر لیا۔ جس سے نوحہ اور سانبھر کے نمکین تالاب سب کے سب اِس کے قبضہ میں آگئے ؎

یہ حال تھا جو دو سال تک برابر راجپوتانہ میں ہوتا رہا۔ والیان جے پور و جودھپور نے جس قدر نقصان اُٹھایا۔ اِس کا مختصر حال اوپر لکھا گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ فریقین میں سے اب تک کرشن کماری کے دعوٰی سے کوئی بھی دست بردار نہیں ہُوا۔ دونوں طرف کی فوجیں علاقہ میواڑ میں جا گھسیں اور لوٹ مار سے ملک تباہ و ویران کر دیا ؎

رانا سخت پیچ و تاب میں تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے کہ امیر خاں کا ایک خط موصول ہُوا۔ خط کی لمبی چوڑی تمہید اور ابتدائی مضمون کچھ ایسا غیر ضروری ہے، کہ اِس کے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں البتہ اِس کا آخری فقرہ جسکو کُل خط کا لب لباب کہنا چاہیئے۔ حرف بحرف نقل کیا جاتا ہے "اگر کرشن کماری کی شادی راجہ مان سنگھ والئے جودھپور سے کرنی منظور نہ ہو، تو اِس صورت میں بہتر ہوگا کہ کرشن کماری کو ہلاک کر دیا جائے ورنہ اچھا نہ ہوگا ؎"

خط پڑھا گیا۔ اور اِس کے ختم ہونے پر سناٹا سا چھا گیا۔ حاضرین دربار پر ایک قسم کی خاموشی طاری ہو گئی۔ اور سر زانوؤں پر جُھک گئے گویا اِس خط کے مضمون پر سب کے سب کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ کچھ دیر اسی طرح گذری۔ لیکن نہ تو کسی نے سر اُٹھایا۔ نہ ہی کسی نے زبان سے کچھ بات نکالی آخرکار رانا صاحب نے ہی اس قفل خاموشی کو توڑا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "اچھا تو اب تمہاری کیا رائے ہے سپہ سالار نے چونک کر اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کیا۔ مہاراج! اب ہم لوگوں کو زیادہ شرمندہ نہ کریں۔ اِسوقت جو کچھ ہمیں کرنا ہے ہم اُس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ صرف دیر ہے تو مہاراج کے حکم کی امیر خاں کو ایسا سخت خط لکھنے کا حوصلہ! کرشن کماری کو ہلاک کر دو!! ورنہ اچھا نہ ہوگا!!! تخت اودے پور کے نمکخوار ایسے ناشائستہ الفاظ سنیں اور خاموش بیٹھے رہجائیں حیف ہے ہماری زندگی پر!! امیر خاں نے سمجھا ہی کیا ہے مانا کہ ہماری جنگی طاقت بالکل کمزور حالت میں ہے تاہم کچھ پرواہ نہیں

شیر کبھی تنہائی سے ہراساں نہیں ہوتا۔ بہتیرا ضبط کیا۔ حریفوں کی زبردستیاں سہتے سہتے دل میں ناسور پڑ گئے لیکن اب تلوار نکالے بغیر ہرگز فیصلہ نہ ہوگا" یہاں تک پہنچ کر سپہ سالار کی آنکھیں جوش غیرت و غصہ سے خون کی طرح سرخ ہوگئیں۔ اور بدن کانپنے لگا۔ مگر رانا صاحب نے بڑی محبت سے اُس کی طرف دیکھا اور کمال مہربانی سے بیٹھنے کا اشارہ کرکے کہا میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تلواریں اپنے بزرگوں کی طرح اِس موقعہ پر بھی اودے پور کی عزت بچانے کے لئے میانوں سے نکل کر چمکنے میں ذرا بھی تامل نہ کرینگی۔ لیکن میں اس آگ کو زیادہ روشن کرنا نہیں چاہتا۔ نہ میری یہ آرزو ہے کہ آپس کی لڑائیوں میں ملک تباہ اور راجپوتی خون کا خاتمہ ہو امیر خاں کی رائے گو کسی خاص پہلو کو لئے ہوئے ہے مگر میرے نزدیک ضرور وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔ جب اکیلی کرشن کماری کی جان نثاری سے تمام جھگڑے پاک ہو سکتے ہیں تو تم سب کو جانیں قربان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

حاضرین دربار نے آنکھوں میں آنسو بھر کر عرض کیا ہمارے جیتے جی امیر خاں یا کسی کی کیا مجال ہے کہ کرشن کماری کی طرف آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے۔ ہاں جب ہم ہی نہ ہونگے تو مجبوری ہے۔"

رانا صاحب نے نہایت شانتی سے جواب دیا۔ کرشن کماری مجھے جان سے عزیز ہے لیکن اپنے ایک ایک سپاہی کو اس سے بھی بڑھ کر پیارا سمجھتا ہوں کوئی وجہ نہیں کہ میں ایک کرشن کماری کی محبت میں پھنسکر تم سب کی قیمتی جانیں میدان جنگ کی نذر کروں اور ایک کی بدولت لاکھوں کا خون پانی کی طرح بہتا دیکھوں۔ کرشن کماری ایک فرمانبردار اور والدین کی تابعدار بیٹی ہے اِس کو اپنے قابلِ تعظیم باپ کا حکم ماننے میں ہرگز تامل نہ ہوگا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ وہ اس عالمگیر خونریزی کو روکنے کے لئے بڑی خوشی سے اپنی قربانی دینے کو تیار ہوگی۔ میں اس بات کا فیصلہ کر چکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم بھی اب اپنے آقا کی رائے سے انحراف نہ کروگے۔"

رانا صاحب کے اِس قطعی فیصلہ سے سب کے سر زانوؤں پر جھک گئے۔ چہروں پر مردنی چھا گئی سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دلوں سے آہیں نکل رہی تھیں تلواریں میانوں میں تڑپ تڑپ کر رہ گئیں ترکشوں میں پڑے ہوئے تیر کندھوں پر سے برابر سرگوشی کرتے رہے بازو پھڑ کا کئے اور راجپوتی خون آتش غضب و غیرت سے جوش کھاتا رہا۔ مگر رانا صاحب کے حکم کے آگے کون تھا جو دم مار سکتا سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے اور کمال ضبط سے ہاتھ

باندھ کر کہدیا "اچھا جس طرح مہاراج کی مرضی"

اِس طرح جب کرشن کماری کی قربانی لازمی قرار پاچکی تو اُس بے رحم آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو اس بے گناہ اور بے قصور شہزادی کے خون سے ہاتھ رنگے! یہ کام ایک معمولی جلاد کا نہ تھا اِس کے لئے کسی سنگدل سے سنگدل بلکہ فولاد سے بھی زیادہ سخت دل کی ضرورت تھی۔ کرشن کماری جیسی بے قصور حُسن کی دیوی کے گلے پر چھُری پھیرنا کوئی آسان کام نہ تھا؛

راجہ دولت سنگھ کو جو چارپشت سے رانا صاحب کا بھائی تھا۔ کرشن کماری کو قتل کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس خوفناک حکم کو سُنکر غیور راجپوت کے تن بدن میں آگ لگ گئی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلے۔ اور نہایت طیش میں آکر کہنے لگا؛

سخت افسوس ہے اس زبان پر جو ایسا حکم دے اور خاک پڑے ایسی رشتہ داری پر جو اس ظلم کی بدولت باقی رہے میں اِس سے باز آیا رشسودیہ خاندان کی تلوار جو حریف کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کی عادی ہو چکی ہے ایک بے گناہ معصوم لڑکی کے گلے پر ہرگز نہیں چل سکتی لیکن یہ قیامت تک نہ دُھلنے والی سیاہی ہمارے چہروں پر کیوں ملی جارہی ہے شسودیہ خاندان کی عزت کی طرف دیکھو اور اس کے پاک خون کو جو آج تک بے آلایش اور بے بدنامی رہا ہے ناپاک نہ کرو یہ ایسا گناہ ہے جسکی پاداش میں ہمارا خاندان ہمیشہ کے لئے سرنگوں رہے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ باپاراول کی نسل قطع ہونے والی ہے یہ ایسی شرم ناک حرکت ہے جسکے بدلے ہم سب کو دنیا میں منہ دکھانے کو جگہ نہ رہے گی۔ کیا ایک حریص پٹھان کی دھمکی میں آکر ہم سب کا منہ کالا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے اگر ایسا ہی نازک وقت آن پُہنچا ہے تو ہم بھی اپنے باپ دادا کی طرح لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ کیا ہمارے بزرگوں نے اسیطرح نام پیدا کیا تھا؟ کیا انکو ایسے ہی کاموں سے شہرت حاصل ہوئی تھی۔ ایسے ذلیل طریقے سے جانیں بچانا ہزار دفعہ مرجانے سے بھی بدتر ہے"؛

غصہ سے بھرے ہُوئے دولت سنگھ کے منہ سے نکلتے ہُوئے مذکورہ بالا فقروں کا ایک ایک لفظ حاضرین دربار کے ساتھ ہی مہارانہ بھیم سنگھ کے دل پر بھی تیز تیر کا کام کرگیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ مگر بہت جلد اپنے آپ کو سمبھال کر کہا؛

"دولت سنگھ! تمہاری رگوں میں شسودیہ خاندان کا خون بھرا ہوا ہے جس کا مقتضائے یہی تھا کہ تم میری تجویز کو سُنکر جوش میں آجاؤ وہی خون میرے جسم میں بھی دوڑ رہا ہے میں اپنے

بزرگوں کی تواریخ سے ناواقف نہیں ہوں ان کے کارنامے بدستور میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں مگر میں یدھشٹر کی طرح اول تیغ کینہ کو گھسیٹ کر اور اپنے ہی بھائی بندوں کو تباہ کر کے پچھتانا نہیں چاہتا۔ راجگان جے پور وجودھپور نے دوسال کی خونریزی سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ چاروں طرف تباہی برس رہی ہے۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ تلواریں تنی ہوئی ہیں اور طرفین کے بہادروں کا ستیاناس کر رہی ہیں۔ ہزاروں نوجوانوں کے خون پانی کی طرح بہ گئے۔ راجپوتانہ بھر میں تھلکہ مچا ہُوا ہے۔ اور چاروں طرف بدامنی پھیل رہی ہے۔ اِسوقت اگر ہماری طرف سے بھی انہیں کی پیروی کی جائے تو ایک دفعہ پھر مہا بھارت کی سی کیفیت پیدا ہو جائیگی۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ اس باہمی جنگ وجدل سے رہی سہی راجپوتی ہمت اور جرأت کا خاتمہ ہو اور ششودیہ خاندان کی جوہردار تلواریں اپنے ہی بھائیوں کے خون سے پیاس بجھائیں۔ ہمارا ملک اور ہماری قوم خانگی جھگڑوں کی بدولت پیشتر ہی تباہی کے آخری زینہ تک پہنچ چکی ہے۔ ایسی حالت میں میں تمہیں تلوار کھینچنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہوں؟ دولت سنگھ! تم خود سوچ سکتے ہو کہ اس وقت کرشن کماری کی قربانی ہی اس خونریزی کو بند کرنے کا بہترین علاج ہے اگر اس کی شادی ایک فریق سے کر دیجائے۔ تو بھی اس جنگ وجدل کا خاتمہ ہرگز نہ ہوگا۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ حفظ امن کے لِئے اپنے دل کے ٹکڑے کو اس جلتی بلتی آگ کی نذر کروں اور ملکی اور قومی بہتری کے لیے اُس کی قربانی دوں مناسب ہے کہ اس وقت تم بھی میرے خیال کی پیروی کرو اور اپنے رانا کے حکم کی تعمیل اپنا عین فرض سمجھو؛

رانا صاحب کے آخری فقرہ کو سُنکر دولت سنگھ کا سر جھک گیا۔ اور اتنا کہکر غصہ کی حالت میں دربار سے اُٹھکر چلا گیا؛

بہتر! اگر آپ کی یہی مرضی ہے۔ تو میں روک نہیں سکتا۔ لیکن میرے ہاتھ اِس قبیح جرم کے مرتکب نہیں ہو سکتے؛

اب کنور جیون سنگھ کو جو کرشن کماری کا سوتیلا بھائی تھا مصلحت وقت کی ضرورت جتلا کر کرشن کماری کو ہلاک کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس حکم کو سُنکر کنور کے بھی حواس باختہ ہو گئے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور دست بستہ ہو کر کہنے لگا۔ "پتاجی! کیا آپ حکم دیتے ہیں کہ میں اپنی بہن کو ذبح کروں؟" رانا صاحب نے نہایت شانتی سے جواب دیا۔ "ہاں بیٹا ملک میں امن قائم کرنے کے لئے اِس کی اشد ضرورت ہے۔" کنور نے عرض کیا۔ "مجھے اس حکم کی بجا آوری میں

مطلق دریغ نہیں بشرطیکہ میرے ہاتھ اس کام کو پورا کرسکیں"۔
یہ کہکر وہ خنجر ہاتھ میں لیئے کرشن کماری کے محل میں گیا۔ بھائی بہن میں بدرجہ کمال محبت تھی۔ بھائی کو آتے دیکھ کر وہ اُسی محبت اور مسرت سے جیساکہ پہلے ملا کرتی تھی۔ سامنے آئی۔ اگرچہ وہ جانتی تھی۔ کہ آج یہ کس نیت سے آیا ہے۔ لیکن اُس نے بدستور خندہ پیشانی سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ کنور کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے محبت بھری نگاہوں سے کرشن کماری کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا "بہن مرنے پر تیار ہوجا!!!" کرشن کماری نے مسکرا جواب دیا۔ "مجھے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہوچکا ہے۔ میں خود موت کا انتظار کررہی ہوں اور اپنے ملک کی بہتری کے لیئے قربان ہونے کو تیار ہوں مگر تم اِس قدر اُداس کیوں ہو"؟ کنور نے آبدیدہ ہوکر جواب دیا کیا یہ کوئی کم رنج کی بات ہے کہ آج میں اِس بیگناہ کے قتل پر مامور کیا گیا ہوں جسکو کہ جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں"۔ کرشن کماری نے کہا نہیں! نہیں! یہ کوئی رنج کا موقعہ نہیں میں اپنے باپ کے حکم کو پورا کرنے کے لیئے دل وجاں سے تیار ہوں۔ ہمارے خاندانکی بہت سی عورتیں ملک اور قوم کی عزت برقرار رکھنے کے لیئے قربان ہوچکی ہیں۔ تم بھی اپنی بہن کو ان سے کم نہ پاؤگے۔ بھائی تم اپنا فرض ادا کرو تمہاری بہن اپنا فرض ادا کرے گی۔ کنور کے منہ سے کچھ جواب نہ نکلا۔ اِس کا دل بھر آیا اور چھم چھم آنسو بہنے لگے!!! کرشن کماری پھر کہنے لگی۔ "تم کیوں اِس قدر حیران کیوں ہو؟ حوصلہ کرو اور مجھے اس جگہ لے چلو۔ جو کہ میری قتل گاہ تجویز کی گئی ہے۔ رشنودیہ بنس کی لڑکی کے لیئے اِس سے زیادہ مبارک بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ ملک کی بہتری کے لیئے ذبح کی جائے"۔

پیارے ناظرین! سولہ برس کی لڑکی! نازونعمت سے پلی ہوئی شہزادی جو کبھی گلاب کے کانٹے سے بھی بے تاب ہوجایا کرتی تھی۔ باپ کا حکم سُنتے ہی مرنے پر تیار! زبردستی سے نہیں بلکہ بڑی خوشی سے جان دینے کو بے تابی ظاہر کررہی ہے!! دیکھیئے یہ پاک وجود ہیں جو ملکی ہمدرد اور قومی خیرخواہ وغیرہ معزز خطابوں کے مستحق ہیں!
اے آرین نیشن! جب تک تیری گود ایسے بچوں سے خالی ہے تیرا سدھار ناممکن ہے یہ خود غرض۔ گندم نما جو فروش نام اور عزت کے خواہاں اور زبانی جمع خرچ پورا کرنے والے جو تیری ہمدردی کے راگ الاپ رہے ہیں۔ بالکل جھوٹے ہیں اور عملی طور پر تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔
چند منٹ اسیطرح گذر گئے اور کنور کا دل شجاع اور عالی ہمت شہزادی کے سامنے کچھ

کام نہ دے سکا۔ خنجر ہاتھ سے گر گیا۔ اور سر جھکائے محل سے نکل گیا۔

جب کنور اس طرح حواس باختہ ہو کر روتا دھوتا محل سے نکل گیا۔ تو تمام رنواس میں سناٹے کا عالم چھا گیا۔ کرشن کماری کی قربانی کی خبر سنکر محل کی ساری عورتیں زار زار رونے لگیں ماں نے سُنا تو کلیجے پر ایک برچھی سی چل گئی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اور دوڑتی ہوئی کرشن کماری کے پاس آئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہ رہے تھے۔ اور بار بار بے تاب ہو کر اپنے دل کے ٹکڑے کو چھاتی سے لگاتی تھی۔ لیکن آفرین ہے کرشن کماری کی ثابت قدمی کو کہ اُس کی پیشانی پر مطلق بل نہ پڑا۔ وہ قسمت پر راضی تھی۔ اور اُس کے دل میں پوری پوری شانتی پائی جاتی تھی۔ البتہ اپنی ماں کی بے تابی سے اِس کا دل بھی بھر آیا لیکن نہایت استقلال سے اِس طرح اُس کی تسلی کرنے لگی! ماتاجی آپ اِس قدر فکرمند کیوں ہیں؟ کیا میں راجپوت کی لڑکی نہیں ہوں؟ کیا مجھ میں ششودیہ خاندان کا خون نہیں ہے؟ رانا صاحب ہم سب کے مالک ہیں۔ ان کے حکم کی تعمیل میں کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہیئے۔ مجھے اپنی اس مبارک موت پر ہرگز افسوس نہیں بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ میرا ناچیز جسم ملک اور قوم کی بہتری کے لئے کام آتا ہے۔ میرے لئے آج یہ کوئی نیا موقعہ نہیں۔ اِس خاندان کی سینکڑوں عورتیں ملک اور قوم کی خاطر قربان ہو چکی ہیں۔ میری قربانی ملک کی خونریزی کو بند کر کے امن کی صورت پیدا کر سکتی ہے میرے بے شمار بھائی بندوں کی قیمتی جانیں جو معرض خطر میں ہیں بچ سکتی ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں اِس قربانی سے پس و پیش کروں۔ میں ہرگز نہیں چاہتی کہ محض میری خاطر ہزارہا خلق خدا کا خون بہایا جائے۔

دل گرفتہ ماں اپنی پیاری بیٹی کی اِس قدر ثابت قدمی دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ لیکن اپنے دل کو تسلی دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ البتہ کرشن کماری کے دل میں بالکل شانتی پائی جاتی تھی۔ وہ ان تمام حیرت انگیز واقعات سے جو آج تک چتوڑ میں گذر چکے تھے بے بہرہ نہ تھی۔ بلکہ اِن بہادر راجپوتوں کی خونریز لڑائیوں کے تذکروں اور قومی شہیدوں کی دلسوز داستانوں سے جنہوں نے اپنی جانیں ملکی خدمات میں قربان کی تھیں بخوبی واقف تھی۔ جلتی بلتی چتاؤں کی روشن آگ اور ان میں بیٹھکر راجپوتی آن کو برقرار رکھنے والی پاک دیویوں کی پیاری پیاری صورتیں ہر وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ گو یہ کم سن اور ناتجربہ کار شہزادی باقی تعلقات دنیاوی سے چنداں واقف نہ تھی لیکن

اپنے خاندان کی گذشتہ عورتوں کی طرح ضرورت کے وقت جان پر کھیل جانے کو ہر وقت تیار رہتی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ کہ راجپوت عورتیں ایسے موقعوں پر کس استقلال سے اپنی جانیں دیکر بات رکھ لینے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ اور کس طرح سر جھکائے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جا بیٹھتی ہیں ؛

کنور کے بعد ایک ایک کر کے متعدد سرداروں کو اس خوفناک کام کا حکم دیا گیا لیکن سب نے انکار کر دیا۔ اور میواڑ کی تواریخ میں شاید یہ پہلا موقعہ تھا کہ رانا کے حکم کی یوں بے وقری ہوئی ہو۔ جب کوئی آدمی بھی کرشن کماری کو قتل کرنے پر راضی نہ ہوا۔ تو اس بہادر لڑکی نے رانا کو کہلا بھیجا کہ مجھے زہر کا پیالہ ہی کیوں نہیں دے دیا جاتا؟

یہ تجویز بہت عمدہ تھی۔ سب نے اسکو منظور کیا اور تلوار کی جگہ سم قاتل تیار ہوا۔ اور لونڈی پیالہ لے کر حاضر ہوئی ؛

اس وقت تمام محل میں کھرام مچ گیا۔ سہیلیاں اور خواصین چلا چلا کر رو رہی تھیں۔ اور ماں کی درد بھری آہوں سے زمین و آسمان کانپ رہے تھے۔ مگر اُف رے ثابت قدمی! کرشن کماری نے ایک آنسو تک بھی نہ گرایا۔ پیالہ لونڈی کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑے صبر و استقلال کیساتھ باپ کے مال و جان کو دعائے خیر دیتی غٹ غٹ کرتی پی گئی ؛

ہائے یہ کیسا دردانگیز اور رقت خیز نظارہ تھا۔ اس کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔ کرشن کماری نے سہیلیوں کو سامنے طلب کیا۔ اور نہایت کشادہ پیشانی سے ایک ایک سے رخصت طلب کی ؛

سہیلیاں زار زار روتی تھیں مگر کرشن کماری بڑی محبت سے اُنکو دلاسا دیتی تھی اور کہتی تھی۔ بہن تم روتی کیوں ہو؟ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں کوئی یہاں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ہم کی زندگی حباب بر آب ہے۔ دم کا سب کھیل ہے آیا آیا! نہ آیا نہ آیا!! لیکن تمہاری کرشن کماری ملکی قربانی کے کام آتی ہے اس لئے تمہارا افسوس کرنا مناسب نہیں اگر میرا خون راجستھان کے قتل عام کو روک سکے تو وہ مبارک ہے اسکو ضرور بہنے دو۔ تم دیکھتی ہو کہ ملک میں خون کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ مگر یہ سب کچھ صرف میری ہی ایک جان کے لیئے ہو رہا ہے نہ یہ قتل نہ یہ فساد باقی رہیگا۔ دیکھو تمہاری کرشن کماری کوئی دم کی مہمان ہے اور شمع سحری کی طرح صرف ہوا کے ایک جھونکے کا انتظار ہے رونا دھونا بند کرو اور اپنی سہیلی کو ایک نظر بھر کر دیکھ لو اور

دل کھول کر گلے مل لو۔ تمہاری کرشن کماری اب تم سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہونے کو تیار ہے اور عنقریب ہی اس سفر پر روانہ ہوگی۔ جہاں سے کوئی کبھی نہیں لوٹا۔ دیکھو! پھر یہ شکل ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے گی"۔

اسی طرح ان کو بھی بہت کچھ سمجھایا۔ اُس کی آخری اشیرباد چاہی۔ اور دم بدم باپ کی درازیٔ حیات کی دعا مانگتی رہی۔

کرشن کماری کچھ اس طرح خندہ پیشانی سے گفتگو کر رہی تھی۔ گویا یہ کوئی غیر معمولی حادثہ واقعہ ہی نہیں ہُوا۔ تاوقتیکہ شربت جگر خراش نے اُس کے خون میں داخل ہونے سے گریز کیا ایسی ہی تقریر کرتی رہی۔

کچھ دیر اسی طرح گذری مگر معلوم ہُوا کہ پہلا پیالہ مؤثر نہیں ہُوا دوسرا پیالہ لایا گیا۔ اُس کو بھی نوش کیا مگر اُس نے بھی کرشن کماری پر کوئی بُرا اثر نہ کیا۔ آہ یہ ننھی سی جان اور دو پیالے زہر کے کارگر نہ ہوں! تعجب کی بات ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بھی اس معصوم کی جان لینے سے پرہیز کرتی تھی!!!

اُف! تیسرا پیالہ طلب ہُوا اور نہایت استقلال کے ساتھ یہ کہتی ہوئی پی گئی! کیا میری جان ایسی ہی بے حیا ہو گئی کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتی"۔

اب کی دفعہ زہر اپنا پورا پورا اثر کر گیا۔ اور بے گناہ بھولی بھالی شہزادی اس کے نشہ میں ایسی گہری نیند سو گئی جس سے کوئی حشر تک بیدار نہیں ہوتا!!!

اس واقعہ جانکاہ کے ساتھ راجپوتانہ کی خونریزی بند ہو گئی۔ راجگان جے پور و جودھپور بڑی حسرت اور افسوس سے آنسو بہاتے اپنے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔ باہمی جنگ و جدل کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے پہلو پر کوئی وجہ نہ تھی کہ ملک اِس قومی شہید کی بے وقت موت پر چار آنسو نہ بہائے سنگدل سے سنگدل آدمیوں کے دل بھی پانی پانی ہو کر بہ گئے توپوں اور بندوقوں کے دھوؤں کی جگہ چاروں طرف پرسوز آہوں کے دھوئیں کی تاریکی چھا گئی! خونی ندیاں بند ہوئیں اور آنسوؤں کے دریا بہنے لگے مدت تک آہ و نالہ کی آوازیں آسمان تک گونجتی رہیں برسوں راجپوتانہ کی زمین اس ہولناک حادثہ سے کانپا کی زلزلے پر زلزلے آتے رہے آندھیاں چلتی رہیں اور ابر نوبہار اس معصومہ کے ماتم میں موٹے موٹے آنسو بہایا کیا! یہاں تک کہ اس دردناک واقعہ کو گذرے ایک صدی پوری ہو چکی ہے مگر اب تک بھی کوئی آدمی

بلا آبدیدہ ہوئے اور جوش میں آئے یا اس کا ذکر نہیں کرتا ؛

کمبخت ماں نے اس منحوس روز سے کھانا پینا یا کسی سے بات چیت کرنا بالکل ترک کر دیا۔ دن رات منہ لپیٹے چارپائی پر پڑی رہتی۔ جب دیکھو آنسو جاری ہیں اور سرد سرد آہیں بھر رہی ہے۔ عالم خیال میں کرشن کماری سامنے کھڑی ہے۔ زہر کا پیالہ ہاتھ میں ہے اور نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی ہے یہ بے خود ہو کر چارپائی سے اُٹھتی۔ اور اپنی عزیز بیٹی کو چھاتی سے لگا کر دل کو ٹھنڈا کرنے کے لئے دونوں ہاتھ بڑھاتی لیکن اب کرشن کماری کہاں ؟ ٹھٹک کر رہجاتی ! جب اس کی طفولیت کی میٹھی میٹھی باتیں کم سنی کی دل تڑپا دینے والی بھولی بھالی ادائیں پتلے پتلے اور نازک ہونٹوں میں مسکرانا اور بات بات پر مچل جانا یاد آتا تو دل پر ایک برچھی سی چل جاتی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا۔ اور کلیجہ پکڑ کر دھڑم سے چارپائی پر گر پڑتی ! ! آخر کار روتی دھوتی آہیں کھینچتی اور بلبلاتی چند روز میں یہ بھی اُسی راستہ پر ہولی جدہر کہ اُس کی پیاری بیٹی روانہ ہوئی تھی ؛

کرشن کماری کی شہادت کا سال ۱۸۰۹ء ہے۔ اور اس واقعہ کو سو سال پورے ہو چکے ہیں جو آجکل کی اوسط عمر سے بھی بہت کچھ زیادہ ہیں اگر اُس وقت بچ جاتی تو ممکن تھا کہ اسوقت تک نیچر کے زبردست ہاتھوں سے موت کی گود میں سُلا دی گئی ہوتی۔ لیکن کرشن کماری کی موت عام موت نہ تھی وہ زہر کا پیالہ جس نے اُس کا کام تمام کیا آبحیات کا پیالہ تھا۔ جس نے اُس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا۔ دنیا فانی ہے۔ موت سب کے سامنے کھڑی ہے لیکن یہ موت جو کرشن کماری کو نصیب ہوئی۔ ایک مبارک موت ہے جو خاص آدمیوں کو میسر آتی ہے ؛

اے کرشن کماری ! آفرین ہے تیری ہمت اور ثابت قدمی پر۔ شاباش ہے تیری جرأت اور مستقل مزاجی پر۔ تو نے تو سقراط حکیم کو بھی مات کر دکھایا۔ اس ہمت اور دلیری کی بدولت جس سے اُس نے زہر کا پیالہ پیا۔ تمام یونان آج تک اس کے نام پر ناز کر رہا ہے اہل ملک اس کے نام کو بڑی عزت سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن اُسی وقت تک جب تک کہ تیری درد انگیز داستان ان کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ تیری دلیری اور اُس کی جرأت میں کوسوں کا فرق ہے۔ وہ مرد تھا۔ اگر اُس نے ایسا حوصلہ کیا تو اُس کی مردمی کے شایاں تھا تو عورت تھی اور بقول اُن کو باطنوں کے جو فرقہ نسوان کو بالکل بزدل اور ڈرپوک خیال کرتے ہیں تو یہ حوصلہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن تو نے ثابت کر دکھایا کہ ہند کی عورتیں وہ عورتیں ہیں۔ جن کے نزدیک ممالک غیر کے

بہادر سے بہادر مرد بچوں کی سی وقعت بھی نہیں رکھتے!!!

اے پاک دیوی! بیشک تو آریہ پتری تھی! تیری رگوں میں آرین نیشن کا پاک خون دوڑ رہا
تھا! دنیا تیری اس سچی بہادری کی تعریف کیوں نہ کرے؟ تو نے ایک فرمانبردار بیٹی کی طرح باپ
کے حکم میں ملک اور قوم کے نام پر جان قربان کردی۔ راجپوتانہ کی خونریزی بند کرنے کے لئے
اپنا خون بہایا۔ اُٹھتی جوانی کی تمام اُمنگیں اور دلی ارمان تجھ پر ہرگز غلبہ نہ پاسکے۔ اور تو نے
وہ کام کیا۔ جو آریہ ورت کے بغیر شاید کسی دوسرے ملک کے مرد سے بھی نہ ہو سکے!!

اے شہید قوم! جب تک اودے پور دنیا کے تختے پر موجود ہے تیرے نام کو کبھی نہ بھولیگا
اراولی پربت کی اونچی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں تیرے مبارک نام کی گونج برابر سنائی دیا کریگی
راجپوت تیرا نام ہمیشہ عزت سے یاد کیا کرینگے۔ اور شسودیہ خون کا جب تک ایک قطرہ بھی
دنیا میں موجود رہے گا تیری یاد اُس کے سینے پر برابر چلی جائیگی ۔

آریہ ورت کی گود جس میں تیری جیسی فرمانبردار بیٹی نے پرورش پائی قیامت تک تجھ پر
ناز کیا کریگی۔ اور بحر ہند کی متواتر اُٹھنے والی لہریں دن رات تیرے ہی گن گایا کرینگی! دنیا میں
بیشمار انقلاب ہونگے۔ زمانہ بہتیرے رنگ بدلے گا۔ لیکن تیرا نام شہرت کے آسمان پر
برابر چمکتا دکھائی دیگا۔



شبیہ راؤ سیاجی والئے جودہپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۰۵

ریاست جودھپور

راؤ سیاجی

راجہ جے چند والیئے قنوج نے محمد غوری کے ساتھ ملکر جو کانٹے ہندوستان کے حق میں
بوئے وہ کس کس کے دامن سے نہ اُلجھے؟ کس کس کے پاؤں میں نہ چُبھے اُن سے کس کس
کو ایذا نہ پہنچا۔ کس کس نے تکلیف نہ اُٹھائی اور کس کس نے آبلہ پا اپنی ملکی کم بختی پر پھوٹ
پھوٹ کر نہ روئے۔ وہ صرف پرتھی راج ہی کے لیئے تکلیف دہ نہ ہُوئے۔ بلکہ تمام ہندو قوم
کی تباہی اور بربادی کے موجب ہوتے ہُوئے خود جے چند اور اُس کی اولاد کے واسطے بھی زہر
قاتل ثابت ہوئے ؛

"چاہ کن را چاہ در پیش"

جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے۔ وہ خود بھی کبھی نہ کبھی ضرور اُس میں گرتا ہے جے چند
نے پرتھی راج کی سلطنت پر دل بھر آیا اُس کی طاقت گھٹانے اور اپنی قوت بڑھانے کے لئے
ملک میں مسلمانوں کو بلوایا۔ مگر اس کے ہاتھ کیا آیا؟ بھائی کی سلطنت کھوئی اپنی حکومت ڈبوئی
مُلک کا دشمن مشہور ہُوا۔ قوم کا دشمن کہلایا۔ بدنامی کا ٹیکہ ماتھے پر لیا۔ اور رسوائی کا ہار گلے
میں پہنا۔
سچ ہے۔ "جیسی کرنی ویسی بھرنی"۔ کانٹے بوکر پھولوں کی پیداوار کی امید رکھنا عبث ہے۔
جے چند کی وفات کے بعد اس کے ملک اور اُس کی اولاد پر بڑی بڑی سختیاں کی گئیں
شہر ویران اور آبادیاں برباد ہوگئیں۔ اور شاہی خاندان کس مپرسی کی حالت میں مصیبت

کے دن بسر کرنے لگا ۞
سمت ۱۲۶۸ میں یعنی قنوج کے مغلوب ہو جانے کے اٹھارہ برس بعد جے چند کے پوتے سیاجی اور سیت رام جب مسلمانوں کی زبردستیوں اور تعدیوں سے نہایت لاچار ہو گئے تو اپنے وطن اور مولد کو چھوڑ کر دو سو نفر سپاہیوں کے ساتھ جو قنوج کی تباہ و برباد شدہ رعایا میں سے تھے مغربی جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے یہ سفر کیوں اختیار کیا؟ اِس بارہ میں مختلف مورخین مختلف رائے ظاہر کرتے ہیں۔ بعضے لکھتے ہیں وہ دوارکاجی کے درشن اور دیگر تیرتھ یاترا کی خواہش کر کے گھر سے نکلے تھے۔ مگر بعض کا قول ہے۔ کہ وہ غیر ملک میں جاکر اپنی قسمت آزمائی کرنے اور تقدیر کو تدبیر سے بدلنے کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے تاکہ انہیں بین ناز ونعم کی یاد جس میں وہ پلے تھے نہ ستائے خیر کچھ ہی ہو آخر انہیں فلک کج رفتار نے یہ دن دکھایا تو وہ تارک الوطن ہوئے آہ! اے انقلاب زمانہ! وہی راج کنور جو کسی دن عیش وعشرت میں بسر کرتے تھے۔ ہزار آن و بان اور شوکت وشان کے ساتھ محل سے نکلتے تھے۔ اب کس بے سرو سامانی سے مفلسی اور تنگ دستی کے ہاتھوں لاچار اور پیارا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں سچ ہے زمانہ گرگٹ کی طرح ہمیشہ رنگ بدلتا رہتا ہے اور کبھی کسی کو ایک حال پر نہیں رکھتا آج سیم وزر دیکر زردار بناتا ہے تو کل قلاش کر دکھاتا ہے آج شاہانہ لباس زیب تن کراتا ہے تو کل گیروے کپڑے پہنا کر دربدر خاک چھنواتا ہے ۞

نیرنگ لاکھ گردش چرخ کہن میں ہیں — قاتل تھے جو وہ آج قضا کے دہن میں ہیں
تارے جو کل چمکتے تھے اب وہ گہن میں ہیں — تھا جنکو عیش آج وہ رنج ومحن میں ہیں

دنیا کے انقلاب میں سب آئیں گے ضرور
جو پھول کھل رہے ہیں وہ کملائیں گے ضرور

اِس جگہ ہم مغربی جنگل کی اقوام اور مقامات کی مختصر تفصیل لکھ دینا بھی مناسب خیال کرتے ہیں۔ جن پر سیاجی کی قسمت غالب آنے والی تھی دریائے جمن سے لیکر دریائے سندھ تک اور دریائے کاوہ سے کوہستان اراولی تک اول بجانب مشرق کچھواہا قوم آباد تھی اور ان کا سردار پلیسی نام تھا جس کا والد راؤ پوجول جنگ قنوج میں قتل ہوا۔ اجمیر اور سانبھر وغیرہ اچھی اچھی اراضی پر چوہان قابض تھے۔ گو قلعہ اراولی میں چند اشخاص ہنوز دست اسلام سے محفوظ تھے۔ مگر باقی سب علاقہ تحت وتصرف اہل اسلام میں آچکا تھا۔ مقام نادول میں ہیل دیو کی

اولاد سو برس سے حکومت کر رہی تھی قوم ایدوہ کے حاکم بانسی رانائے کا قبضہ مندور پر قائم تھا۔ یہ قوم قوم پرمار کی ایک شاخ ہے اردگرد کے اکثر زمیندار گروہ اُسکو رئیس کلاں خیگل کا سمجھکر سپاہ سے اس کے مطیع الاحکام رہتے تھے۔ اور بجانب شمال ناگور کے قرب وجوار میں ایک گروہ رہتا تھا۔ جسکو موہل کہتے تھے۔ (اب ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے) ان کا رئیس رانبت نامی تھا اور اُس کے ماتحت ایک ہزار چار سو چالیس دیہات تھے۔ کل علاقہ بیکانیر سے بھٹنیر تک میں جاٹوں کے قبضہ میں تھا۔ مگر اُن میں بھی طوایف الملکوکی تھی۔ اِس مقام سے لے کر دریائے کاوہ تک جوہیا اور دیا کا تھی۔ لنگاہا اور دیگر قومیں جواب نیست ونابود ہوگئیں ہیں آباد تھیں ان میں سے بعض تو بزور شمشیر قابض تھے۔ اور کچھ بوجہ قبول کرنے مذہب اسلام کے تھے۔ قوم بھٹی صدہا سال سے اپنے ملک میں آباد تھی۔ اور اُن کو یہ خیال تک نہ تھا۔ کہ یہ جزوی اشخاص راٹھوران سے برسر مقابلہ آئیں گے۔ راجگان سوڈا ملحق جنوبی علاقہ بھٹی میں بود وباش رکھتے تھے اور قوم جہاریچہ سنہ اکچ کی گھاٹیوں میں آباد تھی۔ جہاریجا اور قوم پرمار کے درمیان جو آبو اور چندرآوتی پر رہتی تھی مشہور قوم سولنکھی آباد تھی۔ اِن کے علاوہ قدیم خاندانوں کے بھی اکثر رئیس تھے جو کسی کے خراج گذار تو نہ تھے۔ مگر گاہ گاہ کسی موقعہ پر اپنے قریب کے کسی زبردست رئیس کی اطاعت کرلیا کرتے تھے جیسا در ھو وکیرو ہر کے گوہل سالچور کے دلو راجہالور کے سونگرا رنیت کے موہل اور سندہی وغیرہ کے سالکا علیحدہ علیحدہ مقامات پر جاگزیں تھے ؎

منجملہ ان تمام اقوام مذکورہ بالا کے بعضوں کے حقوق موروثی تو راٹھور نے چھین لئے اور بعضے جو زندہ اور اب تک قائم ہیں وہ ان کی رعایائے جاگیردار میں شمار کئے گئے ؎

سیاجی اور سیت رام جب اپنے سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے مقام کولومد پر پہنچے۔ تو وہاں کے حاکم نے جو سولنکھی قوم کا ایک رئیس تھا نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ اِن کا استقبال کیا۔ اوران کے ساتھ بڑی خاطرداری سے پیش آیا۔ ایک دن اثنائے گفتگو میں اِس نے اپنے دشمن جہاریجا والئے پھولرا کا جو ان دنوں بیں دریائے ستلج سے لیکر کنارہ سمندر تک لاکھا بھولا ناتھ کے نام سے مشہور تھا) ذکر کیا۔ لاکھا واقعی زبردست حکمران تھا۔ اور اردگرد کے تمام سردار اس سے خایف رہتے تھے۔ اپنے میزبان کی گفتگو سُنکر سیاجی نے اپنی موروثی دلیری سے جواب دیا آپ اس قدر متفکر کیوں ہیں؟ اِس مہم کو ہمارے سپرد کردیں ہم نے آپ کے ہاں بہت دیر تک آرام

سنہ جہاں آج کل بیکانیر آباد ہے یہ مقام وہاں سے بجانب مغرب بیس میل کے فاصلہ پر واقعہ تھا؎

پایا ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اُس کا کچھ معاوضہ ادا کریں اگر تقدیر یاور ہوئی تو لاکھا لاکھ تدبیروں سے بھی اپنی جان نہیں بچا سکتا بالفرض اگر ہم کامیاب نہ ہوئے تو بھی ہماری روحیں ہمیشہ کے لئے شعانت رہیں گی۔ اول تو اس لئے کہ ہماری موت میدان جنگ میں واقعہ ہوگی۔ دویم اس لئے کہ ہمارے ناچیز جسم ایک مہربان اور نیک دل میزبان کے ارشاد کی تعمیل میں کام آئیں گے ؎

رئیس مذکور ہرگز لاکھا کے ساتھ مقابلہ کی جرات نہ رکھتا تھا۔ مگر دلیر اور جوانمرد مہمانوں کے وعدہ پر اس نے فوراً فوج کشی کے سامان کئے۔ اور تمام تیاریاں چند روز کے اندر ہی پوری ہوگئیں سیاجی اس مہم کے افسر اعلیٰ اور سیت رام ان کے معاون قرار پائے۔ کوچ کا حکم سنایا گیا اور ایک مختصر مگر جرات کر دریا کی طرح لہریں مارتا ہُوا پھولڑا کی طرف روانہ ہُوا۔ راستہ کے حالات اور کوچ و مقام کا تذکرہ لاحاصل ہے چند روز کے بعد دشوار گذار رستوں سے گذرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچ گئے ؎

لاکھا بھی کوئی دب جانے والا آدمی نہیں تھا۔ دشمن کی آمد آمد سُنکر اس نے بھی جنگ کا پورا پورا سامان کر رکھا تھا۔ دونوں طرف کی فوجیں بالمقابل میدان جنگ میں آڈٹیں دلاور جانیں ہتھیلیوں پر لئے مرنے مارنے کو تیار تھے سیاجی نے اپنی سپاہ کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ جوانوں نے تلواریں کھینچ لیں جانہار میانوں کو پھینک پھینک کر آگے بڑھے تلوار سے تلوار بجنے لگی تیروں نے دلاوروں کے بدن چھلنی بنا دیئے۔ ایک طرف بھالے خون کے فوارے چھوڑ رہے تھے۔ تو دوسری طرف نیزے اپنا غضب دکھا رہے تھے بہادر جوں جوں منہ پر تلواریں کھاتے تھے توں توں اور بھی جوش میں آکر حملے کرتے تھے۔ دونوں طرفوں سے جی توڑ کر مقابلہ ہُوا مگر سیاجی کے خاص دستہ نے تیروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کی باڑھ سے مخالفوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ دشمنوں کے جمے ہوئے قدم زخمیوں کے سانس کی طرح اکھیڑ دیئے۔ لاکھا لاکھ دلیری دے دیکر اپنی سپاہ کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر کچھ پیش نہ جاتی تھی وہ بالکل حیران و پریشان کھڑا تھا۔ کہ اُسے دور سے سیت رام گھوڑے پر سوار جنگ میں مشغول نظر آیا۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر بہادر کا خون جوش مارنے لگا۔ اُس نے بڑے پُرزور الفاظ سے ایک دفعہ پھر اپنے زیر کمان دستہ سپاہ کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔ جس میں وہ کامیاب ہُوا تلواریں کھینچ لی گئیں بہادر آگے کی طرف لپکے اور آن کی آن میں لاکھا سیت رام کی طرف بڑھا اور ٹوٹ پڑا۔ مگر وہ چوٹ بچا گیا

بلکہ اُس کے بھالے نے اُلٹا لاکھا کا بایاں شانہ بیکار کر دیا۔ زخمی شیر اور بھی غضب ناک ہو جاتا ہے زخم خوردہ لاکھا نے بھڑک کر دوبارہ نیزے کا وار کیا۔ مگر یہ وار بیکار ثابت نہیں ہوا۔ سیت رام سخت زخمی ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ مگر ابھی تک اس میں جان باقی تھی۔ وہ تلوار لے کر ایک دفعہ پھر کھڑا ہو گیا۔ اگرچہ وہ مہلک زخم کھا چکا تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ کہ اُس کی تلوار کا وار غنیم پر پڑے۔ اور اُسکو اپنے ساتھ ہی میدان جنگ کی خون آلود زمین پر نہ لٹاوے۔ لیکن لاکھا کی زندگی ابھی باقی تھی۔ سامنے سے ایک تیر سنسناتا ہُوا آیا۔ اور سیت رام کی پیشانی پر بیٹھ کر اُس کو ہمیشہ کے لیئے گرا دیا۔

بھائی کی موت کی خبر سُنکر جس قدر رنج سیاجی کو ہُوا۔ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مگر اِس رنج نے اِس کو پست ہمت نہیں کیا۔ بلکہ اُس کی آتش جرارت اور بھی روشن ہو گئی غصہ کے مارے اُس کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اِس کا چہرہ سُرخ انگیارہ بن گیا۔ اور وہ اپنے دستہ سپاہ کو لیکر زخمی شیر کی طرح چنگھاڑتا ہُوا لاکھا کی سپاہ پر ٹوٹ پڑا۔

آن کی آن میں سینکڑوں جوان بیجان ہو کر گر پڑے۔ بہادر کی تلوار جوہر دار بجلی کی طرح چمکتی ہُوئی جسپر پڑتی تھی۔ اُسی کے خرمن ہستی کا خاتمہ کر دیتی تھی ایک دفعہ پھر قیامت کا نقشہ کھچ گیا۔ لاکھا کی سپاہ پہلے ہی بیدل ہو چکی تھی سیاجی کے پُر زور حملہ کو روکنے کی تاب نہ لا سکی اور اُس کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ لاکھا نے یہ حالت دیکھ کر بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح سپاہ کو حوصلہ دیکر لڑائی میں مشغول رکھے مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ بہت سا لشکر تہ تیغ ہو چکا تھا۔ باقیماندہ سپاہی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ میدان جنگ کا یہ نقشہ دیکھ شکستہ دل لاکھا نے بھی اپنے گھوڑے کی باگ پھیری اور بڑی مشکل سے میدان جنگ سے جان بچا کر نکل گیا۔

سیاجی کو کامل فتح نصیب ہُوئی۔ مگر بھائی کی موت اور اِس کے قاتل کے صحیح و سالم بچکر نکل جانے سے اُس کو سخت رنج تھا۔ مگر اب بن ہی کیا سکتا تھا۔ با دل شکستہ کولومد واپس آیا۔ اگرچہ اِس نمایاں فتح سے چاروں طرف اُس کی بہادری اور شجاعت کی شہرت پھیل گئی تھی اور والئے کولومد اِس کا رہین احسان ہو کر سب سے بڑھ کر اِس کی عزت کرتا تھا۔ مگر بھائی کی موت کا خیال ہر دم اِس کے دل کو مستنار رہتا تھا۔ انتقام کی خواہش دن بدن اُس کے دل میں بڑھتی جاتی تھی۔ اور وہ اِس بات کا خیال کر کے گھنٹوں تک فکر کے دریا میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ مگر بجز افسوس کے موجودہ حالت میں وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔

ادہر رئیس کو لودنے اِس سپاہیانہ خدمت کی شکرگذاری میں اپنی بہن کی شادی سیاجی سے کردی۔ اور بہت سا سامان جہیز میں دیا۔ اس شغل میں سیاجی کو چند دن تک بھائی کی یاد نے زیادہ نہ ستایا۔ مگر اس کا دل پھر سخت اچاٹ ہوگیا ناچار وہ بدین خیال کہ شاید مختلف مقامات کی سیر سے ہی دل بہل جائے تیرتھ یاترہ کو روانہ ہوا جب تہواڑہ پٹن میں پہنچا۔ تو وہاں کے رئیس نے اُس کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور بڑی خاطرداری کے ساتھ پیش آیا یہاں سے وہ دوارکا جی کے درشنوں کو روانہ ہوا حسن اتفاق سے لاکھا بھی اسی علاقہ میں پھرتا ہُوا اپنا وقت بسر کر رہا تھا۔ انتقام کی آگ طرفین کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ لاکھا زخم خوردہ سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ گذشتہ ہزیمت کا داغ پیشانی سے دور کرنے کے لیئے وہ موقعہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اِدہر سیاجی کے دل میں بھائی کے انتقام کی آگ روشن ہو رہی تھی۔ دونوں کے ساتھ صرف معدودے چند ہمراہی تھے۔ اپنی اپنی قلیل جمیعت سے دونوں جوانمرد ایک دوسرے کے مقابلے آئے۔ اس لڑائی میں سیت رام کا بیٹا بڑی بہادری اور جوانمردی کے ساتھ لڑتا ہوا کئی بہادروں کو قضا کے آغوش میں سلاتا رہا۔ مگر افسوس کہ وہ خود بھی میدانِ جنگ میں کام آیا۔ سیاجی کی آتش غضب کا اب کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ تلوار کھینچ کر لاکھا کے مقابل ہُوا۔ خوب زورآزمائی ہوئی۔ لاکھا قتل ہُوا۔ اور بھائی اور بھتیجے کے قاتل کو قتل کرکے سیاجی کا دل اگرچہ بعد میں مدت تک بے قرار رہا۔ مگر اس وقت تو قدرے شانت ہوگیا؛

لاکھا کے قتل سے تمام انہلواڑہ اور اس کے گردنواح میں سیاجی کی بہادری کی شہرت پھیل گئی۔ سب اُس کی عزت کرنے لگے۔ کیونکہ لاکھا جسکو اس نے قتل کیا تھا۔ ہر ایک کے لیئے وبال جان تھا؛

اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ دوارکا کی زیارت کو گیا یا نہیں مگر اس فتح کی خوشی نے آئندہ کے لیئے اس کے ارادوں کو بالکل تبدیل کردیا اور ملک گیری کا خیال دن بدن اس کے دل میں ترقی کرنے لگا۔ اِسی خیال کو لے کر وہ لونی ندی کے کنارے پہنچا۔ اِس جگہ پر اُس نے ایک دعوت کے موقع پر مھود کی قوم کا قلع وقمع کیا۔ اِس کے تھوڑے عرصہ بعد اس نے کھیڑدہر کی قوم کوہل پر فوج کشی کی کوہل بڑی جوانمردی کے ساتھ لڑے۔ مگر ان کا رئیس مہیش داس جے چند کے پوتے یعنی سیاجی کی تلوار سے دوبدو مقابلہ میں قتل ہُوا۔ اور راٹھوروں کا جھنڈا اس جگہ بھی نصب کردیا گیا؛

شبیہ راؤ اسوتھاماں والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۲۱۱

اس زمانہ میں شہر پالی اور اس کے گردنواح کا تمام وسیع قطعہ برہمنوں کے ایک گروہ کے قبضہ میں تھا۔ یہ اپنے آپ کو پالیوال کے نام سے پکارتے تھے۔ اور خوب مزے سے گذران کرتے تھے مگر کچھ عرصہ سے میر اور مینا وغیرہ پہاڑی قوموں نے اُم انکو ستانا شروع کر دیا تھا۔ روزمرہ کی خونریزی سے تنگ آکر انہوں نے سیاجی کو اپنی حفاظت میں لینے کی درخواست کی جس کو اس دلاور نے بخوشی قبول کیا۔ اور اپنی سپاہ کی مدد سے ان غارت گر قوموں کے سرغنوں کو بہت کچھ سزا دیکر علاقہ مذکور سے بہت دور تک بھگا دیا۔ مگر اس بات کا یقین کرنا مشکل تھا۔ کہ وہ آئندہ بھی اپنی لوٹ گھسیٹ سے باز رہیں گے۔ لہذا انہوں نے کچھ قطعہ زمین دیکر سیاجی کو بھی اپنے پاس آباد ہونے کی درخواست کی۔ جسکو اُس نے بھی بدل منظور کر لیا ؀

یہاں پر سیاجی کے ہاں رانی سولنگھی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اسوتھاما رکھا گیا۔ اُس نے کچھ عرصہ بعد سیاجی نے جملہ سرداران پالیوال کو مغلوب کر کے ان کا علاقہ بھی اپنے مقبوضہ ملک کے ساتھ ملا لیا۔ اور اس واقعہ کے ایک برس بعد اپنی اولاد کے لئے ایک وسیع سلطنت چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ایک اسوتھاما۔ دوسرا اسونگ تیسرا اجمل ؀

راؤ اسوتھاما

جس طرح سیاجی نے نہایت کوشش وسعی کے ساتھ بڑی دلیری اور جوانمردی سے کام لیتے ہوئے اپنی سلطنت قایم کی اور اپنے زور بازو کے ذریعہ دیگر اقوام کو مغلوب کر کے علاقہ جات کو فتح کیا۔ اُسی طرح اُس کے بعد اس کے فرزندوں نے بھی اُس سے حاصل کی ہوئی سلطنت کو وسیع کرنے میں مشہور عالم ہمت اور شجاعت سے کئی علاقجات تسخیر کئے۔ اور وہاں اپنی قوم کا علم بلند کیا۔ سیاجی کے بعد اس کا بیٹا اسوتھاما گدی نشین ہوا۔ اُس نے نہایت عقل و دانش سے سلطنت سنبھالی۔ خوب سوچ سمجھ کر اس کا انتظام کیا۔ اُسے گدی نشین ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایدر کے سردار سے اُس کی ان بن ہو گئی۔ کیونکہ اُس نے اس کے علاقہ میں خواہ مخواہ کی دخل اندازی شروع کر دی تھی۔ پیشتر اس کے کہ لڑائی ٹھنے اسوتھاما نے بہت درگذر کیا۔ سردار مذکور کو بہت سمجھایا بجھایا مگر جب وہ کسی طرح باز نہ آیا تو وہ بھی اپنی فوج لے کر علاقہ ایدر پر چڑھ گیا

جب ایدر کے سردار نے یہ بات سُنی تو اپنی سپاہ کو کیل و کانٹے سے درست کر کے میدان جنگ میں
اُتر آیا۔ دونوں لشکر بڑی ہمت اور دلیری سے کام لینے لگے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ تیر کلیجوں کے
پار ہوتے تھے۔ آبدار تلواریں مخالفین کے سروں کو اُڑانے میں مشغول ہوئیں۔ برچھیاں اپنا فرض
ادا کرنے لگیں۔ بھالے اپنا کام کرتے نظر آنے لگے۔ خنجر لوگوں کا لہو پی کر اپنی پیاس بجھانے
لگے۔ میدان جنگ میں خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ مگر طرفین کے دلاوروں کا حوصلہ اس
نظارہ سے اور بھی بڑھتا جاتا تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر وار کرتے اور لاشے پر لاشہ گراتے تھے نہایت
قلیل عرصہ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہزاروں بانکے جوان خون میں لت پت نظر آنے لگے
کچھ دیر تو دونوں جوانب سے بڑی شجاعت اور دلیری سے جواب ملتا رہا۔ مگر آخر کار اسوتھاما کی سپاہ
اپنے مخالف پر غالب آگئی۔ اور ایدر والوں کے پاؤں اُکھڑتے دکھائی دیئے۔ اُن کے سردار نے
انہیں بہتیرا جوش اور دلیری دلا دلا کر آگے بڑھایا۔ مگر مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے۔ آخر سردار ایدر خود
دلیری کے ساتھ تلوار کھینچکر اسوتھاما کی طرف بڑھا۔ ادھر سے وہ بھی اپنی شمشیر بے نظیر کی طرف
بہادری کی نظر سے دیکھ کر مقابل آیا؛

دونوں سرداروں میں خوب لڑائی و حربہ آزمائی ہوئی۔ مگر انجام کار اسوتھاما نے نہایت
ہوشیاری کے ساتھ تلوار کا ایک ایسا زبردست وار کیا کہ سردار ایدر کا سر کٹ کر زمین پر جا پڑا۔
ایدر کی فوج نے جب اپنے سردار کا یہ حال دیکھا۔ تو ان کے رہے سہے قدم بھی اُکھڑ گئے۔ اور وہ
میدان رزم سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسوتھاما کی فتح کا ہر طرف ڈنکا بجنے لگا۔ علاقہ ایدر اس
کے قبضہ میں آگیا۔ جہاں اُس نے اپنے برادر سولنک کو حاکم مقرر کیا۔ وہ بڑی قابلیت سے وہاں
حکومت کرتا رہا۔ اسی اثنا میں اسوتھاما کے تیسرے بھائی۔ اجمل نے اپنے بازو کی قوت سے
اخیر سرحد سارا شٹر تک تاخت و تاراج کر کے ارگھا منڈل کے رئیس بھیکم سائے کو میدان جنگ
میں قتل کر کے وہاں بھی اپنی قوم کا جھنڈا بلند کیا۔ آخر کار اسوتھاما اپنی سلطنت کو نہایت وسیع
و دراز کرتا رہا ہی ملک عدم ہوا۔ اُس کی وفات کے پانچ برس بعد اُس کا بیٹا داہر گدی پر بیٹھا
اُس کے دل میں قنوج کو دوبارہ حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اپنے آبا و اجداد کا خوشگوار زمانہ
یاد آیا۔ اُن کے عیش و عشرت کا دور آنکھوں میں پھرنے لگا۔ راحت و نشاط کی یاد آ کر ستانے
لگی۔ بہادری و جوانمردی دل دکھانے لگی۔ حب الوطنی دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ اور وہ ہر دم اسی
فکر میں مغموم رہنے لگا۔ بلاشبہ یاد وطن ایسی ہی چیز ہے۔ آدمی اُسے ہرگز ہرگز نہیں بھلا سکتا

انسان توان پرندوں چرندوں اور اکثر پودوں تک وطن سے جدا ہو کر ہمیشہ تڑپتے رہتے ہیں۔ ہر گھڑی گریاں پائے جاتے ہیں۔ دیکھو مچھلی آب دریا سے جدا ہوتے ہوئے کیسی بے قرار ہوتی ہے۔ بلبل باغ سے نکل کر اس کے غم میں کیسی بے چین رہتی ہے۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر روتی ہے پھول چمن سے باہر جاتے ہی مرجھانے لگتے ہیں۔ موتی صدف سے نکلنے نہیں پاتے کہ ان کا جگر افگار ہو جاتا ہے ؎

بلبل کی غمِ باغ میں وہ نالہ زنی ہے
قائل ہے قفس بھی کہ یہ حب الوطنی ہے

ہر ماہی بے آب تڑپتے ہوئے دیکھی
ہے یادِ وطن غم میں گو دم یہ بنی ہے

پروانوں کا دل دیکھئے شاباش جگر کو
ہم شمع پہ مرجائیں یہی دل میں ٹھنی ہے

موتی جنہیں منظور عدن سے ہوئی فرقت
ان کی جگر افگاری کو ہیرے کی کنی ہے

رونا ہی ملا دامنِ گل چیں میں وطن کا
غنچوں کو نہیں گو گلہ بر ہسنی ہے

یہ خاک اسی خاک میں ملجائے تو اچھا
جس خاک سے یہ خاک کی تصویر بنی ہے

حب الوطنی جس میں نہیں اے فلکِ پیرا
وہ ناشدنی ہے بس وہی ناشدنی ہے

وہ ہمیشہ اسی بات میں کوشاں رہا کہ کسی نہ کسی طرح قنوج کو دوبارہ حاصل کرے مگر واہ رے تقدیر تو نے پلٹا نہ کھایا۔ پر نہ کھایا۔ داہر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ پھر اُس کو علاقہ مندور پر قبضہ کرنے کا خیال گذرا۔ جس کے واسطے اُس نے پرہاروں پر ماروں پر چڑھائی کی۔ مگر یہاں بھی قسمت کی نحوست نے اپنا رنگ دکھایا۔ نصرت و کامیابی نے اُس کے ساتھ دغا کی۔ ناکامی نے منہ دکھایا یعنی وہ میدان جنگ میں بڑی بہادری و جوانمردی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور جہاں سے قنوج کو دوبارہ حاصل کرنے کی حسرت اپنے ساتھ لے گیا؛

داہر کے بعد اس کا بیٹا رائے پال سند نشین ہوا اور نہایت عقل اور دانائی سے راج کرنے لگا۔ اس کے دل میں ہر وقت اپنے باپ کا بدلہ لینے کا خیال رہتا تھا۔ انتقام کی آگ اُس کے سینے میں سُلگ رہی تھی۔ اور ہر گھڑی تیزی پکڑتی جاتی تھی وہ مندور والوں پر ہمیشہ دانت پیستا رہتا تھا۔ پرہاروں پر قہر کی نظر ڈالتا۔ اور انہیں غضب سے دیکھتا ہوا ہر دم اس موقعہ کا منتظر رہتا تھا۔ کہ ہو نہ ہو کسی طرح پرہاروں سے مندور کا علاقہ چھینوں اور اس کے رئیس کو قتل کر کے اپنے والد کا بدلہ لوں جوئندہ یابندہ آخر کار اُس کی مراد بر آئی۔ تمنا پوری ہوئی۔ یعنی اس نے موقعہ

پاکر مندور کے رئیس پر فوج کشی کرکے اِس کو میدانِ جنگ میں اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اور باپ کا بدلہ لے کر آتشِ انتقام کو اپنے سینے میں ٹھنڈا کیا۔ اِس سے تمام گرد و نواح کے علاقجات میں اُس کا خوب نام ہوگیا۔ اسے بڑی شہرت حاصل ہُوئی۔ اُس کے تیرہ فرزند تھے۔ جن کی اولاد تمام علاقہ میں پھیل گئی۔ اور حکومت کرنے لگی ؛

راؤ چونڈا

جب رائے پال اپنی سلطنت کو دور تک پھیلانے کے بعد موت کی گود میں لیٹ کر کبھی نہ کھلنے والی نیند سو کر آرام کرنے لگا۔ تو اِس کے فرزند اپنے باپ کی اُن تکلیفات و مہمات کو جن کے ساتھ اُس نے اپنے ملک کو وسعت دی تھی بھول نہ گئے۔ اتنی بڑی سلطنت حاصل کرکے خوشی سے پھول نہ گئے۔ عیش و عشرت میں نہ پڑ گئے۔ بلکہ دل و جان سے اُس کی نشوونما کرنے میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے کئی علاقے فتح کرکے اپنے ملک میں ملائے۔ کئی شہر تعمیر کرکے وہاں اپنی قوم کے جھنڈے نصب کئے۔ اس جگہ اپنے بھائی بندوں کو بسایا۔ رائے پال کے بعد پہلے اُس کا بیٹا کنکل بعدازاں جھالن جہادو ڈینڈا اُو یکے بعد دیگرے گدی پر بیٹھے۔ کنکل نے حُسنِ انتظام سے سلطنت کو آراستہ و پیراستہ کیا۔ کئی جنگ مارے لڑائیاں کیں۔ سلطنت کو وسعت دی۔ جھالن نے بڑی قابلیت سے سلطنت سنبھالی راج کیا بہت سے علاقہ جات فتح کرکے اپنے ملک کو وسیع کیا۔ جادو نے بھی بہت سی اقوام کو مغلوب کیا۔ اور ان کی زمین اپنے تخت و تصرف میں لایا۔ ڈینڈو نے راجہ ہوتے ہی تمام گرد و نواح کے رئیسوں سے خوب معرکہ آرائی کی انکو نیچا دکھایا۔ اُن کا علاقہ اپنے ملک میں ملایا اور اپنی حکومت کو نہایت دور دراز مقامات تک پھیلایا۔ راؤ ٹیڈو نے سونگرہ سے بین محل کا ضلع تسخیر کیا۔ اور دیورہ و پالیچہ سے ملک لے کر اپنی سلطنت بڑھائی۔ اِس کے بعد راؤ سلکھو مسند نشین ہوا۔ جس کی اولاد سلکاوت نام سے مشہور ہوئی ؛

قاعدہ کی بات ہے کہ چھاوں کے بعد دھوپ اور دھوپ کے بعد چھاؤں آتی ہے زمانہ

شبیہ راؤ چونڈا جی والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۱۴

ہمیشہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی بھی ایک روش پر نہیں چلتا۔ ہردم نئی اور انوکھی چال چلتا ہے گردوں ہر گھڑی منقلب ہے فلک بڑا ہی تلون مزاج اور کج رفتار ہے۔ کبھی کسی کو ایک حال پر نہیں رکھتا۔ کبھی سکھ تو کبھی دکھ کبھی خوشی تو کبھی غم۔ کبھی راحت تو کبھی رنج کا مزہ چکھا تا ہے۔ اور پلک جھپکتے راجوں کو فقیر اور فقیروں کو راجہ کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ جب راؤ سلکھو نہایت امن وچین کے ساتھ راج کر کے اِس جہان فانی سے ہمیشہ کے لیئے چلدیا تو بیرم دیو مسند پر بیٹھا۔ اُس کے دل میں شجاعت کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ فتح وتسخیر کے خیالات پیدا ہوئے۔ جنکو پورا کرنے کے لئے اُس نے شمال کی جانب کوچ کیا اور جوہیوں کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ مگر اُنہوں نے نہایت استقلال وجوانمردی کے ساتھ اُس کا مقابلہ کیا۔ بہت دیر لڑائی ہوتی رہی بیرم دیو نے بڑی بہادری سے لڑ لڑ کر ہر چند کوشش کی۔ کہ جوہیو نپر فتح پاوے۔ مگر سراسر ناکامیاب ہوا۔ فتح حاصل نہ کر سکا۔ تقدیر نے یاری نہ کی۔ قسمت نے دغا کی۔ بخت نے اُلٹا رنگ دکھایا۔ نیا شگوفہ کھلایا یعنی وہ جوہیوں کے ساتھ لڑتا لڑتا میدانِ جنگ میں مارا گیا موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ اُس کے بعد اس کا بیٹا راؤ چونڈا گدی پر بیٹھا۔ مگر جوہیوں نے جلد ہی اسے وہاں سے نکال دیا۔ اور وہ اپنے بزرگوں کے مقبوضہ ملک سے مخروج ہو کر جگہ بجگہ مارا مارا پھرنے لگا۔ تقدیر نے اُس کو اس قدر تنگ اور لاچار کر دیا کہ ایک چارن کے گھر میں پناہ لینی پڑی اُف رے انقلاب اتنے بڑے ملک کا راجہ یوں مارا مارا پھرے اور ایک چارن کے مکان کے سوائے کوئی جائے پناہ نہ ملے۔ کیا عبرت کا مقام ہے۔ دنیا کی ہر ایک شئے فانی ہے۔ دولت وزر لاؤ لشکر سب قصہ کہانی ہے۔ مال واسباب دھوپ چھاؤں ہے کبھی یہاں ہے۔ کبھی وہاں ہے گو زمانہ لایق وقابل دلیر وجوانمرد اشخاص کا ہمیشہ سے دشمن چلا آیا ہے کسی نے اِس دشمن جان کے ہاتھوں چین نہیں پایا ہے۔ مگر لایق اور دلیروں نے بھی جب کبھی دو چار زبردست ہاتھ دکھائے ہیں تو سب کے چھکے چھڑائے ہیں۔ بڑوں بڑوں کو نیچا دکھایا ہے۔ سیدھا بنایا ہے۔ یہی چونڈا راٹھوروں کی تواریخ میں نہایت مشہور شخص شمار کیا گیا ہے اُس نے چارن کے گھر سے نکلتے ہی تمام راٹھوروں کو اکٹھا کیا اور مندور پر حملہ آور ہوا۔ جہاں اُس نے بہادری اور جوانمردی کے وہ وہ جوہر دکھلائے کہ مندور والے گھبرا اُٹھے۔ اور سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ پریہار قوم کے رئیس کو جنگ میں مار کر چونڈا نے مارواڑ کی ریاست پر قنوج کا علم بلند کیا۔ اب سب لوگ اُس کی دلیری پر عش عش کرنے لگے۔ مگر دل

ہی دل میں اُس سے ڈرنے لگے۔ فتح و تسخیر اس کے زیر سایہ رہنے لگیں نصرت و کامیابی اُس کا ساتھ دینے لگیں۔ وہ جہاں کہیں جاتا۔ فتح پاکر آتا۔ منڈور پر فتح پاتے ہی چونڈا ناگور کی شاہی سپاہ پر جا پڑا۔ وہاں بھی تقدیر اچھا رنگ لائی۔ اور کامل فتح پائی۔ یہاں سے اس نے جنوب کی سمت قدم بڑھایا۔ اور ضلع گوروار کے دارالحکومت نادول پر فوج کشی کرکے وہاں اپنا تسلط بٹھایا۔ اپنے رُعب کا سکہ جمایا۔ بعد ازیں اس نے رئیس پرہار کی لڑکی سے شادی کی اس سے اُس کو بھی اپنے نواسہ کے گدی نشین ہونے سے تسلی و تشفی ہوگئی۔ چونڈا کے چودہ فرزند تھے علاوہ ازیں اُس کی ہنسا نامی ایک بیٹی بھی تھی جس کی شادی اُس نے لاکھا رانائے میواڑ کے ساتھ کی تھی اور مشہور و معروف رانا کومبھا اسی کے بطن سے تولد ہُوا تھا۔

آخر کار چونڈا ضلع ناگور میں لڑائی کرتا ہُوا مع اپنے ایک ہزار راجپوت سپاہیوں کے مارا گیا اس پر اس کا بیٹا رنمل گدی نشین ہُوا۔ ناگور کا علاقہ چونڈا کے مرتے ہی راٹھوروں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور رنمل نہایت مایوس و مغموم نظر آنے لگا۔ مگر اُس کے بہنوئی لاکھا رانا نے فوراً اُسے اپنے پاس بلالیا اور اُسے داموں کا علاقہ اور چالیس دیہات دیکر اُسے چتوڑ میں اپنے پاس رکھا۔ یہاں رنمل کی بڑی تعظیم و تکریم ہوتی تھی۔ خاطر و مدارات کیجاتی تھی۔ اور وہ رئیس الرؤسا خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن رانا لاکھا کی موت پر اُس نے میواڑ کے معاملات میں کچھ اس طرح دخل اندازی شروع کردی کہ خود بھی مارا گیا اور ملک بھی معزول ہوگیا۔ راؤ رنمل کی موت کا تفصیل وار حال تواریخ میواڑ میں بیان کیا جاچکا ہے۔ راؤ رنمل کے چوبیس فرزند تھے۔ جن کی اولاد راجگان مارواڑ کے بھائی بند ہیں۔

راؤ جودھا

جب راؤ رنمل معاملات میواڑ میں زیادہ مداخلت کرنے کی وجہ سے قتل کیا گیا تو جودھا بصد مشکل اپنی جان بچاکر علاقہ منڈور میں پُہنچا۔ مگر اُس کی حالت ایسی خوفناک تھی کہ اُسے وہاں سے بھی فرار ہوتے ہی بنی۔ اب راٹھوروں کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ تباہی نے مزاج پرسی کی۔ بربادی نے حال شریف پوچھا اور رنج و محن نے گھیرا ڈالا۔ سب کو اپنی اپنی جان بچانے

شبیہہ راؤ جودہا جی والیٔ جودہپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۱۶

کی پڑی ہوئی تھی۔ اِن کے لئے ہر طرف درد و اندوہ کی محیط گھٹا چھا رہی تھی۔ تبدیل قسمت نئے نئے کھیل دکھا رہی تھی۔ تمام راٹھور تباہی اور بربادی کا شکار ہو رہے تھے۔ مگر جودھا بڑا لائق اور ہمتی شخص تھا۔ وہ نہایت عقل و دانش اور حکمت سے پوشیدہ طور پر ملک گیری کی تدبیریں سوچتا اور طاقت بڑھاتا رہا اور اچانک مندور پر چڑھائی کر کے چنڈا سنگھ کے دو فرزندوں کو جان سے مار دیا۔ اور تیسرے کو حد گودوار پر تلوار کے گھیت اتار دیا۔ اُس پر چنڈا سنگھ کو بہت غصہ آیا انتقام کی آگ اُس کے سینے میں سلگ اٹھی۔ اور روز بروز اُس کے شعلے تیزی پکڑتے۔ اور بھڑک بھڑک کر اُسے جلانے لگے۔ اُسکو کب یہ تاب ہو سکتی تھی کہ اپنے تین بیٹوں کو مرا دیکھے اور چپکا ہو کر بیٹھا رہے۔ اُس نے فوراً جودھا پر فوج کشی کی۔ مگر جودھا بھی غضب کا حکمتی آدمی تھا۔ اپنی برائی بھلائی کو پہچانتا تھا۔ اونچ نیچ جانتا تھا۔ اُس نے بڑی دانشمندی سے کام لیا جھٹ صلحنامہ پیش کر دیا۔ چنڈا سنگھ کے لڑکے کی قتل گاہ کو سرحد ٹھہرالیا۔ اور گودوار کا علاقہ بطور خونبہا دیکر اپنی اِس آنے والی مصیبت کو ٹالدیا۔

۱۴۵۹ء میں جودھا نے شہر جودھپور[1] کی بنیاد ڈالی اور بجائے مندور کے اسکو اپنا دار الحکومت

سلہ شہر جودھپور جو آجکل بھی ریاست مارواڑ کا دار السلطنت ہے ایک مزروعہ سر زمین میدان کے شمال مشرقی کنارہ پر جو جنوب میں لونی ندی اور اُس کے مؤید نالوں کی طرف پست ہوتا چلا گیا ہے ایک پہاڑ کے جنوبی دامن پر جو کہ پچیس میل کے طول میں اور تین چار میل عرض میں اور تین سو سے چار سو فیٹ تک بلند ہے واقعہ ہے شہر کے گرد پانچ میل طول کی شہر پناہ ہے اور ناہموار زمین جو پہاڑ کی طرف بلند ہوتی چلی گئی ہے آباد ہے سب سے زیادہ بلندی پر قلعہ واقعہ ہے اُس کی کیفیت بوالیو صاحب نے اِس طرح لکھی ہے بالا ر قلعہ کے جنوبی حد کے برج جسکے اندر بلند منڈ ہے بیٹھنے سے کل شہر کا عجیب خوشنما نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے جس پہاڑ پر قلعہ ہے اُسکے ہر سہ جانب یعنی مشرق مغرب اور جنوب میں شہر آباد ہے صرف شمال کی طرف کوہ منڈور سے مسلسل پہاڑی ہے اور ناہمواری زمین کے سبب سے اس طرف آبادی ناممکن ہے درختوں کی طراوت بخش سبزی اور سرخ پتھر کے مکانات پر سنگ مرمر کی سفیدی نے شہر کو عجیب آرائش رونق بخشی ہے جا بجا پانی سے بھرے ہوئے تالاب ہیں شہر کے بلند حصوں میں سفید بلند فصیل نمایاں ہے اور مکانات کے قطعات مثل خوشوں کے ایکدوسرے سے بلند چاندپول تک تہ بہ تہ چنے ہوئے ہیں اور قلعہ سے مغرب میں بیرونی مکانات کی آبادی عجیب خوبصورتی سے نظر آتی ہے مگر قریب سے بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گلی کوچہ بیقاعدہ اور بدنما نقشہ سے بنے ہیں مکانات بے ڈول اور چنداں خوبصورت نہیں۔ البتہ شہر میں چند خوشنما منڈ ہیں انمیں سے لشن پد کا منڈ مقدم ہے مگر ٹاڈ صاحب اسکے برخلاف لکھتے ہیں کہ گلی اور کوچے باقاعدہ اور خوشنما ہیں اور اکثر مکانات سُرخ پتھر کے بہت خوشنما ہیں فصیل شہر کے اندر چند تالاب ہیں شہر کے شمال و مغربی حصہ میں چھوٹا سا تالاب پدم ساگر پہاڑ میں کھدا ہوا ہے اس نواح میں قلعہ کے

قرار دیا۔ اس کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ کوہ بکر چریہ میں جو بعد ازاں جودھاگر کے نام سے مشہور ہوا
م مغربی دروازہ کے نیچے رانی ساگر ہے۔ اس کے اور قلعہ کے درمیان فصیل بنی ہوئی ہے تاکہ یہ تالاب قلعہ کی فوج کے
قبضہ میں رہے بعض اوقات اشد ضرورت پر شہر والونکو بھی پانی لینے کی اجازت ہو جاتی ہے مگر زیادہ تر تو اس تالاب کا
پانی فوج کے استعمال میں آتا ہے مشرق میں گلاب ساگر بہت وسیع ہے اور تمام و کمال پتھر کی تعمیر ہے باقی کا مالاب بھی
جو حال میں تعمیر ہوا ہے بہت وسیع ہے۔ اسمیں چند نلوں کے ذریعہ سے دور تک کا پانی آتا ہے مگر مدت کی خشک سالی
میں بجز رانی ساگر کے کل تالاب خشک ہو جاتے ہیں انکے سوائے اس شہر میں قریب تیس کے باولیاں بھی ہیں جن
میں زینوں سے اتر کر آدمی پانی تک پہنچ سکتا ہے انکا پانی اکثر آدمی نکالتے ہیں اور بعض میں رہٹ بھی لگا ہوا
ان کا عمیق قریب چالیس فیٹ کے ہے تنور جی کے جھالرہ میں سے بھی جس میں سطح زمین سے ۹۰ فیٹ عمق پر پانی
ہے رہٹ کے ذریعہ سے پانی نکلتا ہے۔ یہ جھالرہ بالکل پہاڑ میں پتھروں کے درمیان کھودا گیا ہے اور کھدائی کے
گھس جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھالرہ بہت قدیم الایام کا ہے اس کی شکل مربع اور اوپر سے بہت وسیع ہے
تین طرف زینہ ہے جس سے آدمی پانی تک پہنچ سکتا ہے چوتھی طرف راہٹ کیواسطے کھڑی بلندی ہے۔ پانی
شیریں ہے اور کبھی کم نہیں ہوتا۔ جب بوایلو صاحب نے ۱۸۳۶ء میں اس شہر کو دیکھا تو فصیل اکثر مقامات سے اسقدر
شکست ہو گئی تھی کہ اندر سے باہر آنے جانے کا رستہ ہو رہا تھا اور اکثر مقامات پر فصیل کے کنگوروں تک
ریتہ چڑھ گیا تھا۔ شہر کے مشرق میں دو پست پہاڑیاں اسّی اور سو فیٹ کی بلندی کی بھی شہر پناہ میں داخل ہیں
انکی بیرونی سمت میں فصیل و برج ہیں کل فصیل میں ایک سو ایک برجیں ہیں اور ستر دروازے ہیں جو جن گاؤں
کے رستہ پر واقعہ ہیں اسی نام سے مشہور ہیں۔ شہر کی فصیل و برجیں قلعہ سے ملحق و مسلسل ہیں مگر ان کے درمیان میں
ایک علیحدہ فصیل ہے جو سطح زمین سے ۳۷۰ فیٹ بلند ہے شمال مشرقی گوشہ پر ۳۸۲ فیٹ کی بلندی ہے اور
وہاں چوڑا دروازہ ہے اس سے اوپر کندہ پتھر کی بلند دیوار ۳۷۰ فیٹ ہے اور اس دیوار کے دیگر اجزا اس سے
بھی بلند ہیں اور یہ فصیلیں اور برجیں انہیں پہاڑونکے خوبصورت پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں۔ مگر بعض مقامات
پر بہت کمزور اور بدنما ہیں اگر سخت پہاڑ پر واقع نہ ہوتیں تو کسی کام کی نہ ہوتیں۔ بڑا دروازہ شمال میں ہے وہاں
کی سڑک پر بڑی توپیں اچھی طرح سے جا سکتی ہیں اور رستہ پر علے التواتر سات دروازے ہیں اخیر دروازہ کے
اندر مہاراجہ صاحب کے محل ہیں قلعہ سے شمال کے پہاڑ پر بھی ایسی ہی سڑک ہے جسپر بھاری توپخانہ جا سکتا
ہے۔ اور حسب قواعد یوروپ کی لڑائی ہونے پر یہ قلعہ مدت تک مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کل قلعہ پانچسو گز طول
اور اڑہائی سو گز عریض ہے سرکاری محل اور دیگر مکانات شمالی کنارہ پر ہیں اور کل قلعہ کے دو خمس رقبہ پر
پھیلے ہوئے ہیں اور سفید مکانات میں سامان جنگی و غلہ وغیرہ کا ہے باقی زمین خالی ہے قلعہ کے اندر پانی کے بارہ
حوض ہیں مگر علے العموم رانی ساگر کا پانی خرچ آتا ہے۔ محل کل مکانات سے بلند ہے اور اسکا بلند ترین حصہ زمین کی

ب خدا رسیدہ مرتاض جوگی رمایش کہتا تھا جس نے اس مقام پر جودہا کو شہر بنانے کی تجویز بتائی۔

ح سے ۴۵۴ فیٹ بلند ہے سرکاری مکانات اچھے نہیں ہیں بلکہ بیکانیر کے سرکاری مکانوں سے بھی بدتر ہیں سب سے
مکان دیوان عام ہے۔ جسے لہسر گنبھ کہتے ہیں۔ اس کی چھت پست ستونونکی متوازی قطاروں پر کہ ہر
ب ۱۲ فیٹ کے فاصلہ پر ہیں قایم ہے شہر سے باہر اور شمال مشرقی گوشہ سے توپ کے گولہ کی مار پر مہامندر کے ہزار
ھر اور ایک سو بارہ دوکانونکی علیحدہ آبادی ہے اس کے گرد سوا میل طول کی کم عرض پختہ دیوار ہے اس میں تین فیٹ
نہ اور پانچ چھ انچہ عرض کے مورچے ہیں اور چند برج ہیں یہ مقام شرنا یا پناہگیری مجرمان کا ہے کل آبادی بشکل متحرف
ہے اور ہر چہار طرف کو چار دروازے ہیں مندر بہت بلند ہے اور سفیدی کے سبب سے دور سے نظر آتا ہے اندر سے
مکان بہت آراستہ ہے اور دیوتا کی پرتما نقرئی شامیانہ کے سایہ میں رہتی ہے ایک تالاب ہے جسمیں بہت دور سے
پانی آتا ہے اور اسی فیٹ عمق کی ایک باولی ہے کہ اُس میں پانی کبھی کم نہیں ہوتا ہے ایک طرف زینہ ہے کہ آدمی پانی
بھرتے ہیں۔ اور تین طرف راہٹ لگے ہوئے ہیں جن کے ذریعہ سے آبپاشی یا دیگر ضروریات کے لئے پانی نکالا
جاتا ہے مہامندر کے احاطہ کے اندر دو محل ہیں ایک میں مہاراجہ صاحب کا گرو بہت تجمل و شوکت سے رہتا ہے اور دوسرے
میں کوئی آدمی نہیں رہتا۔ مگر آرایش کے تمام سامان مع طلائی شامیانہ و پلنگ وغیرہ کے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور
لوگوں کا اعتقاد ہے کہ گرو سابق کی روح وہاں آکر آرام کرتی ہے جودہپور سے چار میل شمال میں قدیم دارالحکومت اروار
یعنی منڈور کے کھنڈرات ہیں یہ شہر ۴۵۹ء میں آباد ہوا تھا شہر کے مغرب میں سوا میل کے فاصلہ پر عمدہ باغات ہیں
اور اکھے راجے کا تالاب ہے اس تالاب میں صاف و عمیق پانی کثرت سے ہے جو بجائے مصنوعی تالاب کے قدرتی جھیل معلوم ہوتا
ہے اس سے دو تین میل کے فاصلہ پر بال سمند تالاب قریب نصف میل طول میں اور دو سو گز عرض میں ہے۔ اُس کے
سُرخ پتھر کے ناہموار کنارے ہیں اور کناروں پر انواع و اقسام کے سر درختی خصوصاً جھاڑی اور سایہ دار تاڑ کے
درختوں کے ہے شہر سے دو میل شمال میں اور ہر دو تالاب مذکورہ صدر کے درمیان سور ساگر بڑا نامی تالاب ہے اُس
کے جنوبی کنارہ پر بہت عمدہ سنگ مرمر کی عمارت معروف تولی محل ہے جسکی ہموار چھت پر سے قلعہ بہت خوبصورتی کے
ساتھ دکھائی دیتا ہے بوالیو صاحب کے اندازہ میں جودہپور میں تخمیناً ۳ ہزار گھرونکی آبادی تھی۔ اور بحساب فی گھر پانچ
کس کے کل باشندے ڈیڑہ لاکھ ہوتے تھے مگر اس قدر آبادی بعید از قیاس ہے مگر دوسری جگہ پر بوالیو
صاحب نے باشندگان شہر کی تعداد ۲۹۱۵۰ لکھی ہے یہ البتہ قرین قیاس ہے ٹاڈ صاحب گھروں کی تعداد
بیس ہزار اور آدمیونکی ۸۰ ہزار لکھتے ہیں مگر موجودہ حالت کے مطابق یہ بھی زیادہ ہے شہر جودہپور عرض بلد
شمالی ۲۶ درجہ ۱۹ دقیقہ طول بلد مشرقی ۷۳ درجہ ۲۸ دقیقہ پر واقعہ ہے؛

جودہا نے فوراً عمل کیا۔ یہ جودہا کر اُس کوہ پر واقعہ ہے۔ جہاں منڈور ہے مگر منڈور سے چار میل دور ہے

اس پہاڑ کی شکل گذا گھاٹیوں اور چڑھائیوں سے جوگی مذکور کی عقلمندی اور دور اندیشی کا پتہ چلتا ہے
اس پہاڑ کی شکل گذا گھاٹیوں اور چڑھائیوں دیوار ہائے قلعہ کی مانند ایسی مضبوط اور مستحکم تھیں کہ مصیبت و
اس کے قرب وجوار کی پہاڑیاں دیوار ہائے قلعہ کی مانند ایسی مضبوط اور مستحکم تھیں کہ مصیبت و
ضرورت کے وقت ایک محفوظ جگہ کا کام دیسکیں۔ امن وامان کا مقام ثابت ہوسکتی تھیں ارتفاع
اس قدر زیادہ تھی۔ کہ جودہ اپنے محلوں کے دریچوں میں سے تقریباً اپنی تمام سلطنت کی حدود
کی نگرانی کرسکتا تھا۔ مطلع صاف ہونے پر وہ اپنی جنوبی سرحد اور اراولی پہاڑ کے مرتفع قطعات
باسانی ملاحظہ فرماسکتا تھا۔ ٹاڈ صاحب اس پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے
کہ اس قلعہ کا بانی اور حکم دینے والا فن تعمیرات سے واقف نہ تھے۔ کیونکہ یہاں پانی نہایت
قلت سے ملتا ہے۔ حساباً اور عقلاً ایسی جگہ پر جہاں مصیبت وآفت کے وقت پناہ لینی ہو۔ جو
ضرورت کے وقت ایک محفوظ امن گاہ ثابت ہوسکتی ہو پانی کی اشد ضرورت رہتی ہے اور وہاں
پانی کا بافراط ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ پانی ایک ایسی شئے ہے جس کے بغیر انسانی زندگی زیادہ دیر
تک محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مگر وہاں کے لوگ اس کے لئے جودھا کے عقل وفہم کو قصوروار نہیں
ٹھہراتے۔ بلکہ اس کا کچھ نرالا ہی سبب بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میر تعمیر نے قلعہ کی خط کشی کرتے
وقت مرتاض جوگی کی رہایش گاہ کو بھی حدود قلعہ کے اندر لے لیا۔ جوگی نے اس کی یہ بات بالکل
نامناسب خیال کی اور اسے اس بات سے روکا اور کہا کہ میرا مقام بالکل علیحدہ چھوڑ دینا چاہیئے
مگر اس کی بات پر کسی نے غور نہ کیا۔ اور اس کے رہنے کا مقام بھی احاطہ قلعہ میں لے لیا گیا اس
پر جوگیشر مذکور کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے عالم غصہ میں نہایت لال و
پیلا ہو کر یہ بددعا دی کہ قلعہ کا پانی شور آمیز نکلیگا۔ یہ بات سچ ہے یا جھوٹ اس کی خبر تو اس
مالک دوجہان اور خالق کون ومکان کو ہی ہوگی۔ ہاں اس میں سے ضعیف الاعتقادی کی بو ضرور آتی ہے
مگر اس میں کلام نہیں کہ قلعہ کا پانی بالکل کھارا ہے۔ اور قلعہ کے اندر اچھا پانی باہر کے ایک چشمہ
سے نل کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے ؛

اس کے بعد جودھا ملک کا پورا اور عمدہ انتظام کرنے اور ترقی کے وسایل سوچنے میں
کوشاں رہا۔ اور اس نے فضول اور بیفائدہ لڑائی اور جھگڑوں میں اپنا وقت کھونا چھوڑ دیا۔
قدیم مالکان ملک کو انکی جائداد پر قبضہ دیدیا۔ امن وامان کی پالیسی برتنے لگا اور ہمیشہ تنظیم
ملک میں مشغول نظر آنے لگا۔ راٹھوروں کی قسمت پھر جاگی۔ ان کی نحوست کے دن پھرے ان کے
بخت کا ستارہ چمکا اور وہ نہایت آرام کی زندگی بسر کرنے لگے مگر ان کی اولاد اس کثرت سے ہوئی

بہت جلدی ممالک مفتوحہ اُن کے رہنے کے لیے ناکافی ثابت ہوئے۔ جونڈا کے چودہ اور رنمل کے چوبیس اور جودھا کے چودہ فرزندوں نے ملک آپس میں بانٹ لیا اب دیگر راٹھوروں کے لیے اور علاقجات کی ضرورت ہوئی۔ جودھا کا بڑا بیٹا سانتل بھائیوں کے ملک میں شمال مغرب کی طرف جارہا جہاں اُس نے ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس کا نام سانتلمیر قرار دیا یہ قلعہ پوکھرن سے پرے پانچ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے سانتل رانی بوندی کے بطن سے تھا یہ بڑا دلیر جوانمرد رجپوت تھا۔ یہ خان صحرائی کی لڑائی میں مارا گیا۔ مگر واہ رے ہمت کہ مرتے مرتے بھی خان کو قتل کر دیا۔ اُس کی سات رانیاں اس کے ساتھ ستی ہوئیں یہ کیسا اچھا زمانہ تھا جب ہندوستان کی استریوں میں اسقدر دلیری وحوصلہ تھا کہ وہ مرنے سے بھی نہیں ڈرتی تھیں جہاں سے باعصمت رہ سکتی تھیں عفت کے واسطے جان دینے سے بھی حذر نہیں کرتی تھیں۔ ہر گھڑی اور ہر پل اپنے خاوند کا دم بھرتی تھیں پتی کے بعد جینا حرام خیال کرتی تھیں زندگی وبال سمجھی تھیں۔ جہاں سات رانیاں سانتل کے ساتھ ستی ہوئی تھیں۔ اُس جگہ پر اُن کی یادگار میں ایک برج تعمیر کیا گیا:

جودھا کا چہارم فرزند دودو علاقہ میرتا میں جاکر قیام پذیر ہوا۔ اس کی اولاد میرتیا نام مشہور ہوئی اور کثرت سے پائی جاتی ہے مارودیس میں یہ فرقہ سب سے زیادہ طاقتور شجاع جنگجو اور شمشیر زن گنا جاتا ہے۔ رانا کھمبو کی رانی میراں بائی اسی خاندان میں سے تھی اور چتوڑ کا مشہور ومعروف شجاع اور نامی گرامی شہید جیمل بھی اس فرقہ کے تاج کا ایک چمکتا ہوا ہیرا تھا:

جودھا کے چھٹے بیٹے بیکا نے اپنے چچا کے ساتھ ملکر جاٹوں کے چھ گروہوں کو مغلوب کیا۔ اُن کا علاقہ تسخیر کر کے اپنے تحت وتصرف میں لے لیا۔ اور وہاں اپنے نام پر شہر بیکانیر آباد کر کے اور ریاست بیکانیر کی بنیاد ڈالکر خوب چین وآرام سے حکومت کرتا رہا:

جودھا شہر جودھپور کو آباد کرنے کے تیس سال تک بڑے امن وآرام کیساتھ زندگی بسر کرتا رہا اُس نے اپنے جیتے جی دیکھ لیا کہ اسکی اولاد ماروادیس کا کل علاقہ تسخیر کر کے آباد ہو گئی ہے اور امن وامان سے بود وباش کر رہی ہے اُس کے بیٹے پوتے کسی قسم کے دکھ میں نہیں ہر طرح سُکھ میں ہیں اس نے سنہ ۱۴۸۹ء میں وفات پائی اور اسکی نعش مندور میں لیجا کر اُسکے آبا واجداد کے شمشان استھان پر جلائی گئی اسوقت راٹھوروں کو تارک الوطن ہوئے قریبًا تین سو برس کا عرصہ ہو چکا تھا اور باوجود اسقدر کشت وخون کے اُنکے پانچ لاکھ آدمی اسی ہزار مربع میل ملک میں پھیل چکے تھے

راؤسوجاجی

۱۴۸۹ء میں جب راؤ جودھا کا مرغ روح قفس عنصری کو تیاگ کر عالم بالا کو پرواز کر گیا تب
راؤ سوجا گدی پر بیٹھا۔ اور سلطنت کے انتظام میں مشغول ہوا۔ اس نے ملک کے کاروبار کو اس
خوبی اور قابلیت سے چلایا کہ تمام لوگ عش عش کرنے لگے۔ جودھا کی طرح یہ بھی امن کو پسند کرتا
تھا۔ چین کو چاہتا تھا۔ بے فائدہ لڑائی جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ہر
گھڑی اور ہر پل ملک کے انتظام میں کوشاں پایا جاتا تھا ہمیشہ ترقی سلطنت کی تجاویز سوچتا
رہتا تھا۔ ملک کی فارغ البالی کی تدابیر میں متفکر دکھائی دیتا تھا۔ بہبودی کے سامان ڈھونڈنے
کی کوشش وسعی کرتا ہوا نظر آتا تھا وہ ایک شاہ زور مگر رحم دل سپاہی تھا اور دیگر اقوام کو بھی
اُسی نظر سے دیکھتا تھا۔ جس سے راٹھوروں کو۔ وہ کسی کو ناحق دکھ نہیں دیتا تھا۔ اور تنگ
نہیں کرتا تھا ۞

سوجا امیر و غریب سب کو محبت و پیار کی نگاہوں سے دیکھتا تھا وہ پورا پورا منصف مزاج
تھا اور اثنائے انصاف میں سب پر ایک نظر ڈالتا تھا کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتا تھا سب کے
ساتھ ایک سلوک سے برتتا تھا۔ جو سزا ایک امیر کو ظلم کرنے پر دیتا تھا۔ وہی ایک مفلس و نادار
کے لئے تجویز کرتا تھا۔ اس میں ہرگز کمی و بیشی نہیں ہونے دیتا تھا وہ ایک لائق منتظم انصاف پسند
حاکم اور محب الوطن راجہ تھا۔ اس نے ستائیس سال حکومت کی اور ملک میں ہر طرح چین و
آرام رہا۔ بعد میں اُسے پٹھانوں کے ایک زبردست گروہ سے لڑائی پیش آئی۔ جس میں وہ بڑی
بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس لڑائی کی تفصیل یوں بیان کیجاتی ہے کہ دوپہر کا وقت
تھا۔ میلا تیج (جو ہر سال شہر پیپر میں ہوا کرتا تھا۔ اور اب بھی بدستور ہوتا ہے) کا زور تھا۔
شہر کے باہر خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ چاروں طرف خوشی و خرمی نمودار تھی میلا لگا ہوا تھا
رنگ جما ہوا تھا۔ لوگوں کے ہجوم کے ہجوم آ رہے تھے اور اپنا اپنا دل بہلا رہے تھے۔ لوگ طرح طرح
سے گیت گا رہے تھے۔ خوشیاں منا رہے تھے۔ سادھ سنت معرفت و حقیقت کے گیت گا رہے
تھے۔ میلا کی دلچسپی کو بڑھا رہے تھے۔ غرضیکہ شہر پیپر کے باہر غیر معمولی رونق تھی۔ ہر طرف خوشی

م تھا رنج وغم معدوم تھا۔ ہر فرد و بشر اپنی اپنی لگن میں مگن ہو رہا تھا۔ چہار سُو امن ہو رہا تھا۔
ٹھانوں کے ایک زبردست گروہ نے وہاں حملہ کر دیا۔ کئی لوگوں کا مال لوٹ لیا۔ کئی بے کسوں کو
ل کیا۔ سینکڑوں معصوموں کا خون بہایا۔ بہتوں کو زخمی بنایا۔ سب کو اپنی اپنی جان کی فکر پڑی
س طرف کسیکو راہ ملی بھاگ نکلا۔ اور فرار ہو گیا۔ یہ گروہ اسباب و مال کی لوٹ کے علاوہ مارو
لیس کی ایک سو چالیس دوشیزہ لڑکیوں کو بھی اٹھا کر لے گیا۔ دنیا مکاری سے بھری ہے یہاں
مکار اور دغا باز لوگ ہی چین کی نیند سے سو سکتے ہیں سکھ پا سکتے ہیں آرام سے رہ سکتے ہیں۔
مگر نہیں مکر کا آخر نتیجہ خراب ہے مکار آدمی انجام کار نہایت ذلیل اور خوار ہوتا ہے۔ اِس دنیا میں
بھی رسوا ہوتا ہے۔ اور عقبے میں بھی آرام نہیں پاتا ہے۔ اگرچہ اکثر قوموں نے ہمیشہ فریب و
دہوکا کے ذریعے ہی فتح حاصل کی ہے۔ مکر و دغا کے سبب سے ہی ملکوں کے ملک تسخیر کئے ہیں
دیگر اقوام کو مغلوب کیا ہے ان کے مذہب میں وقت پر دہوکا دہی۔ حکمت عملی سے کام لینا۔
جھوٹ اور دغابازی برتنا جائز ہے۔ حالانکہ ہندو مذہب میں ہر ایک معاملہ میں ایمانداری پر چلنا
لازمی ہے چاہے جان پر بنجائے۔ مگر جھوٹ نہ بولنا چاہیئے۔ اسی بات پر ہمارے قدیم ہندو
و آریہ کاربند تھے وہ جنگ کرتے تھے۔ تو ایمانداری سے کسی سے جھگڑتے تھے تو ایمانداری سے
تجارت کرتے تھے تو ایمانداری سے۔ غرضیکہ وہ ذرا ذرا سی بات میں ایمانداری سے کام لیتے تھے
پٹھانوں کا ایسے موقعہ پر حملہ آور ہونا۔ جبکہ لوگ خوشیاں منا رہے تھے۔ بالکل غیر مسلح تھے۔ اگر
خلاف اصول جنگ نہیں تو اور کیا ہے۔ جب یہ خبر وحشت اثر راؤ سوجا کے کان تک پہنچی تو اُس نے
اُسی وقت موجودہ ہمراہیوں کیساتھ ان غارت گر پٹھانوں کا تعاقب کیا۔ اور بڑی دلیری
اور جوانمردی سے لڑائی کر کے ان کنواری لڑکیوں کو ان ستمگاروں کے زبردست پنجوں سے چھڑوا
کر واپس بھجوا دیا۔ مگر خود تھوڑی سی جمعیت سے ہی ان پٹھانوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ پہلے تو سوجا
نے اس گروہ کو ناکوں چنے چبوائے۔ خوب ہاتھ دکھائے۔ مگر جب اُسکے دشمنوں کو تازہ دم فوج
کی امداد ملی۔ تب سوجا کا زور ہلکا پڑ گیا۔ اُسکے تمام سپاہی مارے گئے موت کے گھیت آ رہے
گئے۔ اِس لڑائی میں بڑے کُشت وخون کے بعد وہ نہایت دلیری سے لڑتا پٹھانوں کے سردار
کے ساتھ حربہ آزمائی کرتا ہوا راہی ملک عدم ہُوا۔ دنیا میں اپنا نام چھوڑ گیا۔ مارواڑ دیس کے
جوگی ابھی تک تیج کے میلہ پر اس کی بہادری اور اپنی جان دیکر دوشیزہ لڑکیوں کو بچانے کے
گیت گایا کرتے ہیں ؂

راؤ گنگا جی

جب سوجا بڑی ہمت و شجاعت سے پٹھانوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ تو اِس کے سب سے بڑے بیٹے بھاگو (جو عالم شباب میں ہی راہی ملک عدم ہو گیا تھا) کا فرزند راؤ گنگا جی تخت پر بیٹھا سوجا کے پانچ بیٹے تھے۔ اوّل بھاگو جس کا لڑکا تخت نشین ہُوا۔ دویم اودیہ اس کے گیارہ بیٹے تھے۔ اسکا خاندان اوداوت کے نام سے مشہور ہُوا۔ اور علاوہ چند ایک مقامات میواڑ کے نیماج۔ جتیرن۔ گندوجی۔ براتیا اور رائے پور وغیرہ کی جاگیروں پر قبضہ رکھتے ہیں۔ سویم ساگا جس نے خاندان سلگاوت کی بنا ڈالی اور بمقام برود آباد ہے چہارم پراگ جس نے خاندان پراگوت کو قایم کیا پنجم برہم دیو جس کے پسر نارو کو لوگ اب تک دیوتاؤں کی طرح پوجتے ہیں اور اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ جب گنگا جی تخت نشین ہوا تب اور تو سب کے سب چپکے ہو کر بیٹھے رہے مگر اس کے چچا ساگا سے قناعت نہ ہو سکی۔ اِس نے دامنِ صبر کو چاک کر کے جھٹ گدی نشینی کا دعویٰ پیش کر دیا۔ اور دولت خاں لودہی کو جس نے انہیں ایام میں ناگور علاقہ کے راٹھور حاکم پر اچانک حملہ کر کے فریب و دغا سے اِسکو وہاں سے نکال دیا تھا۔ اور اُس جگہ آپ قابض ہو بیٹھا تھا مدعو کیا۔ اور اس سے امداد طلب کی جسپر دولت خاں نے گنگا جی کے نام ایک چٹھی لکھی اور بیان کیا کہ اگر گنگا جی اپنے چچا ساگا کو آدھا ملک دیدیوے۔ تو صلح ہو جائے گی۔ ورنہ معرکہ آرائی کیجائیگی۔ اور سلطنت زبردستی چھین لیجائیگی۔ گنگا جی نے اِس چٹھی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور بڑی لاپرواہی کے ساتھ پھاڑ کر پھینک دی کیونکہ اُسے اپنے بازو کی طاقت۔ دعوے کی صداقت اور لڑائی کی لیاقت پر بھروسہ تھا۔ وہ یقین کرتا تھا کہ جب اُسکی تلوار میان سے باہر آئے گی۔ تو بلاشبہ بڑے بڑے بہادروں کا خون بہائیگی۔ ہزاروں نوجوانوں کے چھکّے چھڑائے گی سینکڑوں دشمنوں کو نیچا دکھائیگی۔ اِسی طرح اُسے اپنی فوج کی قابلیت کا یقین تھا۔ اِس کی شجاعت ہمت بہادری و دلیری پر پورا پورا اعتقاد تھا ادھر اُس نے وہ درخواست نامنظور کی ادھر سپاہ کی تیاری کا حکم دیا۔ اور اُسکو ساتھ لے کر میدان جنگ میں اُتر گیا۔ یہاں دولت خاں لودہی اور ساگا پہلے سے ہی اُس کے منتظر پڑے تھے۔ خوب

شبیہ راؤ گنگا جی والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۲۴

گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ بڑی معرکہ آرائی ہوئی۔ دونوں سپاہیں بڑی بہادری سے لڑیں ایک دوسرے کے مقابلہ پر اڑیں۔ انجام کار گنگاجی کی فتح ہوئی رساگا لڑتے لڑتے مارا گیا۔ دولت خاں لودہی شکست فاش کھا کر اور اپنا سامنہ لے کر واپس ناگود ہوا۔

راؤ گنگاجی کی تخت نشینی کے بارہ برس بعد یعنی ۱۵۲۷ء میں جب کہ بابر ابراہیم لودہی کی سلطنت حاصل کر چکا تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں دہلی اور آگرہ فتح کر چکا تھا۔ جودہا کے خاندان کو ترکستان کے مغلوں سے مقابلہ کرنے کے لئے راجگان میواڑ کے ساتھ شامل ہونا پڑا۔ اس مہم کو تجویز دینے والا ہندوستان کا مشہور و معروف بہادر رانا سانگا تھا۔ بابر کی روزافزوں ترقی دیکھ کر رانا سانگا نے اپنے دل میں تمام مسلمان حملہ آوروں کو ہند سے تاخت و تاراج کر کے نکالنے اور ایک دفعہ پھر تمام ہندوستان میں ہندو سلطنت قایم کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا جسکو پورا کرنے کے لئے راجپوتوں اور دیگر ہندو سرداروں کا ایک بڑا بھاری جتھا جمع کیا۔ قریباً راجپوتانہ کے تمام راجوں نے رانا کی ماتحتی میں ملکی آزادی کے واسطے لڑنا مرنا قبول کیا راج مارواڑ نے بھی رانا کی تجویز کی تائید کی اور اُس کی بزرگی کا اعتراف کر کے اپنی فوج کو اُس کے زیر تحت مرنے کے لئے میدان جنگ کی طرف روانہ کیا۔ میدنی رائے والئے چندیری اور راجگان جے پور و جودھپور نے بھی رانا ندکور کا ساتھ دیا۔ جب بابر نے یہ حال دیکھا تو بڑا گھبرایا۔ نہایت تلملایا۔ اُس نے رفیقوں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ جنہوں نے اُسے پنجاب میں چلے جانے کی رائے دی۔ مگر بابر بھی ایک کار آزمودہ اور بہادر سپاہی تھا۔ اُس نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ میں اس طرح بھاگ جانا پسند نہیں کرتا۔ آخر جنگ کی تیاری ہونے لگی ادہر رانا اپنی سپاہ کو لئے ملکی آزادی کی دہن میں آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ ادہر اُس نے اپنی فوج کو لیکر آگے قدم بڑھایا۔ فتح پور سیکری کے قریب مقام بیانہ پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ بڑے معرکہ کی لڑائی ہوئی۔ شجاع راجپوتوں کی تلواروں نے مغلوں کے منہ پھرا دیئے۔ پٹھانوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اِس جنگ میں جو راجپوتوں نے ہندوستان کی آزادی کی خاطر کیا تھا راٹھوڑوں نے بڑی ہمت و شجاعت دکھلائی۔ راجپوتان چندیری بھی نہایت دلیری اور بہادری سے لڑے اور رانا سانگا نے اس جنگ میں وہ وہ ہاتھ دکھائے کہ مغل تنگ آگئے اُن کے قدم اُکھڑنے لگے۔ مگر ہندوؤں کی قسمت چونکہ پلٹا کھا چکی تھی، میدان بابر کے ہاتھ رہا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اگر بابر دغا نہ کرتا۔ تو راجپوتوں کی شمشیر بے نظیر اُسکو شکست فاش دیکر ہندوستان کو مسلمانوں کی

اطاعت سے بچالیتی۔ گنگا کا پوتا رائے مل مع رئیسانِ میرتیا کھر تو ور تنا نامی و دیگر نامی راجپوت اِس جنگ عظیم میں کام آئے۔ اور اِس جنگ کے ساتھ ہی ہندوؤں کی حکومت ہند سے معدوم ہوگئی اِس مشہور لڑائی کے چار برس بعد گنگا جی نے وفات پائی۔ اور اُس جگہ مالدیو مسند نشین ہوا۔

راؤ مالدیو

راجستھان کا یہ بہادر اور نامور حکمران ۱۵۳۲ء میں گدی نشین ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر مضافات دریائے گنگ کے زرخیز ممالک کی فتوحات میں مشغول تھا۔ مالدیو نے اس مناسب وقت میں اپنی فطرتی شجاعت کے جوہر خوب دکھائے۔ اور اپنی چمکتی ہوئی تلوار کے جوہر سے نامور خاندان کا نام روشن کیا۔

ملک مارو میں جس قدر ضلعے اور قلعے شاہی عہدہ داروں کے قبضہ میں چلے آتے تھے وہ اپنے تصرف میں لایا۔ اور ڈھوڈھار کو اپنی جرار فوج کا فرودگاہ قایم کیا۔ ضروری انتظام کے بعد اُس نے دل سے ارادہ کر لیا۔ کہ دوست دشمن کے مقابلہ میں وہ خود مختار اور خود سر فرمانروا ہو کر اپنی بہادرانہ زندگی بسر کریگا۔ چنانچہ ہر ایک مذہب کی مستند تاریخیں پرزور الفاظ میں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ مالدیو ہندوستان کا ایک بہادر اور زبردست راجہ ہو گذرا ہے۔ راجہ مالدیو نے مسند نشین ہوتے ہی دو زرخیز ملک ناگور و اجمیر جو ابتدا سے اِسی خاندان کے زیر نگیں چلے آتے تھے۔ اپنی فتوحات میں اضافہ کئے۔ جھالور سیوانو اور بھدراجوں کو خاندان سندھل سے اپنے قبضے میں لایا۔ گدی نشینی کے دو سال بعد بیکانیر پر قابض ہوا اور خاندان بیکانیر کو اُس سے بےدخل کر دیا۔ علاقہ تھود اور لونی جو ابتدا سے اِسی خاندان کے ماتحت تھے اور بعد کو سرکش ہو گئے تھے۔ اُنپر بھی کافی تسلط حاصل کیا۔ اِس کے سوا اور بھی بہت سے تعلقہ داروں اور زمینداروں کو اپنا فرمانبردار بنایا۔ اِس اہتمام سے فارغ ہو کر قوم بھٹی کے مقابلہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور بکیم پور پر قابض ہو کر اپنے خاندان کا کچھ حصہ وہاں آباد کیا جو اب ریاست جیسلمیر میں ملحق سمجھا جاتا ہے اور مالدوت کے نام سے مشہور ہے۔

شبیہہ راؤ مالدیو والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۲۶

میواڑ و ڈھوڈھاڑ میں بھی کچھ لوگ اپنے خاندان کے متعین کئے۔ اور چٹسو میں جو جے پور سے صرف بیس میل کے فاصلے پر جنوب کی جانب واقعہ ہے۔ فوج کا خاص اہتمام کیا گیا بہادر راجہ نے انہیں دنوں میں دیوراس کو مغلوب کرکے سروہی پر قبضہ کیا۔ مگر چونکہ اُس کی والدہ اسی خاندان سے تھی۔ مقام مفتوح کو پھر واپس کر دیا لیکن انجام بین عقل کی مدد سے اُس نے اکثر مقامات مستحکم اور پایدار قلعے اور محفوظ مکانات تعمیر کرائے۔ شہر جودھ پور کے چاروں طرف شہر پناہ طیار کی گئی اور اسی شہر میں ایک عالیشان قلعہ تعمیر ہُوا۔ جسے نامور راجہ مالکوٹ سے نامزد کرتا تھا۔ اس پایدار قلعے کی تعمیر میں دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ خرچ کیا گیا؛

ساتلمیر کی عمارتیں مسمار کی گئیں اور ان کے مصالحہ سے پوکھرن میں جو قوم بھٹی سے حاصل ہُوا تھا۔ عالیشان محل تعمیر کئے گئے۔ جب پوکھرن کی عمارات سے فراغت ہوئی۔ تو ساتلمیر کے باشندے اس میں آباد کئے گئے۔ اور راجستھان کے بڑے بڑے سوداگر اور دولت مند تاجر بسانے کی کوشش کی گئی؛

راجہ ہانی کی طرف سے بہادر راجہ نے کوہ بھیلو۔ سوانہ۔ گوندوپی۔ ریاہ پیپار۔ دھونا مشہور مقامات میں جابجا رفیع الشان مستحکم قلعے تیار کئے گئے۔ قلعہ سیوانہ کا نام کنڈل کوٹ رکھا گیا۔ بھلودی کی آبادی میں جسے پیشتر ہمیر انراوت نے تعمیر کیا تھا۔ ضروری اضافہ و ترمیم ہوئی اجمیر میں کوٹ برج بنایا گیا۔ جس میں ذکی الطبع راجہ نے ایک ایسی کل ایجاد کی تھی کہ پانی چکر کھاتا ہُوا خود ہی قلعہ کے اندر آپہنچتا تھا؛

ملک مارواڑ کی محاصل اِن دنوں قابلِ اطمینان تھی۔ اور سانبھر کی کافی آمدنی نے راجہ مالدیو کے فراخ حوصلہ دل کو اپنی اعلےٰ قابلیت کے قابلِ قدر نمونے پیش کرنیکا اچھا موقعہ دیا تھا؛

اِس وقت فرمانروائے جودھپور کے ماتحت حسب تفصیل ذیل علاقہ تھا؛

سوجت۔ سانبھر۔ میڑتہ۔ کھاٹو۔ بیدنور۔ لاڈنو۔ رائے پور۔ بھادراجون۔ ناگور۔ سوانہ لوہاگر۔ جیسل۔ گڈھ۔ بیکانیر۔ ہین محل۔ پوہ کرن۔ ہارمیر۔ کسولی۔ ایوتھہ۔ جاجاور۔ جالور باؤلی۔ ملار۔ دیورہ۔ فتح پور۔ امرت سر۔ کھادو۔ بیناپور۔ ٹونک۔ ٹودہ۔ نارول۔ پھلودی۔ سانچور۔ ڈیورانہ۔ چاٹسو۔ لوائن۔ ملارنہ۔ اجمیر۔ جہاز پور۔ پرمارکا۔ اودے پور۔ (واقعہ شیخاوٹی) جالور۔ اجمیر۔ ٹونک۔ ٹودہ۔ بدنور۔ ہر ایک کے علاقہ میں تین سو ساٹھ گاؤں تھے اور کوئی علاقہ ایسا نہ تھا جس میں کم سے کم اسّی گاؤں بھی نہ ہوں؛

چاٹسو۔ لوائن۔ تونک۔ تھودا۔ واقعہ ڈھوڈھار اور جہاز پور واقعہ میواڑ پر بہت تھوڑے عرصہ تک قبضہ رہا۔

مارواڑ کی جاگیریں کثرت اولاد کے ساتھ ہی ترقی کرتی گئیں اور تھوڑے عرصہ میں تمام ملک جاگیرداروں کے حصہ میں آگیا۔ آخرکار راجہ مالدیو نے جاگیرداروں کے مدارج مقرر کئے۔ اور رنمل و جودھ کی اولاد کے لئے کچھ جاگیریں ہمیشہ کے لئے محدود کر دیں۔

دس برس تک راجہ مالدیو اسی نظم و نسق میں مصروف رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شیرشاہ نے ہمایوں کو شکست دی تھی۔ اور وہ بھاگ کر راجپوتانہ میں آیا۔ لیکن راجہ مالدیو نے اُس کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ اور اپنی راجدھانی سے نکال دیا۔ یہ خبر شیرشاہ کو بھی پہنچی۔ ہمایوں کو شکست دیکر اُس کی طبیعت جوش میں تھی۔ اس نے خیال کیا کہ ہمایوں کو راجپوتانہ میں پناہ نہ ملنے کی دو صورتیں تھیں۔ یا تو راجہ میں پناہ دینے کی طاقت نہ تھی۔ یا ایک زبردست سردار کے ہوتے ہوئے اُس کی طاقت بیکار تھی۔ یہ خیال آتے ہی اسّی ہزار فوج لیکر مارواڑ پر آچڑھا۔ انجام میں راجہ کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا۔ اور شیرشاہ کے آنے میں کوئی مزاحمت نہ کی۔ مقابلہ کے لئے پچاس ہزار فوج تیار کی۔ اور ایسی قابلیت کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہُوا۔ کہ شیرشاہ جیسے رموزِ جنگ کے واقف کو بھی قدم قدم پر احتیاط کرنی پڑی۔ وہ ہمایوں کے دھوکے میں راجپوتوں کا مقابلہ بہت آسان سمجھتا تھا۔ لیکن اُنکی دلیریاں اور جان فروشیاں دیکھ کر اس کی عقل حیران رہگئی۔ اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے بہت نادم ہوا۔ عجب کشمکش میں تھا۔ اگر مقابلہ کرتا ہے تو جان خطرہ میں ہے۔ اور اگر جاتا ہے تو بھی نہیں نکل سکتا۔ ع

"نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن"

کامل ایک ماہ تک دونوں فوجیں بالمقابل مقیم رہیں۔ شاہی فوج کا حال روز بروز خراب ہوتا جاتا تھا۔ آخر شیرشاہ نے حکمتِ عملی سے کام نکالا۔ اپنی طرف سے ایک جعلی خط راجپوت سرداروں کے نام لکھوا کر مالدیو کے لشکر میں پھنکوا دیا۔ خط پکڑا گیا۔ اور مالدیو کو اپنے جان نثاروں کی طرف سے شک پیدا ہوگیا۔ یہی مقصد شیرشاہ کا تھا۔ عین حملہ کے وقت مالدیو نے اپنے سرداروں کو جنگ پر جانے کی ممانعت کردی۔ سرداروں نے بہتیرا سمجھایا۔ اور اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہا۔ مگر مالدیو کی تسلی نہ ہوئی۔ ناچار کئی ایک سردار جھوٹی تہمت سے برافروختہ ہوکر رفع اشتباہ کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہوگئے۔

بارہ ہزار راجپوتوں نے شیر شاہ کی کثیر التعداد فوج سے مقابلہ کیا۔ بہادروں نے بہادری کی داد دی اور چمکتی ہوئی تلواروں سے شجاعت کے جوہر چمکائے جی کھول کر لڑے اور جس طرح سیاہ بادلوں میں جس طرف سیاہ بجلی چمک جاتی ہے، تاریکی کا وہ حصّہ چمک اٹھتا ہے اسی طرح اِس فوج کے دریا میں جدہر ایک راجپوت بہادر پہنچ جاتا تھا خون کے دریا بہا دیتا تھا اگرچہ دلیر راجپوتوں نے اپنی شجاعت اور بہادری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن کمی تعداد نے تختہ جنگ میں پھولنے پھلنے نہ دیا۔ اگرچہ اُنہوں نے شیر شاہ کا بہت سا لشکر تباہ کر دیا لیکن آخر کار وہ خود بھی تباہ ہوگئے۔ وطن کی محبّت اور شجاعت کے جوش میں مٹ گئے۔ لیکن اِن کے مبارک نام تاریخ کے صفحوں پر زرّیں حرفوں سے لکھے گئے ہیں جو قیامت تک نہ مٹیں گے۔

اب راجہ مالدیو کو اِس خفیہ سازش کی حقیقت معلوم ہوئی۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔ سپاہی کا جس قدر خاندان قوم و وطن کی حفاظت کے لئے مجتمع ہوا تھا عنقریب قتل ہو چکا تھا۔ راجپوتوں کو اِس جنگ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن پھر بھی شیر شاہ راجپوتوں کی شجاعت کا دل ہی دل میں اعتراف کر کے بے اختیار ہو کر پکار اُٹھا۔ کہ خیر ہوگئی ورنہ ذرا سی طمع میں تمام ہندوستان کی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

شیر شاہ کے بعد بھی راجہ مالدیو چند دن تک زندہ رہا۔ اور وہ اُس وقت بھی موجود تھا۔ جبکہ ہمایوں کے سر پر سلطنت کا تاج دوبارہ رکھا گیا۔ اور شاید ہمایوں کی کاہلی اُسے بہت دنوں تک آرام سے زندگی بسر کرنے دیتی۔ لیکن اس نے وفات پائی۔ اور اُس کی جگہ نوجوان اکبر تخت نشین ہُوا۔

۱۵۶۱ء میں اکبر نے اپنی پولٹیکل مصلحت سے مارواڑ پر لشکر کشی کی۔ اور محاصرہ مالکوٹ کے بعد سخت مقابلہ ہُوا۔ اِس وقت بھی فتح اکبر کی ہوئی۔ اور اُس نے مالکوٹ اور ناگور پر تسلّط حاصل کر کے دونوں ضلع رائے سنگھ والئے بیکانیر کو دیدیئے۔ ۱۵۶۹ء میں راجہ مالدیو نے مصلحت وقت سمجھ کر اپنے بیٹے چندر سین کو اکبر کے پاس اجمیر[۱] روانہ کیا۔ لیکن اکبر راجہ مالدیو کے خود حاضر نہ ہونے سے بہت ناراض ہُوا۔ اور رائے سنگھ کی موجودہ جاگیر کو بحال رکھ کر مراتب میں اضافہ کیا۔ چندر سین جس کی رگوں میں راجپوتی خون تھا۔ اکبر کی اِس بے التفاتی سے اپنے وطن کی حفاظت اور اُس کی آزادی کے لئے آمادہ ہُوا۔

[۱] اجمیر ان دنوں سلطنت مغلیہ کے رقبہ میں آ چکا تھا۔

راجہ مالدیو کو ضعفِ پیری میں اپنے محاصر فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔ مالدیو کا بڑا بیٹا اودے سنگھ منصب یک ہزاری پر امرا میں شامل ہوگیا۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد اُسکو خطاب موٹا راجہ کا عطا ہوا۔ مگر چندر سین ہمیشہ خود سر ہی رہا۔ اور سترہ برس تک اودے سنگھ کے مقابلہ میں اپنی آزادی کا دعوے کرتا رہا۔ آخر کار تین بیٹے اوگرسین آسکرن۔ رائے سنگھ چھوڑ کر مر گیا۔ رائے سنگھ مع چوبیس سرداروں کے والئے سروہی کے مقابلہ میں قتل ہوا۔

راجہ مالدیو نے گو بزرگی بادشاہ اکبر کا اعتراف کیا۔ مگر وہ مخالفانِ مذہب کو اپنی لڑکی دینے کی بے عزتی سے محفوظ رہا۔ اگرچہ اس کے آخری دن پہلی عمر سے بہت مختلف تھے۔ مگر وہ اس دنیا سے جاتے وقت بالکل باعزت تھا۔ وہ درحقیقت ایک دلیر طاقتور راجپوت تھا۔ اگر کچھ دن اور جیتا رہتا تو کچھ عجب نہیں کہ وہ اپنے ملک کی آزادی پھر واپس لے لیتا مگر یہ اس کی قسمت میں نہ تھا۔ وہ ۱۵۶۹ء میں بارہ فرزند جنکے نام ذیل میں درج ہیں۔ چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوا۔

رام سنگھ۔ رائے مل[۲]۔ اودے سنگھ[۳]۔ چندر سین[۴]۔ عیش کرن[۵]۔ گوپال داس[۶]۔ پرتھی راج[۷]۔ رتن سے[۸]۔ بھی راج[۹]۔ بکرماجیت[۱۰]۔ بھان[۱۱]۔ بارہویں فرزند کا نام کسی تواریخ سے نہیں معلوم ہوتا۔

اودے سنگھ کی گدی نشینی کے بارہ میں مصنفوں کا اختلاف رائے ہے بعض لکھتے ہیں کہ وہ مالدیو کی وفات کے بعد ۱۵۶۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اور بعض لکھتے ہیں کہ وہ بعد وفات اپنے بھائی چندر سین کی گدی پر بیٹھا۔

اکبر کی اس پولیسی کا اثر کہ راجپوتوں کو باہمی شادی وبیاہ کے زنجیر میں جکڑ کر اپنا مددگار ومعاون بنایا جائے۔ سب سے پہلے اودے سنگھ پر پڑا۔ اور اُس نے اپنی ہمشیرہ جودھا بائی کی شادی بادشاہ سے کردی۔ اِس کے عوض میں اکبر نے بھی اِس کے ساتھ بڑا سلوک کیا۔ تمام علاقہ مارواڑ کا جو اکبر کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ عنقریب واپس کردیا۔ بلکہ اکثر اضلاع زرریز مالوہ کے بھی اُسکو دیدیئے جس سے مارواڑ کی آمدنی دوچند ہوگئی۔ اودے سنگھ نے بادشاہ کی مدد سے اپنے اکثر سرکش جاگیرداروں کی قوت کو زائل کیا۔ حتی کہ مشہور ہے کہ اُس نے از روئے بندوبست جدید کے چودہ سو گاؤں اپنے ملک کے شامل کئے۔ مگر یہ بدنامی کا داغ جو اُس کی پیشانی پر لکھا گیا۔ قیامت تک بھی دور ہونے والا نہ تھا۔

اُودے سنگھ نے تیرہ سال بعد اپنی گدی نشینی کے اور تینتیس سال بعد وفات مالدیو کے اس جہان سے کوچ کیا ؛

اس کی وفات کا حال اس طرح لکھا ہے کہ اگرچہ اس کی ۲۷ رانیاں تھیں۔ مگر ایک دن جبکہ دربار سے اپنے وطن کو واپس آرہا تھا۔ اس کی نظر ایک برہمن کی لڑکی پر پڑی۔ جو کہ جنگل میں فقیروں کی طرح اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔ برہمن نے جب دیکھا کہ راجہ زبردستی سے اُس کی دختر کو چھین لینے پر آمادہ ہے تو اُس نے اپنی دختر کو قتل کر کے اس کے گوشت میں اپنا گوشت ملاکر ہوم کیا۔ اور خود بھی راجہ کو بددعا دیکر ہوم کنڈ میں گر کر جل گیا ؛

جب یہ حال اودے سنگھ کو معلوم ہوا۔ تو وہ کانپ اُٹھا۔ اور اُس گناہ کا اثر اس کے دل پر ایسا ہُوا کہ وہ ہر وقت بے چین رہنے لگا۔ برہمن کی شکل ہردم اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی تھی۔ اور وہ سوتے سوتے چونک جایا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُسی اضطرابی اور بےچینی کے عالم میں طعمہ موت کا ہوگیا ؛

راجہ سُور سنگھ

۱۵۹۵ء میں سور سنگھ مسند نشین ہوا۔ یہ بہادر راجہ فن سپاہگری اور قوانین جنگ میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ اسکی تمام عمر خوفناک مہمات اور پُرخطر جنگوں میں بسر ہوئی۔ سورج بنسی خاندان کو اس کے کارناموں سے ہمیشہ فخر رہیگا۔ اور مغلیہ سلطنت اس کی شجاعت کے بہادرانہ احسانوں سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی ؛

فتح و نصرت اس کی آبدار تلوار کے جوہر پر روز ازل سے نثار ہوچکی تھی۔ اور کامیابی و کامرانی میدان جنگ میں مجسم ہوکر اُس کے قایم رہنے والے قدم چوم لیتی تھی۔ جسوقت اس بہادر راجہ کے والد کا انتقال ہوا۔ تو وہ پنجاب کے دار الخلافہ لاہور میں شاہی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور اپنی اعلےٰ خدمات کے صلے میں ہمیشہ شاہی انعام و اکرام میں ممتاز رہتا تھا نیز اپنے والد کے زمانہ حیات میں سوائی کا اعلےٰ خطاب شاہی دربار سے حاصل کرچکا تھا۔ باپ کے

مرنے کے بعد سورسنگھ باضابطہ راج مارواڑ کا مالک اور تاجدار قرار دیا گیا۔ اسی زمانہ میں اکبر نے اُسے سروہی کے سرکش راجہ سرتان سنگھ کے مقابلہ کا حکم دیا۔ سور راجہ نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ کیونکہ وہ خود دل سے چاہتا تھا۔ کہ ایک مرتبہ سروہی کو نیچا دکھا کر اپنی قدیمی عداوت کا عوض لے ایک تو شاہی حکم دوسرے سورسنگھ کی ذاتی کاوش دلی کوشش کے ساتھ وہ سرتان سنگھ کے مقابلہ کو آمادہ ہوا۔ اور اپنی بہادر فوج کے ساتھ سروہی کے مغرور راجہ کو فاش شکست دی۔ سرتان سنگھ کی جو ہمیشہ گراں بہا مخمل کے گدگدے بچھونوں پر استراحت کرتا تھا۔ وہ نوبت ہوئی۔ کہ ایک ٹوٹی چارپائی بھی میسر نہ آئی۔ اور مغلوب راجہ نے اپنی وفادار رانی کے ساتھ فرش زمین پر رہکر غم کی راتیں اور مصیبت کے دن بسر کئے۔ ساتھ ہی شجاع اور شیر دل راجہ سورسنگھ نے "دیورا" کو بھی مطیع کیا۔ جو اپنی شجاعت کے جوش میں بیخود ہو کر آفتابی شعاعوں کی نیچرل روشنی پر بگڑ بیٹھا تھا۔ اور تاک تاک کر آفتاب پر تیر چلاے تھے۔ کہ وہ اُس کے شجاعت بھرے جسم کو کیوں مس کرتا ہے۔ یہ دونوں راجہ شاہی اطاعت پر تیار ہوئے۔ اور انہوں نے دل وجان سے اقرار کیا۔ کہ جب ملک دکن پر لشکر کشی کیجائیگی تو ہم راجہ سورسنگھ کی ماتحتی میں شاہی ملازمت اختیار کرکے اپنی جانبازی اور سرفروشی کا سچا ثبوت دیں گے ؀

اس مہم سے فارغ ہو کر بہادر راجہ جو رزم کی صف بندی شبستان کی بزم آرائی سے بدرجہا افضل سمجھتا تھا اور جسے قدرت نے صرف جنگ کی خونریزیوں ہی کے لئے بنایا تھا پھر شاہی دربار میں آیا۔ اُس کے شاداب رخساروں کے شہابی رنگ میں باریک اور نازک جلد کے نیچے کامیابی کی سُرخی اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ بادشاہ نے بہت عزت افزائی کی۔ جنگجو بہادر ایک مہم سے فراغت پاکر دوسری مہم کے لئے تیار ہو گیا۔ اور مظفر شاہ کے مقابلہ کا بیڑا اُس نے نہایت خوشی سے اُٹھایا ؀

سرتان اور دیورا اور راجپوتوں کا ایک کثیر التعداد لشکر اُسکی ماتحتی میں تھا۔ نہایت بہادری اور جوانمردی کے ساتھ مظفر شاہ کا مقابلہ کیا گیا۔ جانبین سے بڑی بڑی خونریزیاں ہوئیں۔ سورسنگھ کی بیش قیمت تلوار نے اپنی اصالت کے آبدار جوہر دکھائے۔ اور اگر اس خونریز لڑائی میں بہت سے جانباز راجپوتوں کی قیمتی جانیں کام آئیں۔ لیکن فتح آخر سورسنگھ ہی کے ہاتھ رہی اور مظفر شاہ نے شکست فاش کھائی ؀

شبیہ راجا سورسنگھ والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۳۲

کامیاب راجہ نے سترہ شہروں کا مال غنیمت بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اور ایک کروڑ روپیہ لے کر خود جودہپور کی طرف مراجعت کی۔ دارالسلطنت میں بہت سی نئی عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ قلعے تیار کرائے اور مال غنیمت سے ایک ایک لاکھ روپیہ بھاٹوں کو عنایت کیا۔ گجرات فتح ہو جانے کے بعد سورسنگھ دکن کی مہم پر مقرر کیا گیا۔ اس وقت تیرہ ہزار سوار دس توپیں اور پچیس زنجیر فیل اُس کی ماتحتی میں تھے۔ سورسنگھ نے اس فوج سے تین بڑی بڑی لڑائیوں میں کامیابی حاصل کی اور اس کے صلے میں اکبر نے ایک نوبت خانہ اور ایک ملک عطا فرمایا۔

جب اکبر نے انتقال کیا اور شہزادہ سلیم (جہانگیر) اُس کی جگہ تخت نشین ہوا تو راجہ سورسنگھ مع اپنے راج کنور گج سنگھ کے شاہی دربار میں آیا۔ بادشاہ نے بہت اعزاز کیا۔ اور قیمتی تلوار خود اپنے ہاتھ سے عطا کی۔

اُسی موقعہ پر بادشاہ نے سورسنگھ کے بہادر بیٹے گج سنگھ کو جھالور پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا۔ بھاٹ بیان کرتا ہے کہ گج سنگھ نے اِس مہم پر بڑی شجاعت دکھلائی اور اپنے بزرگوں کے نام کو روشن کیا۔ علی الدین نے کئی سالوں میں جو کام پورا نہ کیا تھا۔ گج سنگھ نے صرف تین مہینے میں فتح کر دیا۔ وہ زینہ لگا کر سب سے پہلے فصیل قلعہ پر چڑھ گیا۔ اِس لڑائی میں اکثر نامی راٹھور کام آئے۔ لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔ سات ہزار پٹھان قتل ہوئے اور لوٹ کا اسباب بادشاہ کے پاس بھیجا گیا۔

سنہ ۱۶۱۳ء میں راجہ سورسنگھ نے رانا امر اپر لشکر کشی کے وقت بڑی امداد دی تھی۔ اِس حسن خدمت میں بھی سورسنگھ اور گج سنگھ دونوں کا منصب بڑھایا گیا۔ اپنی عمر کے آخری حصہ میں سورسنگھ نے جسکی تمام زندگی کشت وخون اور رزم گاہ کے میدانوں میں بسر ہوئی ایک بلند مینار بنوایا۔ اور اُسپر یہ قسم لکھدی کہ میری اولاد دریائے نربدا کو عبور نہ کرے۔ راجہ سورسنگھ نواح دکن میں تھا۔ کہ اُس نے ۱۶۲۰ء میں وفات پائی۔ یہ راجہ بہت شجاع اور دلیر تھا خاصکر قوانین جنگ میں اُس نے اعلےٰ مہارت حاصل کی تھی۔ سلطنت دہلی کی طرف سے اُسکو سولاں اضلاع شاہی کی سند عطا ہوئی تھی۔ اور سوائی کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا لیکن جب وہ اپنی بیش بہا خدمتوں کا اور تمام عمر کی جلاوطنی کا موازنہ کرتا تھا۔ تو یہ شاہی انعامات اُسے بالکل ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔

سورسنگھ نے اپنے دارالسلطنت جودھپور کو عالیشان مکانات سے بہت رونق بخشی۔
سورساگر نامی تالاب اُسی عالی ہمت راجہ کا بنایا ہُوا آج تک موجود ہے۔ راجہ سورسنگھ کی سات
بیٹیاں اور سات بیٹے حسب تفصیل ذیل پیدا ہوئے:
گج سنگھ۔ سبل سنگھ۔ بیرم۔ دیو۔ بجے سنگھ۔ پرتاب سنگھ اور جسونت سنگھ:

راجہ گج سنگھ

راجہ سورسنگھ نے دکن میں وفات پائی۔ یہ بڑا بہادر اور اولوالعزم حکمران تھا۔ اس نے راٹھوروں کے نام کو خوب روشن کیا۔ بادشاہ دہلی بھی اس کی بڑی قدرومنزلت کرتے تھے مگر مدت تک کشت وخون اور کثرت مہمات کے باعث ہمیشہ وطن سے بے وطن رہنے سے تنگ آ کر مرتے وقت اُس نے وصیت کی کہ ایک مینار بنوا کر اُس پر یہ قسم کندہ کیجائے۔ کہ میرے خاندان سے کبھی کوئی راجہ نربدہ کو عبور نہ کرے۔ سورسنگھ کا خیال بالکل درست تھا۔ ایام طفولیت سے ہی وہ اپنے باپ کے ساتھ مہمات میں مشغول رہتا تھا۔ اور اُس کے مرنے کے بعد بھی اُسے وطن میں آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہُوا۔ اور اخیر میں وہ پردیس میں ہی جان بحق ہوا۔ اگرچہ بادشاہ بھی اُس کی خدمات کی بڑی قدردانی کرتا تھا۔ سورسنگھ کو سولہ اضلاع شاہی کی سند عطا کرنے کے علاوہ سوائی کا خطاب بھی عطا ہُوا تھا۔ پھر بھی اپنے ملک سے ہمیشہ بے وطن رہنے کے صلہ میں یہ اجر کافی نہ تھا۔ سورسنگھ اور اس کے سردار اپنے ویران وطن کی راہڑی اور منڈور کی پھلیوں کو عنایت شاہی اور سلطنت کی نعمتوں سے بہتر سمجھتے تھے:

سورسنگھ کی وفات کے بعد گج سنگھ گدی نشین ہُوا۔ مگر افسوس کہ اپنے باپ کی طرح بوقت گدی نشینی بھی وہ جودھپور میں موجود نہ تھا۔ بلکہ برہان پور کے مقام پر اُسکو راج گدیکا ٹیکا کیا گیا۔ اور اِس ٹیکہ کو داراب خاں خلف خاں خاناں لیکر گیا۔ اور اُس نے بطور عنایت شاہی راجہ گج سنگھ کی کمر سے تلوار باندھی علاوہ ملک موروثی کے پانچ اضلاع گجرات کے اور جھالہ واقعہ ڈھونڈار اور مسعودہ واقعہ اجمیر جسکو وہ بوجہ قربت ملک سب سے بہتر سمجھتا تھا

شبیہہ راجا گج سنگھ والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۳۴

عطا ہوئے۔ ماسوائے اِس کے وہ دکن کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ بادشاہ گج سنگھ پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے۔ اور یہ عنایت صرف اِس لئے تھی۔ کہ بادشاہ کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ راجپوت کو قابو کرنیکے لئے سوائے مہربانی کے دوسرا ہتھیار ہرگز کام نہیں دیتا:

اِس وقت تمام شاہی سواروں کے گھوڑوں پر شاہی داغ لگایا جاتا تھا۔ مگر گج سنگھ کے سوار اس داغ سے بری تھے۔ گج سنگھ کا بڑا بیٹا امر سنگھ ہر ایک لڑائی میں باپ کے ساتھ موجود رہتا تھا۔ اور ہر ایک لڑائی میں بہت جوانمردی سے کام کرتا تھا۔ کرگی گڑھ۔ گولکنڈہ۔ کلنہ۔ برنالہ۔ گھینگڑھ۔ اسیر اور ستارہ کے محاربوں اور محاصروں میں راٹھوروں نے بہت بہادری اور جوانمردی ظاہر کی۔ اسی وجہ سے گج سنگھ کو خطاب دِل تھمنا کا عطا ہُوا۔ اکبر نے راجپوتوں سے رشتہ داری کرنے میں جو فایدہ سمجھا تھا۔ کثیر الازدواجی کے باعث مبدل بامضر ہو گیا۔ جہانگیر کا بڑا بیٹا اور ولیعہد پرویز جودھپور کا بھانجہ تھا۔ اور دوسرا بیٹا خورم امبر کا بھانجہ دونوں راجے اپنے اپنے رشتہ دار کو ہی تخت نشین کرنا چاہتے تھے:

خورم سمجھتا تھا۔ کہ بجز ایک اتفاقیہ امر یعنے پیشتر پیدا ہونے کے میں اپنے بھائی سے ہر طرح فایق ہوں اور درحقیقت وہ ہر طرح سے بہتر اور دلاور بھی تھا۔ اور ابتدا سے اُس کو بھیم سنگھ والئے میواڑ اور مہابت خاں کی مدد تھی۔ اِس وجہ سے اُس نے چاہا۔ کہ پرویز کو مار کر مستحق تخت نشینی ہو جائے۔ جب وہ دکن کی مہم پر گیا۔ تو اُس نے اپنے اِس ارادہ سے گج سنگھ کو آگاہ کر کے مدد کی درخواست کی۔ مگر بادشاہی عنایات کے لحاظ سے اور پرویز کی رشتہ داری کی وجہ سے گج سنگھ نے کچھ التفات نہ کیا۔ اِس کے بعد خورم نے گوبند داس مشیر گج سنگھ کی معرفت کام نکالنا چاہا۔ مگر مطلب برآری نہ ہوئی۔ جس پر ناراض ہو کر اُس نے کشن سنگھ کے ہاتھ سے گوبند داس کو قتل کروا دیا۔ اور اب تخت نشینی کے واسطے صرف بادشاہ کا مارنا باقی رہ گیا۔ جب یہ منصوبہ بھی پورا ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ تو بادشاہ نے راجپوتوں سے مدد کی درخواست کی۔ جس پر مارواڑ۔ امبر کوٹہ اور بوندی کے رئیس اپنی اپنی سپاہ لے کر اُس کی حمایت کے لئے روانہ ہُوئے۔ جب بنارس کے قریب طرفین کی فوجیں برسر مقابلہ ہوئیں۔ تو بادشاہ نے یا تو اِس وجہ سے کہ امبر کا راجہ زیادہ فوج لایا تھا۔ یا بلحاظ رشتہ داری اور اُس کے اور پرویز کے مرزا راجہ جے سنگھ والئے امبر کو فوج کا ہراول مقرر کیا۔ راٹھور جو اس خدمت کو ہمیشہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ ناراض ہو کر فوج سے علیحدہ ہو گئے۔ اور چاہا کہ صرف تماشہ دیکھتے رہیں اس

موقعہ پر غالب تھا۔ کہ ہندوستان کا بادشاہ خورم بنجاتا۔ مگر رانا بھیم نے راجہ گج سنگھ کو طعنہ آمیز پیام بھیجا۔ کہ یا تو ہمارے ساتھ شامل ہو۔ ورنہ برسر مقابلہ آو۔ راٹھور اس بات سے برافروختہ ہو کر بادشاہ کی کم توجہی کو بھول گئے۔ اور بالاتفاق ہاڈوں کے ایسے کٹ کٹ کر لڑے کہ بھیم مارا گیا۔ خرم بھاگ گیا۔ اور فساد فرو ہوا۔

گج سنگھ کی بہادری سے بادشاہ کی جان بچی۔ اور وہ اُس کی بہادری سے ایسا خوش ہُوا کہ اُس نے بوقت ملاقات صرف راجہ کا ہاتھ ہی نہیں پکڑا۔ بلکہ اس پر بوسہ بھی دیا۔

لکھا ہے کہ گج سنگھ ۱۶۳۱ء میں گجرات کی لڑائی میں مارا گیا۔ مگر اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے لڑنے گیا تھا۔ یا اپنے ملک کی جنوبی سرحد کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے۔

گج سنگھ کے تین فرزند تھے۔ امر سنگھ جسونت سنگھ اور اچل سنگھ جن میں سے موخر الذکر اوائل عمر میں ہی فوت ہو گیا تھا۔

امر سنگھ بڑا بہادر اور شجاع تھا۔ اور جن لڑائیوں میں باپ کے ساتھ گیا سب سے آگے ہو کر لڑتا تھا۔ اور اس کے ہمراہی بھی اُس سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ مگر وہ از حد بد مزاج تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ باپ نے ناراض ہو کر جلا وطن کر دیا۔ اور بجائے اُس کے چھوٹا لڑکا گدی پر بیٹھا۔

راجہ گج سنگھ کے بہادر کنور امر سنگھ کا نام مارواڑ کے اُن بہادر دلوں کی فہرست میں شامل ہے۔ جنکی بہادری اور شجاعت کے کارنامے راجپوتوں کے لئے مایۂ افتخار سمجھے جاتے ہیں وہ نگاہیں جو ہمیشہ شوق کے ساتھ تاریخ کے صفحوں پر جمی رہتی ہیں۔ اور وہ کان جو شجاعت کے پرجوش افسانے اشتیاق کے عالم میں سنتے ہیں۔ اس نام سے ناآشنا نہ ہونگے۔ یہ وہی بہادر ہے جسکی سرفروشی اور جانبازی کا تماشہ آج تک آگرہ کے در و دیوار حسرت کے ساتھ یاد کر رہے ہیں اگر بے زبان چیزوں کی گفتگو انسان کے کان تک پہنچتی اور وہ سمجھتا تو اکبر آباد کے کشیدہ قامت سربہ فلک ستون درد بھری آواز میں غم کے نوحے ضرور سناتے۔

بچپن ہی سے گج سنگھ کی جوانمردی کا عالمگیر شہرہ چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ راجدھانی کی امیدیں اس کے دم قدم سے وابستہ تھیں۔

یہ وہی سرفروش منچلا جانباز بہادر تھا۔ جس نے اپنے دلیر والد کے ساتھ مہمات دکن کی

خونریزیوں میں سب سے پہلے قدم بڑھایا - اور شجاعت کے دفتر میں اُسکا نام سب سے پہلے لکھا گیا۔ قطع نظر اِس کے کہ امر سنگھ راجدھانی کا ولیعہد تھا۔ اور ایک دن اُس کا مالک ہونیوالا تھا۔ اور راجپوتوں کا ایک کثیر التعداد معزز گروہ اُس کے تخت کے آگے سر جھکانے کو فخر سمجھتا تھا اُس کی ظاہری صورت میں وہ دلفریبی اور باطنی سیرت میں وہ دلکشی تھی۔ کہ جسے دیکھو وہ جان و دل نثار کرنے کو آمادہ تھا۔ تھوڑی سی عمر میں بہادر امر سنگھ کی بے انتہا خوبیاں جوانمردیاں بہادریاں اور جان نثاریاں دیکھ کر صدہا شجاعت پسند جوانمرد نوجوان اُس کے غلام اور بندہ بے دام بن گئے۔ اُنکا دعوے تھا۔ کہ اپنے جری اور بہادر سردار پر اپنا سر نثار کرنے کو ہر وقت تیار ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنی بات کے پکے اور اپنے وعدے کے سچے تھے ان جانبازوں اور جان نثاروں کی تعداد روز بروز ترقی کرتی گئی جس کا ناگوار نتیجہ یہ پیدا ہوا۔ کہ بعض جنگجو نوجوان جنہیں اپنی شجاعت پر ناز اور بہادری پر فخر اور راج کنور کی ملازمت کا خیال تھا وہ شہر میں جا بجا جا کر بے دھڑک طرح طرح کے فساد پیدا کرتے تھے۔ جس سے عام امن و آسائش میں خلل اندازی ہوتی تھی۔ اُن کی دلیری جرأت اور خاصکر راج کنور کی وجہ سے کوئی حرف شکایت زبان تک نہ لا سکتا تھا۔ مگر تا بکے راج کنور کے آزاد خیال پابند شجاعت جانبازوں کی جرأت روز بروز افزوں ہوتی رہی اور آخر کار رعایا نے یک زبان ہو کر نالہ و فریاد کی صدا بلند کی۔ پھر تو روزانہ درخواستیں انصاف پسند راجہ کے دربار میں گذرنے لگیں۔ اور اُس نے تنگ ہو کر رعایا کی شکایت آمیز عرایض کا جواب باحسن وجوہ دینے کے لئے راج کے اُس مسلم وقت قانون کی طرف توجہ کی جسکا منشا یہ تھا۔ کہ رعایا یا راج کی ناراضامندی یا ذاتی ناقابلیت سے ہر ایک راجکنور محروم الارث ہو کر جلاوطن کیا جاتا ہے۔ راجہ امر سنگھ کا جلاوطن کیا جانا کوئی معمولی بات نہیں یہ دلدوز واقعہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیگا اور راجپوتی عہد حکومت کی انصاف پسندیوں کی ایک اعلے نظیر ہے۔

رعایا کی عرضیاں روزانہ گذرتی تھیں اور امر سنگھ کے مصاحبوں کے مظالم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ راجہ گج سنگھ جو ایک حق پسند اور منصف مزاج راجہ تھا۔ آخر کار امر سنگھ کو جلاوطن کرنے کے لئے آمادہ ہوا۔ اگرچہ اولاد کی نیچرل محبت والدین کے رگ و پے میں پیدا کی گئی ہے۔ اور گج سنگھ بھی اِس قانونِ قدرت سے مستثنے نہ تھا۔ لیکن اُس نے اپنی حق پسندی اور رعایا کی خوشنودی کے مقابلہ میں اِس کی کچھ پرواہ نہ کی۔

۱۶۳۳ء میں ایک عام دربار منعقد کیا۔ جس میں راجدھانی کے معزز اراکین اور عمائدین شریک تھے۔ اور اس عام اجلاس میں اس فتوے کا اعلان کیا گیا۔ کہ امرسنگھ محروم الارث کیا گیا ہے۔ اور اب اسے راج مارواڑ کے رقبے کو چھوڑ کر جلاوطن ہونا چاہیئے؛

امرسنگھ بھی دربار میں موجود تھا۔ اپنی جلاوطنی کا حکم سنکر اسے کچھ بھی ملال نہ ہوا۔ اور اس نے خوشی خوشی یہ اعلان سُنا اور باپ کے فرمان پر اطاعت کے لیئے سر جُھکا دیا۔ اُسی وقت سیاہ پوشاک امرسنگھ کو پہنادی گئی۔ سیاہ رنگ ہتھیار زیب تن کیئے گئے۔ اور امرسنگھ کسیقدر حسرت مگر اطمینان کے ساتھ دربار سے رخصت ہُوا؛

جب وہ باہر نکلا۔ تو ایک مشکی صبار فتار گھوڑا پہلے سے موجود تھا امرسنگھ سوار ہو کر اپنے وطن مالوف کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنے کو تھا، کہ اُس کے جان نثار جو اس کی مصاحبت میں عیش کرتے تھے۔ اور انہیں کی بدولت امرسنگھ کو آج یہ روز دیکھنا نصیب ہُوا تھا۔ دلی جوش سے بے اختیار ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ سب نے یک زبان ہو کر اپنے سردار سے تعظیمی الفاظ میں کہا کہ جب ہم عیش و عشرت کے وقت آپ کے ساتھ تھے تو یہ انتہائی نمک حرامی ہے کہ رنج و مصیبت میں جدا ہو جائیں۔ لیکن امرسنگھ نے اپنی جانبازوں کا شکریہ ادا کرکے انہیں اس ارادے سے باز رکھنا چاہا؛

سچی محبت کا جوش کسی کے روکنے سے نہ رک سکا۔ اور بہت سے نوجوان اسی طرح سیاہ پوشاکیں پہنکر مشکی گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور اپنے بہادر سردار امرسنگھ کے قدم بقدم چل دیئے یہ صبح راجدھانی کے لئے شام غم سے کم نہ تھی۔ اگرچہ ایک قانون کی پابندی میں تامل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ امر نہ صرف راجہ کی مرضی بلکہ خاص رعایا کی خوشنودی سے ہُوا تھا لیکن کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے آج ان ماتمی پوش نوجوانوں کے غم میں دلی ماتم نہ کیا ہو۔ امرسنگھ نے اپنے وطن کو جسمیں اُس نے نشو و نما پایا۔ اور جس کے ساتھ اُس کے بڑے ارمان کی تمام اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اور جسکا وہ عنقریب مالک ہُوا چاہتا تھا۔ نہایت حسرت کے ساتھ دیکھا۔ مگر اس کے جری دل نے اس غم کی کہ وہ اپنے عزیزوں دوستوں بھائیوں اور والدین سے ہمیشہ کے لیئے جدا ہونے والا تھا کچھ پرواہ نہ کی۔ اور اُس نے ایک غلط انداز نگاہ ڈالکر راجدھانی کے سب سے آخری آثار کو مدت العمر کے لیئے خیرباد کہا؛

جب وہ راج مارواڑ کے رقبہ سے نکلا۔ تو اُس نے آگرہ کا رُخ کیا۔ کیونکہ کامیابی کی

اسلامی تخت سے وابستہ نظر آتی تھیں۔ بمنزل بمنزل سفر کرتے ہوئے یہ نوجوان آگرہ میں داخل
ئے۔ جس کے ساتھ ہی شہر کی گلی کوچے میں ایک دھوم مچ گئی۔ وہ دلفریب حسن و جمال وہ
اعت کی شان اور بہادری کی آن بان ہر ایک کے دل پر قبضہ کئے لیتی تھی۔ جب یہ خوبرو
وان آگرے کے وسیع شاہراہوں سے گذر رہے تھے۔ شاہجہان بھی اپنے کوشک سلطانی میں
ٹھا ہوا دلکش مناظر کی سیر میں مصروف تھا۔ ان بہادروں کو دیکھ کر بہت پسند کیا۔ اسی وقت
یقت حال دریافت کر کے حکم بھیجا کہ اگر تمہیں شاہی ملازمت منظور ہو تو سلطنت کی طرف
ہر طرح کا اعزاز کیا جائیگا۔ امر سنگھ کا بھی یہی مقصد تھا۔

چنانچہ اُسکو سہ ہزاری منصب اور ناگور کی گورنری عطا کی گئی۔ اور عالیشان محل سلطنت
طرف سے بود و باش کے لیئے مرحمت ہوا۔

کرنے کو تو امر سنگھ نے شاہی ملازمت کر لی۔ لیکن درباری فرائض کا ادا کرنا اس جیسے
زادمنش بہادر کا کام نہ تھا۔ امر سنگھ فطرتی طور پر شجاع اور سیر و شکار کا دلدادہ واقع ہوا تھا اور
س کی اوقات زیادہ تر انہیں مشاغل میں بسر ہوتی تھی۔ بھلا وہ کب اس کا روادار تھا کہ صبح
شام دربار کی باضابطہ حاضری دیا کرے۔ اور شاہی رعب و داب کا پابند ہو کر اپنی نیچرل آزادی
خاک میں ملا دے۔ چند دن تک تو وہ طبیعت پر جبر کرتا رہا۔ کہ شاید اسی طرح عادت پڑ جاوے
لیکن فطرت کا عادت کیونکر مقابلہ کر سکتی ہے۔ درباری ضوابط کی پابندیاں اسے ناگوار معلوم
ہونے لگیں۔ آخر ایک دن اکتا کر بے اجازت شکار کو چلا گیا۔ مسلمان بھلا اختلاف مذہب کی
وجہ سے کب روادار تھے۔ کہ اسلامی سلطنت میں امر سنگھ کو عروج حاصل ہو موقعہ پاکر بادشاہ
کے کان خوب بھرے۔ جب امر سنگھ کئی دن کے بعد شکار سے واپس ہو کر دربار میں حاضر ہوا
شاہجہان نے بے اجازت غیر حاضری پر اظہار ناخوشی کر کے حکم دیا کہ تمہیں اس بے ضابطگی
کی پاداش میں جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ پہلے تو امر سنگھ اپنی خودرائی سے کسی قدر نادم ہوا۔ لیکن
ندامت کے جذبات اُس کے دل سے ایک آن میں نکل گئے۔ راجپوتی خون اُس کی رگوں
میں گردش کرنے لگا۔ آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ اور نگاہوں سے سرخ بجلیاں تڑپ تڑپ کر نکلنے
لگیں۔ چہرے کا کھلتا ہوا رنگ شعلہ آتش کی طرح بھڑک اُٹھا۔ دلی جوش سے تمام جسم کانپ اُٹھا
اور اُس کے ساتھ ہی آبدار تلوار جس کا مرصع قبضہ بہادر کی کمر سے آویزاں تھا جنبش کرنے لگی
اور اُس نے تیور بدل کر کہا۔ آزاد راجپوت کسی کا پابند نہیں۔ میرا جرمانہ میری چمکتی ہوئی تلوار

ادا کر بلکی۔ بادشاہ کو یہ سخت جواب اور بھی زیادہ ناگوار گذرا لیکن کچھ سوچ سمجھ کر خاموش ہو رہا
جب تقسیم تنخواہ کا وقت آیا۔ تو بخشی صلابت خاں شاہی حکم سے جرمانہ وصول کرنے کے لئے
امرسنگھ کے پاس گئے۔ لیکن امرسنگھ نے بالکل انکار کیا اور کہا کہ میں ایک حبہ بھی نہ دوں گا
آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ امرسنگھ نے غصہ میں آکر صلابت خاں کو اپنے مکان سے نکل
دیا۔ صلابت خاں چونکہ اس وقت شاہی حکم سے حاضر ہوا تھا۔ غصہ اور رنج میں بھرا ہوا
شاہجہان کے پاس پہنچا۔ دربار ہونے میں ابھی تھوڑی سی دیر باقی تھی۔ بادشاہ امرسنگھ کی
گستاخی اور بے باکی کو اپنی طرف منسوب کر کے بہت رنجیدہ ہوا۔ اور غیظ و غضب میں اس کی
پیشانی پر بل پڑگئے۔ چہرہ تمتما اُٹھا۔ اور اُس نے حکم دیا۔ کہ اسی وقت امرسنگھ حاضر کیا جائے۔
اِس حکم کے پہنچتے ہی امرسنگھ بے دھڑک دربار میں حاضر ہوگیا بادشاہ کے تیور بدلے ہوئے تھے
مگر وہ بخوف و خطر اپنی مقررجگہ سے بڑھتا ہوا شاہی تخت کے روبرو پہنچا۔ گویا وہ بادشاہ سے کچھ
کہنا چاہتا ہے۔ صلابت خاں بھی شاہی تخت کے قریب حاضر تھا۔ بہادر امرسنگھ کی آستین میں
ایک تیز خنجر پوشیدہ تھا۔ اُس نے نہایت صفائی اور تیزی کے ساتھ صلابت خاں کے سینے
میں بھونک دیا۔ اور آبدار تلوار کھینچکر بادشاہ پر وار کیا۔ لیکن اوچھا وار تخت پر پڑا۔ اور تلوار
اپنے زور میں آکر پُرزے پُرزے ہوگئی۔ بادشاہ پر یہ ہنگامہ قیامت دیکھکر وہ ہیبت طاری
ہوئی کہ تخت چھوڑ کر چلدیا۔ درباریوں میں ایک قیامت کا شور مچا ہوا تھا کسی کی اتنی جرأت
نہ تھی کہ شیر دل راجپوت کی تلوار سے درباریوں کو بچائے۔ آخر پانچ افسر امرسنگھ کی خنجر براں کے
نذر ہوئے۔ ممکن تھا کہ بہت سی جانیں بہادر راجپوت کے غیظ و غضب کا شکار ہو جائیں۔
لیکن اُس کا خوشامدی سالا درمیان میں آیا۔ اور جھوٹی چاپلوسی اور فریب سے اُسکا ہاتھ روک
لیا۔ پیچھے سے آکر درباری سپاہیوں نے غفلت میں اِس بہادر کا خاتمہ کر دیا اگرچہ بہادر راجپوت
دم توڑ رہا تھا۔ مگر اُس کا تیز خنجر برابر جنبش میں تھا۔

جس وقت یہ دردناک خبر امرسنگھ کے جان نثاروں کو پہنچی۔ اُنہوں نے یکدل اور یک زبان
ہو کر کہا۔ جب ہم عیش و راحت اور رنج و مصیبت میں اپنے سردار کے شریک حال رہے تو موت
میں بھی اُس کی شرکت ضرور کرینگے۔ یہ کہکر وہ اسلحہ اور زعفرانی پوشاک سے آراستہ ہوئے۔
اور چمپاوت و کمپاوت نامی دو سرداروں کی ماتحتی میں اپنے دشمنوں کو دو طرفہ قتل کرتے ہوئے
دربار میں پہنچے سینکڑوں کو مٹا کر امرسنگھ کے پیارے نام پر خود بھی مٹ گئے اور کثیف جسموں

یا میں چھوڑ کر امر سنگھ کی روح کے جلو میں ہمیشہ کے لئے بہشت میں چلے گئے؛

یہ جانگداز واقعہ اکبر آباد کے لئے نہایت عبرت خیز نظارہ تھا۔ اِسدن خاص وعام میں
ھ عجب بے امنی پھیل گئی تھی۔ راجہ امر سنگھ کی رانی نے جب یہ جانفرسا داستان سُنی تو وہ سر
مین بوندی کی بہادر ملکہ مردوں سے بڑھ کر جرأت کیساتھ اٹھی۔ ہتھیار اپنے نازک بدن پر لگا کر
یدھی دربار میں پہنچی۔ اور نہایت بہادری کیساتھ اپنے پیارے شوہر اور دل وجان کے مالک
ی لاش اُٹھالے گئی۔ شاہی عہدہ دار اور درباری عورت کی یہ جرأت اور بہادری دیکھکر حیران
رہ گئے۔ اور وہ محبت کی دیوی بڑی کشادہ پیشانی سے اپنے پیارے شوہر کی لاش کے ساتھ
چتا میں بیٹھکر ستی ہوگئی؛

یہ دروازہ جس راہ سے امر سنگھ کی شجاع رانی لاش لیکر گئی تھی۔ بند کردیا گیا۔ اور اُسکا نام
بجائے بخاری دروازہ کے امر سنگھ دروازہ مشہور ہوگیا۔ یہ دروازہ صدہا سال تک بند رہا۔ اور
۱۸۰۹ء میں جب کپتان جارج سٹیل صاحب انجنیر نے اُسکو کھولنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص
نے اُنکو اطلاع دی کہ دروازہ کھولنے سے ضرور خوف کا سامنا ہے۔ کیونکہ دروازہ بند کرتے وقت
یہ بددعا دی گئی تھی۔ کہ اب آئندہ اِسکا محافظ ایک اژدہا ہوگا۔ تعجب کی بات ہے کہ جب دروازہ
قریب مسمار ہونے کے تھا۔ تو ایک بڑا سا سیاہ سانپ نکلکر انجنیر مذکور کے دونوں پاؤنکے درمیان
سے گذرا۔ اِسطرح پر اس شخص کی پیشینگوئی تو پوری ہوگئی۔ مگر انجنیر صاحب کو کچھ نقصان نہ پہنچا؛

راجہ جسونت سنگھ

چرخ نیلوفری کے گردش نے کیسے کیسے نوجوان خاک میں ملا دیئے۔ کیسے کیسے شیر دل بہادر
پردہ دنیا سے غائب ہوگئے۔ لیکن اُنکے نام کسی طرح نہیں مٹ سکتے۔ جسونت سنگھ سا بہادر جسکی
اولوالعزمی ہمت بہادری اور جرأت کے کارنامے راجپوتوں کے لئے مایہ فخر و ناز ہیں۔ اگرچہ
اُس کے جمال سے ہماری آنکھوں کو فرحت حاصل نہیں۔ لیکن ہماری زبان پر ضرور اس کا
نام بار بار آجاتا ہے۔ اور ہمارا دل اُسکی ہیبت وسطوت کا گنجینہ ہے یہ وہ شیر میدان ہے
جس کی جانبازیوں اور سرفروشیوں کو یاد کرکے آج تک بہادر سپاہی قبروں میں پڑے کانپ
رہے ہیں یہ وہی اولوالعزم راجہ ہے۔ جسکی فولادی پنجہ کی زور آوری نہ صرف راجستھان کی سرزمین پر

قابض تھی۔ بلکہ ہندوستان اور راس کماری سے لیکر ننگا پربت تک اُس کے نام سے تھرّا اُٹھتا
تھا۔ یہ وہی میدان رزم کا جنگجو بہادر ہے۔ جس کے مقابلہ کی تاب بادشاہِ وقت کو بھی نہ تھی
اور آخر کار اس نے طرح طرح کی حیلہ سازی اور فریب ومکاری سے اُسے جامِ ہلاکت پلایا۔ اگر
دہوکا نہ کیا جاتا تو جسونت ایک ہی شخص تھا۔ جو ہندوستانی سلطنت کا گورکھ دھندا الٹ پلٹ
کر رکھدیتا یہ اولوالعزم راجہ شہزادی مارواڑ کے بطن سے پیدا ہُوا۔ یہ بچپن ہی سے نہایت شجاع
اور دلیر تھا۔ فطرتی بہادری کیساتھ ہی راجہ علم دوست بھی تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں مارواڑ جیسے
تاریک ملک میں علم کی روشنی پھیلی۔ اہل علم وکمال کو فروغ حاصل ہُوا اور مختلف علوم کی کتابیں
تصنیف کی گئیں اور شاید سرزمین مارواڑ کے لئے یہ فخر کچھ کم نہ تھا کہ اُس کا تاجدار دلیری اور
بہادری کیساتھ ہی علم وفضل سے بھی آراستہ تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں آبدار تلوار تھی تو دوسرے
ہاتھ میں قلم تھا۔ اُس کے تاج میں دو قیمتی جوہر تھے ایک سے شجاعت کی بجلیاں گرا کرتی تھیں اور
دوسری سے علم کا نور چمک چمک کر جہالت کی تاریکی دور کرتا تھا۔

جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ وہ وقت تھا۔ کہ جب شاہجہان مجبوراً کاروبار سلطنت
اپنے فرزندوں کے سپرد کر کے محلسرا کی عیش وعشرت کے لئے وقف ہو چکا تھا۔ جسونت سنگھ ابتدائے
نوجوانی سے ہی شاہی عہدہ داروں میں داخل تھا۔ اور نہایت وفاداری کیساتھ اپنی خدمات
انجام دیتا تھا۔ پہلی مہم جس میں جسونت سنگھ کی بہادری اور شجاعت کا ڈنکہ دور دور تک
دینے لگا مہم گوندوانہ تھی۔

راجہ جسونت سنگھ جنگ گوندوانہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اور اُس کی ماتحتی میں بائیس مقتدر
رجواڑے تھے۔ جسونت سنگھ نے اس مہم میں اعلےٰ درجے کی کامیابی حاصل کی اور اُسکی بدولت
شاہی دربار میں اس کا کافی رسوخ پیدا ہو گیا۔ جب ۱۶۵۷ء میں شاہجہان بہت بیمار ہوا۔ اور
اُس نے دارا شکوہ کو اپنی جگہ تخت نشین کیا۔ تو جسونت سنگھ نیابت کے کام پر ممتاز تھا اور اس
نے اس کے منصب میں ترقی دیکر پنجہزاری قرار دیا۔ اور صوبہ مالوہ کی صوبہ داری عطا فرمائی۔
چند دن اس حالت میں گذرے تھے کہ کاروبار سلطنت میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا۔
شاہجہان کے چار بیٹے تھے۔ جن میں تین سلطنت کی آرزو میں سرفروشیوں کو تیار تھے۔
دارالشکوہ تخت نشین تھا۔ اور اورنگ زیب حیدر آباد کی فرمانروائی کرتا تھا اور شجاع
بنگالہ کا گورنر تھا۔ جب شہزادہ شجاع نے بنگالہ سے لشکر کشی کی اور راجہ جے سنگھ اُس کے

شبیہہ راجہ جسونت سنگھ والئے جودہپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۲۴۲

کے لیئے آمادہ کیا گیا تو راجہ جسونت سنگھ کو حکم ہُوا۔ کہ اورنگ زیب کی درپردہ کارروائیوں کا کافی خیال کرکے اُسے شکست دے ؂

اورنگ زیب کے مقابلہ کے لیئے جو کثیر التعداد فوج مقرر کی گئی اُس کا سپاہ سالار یہ راٹھور کا تاجدار ہی بنایا گیا۔ مسلمانوں اور راجپوتوں کی کثیر التعداد فوج اپنے اولوالعزم سردار کی بینظیر بہادری پر فخر و ناز کرتی ہوئی نہایت شان و شوکت کیساتھ آگرہ سے دریائے نربدا کی جانب روانہ ہوئی۔ اور میدان سفر منزل بمنزل طے کرتی ہوئی ایک مقام پر فروکش ہوئی۔ جو اوجین سے پندرہ میل اِس طرف واقعہ ہے یہاں پہنچکر راجہ جسونت سنگھ کو معلوم ہُوا۔ کہ حریف کی فوج قریب ہے۔ اِس لیئے وہ نشہ شجاعت کا مخمور بے چینی کے ساتھ مقابل کی آمد کا انتظار کرنے لگا ؂

ڈاکٹر برنیر نے اِس خوفناک جنگ کو بچشم خود دیکھا ہے۔ اور اُس کا مفصل حال اپنے سفرنامے میں تحریر کیا ہے۔ اُس کا ضروری خلاصہ ہم بھی یہاں درج کرتے ہیں ؛

اِس میں کچھ شک نہیں کہ راجہ جسونت سنگھ بہت جلد عالمگیر اور فتنہ انگیز خیالات کو خاک میں ملا دیتا۔ لیکن اُس کی بے نظیر شجاعت اور بہادرانہ لاپرواہی نے کسیقدر نقصان پہنچایا اُس نے اپنی بہادر فوج اور اعلےٰ ہمت کے مقابلہ میں حریف کا مقابلہ بالکل ہیچ سمجھا اور میدان کارزار میں جب کہ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ شہزادہ مراد کو موقعہ دیا کہ اورنگ زیب سے جس طرح چاہے مشورہ کرے۔ اورنگ زیب ایک چلتا ہوا بلا فریب انسان تھا اُس نے اپنی حکمتوں سے بہت جلد شہزادہ مراد کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ جسکا ناگوار نتیجہ راجہ جسونت سنگھ کو اُس وقت دیکھنا پڑا۔ جبکہ دونوں صف آرا لشکروں میں جنگ شروع ہوئی۔ شہزادہ مراد نے اورنگ زیب سے ملجانے سے جسقدر مسلمان فوج تھی۔ اُس نے بہادر راجہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اورنگ زیب کا ساتھ اختیار کر لیا ؂

راجہ جسونت سنگھ کو اِس فریب کا بہت افسوس ہُوا۔ کیونکہ اب اُس کے پاس صرف تئیس ہزار فوج باقی رہگئی تھی حریف کی طرف بے شمار کثیر التعداد لشکر تھا۔ اور کوسوں تک انسانوں کا ایک دریا بہتا ہوا نظر آتا تھا۔ مگر دلاور کو اس کمی تعداد کی پرواہ ہی کیا تھی بلا خوف اپنی سپاہ کو لے کر آگے بڑھا اور حملہ کر دیا ؂

بہادر راجہ محبوب نامی اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار تھا۔ اُسکے چمکتے ہوئے ہتھیاروں سے

نگاہ میں چکا چوند پیدا ہوتی تھی۔ شجاعت اُسکی پیشانی سے نور بنکر اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ ہاتھ بار بار تلوار کے قبضے پر جاتا تھا۔ اور شجاعت کی پری غلاف کے پردہ میں نہایت بے قرار تھی کہ کسی طرح میں جلد دشمنوں کے دریائے خون سے اپنی پیاس بجھاؤں ؟

جسونت سنگھ کی فوج نہایت شائستہ۔ باقاعدہ اور قوانین جنگ سے بخوبی واقف تھی اور اس میں ذرا بھی اشتباہ نہیں کہ انکی شجاعت اور بہادری فطرت کی طرف سے ملی تھی ؟

ایک ہی دن میں دس ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ اور اسلامی لشکر میں ہل چل مچ گئی اگرچہ راجپوتوں نے مسلمانوں کی تباہی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ لیکن خود بھی پریشان ہو گئے۔ چنانچہ سترہ سو راجپوتوں کی قیمتی جانیں شاہی حکم پر فدا ہو گئیں۔ بہادر راجہ مخالفوں سے نہایت جرات کیساتھ لڑ رہا تھا۔ اور اُس کی شمشیر بُرّان راجپوتی سطوت وشان کو روشن کر رہی تھی کہ وہ شیر درندہ دشمنوں کی فوج کو چیرتا ہوا اورنگ زیب اور مراد کے قریب پہنچ گیا۔ جو لشکر کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن اُن کی زندگی کا پیمانہ ابھی لبریز نہیں ہوا تھا۔ نہایت پھرتی کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ گئے ؟

بہادر راجپوتوں اور مسلمانوں میں جنگ برابر ہو رہی تھی۔ اور جوانمردوں کی چمکتی ہوئی تلواریں ابھی تک میانوں سے باہر تھیں انسانی خون کا دریا تمام جنگل میں بہہ رہا تھا اور سرفروشوں کے سر حباب کی مانند اس خون رواں میں تیر رہے تھے کہ سبز پوش فلک نے اپنی چمکتی ہوئی تلوار کو مغربی نیام میں داخل کیا۔ اور نیلگونی صحرا میں ستارے نورانی پوشاکیں پہنکر باہم صف آرائی کرنے لگے۔ گھمسان کی لڑائی دونوں لشکروں میں ہو رہی تھی۔ اور خدا جانے کب اُس کا خاتمہ ہوتا۔ لیکن شام کی تاریکی ڈراپ سین بنکر درمیان میں حائل ہوگئی اور دونوں فوجیں اسی طرح دل میں جانبازی کا ارمان لیئے ہوئے اپنی اپنی فرودگاہ پر واپس آگئیں ؟

راجہ جسونت سنگھ جس کے شجاعت بھرے بازوؤں سے دن میں کسی وقت تلوار جدا نہیں ہوئی تھی۔ اور تلوار سے دشمنوں کے اعضا برابر پیوست رہے اسوقت بہت تھک گیا تھا۔ اُس کا تمام جسم خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہی کیفیت اُس کے صبا رفتار مجبوب کی تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ دونوں آگ کے دریا میں نہا کر آئے ہیں۔ اگرچہ وہ خوش تھا۔ کہ دشمنوں کے لہو میں اُس نے غسل کیا۔ لیکن اس دلاور شیر کی طرح وہ اس وقت رنجیدہ اور غضب ناک تھا۔ جسکا شکار اتفاق سے چھٹ گیا ہو۔ شب تو جوں توں کر کے بسر ہوئی۔ لیکن صبح ہوتے ہی

پھر اُسی جوش کے ساتھ مقابلہ ہُوا۔ اور راجپوتوں نے اپنی جان نثاری اور وفاداری کے اصلی جوہر دکھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن شاہی فوج کے عظیم الشان سیلاب کو روکنا اُن کے اختیار میں نہ تھا۔ آخر کار اورنگ زیب ہی کی فتح ہوئی۔ اور وہ مسرت کے شادیانے بجاتا ہوا آگرہ کی طرف روانہ ہوا ؀

اِس خوفناک مقابلہ میں سترہ ہزار راجپوتوں کی بیش قیمت جانیں جن میں سے اکثر بوندی اور کوٹہ کی اٹھتی ہُوئی کونپلیں تھیں۔ اپنی وفاشعاری اور جیداری پر قربان ہوگئیں مؤرخونکا یہ قیاس بالکل سچ ہے۔ کہ اگر راجپوت اپنے فوجی بہادروں کی موت کا غم کرتے۔ تو اُس دن سارے راجپوتانہ میں گھر گھر ماتم ہوتا۔ کیونکہ اِس لڑائی میں ہر مقام کے راجپوت شریک ہُوئے تھے ؀

جب اورنگ زیب اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے اِس خونخوار شیر کے پنجے سے رہا ہوگیا۔ تو مقام جاجیو پر جو آگرہ سے تیس میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ وفادار راجپوتوں نے اُسے آگے قدم بڑھانے سے روکا۔ لیکن وہ اپنی کمئی تعداد کی وجہ سے ایک موجزن اور شورافزا طوفان کا کچھ نہ بنا سکے۔ عالمگیر دار السلطنت آگرہ میں داخل ہوا۔ دارالشکوہ تخت سے معزول کیا گیا۔ شاہجہان زندانخانہ کے سپرد ہُوا اور اورنگ زیب تخت و تاج کا مالک ہُوا ؀

اورنگ زیب کے یوں بال بال بچکر نکل جانے سے راجہ جسونت سنگھ کو بہت تاسف ہُوا۔ زیادہ تر افسوس کے قابل یہ امر تھا۔ کہ بہت سے راجپوت اِس لڑائی میں کام آئے تھے اور خاصکر بہادر راجہ کے پانچ بھائی اپنی قوم پر فدا ہو گئے۔ آخر کار مجبور ہو کر راجہ نے دارالریاست کی طرف مراجعت کی۔ باقیماندہ راجپوت اِس کے ساتھ تھے۔ اور وہ خود بھی زخموں سے چور ہو رہا تھا۔ لیکن اُس کا شجاعت بھرا دل بہت ہی اوداس تھا اُسے بار بار یہ خیال آتا تھا۔ کہ رانی کو کیا منہ دکھاؤنگا۔ اور وہ جب میرا میدان جنگ سے ناکام واپس آنا سنے گی تو اپنے جی میں کیا کہے گی وہ ضرور مجھے بزدل سمجھے گی۔ اور کیا عجب ہے کہ اُس کے غیور دل میں میری طرف سے حقارت آمیز خیال پیدا ہو ؀

مزاجدان اور اداشناس راجہ کا یہ قیاس کچھ غلط نہ نکلا۔ جب وہ اپنے دارالریاست میں پہنچا۔ تو شہر کا دروازہ بند تھا۔ اور رانی کے حکم سے کسی متنفس کو اندر آنیکی اجازت نہ تھی ؀ رانی کو جب معلوم ہوا کہ اُسکا شوہر ناکام واپس آ رہا ہے تو اُسے بہت افسوس ہُوا اُسے

غم بھی تھا۔ غصہ بھی تھا اور تحیر بھی تھا کہ جسونت سنگھ کو کیا ہو گیا۔ ایسے بہادر راجپوت کا بیٹا اور ایسے
شیر دل رانا کا داماد ہو کر ایسا بزدل نکلا۔ راجپوت کے لئے یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ وہ دشمن کو
مارے یا خود مرے بغیر میدان جنگ سے مراجعت کرے۔ وہ بار بار اپنی خواصوں سے پوچھتی تھی
کہ ایسا تو نہیں کہ یہ خبر غلط مشہور کر دی گئی۔ آہ جسونت سنگھ مدت ہوئی کہ دشمن کو مارتے مارتے
خود بھی مر گیا۔ لو پیاری سہیلیو رخصت! میں بھی اب ستی ہونے کی تیاری کرتی ہوں ؀

لیکن جب یہ تحقیق ہو گیا کہ جسونت سنگھ دار الریاست میں داخل ہُوا چاہتا ہے تو بہادر رانی
جس کے رگ و پے میں دست قدرت نے شجاعت اور مردوں کی سی جوانمردی کوٹ کوٹ کر
بھر دی تھی غضب ناک ہو کر کہنے لگی۔ ایسے بزدل شخص کو میں کبھی اپنا شوہر نہیں کہہ سکتی۔ وہ
کسی طرح اس قابل نہیں کہ بہادر رانا کا داماد کہلائے۔ جوش میں آ کر غیرت مند رانی نے حکم
دیا کہ شہر کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اور جسونت سنگھ دار الریاست میں داخل نہ ہونے پائے۔

جسونت سنگھ زخموں سے چور اور عیش و مسرت سے دور کئی دن ہو گئے کہ شہر کے باہر کھلے
میدان میں خیمہ زن ہے۔ رانی کی ماں نے بیٹی کو بہت کچھ سمجھایا۔ اور اپنی تجربہ کار عقل سے اُسے
بتایا کہ آج اُس کا تمام جسم زخموں سے چور ہو رہا ہے کل وہ اچھا ہو کر اپنے دشمن سے کافی عوض
لیکر لاثانی بہادری کے جوہر دکھائیگا ؀

بڑی جدوجہد کے بعد رانی نے شہر کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور جسونت سنگھ شاہی محل
سرا میں داخل ہُوا حسین رانی اگرچہ غصہ میں بھری بیٹھی تھی۔ لیکن پیارے شوہر اور اُس کے
رفیقوں کا خستہ خراب حال دیکھکر بے قرار ہو گئی۔ اور جوش اضطراب میں اُسکے آنسو بہنے لگے
نہایت دلسوزی کیساتھ اُس نے خود اُن میدان جنگ کے مجروحوں کے زخم دھوئے اور اپنے
ہاتھ سے اُن پر مرہم لگا کر پٹیاں باندھیں اور جب تک انہیں کامل صحت نہ ہو گئی وہ ادنےٰ
کنیزوں کی طرح نہایت کشادہ پیشانی سے خدمت میں مشغول رہی۔ لیکن اُس کے نازک
دل میں کوئی اندر ہی اندر نشتر چبھو رہا تھا ؀

جس وقت شاہزادہ شجاع نے سلطنت کے دعوے میں بنگالہ سے لشکر کشی کی تو عالمگیر نے
جو تخت و تاج پر اچھی طرح قابض ہو چکا تھا۔ جسونت سنگھ کو لکھا کہ اگر آپ اپنے راجپوتوں
کیساتھ شجاع کے مقابلہ پر فوج کشی کریں تو پچھلی تمام باتیں نظر انداز کر دیجائینگی والئے امیر کی
معرفت یہ خط جسونت سنگھ تک پہنچا وہ پہلے ہی سے مقابلہ کی جستجو میں تھا خوشی خوشی اسکو قبول

کیا۔ راجپوت فوج تیار ہوئی اور مقام کجوہ میں جو الہ آباد سے تیس میل شمال کی طرف واقعہ ہے محمد شاہ کی سرکردگی میں اورنگ زیب نے جو فوج بھیجی تھی۔ اُس کیساتھ شامل ہو گئی۔ جسونت سنگھ وقت کا منتظر تھا۔ پہلا حملہ ہوتے ہی محمد شاہ کے لشکر پر معہ بہادر راجپوتوں کے آپڑا اور تھوڑی سی دیر میں اُسے تاخت و تاراج کر دیا۔ شاہی لشکر کو لوٹ کر بہت سا مال غنیمت جمع کیا اور اونٹوں پر بار کرکے راجپوتوں کی حفاظت میں قلعہ مارواڑ کو روانہ کیا؀

اِس کے بعد دونوں بھائیوں کو لڑتا ہوا چھوڑ کر آپ آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ مگر جس وقت سرزمین آگرہ میں داخل ہوا۔ تو عام طور پر یہ شہرت ہو گئی کہ اورنگ زیب نے شکست پائی۔ اب اگر جسونت سنگھ قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتا۔ تو ایک آسان امر تھا۔ دوسرے شاہجہان کو قید سے رہا کرنا بھی اُسکے امکان میں تھا۔ لیکن کچھ سوچ سمجھ کر وہ ایسی جرأت نہ کرسکا ایک تو یہ کہ ابھی تک شکست و فتح کا اسے بالکل علم نہ تھا۔ بالفرض اگر اورنگ زیب کی فتح ہوتی تو آگرہ اور اُس کے قرب و جوار کا قیام اس کے لئے نہایت خوفناک تھا۔ دوسرے اُس کی کوشش کی تمام اُمیدیں دارالشکوہ کیساتھ وابستہ تھیں۔ اُسے میدانِ جنگ میں طلب کیا تھا۔ لیکن وہ نہ آسکا کیونکہ وہ ان دنوں مارواڑ کی جنوبی سرحد میں سلطنت کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہکر دشت پیمائی اور کوہ نوردی میں مصروف تھا۔ آخر مجبور ہو کر وہ اپنے دارالریاست میں واپس آگیا۔ یہاں آکر مقام میرتا میں دارالشکوہ سے ملاقات ہوئی۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔ اور بدنصیب شہزادہ کے لئے تخت و تاج کی صورت باقی نہ تھی؀

اورنگ زیب نے اپنی فطرتی چالاکی سے شجاع کو فاش شکست دی اور فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا ہوا آگرہ کی طرف واپس ہوا۔ لیکن جب اُسے جسونت سنگھ کی طرفداری دارالشکوہ سے معلوم ہوئی۔ تو اُس نے پولٹیکل چال چلکر راجہ کو ایک خط بھیجا کہ آپ سلطنت کے مخالف ہو کر دارالشکوہ کی مدد نہ کریں۔ اِس کے صلے میں اگر آپ کو منظور ہو تو نہایت اعزاز کے ساتھ گجرات کی گورنری عطا کیجاتی ہے؀

راجہ نے مصلحت وقت سمجھکر گجرات کی صوبہ داری منظور کرلی اور ساتھ ہی اس کا بھی اقرار کیا کہ وہ راجپوتوں کا افسر اعلےٰ ہو کر شہزادہ معظم کی مدد میں سیواجی کا مقابلہ بھی کریگا۔ جو باختیار ریاست کی کوشش میں تھا؀

جسونت سنگھ جس وقت یہ مہم سر کرنیکے لئے دکن میں پہنچا تو سیواجی سے خط و کتاب شروع

کی اور نائب السلطنت شائستہ خاں کے قتل کرنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اورنگ زیب کو بھی اس
سازش کی خبر ہوگئی۔ لیکن اُس نے پولٹیکل مصلحت سمجھ کر چشم پوشی سے کام لیا۔ اور جسونت سنگھ
کو اس کے سپہ سالار ہو جانے پر مبارکباد کا خط لکھا۔ لیکن بہت جلد جسونت سنگھ کی جگہ
جے سنگھ کو روانہ کیا ؛

جے سنگھ شاہی عنایات پر اعتماد کر کے سیواجی کو جان بخشی کا پیغام دیکر اپنے ساتھ پایہ تخت میں
لایا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا۔ کہ بادشاہ اُسے قتل کیا چاہتا ہے اُس نے سیواجی کی رہائی میں بھی مدد
دی۔ جس کی وجہ سے جسونت سنگھ کو پھر سلطنت کی نیابت کا عہدہ تفویض ہوا۔ لیکن راجہ
نے جو بادشاہ کی چالیں کچھ کچھ سمجھ چلا تھا۔ شہزادہ معظم کو ایسے ارادوں پر آمادہ کیا۔ بادشاہ نے
خائف ہو کر اس کی جگہ دلیر خاں کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ دلیر خاں جب اورنگ آباد میں
پہنچا۔ تو یقیناً اُس کی زندگی کی یہ آخری ساعت تھی۔ لیکن وہ ان کے مخفی ارادوں سے باخبر
ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دریائے نربدہ تک شہزادہ معظم اور جسونت سنگھ نے اس کا تعاقب
کیا۔ آخر کار بادشاہ نے جسونت سنگھ کی بے نظیر جرات اور دلیری سے پریشان ہو کر اُس کے
علیحدہ کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ گجرات کی صوبہ داری کا پروانہ اُس کے پاس بھیجکر لکھا۔ کہ وہاں
کی صوبہ داری کا کاروبار سنبھالے۔ چنانچہ جسونت سنگھ احمد آباد گجرات کو روانہ ہوا۔ لیکن
یہاں پہنچکر اُسے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا یہ صرف فریب تھا۔ آخر ۱۶۷۰ء میں گجرات سے مراجعت
کر کے اپنے دارالریاست میں داخل ہوا ؛

بادشاہ نے جب دیکھا کہ وہ جسونت سنگھ کے خوف سے اُس وقت تک محفوظ نہ ہوگا۔
جب تک کہ اُسے دُور دراز مقام پر نہ بھیجے اس لئے اُس نے نہایت خوشامد کے ساتھ
راجہ کو جنگ کابل کے لئے آمادہ کیا اور اقرار کیا کہ اُس پر اور اُس کے خاندان پر شاہی
الطاف مبذول کئے جائیں گے ؛

شجاع اور شیر دل راجہ نے فوراً ہی منظور کر لیا اور اپنے بڑے بیٹے پرتھی سنگھ کو دارالریاست
میں اپنا قایم مقام مقرر کر کے راجپوتوں کی بہادر فوج کو ساتھ لیکر کابل کو روانہ ہوگیا ؛
پرتھی سنگھ بھی نامور جسونت سنگھ سے کچھ کم نہ تھا۔ شیر صولت والد کے کل اوصاف و
عادات اُس میں موجود تھے ایسے بہادر کی کامیاب زندگی اورنگ زیب کے دل میں کیوں
نہ کھٹکتی۔ جسونت سنگھ کے چلے جانے کے بعد اُس نے پرتھی سنگھ کو طلب کیا۔ اور اُس کے

مراتب سے زیادہ توقیر و منزلت کی گئی۔ وہ روزانہ دربار میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے
اُسکے دونوں ہاتھ ایک ہاتھ سے پکڑ کر کہا اے راٹھور ہمنے سنا ہے کہ تو بھی مثل اپنے والد کے
قوت بازو رکھتا ہے۔ اب بتا کہ تو کیا کچھ کرسکتا ہے۔ نوجوان راجہ نے جواب دیا کہ بادشاہ کے دست
شفقت سے معمولی رعایا بھی اپنی دلی مرادوں میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ آپ نے
میرے دونوں ہاتھ پکڑے اب تو یقین ہے کہ میں تمام رُوئے زمین کو فتح کر لونگا۔ کچھ ایسی
بیباکی اور شگفتگی کے ساتھ یہ جملے راجکنور کی زبان سے نکلے کہ اورنگ زیب بے اختیار بول اُٹھا
بیشک یہ دوسرا جسونت پیدا ہوا ہے۔ اور بظاہر خوش ہو کر خلعت عطا ہوا۔ راج کنور حسب
دستور خلعت پہنکر شاہی دربار سے رخصت ہوا۔ یہ اُسکی زندگی کا آخری دن تھا۔ کیمپ میں
جاتے ہی وہ بیمار پڑا۔ اور چند گھڑیوں میں ملک عدم کو چل بسا کہتے ہیں کہ خلعت مذکور
میں زہر ہلاہل ملا ہوا تھا جس نے مسامات میں پہنچکر اسقدر جلد ہونہار نوجوان کا خاتمہ کردیا۔
راجکنور اپنے جوانمرد باپ کا قوت بازو اور زور کمر تھا۔ جسونت بدنصیب باپ کو بیٹے کی
دائمی مفارقت کی خبر ملی تو اُس کی تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اُسکی تمام عمر کی کمائی یہی
تین بیٹے تھے جن میں دو تو وہ کابل کی ناموافق آب و ہوا کے سپرد کر چکا تھا۔ اور ایک ظالم
بادشاہ کے مظالم کا شکار ہو گیا۔ اِن دلدوز صدمات نے جسونت سنگھ کا بلند حوصلہ پست
کردیا اور اب دنیا اُسے تاریک نظر آنے لگی۔ جبکہ مارواڑ کے تاج و تخت کا کوئی حقیقی وارث
نہ تھا مغموم اور دل گرفتہ راجہ کا رنج و غم روز بروز ترقی ہی پاتا گیا۔ اور آخر کار اِس سوز دروں
نے گھلا گھلا کر اُسکا خاتمہ کردیا۔ ایسے بہادر ایسے اولوالعزم اور بلند ہمت راجہ کی وفات کا
شرف شمالی کوہستان کو نصیب ہوا۔

مرحوم راجہ نے نہایت نیکنامی اور کامرانی کیساتھ بیالیس سال تک مارواڑ پر حکمرانی
کی۔ یہ وہ شجاعت پسند شیردل راجہ تھا جس کا نام سُنکر اورنگ زیب سا بادشاہ کانپ اُٹھتا
تھا۔ اور چاردانگ ہند میں اِسکی جے داریوں اور جانبازیوں کی دہوم مچی ہوئی تھی جیسا
کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کیا عجب ہے کہ یہ بہادر راجہ بھی اورنگ زیب کی دغابازیوں
کا شکار ہوا ہو۔

جس طرح بھولے بھالے سادہ لوح مگر شیردل راجکنور کو اس نے زہریلا خلعت پہنا کر
ہمیشہ کے لئے خواب عدم کی آغوش میں سلا دیا۔ اسی طرح جسونت سنگھ پر بھی مکر و فریب

کا غائبانہ وار کیا گیا ہو؛
بہر کیف جب جاسوس نے اِس بہادر کے مرنے کی خبر اورنگ زیب کو پہنچائی تو اُس نے اطمینان کا سجدہ ادا کیا اور اپنی جان کی طرف سے بیخوف ہُوا۔ کیونکہ سیواجی اور جسونت سنگھ دونوں اُسکے حق میں فرشتہ اجل سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اور آگے پیچھے وہ دونوں کو اپنے فریب و مکر کے دام میں لاکر موت کا جام پلا چکا تھا؛
راجہ جسونت سنگھ کی ہیبت بادشاہ کے دل میں اِسقدر تھی کہ جب کبھی اُسکا نام آتا تھا۔ اُسکی زبان سے بے اختیار سرد آہ نکل جاتی تھی؛

راجہ اجیت سِنگھ

مہاراجہ جسونت سنگھ کی وفات کے بعد اسکی رانی نے ستی ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ اُسکو سات مہینے کا حمل تھا۔ لہذا اودے سنگھ کمپاوت نے اسکو اس ارادہ سے باز رکھا؛
جب یہ خبر جودھپور میں پہنچی تو دوسری رانی چندراوتی اپنے مالک کی دستار لیکر بمقام مندور چتا بناکر ستی ہوگئی۔ قوم ہنود کو اس حامئے مذہب کی وفات سے سخت قلق پیدا ہوا۔ اِنکی مایوسی حد سے بڑھ گئی تھی۔ شوالوں میں گھنٹے بجنے موقوف ہوئے۔ اور طلوع آفتاب کے وقت سنکھ کا بجنا بھی موقوف ہوگیا؛
آخر کار اس حاملہ رانی سے جو ستی ہونے سے بچائی گئی تھی۔ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اجیت سنگھ رکھا گیا۔ جب یہ قابل سفر کرنے کے ہُوا۔ تو فوراً افسرانِ فوج نے اپنے معصوم راجکمار کو مع اُسکی والدہ ہمراہ لیکر وطن واپس جانیکا ارادہ کیا۔ مگر افسوس ہے کہ اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کی وفات کے بعد بھی اپنے کینہ کو سینہ سے دور نہ کیا جب یہ لوگ دہلی میں پہنچے تو اُس نے حکم دیا کہ معصوم راجکمار کو اُسکے حوالہ کیا جاوے۔ جسکے صلہ میں مارواڑ کا ملک افسرانِ فوج میں تقسیم کر دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن وفادار راجپوتوں نے اسکا جواب جو دیا وہ یہ تھا کہ ہمارا ملک ہماری قوت اور دست و پا کے ساتھ ہے۔ اور یہی ہماری اور ہمارے مالک کی حفاظت کرسکتی ہے۔ یہ کہکر غضب آلود راجپوت غصہ سے آنکھیں سرخ کئے ہوئے دربار سے نکل آئے۔ مگر فوج نے فوراً ہی انکے قیام گاہ کا محاصرہ کر لیا؛

شبیہ راجہ اجیت سنگھ والئے جودھپور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اول صفحہ ۲۵۰

یہ وقت بڑا نازک وقت تھا۔ مگر غیرتمند راجپوتوں نے اپنی آبرو کی حفاظت پر آمادہ ہوکر ہتھیار سجائے۔ اور گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہو گئے جودھا کے بیٹے رنجور اور گوبندا اور چندربھان اور داآوٹ اور بسپرا گھو وغیرہ نے اپنی سپاہ سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے ؛

"آؤ ہم سب ملکر دریائے جنگ میں غوطے لگائیں۔ اور غنیم کو راجپوتی خون کے جوہر دکھلائیں" سب سے بڑھکر بوڑھے بھاٹ کے الفاظ تھے۔ اور وہ ذیل کے جوشیلے پیرایہ میں بیان کئے گئے تھے ؛

صرف آجکے دن کے واسطے ہی تمکو جاگیریں عطا کی گئی تھیں راجہ نے سب طرح سے تمہاری نازبرداریاں منظور کی تھیں۔ لیکن اب تمہارا فرض بھی یہ ہے کہ تم اپنے مالک کے کام میں اپنے جسم تلوار کے سپرد کرو اور اکٹھے ہوکر بہشت کے دروازے میں داخل ہو۔ مجھ پر راجہ صاحب مرحوم کی خاص نظر عنایت تھی۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ آج میں بھی اپنے والد کی طرح حق نمک ادا کرونگا۔ اور میدان جنگ کی پاک زمین کو اپنا بستر مرگ بناؤنگا تاکہ آئندہ کیشر میری تعریف کے شعر گائیں"۔ اس کے بعد درگا پسر آسود نے کہا "اگرچہ دشمن ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ لیکن جو بجلی ہماری تلواروں سے نکلیگی اُسکی روشنی میں اہل دہلی ہمارے کارنمایاں کو اچھی طرح دیکھ سکیں گے" ؛

اس کے بعد سب کے سب تلواریں سونت فوج شاہی پر جا پڑے چشم زدن میں قیامت خیز جنگ کا سین کھچ گیا۔ چاروں طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بوڑھا بھاٹ شمشیر ہاتھ میں لئے سب سے آگے تھا ؛

اثنائے جنگ و جدل میں راجہ خوردسال وارث مارواڑ کو ایک ٹوکرہ شیرینی میں لٹا کر ایک مسلمان کے سپرد کیا گیا۔ اُس نے بھی اپنے وعدہ کو بڑی ایمانداری سے پورا کیا اور مقام موعودہ تک بڑی حفاظت سے پہنچا دیا۔ اس مقام پر بہادر درگاداس اور وہ لوگ جو اس لڑائی سے پہلو بچا کر نکل گئے تھے موجود تھے۔ یہ درگاداس یعنے محافظ جان اجیت سنگھ اُسکی جوانی اور اُسکے حق موروثی حاصل کرنے تک زندہ رہا اور اُسکو یہ بھی تحقیق ہو گیا کہ راجہ لوگ ہمیشہ احسان فراموش نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ اجیت سنگھ نے بڑے ہوکر اُسکی وفاداری کا پورا پورا حق ادا کیا وہ اُسکی خاص عزت کرتا تھا۔ اور سوائے لفظ کاکا کے کبھی کسی اور لفظ سے یاد نہ کرتا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو جاگیر اُس کو عطا ہوئی تھی۔ وہ اب تک بھی اُسکی

اولاد کے قبضہ میں ہے ؛

اس کے بعد درگا داس مع چند دیگر نمک خواروں کے راجکمار کو لے کر کوہستان آبو کو چلا گیا۔ اور ایک پوشیدہ مقام پر اس کی پرورش ہونے لگی۔ اگرچہ مارواڑ میں کسیکو بھی راجکمار کی خبر نہ تھی۔ مگر اتنا سب کو معلوم تھا کہ جسونت سنگھ کا ایک بیٹا ابھی زندہ ہے اور درگا داس اور چند دیگر وفادار افسر اس کے محافظ ہیں۔ اور یہی نمک حلال راجپوتوں کے حوصلے کیلئے کافی بھی تھا ؛

ایسے وقت میں اورنگ زیب نے رتن پسر امراؤ سنگھ کو جودھپور پر حملہ کرنیکی ترغیب دی مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ اسکے بعد خود اورنگ زیب نے فوج کشی کر کے جودھپور کو اپنے قبضہ میں کرلیا شہر کو خوب لوٹا اور دیگر مقامات کلاں مثل مرتیا اور دیوانہ اور روہٹ کو بھی دل کھول کر تاخت و تاراج کیا۔ ہنود کے عبادتخانے مسمار کئے گئے۔ اور ان کی جگہ مسجدیں تیار کرائی گئیں غرضیکہ ہندوؤں کے ساتھ سخت سلوک کیا گیا۔ اور اس سختی سے وہ شخص محفوظ رہ سکا جس نے دین اسلام کو قبول کیا۔ مگر اسکا نتیجہ بادشاہ بلکہ اس کی اولاد کے حق میں نہایت ہی زبون نکلا۔ بادشاہ نے ایک مشہور حکم جزیہ کا بخلاف قوم ہنود مشتہر کیا۔ جسکے سبب سے تمام لوگ جو ہم قوم و دہرم تھے۔ ایک گروہ میں متفق ہوئے۔ اور اورنگ زیب کے ساتھ بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں ؛

(یہ مفصل حال رانا راج سنگھ کی سوانح عمری میں تحریر ہے)

شاعر ہندی بیان کرتا ہے کہ اورنگ زیب نے ستر ہزار سپاہ کو زیر حکم تہور خاں حکم دیا کہ وہ حملہ کر کے راجپوتوں کو تباہ کریں اور خود اجمیر تک گیا۔ میڑتا فراہم ہو کر اس کے مقابلہ کے لیئے پوشکر تک گئے۔ میدان کارزار گرم ہوا۔ اور تمام راجپوت اس میں قتل ہوئے تہور خاں نے پیشقدمی جاری رکھی۔ اور گوارہ کے مقام پر بھاری روپا اور کو مبھو بھی اس مقابلہ میں کام آئے ؛

ادہر اورنگ زیب نے خود اودے پور پر حملہ کیا۔ لیکن جب اس نے سنا کہ ادہر درگا داس نے پہاڑوں سے نکل کر جالور پر حملہ کیا ہے۔ تو وہ اپنے مقام کو چھوڑ کر واپس اجمیر آیا اور اکبر کو ایک بڑی بھاری سپاہ کے ساتھ تہور خاں کی مدد کے لئے جالور کو روانہ کیا۔ مگر اس عرصہ میں درگا داس خراج وصول کر کے روانہ جودھپور ہو چکا تھا۔ انہوں نے تمام علاقہ میں غارت

پھیلادی۔ اور ملک ویران ہوگیا۔ اگرچہ مقام کہتاپور پر قوم چمپاوت نے اُن کا دل توڑ مقابلہ کیا مگر سب کے سب تہ تیغ ہوُئے ❊

اجیت سنگھ راجہ کم سن کو کوہ اراولی میں کسی محفوظ مقام پر چھوڑ کر سردارانِ وفادار نے جالور پر حملہ کیا۔ اور ایک گروہ سیوانہ پر تاخت لایا۔ رانا نے اپنی سپاہ بسر کردگی اپنے فرزند بھیم کے روانہ کی۔ اور وہ فوج راٹھور کیساتھ اندربھان اور درگاداس کیساتھ جا ملی۔ شہزادہ اکبر اور تہور خاں آگے بڑھے۔ اور نادول کے مقام پر ایک عظیم جنگ واقعہ ہوئی۔ جس میں راجکمار بھیم کام آیا۔ اور اندربھان نے بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوُئے اپنے کم سن رانا کے بدلے جان قربان کی ❊

اگرچہ اس لڑائی میں بہت سے راجپوت سردار مارے گئے تھے۔ لیکن شہزادہ اکبر راجپوتوں کی جانفشانی کو جو بغیر موجودگی اپنے راجہ کے ان سے ظاہر ہوئی تھی دیکھکر دنگ ہوگیا۔ اُس نے تہور خاں کو اپنی رائے سے مطلع کیا اور کہا کہ یہ جنگ بالکل نامناسب ہے۔ ایسی جانفشاں اور شجاع قوم کے ساتھ جیسے کہ راٹھور ہیں آمادہ پیکار ہونا کچھ عزت کا باعث نہیں بلکہ موجب بدنامی ہے تہور خاں نے بھی اِسکی رائے سے اتفاق کیا ❊

صلح کا پیغام درگاداس کے پاس بھیجا اور خواہش دوستی ظاہر کی۔ وقت مقرر کیا گیا اور دونوں آپس میں ملاقی ہوُئے۔ اورنگ زیب نے جب سنا کہ درگاداس اور شہزادہ آپس میں مل گئے ہیں۔ تو اُس نے سخت پیچ و تاب کھایا۔ یہاں تک کہ اُس نے ریش مبارک کے بال بھی اس رنج میں نوچ ڈالے ❊

اب درگاداس اور اکبر ایک بڑی بھاری سپاہ کے ساتھ اورنگ زیب کے لِئے اجمیر کی طرف بڑھے مگر عین موقعہ پر شہزادہ اکبر غافل ہوکر عیش و عشرت میں غرق ہوگیا۔ اُس نے تمام کاروبار حوالہ تہور خاں کر دیئے۔ اور خود رقص و سرود کے مزے لوٹنے لگا۔ تہور خاں کے دل میں ایک اور بے ایمانی کا خیال پیدا ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ اگر وہ شہزادہ اکبر کو بادشاہ کے حوالہ کردے تو بادشاہ اِسکو بہت کچھ انعام و اکرام دیگا۔ اِس خیال کے پیدا ہوتے ہی رات کو وہ خفیہ طور پر اورنگ زیب کے پاس گیا۔ اور وہاں سے اِس مضمون کے خطوط راٹھور سرداروں کے پاس روانہ کئے کہ شہزادہ اکبر اور اورنگ زیب اب آپس میں مل گئے ہیں۔ چونکہ میں تمہارے اور اکبر کے درمیان ضامن اتفاق تھا۔ اِس لئے میں تمکو مطلع کرتا ہوں کہ اب تمام قول و اقرار کو جو تم لوگوں کے درمیان ہوُئے تھے۔ فسخ سمجھئے اور اپنے وطن کو سدھاریئے

یہ بند خط درگاداس کے پاس روانہ کرکے تبرخاں اورنگ زیب کے سامنے واسطے حصول انعام کے گیا۔ مگر بادشاہ نے جو انعام اسکو دیا یہ تھا۔ کہ خود بادشاہ کے دست مبارک سے اس کا سر قلم کردیا گیا؛

ادہر جب قاصد درگاداس کے پاس پہنچا تو خط کے علاوہ تبرخاں کی موت کا احوال بھی بیان کیا۔ اور راٹھور بہادر نے معاملہ بگڑتا ہوا دیکھکر فوراً اپنی سپاہ کو شہزادہ اکبر کی سپاہ سے علیحدگی کا حکم دیا اور میدان جنگ سے کوچ کرکے بیس میل پیچھے ڈیرہ جا ڈالا۔ اب اکبر کو تنہا دیکھ کر اُس کی سپاہ میں بھی پریشانی پھیل گئی۔ اور ایک ایک کرکے فرار ہونے لگے۔ حتی کہ صرف تھوڑی سی سپاہ اس کے ساتھ رہ گئی؛

اورنگ زیب کی اِس گہری چال کا بھید دوسرے دن کھلا۔ جب کہ شہزادہ اکبر خود درگاداس سے آکر ملا۔ مگر اب اس کے پاس ایک ہزار آدمی کی جمعیت بھی باقی نہ رہی تھی۔ ناچار شہزادہ اپنی اور اپنے عیال و اطفال کی پرورش کا ملتجی ہوا۔ ایسی التجا راجپوتوں کے آگے ہرگز بے سود نہیں جا سکتی تھی۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ کہ شہزادہ کی حفاظت ہمارا عین فرض ہے چنانچہ مسمی جتیا جو رئیس خاندان چمپاوت کا بھائی تھا۔ واسطے حفاظت عیال و اطفال اکبر نامور ہوا اور درگاداس راٹھور واسطے انتظام جنگی کے نامزد ہوا؛

درگاداس جسقدر شجاع تھا۔ اسیقدر دانا بھی تھا۔ اسی کی تدبیر سے معصوم راجکمار کی جان بچی۔ اسی کے متواتر کارہائے شجاعت سے اِس کا اخیر تحفظ جو نہایت وقت طلب تھا وقوع میں آیا۔ اکثر روایات اِس خوف و اندیشہ کی بابت جو اُسکی طرف سے اورنگ زیب کے دل میں جاگزیں تھیں مشہور ہیں اورنگ زیب نے حکم دیا تھا کہ اُس کے ہر دو جانی دشمن سیواجی اور درگاداس کی جن کے باعث اُسکا آرام حرام ہو رہا ہے۔ تصویریں کھینچی جائیں حسب الحکم تصویریں اُتاری گئیں۔ سیواجی تو پلنگ پر بیٹھا تھا۔ مگر درگاداس معمولی ہیئت پر یعنے گھوڑے پر سوار باجرے کی روٹی کو نیزہ کی نوک پر لگائے الاؤ کی آگ پر سینک رہا تھا اورنگ زیب دیکھتے ہی بول اُٹھا کہ سیواجی کو تو میں گرفتار کرسکتا ہوں مگر یہ درگاداس ہماری زندگی تلخ کرنے کو پیدا ہوا ہے؛

اب اورنگ زیب نے ایک اور چال چلی اور از روئے تاریخ میواڑ چالیس ہزار اشرفیاں درگاداس کے پاس بھیجکر اُسکو اپنے ساتھ گانٹھنا اور شہزادہ اکبر سے علیحدہ کرنا چاہا لیکن یہ

شبیہہ شجاع دُرگا داس



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۲۵

بہادر روپیہ کے جادو سے متاثر نہ ہوسکا اورنگ زیب کی یہ تدبیر جب بیکار گئی تو اس نے ایک دستہ فوج کو اکبر کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مگر درگاداس نے اسکو حوصلہ دیا کہ وہ حتی الوسع اس کی حفاظت کریگا۔ لہذا وہ اپنے بھائی سونگ کو اسکے ساتھ کر کے خود علیحدہ ہوا ؎

اب اورنگ زیب نے اپنے بیٹے اعظم کو حکم دیا کہ درگاداس کو بیخ و بن سے تباہ کرے اور ہر ایک تدبیر خلاف اس کے عمل میں لائے۔ اعظم کی دس روز بعد روانگی کے بادشاہ خود بھی روانہ ہوا ؎

راجپوتوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ جب انہوں نے سنا کہ بادشاہ اکبر سے صرف چار کوس کے فاصلہ پر رہگیا ہے۔ تو وہ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور ایک بھاری جنگ دروازہ ہائے جودھپور پر واقع ہوا۔ اور جسمیں جادول کسوری مع دیگر صد ہا رئیساں کے کام آیا۔ اس جنگ پر سونگ برادر درگاداس نے اورنگ زیب کا دم ناک میں کر دیا۔ تب اورنگ زیب کی یہ حالت تھی کہ نہ تو وہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے پھر کر جا سکتا تھا ناچار اس نے سونگ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ اور جے سنگھ کے واسطے منصب شصت ہزاری تجویز کیا واپسی پر سونگ کو اجمیر کا حاکم مقرر کرنا قبول کیا عہدنامہ طے ہوا اور بادشاہ دکن کی طرف روانہ ہوا مگر افسوس ہے کہ اورنگ زیب نے برخلاف اپنے قول و اقرار کے دغا کیساتھ ایک برہمن کے ذریعے اس عہدنامہ کے دوسرے دن ہی سونگ کو زہر سے ہلاک کروا کر اپنی پیشانی پر بدنامی کا ایک اور داغ ایزاد کرلیا اور سارے عہد و پیمان مٹی میں مل گئے ؎

سونگ کی وفات سے راجپوتوں کو بڑا نقصان ہوا۔ مگر ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے مکند سنگھ میرٹیا پسر کلیان نے اپنا منصب ترک کر کے اپنے ملک کی خدمتگذاری اختیار کی۔ اور ایک بڑی خونریز لڑائی مرٹیا کے مقام پر اسد خاں اور راجپوتوں کے درمیان ہوئی ؎ شہزادہ عظیم اسد خاں کے ساتھ تھا۔ اور عنایت خان جودھپور میں۔ دونوں فوجیں ملک میں تاخت و تاراج کر رہی تھیں ؎

اب سمبھو کمپاوت راٹھوروں کا سردار مقرر ہوا۔ اور اسکے ساتھ اورنگ سنگھ بخشی بھی پسر خورد درگاداس فتح سنگھ اور رام سنگھ نے بورمنڈل کا محاصرہ کرلیا۔ اور قاسم خاں حاکم کو بڑی خونریز لڑائی میں قتل کیا ؎

ان کارہائے کشت و خون سے اگرچہ شاہی فوج سخت تنگ آگئی تھی۔ اور ہزاروں

آدمی ان کے قتل ہوتے تھے۔ لیکن محافظان مارواڑ کی تعداد بھی کم ہوتی جاتی تھی۔ مجبوراً انکو کوہ اراولی میں پناہ لینی پڑی۔ مگر وہ خاموش نہیں بیٹھے۔ کبھی کبھی میدان میں نکل کر بڑے زور و شور سے غنیم پر جھپٹتے تھے۔ ایک مرتبہ قلعہ جیترن پر حملہ آور ہوئے۔ اور وہاں سے فوج کو شکست دیکر خارج کر دیا۔

جیترن کی لڑائی کے بعد اودے سنگھ چمپاوت اور محکم سنگھ میرٹیا نے گجرات کی طرف پیشقدمی کی۔ اور مقام کھیرالو تک پہنچ گئے۔ سید محمد حاکم گجرات نے انپر حملہ کیا اور انکا تعاقب کر کے کوہستان رتن پور میں انکا محاصرہ کر لیا۔ خوب لڑائی ہوئی۔ کرن اور کیسری مقتول ہوئے اور گوکل داس بھٹی اور رام سنگھ رئیس بھی مع جملہ اہلکاراں قتل ہوئے۔ مگر مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی۔ بعد ازیں نور علی کیساتھ بھی سپاہیانہ کھیل کھیلا گیا۔ یعنی پالی کے مقام پر صرف تین سو راٹھوروں نے افضل خاں افسر شاہی کا مقابلہ کیا۔ اور اس لڑائی میں افضل خاں مقتول ہوا۔ اور اودے سنگھ نے سوجت کے مقام پر سوری پر حملہ کیا۔ جیترن پر بھی دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ اور محکم سنگھ میرتیا کے شاہی مقام پر حملہ کر کے سید علی کو قتل کیا۔

یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہر روز ہوتی تھیں۔ کبھی ایک مقام مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتا تھا۔ تو دوسرے موقعہ پر راجپوت حملہ کر کے اُسکو چھین لیتے تھے یہ لڑائیاں راٹھوروں کی حب الوطنی کا ایک نمایاں ثبوت ہیں کہ باوجود عدم موجودگی اپنے راجہ کے اِسقدر جانفشانی سے کام لے رہے تھے۔ اُن کا خون بشوق تمام کارزار کی زمین پر گرتا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ اِنکا جو آدمی گرتا تھا۔ اُس کی جگہ خالی ہو جاتی تھی۔ مگر بادشاہی سپاہ کو دم بدم تازہ کمک پہنچتی رہتی تھی۔

سمت ۱۷۴۰ میں عظیم اور اسد خاں اورنگ زیب کیساتھ شامل ہوئے اور عنایت خاں اجمیر پر چھوڑا گیا۔ مگر اُسکو حکم دیا کہ راجپوتوں کے جنگ میں ہرگز سستی نہ کرے اِسوقت میرواڑا خاص مقام راٹھوروں کا تھا۔ اور انکے خاندان کے عیال و اطفال سب وہیں موجود تھے۔ گیارہ ہزار چیدہ سپاہ کیساتھ عنایت خاں نے اُس پر حملہ کیا ایک سخت لڑائی درمیان میں آئی۔ مگر رام سنگھ اور ساونت سنگھ سرداران بھٹی معہ دو صد ہمراہیوں کے بعد قتل کرنے ایک ہزار مغل کے قتل ہوئے۔

انوپ سنگھ نے فوج محاصرہ گیر جنجاتی کو شکست دی اور محکم سنگھ مع اپنے ہمراہیوں

اپنی موروثی اراضی مرٹیا پر تاحت لایا۔ سپاہ محمد علی نے اسکا مقابلہ کیا۔ جب دونوں فوجیں عین
ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما تھیں۔ محمد علی نے پیغام صلح بھیجا۔ صاف دل راجپوتوں
نے منظور کرلیا۔ لیکن بوقت ملاقات رئیس میرٹیا قتل کیا گیا۔ اور اِس کے قتل کی خبر سے اورنگ
زیب بڑا خوش ہوا۔

شروع سمت ۱۷۴۱ میں بھی ختم نہیں ہوئی، راٹھوروں کا سردار سجان سنگھ جانب جنوب
نبرد آزما تھا۔ اور لاکھا چمپاوت اور گیری کمپاوت بھٹی اور چوہان فوج کی مدد سے سپاہ
محاصر گیر جودھپور سے مقابلہ میں مشغول تھے۔ جب سوجان سنگھ مارا گیا۔ تو راجپوتوں نے
سنگرام سنگھ کے پاس جوکہ اورنگ زیب کا ایک منصب دار اور جاگیردار تھا۔ پیغام بھیجا
اور لکھا کہ آپ کو اس وقت اپنے بھائیوں کے شامل حال ہونا چاہیئے۔ اُس نے فوراً
تعمیل کی۔ اور اپنے منصب کی کچھ بھی پرواہ نہ کرکے اُن کے ساتھ آملا۔ ایک اور حملہ دشمن
پر کیا گیا۔ اور اس کے بہت سے مستحکم مقامات اپنے قبضہ میں کرلئے۔

رتنا سردار راٹھور نے اپنے تمام آدمیوں کو جمع کیا اور راور کناری مقام پر پردل خاں
سے جنگ آزما ہوکر اُسکو مع چھ سو دیگر ہمراہیوں کے قتل کیا۔ مرزا نور علی نے اِس شکست کا حال
سُنا۔ تو وہ انپر حملہ آور ہُوا۔ مگر ستیل سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا۔

سمت ۱۷۴۳ میں ایک اور بھاری لڑائی میرتا کے مقام پر ہوئی۔ اس میں شاہی فوج کامیاب
ہوئی۔ لیکن اِس کے معاوضہ میں سنگرام سنگھ نے جودھپور کے مقام پر فوج شاہی کو ایک
بڑی بھاری شکست دی اور تمام علاقہ کو برباد کردیا۔

حیرت کا مقام ہے کہ مذکورہ بالا تمام لڑائیاں راجپوتوں نے بلا موجودگی اپنے خورد
سال راجہ کے لڑیں تھیں بلکہ ابھی تک اُنہوں نے اُسکو دیکھا بھی نہ تھا۔ اور اُنکو یہ بھی
معلوم نہ تھا کہ وہ ہے کہاں۔ لیکن اب سب نے کچھی مکند کو طلب کیا۔ اور درخواست کی کہ
وہ اپنے راجہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اول اُس نے انکار کیا۔ مگر آخر کار اُن کی بیتابی سے مجبور
ہوکر وہ اُنکو کوہ آبو پر لے گیا۔ جس طرح گل لالہ آفتاب کی شعاعوں سے شگفتہ ہو جاتا ہے
اِسی طرح ہر ایک راٹھور کا دل اپنے راجہ کے دیکھنے سے شاداب ہُوا۔

اخیر دن ماہ چیت ۱۷۴۳ء کو اجیت سنگھ دنیا پر ظاہر ہُوا۔ اول ہاڈا راؤ نے سلام کی۔
اس کے تمام رئیسانِ نے مارواڑ نے اشرفی گھوڑے اور مروارید پیش کش کئے

یہ خبر سُنکر عنایت خاں نے اورنگ زیب کو لکھا۔ کہ بغیر سردار کے تو یہ لوگ اِسقدر خونریزی کرتے رہے۔ مگر معلوم نہیں کہ اب کیا کریں گے۔ بہت جلد اور سپاہ مدد کے لئے روانہ کریں۔ سرداران مارواڑ اپنے معصوم راجہ کو لیئے ہوئے راہوا کے مقام پر گئے۔ یہاں کے سردار نے اِن کی عالیشان دعوت کی اور یہیں پر کمسن راجہ کو گدی پر بٹھانے کی رسم ادا کی گئی ؁

یہاں سے روانہ ہوکر رائے پور۔ بلارا۔ برونداء۔ اسوب۔ ریا کبولتر کرم رسوت وغیرہ مقامات سے ہوتے اور وہاں کے رئیسوں سے نذرانے لیتے پوکرن پہنچے۔ اور اِس جگہ درگا داس بھی ان کے ساتھ آملا ؁

اب عنایت خاں کو سخت اندیشہ پیدا ہُوا۔ اُس نے ایک جماعت کثیران کے مقابلہ کے لئے جمع کی۔ لیکن مرگ نے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ وہ صرف چند یوم بیمار رہکر فوت ہوگیا۔ اِس کی جگہ شجاعت خاں کو مارواڑ میں بھیجا گیا ؁

اب راٹھور اور ہارا دونوں متفق ہوئے۔ اور انھوں نے دشمن کو نہ صرف اپنے علاقہ سے ہی خارج کیا۔ بلکہ علاقہ جات غیر میں بھی پہنچکر اس کا مقابلہ کیا۔ اور مال پور اور پور منڈل کے شاہی قلعہ داروں کو تہ تیغ کیا۔ اگرچہ اس لڑائی میں راجہ ہارا نے بضرب گولہ توپ وفات پائی۔ لیکن راجپوتوں کو پوری پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اور وہ آٹھ ہزار مہر بطور خرچہ جنگ وصول کرکے مارواڑ کو پلٹ گئے ؁

اِس عرصہ میں پسر عنایت خاں جودھپور سے دہلی کو روانہ ہوا۔ مگر مقام رینوار پر جودھا ہرناوت نے اِسکو آلیا۔ اور اسکی بیگمات اور دولت کو چھین کرلے گیا۔ سوجا بیگ اسکی مدد کو اجمیر سے روانہ ہوا۔ مگر وہ بھی اسی درجہ کو پہنچا۔ اور مکند داس چمپاوت نے اس کو شکست دیکر اُس کا تمام مال واسباب چھین لیا ؁

سمت ۱۷۴۶ میں صفی خاں حاکم اجمیر تھا۔ درگا داس نے اس پر فوج کشی کی۔ صفی خاں نے درہ کوہ پر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست فاش کھائی۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی۔ تو اُس نے خان مذکور کو لکھا کہ اگر وہ درگاداس کو مغلوب نہیں کریگا۔ تو شجاعت خاں کو اُسکی جگہ نامور کیا جائیگا۔ اب صفی خاں نے ایک چال چلی۔ یعنی اجیت سنگھ کو ایک خط اس مضمون کا تحریر کیا۔ کہ اُس کے پاس سند شاہی واسطے واپسی اِس کے ملک موروثی کے آگئی ہے تم خود آکر لے جاؤ۔ اِس خط کے پہنچنے پر اجیت سنگھ بیس ہزار راٹھور لیکر روانہ ہوا مگر مکند چمپاوت

کو آگے بھیجا گیا۔ تاکہ اصلیت حال معلوم کرے۔ صفی خاں کا فریب ظاہر ہو گیا۔
راجہ اگرچہ صغیر سن تھا۔ مگر اُس نے کہا کہ اب اس قدر نزدیک پہنچکر خانصاحب کی ملاقات ضرور کرنی چاہیئے۔ تمام سپاہ آگے بڑھی۔ اور اب صفی خاں کو سوائے فرمانبرداری اجیت سنگھ کے کوئی چارہ نہ رہا۔

سمت ۱۷۵۰ میں مسلمان حاکمان جودھپور جہالور اور سیوانوں نے متفق ہو کر اجیت سنگھ کے مقابلہ پر فوج آراستہ کی۔ اس موقعہ پر اگرچہ اجیت سنگھ کوہستان میں چلا گیا تھا۔ مگر اکھو داللہ نے ان کا مقابلہ کیا۔ اور اس متفقہ فوج کو شکست فاش دی۔

سمت ۱۷۵۱ میں بہت سے مسلمان حاکموں نے اجیت سنگھ کی تابعداری منظور کی۔ مگر قاسم خاں اور لشکر خاں نے بجے پور پر حملہ کیا۔ لیکن درگاداس کے مقابلہ میں شکست کھائی اسی سال میں اجیت سنگھ کی شادی رانائے اودے پور کے بھائی گج سنگھ کی دختر سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوئی۔

آج تک اورنگ زیب کی پوتی یعنے شہزادہ اکبر کی دختر درگاداس کے پاس تھی اور چونکہ اب وہ جوان ہو چکی تھی۔ اس لئے اورنگ زیب کو اس کا بڑا فکر رہتا تھا۔ اُس نے درگاداس کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ اور منصب پنجہزاریکا وعدہ کرکے اپنی پوتی کو واپس ملنے کی درخواست کی۔ درگاداس نے اس منصب سے تو انکار کیا۔ مگر بادشاہ کی پوتی کو باعزت اس کے پاس بھیجدیا۔

سمت ۱۷۵۷ میں اجیت سنگھ نے اپنے بزرگوں کے مقام جودھپور پر نئے سرے سے قبضہ حاصل کیا۔ مگر سمت ۱۷۵۹ میں شہزادہ معظم نے دوبارہ جودھپور لے لیا۔ اور اجیت سنگھ نے جہالور کو اپنا مقام قیام تجویز کیا۔
اسی سال میں اجیت سنگھ کی چوہانی رانی سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور اُس کا نام اُبھے سنگھ رکھا گیا۔

اب مسلمانوں نے پھر زور پکڑا۔ ہندوؤں کے مقامات متبرکہ متھرا پریاگ اور کمنڈل میں گاؤکشی ہوتی تھی۔ اور سادھو برہمن سخت مایوسی کی حالت میں ایشور سے پناہ مانگتے تھے۔
چیت شدی پنجمی سمت ۱۷۶۲ کو اورنگ زیب کے مرنے کی خبر پہنچی۔ اجیت سنگھ پھر سوار ہُوا اور جودھپور پونہچا۔ مسلمان تاب مقابلہ نہ لاکر بھاگے۔ اور اجیت سنگھ اپنے بزرگونکے

محل میں داخل ہوا۔ راٹھوروں کے غضب سے کہ ۲۶ برس سے خون جگر کھا رہے تھے مسلمان مفرور ہوئے اور جو دولت انہوں نے سالہا سال کے ظلم و تعدی سے جمع کی تھی۔ آخر کار مستحق مالکوں کے ہاتھ پڑی مسجدوں میں رام نام کی تسبیح پھرنے لگی۔ اس وقت مسلمان اِسقدر خوف زدہ ہوئے تھے۔ کہ مسلمان فقیروں کی زبان سے بھیک مانگتے وقت ہر گوبند اور سیتا رام سُنا جاتا تھا۔ اور اکثر مسلمانوں نے ہندو ظاہر ہونے کے لئے داڑھی تک کو منڈوا ڈالا تھا۔ سوجت اور پالی پھر شامل جودھپور ہوئے۔ محلات جودھپور کو گنگا جل سے پاک کیا گیا۔ اور نئے سرے سے راج تلک کی رسم ادا ہوئی ؛

ادھر اب شاہ عالم جب شہزادہ معظم کو شکست دیکر دہلی کے تخت پر بیٹھا تو وہ خود ایک بڑی سپاہ کے ساتھ اجمیر میں آیا۔ مگر اس کے مشیروں نے صلاح دی۔ کہ لڑائی کی نسبت فریب سے کام لیں۔ قاہر خاں صلح کا پیغام لیکر اجیت سنگھ کے پاس آیا۔ صاف دل راجپوتوں نے باوجودیکہ وہ کئی دفعہ دھوکا کھا چکے تھے۔ اب بھی اس کے قول پر اعتبار کیا۔ اجیت سنگھ جودھپور سے روانہ ہوا بادشاہ کی طرف سے شجاعت خاں نے اسکا استقبال کیا۔ اور اندپور کے مقام پر بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ جس نے اِسکو تیغ بہادر کا خطاب دیا۔ مگر پیچھے سے محراب خاں نے جودھپور پہنچکر وہاں اپنا قبضہ کر لیا۔ اجیت سنگھ کو یہ حال سنکر بڑا رنج ہوا۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ مجبوراً عالم شاہ کے ساتھ دکن کو روانہ ہوا۔ اور کام بخش کیساتھ ملکر کام کرنا منظور کیا۔ لیکن جب بادشاہ نے عبور دریائے نربدہ کا کیا تو جیت سنگھ اور جے سنگھ کو اپنے ارادہ کی تکمیل کا موقعہ ملا یہ فوراً واپس پلٹے اور اودے پور میں گئے۔ یہاں کے رانا نے بخوشی تمام اِن کا استقبال کیا ؛

اودے پور سے دونو راجہ مارواڑ کو روانہ ہوئے۔ اور جب محراب خاں نے سنا کہ اجیت سنگھ اپنے وطن کو واپس آرہا ہے۔ تو اُسکو سخت اندیشہ پیدا ہوا۔ ۳۰ ہزار راٹھور جودھپور کے گرد جمع ہوئے۔ مگر درگاداس کی سفارش سے محراب خاں کو صحیح و سالم قلعہ سے نکل جانیکی اجازت دیگئی۔ اور اجیت سنگھ ایک مرتبہ پھر داخل دالریاست ہوا ؛

اِس کے بعد اجیت سنگھ نے سانبھر پر حملہ کیا۔ سید بارہ ہزار آدمی لے کر مقابلہ پر آیا مگر چھ ہزار سپاہ کے ساتھ میدان جنگ میں کام آیا۔ اِس شکست کا حال سنکر مسلمانوں نے بذات خود امبر کو خالی کر دیا۔ اور جے سنگھ نے اپنا قبضہ کر لیا ؛

اب بادشاہ نے کام بخش کو قتل کر کے اجیت سنگھ اور جے سنگھ کو پھر صلح کا پیغام بھیجا۔ اور اجیت سنگھ کو سند نو قلعہ ماروکی اور جے سنگھ کو سند امبر کی عطا کی ؏

جن متعصب مؤرخوں نے ہندو جنگ آوروں کو خالی از حب الوطنی بیان کیا ہے اُن کو چاہیئے تھا کہ ان تیس سالہ واقعات کا ملاحظہ ذرا آنکھیں کھولکر کرتے۔ راٹھوروں کا قول ہے۔ کہ ان کا کوئی رئیس اپنے بستر پر نہیں مرا۔ اور یہ امران کے لیئے بیشک ایک قابل فخر ہے جسونت سنگھ کی وفات کے بعد اگر رئیسانِ مارواڑ اجیت سنگھ کا ساتھ چھوڑ دیتے تو بادشاہ کی طرف سے انکو خاص اعزاز عطا ہوتے۔ مگر انہوں نے اپنے کمسن راجکمار کی حفاظت کو نہیں چھوڑا اگرچہ وقتاً فوقتاً بادشاہ کی طرف سے اِنکو بڑی بڑی ترغیبیں دیجاتی تھیں اور بڑے بڑے سبز باغ دکھائے جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے فرض کو کمال نیک نیتی سے ادا کیا سب سے بڑھ کر نمک حلالی اور شجاعت درگا داس نے دکھلائی کہ منصب پنجہزاری بھی جس سے وہ ایک مرتبہ راجگان اور رئیسانِ کلان میں شامل ہوجاتا۔ صاف انکار کردیا دشمن نے اس کے لایق بھائی سونگ کو قتل کیا تھا۔ لیکن اُس کی انسانیت میں کچھ فرق نہ آیا۔ اور جب اتفاق سے اِسکے دشمن گرفتار ہوکر اسکے ہاتھ میں آگئے تو وہ بڑے سلوک کیساتھ ان سے پیش آیا۔ شہزادہ اکبر نے اُس سے پناہ مانگی تو اُس نے ایک اصیل راجپوت کی طرح دشمن کی درخواست کو منظور کیا۔ اسکے عیال و اطفال کی بڑی عزت سے حفاظت کی اور جب بادشاہ نے اپنی پوتی کو منت سے طلب کیا۔ تو بحفاظت اُس کے پاس بھیجدیا ؏

سمت ۱۷۶۸ میں اجیت سنگھ بمقابلہ ناہن اور رئیسانِ کوہ برفی کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ اور اُس نے انکو مطیع کیا ؏

سمت ۱۷۶۹ میں شاہ عالم فوت ہوا۔ اور اُسکے بیٹوں میں نا اتفاقی کا شعلہ بھڑکا جس سے عظیم الشان قتل ہوا اور چتر شاہی معزالدین کے سر پر رکھا گیا۔ اجیت سنگھ نے سند صوبیداری گجرات حاصل کی اور ایک فوج گجرات کا قبضہ حاصل کرنیکے لئے آراستہ کی ؏

اس عرصہ میں چغتائی خاندان کے تنازعات جدید پیدا ہوئے سیدوں نے معزالدین کو قتل کر کے فرخ سیر کو بادشاہ بنایا۔ ذوالفقار خاں قتل ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی مغلیہ طاقت بھی ختم ہوگئی۔ سیدوں کا اقتدار بڑھا۔ اور انہوں نے اجیت سنگھ کے فرزند بھے سنگھ کو جسکی عمر اِسوقت سترہ سال کی تھی۔ مع سپاہ کے دربار میں بلا بھیجا۔ مگر جب اجیت سنگھ کو معلوم

ہوا کہ دغا باز محکم سنگھ جو مسلمانوں سے مل گیا تھا۔ وہیں موجود ہے اور دربار میں اس کا بڑا رسوخ ہے تو اس نے خاص معتبر اُبھے سنگھ کیسا تھ بھیجے جنہوں نے عین شہر کے اندر محکم سنگھ کو قتل کیا۔ اب اُبھے سنگھ کو منصب پنجہزاری اور اجیت سنگھ کو ہفت ہزاری عطا ہوا؛

اجیت سنگھ خود بھی دہلی میں آیا۔ لیکن جب اُس نے رستہ میں ان شخصوں کے مزار دیکھے۔ جنہوں نے بچپن میں اُسکی حفاظت کرکے اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ تو اس کا دل بھر آیا۔ اور اُس نے خاندان مغلیہ سے انتقام لینے کا پختہ ارادہ کرلیا؛

سمت ۱۷۷۲ میں اجیت سنگھ نے اپنے بیٹے کے ساتھ میلوس پر حملہ کیا۔ نیمچہ سے خراج وصول کیا۔ اور رانا تھراؤ نے ایک لاکھ روپیہ نذرانہ دیا۔ پھر مقام لکھی کا محاصرہ کیا۔ اور وہاں سے بھی ایک معقول رقم نذرانہ کی لی۔ ۱۷۷۵ء میں جیالدہواؤ کو فتح کیا۔ اور مقام بوانگر کو مغلوب کرکے تین لاکھ روپیہ بطور خراج وصول کیا۔ اس کے بعد وہ دوارکا کے درشن کو گیا۔ وہاں سے واپس آیا تو سُنا کہ اندر سنگھ نے دوبارہ ناگور حاصل کرلیا ہے۔ مگر وہ اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا؛

۱۷۷۶ء میں سید عبداللہ خان بادشاہ سے منحرف ہوگیا۔ اور اجیت سنگھ کے ساتھ مل کر بادشاہ کو تخت سے اُتارنے کا مشورہ کیا۔ حسین علی کو دکن سے بلایا گیا۔ اور دہلی میں پہنچ کر اس سب کے سب دریائے جمن کے کنارہ پر جمع ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرخ سیر قید ہوا اور اس کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت پر بٹھایا گیا۔ مگر وہ چار مہینے بعد فوت ہوگیا۔ اور رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا گیا۔ مگر مغلیہ دہلی نے آگرہ میں نکو بادشاہ کو تخت پر بٹھایا۔ حسین علی اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ نکو بادشاہ قید ہوا۔ مگر رفیع الدولہ نے بھی وفات پائی۔ اور اجیت سنگھ اور سیدوں کے مشورہ سے محمد شاہ تخت پر بیٹھایا گیا؛

اس کے بعد اجیت سنگھ اپنے دارالخلافہ جودھپور میں گیا۔ مگر سمت ۱۷۷۷ میں قاصد یہ خبر لایا۔ کہ مغلوں نے سیدوں کو قتل کردیا۔ اور یہ اِس کے فکر میں ہیں یہ خبر سُنکر اجیت سنگھ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ جاکر اجمیر پر قبضہ کرے۔ چنانچہ وہ بارہ روز کے اندر بمقام میرتا داراور روز روشن میں تارہ گڈھ یعنے قلعہ اجمیر پر قبضہ کرلیا۔ اور وہاں کے حاکم کو جو بادشاہ کی طرف سے وہاں حکمران تھا۔ قتل کیا۔ مسجدوں کی جگہ مندر تعمیر ہوئے اور جس جگہ قرآن شریف کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ نئے سرے سے گھنٹوں کی آواز آنے لگی؛

اب اجیت سنگھ تخت شاہی پر بیٹھا۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ عدالتیں قائم کی گئیں۔ [...]ہیوں کے واسطے خطاب تجویز ہوئے۔ اور پالکی چوبدار نوبت نشان اور ہر ایک علامت حکومت [...]شاہانہ قایم ہوئی ؀

سمت ۱۷۷۸ میں بادشاہ نے دوبارہ اجمیر کو لینا چاہا۔ اور مظفر خاں کو بجانب مارواڑ روانہ کیا۔ [ا]جیت سنگھ نے آٹھ سردار اور تیس ہزار راٹھور دیگر اپنے فرزند ابھے سنگھ کو مقابلہ پر متعین کیا۔ [...]ر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مگر مظفر خاں پسپا ہو کر قلعہ نشین ہوا۔ ابھے سنگھ نے اس فتح [...] حوصلہ پاکر شاہجہان پور کو لوٹا۔ نار نول کو غارت کیا۔ اور پاٹن اور ریواری سے مصادرہ [...]یا۔ دیہات جلا دیئے اور الہ وردی سرائے تک تاخت و تاراج کیا ؀

سمت ۱۷۷۹ میں بادشاہ نے ناہر خاں کو اجیت سنگھ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مگر وہ بھی چار [...]ار ہمراہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں کام آیا۔ محمد شاہ اس خبر کو سنکر ایسا دل برداشتہ [ہ]وا کہ وہ تاج و تخت کو ترک کر کے مکہ کو جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مگر قبل اس کے ناہر خان [کا ب]دلہ لینے کے لئے ایک فوج کثیر جمع کی۔ بائیس صوبوں سے سپاہ طلب ہوئی۔ اور ماہ شوال [...]تارہ گڈھ کا محاصرہ کیا گیا۔ چار مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ مگر آخر کار جے سنگھ کی معرفت [ا]جیت سنگھ سے صلح قرار پائی۔ مسلمانوں نے قرآن درمیان دیکر قسم کھائی۔ اور اجیت سنگھ [نے] اجمیر چھوڑ دینا قبول کیا۔ ابھے سنگھ جے سنگھ کے ساتھ لشکر میں گیا۔ جے سنگھ نے اپنی کفالت [...]ی۔ مگر ابھے سنگھ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھکر کہا کہ میری مددگار یہ ہے ؀

ابھے سنگھ وارث مارواڑ دہلی میں گیا۔ اور بادشاہ نے اس کا استقبال بڑی شان و [شو]کت کیساتھ کیا۔ چونکہ اسکو معلوم تھا۔ کہ اس کے باپ کی نشست بادشاہ کے دست راست [...]ے۔ اس لئے بہ حیثیت اس کے قایم مقام کے بلا لحاظ تکلفات دربار میں قدم بڑھاتا اور [...]ب ذی رتبہ سرداران سے گذرتا ہوا تخت کے قریب جا پہنچا۔ بلکہ اس کے ایک زینہ پر [ق]دم بھی رکھدیا۔ ایک رئیس نے اسکو روکا۔ اس نے ہاتھ خنجر پر ڈالا۔ اگر بادشاہ خود نہ روکتا [تو] یقین تھا کہ سیلاب خون جاری ہو جاتا ؀

اجیت سنگھ کی زندگی کے واقعات بیان ہو چکے۔ اور اگرچہ ہم نے نہایت اختصار [س]ے کام لیا ہے۔ مگر پھر بھی ناظرین پر روشن ہو گیا ہوگا۔ کہ اجیت سنگھ کی زندگی کس ہمت [او]ر استقلال کا نمونہ تھی۔ اس کی عمر کا ایک لمحہ بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن یہ اسی مرد

میدان کا حوصلہ تھا کہ وہ ذرا بھی ہمت نہ ہارتا تھا۔ اس کا دل مضبوط اور اس کا استقلال بے نظیر تھا
اجیت سنگھ نے ۱۷۲۴ء میں وفات پائی۔ اگرچہ مصنف سورج پرکاش نے اس کی موت
کا اصلی باعث نہیں لکھا۔ مگر تواریخ راجستھان سے پایا جاتا ہے کہ اس کا اپنا بیٹا ابھے سنگھ
ہی دشمن کے فریب میں آکر اسکی موت کا باعث ہوا تھا؛

راجہ ابھے سنگھ

جب راجہ اجیت سنگھ تیر اجل کا نشانہ بن چکا۔ اور ملک مارواڑ میں ایک تباہ کن انقلاب
پیدا ہو گیا۔ تو محمد شاہ نے ابھے سنگھ کو باقاعدہ مسند نشین کیا۔ ماتھے پر اپنے ہاتھ سے راج
تلک لگایا۔ کمر پر مرصع تلوار باندھی۔ اور قیمتی طرہ زیب سر کیا ایک جواہر کار پیش قبض
بھی عنایت فرمائی؛

اور راجہ اجیت سنگھ کے زمانے میں جس قدر نوبت نقارے اور دیگر مراتب تھے
سب عطا کر کے صوبہ ناگور جو پسران امرا کے تصرف میں تھا اضافہ کیا گیا۔ اور اس کا قبضہ
باضابطہ سند کے کاغذ میں درج کیا گیا؛

اسکے بعد ابھے سنگھ اپنے موروثی ملک کو روانہ ہوا۔ اور دارالریاست میں پہنچکر بھاٹ
چارن اور پروہتوں کو دل کھولکر انعامات اور جاگیریں عطا کیں؛

مگر یہ مسرت زیادہ دیر تک نہ رہی۔ اجیت سنگھ اور بادشاہ کے ایام ناموافقت میں
منڈور کے قدیم رؤسا کی اولاد کو ناگور مل گئی تھی۔ اس پر فوج کشی کی تیاریاں ہوئیں۔ ان
دنوں شاہی لشکر نے اجمیر کا محاصرہ کیا تھا۔ ارادت خان منگن تحصیلدار جزیہ نے ایندرہ
ہاتھ تھام کر ناگور میں بٹھا دیا تھا۔ ہولی کے بعد جب ابھے سنگھ کا لشکر گیا۔ تو راؤ ایندرہ
شاہی سند جے سنگھ والئے امبر کی عطا کی ہوئی تھی دکھائی۔ لیکن ابھے سنگھ نے
التفات نہیں کیا۔ اور ناگور کا محاصرہ کر لیا۔ جس سے راؤ ایندر اپنا قلعہ چھوڑ کر چلدیا
ابھے سنگھ نے اپنے بھائی بخت سنگھ کو دیدیا۔ اس سے فراغت کر کے یہ منتظم راجہ
کی شورش جو مارواڑ کی مغربی سرحد پر واقعہ ہے۔ مٹانے میں مصروف رہا۔ چنانچہ سند

بالا- وبورا وما لیچا وسودا نے اطاعت اختیار کی- انہیں دنوں میں سلطنت کی طرف سے طلبی کا خط پہنچا- اور راجہ اُبھے سنگھ دہلی کی طرف روانہ ہُوا- اِسی اثنا میں اُس نے اپنی ریاست کا دورہ بھی کیا- اور ضروری نظم ونسق کے بعد مکانات وقلعہ جات کی مرمت و تعمیر کا حکم دیا- مقام پربت پور میں وہ عارضہ چیچک میں مُبتلا ہُوا- مگر ایشور نے بہت جلد صحت عطا فرمائی ؂

جب راجہ اُبھے سنگھ دہلی پہنچا- تو بادشاہ نے خان دوران کو جو اس وقت عمدۃ العمائد سلطنت تھا- استقبال کے لئے بھیجا- اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ اسکو دربار میں بلایا جب اُبھے سنگھ دربار میں آیا- تو بادشاہ نے توقیر ومحبت کے لہجے میں کہا- خوش آمدی- اے خوش بخت مہاراجہ راجیشور! بعد مدت دراز ملاقات ہوئی- آج ہمکو نہایت خوشی ہوئی اور خاص وعام کی رونق دوبالا ہوئی- رخصت کے وقت بادشاہ نے انواع واقسام کے میوہ جات اور عطریات اور گلاب وغیرہ قیمتی اشیا بطور مہمان نوازی کے ارسال کیں ؂

ہم جس وقت کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ وقت تھا- جبکہ مسلمانوں کی سلطنت کا زور کم ہو چلا تھا- ملک میں علےالعموم آزادی اور خودسری کی ہوا پھیلی ہوئی تھی- زیادہ تر قابل ذکر یہ بات ہے- کہ دکن میں فتنہ اور فساد کا ہنگامہ روز افزوں ترقی پر تھا- شہزادہ جنگلی نے سرکشی اختیار کی اور ساٹھ ہزار فوج کی جمعیت سے مالوہ صورت احمد آباد پر حملہ آور ہوا اور ابراہیم قلی- رستم علی مغل شجاعت گروہر بہادر جیسے بہادروں کو خاک میں ملا دیا- جن کے قیمتی نفوس سلطنت کے لئے مایہ استحکام تھے- بادشاہ نے مجبور ہو کر شہزادہ مذکور کی بغاوت دور کرنے اور اس بے امنی اور شورش کے مٹانے کے لئے سربلند خاں کو انتخاب کیا- بیشمار فوج اور ایک کروڑ روپیہ عطا کیا- اور شہزادہ جنگلی کے مقابلہ کا حکم ہوا- سربلند خاں اگرچہ مسلمانوں کی فوج میں ایک جری اور قوانین جنگ سے واقفیت رکھنے والا ایک اعلےٰ افسر تھا- لیکن بدنصیبی سے پہلے حملے ہی میں اُس کی فوج نے جسکی تعداد دس ہزار تھی شکست پائی اور وہ ایمان فروش بادشاہ سے منحرف ہو کر دشمنوں میں اِس شرط سے جا ملا- کہ ملک جب فتح ہو تو اُسکا بھی ایک واجبی حصّہ قرار دیا جاوے ؂

بادشاہ کو اِس خطرناک ہنگامہ سے اور بھی زیادہ تشویش پیدا ہوئی دربار جما ہُوا تھا اور بادشاہ تخت شاہنشاہی پر رونق افروز تھا- درباریوں میں وزیر قمرالدین خاں اعتمادالدولہ خاں

دوران سپہ سالار (امیر بخشی) صمصام الدولہ امیر الامرا منصور علی۔ روشن الدولہ طرہ باز خاں سم کا (بخشی) رستم جنگ۔ افغان خاں۔ خواجہ سعید الدین حاکم اعلیٰ توپخانہ ممبر آتش) سعادتخاں داروغہ خاص برہان الملک عبد الصمد خاں۔ دلیل خاں۔ ظفر یاب خاں۔ صوبہ دار لاہور خانخاناں ظفر جنگ ارادتخاں۔ مرشد قلی خاں۔ جعفر خاں الاوردی خاں۔ نواب بنگالہ دغاباز ومفسد ثانی مظفر خاں حاکم اجمیر وغیرہ بہتر عمائد الدین حاضر الوقت تھے۔ کہ بلند آواز سے یہ خط سنایا گیا۔ سربلند نے گجرات کو فتح کرلیا۔ اور اپنی منادی پھروادی اقوام کلی کو تباہ کردیا۔ اور اقوام مندلا وجھالا وخوراسما دگھیل وگوہیل کو مطیع ومنقاد بنا اور قوم بالا کو اپنی ابلہ فریبوں سے خاک سیاہ کردیا۔

بھومیا والے خود ہی اپنے اپنے قلعے چھوڑکر اسکی پناہ میں جاگزیں ہوئے۔ اور ہالہ گذارنے خراج گذاری منظور کی اب گجرات کے سترہ ہزار گاؤں اُسے اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور سوتھروں کیبا تھ اُس نے صلح کرلی ہے۔

جس وقت یہ خط پڑھا گیا۔ دربار میں ایک سناٹا چھا گیا۔ اور سب کو حیرت تھی۔ بادشاہ نے سوچا کہ اگر سربلند کی جلد سرکوبی نہ کی گئی۔ تو تمام صوبہ دار دیکھا دیکھی سرکش ہوجائینگے۔ اور دہلی کی سلطنت خاک میں ملجائیگی۔ کیونکہ نظام الملک دکن میں اپنی نیت خراب کرچکا تھا رہا سہا سربلند تو وقت کا بادشاہ ہی بن بیٹھا۔

شاہی اشارہ سے ایک سنہری طشتری میں سربلند کے مقابلہ کا بیڑا رکھا گیا۔ اور شاہی حُکم سے وہ تمام موجود درباریوں کے روبرو لایا گیا۔ مگر کسی کو جراءت نہ ہوئی کہ بیڑے کو ہاتھ بڑھا کر اُٹھائے۔ سربلند خاں کی صف شکنی اور شمشیر زنی سے کوئی ناواقف نہ تھا اور جب کہ سترہ ہزار آباد قصبوں کا وہ بادشاہ مسلم ہوچکا تھا۔ تو اُس کا مقابلہ کوئی آسان امر نہ تھا جوں جوں طشتری کی مسافت دور کم ہوتی جاتی تھی۔ بادشاہ کی تشویش بڑھتی جاتی تھی۔ آخر جب بہتر درباریوں میں کوئی اس قابل نہ نکلا جو اپنے ملک و بادشاہ کی عظمت قایم رکھنے کے مقابلہ میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرے۔ اور سربلند خاں کو نیچا دکھائے۔ تو راجا ابھے سنگھ جو دربار میں حاضر تھا۔ نہایت جوش سے اُٹھا۔ اور ایک لاپرواہی کیساتھ طشتری سے بیڑا اُٹھایا اور اپنی دستار میں رکھ لیا۔ جسکے ساتھ ہی درباریوں کے سر خجلت سے جُھک گئے۔ دلوں میں رشک وحسد کی آگ مشتعل ہوئی۔ نگاہیں اکبارگی آفرین کہتی ہوئی بہادر راجہ کے

چہرے کی طرف اٹھ گئیں جس سے شجاعت کے آثار اُسی طرح برس رہے تھے جس طرح سورج کے چمکتے ہُوئے رخسارے نور کی کرنیں برسایا کرتے ہیں ؛

راجہ کے اِس انداز شجاعت سے بادشاہ بہت خوشنود ہُوئے اور کہا اسی طرح تمہارے بزرگوں نے تخت کی اعانت کی ہے اور عہد جہانگیر میں یونہی خرم و بھیم کا مفسدہ فرو کیا ہے ہمکو امید ہے کہ اب بھی محمد شاہ کے تخت کی عزت و حرمت برقرار رکھو گے ؛

قیمتی عطیہ مع سات رقوم جواہرات گراں بہا مرحمت ہوا۔ خزانہ کھولا گیا۔ اور اکتیس لاکھ روپیہ مصارف فوج کے لئے دیا گیا۔ چنانچہ زر مذکور مع اسناد صوبہ داری اجمیر و گجرات لیکر بہادر راجہ خوشی خوشی انتظام سفر کیلئے جون ۱۷۳۰ء کو دہلی سے رخصت ہُوا ؛

ذکی الطبع راجہ کئی مصلحتیں سوچکر پہلے اجمیر[۱] میں آیا اور والئے امبر سے ملاقات کی پھر اجمیر میں اپنے افسر متعین کر کے میرٹا کو روانہ ہُوا۔ جہاں وہ اپنے بھائی سے جسے ناگور کی ریاست مل چکی تھی۔ ملا اور وہاں سے دار الریاست میں پہنچا۔ تمام رئیسوں اور فوجی افسروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جلد سامان فوج تیار کریں اور لشکر کی حسن ترتیب میں مشغول ہوں ؛

جب ابھے سنگھ ترتیب فوج اور اسکے ساز و سامان سے فارغ ہوا۔ تو بجائے اس کے کہ وہ گجرات کی طرف سفر کرتا۔ وہ مدتوں کی کاوش اور دلی رنجش کی آگ انتقام کو اب سرو سے بجھانے کے لئے سروہی کی طرف متوجہ ہُوا ؛

سبب یہ تھا کہ ارادلی قوم کے لوگ اُسکے رقبہ ریاست سے موقعہ پاکر کچھ مویشی لے گئے تھے۔ جب راجہ کو یہ بات معلوم ہُوئی۔ تو اُس نے مخبروں سے کہا کہ چونکہ ہمارے چارہ کی کمی ہے۔ اِسلئے وہ انہیں پہاڑی مرغزاروں اور قدرتی چراگاہوں میں آسودہ کرنے کیلئے لے گئے ہیں۔ چنانچہ جب لشکر کی آمد آمد معلوم ہوئی۔ تو وہ مویشی مذکور بجنسہٖ واپس دے گئے یہاں سے آگے بڑھکر راجہ ابھے سنگھ نے ریوار و پر حملہ کیا۔ اور خوب لڑائی ہُوئی۔ چمپاوت کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر کار قوم دیورا کوہستان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی فتحیاب راجہ کی طرف سے ایک دستہ فوج وہاں حفاظت کے لئے متعین کیا گیا۔ اور باقی لشکر نے مقام پوسالیو کی طرف کوچ کیا۔ کوہ آبو اِس فتحمند فوج کی شان و شوکت دیکھ کر اپنی جگہ پر کانپ رہا تھا۔ اور سروہی نہایت بے اطمینانی کیحالت میں تھی۔ اُس کے راجہ بیرنا امیدی اور

---

[۱] اجمیر جانے میں ابھے سنگھ کی دو مصلحتیں تھیں ایک تو یہ اجمیر تمام راجپوتانہ کی کلید تھا دوسرے یہ کہ وہ اپنی مہم میں والئے امبر سے بھی مشورہ بھی کر لینا مناسب سمجھتا تھا ؛

ناکامی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ آنے والی مصیبت کا سامنا کرنے کے لیئے نہایت بےچینی
کے ساتھ تیار ہو رہا تھا۔ جب اُس نے یہ سُنا کہ ریوار و اور پوسا کیو کو جرار لشکر نے تباہ کر دیا۔ تو
اُسے بہت رنج و غم پیدا ہوا۔ مجبور ہو کر یہ تجویز کی کہ اپنی حسینہ و جمیلہ راجکماری کو راجہ ابھے سنگھ
کی خدمت میں بطور ہدیہ کے پیش کرے۔ چنانچہ اطاعت کا پیام دیا گیا۔ اور شادی کا اہتمام
کیا گیا۔ راجہ ابھے سنگھ نے اپنے حریف مطیع کی اس درخواست کو منظور کیا اور نہایت دہوم دہام
کے ساتھ مرحوم مان سنگھ کی راجکماری والیئے سروہی نے ابھے سنگھ کے ساتھ منسوب کر دی۔
اور آٹھ لاجواب گھوڑے اور دو ہاتھی اور نارجیل وغیرہ بہت سے تحفہ جات بطور جہیز یا
نذرانہ کے بھیجدیئے۔ ساتھ ہی خفیہ خراج ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

شادی سے فراغت کر کے راجہ ابھے سنگھ خوشی خوشی دریائے سرسوتی کے کنارے پالھن پور
اور سدیوا کے راستے سے مع راجہ (ل) دیورا کی فوج اور اپنے لشکر کے روانہ ہوا۔ اثنائے سفر ہی میں
ہوشیار راجہ نے قاصد کے ہاتھ سربلند خاں کو یہ کہلا بھیجا کہ جملہ سامان شاہی و اتواپ و
سامان جنگ واپس دے۔ اور جو محاصل اس نے تحصیل کیا ہو۔ اسکا حساب ہنلائے اور
اپنی فوج کو قلعہ احمد آباد اور دیگر مکانات سے نکالدے۔ لیکن سربلند نے اِس کا جواب نہایت
مختصر مگر پرشوکت الفاظ میں دیا کہ سربلند خاں خود بادشاہ ہے اور احمد آباد اس کے سر
کے ساتھ ہے۔

منزل مقصود کے قریب پہنچکر ایک بڑا فوجی دربار منعقد ہوا۔ جس میں تمام راجپوت افسر
حاضر تھے اور مواقع جنگ پر ہر پہلو سے بحث کی گئی سرداروں میں بہت کچھ جوش پیدا تھا
اور ہر ایک کی یہی آرزو تھی کہ سب سے پہلے میں ہی میدان جنگ میں اپنی قربانی کروں کوسل
جو ہرناتھ راموالے کا بیٹا تھا۔ اور تخت کی جانب راست اس کی جگہ تھی۔ نہایت جوش کے
ساتھ کہنے لگا کہ آؤ ہم شل کا کا (جانور جسے ماہی گیر بھی کہتے ہیں) کے آب جنگ میں غوطہ زنی کریں
کھی رام اسوب والا کیسری میرتیا۔ سرہور رئیس اودا دت جولین اُس کے ہمزبان تھے اس کے
بعد کھانو آٹیس جودا اپنی زبان پر لایا۔ کہ میں اُس سدا بہار ہار کا پہلا خریدار ہوں جسے بہشت
کی حوریں اپنے نازک نازک ہاتھوں سے تحسین و آفرین کے گیت گاتی ہوئی پہنائینگی۔ ہم
اپنی پوشاک زعفرانی رنگیں گے۔ اور اپنی برچھی کو رنگ کر اس میں سُرخ کر کے سربلند

(ل) اظہار اطاعت کے لیئے۔ راجہ دیورا نے اپنی فوج بھی راجہ کے ساتھ کردی تھی۔ تاکہ سربلند خاں کو
شکست دینے میں مدد دے۔

کے سر کی گیند کھیلیں گے۔ بعض شجاعت کی بیخودی میں جنگ جنگ پکار اُٹھے اور بعضوں نے اپنی پوشاک رنگ لی۔ اور موت کے راستے بہشت میں جانے کا قصد مصمم کر لیا غرض راجپوتی فوج کے چھوٹے بڑوں نے نہایت بیچینی کے ساتھ جنگ جنگ کر کے انتظاری کی مدت ختم کی ؛

سربلند نے اپنی حفاظت کا کافی انتظام کیا تھا۔ چنانچہ شہر کے صدر پھاٹک پر دو ہزار سپاہی مع پانچ ضرب توپ یورپین فوج کے اہتمام میں مقرر کئے تھے۔ جس کے آس پاس برق اندازوں کا ایک دستہ ہر وقت گردش کرتا تھا ؛

راجہ اُبھے سنگھ کی فوج نہایت اطمینان اور استقلال کے ساتھ حملہ آور ہوئی۔ پہلے ہی حملے میں سربلند کا فرزند قتل ہوا۔ بخت سنگھ کچھ عجب انداز شجاعت سے وار کر کے بہادروں کے تن کو بار سر سے سبکدوش کرتا تھا۔ اوٹ اور آوٹ کے شیر صفت حملوں سے زمین کانپ اٹھتی تھی۔ اور آسمان لرز جاتا تھا جانباز کوسل چمپاوت جان بحق تسلیم ہوا ؛

آفتاب حیرت کا آئینہ بنا ہوا تھا۔ اور سورج بنسی خاندان کی سرفروشیاں دیکھ دیکھ کر اپنی کمان کشی اور تیراندازی بھولا جاتا تھا۔ راجپوتوں نے جن کی موت ہمیشہ میدان جنگ میں سرخرو بنا کرتی ہے۔ اس لڑائی میں دل کھولکر اپنی قیمتی جانوں کے قربان کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کیا۔ احمد آباد کی بلند دیواریں اگر گردش دوران سے مٹ نہ جاتیں۔ تو وہ آج نہایت آفرین کے ساتھ اس امر کی شہادت دیتیں۔ کہ راجپوتی خون سے وہ ایک دن اپنا لباس رنگ چکی ہیں۔ آٹھ گھڑی دن باقی رہا تھا۔ کہ سربلند خاں بھاگ کھڑا ہوا اس کے بعد افسر فوج پیشی مقابلہ میں آیا۔ مگر بخت سنگھ کے بہادرانہ وار نے بہت جلد اُس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر تو فتح کے نقارے پر مسرت کی چوٹ پڑنے لگی ؛

گجراتی فوج کے چار ہزار چار سو ترانوے آدمی مقتول ہوئے جن میں سے ایک سو پالکی نشین آٹھ سو ہاتھی نشین اور باقی ایسے تھے کہ جب وہ دربار عام میں جاتے تو انکی تعظیم کیجاتی تھی ؛

بولا کھ خاں انگریز اس جگہ قابل ذکر ہے۔ راجپوتوں کی ایک سو بیس نامی رئیس اور پانچسو سوار بہشت بریں کو سدھارے۔ اور سات سو مجروح ہوئے۔ ہر چند فتح کی مسرت ایک فاتح کے لئے کچھ کم نہیں ہوتی۔ لیکن بہادر راجہ بہت ہی مغموم تھا۔ کیونکہ اس کے بہادر فوجی جان نثار اور رشتہ دار بکثرت کام آئے تھے ؛

دوسرے دن سربلند مع مال و اسباب کے حاضر ہوا۔ اور فوجی حراست میں آگرہ روانہ کیا گیا۔

اس مہم کی کامیابی نے بہادر راجہ کو گجرات کے سترہ ہزار گاؤں مارواڑ کے نو ہزار گاؤں اور ایک ہزار دیگر متفرق دیہات کا حکمران بنا دیا۔ ایڈر۔ بھوج۔ پاکر بسندھ۔ سروہی۔ جالوک ران۔ فتح پور بھیل جولو جیلیر ناگور ڈونگرپور یا سواڑہ۔ اوناداردر وغیرہ ریاستوں کے ذی وقار راجہ ہر صبح کو اسکی سلامی کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

گجرات کی فتح کا وہی مبارک دن تھا۔ جسدن راجہ سری مہاراج رامچند جی نے لڑتے لنکا کو فتح کر لیا تھا۔ گجرات پر اچھی طرح قابض ہو کر راجہ ابھے سنگھ نے ستر ہزار آدمی راج کا کاروبار سرانجام دینے کے لئے مقرر کئے۔ اور تمام مال غنیمت لے کر آپ جودھپور کیطرف مراجعت کی۔ وطن میں پہنچکر منتظم راجہ نے علاوہ دیگر اسباب کے چار کروڑ روپیہ اور ایک ہزار توپوں سے ریاست کی شان و شوکت کو ترقی دی۔

مہم گجرات کے بعد اس بہادر راجہ کی نامور لایف کو شوق آرام طلبی و افیون خوری نے زیادہ آداب و تاب نہ دی اور اس کا شجاعت پسند دل ہمیشہ سست رہنے لگا۔ ہاں اس کے چھوٹے بھائی بخت سنگھ نے دلاوری کے میدان میں شیروں کی طرح بڑھ بڑھ کر قدم زنی کی اگرچہ وہ صرف ناگور کے تین سو ساٹھ گاؤں کا مالک تھا۔ لیکن اس کی جے واریوں اور جانبازیوں نے تمام مارواڑ کو ایک مرتبہ سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔ لیکن وہ خوب سمجھتا تھا کہ بہادری اور جرات کے سبب سے تمام راجپوت اس سے محبت رکھتے ہیں اور دل سے وقعت کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بہت سے لوگ اسے حسد کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں اور ہاتھ بغیر ان تین سو ساٹھ گاؤں کا بچنا بھی مشکل ہے۔ لیکن وہ اس امر کو پسند نہ کرتا تھا کہ کسی ریاست سے درخواست کرکے اس کی امداد و اعانت سے اپنے گھر میں فساد پیدا کرے۔ آخر بھاٹ کے مشورہ سے جو سربلند خاں کی فتح کے بعد جودھپور چھوڑ کر ناگور میں آ گیا تھا اپنے اور والئے امبر کے درمیان رنجش پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور ایک بڑا توسل اسے یوں مل والئے بیکانیر نے جو مارواڑ کی ماتحت اور شاخ ہے اپنے سرپرست ابھے سنگھ کو کشیدہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ابھے سنگھ نے اسکی چشم نمائی کے لئے بیکانیر کا محاصرہ کر لیا بخت سنگھ نے

سمجھا کر بیکانیر کو بچا کر ابھے سنگھ کو نادم کیا جائے۔ کرن کی صلاح سے جے سنگھ کے نام
خط لکھا کہ ہمارے بزرگوں نے امبر کو سخت زک دی تھی۔ اِس وقت تک اِس کا عوض
لیا۔ آج کل جودھپور سے بدلہ لینے کا اچھا موقعہ ہے۔ جبکہ اُسکی بے شمار فوج بیکانیر کا محاصرہ
وئے پڑی ہے۔" بخت سنگھ نے یہ خط لکھکر وکیل بیکانیر کو جو جے پور کا حاضر باش تھا بلا
وری ہدائتیں کیں۔ اور خط مذکور دیکر جے سنگھ کے پاس روانہ کیا ؛

جس وقت یہ خط امبر میں پہنچا تو اراکین ریاست نے باہم مشورہ کیا کہ یہ انکا باہمی تنازعہ ہے
ں اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر وکیل نے جواب دیا ساگر مشیر جے سنگھ سے
ت کرکے دوستی پیدا کر چکا تھا۔ یہ درخواست کی کہ چند امور ضروری ہیں۔ جنہیں میں سوائی
سے خلوت تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مشیر مذکور کے توسل سے دربار خاص تک رسائی
ی۔ اور وکیل نے نہایت برجستہ اور شائستہ الفاظ میں عرض کیا کہ اُبھے سنگھ نے بیکانیر کا
صرہ کر لیا ہے اور سرپرستی کا دعوے دار ہے لیکن والئے بیکانیر آپ کے سوا کسی دوسرے کو
سرپرست نہیں سمجھتا۔ اگر حضور نے مدد نہ کی تو ریاست برباد ہو جائے گی۔ راجہ جے سنگھ شراب
نشہ میں مخمور اور اس پر غرور ترنگ سے چُور تھا۔ بغیر پس و پیش کے وکیل کی درخواست
نظور کر لیا۔ اور اسی وقت ابھے سنگھ کے نام خط لکھا کہ ہم سب ایک ہی خاندان کے رکن
ں اور باہم ایک دوسرے کی رنج و راحت یکساں ہے۔ بہتر ہے کہ بیکانیر کو معاف کر دو اور اُس
محاصرے سے فوج اُٹھالو۔" جب لفافہ بند ہونے لگا۔ تو وکیل نے دست بستہ عرض کیا کہ
سور اتنا اور لکھدیں کہ "ورنہ میرا نام جے سنگھ ہے۔" مہاراجہ نے یہ بھی لکھدیا۔ اور تیز رو شتر
سوار کے ہاتھ اُسی وقت روانہ کر دیا۔ ذرا دیر کے بعد راجہ کا دوسرا مشیر سردار بانس کھوہ آیا۔
س نے جو یہ حال سُنا کہنے لگا غضب ہو گیا۔ مناسب ہے کہ خط مذکور منگوا لیا جائے۔ ورنہ
ھواہوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُسی وقت ہرکاروں پر ہرکارے دوڑائے گئے لیکن اب تیر ہاتھ
نکل چکا تھا۔" آخر بہت جلد خط کا جواب پہنچا۔ لکھا تھا میرے اور میرے ملازموں کے درمیان
خلت و صلاح کا آپ کو کیا استحقاق ہے۔ اگر آپ کا نام جے سنگھ ہے تو میرا نام ابھے سنگھ ہے ؛
جے سنگھ نے خط سُنکر کہا کہ میں پہلے ہی سمجھتا تھا۔ کہ انجام بخیر نہیں اب اس کے سوا
ر کیا چارہ ہے کہ ہم اپنی منتشر قوت کو جمع کریں۔ چنانچہ جب ایک لاکھ فوج جمع ہو گئی تو کوچ
رکے سرحد مارواڑ پر موقعہ کنگوانی میں فروکش ہوئے۔ اور حسب دستور ابھے سنگھ کا انتظار کرنے

لگے ابھے سنگھ کو عین فتح کی حالت میں اس اتفاقی جنگ سے رنجیدگی ہوئی۔ مگر وہ مجبور تھا۔ فوج کو بیکانیر کے محاصرہ سے جدا کر دیا۔ اور جے سنگھ کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر بخت سنگھ کو بھی کمال افسوس ہوا۔ اُسے یہ خبر نہ تھی۔ کہ اسکی افترا پردازی سے راجپوتوں کے جان و مال کو بہت ضرر پہنچیگا۔ اِس کا صرف اسیقدر مقصد تھا کہ بیکانیر کا بال بینکا نہ ہو اور ابھے سنگھ کو زک اٹھانی پڑے۔ اُسکی ناتجربہ کار عقل نے یہ نہ سوچا کہ جے پور اور جودھپور کی نزاع باہمی ایک دوسرے کو تباہ کر دیگی۔ آخر اُس نے افشائے راز کا پاس نہ کر کے یہ ضرور سمجھا کہ مارواڑ کی عزت قایم رہے۔ چنانچہ بھائی سے جا کر کہا۔ کہ بیکانیر کا محاصرہ نہ اٹھاؤ۔ میں خود جا کر جے سنگھ کا مقابلہ کرونگا۔ چونکہ ابھے سنگھ کو بھائی کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی تھی اُس نے بیکانیر کے محاصرہ کی بابت تو اُس کی رائے منظور نہ کی۔ مگر جے سنگھ کے مقابلہ میں اُسے بھیجدیا۔ اگرچہ وہ یہ بات پسند کرتا تھا کہ بھائی کی ناکردنی حرکت کے عوض میں خود ہی زک اُٹھائے راٹھور ناگور میں جمع ہو گئے۔ اور بخت سنگھ دہلی دروازہ میں ایک پیالہ افیون اور ایک زعفران لیکر بیٹھ گیا۔ جو راجپوت وہاں سے نکلتا تھا۔ اُسے پہلے افیون دیکر سینے پر زعفران کا پنجہ بنا دیتا تھا۔ یونہی آٹھ ہزار راجپوت اُسکے حکم پر اپنی جان قربان کرنیکو آمادہ ہوئے۔ پھر اس نے اِن میں سے بھی جانباز بہادروں کو منتخب کرنے کی یہ تدبیر کی۔ کہ باجرہ کے ایک گھنے کھیت میں ہو کر نکلا۔ اور حکم دیا۔ کہ جو اپنی جان سے محبت رکھتا ہو۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔ اِس طرح پانچہزار راجپوت رہ گئے۔ اور ناگور کا راجہ بخت سنگھ انہیں ہمراہ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ کنگوانی پہنچتے ہی بخت سنگھ نے مع اپنے ہمراہیوں کے اُس کی فوج پر حملہ کیا۔ اور تیر و تبر و شمشیر و خنجر سے کشت و خون شروع ہو گیا۔ وہ بیشۂ شجاعت کا شیر درندہ صفوں کو چیرتا اور بہادروں کو آب شمشیر سے سرد کرتا ہوا چلا گیا۔ اتفاقاً پیچھے پھر کر جو دیکھا تو گنتی کے پچاس ساٹھ جان نثار موجود تھے۔ بخت سنگھ کو تحیر ہوا۔ ساتھ ہی گجرسنگھ پورہ کے سردار نے کہا "پچھاڑی کو جنگل میں"۔ بخت سنگھ نے جواب دیا کہ اگاڑی کو کیا ہے ہمیں پچھلے راستے کو دیکھنا بھی نہیں چاہیئے"۔ یہ کہتا اور صفوں کو چیرتا ہوا وہ قلب لشکر میں جا پہنچا۔ جہاں جے سنگھ کی صدر سواری تھی۔ اور علم کا پچرنگ پھریرا ہوا میں لہرا رہا تھا یکبارگی حملہ کیا۔ لیکن سردار بانس کھوہ والے نے جے سنگھ سے کہا کہ اب مقابلہ مناسب نہیں راجہ جے سنگھ نے بمشکل اس بات کو قبول کیا اور کھنڈیلے کی طرف یعنی جانب شمال روانہ

تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ دشمن کو پشت دکھلائی۔ روانگی کے وقت پکار کر کہا کہ سترہ لڑائیاں لڑی ہیں۔ مگر کبھی تلوار سے خاتمہ نہ ہوا۔ جے سنگھ ایک قلیل جماعت کے ساتھ بھاگ گیا۔ اور یہ بات ثابت کر دی۔ کہ ایک راٹھور دس کچھوایہ کے برابر ہوتا ہے۔ بخت سنگھ دشمن پر تیسرا حملہ بھی کرتا۔ لیکن جب اُس نے امبر کی فوج کو بھاگتے دیکھ لیا۔ اور اپنے نقصان کا شمار کیا۔ نیز کرن نے روکا تو باز آیا۔ اُبھے سنگھ نے آکر بھائی کی ہمت مردانہ پر آفرین کہی اور فتحیاب بخت سنگھ نے جوش شجاعت میں موچھوں پر تاؤ دیکر کہا کہ اب کی بار بھگتیہ کو امبر کے قلعہ سے نکال دوں گا۔

بعد میں اگرچہ رانائے میواڑ نے جے سنگھ اور ابھے سنگھ کے درمیان صلح کرا دی تھی مگر بادشاہ کے دربار میں ابھے سنگھ اکثر تمسخر کیا کرتا اور کہتا کہ تمہاری پیدائش کش (کشا گھاس سے) ہے اور تمہاری تلوار بھی اتنی ہی کاٹ کر سکتی ہے جتنا کہ کُشا سے ممکن ہے اگرچہ جے سنگھ ان باتوں کو تمسخر میں ٹال دیا کرتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ اس کا باعث میرا ضعف بدن ہے۔ مگر وہ بڑا خوفناک شخص تھا۔ اُس نے حکمتِ عملی سے ان باتوں کا بدلہ لینا چاہا اُس نے یہ کام کرپارام بخشی و مصاحب خاص بادشاہ کے سپرد کیا۔ ایک دن بادشاہ شطرنج کھیل رہے تھے۔ اور اُس موقعہ پر اُبھے سنگھ اور جے سنگھ بھی موجود تھے کہ کرپارام نے عمداً ابھے سنگھ کی شمشیر زنی کا ذکر چھیڑا اور کہا کہ وہ ایک ہاتھ میں بھینسے کا سر اڑا دیتا ہے بادشاہ بھی اُدھر سے متوجہ ہوا اور کہا۔ "اُبھے سنگھ میں نے تمہاری شمشیر زنی کی بڑی تعریف سُنی ہے"۔

اُبھے سنگھ نے جواب دیا۔ "میں موقعہ پر اس کا استعمال کرنا جانتا ہوں"۔ بادشاہ نے کہا۔ "اچھا میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اور ایک بھینسے کے منگوانے کا حکم دیا۔

بادشاہ کے حکم کی تعمیل فوراً کی گئی۔ مگر جب اُبھے سنگھ تلوار لے کر اکھاڑے میں نکلا تو اُسکو معلوم ہُوا۔ کہ اِس کے ساتھ دغا کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ بھینسا کوئی معمولی بھینسا نہ تھا۔ اُس نے ہریانہ کی چراگاہ میں آزادانہ پرورش پائی تھی۔ اور جے سنگھ نے محض اسی وقت کے لئے اُسے پرورش کیا تھا۔ زیادہ مشکل بات یہ تھی۔ کہ اِس کے سینگ گردن کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ اور اُن کی موجودگی میں تلوار کا کاٹ کرنا ناممکن تھا۔ اُبھے سنگھ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ مگر وہ بادشاہ سے کچھ دیر کے لئے اجازت لے کر اپنے کمرے میں گیا۔ معمول سے دو چند افیون کھائی۔ مگر واپسی کے وقت جے سنگھ کو بادشاہ سے کانا پھوسی کرتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا

کہ ساری کارستانی اسی کی ہے وہ بغیر کچھ کہنے کے بھینسے کی طرف بڑھا۔ تلوار کی پشت سے اُس کے زانوؤں پر ٹھوکر دی۔ اور جونہی کہ اُس نے اپنا سر زمین کی طرف جھکایا۔ اور جھکانے کے باعث سینگ گردن سے کسیقدر اُٹھے۔ اُس نے دونوں ہاتھوں میں تلوار پکڑ کر بہادرانہ نعرہ مارا اور ایک ہی ضرب سے بھینسے کا سر جُدا کر دیا۔ ادہر سر زمین پر گرا۔ اُدہر ابھے سنگھ چکر کھا کر اُس کی لاش پر جا پڑا۔ چاروں طرف سے واہ واہ کا شور بلند ہُوا۔ اور جے سنگھ مارے شرم کے پانی پانی ہو کر رہ گیا۔ اِس کے بعد بادشاہ کو کبھی ایسی درخواست کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابھے سنگھ پچھلی عمر میں بہت سُست ہو گیا تھا۔ اور نشہ کا شوق ہر وقت ترقی پر تھا۔ اسی اثنا میں سمت ۱۸۰۶ کو دست اجل نے اُس جیسے قوی بازو اور فولاد پنجہ نبرد آزما راجہ کا خاتمہ کر دیا۔ ابھے سنگھ کے زمانہ شاہی میں نادر شاہ بھی وارد ہُوا تھا۔ لیکن نشے نے اُسے کچھ ایسا کاہل اور سُست بنا دیا۔ کہ اُس نے تخت دہلی کے بچانے میں اپنی خدا داد ہمت اور موروثی ولاثانی شجاعت کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ جو ہمیشہ انہیں خدمتوں کو انجام دینے میں صرف ہُوا کرتی تھی۔ اگرچہ اُبھے سنگھ کی پچھلی عمر کے کارنامے صفحۂ تاریخ پر زیادہ واضح اور روشن نظر نہیں آتے۔ لیکن اُس کی پہلی طرز معاشرت کا حال پڑھکر کوئی ایسا انصاف پسند آدمی نہیں جسکی زبان سے تحسین و آفرین کی صدا بے اختیار بلند نہ ہو جائے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تواریخ کے زرین صفحات پر اس کا نام سنہری حرفوں میں ہمیشہ چمکتا رہیگا۔ اور تمام خاص و عام نگاہوں میں جنہوں نے راجستھان کی فرمانروائی کا دلکش نظارہ کیا ہے۔ وہ تخت مارواڑ کا ایک الوالعزم باہمت بلند حوصلہ ذی شوکت اور صاحب صولت فرمان روا سمجھا جائیگا۔

راجہ رام سنگھ

ابھے سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رام سنگھ گدی نشین ہُوا۔ مگر وہ ایسے وقت میں تخت نشین ہُوا تھا۔ جب کہ اُس کو اپنے بزرگوں کا رعب قائم رکھنے کے لئے بڑے استقلال کی ضرورت تھی۔

تمام سرداروں نے بالاتفاق رام سنگھ کو وارث گدی تسلیم کیا۔ لیکن ہم کو اگرچہ اس

بات کی اطلاع نہیں ملی۔ کہ اسکا باعث کیا تھا۔ مگر اس کے چچا بخت سنگھ نے جلسہ گدی نشینی میں شراکت نہیں کی۔ چونکہ خاندان میں یہی بڑا تھا۔ اس لئے چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ یہ اپنے ہاتھ سے رام سنگھ کی پیشانی پر راج تلک دیتا۔ لیکن وہ اِس موقعہ پر نہیں آیا۔ اور اپنی دایہ کو رسم ٹیکا ادا کرنے کے لئے بھیجا۔ اگر رام سنگھ بخت سنگھ کی اس حرکت کو بھول جاتا۔ تو بہتر ہوتا۔ مگر اُس نے اس فعل کو اپنی ہتک خیال کیا۔ اگرچہ یہ دایہ بڑی معزز اور ممتاز سمجھی جاتی تھی۔ اور رام سنگھ پر اس کی عزت کرنا فرض تھا۔ لیکن اُس نے حکم دیا۔ کہ اس کو شہر سے نکال دیا۔ اور کہا کہ اِس کے چچا نے اس کو بندر سمجھا ہے۔ جو اس ضعیفہ کو اس کے ٹیکا کے لئے بھیجا ہے۔ اس گستاخی کے عوض میں اُسکا علاقہ ضبط کر لیا جائیگا؛

دایہ جب ناگور میں بخت سنگھ کے پاس واپس گئی۔ اور اُس کو اسکی بے عزتی کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ بہت گھبرایا۔ اور رام سنگھ کو معذرت نامہ بھی لکھا۔ مگر اب اس کا غصہ دُور ہونا مشکل تھا؛

مشکل یہ ہوئی کہ رام سنگھ کی بدزبانی اور غیر شریفانہ سلوک نے بہت تھوڑے عرصہ میں راٹھور سرداروں کو بھی دشمن بنا لیا؛

اِس کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ ایک کم رتبہ اہلکار کے بس میں آگیا تھا۔ اِس اہلکار کا نام امیا تھا اور اس کا نقارچی اور اُس کی طرح سخت مزاج بھی تھا۔ اس نالایق مشیر کے رسوخ میں آکر رام سنگھ اپنے خیر خواہ مشیروں سے بالکل بے پرواہ ہو گیا۔ اور اکثر ان کے منہ پر ہی تمسخر کیا کرتا تھا۔ بوڑھا سردار کپاوت جو مارواڑ میں اعلےٰ درجہ کا رئیس تھا۔ رام سنگھ کی ان حرکتوں سے منحرف ہو کر اکثر دفعہ اُس کو سمجھاتا رہا۔ مگر یہ ناعاقبت اندیش اُس کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا۔ یہ رئیس بڈھا تھا۔ اور اُس کے چہرے پر جھرُیاں پڑتی تھیں۔ رام سنگھ نے اُسکو بندر کا خطاب دے رکھا تھا؛

کوسل سنگھ رئیس راٹھور ایک اور معزز سردار تھا۔ یہ جمپاوتوں کا سردار تھا۔ صرف سردار ہی نہیں۔ بلکہ کل فرقہ کا پیشوا اور مارواڑ کا دیوان کہلاتا تھا۔ اس کا قد چھوٹا اور معمولی شکل و صورت کا آدمی تھا۔ رام سنگھ اس کو بھی بہت کچھ ہنسی میں اڑایا کرتا تھا۔ اور گرجی یعنی کُتا کہکر پکارا کرتا تھا۔ ایک دن کوسل نے تنگ آکر جواب دیا۔ میں کتا ہی سہی۔ لیکن میرے دانت ایسے بڑے ہیں کہ شیر کو بھی پھاڑ سکتا ہوں۔ یہ جواب اگرچہ سخت تھا۔ مگر تنگ آکر

حالت مجبوری میں دیا گیا۔ اِس لئے قابل معافی تھا۔ لیکن رام سنگھ ناراض ہوگیا۔ اور اس
ناراضگی کو دل ہی میں رکھا۔ اِس واقعہ کے چند دن بعد ایسی ہی ایک اور بات ظہور میں
یعنی ایک دن رام سنگھ اُسی سردار کے ساتھ مندور کے باغ میں بیٹھا تھا۔ کہ سامنے پھول
کی ایک جھاڑی دیکھ کر اُس کا نام دریافت کیا۔ سردار نے جواب دیا ٭ یہ چمپا کا درخت ہے
اور آپ کے باغ کا فخر ہے۔ جس طرح کہ میں راجپوتوں میں ہوں۔ راجہ نے کہا اس درخت
کو فوراً اکھیڑ کر پھینک دو۔ کوئی شے جسکا نام چمپا ہوگا۔ مارواڑ میں رہنے نہ پاویگی٭
اس وقت سے کوسل سنگھ نے راجہ کے دربار میں آنا جانا بالکل بند کر دیا۔ مگر جب اس
نے سُنا کہ رام سنگھ بخت سنگھ پر فوج کشی کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اُسکو بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ
وہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ راٹھور راٹھور کے ساتھ ہم نبرد ہو۔ ازراہ وفاداری وہ راجہ کو راہ راست
پر لانے کے لئے جودھپور میں آیا۔ مگر یہ بچارا مشکل سے ابھی دربار میں بیٹھنے ہی پایا تھا
کہ نادان راجہ نے اُس کے ساتھ ٹھٹھا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ تمہارا خطرناک
چہرہ حتے المقدور کم نظر آیا کرے٭

سن رسیدہ سردار یہ سخت اور ہتک آمیز الفاظ سنکر غصہ میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ڈھال
کو زمین پر پھینک کر کہا۔ تم نے راٹھور کی توہین کی ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ تم نے ایک ایسے
شخص کو رنجیدہ کیا ہے۔ جو اس ڈھال کی طرح تمام مارواڑ کو اُلٹا سکتا ہے٭
یہ کہکر وہ بحالت غیظ وغضب دربار سے نکلا۔ اور اِسی حالت میں اپنے تمام ہمراہیوں
کو جمع کر کے مقام مونڈھاور کو چلا گیا۔ یہ مقام مشہور کیشیر بارود کا تھا۔ اور اُس کی عزت
اور توقیر اِسکے علاقہ جاگیر سے جو ایک لاکھ روپیہ مالگذاری کی تھی۔ ظاہر ہوتی ہے٭
بخت سنگھ نہایت عقلمند اور صاحب تدبیر تھا۔ جب اُس نے سُنا کہ مارواڑ کا رئیس
اعظم رام سنگھ سے رنجیدہ ہو کر اِس کی سرحد پر آیا ہے۔ تو وُہ فوراً ناگور سے روانہ ہُوا۔ اور گو
اِس وقت نصف شب کا وقت تھا۔ مگر وہ اُسی وقت ملاقات کے لئے روانہ ہُوا۔ جب
یہاں پہنچا۔ تو رئیس محو خواب میں تھا۔ بخت سنگھ نے نوکروں کو جگانے سے منع کیا۔ اور چپ
چاپ اِس کے پلنگ کے پاس جا بیٹھا۔ دیر کے بعد کوسل سنگھ خواب سے بیدار ہُوا
اُسی نے حقہ طلب کیا۔ نوکروں نے بخت سنگھ کی طرف اشارہ کیا۔ کوسل سنگھ چونکہ
اگرچہ وُہ پہلے رام سنگھ کی طرح بخت سنگھ سے بھی متنفر تھا۔ مگر اُس کی اسوقت کی عا

سے اس کا تمام غصہ جاتا رہا۔ اُس نے اُٹھ کر سلام کیا۔ اور کہا یہ سر آپ کا ہے جب چاہو اُتار لو۔ بخت سنگھ نے سمجھایا کہ میں آپ کا ملاپ کرا دونگا۔ لیکن سرداروں نے نہ مانا۔ اور قسم کھائی۔ کہ ہم کبھی رام سنگھ کی شکل نہ دیکھیں گے۔ اور نہ اس کو اپنا بادشاہ سمجھیں گے ہم آپ کو ریاست جودھپور کی گدی پر بٹھلائیں گے۔ اور اگر آپ ہماری درخواست منظور نہ کریں گے۔ تو ہم ملک مارواڑ سے نکل جائیں گے۔

بخت سنگھ یہی چاہتا تھا۔ اس نے اس کی بڑی تعظیم کی۔ اور کہا یہ آپ کا گھر ہے جب تک مجھے ایک خال باجرہ بھی ملتی رہیگی۔ باہم بانٹ کر کھایا کریں گے۔

جب یہ حال رام سنگھ کو معلوم ہُوا۔ تو اُس نے بخت سنگھ کو کہلا بھیجا۔ کہ جھالور کا قلعہ فوراً خالی کر دو۔ اگرچہ بخت سنگھ نے اس کا جواب نہایت ملایمت سے دیا۔ اور لکھا کہ مجھے آپ سے مقابلہ کی جرات نہیں ہے۔ جب آپ تشریف لائیں گے۔ جھالور آپ کی نذر کر دیا جائیگا۔ مگر رام سنگھ کا ارادہ کچھ اور ہی تھا۔ اور وہ بخت سنگھ اور اُس کے ہمراہیوں کو بالکل تباہ اور برباد کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اُس نے ناگور پر فوراً فوج کشی کا حکم دیا۔

مقام میرٹا اس لڑائی کے لئے منتخب ہُوا۔ بھائی بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں آئے عزیز رشتہ داروں میں تلوار چلنے لگی۔ میرٹا کے سب فرقے جو جودھپور میں زیادہ بہادر اور نمک حلال ہیں۔ رام سنگھ کی طرف ہُوئے۔ اور سرداران ریہہ۔ بورلو۔ متھری کھولر۔ بھورادت۔ کوچالن وچنداون وغیرہ دوسری طرف تمام آدمی لڑائی کے قابل جمع ہوئے۔ اول لڑائی کھیرلی کے مقام پر ہوئی۔ اس کے بعد چھ لڑائیاں اور ہوئیں۔ مگر کسی کو فتح حاصل نہیں ہوئی۔ اخیری لڑائی کوتاوالس واقعہ میرٹا کے میدان پر ہوئی۔ اگرچہ بہ حیثیت راجہ ہونے کے سپاہ کی کثرت رام سنگھ کی طرف تھی۔ مگر سب کی ہمدردی بخت سنگھ کے ساتھ تھی۔ کیونکہ مارواڑ کے تمام رئیس رام سنگھ سے بدظن اور ناراض تھے۔ اور کئی ایک بخت سنگھ سے شامل بھی ہو چکے تھے۔

اس لڑائی میں رام سنگھ کی رانی بھی جو بُھج کی شہزادی تھی۔ اُس کے ہمراہ میدان جنگ میں آئی ہوئی تھی۔ یہ بڑی بہادر اور شجاع تھی۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ اور فنون جنگ کے علاوہ رمل اور نجوم میں بھی اُسکو کافی ملکہ تھا۔ پانچہزار آدمی بُھج کے اس کے شوہر کے جھنڈے کے نیچے لڑنے مرنے کے لئے آئے تھے۔

جس وقت رام سنگھ کی سپاہ کے خیمے نصب کئے جارہے تھے۔ رانی کے خیمہ پر ایک پہاڑی کوّا آبیٹھا۔ اُن دنوں یہ علامت ایک بڑی بدشگونی کی خیال کی جاتی تھی۔ کوا بولنے لگا۔ اور سب آدمی اُس کی طرف دیکھ دانتوں میں انگلیاں دبا رہ گئے۔ کوّے نے دو مرتبہ آواز دی۔ مگر تیسری دفعہ اپنا مُنہ کھولنے نہ پایا تھا۔ کہ ایک بندوق کی آواز ہوئی۔ اور یہ جانور زمین پر آرہا ٭

راجہ کا مزاج بگڑ گیا۔ حکم ہوا۔ کہ جس گستاخ نے گولی چلائی ہے۔ اُس کو باندھکر میرے سامنے حاضر کرو ٭

تمام لوگ حیران ہوکر کانا پھوسی کرنے لگے۔ اور حیران تھے۔ کہ راجہ کو کیا جواب دیں یہ گولی رانی نے چلائی تھی ٭

اپنے حکم کی تعمیل میں یوں پس وپیش ہوتے دیکھ کر رام سنگھ کے غصے کا پارہ حد اعتدال سے گذر کر انتہائی درجہ تک پہنچ گیا۔ مجبوراً لوگوں نے اصل حال ظاہر کیا۔ راجہ کی زبان سے سخت کلمے نکلنے لگے۔ بہت سی گالیاں دیں۔ اور حکم دیا۔ کہ رانی کو فوراً کیمپ سے باہر نکال دو صرف یہی نہیں۔ بلکہ اُس کو کہدو کہ میری حدود سے بھی باہر نکل جائے۔ اور پھر ادھر آنے کا نام نہ لے ٭

اِس سخت حکم سے سب کے دم خشک ہو گئے۔ مگر کون دم مار سکتا تھا۔ رانی نے بہت کچھ منت وسماجت کی۔ اور مشکل سے اخیری ملاقات کی اجازت حاصل کی مگر اس کا نتیجہ بھی مایوسی بخش نکلا۔ اور رانی کی آہ وزاری رام سنگھ کے غصّہ کی آگ فرو کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ راجہ بے طرح بگڑا بیٹھا تھا۔ اُس کی ضد کبھی ٹلنے والی نہیں تھی۔ آخر رانی نے کہا۔ بہت اچھا! میں جاتی ہوں۔ مگر یاد رہے کہ اب مارواڑ بھی آپ کے ہاتھ سے نکلجائیگا۔ اتنا کہکر وہ بھوج کی طرف چلدی۔ اور پانچہزار آدمی جو اس کے باپ کی طرف سے رام سنگھ کی مدد کے لئے آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی اِس کے ساتھ چلے گئے ٭

اِس واقعہ کے بعد لڑائی دو دن اور ہوئی۔ مگر میدان کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ جوانمردوں نے دل کھولکر داد شجاعت دی۔ بھائی بھائی کے مقابلے پر لڑتے رہے۔ رشتہ دار رشتہ دار کے ہاتھ سے کٹتے رہے۔ مارواڑ کے کئی گھرانے تباہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ دیرینہ سال چیاوت وکمپاوت کے سرداروں نے بھی تلواریں میانوں سے نکالیں۔ اور کم سن بچوں تک بھی

میدان جنگ میں لڑنے کے لئے لے آئے ؛

اِس جنگ میں سب سے بہادری فرقہ میرٹا نے دکھائی۔ اور جب تک کہ ان کا ایک ایک آدمی کٹ کر نابود نہ ہوگیا۔ بخت سنگھ کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ سردار متھری مع تین بہادر فرزندوں کے لڑائی میں کام آیا۔ اِس کے ایک بیٹے کی منگنی سردار نروکا کی دختر سے ہوئی ہوئی تھی یہ اپنے سُسرال کے گھر بیری کے نیچے بیٹھا ہُوا تھا۔ دولھا دلہن کی گانٹھ جوڑی گئی تھی اور رسمیات شادی ادا ہو رہی تھیں کہ اِس لڑائی کی خبر موصول ہوئی۔ وہ اُسی حالت میں دلہن کا ہاتھ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور گھوڑا طلب کیا۔ آج کل یہ امر حیرت انگیز خیال کیا جائے گا۔ لیکن اسوقت کسی کو بھی ناگوار نہ گذرا۔ دلہن اور سُسرال ایسے بہادر شوہر اور داماد کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلدیا ؛

راجپوت کا گرم خون جوش کھا کر اُبلنے لگا۔ وہ اِسی طرح شادی کے لباس میں رام سنگھ کی فوج کے ساتھ جا شامل ہُوا۔ جوشیلے نوجوان نے تبدیل لباس کے لئے بھی وقت لینا مناسب نہ سمجھا ؛

کپتان لکھتا ہے کہ اِس نوجوان کی تلوار نے میدان جنگ میں بڑا کام کیا۔ اُس نے غنیم کے لشکر میں ہل چل مچادی۔ مگر آخرکار وہ دشمنوں میں گھر گیا۔ اور ایک سپاہی کی تلوار نے اُس کا بھی کام تمام کردیا۔ اُس کی خون آلود پگڑی اُس کی کنواری بیوہ کو بطور آخری تحفہ کے بھیجی گئی۔ نوجوان راجپوتنی نے نہایت محبت سے اِس پر بوسہ دیا۔ اور اُسی کو چھاتی سے لگا چتا میں جل گئی! دیکھئے راجپوت اِس طرح اپنے دھرم پر جان دیا کرتے ہیں!!! ؛

جھیل سر کے کنارے جہاں یہ لڑائی ہو رہی تھی۔ سادھوؤں کا ایک مقام تھا۔ جب لڑائی شروع ہوگئی۔ اور دونوں طرف سے گولے چلنے لگے۔ تو سادھو اپنی اپنی جان لیکر نکل گئے۔ مگر ان کا مہنت ثابت قدمی سے وہیں بیٹھا رہا۔ گولے اِس کے چاروں طرف برستے تھے مگر مرد خدا نے اپنی جگہ سے جنبش کرنے کا نام نہ لیا۔ فریقین کے سرداروں نے کہلا بھیجا کہ آپ جگہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ مگر سادھو نے کہا۔ اگر مجھے گولہ سے مرنا لکھا ہے تو میں کہیں جا کر بھی نہیں بچ سکتا۔ اگر زندگی باقی ہے تو کوئی مجھ کو نہیں مار سکتا۔ بہر حال میں راضی برضا ہوں۔ خدا کی قدرت ہے کہ دن بھر کی گولہ باری سے جبکہ ہزاروں آدمی موت کا پیالہ پی چکے تھے اِس سادھو کو کچھ بھی گزند نہ پہنچ سکا۔ شام کے وقت اس نے کہلا بھیجا۔ کہ بس

اب یہاں سے لڑائی موتوف کرو۔ اور دوسری جگہ جا کر لڑو۔ فریقین نے اُس کا حکم مان لیا اور اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے ؛

دوسرے دن پھر ایک خونریز لڑائی ہُوئی۔ مگر نتیجہ یہ ہُوا کہ رام سنگھ کو شکست فاش ہوئی اور اُس نے میرٹا کے قصبہ میں پناہ لی۔ لیکن یہ جگہ بھی کوئی محفوظ جگہ نہ تھی۔ اِس لئے اِسکو سخت کشمکش کرنی پڑی۔ اِس کے علاوہ تمام سرداروں کو اِس کی نسبت بخت سنگھ سے زیادہ ہمدردی تھی لہذا وہ مجبور ہوکر جے آپا سندھیا کے پاس مدد حاصل کرنے کی اُمید پر چلا گیا ؛

بخت سنگھ نے جودھپور کا عزم کیا۔ مگر یہاں کسی نے بھی اِس کی مزاحمت نہیں کی جہاں رئیس ناگری نے اپنے ہاتھ سے اُسکو گدی پر بٹھا کر راج تلک دیا۔ اور تلوار اُس کی کمر سے باندھی۔ جسکونت وغیرہ تمام مقامات کے سرداروں نے خوشی سے اُس کی اطاعت قبول کی اور مارواڑ نے اسکی ماتحتی میں پورا پورا اطمینان ظاہر کیا ؛

غرضیکہ مارواڑ کے سب سردار بخت سنگھ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مگر ایک شخص جس کا نام جگو تھا۔ اور اُس کا کام پروہتائی کا تھا۔ اِس مصیبت کے وقت میں بھی رام سنگھ کا پورا پورا وفادار اور خیر خواہ رہا۔ وہ اِس کی غلطیوں کو بے وقوفی سے منسوب کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جو جو سختیاں اُس نے سردارانِ مارواڑ کے ساتھ کی ہیں۔ وہ اس کی کم عقلی کا باعث ہیں۔ چنانچہ یہی شخص تھا۔ جو راجہ کو جے پور میں چھوڑ کر مرہٹہ فوج کی امداد حاصل کرنے کے لئے گیا تھا ؛

بخت سنگھ نے اِس شخص کو بھی اپنی طرف ملانا چاہا۔ اور بدیں خیال اُس کو ایک کبت (شعر) لکھکر بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا ؛

اے شہد کی مکھی۔ جس پھُول کی خوشبو اور رس سے تجھے خوشی حاصل ہوتی تھی اُس کو بادِ خزاں کے تیز اور تند جھونکوں نے بالکل جھُلس دیا۔ گلاب کے درخت میں اب پھول تو کجا ایک پتّا بھی باقی نہیں رہا۔ پھر ایسی حالت میں تمہارا صرف کانٹوں میں اُلجھا رہنا صرف غلطی نہیں تو اور کیا ہے؟" ؛

اِس شعر کا جواب جو اِس وفادار پروہت نے بخت سنگھ کو لکھا۔ وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ جواب یہ تھا ؛

شہد کی مکھی غلطی سے گلاب کے خشک درخت اور اُس کے کانٹوں میں نہیں اُلجھی

رہی ہے۔ بلکہ وہ جانتی ہے کہ ابھی موسم بہار آئیگا۔ اور اس کے لئے لہلہاتے ہوئے تازہ بتازہ پھول پھر کھلیں گے ؎

اِس جواب نے اگرچہ بخت سنگھ کو مایوس کر دیا تھا۔ لیکن اُس کی وفاداری اور راست بیانی پر وہ ایسا خوش ہوا۔ اور وہ اُس کی اس قدر عزت اور توقیر کرتا تھا۔ کہ اتنی وہ اس وقت بھی نہ کرتا۔ اگر وہ اِس کے ساتھ شامل ہو جاتا ؛

بخت سنگھ کی خوش مزاجی اور اس کی فیاضی نے اُس کو ایک نمونہ بنا دیا تھا۔ وہ رعیت کے ساتھ نہایت عدل اور انصاف سے برتاؤ کرتا تھا۔ اور رعایا کی پرورش کرنا اپنا عین فرض سمجھتا تھا۔ اُس کی صورت اور شکل سے رعب برستا تھا۔ وہ صرف بہادر ہی نہ تھا بلکہ وہ بڑا عالم اور شاعر بھی تھا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اگر اپنے باپ کو قتل کرنے کا داغ اُس کے دامن پر نہ ہوتا۔ تو وہ راجپوتانہ کے بڑے مشہور اور نامور راجوں میں شمار کئے جانے کے لایق تھا۔ اُس کی تمام صفتیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں۔ اِن کے باعث صرف اسکے خاندان کے لوگ ہی محبّت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ار دگرد کے راجپوت بھی اِس سے راضی تھے۔ اور اُس کی عزت کرتے تھے ؛

اگرچہ اجیت سنگھ کی رانی کے یہ لفظ تا قاتل کی ہڈیاں مارواڑ کے باہر سڑیں گی" لوگوں کے کانوں میں ابھی تک بھی گونجتے تھے۔ مگر یہ سب کی خواہش تھی کہ بخت سنگھ زیادہ عرصہ تک حکومت کرے۔ پس جب رام سنگھ نے وفادار پروہت جگو کی اعانت سے سندھیا کی مدد حاصل کی۔ اور جودھپور پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ تو اِس خبر کو سنکر تمام راٹھور بخت سنگھ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور اتنا بڑا لشکر فراہم ہو گیا۔ کہ مرہٹوں کے ہوش گم ہو گئے۔ اور چونکہ اِن کا اصلی مقصد ایسی لڑائیوں سے سوائے غارتگری اور لوٹ مار کے کچھ نہ ہوا کرتا تھا۔ اور اب یہ بات مشکل نظر آتی تھی۔ لہذا انہوں نے بخت سنگھ کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا۔ مگر جو کام وہ شمشیر سے نہیں کر سکتے تھے۔ دغا سے پورا کیا گیا ؛

مرہٹوں کو زک دینے کے لئے بخت سنگھ نے اجمیر کی طرف کوچ کیا۔ اور ایک پہاڑی رستہ پر قیام کر کے ایشری سنگھ کو لکھا۔ کہ وہ اپنی سپاہ کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے اس کے ساتھ شامل کرے۔ ایشری سنگھ کی رانی راجہ اجیت سنگھ کے چھوٹے لڑکے کی دختر تھی۔ اور اسکو بخت سنگھ کی نسبت رام سنگھ کا زیادہ پاس تھا ؛

رانی امبر اپنے شوہر کی طرف سے تحفہ تحایف اور ایک قیمتی لباس لے کر بخت سنگھ کے
پاس آئی۔ راجہ نے اِس لباس کو پسند کیا۔ اور اپنی بھتیجی سے وعدہ کیا کہ وہ اسکو ضرور پہنے گا۔
لباس کا پہننا گویا بخت کے لئے موت کا پیغام تھا۔ فوراً یہ خبر تمام کیمپ میں پھیل گئی۔
کہ بخت سنگھ سخت بیمار ہو گیا۔ اور قریب المرگ ہے۔
حکیموں نے سمجھا کہ راجہ کو بخار ہے۔ اور اسی کی شدت سے وہ بیتاب ہو رہا ہے مگر در حقیقت
اِس لباس میں زہر لگا ہوا تھا۔ اور اُسی نے اِس کے جسم میں سرایت کر کے اُس کی یہ
حالت کر دی تھی۔
آخر کار حکیموں نے بھی یہ حال معلوم کر لیا۔ اور عرض کی کہ اب کوئی دوا کارگر نہیں
ہو سکتی۔ جوانمرد راٹھور نے مسکرا کر جواب دیا کہ جب تم علاج نہیں کر سکتے۔ تو جاگیریں
کیوں پاتے ہو۔
حکیموں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ہم بیماری کا علاج کر سکتے ہیں۔ لیکن موت کا کوئی
علاج نہیں۔ اب معاملہ بالکل لاعلاج ہے۔
بخت سنگھ نے تمام سرداروں کو طلب کیا۔ اور نہایت استقلال سے بیٹھ کر اُن سے
بجے سنگھ اپنے بیٹے کی حفاظت کی قسم طلب کی سرداروں نے یک زبان ہو کر اقرار کیا کہ وہ
تا دم زیست اِس کے فرمانبردار رہیں گے۔ آخری وقت میں اُس نے برہمنوں کو بلا کر بہت
سا پُن دان کیا۔ اور سب کے سامنے اِس بہادر کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔
بخت سنگھ نے جودھپور کی گدی پر بیٹھ کر صرف تین سال حکومت کی تھی۔ لیکن اِس
عرصہ میں اُس نے مارواڑ کے تمام جنگی مقامات کو استحکام دیا۔ کئی ایک نئے قلعے تعمیر کرائے
اور محلات میں کئی ایک جدید تعمیرات اضافہ کیں۔ خاص قلعہ جودھپور کو زیادہ مضبوط اور
مستحکم بنایا مسلمانوں سے کافی عوض لیا۔ ناگور کی خانقاہیں اور مسجدیں مسمار کر کے اُن کے
مصالحے سے عمارات قدیم شہر کی مرمت کی یہ بخت سنگھ ہی تھا۔ جس نے اپنے تمام ملک میں
مسلمانوں کی بانگ دینی موقوف کی یہ حکم ٹاڈ صاحب کے وقت تک بھی راجپوتانہ میں جاری
اور قایم تھا۔ اگر وہ چند سال اور زندہ رہتا تو اِس مفسدہ کو دور کر کے جو کہ اسوقت جمع ہو رہا
تھا۔ غالباً راجپوتوں کے جملہ حقوق کو ہندوستان میں قائم کر دیتا۔ مگر موت کے آگے کسی کا
چارہ نہیں چلتا۔

راجہ بجے سنگھ

جب بخت سنگھ سہ سالہ حکومت کے بعد راہی ملک عدم ہُوا۔ تو بیس برس کی عمر میں اُس کا فرزند بجے سنگھ اُس کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ بادشاہ اور تمام گرد و نواح کے رؤسا نے اُس راج تلک کو منظور کیا۔ مقام مارواڑ میں جہاں بجے سنگھ نے رسوم ماتمی کو ادا کیا تھا تلوار بندی کی رسم بھی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ادا کی گئی۔ بیکانیر اور کشن گڈھ و روپ نگر کے رؤسا اُسے مبارک باد دینے کے لیئے آئے۔ راج تلک سے فراغت کر کے بجے سنگھ دار الریاست کو روانہ ہُوا۔ جہاں مسند نشینی کی باقیماندہ رسوم نہایت شانداری کے ساتھ ادا کی گئیں۔ بخت سنگھ کے مرنے کے بعد اُس کے بھتیجے رام سنگھ کو تخت و تاج پر اپنا استحقاق قائم کرنے کا موقع ملا۔ اُس نے مہاراجہ امبر کے حسب اتفاق رائے مرہٹوں سے عہد نامہ کیا اور رام سنگھ مع ان کے اور والئے امبر کی فوج کے بجے سنگھ کو بے دخل کرنے کے لئے عازم ہُوا ؛

بجے سنگھ کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو وہ اپنے بہادر ہموطنوں کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ رام سنگھ کی فوج نے پشکر میں قیام کر کے۔ بجے سنگھ کو خط لکھا۔ کہ مارواڑ کی گدی سے علیحدہ ہو جاؤ۔ لیکن بجے سنگھ اور اُس کے ہمراہیوں نے اِس خط کی پرواہ بھی نہ کی اور اگرچہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اُس کی تعداد سے کم تھے لیکن اُنہوں نے مطلق خیال کیا اور مرہٹوں سے کہ وہ بھی بے خوف تھے خوب زور کا مقابلہ ہوا۔ مگر اُس سے پہلے کہ کسی جانب شکست و فتح ہو۔ دو وارداتیں وقوع میں آئیں ؛

ایک یہ کہ سلح پوش جس وقت حملہ کر کے آئے تھے۔ دشمن سمجھ کر ان پر حملہ کیا گیا اور عین اُس وقت جب مرہٹے گھبرانے لگے تھے اور سندھیا فرار کو مستعد تھا ایکدم اُن کی فتح ہو گئی ؛

دوسری یہ کہ کشن گڈھ کے راجہ نے اپنے بھائی ساونت سنگھ والئے روپ نگر کو بیدخل کر دیا تھا۔ وہ تو بندرا بن چلا گیا۔ مگر اُس کا بیٹا حصول ریاست کی امید میں رام سنگھ کے ساتھ مرہٹوں کی فوج میں آیا تھا۔ جب مرہٹوں کو اپنی فتح میں شبہ پیدا ہوا تو آپا صاحب افسر

فوج نے اُس سے کہا۔ کہ رام سنگھ کی قسمت کے ساتھ اُس کی قسمت وابستہ ہے کہو اب کیا کریں
اُس نے جواب دیا۔ کہ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں کچھ فریب کروں۔ آپا صاحب کا ایما پاکر اُس
نے اپنا ایک سردار بھیجا۔ اور وہ دشمن کی فوج میں جاکر سردار مینا سے اِس طرح کہ گویا وہ انہیں
میں سے ہے کہنے لگا۔ آپ کس خیال میں ہیں بجے سنگھ تو توپ کے گولے سے مرا ہوا دوسری
جانب پڑا ہے۔ یہ سُنتے ہی بغیر تحقیق و تفتیش قوم کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور جس
نے سُنا وہ بھی میدان جنگ سے چلدیا۔ اب بجے سنگھ بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ مجبوراً وہ بھی راجہ
لال سنگھ کے ساتھ روانہ ہُوا۔

رات کا وقت تھا۔ تاریکی میں اُنکو رستہ کا بھی پتہ نہ ملتا تھا جب بہت سا فاصلہ طے
کر گئے تو بجے سنگھ کو معلوم ہُوا۔ کہ وہ رستہ بھول گئے ہیں آواز دیکر لال سنگھ سے کہا کہ ذرا ٹھہر
جاؤ۔ تاکہ کسی سے رستہ دریافت کرلیں۔ مگر اُس نے جواب دیا کہ اب راہن کے قریب پہنچ
گئے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے عیال و اطفال کو دیکھ آؤں۔ راجہ خاموش ہو گیا۔ سچ
ہے مصیبت کے وقت کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔ لال سنگھ نے گھر کا رستہ لیا اور اب بجے سنگھ
بالکل تنہا تھا۔ اِس کا اپنا گھوڑا مر چکا تھا۔ اور نوکر کا گھوڑا لے کر اُس پر سوار ہُوا تھا۔ مگر دیسوال
کے قریب پہنچکر یہ گھوڑا بھی مر گیا۔ اب یہ بالکل تنہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک نوکر بھی اس کے
ہمراہ نہ تھا۔ ایک دیہاتی جاٹ کو بیل کی گاڑی لیئے جاتے دیکھا۔ راجہ نے اُسے ناگور لے چلنے
کے لیئے کہا۔ ناگور یہاں سے سولہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ ایک معقول اجرت پر کسان چلنے کے
لیئے تیار ہو گیا۔

مارواڑ کا راجہ کسان کے ساتھ بیل گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اگرچہ بیل اچھی طرح چل رہے تھے
پھر بھی یہ بار بار کسان کو تیز چلانے کے لیئے کہتا تھا۔ کسان نے اُس کی باتوں سے ناراض ہو
کر سخت و سُست کہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اُس کو چند گالیاں بھی دیں۔ اور کہا میں اپنے
بیل بڑے تیز چلا رہا ہوں۔ مگر تم پھر بھی مجھے جلدی کے لیئے کہہ رہے ہو۔ اِس طرح جلد جلد
ناگور کی طرف بھاگنے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا دکھنی آدمی مرہٹے تو تمہارا تعاقب
نہیں کر رہے ہیں۔ راجہ خاموش ہو گیا۔ بچارا کس ہمت پر کسان کو دھمکا سکتا تھا۔ مگر جب
ناگور دو میل رہ گیا۔ اور صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ تو کسان نے بجے سنگھ کو پہچان لیا وہ گاڑی
سے اُترکر اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور معذرت کی۔ راجہ نے کہا میں تجھ کو معاف کرتا ہوں۔

کسان اب اس کے برابر گاڑی پر نہیں بیٹھتا تھا۔ مگر راجہ کے اصرار سے وہ گاڑی پر بیٹھ گیا اور
مشکل سے ناگور میں پہنچے۔ راجہ نے اُسکو پانچ روپے انعام دیئے۔ اور وعدہ کیا کہ اگر اچھے
دن آگئے۔ تو میں تجھے خاطر خواہ انعام دونگا۔ بیشک بجے سنگھ نے تخت حاصل کرکے اُسکو
معقول جاگیر عطا کی۔ ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ جاگیر اب تک بھی اُس کے وارثوں کے قبضہ
میں ہے۔ اور جب راجہ ناگور کی راہ سے آنے لگتا ہے۔ تو اُن کا فرض ہے کہ اس کے لیے
دودھ اور روٹی مہیا کریں ؀

بجے سنگھ کے ساتھی جو لڑائی میں بچ رہے تھے۔ جمع ہوئے۔ اور چھ ماہ تک ناگور کے
قلعے میں محصور رہے۔ مگر اس عرصہ میں مارواڑ کے خاص خاص مقام ایک ایک کرکے رام سنگھ
اور اُس کے مرہٹہ ساتھیوں کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ اور بجے سنگھ کے لئے چاروں طرف
سے مایوسی ہی نظر آتی تھی ؀

بجے سنگھ کے پاس ناگور میں پانچسو تیز رفتار سانڈنیاں تھیں۔ ایک ایک پر دو دو
راٹھور سوار ہوئے۔ اور رات کے وقت جبکہ مرہٹے بالکل غافل پڑے تھے۔ قلعہ سے نکل کر
چوبیس گھنٹہ کے عرصہ میں بیکانیر پہنچ گئے ؀

بیکانیر کا راجہ پہلا شخص تھا۔ جس نے بجے سنگھ کے مرنے کی خبر سُنکر میدان جنگ سے
کنارہ کیا تھا۔ اُس نے خوشی سے اُس کا خیر مقدم نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اُس کے لئے اپنے آپ
کو کسی مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا ؀

بجے سنگھ نے مایوس ہو کر یہاں سے کوچ کیا۔ اور جے پور میں جاکر ایشوری سنگھ سے
مدد مانگی ؀

یہاں پر اس کا استقبال البتہ زیادہ گرمجوشی سے ہوا۔ اور ایشوری سنگھ نہایت خلوص سے
پیش آیا۔ مگر دونوں کی ملاقات کا نتیجہ نہایت تعجب انگیز نکلا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؀

بجے سنگھ کے ساتھ جوان سنگھ نامی ایک راٹھور سردار تھا۔ جب دونوں راجہ ملاقی ہوئے
تو بجے سنگھ نے تعجب سے اُس کی طرف دیکھا۔ کیونکہ ایشری سنگھ کے پیچھے لٹکے ہوئے
دامن پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایشور سنگھ نے بھی اُسکی اس حرکت کو دیکھا۔ اور پوچھا سردار آج تم
پیچھے کیوں بیٹھے ہو۔ جوان سنگھ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا "وہ آج کے دن ایسی ہی ضرورت
ہے"! اس کے بعد اپنے راجہ کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا "اُٹھیے! چلئے! ورنہ آپ کی جان

اور آزادی دونوں معرض خطر میں ہونگی"؛
بجے سنگھ فورًا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور باہر نکل گیا۔ ایشوری سنگھ نے بھی اُٹھنے کی کوشش کی
مگر جوان سنگھ نے چونکہ اس کا دامن دبا رکھا تھا۔ وہ اُٹھنے میں کامیاب نہ ہوا۔ جوان سنگھ نے
فورًا خنجر کھینچ لیا۔ اور کہا خاموش بیٹھے رہیئے۔ ورنہ جان کی خیر نہ ہوگی"۔ ایشوری سنگھ خاموش
ہو کر رہ گیا۔ اور جوان سنگھ نے بجے سنگھ سے کہا۔ جب اطمینان سے سوار ہو جاؤ۔ تو
خبر بھیج دینا"؛
ایشوری سنگھ کے سردار جو اس کے ہمراہ بجے سنگھ کی ملاقات کو آئے تھے۔ یہ حال دیکھ
کر منہ میں انگلیاں دبا خاموش رہ گئے۔ اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جوان سنگھ
نے اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ کچھ دیر کے بعد ایک آدمی آیا۔ اور کہا کہ بجے سنگھ سوار
ہو گئے۔ اور اب صرف آپ کا انتظار کر رہے ہیں؛
جوان سنگھ اب بے خوفی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ خنجر کو میان میں کر کے راجہ ایشوری سنگھ
کو سلام کیا۔ اور باہر نکل گیا۔ اُس کے چلے جانے پر ایشوری سنگھ اپنے مصاحبوں سے
مخاطب ہُوا۔ اور کہنے لگا؛
دیکھو سچی وفاداری اور جان نثاری اس کا نام ہے۔ ایسے آدمیوں کی موجودگی میں
بجے سنگھ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اور رام سنگھ کبھی اس پر کامیاب نہیں ہو سکتا"؛
بات یہ تھی کہ ایشوری سنگھ کی نیت واقعی بدل چکی تھی۔ اور اُس کا ارادہ تھا کہ بجے سنگھ
کو گرفتار کر کے مرہٹوں کے حوالے کر دے۔ مگر جوان سنگھ کے سُسرے نے جو امبر میں ایک
بڑا سردار تھا۔ اِس حال سے واقف ہو کر اپنے داماد کو اس کی خبر دیدی تھی۔ اور اسی کی ہوشیاری
اور جوان سنگھ کی دلیری سے آج بجے سنگھ بال بال بچ گیا؛
جب کہیں بھی مدد ملتی نظر نہ آئی۔ تو بجے سنگھ ناگور میں واپس آیا۔ اور جس طرح
وہ قلعہ سے نکلا تھا۔ اُسی طرح داخل ہُوا۔ چھ ماہ تک مرہٹوں نے قلعہ کا محاصرہ رکھا۔
بجے سنگھ کی حالت بالکل مایوسی بخش تھی۔ مگر جب اُس نے کسی حکمت عملی سے جے
سردار کو مروا ڈالا۔ تو غنیم کا جتھا ٹوٹ گیا۔ اور آخر کار صلح ہو گئی؛
بجے سنگھ نے اجمیر کا علاقہ مرہٹوں کو دیکر اُن سے اپنا پیچھا چھوڑایا۔ اِس
اِتنا تو ہُوا۔ کہ وہ رام سنگھ سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر اجمیر بھی راجستھان کی کنجی تھا۔

مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا جانا کچھ کم نقصان دہ نہ تھا۔
رام سنگھ نے بائیس لڑائیاں لڑیں مگر اپنا تخت حاصل نہ کر سکا۔ اور بحالت جلاوطنی
۱۷۷۲ء میں جے پور وفات پائی۔

اب بجے سنگھ مارواڑ کا راجہ ہو گیا۔ اور رام سنگھ کے مرنے سے اُس کی یہ خلش
بھی مٹ گئی تھی۔ لیکن خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ مرہٹوں کا قدم راجپوتانہ میں جم چکا تھا۔
اور انہوں نے لوٹ کے لالچ سے راجپوتوں میں کئی قسم کے نزاع پیدا کر دیئے تھے۔
بجے سنگھ جیسا خورد سال اور ناتجربہ کار تھا۔ ویسا ہی خالی ہاتھ بھی تھا گذشتہ لڑائیوں
میں سارا روپیہ صرف ہو چکا تھا۔ اور بقایا خزانہ صلح و مصالحت میں خرچ ہو گیا تھا۔ علاقہ غیر
آباد تھا۔ زمیندار ملک چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ اور تجارت بھی قریب قریب معدوم ہو چکی تھی۔
پس ایسی صورت میں جو حال ہو گا۔ ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

مارواڑ کے سردار دیگر ریاستوں کے سرداروں کی نسبت بہت زبردست ہیں۔ اِس کا
سبب یہ ہے کہ خاندان شاہی کے ساتھ ہی وہ بھی یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ دوسرے
اجیت سنگھ کی نابالغی کے زمانہ میں جو جنگ و جدل ہوئے تھے۔ ان میں اُنکی طاقت بہت
بڑھ گئی تھی۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ پوکرن کے سردار نے جو سب سے زبردست جاگیردار ہے
ابھے سنگھ کے فرزند دیبی سنگھ کو اپنا متبنّٰے بنایا تھا۔ پس چمپاوتوں نے چاہا کہ اپنے آقا
اور ملک پر تسلط کریں۔ دیوی سنگھ نے اہود کے اور دیگر سرداروں سے اتفاق کیا اور اپنے
ہی لوگوں کی جمعیت کو بجے سنگھ کا محافظ مقرر کر کے دو فریق کئے۔ ایک تو قلعہ میں رہتا تھا
اور دوسرا شہر میں۔

راجہ اکثر اپنے ملک کی تباہ حالت کو دیکھ کر افسوس کرتا اور کہتا کہ اس کے سردار رعیت
کو تنگ کرتے ہیں۔ اور پہاڑی قومیں غارتگری پھیلا رہی ہیں۔ مگر دیوی سنگھ پوکرن والا
جواب دیتا۔ آپ مارواڑ کی فکر کیوں کرتے ہیں۔ وہ تو میرے خنجر کے میان میں ہے۔
بجے سنگھ کا ایک کوکہ بھائی بھی تھا۔ یہ صاحب عقل اور تجربہ کار تھا۔ اُس نے اپنے
نیک مشوروں سے راجہ کو بہت ہوشیار کر دیا تھا۔ چمپاوتوں کا اشتباہ رفع کر کے اُس نے
سندھ کے لوگوں کی ایک جمعیت شہر کی حفاظت کے لئے نوکر رکھی۔ اِس سپاہ کی تعداد
سات سو کے قریب تھی۔ مگر تمام رئیسوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ راجہ ہمیشہ اپنے بھائی اور

فتح چند دیوان سے اس امر کا مشورہ کیا کرتا تھا۔ کہ کسی طرح اس کے ملک کا انتظام پھر ٹھیک ہو۔ خرچ کی طرف سے بڑی تنگی تھی۔ خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ راجہ کا دایہ زاد والدہ کے پاس اور عرض کیا۔ کہ ایسی حالت میں وہ خودکشی کر لینا مناسب سمجھتا ہے۔ رانی نے پچاس ہزار روپیہ نقد جو اُس کے پاس تھا۔ اُس کے حوالہ کیا۔ ملک گھوڑوں سے خالی ہو چکا تھا۔ مجبوراً اُس نے اپنے آدمیوں کو گاڑیوں پر سوار کر کے ناگور لے گیا تھا۔ وہاں بجملہ تنبیہ اقوام کو ہی اُس نے فوج آراستہ کی۔ اور دیوار ہائے شہر سے توپیں اُتار کر اُسی فوج بے سامان کے ساتھ بہاری پر حملہ کیا اور وہاں سے فتح نصیب ہو کر لوٹتے ہوئے قلعہ نل نگری پر یورش کی۔ اس کار سے اس کا مافی الضمیر ظاہر ہو گیا۔ اور جملہ جاگیرداران مارواڑ اُس سے کسی قدر خوف کھانے لگے۔ اور مرسل پور کے مقام پر جو جودھپور سے بیس میل کے فاصلہ پر ہے مقابلہ کا انتظام کرنے کے لئے جمع ہوئے ؛

اِس مقام پر گوردھن نام ایک کھچی راجپوت رئیس بھی رہتا تھا۔ اِس کی نیک چلنی اور وفاداری نے اُسے بخت سنگھ کا بڑا عزیز بنا رکھا تھا۔ اور بخت سنگھ نے بحالت نزع بیجے سے اس پر ویسا ہی اعتبار کرنے کی وصیت کی تھی ؛

راجہ خورد سال یعنی بیجے سنگھ نے مذکورہ بالا سردار سے درخواست کی کہ وہ اسکے رئیسوں کو سرکشی سے باز رکھے۔ اِس سردار نے بطور ایک اصیل راجپوت کے راجہ کو مشورہ دیا۔ کہ انپر اعتبار کر کے تنہا اُن کے پاس جائے۔ امید ہے کہ اِسطرح پر سرداروں کا دل نرم ہو جائیگا۔ قبل از روانگی راجہ گوردھن داس رئیسوں کے پاس گیا۔ تاکہ اُن کو اُس کے استقبال کے لئے آمادہ کرے۔ اُس نے کہا کہ تمہارا راجہ تمہاری نمک حلالی پر اعتبار کر کے تمہارے پاس آتا ہے۔ اِس لئے باہر نکل کر اُس کا استقبال کرو۔ مگر کسی نے بھی اِس پر عمل نہ کیا ؛

اِس پر بھی ایک ناخواندہ مہمان کی طرح راجہ رئیسوں کے مقام پر چلا آیا۔ گوردھن اُس کو سیدھا خیمہ رئیس رہوا میں جو رئیس کلاں مارواڑ کا تھا۔ لے گیا۔ اِس جگہ سب جمع ہوئے۔ مگر خاموش تھے۔ ناچار راجہ نے ہی قفل خاموشی کو توڑا۔ اور کہا میرے گروہ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ چمپاوت نے جواب دیا۔ راجہ صاحب! ہمارے سب ہی مرتبہ رکھتے ہیں" ؛

غرضیکہ بہت سی طول طویل مگر فضول گفتگو ہوتی رہی۔ اور آخرکار راجہ نے تنگ آ کر کہا۔ "آخر تم کن کن شرایط پر اتفاق کرو گے"؟

(سرداروں نے مندرجہ ذیل شرطیں پیش کیں)

(۱) دایہ بھائی یعنے نیجے سنگھ کے دایہ زاد کا زور کم کیا جائے ؛
(۲) پٹہ بھی ٹھاکروں کو دے دیئے جائیں ؛ (۳) دربار قلعہ کے شہر میں منتقل کیا جائے ؛

ان شرطوں میں سراسر نزاع کی صورت تھی۔ کیونکہ شرط اول میں فوج جدید کی موقوفی منظور تھی۔ اور یہ راجہ کے لئے خطرناک کام تھا۔ دوسری شرط میں راجہ کا دباؤ رئیسوں پر سے بالکل جاتا رہا۔ کیونکہ اس شرط کے بموجب نہ تو وہ کسی کی جاگیر ضبط کر سکتا تھا۔ نہ کسی کو دے سکتا تھا۔ مگر طوعاً و کرہاً اُس نے ان شرطوں کو منظور کیا۔ اور اس طرح رضامند ہو کر بعض سردار تو اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے۔ اور چند اوت اس غرض سے جودھپور میں آئے کہ وہ اپنا پہلا سا رسوخ حاصل کریں ؛

گروآتما رام کے مرنے تک یہی حال رہا۔ بیماری کی حالت میں راجہ نے گورو کی بڑی خدمت کی۔ اور مرتے وقت پوچھا۔ کہ میری مصیبتیں بھی کبھی دور ہونگی ؛

گرو نے کہا کہ تو میرے مرتے ہی رنج و غم سے آزاد ہو جائیگا۔ راجہ نے اُس کے انتقال پر بہت غم کیا۔ قلعہ ہی میں اس کے کریہ کرم کا حکم دیا۔ اور رانیاں بھی اُس کی آخری پرستش کے لئے اُتریں ؛

سردار اُس کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کے لئے آئے۔ اور جب وہ پہاڑ میں سے اُترتے ہوئے زینے پر پہنچے۔ تو دیوی سنگھ یکایک پکار اُٹھا کہ آج کا دن منحوس ہے لیکن ایک خوشامدی نے خوشامد کے طور پر کہا۔ کہ آپ مارواڑ کے ستون ہیں آپ کو کون آنکھ بھر کر دیکھ سکتا ہے۔ جب یہ لوگ رفع شک کر کے آہستہ آہستہ کل مقامات سے گذر گئے اور نقارہ دروازہ پر پہنچے۔ تو دروازہ بند تھا سردار راہودھ چیخ اُٹھا۔ کہ فریب کیا گیا۔ اور ننگی تلوار لے کر لڑنے لگا طرفین کے بہت آدمی ہلاک ہو گئے جو باقی رہے۔ وہ قید کر لئے گئے۔ اور جب دایہ بھائی نے کہا کہ تمہیں مرنا پڑیگا۔ تو اُنہوں نے درخواست کی کہ ہمیں گولیوں کی موت سے نہ مارنا۔ بلکہ ہم تلوار سے قتل ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ چمپاوتوں کے تین سردار اجیت سنگھ والئے راہو دیوی سنگھ والئے پوکرن اور مہر سولہ والا اور چتر سنگھ کے سردار کو سپاوتاں و کیسری سنگھ چاندریں

والا اور الیمباج کا کنورا ور اس کا سردار کہ اس وقت جاگیردار کلاں اوداوت تھا مارے گئے
ہلاکت کے وقت دیوی سنگھ کی البتہ یہ عزت ہوئی۔ کہ راجہ کے خاندان میں ہونے
لحاظ سے اُس کی خونریزی نہ کی گئی۔ بلکہ افیون کا پیالہ دیا گیا ؛

مگر اُس نے مٹی کے پیالہ میں پینے سے انکار کرکے سونے کا پیالہ طلب کیا۔ لیکن جب
نہ مل سکا۔ تو دیوار میں سر مار کر مر گیا ؛

مرتے وقت کسی تنگ ظرف نے پوچھا کہ اب وہ تلوار کہاں ہے جس کے قبضہ میں
مارواڑ ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ پوکرن میں سیل سنگھ کی کمر سے بندھی ہے۔ چنانچہ اس
کے قول کی تصدیق اِس طرح ہوئی کہ اُس کی ہلاکت کی خبر سنکر سیل سنگھ لڑنے کے
چلا آیا۔ تجارت گاہ پالی کو جلا دیا۔ اور لوٹ لیا۔ لیکن بلواڑہ واقعہ لب تونی پر حملہ کیا اور
میں وہ خود بھی مارا گیا ؛

کچھ عرصہ کے واسطے فساد کا انسداد ہو گیا۔ تجارت جاری ہوئی۔ ملک میں امن
اور بجے سنگھ نے سرداروں کو مہمات میں مصروف کرکے اپنا وفادار بنایا۔ اور صحرا بیول
حملہ کیا گیا۔ حاکم سندھ سے لڑائی ہوئی۔ اور امرکوٹ فتح ہو گیا۔ شمال مغرب میں جیسلمیر کا
کم کیا۔ اور سب سے زیادہ ملک گودواڑ کہ آمدنی میں کل مارواڑ کے برابر ہے۔ حاصل ہوا
دنوں تک مارواڑ میں امن رہا۔ لیکن جب مرہٹوں نے زور کیا۔ تو پھر شورش پیدا ہوئی
آخر کار راجپوتوں نے باہم اتفاق کرکے مرہٹوں پر حملہ کیا۔ اور گولہ اندازان توپ کو قتل کر
سندھیا کو کوسوں دور بھگا دیا ؛

ان کی ہمت بڑھی ہوئی تھی۔ بجے سنگھ نے قلعہ اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ چوتھے سال مرہٹوں
نے یہ شرمندگی رفع کرنے کے لئے ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ راجپوتوں پر حملہ کیا۔
اور میرٹا میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن راٹھور مرہٹوں کے قواعد دانی کی تاب نہ لا
سکے۔ اور آخر کار ساٹھ لاکھ روپیہ مصادرہ و فوج کا خرچ لیا گیا۔ اور جس قدر نقد وصول
اُس کے عوض قیمتی اسباب دیا گیا ؛

اجمیر جو کہ تونگہ کی چند روزہ فتح کے بعد لی تھی۔ پھر واپس دی گئی۔ اور یہ مارواڑ سے
ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئی۔ بلا مقابلہ خالی کرنے میں ہتک عزت تھی۔ اور مقابلہ کرنے
اپنے آقا کی نافرمانی اس واسطے دونوں الزاموں سے بچنے کے لئے دھرا ج دیا

نے زہر کھاکر جان دیدی۔ مرتے وقت جو الفاظ راجپوت کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے
راجہ صاحب سے کہ دو کہ میں صرف اِسی طرح سے ان کے حکم کی تعمیل کرسکتا ہوں مرے
میری لاش کے اوپر سے گذر کر قلعہ میں داخل ہوسکتے ہیں ؛

عمر کے آخری حِصّے میں بجے سنگھ ایک روسوال قوم کی حسین عورت پر فریفتہ ہُوا۔ اور
اس کی دلدہی کرتا تھا۔ کہ جب اُس کا بیٹا فوت ہوگیا۔ تو اُس نے اپنا پوتا لاکر اُس
میں بٹھادیا۔ اور ولیعہد قرار دیکر تمام سرداروں کو منظور کرنے کے لئے مجبور کیا لیکن کسی
ں نہ گیا۔ راجپوت اب بجے سنگھ کی ان حرکتوں پر بہت ناخوش ہُوئے اور ان میں
ہوئی۔ کہ بجے سنگھ کو گدی سے اُتار دیں۔ چنانچہ ایک راجپوت کو بھیجکر اس عورت
سے پاسبان کہتے تھے۔ عرض کیا کہ آپ کو راجہ یاد کرتے ہیں اور فوج میں موجود ہیں
ب وہ محافے میں سوار ہوکر اُتری۔ تو ایک غیر معلوم شخص نے اسے قتل کردیا۔ اُسی وقت
روں نے راجہ بھیم سنگھ کو بلایا۔ لیکن ساتھ ہی راجہ بجے سنگھ کو بھی اس امر کی خبر پہنچ
وہ وہاں سے فوراً روانہ ہوا۔ اور بھیم سنگھ کو سوجت اور سیوانہ کی جاگیر دیکر رضامند کر
چنانچہ وہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔ اگر اس وقت راجہ بجے سنگھ کو اس امر کی خبر نہ
تو وہ یقیناً اُسیوقت معطل کردیا جاتا۔ اور بھیم سنگھ گدی نشین ہوجاتا ؛

راجہ بجے سنگھ نے اِسی طرح اپنے بڑے بیٹے ظالم سنگھ کی حق تلفی کی تھی۔ اُس کا
ہ گوندوار دیکر کم کیا۔ اور اسے خفیہ ہدایت کی کہ اپنے بھائی بھیم سنگھ پر حملہ کرے چنانچہ
مغلوب و مفرور ہوکر پہلے پوکرن اور پھر وہاں سے جیسلمیر کو چلا گیا ؛

اِسی نزاع کی حالت میں کہ ملک ہر طرف سے منقطع ہوگیا تھا۔ اور تمام سردار فساد پر
دہ تھے۔ اور وہ پری جمال محبوبہ جو حد سے پیاری تھی۔ نہایت بے دردی اور بے رحمی
قتل کی جاچکی تھی۔ راجہ بجے سنگھ نے اکتیس ۳۱ برس تک راج کرکے وفات پائی ؛

راجہ بھیم سنگھ

بجے سنگھ کے انتقال کی خبر اس کے پوتے بھیم سنگھ کو بمقام جیسلمیر پہنچائی گئی۔ ... بائیس ۲۲ گھنٹہ کے اندر جودھپور میں پہنچ گیا اور براہ راست قلعہ میں جاکر گدی پر ... ظالم سنگھ کو جو وارث تخت و تاج تھا شہر سے فرار ہونا پڑا۔ اِس کا تعاقب کیا گیا۔ ... کے مقام پر اس پر حملہ ہُوا جس میں اُس کو شکست فاش ہوئی۔ اور وہ بھاگ کر اودے ... میں چلا گیا۔ جہاں رانا صاحب نے اس کے لِئے معقول جاگیر مقرر کردی۔ اور اُس نے ... باقیماندہ عمر تحصیل علم میں صرف کی۔ ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے اپنی فصد کھولی۔ مگر ... رگ کے پٹھا کٹ گیا۔ اور خون کے زیادہ بہ جانے سے مرگیا۔ بھیم سنگھ چاہتا تھا کہ ... غیری حکمران ہو لہذا اُس نے اپنے ہمسایہ شاہان دہلی کی طرح بڑی بڑی سختیاں کیں ... تین چچا پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ صرف شیر سنگھ اور سردار سنگھ ہی باقی تھے ... قتل کیا گیا۔ اور شیر سنگھ کی آنکھیں نکالدی گئیں۔ جس نے تھوڑے دن بعد اپنی ... چھوڑ کر مصیبت کی زندگی سے نجات پائی۔ بجے سنگھ کی اولاد میں سے سور سنگھ ... تھا۔ مگر اس کے عمدہ اوصاف ہی اس کے حق میں زہر قاتل ہوئے۔ اور دوسروں ... وہ بھی مارا گیا۔

اب کل خاندان میں سے اگر کوئی کانٹا بھیم سنگھ کے راستہ میں رہ گیا تھا۔ تو وہ ... تھا۔ کل دعویداران مسند کا خاتمہ کرکے بھیم سنگھ نے مانسنگھ کی گرفتاری کی کوشش ... وہ جالور کے مضبوط قلعہ میں مقیم تھا۔ اُس کا بھی محاصرہ کیا گیا۔ اگر بھیم سنگھ کے سردار ... سے ناراض نہ ہوتے تو ممکن تھا۔ کہ وہ مان سنگھ کا بھی خاتمہ کر دیتا۔ اور پھر خاندان ... اس کے سوائے کوئی اور باقی نہ رہتا۔ اور اس صورت میں ریاست کا وارث کوئی اور ... اور بجے سنگھ کے پسر دھونکل سنگھ (جو کہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہُوا تھا) کا ... مارواڑ کی گدی کے لئے راٹھوروں میں جنگ و جدل کا باعث نہ ہوتا۔

بھیم سنگھ بھی رام سنگھ کی طرح نہایت تند مزاج تھا۔ جو سردار محاصرہ جالور پر مامور تھے اُن کو بجائے گھوڑوں کے سواری کے لئے بیل دیئے گئے۔ جس سے وہ ناراض ہوکر گوندوار کو چلے گئے۔ اور آخر کار ملک سے نکل گئے۔ اور قرب وجوار کی ریاستوں میں پناہ لی۔ اکثر سرداروں کی جاگیریں ضبط ہوگئیں۔ اور تیماج کا علاقہ جو کہ اوداوتوں کا قدیم مسکن تھا ایک سال کی لڑائی کے بعد شامل ریاست کیا گیا۔

جالور کا قلعہ اگرچہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مگر سامان جنگ اور روپیہ وغیرہ کی قلت کی وجہ سے مان سنگھ کے لئے زیادہ عرصہ تک مقابلہ پر اڑے رہنا ناممکن تھا۔ اُس کی حالت اب سخت نازک ہو چلی تھی۔ گیارہ سال جفاکشی کے بعد اس کے صدہا رفیق تلوار یا فاقہ کشی کی نذر ہو چکے تھے۔ جو باقی رہ گئے تھے۔ اُن میں سے بھی بہت سے اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے نیچے کا شہر بھی دشمن کے قبضہ میں جا چکا تھا۔ اور اُس کو اپنے بچاؤ کی کچھ بھی امید باقی نہ تھی۔ کہ یکایک بھیم سنگھ کے مرنے کی خبر آئی۔ اور ساتھ ہی سپہ سالار نے پیغام بھیجا۔ کہ تخت خالی ہے آپ تشریف لائیں۔ اور قابض ہو جائیں۔ ہم دل وجان سے آپ کی اطاعت کو حاضر ہیں۔ سپہ سالار کے پیغام کے علاوہ اندراج وزیر کا خط بھی تھا۔ مگر مان سنگھ کو یقین نہ آیا۔ لہذا گورو دیوناتھ کوٹ شکر میں بھیجا گیا۔ اور اُس نے واپس آکر اس خبر کی تصدیق کی اب مان سنگھ فوراً جودھپور میں آیا۔ اور بغیر کسی طرح کی رکاوٹ کے تخت پر بیٹھ گیا۔

راجہ مان سنگھ

۱۸۰۴ء میں مان سنگھ نے جودھپور کی گدی کو زینت دی۔ مگر افسوس کہ اُس کو اپنے ماتحتوں میں سے بہت کم آدمیوں پر اعتبار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام سردار اس سے ناراض ہو گئے۔ حتیٰ کہ سوائی سنگھ وزیر بھیم سنگھ مرحوم بھی رنجیدہ ہوکر بالکل منحرف ہو گیا۔ لکھا ہے کہ سوائی سنگھ بڑا چالاک اور ہوشیار افسر تھا۔ اور اگر مان سنگھ اُس کو اپنے قابو میں رکھتا تو اس کے لئے یہ بڑا ہی مفید ثابت ہوتا۔ لیکن معاملہ بالکل بگڑ گیا۔ اور سوائی سنگھ نے اس سے

منحرف ہوکر تادم زیست اُس کو لرزاں رکھا۔ اور آخر کار ایک ایسی چال چلا جس سے مان سنگھ کے تباہ ہونے میں تھوڑی سی کسر باقی رہ گئی۔ گو اس کے اقدام میں وہ خود بھی تباہی میں آ گیا۔ مگر اُس کی اس کاروائی سے اس کی عقلمندی بخوبی عیاں ہوتی ہے وہ چال یہ تھی کہ اُس نے رانائے میواڑ کی راج دولاری کرشن کماری کے ناطہ کی بابت جے پور اور جودھپور کے درمیان رقابت کی ایسی خوفناک آگ بھڑکا دی۔ جو دو سال تک برابر روشن رہی اور اس عرصہ میں اس نے دونوں ریاستوں کو تباہ و ویران کر دیا۔ اس لڑائی کے مفصل حالات تواریخ میواڑ میں درج ہو چکے ہیں ؛

گنگولی کی لڑائی میں جو شکست مان سنگھ کو نصیب ہوئی اُس نے اُسکو بالکل بے دست و پا بنا دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر امیر خاں روپیہ کے لالچ میں آ کر اپنی مشہور بے ایمانی کے ذریعہ سوائی سنگھ اور دھونکل سنگھ کو قتل نہ کر دیتا۔ تو اس کے لئے جودھپور کی گدی پر قایم رہنا قریب قریب ناممکن ہو چکا تھا۔ اگرچہ وہ امیر خاں کی مدد سے گدی پر قایم رہگیا تھا۔ مگر اُسکی حالت بالکل کمزور تھی۔ اور مارواڑ کا اصلی حاکم امیر خاں سمجھا جاتا تھا اور جو کچھ وہ چاہتا تھا کرتا تھا ؛

ان دنوں میں اندراج وزیر اور دیوناتھ گسائیں مانسنگھ کے صلاحکار تھے۔ اور اگر کوئی بات باقی سرداروں کے خلاف مرضی وقوع میں آتی تھی۔ تو وہ خیال کرتے تھے کہ یہ انہیں کی صلاح کا نتیجہ ہے لہذا سرداروں نے امیر خاں کو سات لاکھ روپیہ دینا کر کے اُن دونوں کو بھی قتل کروا دیا۔ وزیر اور گورو کے قتل کے بعد قدرتاً یا اراداً مان سنگھ بالکل دیوانہ ہوگیا۔ اور تمام کاروبار چھوڑ کر ایک مکان میں بند ہو بیٹھا۔ حتےٰ کہ اپنے بیٹے چتر سنگھ کو مسند نشین کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ مگر اپنی بدچلنی کیوجہ سے چتر سنگھ بھی جلدی مارا گیا ؛

بیٹے کی بے محل موت سے مان سنگھ اور بھی گھبرا گیا۔ یہاں تک کہ اسکو اپنی رانی کی طرف سے بھی ہر وقت دغا کا خوف لگا رہتا تھا۔ سوائے ایک خاص معتمد ملازم کے وہ کسی کے ہاتھ کی کوئی چیز نہ کھاتا تھا۔ اُس نے نہانا دھونا بالکل چھوڑ دیا بال بڑھا لئے اور آخر کار کسی سے بات تک بھی نہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب تک اتفاق زمانہ نے سرکار انگریزی کے تسلّط کو ملک مارواڑ میں نہ پہنچا دیا۔ مان سنگھ اسی حالت میں رہا۔ اور سرداروں کا مجمع بافسری سالم سنگھ ریاست کا کام انجام دیتا رہا ؛

جلد اول تمام ہوئی

ضروری اطلاع

وقائع راجستھان دو جلدوں میں ختم ہوئی ہے جلد اوّل
آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دوسری جلد بھی جس میں جے پور
بیکانیر جیسلمیر۔ اجمیر۔ بوندی۔ کوٹہ اور ہوبا وغیرہ راجپوتانہ
کی تمام مشہور ریاستوں کے دلچسپ حالات درج ہیں۔
تیار ہے۔ قیمت جلد دوئم دو روپے آٹھ آنہ۔ مجلد تین روپیہ۔

ملنے کا پتہ

رام داس اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب لوہاری دروازہ
لاہور

کاتب کتاب ہذا منشی عبد المجید از

عادل گڑھ ڈاکخانہ منگھیر ضلع گوجرانوالہ

ملک کو آزاد کرنے والی کتابیں

نیشنل گلدستہ

ملک کو آزاد کرنے اور نئی روح پھونکنے والی نئی نئی غزلوں کا گلدستہ جو پنجاب اور ہندوستان کے نامی گرامی شاعروں کی عرق ریزی کا نچوڑ جو انہوں نے وقتاً فوقتاً ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں ملک کو بیدار کرنے کے لئے نچھاور کئے۔ اور جن کو سنکر حاضرین خون کے آنسو بہاتے تھے اکٹھا کر کے باترتیب گلدستہ کی شکل میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ جسکا نام "نیشنل گلدستہ" رکھا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اعلیٰ اور قیمت صرف ۸ ر ہے۔

حیات ابدی

مرنے کے بعد انسان کی زندہ جاوید روح کہاں جاتی ہے اُس سے کس طرح بات چیت ہو سکتی ہے مرے ہوئے کی کیا حالت ہوتی ہے مرے ہوئے بزرگوں سے ملاقات کرنے کا ڈھنگ مجرب نسخے چھپی ہوئی باتیں۔ گم شدہ خزانے۔ مرے ہوئے سے دریافت کرنیکا قاعدہ۔ موت کی خوفناک شکل کا اصلی فوٹو۔ آواگون یا تناسخ کا عملی ثبوت۔ بزرگوں کی ارواح سے فائدہ اٹھانے کی سہل ترکیب۔ کشف قبور کا راز اس کتاب میں سہل درج ہے بلا امداد استاد ہر شخص یہ کام سیکھ اور کر سکتا ہے۔ پہلے اس کتاب کی قیمت (عہ) تھی۔ اب عوام کے فائدے کیلئے رعایتی قیمت ۸

بھارت ماتا کے دُکھڑے

یہ جدید کتاب حال میں ہی شائع ہوئی ہے۔ جسمیں مادر ہند کی دردناک اور المناک داستان نہایت دلسوز پیرایہ میں بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے دل پر سخت چوٹ لگتی ہے۔ اور مُردہ سے مُردہ دل انسان بھی قوی دل ہو کر قوم پرستی کے میدان میں نکل آتا ہے ہر ایک بہی خواہ ہند کا فرض ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرے اور اپنی مادر وطن کو رنج و آلام سے آزاد کرانیکے لئے کمربستہ ہو کتاب منظوم ہے قیمت صرف آٹھ آنہ ۸ ر

قومی ناد

یہ اپنی قسم کی پہلی اور بینظیر کتاب اور دُکھے ہوئے دلوں کے لئے مرہم عیسیٰ ہے۔ ملک کو آزاد کرنے اور سوراجیہ دلانے والی نظموں کا شاندار مجموعہ ہے اسکی ایک ایک نظم ہر ایک نظم کا ایک ایک بند دراصل سوراجیہ کے لئے ایک زینہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے آزادی کی امنگ دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور جیلخانہ و دیگر قسم کی مصیبتوں کی ڈراؤنی شکل جو آج کل ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ یکدم دور ہو کر سوراجیہ کی سیدھی سڑک آنکھوں کے سامنے دکھائی دینے لگتی ہے قیمت

وَیراگ درپن

مرنے سے پہلے ہمیں کس قسم کی تیاری کرنی چاہیئے نیز وہ کونسے طریقے ہیں جن پر چلنے سے ہم موت کے عذاب اور ڈر سے بچ سکتے ہیں اصلی ویراگ کیا ہے اور ہم کس طرح پر سارے دنیا کے کاروبار کرتے ہوئے اپنے آپکو آلائش دنیوی میں آلودہ ہونے سے بچا سکتے ہیں ان باتوں کا جواب آپکو ویراگ درپن کے مطالعہ سے مل سکتا ہے اِن باتوں کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں اس مضمون پر ایسی کوئی مکمل اور جامع کتاب تیار نہیں ہوئی ہے جو جانتے ہیں کہ ہمنے ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہی وہ ضرور اس کتاب کو پڑھیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ بہت اعلیٰ سرورق رنگین باتصویر قیمت ا ر

پُشپ کماری

اگر آپ سوراجیہ چاہتے ہیں تو مجسم قربانی ... مہارانا پرتاب کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ یہ آپکو سوراجیہ کی طرف لیجانیوالی پہلی کتاب ہے۔ جسکا ترجمہ اردو زبان میں بنگالی کے مشہور و معروف مصنف بابو رومیش چندر دت صاحب بہادر آئی۔ سی۔ ایس سی۔ آئی۔ ای سابق کمشنر قسمت اڑیسہ صوبہ بنگال و لیکچرار تاریخ لنڈن یونیورسٹی نے کیا ہے۔ جسکا نام انہوں نے پُشپ کماری رکھا ہے اِس کتاب کے مطالعہ سے بوڑھوں اور بچوں کی رگوں میں خون قومی جوش کی لہریں مارنے لگتا ہے۔ قیمت فی جلد عہ

ملنے کا پتہ۔ رام داس اینڈ سنز تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور

وقائع راجستھان با تصویر جلد دوم

ریاست جے پور

کچھواہا نسل کے راجپوتوں کو دعوےٰ ہے۔ کہ ہم مہاراجہ رامچندر جی والئے اجودھیا کے فرزند کُش کی اولاد میں سے ہیں۔ کُش یا اس کے بیٹے پوتوں میں سے کسی نے اپنی موروثی دارالریاست سے نقل وطن کر کے سون ندی کے کنارہ رہتاس کا مشہور قلعہ تعمیر کرایا تھا اور چند پشتوں کے بعد ایک نامور شخص راجہ نل نے مغرب کیطرف جاکر نزور میں جسکو قدیم لوگ نشدہ کہتے تھے۔ قلعہ اور سلطنت بنائی۔ بعض یہ بھی روایت کرتے ہیں۔ کہ نزور پہنچنے سے پیشتر انہوں نے لاہور واقعہ کچھواہا گارہ اور گوالیار بھی آباد کئے تھے۔ مگر اسکی تصدیق اچھی طرح نہیں ہوتی ہے اس زمانہ کے کل راجپوتوں کی طرح راجہ نل کی اولاد کے نام بھی پال پر ختم ہوتے تھے تیسویں پشت میں سوراسنگھ ہوا۔ اس کے پسر ڈھولارائے نے موروثی ریاست سے محروم ہو کر ۹۶۷ء میں ڈھونڈار کا راج قائم کیا؁

کہتے ہیں کہ جب سوراسنگھ رئیس نرور کا انتقال ہوا۔ تو اس کے بھائی نے راج چھین کر صغیر سن ڈھولارائے کو اس کے موروثی حق سے محروم کیا۔ اس کی والدہ مفلسوں کا لباس پہنکر اور لڑکے کو ٹوکرے میں اپنے سر پر لے کر مغرب کی طرف روانہ ہوئی۔ اور قصبہ کھوگنگ میں جو شہر جے پور کے موقعہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور اس میں مینوں کی آبادی تھی پہنچی۔ راستہ کی تھکان اور اشتہا سے لاچار ہو کر اس نے ٹوکرہ زمین پر رکھ دیا۔ اور جنگلی بیر کھانے لگی۔ مگر جب پلٹ کر دیکھا۔ تو ایک سانپ پھن پھیلائے ٹوکرہ پر کھڑا تھا۔ دل گرفتہ ماں خوف زدہ ہو کر چلانے لگی۔ سانپ گم ہو گیا۔ مگر ایک برہمن نے جو اسوقت کہیں سے آگیا تھا اس کی تشفی کی اور کہا۔ کہ خوف کی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس مبارک فال پر خوش ہونیکا موقعہ ہے یہ لڑکا بڑا صاحب نصیب ہوگا۔ مگر ماں کو یہ باتیں کب تسلی دے سکتی تھیں۔ وہ تو اس وقت روٹی کو بھی محتاج تھی۔ غرض وہ ٹوکرہ اٹھا کر شہر کھوگنگ کو روانہ ہوئی اور وہاں پہنچ کر

بہ برکاتش سیلیم پریس لاہور بابو دیوان سنگھ پرنٹر کے چھپا

رئیس مینا کی کسی کنیز سے ملکر صرف روٹی کپڑے کے عوض مزدوری کرنے کی التجا کی۔ رئیس کی رانی نے
اسکو کنیزوں میں نوکر رکھ لیا۔ ایک روز اس نے کھانا پکایا۔ رئیس کو نہایت خوشگوار معلوم ہوا۔
فوراً اس کو طلب کر کے اس کی ساری سرگذشت دریافت کی۔ اور جب اس کو اس آفت زدہ عورت
کے خاندان کی عظمت کا حال معلوم ہوا۔ تو ان کی بڑی عزت و توقیر کرنے لگا۔ اس طرح ڈھولا کی عمر چودہ
سال کو پہنچ گئی۔ اور وہ گھوگنگ کا خراج ادا کرنے کے لئے دہلی کو بھیجا گیا۔ اور اس کو وہاں پانچ
برس تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب ڈھولا کا خیال پلٹ گیا۔ اور اس نے ارادہ کیا۔ کہ جس طرح
ہو۔ مینا کی ریاست کو لینا چاہیئے۔ اس بارہ میں اس نے مینوں کے ڈھولی سے مشورہ کیا۔
اس نے صلاح دی۔ کہ دیوالی کے تہوار پر کل مینے جمع ہو کر ایک تالاب میں غسل کرتے ہیں
یہ موقعہ آپ کے لئے ضرور کامیابی کا موقعہ ہوگا۔ چنانچہ ڈھولا نے اپنے ہمقوم راجپوتوں کو ہمراہ
لے کر گھوگنگ کی طرف کوچ کیا۔ اور عین موقعہ پر مینوں پر حملہ کر کے تالاب کو ان کی نعشوں سے
بھر دیا۔ مگر ان کے ساتھ ہی نمک حرام ڈھولی کو بھی قتل کر دیا۔ کیونکہ جس شخص نے اپنے ولی
آقا سے دغا کی تھی۔ اُسپر کیونکر اعتبار ہو سکتا تھا۔ گھوگنگ پر قبضہ کر کے ڈھولا دوسہ کی
طرف بڑھا اور وہاں کے راجہ کی دختر سے شادی کی۔ اس کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی
لہذا اس نے ڈھولا کو ہی ریاست سونپ دی۔ ادہر سے فراغت پا کر اس نے سیروہ قوم کے مینوں
کو جن کا سردار راؤ نتھو ملچ کا رئیس تھا۔ فتح کیا۔ اور اس مقام کو اپنی بود و باش کے لئے بہتر
سمجھکر وہاں دارالحکومت بنایا۔ اور اپنے بزرگوں کے نام سے ماچ کا نام رام گڈھ رکھا۔

اس کے بعد ڈھولا نے مارونی دختر رئیس اجمیر سے شادی کی۔ مگر وہ جمواے دیوی کے مندر
سے معہ رانی کے واپس آرہا تھا۔ کہ گیارہ ہزار مینوں نے فراہم ہو کر اس پر حملہ کیا۔ ڈھولا نے بڑی
بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ مینوں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ مگر آخر کار ڈھولا
اس لڑائی میں مارا گیا۔

رانی مارونی حاملہ تھی۔ ڈھولا کی وفات کے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام کن کل رکھا
گیا۔ اس نے بالغ ہو کر ڈھونڈار کا ملک فتح کیا۔ اور اس کے بیٹے میدل راؤ نے سوسادت مینوں
سے شہر آمیر کہ ان کے سردار بھاٹو راؤ کا دارالریاست تھا فتح کیا۔ اس کے بعد ناندلہ مینوں
کے گنور ماگٹی کا ضلع اپنے ملک میں شامل کیا۔ اور آمیر میں سکونت اختیار کی۔ بیمل راؤ کے

؎ یہ شہر جے پور سے چار میل کے فاصلہ پر جانب شمال پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارہ پر واقع

مون دیو راجہ ہُوا۔ اور مثل اپنے متقدموں کے مینوں سے لڑتا رہا۔ اِس کے بعد کونتل مسند نشین ہُوا۔ اِس کی حکومت گردونواح کے کل پہاڑی قوموں پر پھیل گئی ؁

کونتل کے بعد پچون گدی پر بیٹھا۔ اِس کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ اور چند شاعر نے پرتھی راج رسہ میں اِس کی تعریف لکھ کر زندہ دوام کر دیا ہے۔ خاندانی عظمت اور پچون کی ذاتی لیاقت سے اِس کی شادی پرتھی راج چوہان شہنشاہ دہلی کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ جس زمانہ میں پچون سرحد کا حاکم تھا۔ اِس نے شہاب الدین کو درہ خیبر پر شکست فاش دی اور غزنی تک اِس کا تعاقب کیا۔ اِس نے چندیلہ راجپوتوں سے مہوبا کو فتح کیا۔ اور وہاں کا حاکم مقرر ہُوا۔ جن چونسٹھ راجوں نے پرتھی راج کو سینوگتا کے اُڑا لے جانے میں مدد دی تھی۔ اِس میں پچون بھی شامل تھا۔ اور اِس معرکہ میں وہ مارا گیا تھا؁

پچون کے بعد اِس کا بیٹا مالیسی گدی نشین ہُوا۔ اِس نے بھی بڑے بڑے کارنمایاں کئے۔ جن میں سے روترا ہی کی فتح تھی ؁

مالیسی کے بعد بجل۔ راج دیو۔ کیتن۔ کونتل۔ اور جونسی پانچ راجے گدی پر یکے بعد دیگرے بیٹھے۔ مگر اِن کے عہد میں کوئی امر قابل تحریر وقوع میں نہ آیا۔ جونسی کے بعد اودے کرن ہُوا اِس کے پسر بالوجی نے باپ کا گھر چھوڑ کر امرتسر کے شہر و ضلع کو حاصل کیا۔ شیخ جی جس کی اولاد میں کل شیخاوٹ ہیں۔ اودے کرن کا پوتا تھا؁

درمیان میں نرسنگ۔ بن بیر۔ اودہارن اور کہندر سین چار راجہ ہُوئے۔ مگر اِن کے زمانہ میں کوئی واقعہ قابل تحریر ظہور پذیر نہ ہُوا؁

حاشیہ متعلقہ صہ ۲ ــــ ۳ اِس کے مندر۔ مکانات اور گلیوں کو پہاڑی نالے جو کہ اِس تالاب میں آکر گرتے ہیں ایکدوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ اِن گلیوں میں جو کہ پیچدار ہیں۔ اور درختوں کی کثرت کے باعث اِن میں ہروقت سایہ اور اندھیرا رہتا ہے اب سوائے جٹادھاری سادھوؤں اور گوشہ نشینوں عابدوں کے کوئی نہیں رہتا۔ تالاب کے مغربی کنارہ اور پہاڑ کے دامن پر آمیر کا عظیم الشان محل ہے اور اِس کے آٹھ ایسے برج ہیں۔ جیسے کہ کشمیر کی ابتدائی تعمیرات میں پائے جاتے ہیں۔ جس کو منٹ صاحب اور ہیبر صاحب دونوں اسکی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ ہم نے ایسا دلچسپ خوشنما اور خوبصورت مقام کبھی نہیں دیکھا۔ ڈہلوان پہاڑی کے اوپر ایک تاریک مقام پر چار برجوں سے محفوظ ایک زنانہ محل ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک عالیشان قلعہ ہے جسکے ہر طرف دمدمے اور مورچے بنے ہُوئے ہیں اور سب سے بلندی پر ایک عمدہ خوشنما مینار بنا ہوا ہے۔ یہ مقام زمانہ جنگ و جدال میں بڑا محفوظ مقام تھا جے پور کے آباد ہونے سے پیشتر آمیر دارالسلطنت تھا۔ اسکا موقع عرض البلد شمالی ۲۶ درجہ ۵۹ دقیقہ اور طول البلد مشرقی ۷۵ درجہ ۱۸ دقیقہ ہے۔

راجہ پرتھی راج کچھواہہ

یہ راجہ جو آمیر کے راجوں میں بڑا نامی گرامی اور بھگت راجہ گذرا ہے سمہ ۱۵۵۹ میں اپنے والد چندر سین کی وفات کے بعد مسند نشین ہوُا۔ اس کے عہد میں بھی شیخاوٹوں اور نرو کوں کا زور شور بدستور رہا۔ مگر جہاں تک اِس سے ہوسکا۔ اِس نے انکو دبائے رکھا۔ اور اپنے ملک کی بیرونی حملہ آوروں سے بھی بخوبی حفاظت کی۔ اِس راجہ کو دنیا کی نسبت آخرت کی فکر زیادہ تھی اور عیش وعشرت کی نسبت ریاضت اور عبادت میں زیادہ مشغول رہتا تھا۔ اِس نے چترناتھ جوگی سے جوگ ابھیاس کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اور دونوں اُستاد شاگرد عموماً امیکشور مہادیوجی کے مندر میں سمادہی لگایا کرتے تھے؛

اِن دنوں چتوڑ میں مہاراجہ رائے مل مسند نشین تھے۔ اِن کا بہادر بیٹا رانا سانگا بھائیوں کے جھگڑے سے وطن چھوڑ کر آمیر میں پناہ لینے پر مجبور ہوُا۔ اور سپاہیوں کے بھیس میں پرتھی راج کے پاس نوکر ہوگیا۔ وہ محل کا پہرہ دیا کرتا تھا۔ مگر راجہ کو اصل حال کی خبر نہ تھی ایک دن بارش کے موسم میں جبکہ ساون بھادوں کی کالی کالی گھٹاؤں سے رات کا اندھیرا از حد بڑھا ہوُا تھا۔ سانگا محل کے نیچے کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ اتنے میں موسلادھار بارش شروع ہوگئی۔ اور پہاڑ کے اوپر سے پانی کا نالہ اِس زور سے گرنے لگا۔ کہ اِسکی آواز دُور دُور تک سُنائی دیتی تھی۔ سانگا کو یہ آواز سخت ناگوار گذری۔ اور خیال کیا۔ کہ راجہ کو بھی اِسی طرح پانی کا گرنا بُرا معلوم ہوتا ہوگا اور یہ شور اِس کے آرام میں بھی ضرور خلل انداز ہوتا ہوگا۔ اِس خیال کے پیدا ہوتے ہی اِس نے گھاس کا گٹھہ جو نزدیک ہی پڑا تھا۔ اُٹھا کر پانی کی دہار کے نیچے رکھدیا۔ جس سے وہ ناگوار آواز بند ہوگئی۔ اتفاق سے اُس رات کو شتو دیہ رانی جو سانگا کی پھوپھی تھی۔ راجہ کے پاس تھی اِس پریشان کرنے والی آواز کے یک لخت بند ہوجانے سے راجہ کو کہا۔ کہ اب مینہ بند ہوگیا راجہ نے جواب دیا۔ کہ مینہ تو برس رہا ہے۔ مگر تعجب ہے۔ کہ نالہ نہیں گرتا۔ ایک لونڈی دریافت حال کے لئے بھیجی گئی۔ جس نے واپس آکر عرض کیا۔ کہ نالہ تو بدستور گر رہا ہے۔ مگر سپاہی نے جو پہرہ پر ہے۔ اِس کے نیچے گھاس رکھدیا ہے۔ جس سے وہ شور نہیں ہوتا دُور اندیش راجہ نے

شبیہ راجہ پرتھی راج کچھواہا والئے جے پور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوئم صفحہ ۸۵

کہ وہ سپاہی نہیں ہے۔ ضرور کوئی امیر یا امیرزادہ ہے۔ جو نازک دماغی سے اِس شور کا متحمل نہ ہُوا
اور اپنی عقل سے فوراً اس کا انتظام بھی کرلیا۔ راجہ نے اپنا یہ خیال رانی سے بیان کیا۔ رانی نے
جواب دیا کہ میرا بھتیجا سانگا گھر سے نکل آیا ہے۔ کہیں وُہی نہ ہو؟ وہ ایسی ہی طبیعت کا آدمی ہے
راجہ نے اُس کو بلا کر در پردہ رانی کو دکھایا۔ رانی فوراً پہچان گئی۔ پرتھی راج نے سانگا کے آگے
بہت کچھ عذر کیا۔ اور کہا کہ آپ نے مجھ سے اپنا آپ کیوں چھپایا۔ میں کوئی آپ کا بدخواہ تو نہیں تھا۔
پرتھی راج کے ۱۷ بیٹے تھے۔ جن میں سے ۱۲ نے باغ جوانی کی سیر کی۔ اِن کی اولادوں کو
جاگیریں دی گئیں۔ جو خاندان کچھواہہ کی بارہ کوٹھڑیاں کہلاتی ہیں۔ اول اول یہ کوٹھڑیاں
بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔ لیکن اب اتنی وسیع ہیں۔ جتنی کہ شروع میں اِن کے بزرگوں کی
کل ریاست تھی ؛

پرتھی راج دریائے سندھ کے سنگم پر ایک مندر کے درشن کرنے گیا تھا۔ وہاں اس کے
ناخلف بیٹے بھیم نے قتل کر دیا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ بُرے کام کا انجام بھی بُرا ہوتا ہے
بھیم کے بھائیوں نے آسکرن اِس کے بیٹے کو بھی باپ کے قتل کی ترغیب دی اور مشورہ دیا
کہ یہ پاپ تیرتھ یاترہ سے دُور ہو جائے گا۔ شجرہ نسب میں اِن دونوں کا نام نہیں ملتا۔ شاید
اِس کی وجہ یہ تھی، کہ دونوں باپ کے قتل کے سبب بدنام ہو چکے تھے ؛

راجہ پرتھی راج کے بعد اُن کا بڑا بیٹا پورن مل سمت ۱۵۸۴ میں آمیر کی گدی پر بیٹھا۔ اس
وقت مغلوں کی سلطنت ہندوستان میں بخوبی قایم ہو چکی تھی۔ اور ہمایوں بادشاہ تخت
دہلی پر مسند نشین تھا۔ پرتھی راج نے شاہی خاندان سے میل جول کی بنیاد رکھی اور راجگی کا خطاب
علاوہ ماہی مراتب کے حاصل کیا۔ راجہ پورن مل کے اوپر جو کچھ عنایتیں ہمایوں کی ہُوئی
تھیں۔ اِن کا معاوضہ اِس نے اپنی جان سے دیا۔ اور یہ موقعہ اس کو مرزا ہندال کی لڑائی
میں ملا تھا۔ جو رشتہ میں بادشاہ کا بھائی اور سلطنت کے دعوے میں اس کا رقیب تھا۔ یہ
پہلا خون تھا۔ جو کہ ایک والئے امیر کا مغل بادشاہوں کے جھمیلے میں گرا تھا ؛

پورن مل کی دو رانیاں تھیں۔ اور ایک بیٹا سورج مل تھا۔ جو کہ ابھی صرف دو سال
کی عمر کا تھا۔ اِس کی ماں اِس کے چچا بھیم کے خوف سے جو راجہ پورن مل کے عہد میں مختار
کار اور حاوی ریاست تھا۔ اِس کو ہمراہ لے کر اپنے باپ کے ہاں چلی گئی۔ اور بھیم سنگھ گدی
کا مالک ہُوا۔ مگر اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ اور صرف اڑہائی سال حکومت کر کے راہی ملک عدم ہُوا

بھیم سنگھ کے بعد راجہ رتن سنگھ گدی نشین ہوا۔ جوانی کا عالم تھا اور صحبت خراب۔ حکومت کے نشہ سے طبیعت قابو میں نہ رہی۔ عیاشی میں پڑ گیا۔ لوگوں کے ناموس بگاڑ ڈالے۔ بھائی بیٹوں کو ذرا سی بات پر ناراض کر لیا۔ ریاست کا اختیار سارے کا سارا تیجسی رائے کو دیدیا جس سے باقی تمام سردار ناراض ہو گئے۔ شیخاوٹ اور نروکے پھر سر اُٹھانے لگے۔ کرم چند نروکہ نے آمیر کے باہر اپنا حکم چلانا شروع کیا۔ تیجسی اِس کا تدارک نہ کر سکا اور ملک کی حالت خراب ہوتی چلی گئی جب سانگا نے جو ناراض ہو کر بیکانیر میں چلا گیا تھا یہ خبریں سنیں۔ تو اپنے ماموں جیت سی سے پندرہ ہزار فوج لے کر امیر پر چڑھائی کی رائے مل نے پیشوائی کی اور سانگا کا ارادہ معلوم کر کے تیجسی کو لکھا کہ اب سانگا ضرور ملک کا مالک ہوگا۔ اِس سے صلح کر لو تیجسی حاضر ہوا۔ اور سانگا نے کہا کہ شاباش تیجسی تم نے ملک کا خوب انتظام کیا۔ مگر اس نے جواب دیا۔ کہ جب دُلہا ہی کے مُنہ سے لال گرے۔ تو براتی بچارے کیا کریں۔ یعنی جب راجہ ہی نالایق ہو۔ تو اہلکار مجبور ہیں۔ اب آپ ملک کے مالک ہیں۔ جس طرح حکم ہوگا۔ عمل کیا جائیگا۔ سانگا نے کہا کہ جب تک کرمچند زندہ ہے ریاست کا درست انتظام نہ ہوگا؛

کرم چند کا بھائی جے مل تیجسی کے پاس نوکر تھا۔ اس کو کرم چند کے بلانے کے لئے روانہ کیا گیا اب تیجسی نے سانگا سے سوال کیا۔ کہ اوّل تو مجھے وہ سردار بتائیے۔ جو کرم چند کو قتل کر سکیگا سانگا نے اپنے ہمراہیوں میں سے لالو سانکھلا کو بتایا۔ تیجسی اس کا چھوٹا سا قد دیکھکر حیران رہ گیا مگر سانگا نے کہا۔ کہ یہ بڑا بہادر شخص ہے اور بڑے بڑے کارنمایاں کر چکا ہے۔ اتنے میں چوبدار نے عرض کی۔ کہ کرم چند حاضر ہے تیجسی نے کہا کہ جب میں مُلک کا نام لوں تو اُس وقت کرم چند کے اوپر وار کرنا؛

کرم چند حاضر کیا گیا۔ اور تیجسی نے کہا۔ کہ تم نے ملک کا نقصان بہت کیا ہے۔ اب ملک آئے ہیں اور حساب مانگتے ہیں۔ لالو نے ملک کا نام سُنتے ہی ایک ہاتھ سے کرم چند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جے مل نے یہ حال دیکھکر تیجسی پر کٹاری کا وار کیا۔ اور وہیں اُسکو ہلاک کر دیا۔ دوسرا وار سانگا پر کرنے کو تھا۔ کہ درمیان میں بہار مل سانگا کا بھائی آگیا۔ جے مل نے ہاتھ روک لیا۔ اور کٹاری لوہے کے ستون پر ماری جسکا نشان اب تک موجود ہے پھر ایک تلوار لالو اُوپر چلائی۔ اور اِسکے بھی دو ٹکڑے کر دیئے؛

اب سانگا کی دوہائی تمام ملک میں پھر گئی۔ اور تمام سردار اِسکے پاس حاضر ہوئے۔ مگر

اس نے آمیر میں دخل نہ دیا۔ اور ایک نیا شہر سانگانیر بسا کر وہاں رہنے لگا۔ بیکانیر کی فوج رخصت کر دی گئی۔ اور صرف اپنے ماموں رتن سی کو اپنے پاس رکھ لیا؛

کرمچند کے پاس جو راجپوت رہتے تھے۔ اُنکو وہ بہت خوش رکھتا تھا۔ اِس طرح کانا چارن اس کی عنایتوں سے اِس کا دلی خیر خواہ تھا۔ مگر جب کرمچند مارا گیا۔ تو وہ اِسکے پاس موجود نہ تھا۔ یہ خبر سنتے ہی آیا۔ اور کرمچند کے قدیمی نمک خواروں سے کہنے لگا "جائے افسوس ہے کہ کرمچند کی موت کے بعد تم میں سے ایک نے بھی وفاداری نہ کی۔ حالانکہ وہ تم پر خاص مہربانی کیا کرتا تھا" انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ درست ہے۔ مگر یہ مہربانی تم پر بھی تو تھی۔ یہ سُنکر کانا نے عہد کیا۔ کہ جب تک سانگا کو مار کر کرم چند کا بدلہ نہ لوں۔ روٹی نہیں کھاؤنگا۔ اور اس دن سے صرف دُودھ پر گذارہ کرنے لگا؛

اب کانا سانگانیر میں پہنچا اور رتن سی کی معرفت سانگا کی حضوری میں آنے جانے لگا۔ دو دن تک کانا کو موقعہ نہ ملا۔ تیسرے دن وہ کٹاری کمر میں باندھ کر گیا۔ اس وقت ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ اور سانگا پلنگ پر بیٹھا تھا۔ صرف دو آدمی اِسکے پاس تھے کانا نے کٹاری لگالکر فوراً وار کیا۔ جو سانگا کی چھاتی توڑ کر پُشت کے پار نکل گئی۔ اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا؛

سانگا کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اِس کا بھائی بہارمل اِس کے پاس رہتا تھا۔ وہ بڑا زمانہ ساز شخص تھا۔ اِس نے دیکھا۔ کہ ایک دعویدار سلطنت تو مارا گیا۔ دوسرا رتن سنگھ کا بھائی آسکرن ہے۔ رتن سنگھ ابھی گدی پر موجود ہے۔ جب تک وہ دونوں موجود ہیں میری دال نہیں گلیگی رتن سنگھ سے تمام لوگ ناراض ہیں۔ مگر آسکرن سے راضی ہیں۔ رتن سنگھ کے بعد گدی ضرور اُس کے ہاتھ لگے گی۔ اور میں یونہی رہجاؤنگا۔ بہتر ہے کہ رتن سنگھ کو آسکرن کے ہاتھ سے ہی مروا ڈالوں۔ تاکہ اِس سے بھی لوگوں کو نفرت ہو جائے۔ پھر اِس کے دفعیہ کی بھی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئیگی۔ یہ سوچ کر اُس نے آسکرن کو بلایا۔ اور کہا کہ اب گدی کا حق تیرا ہے رتن سنگھ دن رات شراب میں غرق رہتا ہے۔ اور محلوں سے بھی باہر نہیں نکلتا۔ اگر تم کسی طرح رتن سنگھ کو مار ڈالو۔ تو ہم سب ملکر تم کو گدی پر بٹھادینگے۔ سلطنت کا لالچ بُرا آخر کار آسکرن نے زہر کے ذریعہ رتن سنگھ کا کام تمام کیا؛

رتن سنگھ کو مار کر آسکرن گدی پر بیٹھا۔ مگر سردار اس کی حرکت سے بہت ناراض ہوئے اور زیادہ تر بہارمل نے اُن کو بھڑکا دیا۔ ایک دن آسکرن نے اپنے سالے کو گدی پر اپنے برابر

بٹھا لیا۔ سرداروں کو یہ ایک بہانہ مل گیا۔ اور ایک زبان ہو کر کہا۔ کہ تم نے گدی کو ناپاک کر دیا ہے اس کا پراسچت یہی ہے۔ کہ گنگا اشنان کر آؤ۔ آسکرن مجبور ہو گیا اور اپنے بیٹے راج سنگھ کو مسند نشین کر کے گنگا کے اشنان کو چلا گیا۔ مگر وہ دو ہفتہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا اور سرداروں نے بہارمل کو گدی پر بٹھا دیا۔ یہ خبر آسکرن کو رستہ ہی میں ملی۔ اور افسوس کرنے لگا کہ بھائی کا قاتل بنکر بھی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اور اسی شرم کے مارے واپس تیرتھوں کو چلا گیا۔

راجہ بہارمل

یہ راجہ اساڑہ سمت ۱۶۰۴ میں آمیر کی گدی پر بیٹھا۔ اِس وقت شیر شاہ سوری کا بیٹا سلیم شاہ دہلی کا بادشاہ تھا۔ راجہ آسکرن پھرتا پھراتا اس کے پاس پُہنچا۔ اور موقعہ پاکر اپنا حال عرض کیا بادشاہ نے حاجی خاں پٹھان کو مدد کا حکم دیا۔ اِس نے آمیر پر چڑھائی کی۔ مگر بہارمل نے حاجی خاں سے موافقت کر لی۔ اور اپنے بھائی روپ سی کو بادشاہ کے پاس بھیجا۔ ادہر آسکرن بھی آپہنچا۔ اور بادشاہ کو یاد دلائی کہ یہ فوج تو میری حق رسی کے لئے بھیجی گئی ہے روپ سی نے بیان کیا۔ کہ آگرہ ایسا ہی ہے۔ تو نرور ہمارا قدیمی ملک ہے۔ اور عرصہ سے چھوٹا ہوا ہے۔ وہ آسکرن کو دلوا دیا جاوے۔ اب ہمایوں نے کابل کی طرف سے واپس آکر سلیم شاہ کے بیٹوں سے دلی فتح کر لی۔ مگر ۶ مہینے کے بعد خود بھی فوت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا اکبر تخت نشین ہُوا۔ اِس موقعہ پر پٹھانوں نے پھر مغلوں کے نکالنے کی کوشش کی۔ اور حاجی خاں نے نارنول کا قلعہ گھیر لیا۔ راجہ بہارمل بھی اِس کے ساتھ تھے۔ مبارز خاں جو ہمایوں کی طرف سے قلعہ دار تھا۔ پٹھانوں کا زور دیکھ کر بہُت گھبرایا۔ مگر راجہ بہارمل نے بیچ میں آکر قلعہ حاجی خان کے سپرد کر دیا۔ اور مبارز خاں کو معہ مال واسباب کے صحیح وسالم نکال دیا۔ چند روز کے بعد جب اکبر پنجاب سے دہلی میں داخل ہُوا تو مبارز خاں نے بہارمل کی خیر خواہی کا سارا حال عرض کیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور مبارز خاں کی معرفت بہارمل کو دہلی میں بلا کر اس کی بڑی عزت کی اور کمال مہربانی سے پیش آیا۔ جب بہارمل رخصت ہونے کو تھا۔ اُس وقت بادشاہ ایک مست ہاتھی پر سوار تھے۔

شبیہ راجہ بہارمل والئے جے پور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوئم صفحہ ۸

ہاتھی عالم بدمستی میں حاضرین پر حملہ آور ہوا۔ لوگ ڈر ڈر کر دور بھاگ گئے۔ مگر جب وہ راجپوتوں کی طرف جھپٹا۔ تو یہ کمال استقلال سے پہاڑ کی طرح جہاں کھڑے تھے کھڑے رہے بادشاہ اُن کی یہ ہمت اور استقلال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور اس دن سے اس نے راجپوتوں کے ساتھ خاص مہربانی کرنی شروع کردی۔ کیونکہ اس کے دل میں یہ بات بخوبی گھر کر چکی تھی۔ کہ راجپوت واقعی بڑے بہادر اور جری ہوتے ہیں۔ اور وقت پر کام آتے ہیں ؛

اِس معاملہ کے بعد امیر کے اوپر مغلوں کا ایک دھاوا ہوا۔ مگر راجہ بہار مل کی خوش قسمتی سے اس سے بھی اِس کے لئے ایک عمدہ نتیجہ برآمد ہوا۔ اور یہ چند روزہ مُصیبت اِس کی آیندہ بلند اقبالی کی تمہید تھی۔ جس نے پھر بادشاہ کو یاد دلائی۔ اکبر نے حاجی خاں کو نارنول سے نکال کر اس کی جگہ مرزا اشرف الدین حسین کو میوات کا حاکم مقرر کیا تھا۔ راجہ پورن مل کا بیٹا راجہ سورج مل جواب جوان ہو چکا تھا۔ اپنے باپ کی گدی بہار مل سے واپس لینے کے لئے مرزا سے ملا۔ اور اُسکو امیر کے اوپر چڑھا لے گیا۔ مگر مقابلہ میں مرزا نے کامیابی نہ دیکھ کر صُلح کا پیغام بھیجا۔ جو چند معمولی شرائط پر قرار پا گئی ؛

مرزا اور راجہ بہار مل کے اس طرح پر صلح ہو جانے سے سُورج مل اپنی مراد کو نہ پُہنچا۔ اور جودھپور میں راؤ مالدیو کے پاس جاکر مدد کا خواستگار ہوا جس نے پانچ ہزار سوار اس کے ساتھ کئے۔ جب یہ فوج امیر سے ۲۵ میل کے قریب پُہنچی۔ تو اس کے مقابلہ کے لئے راجہ بہار مل نے نرو کا بھیجا۔ جس نے اپنی چالاکی سے سورج مل کو اُس کے ساتھیوں کے ہاتھ سے قتل کروا دیا۔ مرزا شرف الدین کا ارادہ آیندہ سال میں کثیر التعداد جمیعت سے امیر پر چڑھائی کرنے کا تھا۔ مگر اتفاق سے جب اکبر بادشاہ آگرہ سے اجمیر کو جا رہا تھا۔ رستہ میں چغتہ خاں نامی ایک امیر نے عرض کی۔ کہ اس قرب وجوار میں مہاراجہ بہار مل رہتا ہے۔ جو بڑا عقلمند اور شجاع ہے قطع نظر اِسکے وُہ دہلی میں شرف نیاز بھی حاصل کر چکا ہے۔ مگر آج کل شرف الدین نے اِس کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اکبر نے کہا کہ مرزا نے بہت بُرا کیا۔ اور فوراً بہار مل کو اپنے پاس بُلایا۔ اور کمال عزت سے پیش آیا۔ رخصت کرتے وقت اِس کے پوتے مان سنگھ کو ہونہار دیکھ کر معہ اِسکے باپ بھگوان داس کے اپنے پاس رکھ لیا ؛

ادھر بہار مل نے حوصلہ پاکر ناہن پر چڑھائی کی۔ اور وہاں کے مینوں کو شکست دیکر یہ علاقہ اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ ناہن مینوں کا ایک مشہور شہر کوہستان ٹوڈہ بھیم میں آباد تھا۔ اِسکے

۵۲ بُرج اور ۶۵ دروازے تھے۔ وہاں کا حاکم بڑا بہادر تھا۔ مگر جب اُس نے رعایا سے بھوم کا بھی حصّہ لینا شروع کر دیا۔ تو لوگ اس سے ناراض ہو گئے۔ اور راجہ بہار مل جو ایک مدت سے اس موقعہ کا منتظر تھا۔ وقت کو غنیمت سمجھ کر ان پر حملہ آور ہُوا۔ اور ان فتح نے ڈھونڈھاریں مینوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ راجہ بہار مل بڑا دُور اندیش اور تجربہ کار رئیس تھا۔ اور اگرچہ اس پر یہ الزام عاید کیا جاتا ہے۔ کہ سب سے پہلے اسی راجہ نے حکومت اسلام کا اثر قبول کیا تھا۔ مگر وہ بڑا مدبر اور دانا شخص تھا۔ جب وہ تخت پر بیٹھا [illegible] کی حالت بڑی خراب تھی۔ خانگی فسادوں سے امیر اور رئیس سخت بے چین تھے۔ اور حالت ایسی مذبذب تھی کہ اس وقت کسی کو یقین نہ تھا۔ کہ یہ راج اب نسلاً بعد نسلاً اسی خاندان میں رہے گا۔ کیونکہ اس کے کئی دعویدار موجود تھے۔ اور پٹھان اور مغل ان کے سخت مخالف تھے۔ لیکن بہار مل اپنی مستقل مزاجی سے تمام مشکلات پر غالب آیا۔ اور اکبر کی مدد سے کل دعویداروں کو نیچا دکھا کر اپنی اولاد کے لئے ایک مستقل ریاست قایم کر گیا۔

راجہ بھگوان داس

بہار مل کے بعد اس کے بیٹے بھگوانداس نے سلطنت دہلی میں باپ سے بھی زیادہ رسوخ حاصل کیا۔ اکبر اس سے دوستانہ برتاؤ کرتا تھا۔ گو بھگوانداس نے شہزادہ سلیم کے ساتھ اپنی بیٹی منسوب کر کے قومی عزت پر بٹہ لگایا۔ بدنصیب خسرو اسی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ دربار اکبری میں بھگوانداس کا طوطی خوب بولتا رہا۔ اور دن بدن اس کی عزت بادشاہ کے دل میں بڑھتی چلی گئی۔ حتّٰی کہ وہ سلطنت کا ایک اعلٰے رکن سمجھا جانے لگا۔ اور دربار میں وہ عروج پایا۔ جو کسی راجہ کو نصیب نہ تھا۔ اس وقت اکبر عین عالم شباب میں تھا اور وہ جوش جوانی سے ذرا ذرا سی مہم پر بذاتِ خود تیار ہو پڑتا تھا۔ چنانچہ پرگنہ اٹھگنیہ کے سرکش زمینداروں پر چڑھائی کی گئی۔ گرمی سخت شدت پر تھی۔ دھوپ کی تیزی سے لوگ گھبرا کر بادشاہ سے کنارہ کر گئے۔ یہاں تک کہ اکبر کے ساتھ صرف خاص آدمی رہ گئے۔ اس وقت راجہ بھگوانداس اور

راجہ بھگونداس والئے جے پور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوئم صفحہ ۱۰

کنور مان سنگھ نے کمال بہادری دکھائی۔ پیاس کے مارے بادشاہ بیتاب ہو گیا۔ اور اگر جلدی خبر نہ لی جاتی۔ تو جان کا بھی اندیشہ تھا۔ راجہ بھگوان داس نے خود پانی لاکر پلایا۔ اور ایسا جان توڑ مقابلہ کیا کہ غنیم کے چھکے چھوڑا دیئے۔ اور اکبر کو فتح نصیب ہوئی ؂

۹۷۵ھ میں جب اکبر نے چتوڑ پر چڑھائی کی تو راجہ بھگوانداس بھی ساتھ تھا۔ مصنفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فتح چتوڑ محض اسی کی شجاعت اور عقلمندی کا نتیجہ تھی۔ اگر راجہ بھگوانداس ہمراہ نہ ہوتا تو اکبر کبھی بھی کامیاب نہ ہوتا ؂

۹۸۰ھ میں جب اکبر نے گجرات پر فوج کشی کی۔ تو بھی راجہ بھگوانداس ہمراہ تھا۔ کھنبات کے قریب مرزا مظفر حسین سے مقابلہ ہوا۔ اس کے پاس ایک ہزار سوار تھے۔ بادشاہ نے تھوڑی سی سپاہ کے ساتھ اس پر حملہ کیا۔ کنور مان سنگھ دریائے مہندری کو عبور کر کے مرزا کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ اور اکبر ایک ایسی تنگ جگہ میں جا پڑا جس کے دونوں طرف کانٹوں کی باڑ تھی۔ تین سواروں نے اس پر حملہ کیا۔ اگر راجہ بھگوانداس مدد کو نہ پہنچ جاتا۔ تو آج اکبر کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ راجہ نے برچھی لے کر ان سواروں پر حملہ کیا۔ دو کو وہیں کھیت رکھا۔ اور تیسرا زخمی ہو کر بھاگ گیا۔ اس موقعہ پر راجہ کے بھائی بھوپت رائے سے جس قدر بہادری ظاہر ہوئی۔ فرشتہ نے اپنی تواریخ میں خاص طور پر اعتراف کیا ہے۔ اور وہ لکھتا ہے۔ کہ اس موقعہ پر اگر رستم اور اسفندیار بھی ہوتے۔ تو اُن کا زہرہ بھی پانی پانی ہو جاتا۔ ایک سخت لڑائی کے بعد مرزا محمد حسین نے شکست کھائی۔ اور گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اسکے بعد راجہ بھگوانداس کو قلعہ بدھ نگر پر حملہ کرنا پڑا۔ اور وہاں بھی پوری پوری کامیابی نصیب ہوئی ؂

۹۸۴ھ میں اور اس کے بعد جو خونریز لڑائیاں محب الوطن رانا پرتاب سنگھ والئے میواڑ اور اکبر کے درمیان ہوئیں۔ ان میں بھی سب سے بڑھکر حصہ راجہ بھگوانداس اور مان سنگھ نے لیا اور رانا کی ناکامیابی کی خاص وجہ بھی یہی تھی۔ کہ اس کے اپنے ہی ہمقوم راجے جنہیں ان کی مدد کرنی لازمی تھی۔ اس کے مقابلہ پر تھے ؂

اس کے بعد راجہ بھگوانداس راجہ ٹوڈرمل کے ساتھ پٹھانوں اور پہاڑی راجوں کے انتظام پر مقرر کئے گئے۔ اس موقعہ پر بھی ان کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اور بادشاہ نے خوش ہو کر کنور مان سنگھ کو سیالکوٹ کا حاکم مقرر کیا۔ اور راجہ بھگوانداس کو خاص خلعت دیکر جگناتھ و راجہ گوپال اور جگ لال پنوار کے ساتھ پنجاب کے صوبہ دار کی مدد کے لئے بھیجا ؂

سنہ ۹۸۸ء میں بادشاہ کے بھائی مرزا محمد حکیم نے جو کابل میں تھا بعض امیروں کے بہکانے سے ہندوستان پر لشکرکشی کی اور اس کا غلام شادمان نام قلعہ نیلاب کا محاصرہ کرکے راولپنڈی تک لُوٹ مار کرنے لگا اور مرزا یوسف خاں سے جو حاکم سندھ تھا۔ اس کا کچھ تدارک نہ ہوسکا۔ اس لئے بادشاہ نے کنور مان سنگھ کو نظامت سندھ کا خلعت بھیجا۔ اور اس نے سیالکوٹ سے نیلاب کے کنارہ پر پہنچکر شادمان کو لڑائی میں قتل کیا مرزا پیچ و تاب کھاتا ہُوا پنجاب پر چڑھ آیا۔ بادشاہ کا حکم اس سے مقابلہ کرنے کا نہ تھا۔ لہٰذا تمام کچھواہہ سردار قلعہ لاہور میں محصور ہوکر بیٹھ گئے۔ راجہ بھگوانداس نے شہر کا ایسا انتظام کیا کہ غنیم کی کچھ پیش نہ جاتی تھی ؂

اب بادشاہ نے پنجاب کی سپہ سالاری اور صوبہ داری بالاستقلال راجہ بھگوانداس کے سپرد کی۔ جسکو انہوں نے کمال عقلمندی سے نبھایا۔ راجہ بھگوانداس نے سنہ ۹۹۱ میں لاہور میں وفات پائی۔ یہ راجہ جیسا بہادر تھا۔ ویسا ہی عقلمند اور مدبر بھی تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اکبر نے اس کو ملکی اور جنگی کاموں میں خاص خاص اختیارات دے رکھے تھے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ بادشاہ ان پر بڑا مہربان تھا۔ مگر اس میں بھی کلام نہیں۔ کہ انکی ذات اور قوم سے بادشاہ کو بھی بہت کچھ فائدہ پہنچا ؂

راجہ مان سنگھ

اکبر کے دربار اور ہندوستان کی جنگی تاریخ میں مان سنگھ بڑا نامور راجہ گذرا ہے۔ جب وہ پیدا ہُوا۔ تو نجومیوں نے عرض کیا۔ کہ یہ لڑکا بڑا نامور اور بہادر ہوگا۔ مگر بارہ برس تک اس کو علیحدہ رکھیں۔ ان دنوں علم نجوم پر لوگوں کا بہت کچھ اعتقاد تھا۔ لہٰذا مان سنگھ کو دیگر یک صد ہمقوم بچوں کے معظم آباد علاقہ سانبھر میں بھیجا گیا۔ اور وہاں پر ہی ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا حسب ضرورت انتظام کردیا۔ مان سنگھ نے اسی جگہ پرورش پائی۔ اور جوان ہونے پر فیاضی سپہ گری اور بہادری میں وہ نام پیدا کیا۔ کہ اکبر کو بھی اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہُوا۔ مان سنگھ کا رنگ سانولا تھا۔ اور سمت ۱۶۱۷ میں جب اس کا دادا بہارل سانبھر میں اکبر سے ملاقات کرنے گیا تو یہ بھی ساتھ تھا۔ اکبر اسکی شہرت اور صورت کا مقابلہ کرکے مسکرایا اور کہا

راجہ مان سنگھ والئے جے پور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوم صفحہ ۱۲

مان سنگھ جب خدا کے یہاں نور تقسیم ہوتا تھا۔ تم کہاں تھے۔ بیخوف اور بہادر مان سنگھ نے جواب دیا
میں اس وقت وہاں پہنچا ہوا تھا۔ جہاں سخاوت اور بہادری بٹ رہی تھی۔ پس میں مانگنے والے
کو جواب کبھی نہیں دیتا نہ کبھی دشمن کو پیٹھ دکھاتا ہوں۔ یہ بے باکانہ جواب سنکر اکبر حیران ہو گیا
اور فوراً کہہ اٹھا۔ کہ مان سنگھ تم کو خدا نے میرے دشمنوں کے مارنے کے واسطے پیدا کیا ہے۔ تم
میرے ساتھ چلو ٭

اس کے بعد اکبر نے دس بارہ سال تک مان سنگھ کو اپنے پاس رکھکر خوب تعلیم و تربیت
دی اور ۹۷۹ھ میں جب گجرات پر فوج کشی ہوئی۔ تو مان سنگھ بھی ہمرکاب تھا ٭

اس کے بعد مان سنگھ میواڑ کی طرف بھیجا گیا۔ اس نے اول ڈونگرپور پر ایک نمایاں
فتح حاصل کی۔ پھر بادشاہ نے اسے کھیچی واڑہ علاقہ مالوہ کی حکومت سپرد کی۔ اور وہ وہاں
چار برس تک رہا ٭

۹۸۴ھ میں اکبر نے راناپرتاب کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس مشہور و معروف لڑائی میں بھی
مان سنگھ کو فتح نصیب ہوئی۔ واپسی پر بادشاہ نے خوش ہوکر سیالکوٹ علاقہ پنجاب کی نظامت
سپرد کی۔ اس وقت اکثر امیر بادشاہ سے ناراض ہو رہے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کے بھائی مرزا
محمد حکیم کو کابل سے بلاکر سندھ اور پنجاب میں فساد برپا کر دیا۔ بادشاہ نے صوبیدار سندھ کو معزول
کرکے مان سنگھ کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ اور اس نے سیالکوٹ سے سندھ میں جاکر مرزا کو سندھ
اور پنجاب سے بھگا دیا۔ اور کابل تک اس کا پیچھا کیا۔ افغانستان میں پٹھانوں اور راجپوتوں
کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ جن میں راجپوت غالب رہے۔ آخرکار بادشاہ نے
اپنے بھائی کا قصور معاف کر دیا۔ اور مان سنگھ واپس چلا آیا ٭

۹۹۲ھ میں مرزا محمد حکیم فوت ہو گیا۔ مگر اس کی بہت سی فوج توران کے بادشاہ عبداللہ خاں
ازبک سے جو کابل پر حملہ کرنے کی فکر میں رہا کرتا تھا جا ملی۔ بادشاہ نے فوراً مان سنگھ کو کابل
کی صوبیداری پر تعینات کر کے روانہ کیا۔ اقوام یوسف زئی مہمند اور زکاخیل وغیرہ سے بہت
سی لڑائیاں پیش آئیں۔ مگر کامیابی ہمیشہ مان سنگھ کے قدم چومتی رہی ٭

جب صوبہ کابل کا بخوبی انتظام ہو گیا۔ تو بادشاہ نے مان سنگھ کو ملک بہار کی صوبے
داری پر اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ بنگال اور اوڑیسہ کو پٹھانوں سے صاف کر کے بادشاہی
عملداری میں شامل کرے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کے والد راجہ بھگوانداس کا انتقال

لاہور میں ہوگیا۔ اور اُنہوں نے بڑی دُہوم دھام سے پٹنہ میں امیر کی گدی نشینی کی رسم ادا کی بادشاہ
نے منصب پنجہزاری اور راجہ کا خطاب اِن کے لئے بھیجا ؛

مان سنگھ نے پانچ برس تک بڑی بڑی لڑائیاں پٹھانوں سے لڑکر دونوں صوبے
اُن سے چھین لئے۔ اور ان کا تعاقب کرکے ان کی جمعیت کو بالکل منتشر کردیا ؛

اِس کے بعد مان سنگھ کو شاہ برہما سے جو پٹھانوں کی سازش سے بنگالے پر لشکر کشی
کرنی چاہتا تھا۔ مقابلہ کرنا پڑا۔ اور ایک خونریز لڑائی کے بعد اُس کو سرحد بنگالہ سے بھگادیا
اِن فتوحات سے مان سنگھ کی دھاک تمام ملک میں بندھ گئی۔ پٹھانوں کی کمرہمت بالکل ٹوٹ
گئی۔ اور فتنہ وفساد کا نام تک بھی باقی نہ رہا ؛

جب بادشاہ کو ہندوستان کے انتظام سے اطمینان ہوگیا۔ تو توران پر لشکر کشی کا ارادہ
کرکے مان سنگھ کو اپنے پاس بلایا۔ اور سات ہزاری منصب عطا کرکے اپنے پوتے سلطان خسرو
کا اتالیق بھی اُنہیں کو مقرر کیا۔ اِس وقت مان سنگھ کو سلطنت میں بڑا دخل ہوگیا تھا اور
تمام کاموں میں ان کی رائے لیجاتی تھی ؛

۱۸۱۵ء میں اکبر نے وفات پائی۔ اور شہزادہ سلیم نے تخت نشین ہوتے ہی مان سنگھ کو
بنگالہ کی صوبیداری پر واپس بھیجدیا۔ مگر دوسرے برس ہی انکو وہاں سے طلب کرلیا اور
مان سنگھ اپنا چارج نئے صوبے دار کے حوالہ کرکے کچھ عرصہ تک تو قلعہ رہتاس میں رہا پھر
اپنے وطن کو چلا گیا۔ مگر ڈیڑھ برس کے اندر ہی بادشاہ نے انکو خان خاناں کی مدد پر دکھن کو
بھیجدیا۔ اُس وقت بادشاہ کی عملداری دکھن میں برار سے آگے نہیں تھی۔ اگر جہانگیر ان دو
سرداروں یعنی راجہ مان سنگھ اور خان خاناں کو جن سے بڑھ کر ہندو مسلمانوں میں تدبیر
نہ تھا راضی رکھتا۔ تو بہت جلد اس کی عملداری سمندر کے کنارہ تک پہنچ جاتی۔ لیکن طرفین
کی بےاعتباری سے دکن کی مہم طول پکڑتی گئی۔ اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ؛

مان سنگھ اکثر افسوس کرتا اور کہا کرتا تھا کہ میں گیارہ برس کی عمر سے ہر ایک مہم میں
ہراول ہوکر لڑتا رہا ہوں۔ اور جو ملک سُنے بھی نہ تھے۔ میں نے جاکر فتح کئے۔ اور جا بجا
عمل جمایا۔ مگر بادشاہ ایسا ناقدردان ہے کہ اس پر بھی اس کو بھروسہ نہیں ہے۔ اور آج
کے توکل دوسرے کے ماتحت ہوکر کام کرنے کو کہتا ہے پس ہم کسی کے ماتحت کام نہیں کر
مان سنگھ نے ۷ برس کے قریب عمر پائی۔ اور ۴۴ برس تک قریب سلطنت کی

اس دنیا سے کوچ کیا۔

لکھا ہے کہ اکبر کے عہد میں ہی مان سنگھ کو سلطنت کے کاروبار میں ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ وہ بادشاہ کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور اس کو ایسی طاقت حاصل تھی کہ عین عروج سلطنت کے زمانہ میں اکبر کو اس کے مغلوب کرنے کے واسطے بجز ناشائستہ تدبیر یعنی زہر خورانی کے اور کچھ نہ سوجھا۔ اس نے زہر آلود معجون تیار کرائی۔ اور تقسیم کی گئی لیکن چاہ کن را چاہ در پیش مان سنگھ کو غلطی سے خالص حصہ دیدیا گیا۔ اور زہر آلود حصہ نے خود اکبر کا خاتمہ کر دیا۔

مان سنگھ کے بعد اس کا بیٹا جگت سنگھ اور جگت سنگھ کے بعد مہا سنگھ مسند نشین ہوئے ان کے بعد ایک مشہور جنگ آور اور نامور شخص یعنی مرزا راجہ جے سنگھ امیر کا حکمران ہوا اور کہتے ہیں کہ اس کی مسند نشینی جہانگیر نے اپنی بیگم جودہ بائی کی سفارش سے منظور کی تھی مگر جب جہانگیر نے اس کے شکرانہ میں جودھا بائی کو سلام کرنے کے لئے کہا۔ تو اس نے بطور ایک آزاد طبیعت راجپوت کے نہایت دلیرانہ لہجہ میں جواب دیا۔ کہ میں جودھا بائی کو ہرگز سلام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مسلمان بادشاہ کے ازدواج میں چلے جانے سے اپنے دھرم سے پتت ہو چکی ہے جودھا بائی ہرگز اس بات پر رنجیدہ نہ ہوئی۔ اور مسکرا کر کہنے لگی "کچھ مضائقہ نہیں میں پھر بھی تم کو امیر کا راج دیتی ہوں"۔

جے سنگھ نے سلطنت مغلیہ کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔ اور مرزا راجہ اور شہزادی کا منصب حاصل کیا۔ اس نے سیواجی کو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے مجبور کیا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا۔ اور اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ تو اسی کی مدد سے سیواجی کو صحیح و سالم نکل جانے کا بھی موقعہ ملا۔

چونکہ بائیس ہزار راجپوت سوار اور بائیس زبردست سردار جے سنگھ کے ماتحت و محکوم تھے۔ اس لئے وہ بکمال مغرور تھا۔ وہ اپنے سرداروں کو جمع کر کے اور دونوں ہاتھوں میں دو پیالے لے کر کہتا کہ ایک دہلی یعنی عالمگیر ہے اور دوسرا ستارہ یعنی سیواجی۔ پھر ایک پیالہ کو ہاتھ سے پھینک کر کہتا کہ ستارہ تو یہ ہے اور دہلی میرے ہاتھ میں ہے اس کو بھی جب چاہونگا اس طرح توڑ دونگا۔ یہ خبریں اورنگ زیب کو بھی پہنچتی تھیں۔ مگر وہ کھلم کھلا اس کو سرزنش کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ آخر کار اس نے وہ کام کیا جو بزدل اور کم حوصلہ کیا کرتے ہیں۔ یعنی ظاہرا تو وہ خاموش رہا۔ گویا اسے کچھ معلوم ہی نہیں۔ مگر در پردہ زہر دلا کر اس بہادر راجپوت کی

طرف سے اپنا اطمینان حاصل کیا ؛

یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب جے سنگھ کے غرور سے خایف ہوکر اورنگ زیب نے اسکے مارنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو مدت تک اس کام کے انجام دینے والا کوئی آدمی نہ ملا۔ آخرکار اس کے پسر خورد کیرت سنگھ سے یہ اقرار کرکے کہ بجائے رام سنگھ پسر کلاں کے تجھ کو مسند نشین کیا جائیگا۔ افیون میں زہر دیکر مروا ڈالا۔ مگر ایسے نامعقول پدرکُش سے رعایا کا رضامند ہونا محال تھا۔ رعیت نے سرکشی کی۔ اور کیرت سنگھ کو فرار ہوکر قصبہ کامہ میں جو آج کل ریاست بھرتپور میں شامل ہے بود و باش کرنی پڑی۔ اس گناہ کی پاداش میں اس کی اولاد ہمیشہ کے لئے تخت نشینی سے محروم ہوگئی۔ رام سنگھ مسند نشین ہُوا۔ مگر وہ منصب چار ہزاری پر مقرر ہوکر ملک آسام کی فتح کے لئے بھیجا گیا۔ اس کے مرنے پر بشن سنگھ کا منصب سہ ہزاری رہگیا اور اُس نے بہت تھوڑے دنوں تک حکومت کی ؛

بشن سنگھ کے بعد ۱۶۹۹ء میں جے سنگھ دویم اورنگ زیب کے عہد کے چوالیسویں سال میں اور اس کے انتقال سے چھ برس پیشتر مسند نشین ہُوا ؛

سوائی جے سنگھ

یہ مشہور و معروف و علم دوست راجہ سمت ۱۷۵۵ مطابق ۱۶۹۹ء میں امیر کی گدی پر بیٹھا۔ اس نے بادشاہ کی طرف سے دکن میں بڑے بڑے معرکے مارے تھے۔ اور ایک دل چلا اور جوانمرد سپاہی تھا۔ مگر اس کے نام کو شہرت حاصل ہوئی۔ وہ زیادہ تر اسکے حُسن انتظام اور سیاحتِ مدنی کا باعث تھی۔ کتاب کلپدرم اور جے سنگھ نرگن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت مدبر منتظم اور صاحب علم فرمانروا تھا۔ یہانتک کہ راجپوتانہ بھر میں کوئی شخص اسکا ہمعصر نہیں گذرا۔ شہر جے پور[۵۱]

۵۱ ہنود کے آباد کئے ہُوئے جتنے شہر ہیں ان کے مقابلہ میں جے پور کی قطع نہایت باقاعدہ اور خوبصورت ہے۔ یہ وہی شہر ہے جس کو مہاراجہ سوائی جے سنگھ نے ۱۷۲۸ء میں آباد کرکے اپنے نام سے نامزد کیا تھا۔ یہ شہر بجز جنوب کے ہر طرف پہاڑوں سے محدود ایک مختصر میدان پر واقع ہے۔ شمال میں شہر سے ملحق کئی سو فٹ کی بلندی کا پہاڑ اور اس پر عالیشان محل ہیں۔ جنوب کی طرف پہاڑ کی چڑھائی بہت گہری اور ناقابل گذر ہے۔ البتہ شمال کی طرف پہاڑ بتدریج آمیز یعنی قدیم دارالسلطنت تک پست ہوتا چلا گیا

شبیہ مہاراجہ سوائی جے سنگھ والئے جے پور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوم صفحہ ۱۶

اِسی راجہ کا آباد کیا ہُوا ہے اور صرف یہی ایک شہر ہے جو ہندوستان بھر میں باقاعدہ طور پر آباد کیا ہُوا ہے۔ جے سنگھ نے اسکو اٹھارہویں صدی میں آباد کر کے اپنے نام سے نامزد کیا تھا۔ اور شہر آمیر یعنی دارالریاست قدیم کو ترک کر کے اس میں بُود و باش اختیار کی تھی۔ جس کے بعد آج تک یہی شہر اس خاندان کا شاہی قیام گاہ چلا آتا ہے۔ اگرچہ راجپوتانہ کے تمام رئیس علم نجوم سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے تھے۔ مگر جے سنگھ نے اس میں وہ کمال حاصل کیا تھا کہ محمد شاہ نے بترہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) ۲۴ شہر کا طول شرقاً و غرباً تقریباً دو میل اور عرض شمالاً و جنوباً تخمیناً ایک میل ہے ارد گرد پختہ شہر پناہ ہے جس پر موقعہ موقعہ پر بُرج اور دروازے ہیں لیکن اسکا عرض اتنا کم ہے کہ میدانی توپخانے کے لئے کافی نہیں بلندی بھی کم ہے اور ریت جو ہمیشہ اُڑتی رہتی ہے اکثر مقاموں پر فصیل کے کنگوروں تک جمع ہوتی چلی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ اس فصیل کے گرد کبھی خندق بھی ہو لیکن اب اس کا نشان بالکل معدوم ہے فصیل سے باہر دروازوں کے مقابل دیواریں ہیں انکو گھوس کہتے ہیں اور ان میں توپوں کیواسطے اور بندوقوں کے لئے مورچے بنے ہُوئے ہیں۔ شہر کے سات دروازے ہیں جو یکساں ساخت کے ہیں۔ صدر بازار جو مشرق سے مغرب کی طرف دو میل کے طول میں واقعہ ہے چالیس گز عریض ہے اور اُسی قدر عرض کے چند بازار شمال و جنوب میں اس سے عموداً واقع ہیں اور ہر تقاطع کے چوک پر گذری جمع ہوتی ہے۔ ان متقاطع بازاروں میں دوم درجہ کے بازار دو چوبیس بیس گز کے عریض باہم اسیطرح عموداً وار تقاطع کرتے ہیں اور اسیطرح سیوم درجہ کے نو نو گز عریض مگر بالکل درست اور قایم زاویہ پر ملتے ہُوئے بازار ہیں۔ ہر ایک مقام تقاطع چوپڑ کے نام سے مشہور ہے۔ اور کل شہر صحیح مربع قطعوں میں منقسم ہو رہا ہے۔ بڑے بازاروں میں سب دکانیں ایک ہی نقشہ پر تعمیر ہُوئی ہیں سب کے آگے سائبان ہیں۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے مختلف بازاروں کو مختلف رنگوں سے رنگا گیا ہے بڑے بازاروں اور کوچوں میں اکثر مکانات سنگ مرمر یا دیگر قیمتی پتھروں سے بنے ہُوئے ہیں اور ایسی ہی عمدہ تعمیر اور عظمت کے کثیر التعداد مندروں اور چند مسجدوں نے شہر کی رونق اور خوبصورتی میں پورا پورا حصّہ لیا ہے ۰

مہاراجہ صاحب کا محل و باغ معہ مکانات متعلقہ وسط کے مربع میں جو طول میں نصف میل ہے واقع ہے۔ محل کا اول مکان جو ہوا محل کے نام سے مشہور ہے بازار کے کنارہ پر سات آٹھ منزل کی بلندی کا ہے اندر چند چھوٹے چھوٹے دیوانخانے دربار محل ہیں۔ مگر سب سے عمدہ مکان دیوان خاص ہے شکل مستطیل بالکل سنگ مرمر کا بنا ہُوا ہے اور یہی پتھر کل مکانات میں بکثرت خرچ ہُوا ہے باغ جس کے گرد بلند کنگورہ دار فصیل ہے نہایت خوبصورت اور رونق کا مقام ہے اسکی روشوں پر فوارے اور سرو و شمشاد کے درخت۔ پھلواڑیاں اور جابجا آراستہ چبوترے بکثرت ہیں اور اگرچہ فرداً فرداً ہر ایک تختہ چنداں خوبصورت و خوش وضع نہیں مگر من حیث الجملہ کل باغ از بس عمدہ و دلچسپ ہے ۰

مہاراجہ جے سنگھ کا عظیم الشان مناظر گاہ اب تک صحیح و سالم اور درست ہے مگر فی زمانہ یہاں کا کوئی پنڈت اس کا استعمال نہیں کر سکتا۔ علاوہ دو بڑے بڑے دوائر درجہ نما و ارتفاع معرفہ و سمت الراس دستوں وغیرہ کے بحز مصالح سے تعمیر ہوئے ہوئے ہیں

نجوم کی اصلاح کا کام اسی کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تجویز سے ہی دہلی۔ جے پور۔ اجین بنارس۔ اور متھرا میں مناظر گاہ بنائیں۔ اور ان سے ایسے ایسے نتائج حاصل ہوئے کہ بڑے بڑے مشہور اور دقیقہ رس نجومی حیران رہ گئے۔ ابتدا میں اس نے الغ بیگ ثمرقندی کے آلات کا استعمال کیا۔ مگر ان سے کام نہ چل سکا۔ آخر کار مختلف مقامات کے مناظرہ سے سات برس کے تجربہ کے بعد اس نے نجوم کا ایک نقشہ تیار کیا۔ مگر اس کی تیاری سے پہلے ایک پادری کی زبانی اسکو معلوم ہوا۔ کہ پرتگال میں اس علم کی زیادہ چھان بین ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس نے چند لایق آدمی پادری صاحب کے ساتھ پرتگال کو روانہ کئے۔ شاہ پرتگال نے زیویر دی سلو نامی ایک ماہر علم نجوم کو اس کے پاس بھیجا۔ اور اس نے ڈی لا ہیر صاحب کا نقشہ راجہ جے سنگھ کو دکھلایا مگر اس نے اس نقشہ میں نصف درجہ کی غلطی چاند کی گردش میں ثابت کی اور اسی طرح دیگر سیاروں کی حرکت میں بھی نقص بتلایا۔ واقعی اس نقشہ کے حساب سے کسوف اور خسوف کے قایم کرنے میں پندرہ پل کا فرق پڑ جاتا تھا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس نے اسکو یہ بھی بتلایا کہ یہ غلطی بسبب نقص آلات اور کم قطر کے دایرہ کے واقع ہوتی ہے ؞

جے سنگھ نے جو نقشہ خود تیار کیا تھا۔ اس کو محمد شاہ کے نام سے موسوم کر کے اس کا نام زائچہ محمد شاہی قرار دیا تھا۔ یہ زائچہ ایسا صحیح اور درست تھا کہ آج تک بھی نجومی لوگ اس کا استعمال کرتے ہیں ؞

علاوہ ازیں جے سنگھ کو تعمیرات کا بھی بڑا شوق تھا۔ اس نے مکانات نجوم کے علاوہ بھی بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ اور زر کثیر خرچ کر کے مسافروں کے آرام و آسایش کے لئے بڑی بڑی کارواں سرائیں مختلف مقامات پر تیار کرائیں۔ اگرچہ اس کو متواتر جنگ و جدل میں مصروف رہنا پڑتا تھا تو بھی اس نے اپنے پسندیدہ شغل کو نہ چھوڑا۔ اس زمانہ میں مرہٹوں کا بڑا زور تھا۔ اور راجپوتانہ کی چھوٹی بڑی کوئی ریاست ایسی نہ تھی۔ جو ان کے اثر سے بچ سکی ہو۔ مگر جے سنگھ نے اپنی ریاست کو انکے پنجہ سے بالکل محفوظ رکھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ بڑا دانا اور بیدار مغز تھا باوجودیکہ اس کو سلطنت مغلیہ کے زوال کے آثار پیشتر سے ہی نظر آرہے تھے مگر اسنے اپنے سرپرست کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) طرح پیتل کے بڑے اور نہایت وزنی دائرے لئے ہوئے ہیں اگر کوئی سمجھنے والا ہو تو تحقیقات علم نجوم اور گردش اجرام فلکی کیواسطے نہایت کارآمد ہیں ؞ سنہ ۱۸۴۱ء میں جے پور میں پچاس ہزار گھر اور دو لاکھ آدمیوں کے قریب آبادی تھی مگر سنہ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں ۲۷۶۸۶ گھر ۱۳۷۸۸۷ آدمی درج ہوئے تھے۔ اس اختلاف کا باعث معلوم نہیں ہوا ؞

ساتھ بیوفائی نہیں کی جب فرخ سیر قتل ہُوا۔ تو یہ بھی منجملہ اِن چند رئیسوں کے تھا۔ جو کہ اس کے خیرخواہ رہے تھے۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ اگر فرخ سیر میں کچھ بھی ہمت اپنے بزرگوں کی ہوتی تو جے سنگھ بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑتا ✤

جب سیدوں نے اپنے آقا فرخ سیر کو قتل کر کے اقتدار حاصل کیا۔ تو اُن کو ہرگز منظور نہ تھا۔ کہ وہ اپنے دشمنوں کو بلا ضرورت ترقی دیتے۔ لہٰذا جے سنگھ بدنصیب بادشاہ کو اسکی قسمت پر چھوڑ کر اپنے موروثی ملک کو واپس آگیا۔ اور وہاں مطالع تواریخ اور نجوم کے پسندیدہ شغل میں مصروف رہا۔ تین برس تک وہ امن امان سے اپنے گھر پر رہا۔ لیکن جب محمد شاہ نے سیدوں کو شکست دیکر انہیں تباہ کر دیا۔ تو جے سنگھ پھر دربار میں طلب ہُوا۔ اور بادشاہ کی طرف سے آگرہ اور مالوہ کا نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ ایسے نازک۔ اور ذمہ وار عہدہ کے فرایض ادا کرتے ہُوئے بھی جو وقت اِس کو ملتا تھا۔ وہ رائگاں نہ جانے دیتا تھا۔ انہیں دنوں میں اُس نے وہ نقشہ جات تیار کئے تھے۔ جو ہندوستان کی تاریکی کے عالم میں روشنی کا ظہور کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے وہ اپنی قوم کے فوایداور ریاست کی ترقی کی طرف سے بھی غافل نہ تھا۔ اپنے عہدہ کے رسوخ اور قوت سے اس نے محصول جزیہ کو جو اورنگ زیب نے ہنود پر لگا رکھا تھا۔ موقوف کرایا۔ اور جاٹوں کی روزافزوں طاقت کو جو امیر کے حق میں مضر تھی پست کیا ✤

اِس اثنا میں مرہٹوں کا زور بڑھا۔ اور وہ بادشاہی علاقوں پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ جے سنگھ نے جب دیکھا۔ کہ بادشاہی سپاہ اب ان کا قرار واقعی انسداد نہیں کر سکتی۔ تو اس نے مالوہ کا علاقہ انہیں دیکر صلح کر لی۔ اگرچہ عام طور پر اس کی یہ تجویز پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھی گئی تھی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایک طرح پر جے سنگھ نے اس حیلہ سے مرہٹوں کی غارت گری کو روکدیا تھا ✤

۱۷۳۹ء میں نادرشاہ نے فوج کشی کی۔ راجپوت اگرچہ اس وقت بھی محمد شاہ کی عزت کرتے تھے۔ لیکن اس وقت کا طریق انتظام ہی کچھ ایسا تھا کہ تمام شجاع ارکین مدت سے تخت دہلی سے جدا ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ محمد شاہ کو شکست ہوئی۔ اور نادرشاہ بہت کچھ کُشت و خون کرنے کے بعد بیشمار زر و جواہرات لے کر واپس چلا گیا ✤

بشن سنگھ والی امیر کی دو رانیاں تھیں۔ ایک سے تو جے سنگھ تھا۔ اور دوسری سے بجے سنگھ۔ بجے سنگھ کی ماں کو اپنے بیٹے کی جان کا اندیشہ تھا۔ اس لئے اس نے اسکو اپنے باپ

کے گھر بھیجا یا اور اس نے اپنے ماموں کے ہاں پرورش پائی۔ جب جوان ہوا۔ تو اس نے جے سنگھ سے درخواست کی۔ کہ چونکہ وہ دونوں ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔ اس لئے اسے بسوا کا علاقہ ملنا چاہیئے۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز اور کل علاقہ سے افضل تھا۔ مگر جے سنگھ نے اس کا دینا منظور کر لیا۔ مگر افسوس کہ اس کی ماں نے اس کو گدی کا دعوٰے پیش کرنے کی ترغیب دی۔ بجے سنگھ دلی گیا۔ اور قمر الدین خاں وزیر کی معرفت بادشاہ سے درخواست کی۔ کہ اگر اُس کو امیر کی گدی پر بٹھایا جاوے۔ تو وہ پانچ کروڑ روپیہ نقد بطور نذرانہ پیش کریگا اور بوقت ضرورت پانچہزار سوار سے بادشاہ کی مدد کیا کریگا۔ بادشاہ نے ضمانت طلب کی تو قمر الدین خاں خود ضامن ہو گیا۔ اب گیا تھا۔ بجے سنگھ کو امیر کا قبضہ ملنا اور جے سنگھ کو بے دخل کرنا منظور ہو گیا۔ مگر ابھی سند تیار ہو رہی تھی۔ کہ خان دوران نے جو جے سنگھ کا پگڑی بدل بھائی تھا کر پارام وکیل جے پور کی معرفت فوراً جے سنگھ کو اس حال کی خبر کی۔ چونکہ ان دنوں قمر الدین خاں با اختیار مطلق تھا جے سنگھ کو سخت اندیشہ پیدا ہوا۔ وزیر سے مشورہ کیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ اب زور یا زر دونوں باتوں سے کام نکلنا محال ہے۔ مگر دغا کا علاج دغا سے کرنا چاہیئے۔

جے سنگھ نے تمام سرداروں کو طلب کیا اور کہا کہ تم نے ہی مجھے امیر کی گدی پر بٹھایا تھا اور اب اگر آپ کی مرضی ہو تو میں اس وقت کنارہ کش ہونے کو تیار ہوں۔ بجے سنگھ بسوا کا علاقہ لینے پر راضی تھا۔ لیکن قمر الدین خاں وزیر نے اس کو ورغلا کر گدی کا دعویدار بنا دیا ہے۔ بلکہ وہ بادشاہ سے اس کی سند بھی حاصل کر چکا ہے۔ سرداروں نے کہا آپ بیکار کہیں ہم خود سب فیصلہ کر لینگے۔ بشرطیکہ آپ بجے سنگھ کو بسوا کا علاقہ دیدیں۔ جے سنگھ نے اُسی وقت بسوا کا پٹہ لکھ کر سرداروں کے ہاتھ میں دیدیا۔ سرداروں نے بجے سنگھ کے پاس وکیل بھیجا اور لکھا کہ اگر تم کو جے سنگھ پر اعتبار نہیں ہے تو ہم پر بھروسہ کرو۔ اگر جے سنگھ اپنے قول سے پھر گیا۔ تو ہم تمہاری طرف ہوں گے۔ اور امیر کی گدی پر بٹھائیں گے۔

قمر الدین خاں نے خان دوران اور کر پارام کو بجے سنگھ کے ساتھ کیا۔ کہ وہ اُس کو بسوا پر قابض کرا دیں۔ سرداران جے پور نے بدیں خیال کہ دونوں بھائیوں میں سلوک ہو جائے بجے سنگھ کو ملاقات پر آمادہ کیا۔ مگر اُس نے امیر جانے سے انکار کیا۔ اور ملاقات کے لئے مقام سانگانیر جو کہ جے پور سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے مقرر ہوا۔ جب جے سنگھ بھائی کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے جانے کو تیار ہوا تو ناظر نے حاضر ہو کر اس کی ماں کی طرف سے بیان کیا

رانی کی عین خواہش ہے کہ جے سنگھ اور نبجے سنگھ کی ملاقات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔
انہوں نے سرداروں سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔
رانی کی پالکی بھی تیار ہوئی۔ اور تین سو رتھ سانگانیر کی طرف روانہ ہوئے ؛

مقام مقررہ پر دونوں بھائی بڑے تپاک سے گلے ملے۔ اور بھائیوں کی برادرانہ اُلفت دیکھ کر حاضرین مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔ جے سنگھ نے اپنے ہاتھ سے بسوا کا پٹہ نبجے سنگھ کے ہاتھوں میں دیا۔ اور کہا کہ اگر وہ امیر کی گدی پر بیٹھنا چاہے تو وہ اُس کو بھی خوشی سے چھوڑنے کو تیار رہے۔ نبجے سنگھ کا دل بھی بھائی کی اس قدر فیاضی کو دیکھ کر بھر آیا۔ اور اس نے سچے دل سے اس کا شکریہ ادا کر کے کہا کہ امیر کی گدی آپ کو مبارک رہے میرے لئے بسوا کا علاقہ ہی کافی ہے ؛

اس ملاقات کے بعد دونوں بھائی جدا ہونے کو تھے۔ کہ ناظر رانی کی طرف سے پیغام لایا۔ کہ اگر سردار علیحدہ ہو جاویں۔ تو وہ یہاں آکر اپنے بیٹوں کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ ورنہ وہ دونوں اس کے پاس آجائیں۔ جے سنگھ نے سرداروں سے پوچھا۔ کہ جیسا تم کہو ویسا کیا جاوے۔ مگر انہوں نے کہا کہ آپ دونوں رانی جی کے پاس جائیں۔ دونوں بھائی ہاتھ میں ہاتھ دیئے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ دروازہ پر پہنچکر جے سنگھ نے خنجر کمر سے نکال کر خواجہ سرا کو دیا کہ اس کی یہاں کیا ضرورت ہے۔ نبجے سنگھ نے بھی اس خیال سے کہ اس کی بے اعتباری نہ پائی جائے اپنے ہتھیار اُتار دیئے۔ جب یہ اندر گئے۔ اور ناظر نے دروازہ بند کر دیا۔ تو اسی وقت دو زبردست ہاتھوں نے نبجے سنگھ کو گرفتار کیا۔ اب اسکی تمام کوشش بیفائدہ تھی۔ کیونکہ یہ ہاتھ رانی کے ہاتھ نہ تھے۔ بلکہ مشہور بہادر اگر سین بھٹی کے ہاتھ تھے ؛

بھٹی مذکور نے فوراً نبجے سنگھ کے ہاتھ پاؤں باندھ اور مُنہ میں کپڑا ٹھونس پالکی میں ڈال دیا اور خود اس کے ساتھ ہو بیٹھا۔ اور فرضی زنانہ سواریاں امیر کو روانہ ہوئیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد جے سنگھ کو خبر پہنچی کہ قیدی بحفاظت قلعہ میں پہنچگیا ہے ؛

جے سنگھ محل سے نکلکر خیمہ میں آیا۔ تمام سردار جو انتظار میں بیٹھے تھے۔ اُسکو تنہا دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اور دریافت کیا کہ نبجے سنگھ کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ میرے پیٹ میں ہے ہم دونوں بشن سنگھ کے فرزند ہیں۔ اور میں بڑا ہوں اگر تمہاری خواہش اس کو گدی پہ بٹھانے کی ہے تو مجھے قتل کردو۔ اور اُسکو نکال لو ؛

یہ سُنکر سردار حیران رہ گئے۔ مگر اب کیا کرسکتے تھے۔ مجبوراً خاموش ہو رہے۔ اور بغیر کسی قیل و قال کے اپنے اپنے گھروں کو چلدیئے ؀

چھ ہزار شاہی فوج سانگانیر کے باہر خیمے ڈالے پڑی تھی۔ جے سنگھ کے غائب ہونے کی خبر سُنکر سب کے سب ششدر رہ گئے۔ اور ایک سپاہی جے سنگھ کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا۔ لیکن اُس نے جواب دیا۔ کہ تمہیں اس بات کے دریافت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ لوٹ لئے جاؤ گے۔ سواروں نے یہ جواب سُنکر اُسی دم کوچ کی تیاری کی۔ اور دہلی کو روانہ ہو گئے ؀

اگرچہ بعض مؤرخ جے سنگھ کی اِس کاروائی کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ کہ اِس نے یہ کام محض مجبوری کی حالت میں کیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ تو وہ ضرور اپنی گدّی ہاتھ سے کھو بیٹھتا ؀

جے سنگھ جب گدی پر بیٹھا تھا۔ تو ریاست امیر میں صرف تین پرگنے شامل تھے یعنی اضلاع امیر۔ دیوسا۔ بسوا۔ فوجی علاقہ ضبط ہوکر اجمیر کے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔ شیخاوٹی جاگیردار بھی خود سر ہوکر آزاد ہو گئے تھے۔ اور زمیں سلمبرا اپنے آپ کو جے پور کے برابر سمجھتا تھا۔ لیکن جے سنگھ نے ریاست کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اس کو وسعت دینا شروع کیا۔ اور دیوتی اور راجور وغیرہ کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو علاقہ میں شامل کر کے ریاست جے پور کو استحکام دیا۔ رفتہ رفتہ امیر نے بہت بڑی ترقی حاصل کی اور جے سنگھ راجپوتانہ کے نامی حکمرانوں میں شمار کیا جانے لگا ؀

راجور ایک بہت عمدہ شہر اور دارالسلطنت ریاست دیوتی کا ہے۔ یہاں کا حاکم برگوجر تھا جو کہ اپنے آپ کو کچھواؤں کی ایک شاخ بیان کرتے ہیں۔ یہاں کے سرداروں نے حال ہی میں اس لئے شہرت حاصل کی تھی۔ کہ اُنہوں نے مسلمان بادشاہ کے ساتھ رشتہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اِس بات پر اُنکو بڑا ناز تھا۔ اور وہ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ وہ دُنیاوی نفع کے بدلے اپنی عزت کو کبھی بھی فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اِس ریاست کے تعلقات جے پور سے بہت کچھ کشیدہ ہو رہے تھے ؀

راجور کا راجہ بادشاہ دہلی کی طرف سے کہیں باہر گیا ہُوا تھا اور اِس وقت اِس کا چھوٹا بھائی اِس کی جگہ کام کرتا تھا۔ ایک دن وہ سور کے شکار کے لئے تیار ہُوا۔ اور کھانا جلدی تیار ہونے

تاکید کی۔ اس کی بھاوج نے طنزیہ کہا کہ آج تو تو ایسی جلدی کرتا ہے گویا کہ جے سنگھ کے سر پر بھالا مارنے کو جا رہا ہے۔ بھاوج کے طعنے نے نوجوان راجپوت کے دل پر بہت بُرا اثر کیا۔ اِس کو وہ باتیں یاد آگئیں۔ جبکہ جے سنگھ نے اس کے ایک ہمقوم کی ریاست کو چھین کر اپنے علاقہ میں شامل کرلیا تھا۔ اُس نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور قسم کھائی کہ جب تک میں جے سنگھ کے سر پر بھالا نہ مارونگا۔ تمہارے ہاتھ کا کھانا ہرگز نہ کھاؤنگا؞

یہ صرف دس سواروں کو ہمراہ لے کر راجور سے روانہ ہوا۔ اور خفیہ طور پر امیر میں جاکر رہنے لگا۔ کئی ہفتے بلکہ کئی مہینے گذر گئے۔ مگر اس کو کوئی موقعہ ہاتھ نہ آیا۔ تمام مال و متاع جو وہ ساتھ لایا تھا۔ خرچ ہوگیا۔ اِس لئے اس نے اپنے ہمراہیوں کو رخصت کردیا۔ اور خود وہیں مقیم رہا۔ مگر اس اثنائے میں وہ سوائے بھالے کے اپنے تمام ہتھیار بھی بیچ کر کھا گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ تین روز کے فاقہ کے بعد اسکو اپنی آدھی پگڑی بیچکر فاقہ سے جان بچانی پڑی مگر استقلال اس کا نام ہے کہ وہ اب بھی اپنے ارادے پر بدستور قایم تھا۔ اب چار یوم اور فاقہ کشی میں بسر ہوئے۔ اس کا جسم کمزور ہوگیا تھا۔ اور [illegible] بیتاب ہو رہا تھا کہ جے سنگھ پالکی میں سوار ہوکر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور جب اُس نے میواڑ [illegible] دیا اِس نے بھالا لے کر اس پر وار کیا۔ جے سنگھ کی زندگی ابھی باقی تھی بھالا پالکی میں [illegible] گیا؞

یکدم سو تلواریں اس کے قتل کے لئے میانوں سے برآمد ہوئیں لیکن جے سنگھ نے روکدیا اور کہا کہ اُسکو زندہ گرفتار کرکے میرے سامنے لاؤ۔ جب روبرو لائے تو جے سنگھ نے دریافت کیا۔ کہ تم کون ہو۔ اور یہ حرکت تم نے کیوں کی؟ نوجوان راجپوت نے دلیرانہ جواب دیا "میں دیوتی کے رئیس کا بھائی ہوں۔ بھاوج کے طعنہ پر تمہاری ہلاکت کے لئے بھالا چلایا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ میں چار روز سے بھوکا تھا۔ اِس لئے اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکا"؞

جے سنگھ نے شاہانہ بردباری سے حکم دیا۔ کہ اُسکو رہا کردو اور چند سوار اس کے ساتھ دیکر تاکید کی۔ کہ اسکو بحفاظت اِس کے علاقہ میں پہنچا آئیں؞

جب اِس نے گھر میں جاکر اپنی بھاوج سے یہ سرگذشت بیان کی تو اُس نے کہا غضب کردیا سانپ کو زخمی کرکے چھوڑ دینا بہت بُری حرکت ہے۔ اب راجور کی خیر نہیں جے سنگھ کے لئے ایک بہانہ چاہیئے تھا سو اُسکو مل گیا؞

اِس واقعہ کے تیسرے دن بعد جے سنگھ نے تمام سرداروں کو جمع کرکے دیوتی کو فتح

کا بیڑا رکھا لیکن موہن سنگھ چوموالہ نے جسکی بہن کی تیز زبانی مذکورہ بالا وقوعہ کا باعث
ہوئی تھی۔ اس لڑائی کے برخلاف رائے دی اور کہا کہ برگوجر سردار دہلی کے بارسوخ درباریوں
میں سے ہے اور اس وقت بھی وہ بادشاہ کی طرف سے کسی جنگ میں مشغول ہے۔ جب
بادشاہ کو خبر ہوگی۔ کہ سردار کی غیر حاضری میں دیوتی پر حملہ کیا گیا ہے تو وہ ضرور آمیر کا دشمن
بنجائیگا۔ اور اس حالت میں جے پور کو بڑی مشکلات کا سامنا پڑیگا موہن سنگھ کے اس بیان
نے تمام سرداروں کو خوف زدہ بنادیا اور پھر کوئی آدمی بھی اس مہم کا بیڑا اٹھانے کی جرأت نہ کر
مجبورًا جے سنگھ کو خاموش ہونا پڑا۔ لیکن ایک ماہ کے بعد پھر یہی معاملہ پیش آیا۔ مگر چونکہ مو
سنگھ سے سب سردار دبتے تھے۔ اور وہ دیوتی کا خیر خواہ تھا۔ اس دفعہ بھی کسی نے اس
خلاف رائے کارروائی کرنیکا حوصلہ نہ کیا۔ مگر فتح سنگھ بن بیر کے بیٹے نے جو صرف ڈیڑھ
ٹھاکروں کا افسر تھا۔ اُٹھ کر بڑے حوصلہ سے بیڑا اُٹھالیا۔ جے سنگھ نے اس کی ہمت
شاباش کہی اور پانچہزار سواروں کو حکم ملا۔ کہ اسکی ماتحتی میں دیوتی پر حملہ آور ہوں ۞
فتح سنگھ نے ٹھیک [illegible] وقت میں جب کہ سردار راجور معہ اپنے رشتہ داروں اور
راجپوتوں کے کسی تہوار کے منا[illegible] مصروف تھا۔ انپر حملہ کیا۔ اور سب کو قتل کر دیا۔
حاملہ تھی۔ اس نے فتحیاب فتح سنگھ سے درخواست کی کہ وہ اس کی جان بخشی کر دے۔ تا کہ
کی نسل قطع نہ ہو لیکن جب [illegible] آیا کہ اس کی اپنی بدزبانی ہی اس خرابی کا باعث
ہے۔ اور نیز اس کا پیدا ہونیوالا بچہ بھی اب گدی کا مالک نہ ہو سکے گا۔ بلکہ اس کی زندگی
تلخی سے گزریگی۔ تو وہ اسی وقت خنجر چھاتی میں مار کر مر گئی ۞
فتحیاب جے پور کو واپس پلٹے۔ اور جب اُس راجپوت کا سر جس نے جے سنگھ کے سرداروں میں
سے حملہ کیا تھا اس کے پیش کیا گیا۔ تو اُس کو بڑی خوشی حاصل ہوئی لیکن سردار
کلا چونکہ یہ رشتہ دار تھا۔ اس لیئے اس سے نہ رہا گیا۔ اور اس کی یہ حالت دیکھ کر اور
تباہی کو یاد کر کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہ نکلے۔ جے سنگھ کو اس کی اس حرکت
غصہ آیا اور کہا کہ جس روز مجھ پر بھالا چلایا گیا تھا اُس روز تو تم نے ایک آنسو بھی نہ
لیکن آج یوں اشکباری کر رہے ہو۔ فورًا اس کے علاقہ کی ضبطی کا حکم ہوا۔ اور اسکو
دربار سے نکال دیا ۞
اسی طرح جے سنگھ نے امیر کے راج کو بہت کچھ وسیع کیا۔ وہ بحیثیت واضع قانون

نیک اور منصف تھا۔ مگر آخری عمر میں وہ شراب کا حد سے زیادہ عادی ہوگیا۔ چنانچہ نشہ کی حالت میں ہی وکیل بیکانیر اور بخت سنگھ والی ناگور کی تحریک سے اس نے خط لکھ کر ابھی سنگھ والی مارواڑ سے نااتفاقی پیدا کی تھی۔ اور جودھپور پر فوج کشی کر کے شکست کھائی تھی۔ اس لڑائی کا حال ابھے سنگھ کے حال میں درج ہے اور یہی ایک شکست ہے۔ جو تمام عمر میں جے سنگھ کو نصیب ہوئی تھی؎

راجہ جے سنگھ کو بادشاہ دہلی کی طرف سے سوائی کا خطاب ملا تھا۔ جو کہ اب تک اس کے خاندان میں چلا آتا ہے۔ لفظ سوائی کے معنے صاف طور پر ظاہر ہیں یعنی وہ اپنے کل ہمعصروں سے سوایا

چوالیس برس حکومت کر کے سمت ۱۷۹۹ مطابق ۱۷۴۳ء میں سوائی جے سنگھ نے وفات پائی اس کے ساتھ تین رانیاں اور چند کنیزیں ستی ہوئیں۔ اور علم بھی اس کے ساتھ ہی سوخت ہوگیا؎

سوائی جے سنگھ کے بعد اس کا بڑا بیٹا ایشری سنگھ مسند نشین ہوا۔ اس وقت ریاست کا انتظام بالکل درست تھا۔ فوج باقاعدہ تھی۔ خزانہ پُر تھا۔ اور ریاست کے کارکن چیدہ چیدہ آدمی تھے۔ مگر اس کے چھوٹے بھائی مادھو سنگھ نے رانی میواڑ کے بطن سے ہونے کی بنیاد پر سلطنت کا دعویٰ کیا۔ کیونکہ سوائی جے سنگھ نے میواڑ کی رانی سے اس شرط پر شادی کی تھی کہ اس کا بیٹا وارث سلطنت سمجھا جائیگا۔ آخر کار مادھو سنگھ کامیاب ہوا۔ مگر آپس کی پھوٹ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جو لوگ خودسری کے خواہشمند تھے۔ انہیں مجبوراً مرہٹوں سے دبنا اور آخر کار اطاعت کا جوا کاندھے پر رکھنا پڑا۔ مادھو سنگھ قول کا پکا اور زبان کا سچا تھا۔ اس نے نہایت عقلمندی سے حکمرانی کی اور اگر جاٹ زور نہ پکڑ جاتے تو وہ راٹھوروں کی مدد سے مرہٹہ قوم کی کمر ضرور توڑتا؎

سترہ سال کی حکومت کے بعد مادھو سنگھ نے تپش کے عارضہ سے وفات پائی۔ اگر یہ سلامت رہتا تو ممکن تھا۔ کہ تمام فساد رفع ہو جاتے لیکن افسوس ہے کہ اول تو ملک کی بد انتظامی سے اسکو اس کا موقعہ نہ ملا۔ دوئم عمر نے بھی زیادہ وفا نہ کی۔ اس نے کئی شہر آباد کئے۔ جن میں سے مادھو پور جو قلعہ رنتھنبور کے متصل واقع ہے۔ ایک مشہور تجارتی منڈی ہے جے سنگھ کی طرح اس کے عہد میں بھی علم کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور بڑے بڑے صاحب علم کے جمع ہو جانے سے کاشی کی طرح جے پور بھی علم کا گھر بن گیا؎

اس کے بعد کمسن پرتھی سنگھ مسند نشین ہوا۔ اور اس کے چھوٹے بھائی پرتاپ سنگھ

کی ماں جو بڑی مصلحت اندیش اور صاحب ہمت عورت تھی نابالغ کی نگران مقرر ہوئی۔ مگر اس کے عہد میں فیروز نامی ایک فیلبان اس قدر زور پکڑ گیا کہ وہ مشیر خاص کے درجہ تک جا پہنچا یہ بات اراکین دربار کو سخت ناگوار گذری اور وہ آزردہ ہو کر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے ان دنوں میں آرت رام دیوان تھا اور خوشحالی رام اس کا نائب۔ دونوں آدمی بڑے عقلمند اور صاحب لیاقت تھے۔ مگر فیروز کے آگے ان کی ایک نہ چلتی تھی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا کرتا تھا۔ آخر کار پرتھی سنگھ نے وفات پائی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ رانی نے اپنے بیٹے کی مسند آرائی کے لئے اس کو زہر دلوا دیا تھا۔ مگر بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ گھوڑے سے گر کر فوت ہوا تھا:

پرتھی سنگھ کی دو رانیاں تھیں ایک والئے بیکانیر کی لڑکی تھی اور دوسری کشن گڈھ کی۔ کشن گڈھ والی رانی کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اور اسکا نام مان سنگھ تھا:

پرتھی سنگھ کی وفات کے بعد چنداوت رانی نے فیروز رکن اعظم اور راجہ خوشحالی رام کی مدد سے فوراً ہی اپنے بیٹے پرتاب سنگھ کو گدی پر بٹھا دیا۔ مگر خوشحالی رام فیروز کی بیخ کنی کرنیکے درپے تھا اس نے رئیس ماچھری سے سازش کی۔ جاگیرداروں کو مخفی طور پر ادائے مالگذاری سے روکا گیا اور نجف خاں افسر شاہی سے اس معاملہ میں مدد لی۔ قلعہ بھرت پور پر حملہ ہوا۔ نول سنگھ رئیس نے خوب مقابلہ کیا۔ نجف خاں کی فوج بیکار ثابت ہوئی۔ اور مرہٹوں کی مدد بھی کچھ کام نہ دے سکی۔ اب رئیس ماچھری نجف خاں کی مدد کو پہنچ گیا۔ اور جاٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے صلہ میں اسکو راؤ راجہ کا خطاب حاصل ہوا۔ اور ماچھری کی شاہی سند حاصل ہوئی:

اب رانی نے فیروز کو کل فوجی اختیارات عطا کر دیئے۔ مگر اس کا نتیجہ اُلٹا برآمد ہوا۔ فیروز نے ماچھری کے راؤ سے سازش کرنا چاہا۔ مگر زہر سے ہلاک کر دیا گیا:

اس معاملہ کے چند روز بعد رانی چنداوت بھی راہی ملک عدم ہوگئی۔ اور اس کا صغیر سن بیٹا پرتاب سنگھ انتظام حکومت میں جاگیرداروں کا محتاج ہوا۔ مگر ٹونگا کے خونریز معرکہ کے بعد بڑی بہادری کے ساتھ مرہٹوں اور شاہی افسر کے رُعب سے آزادی حاصل کی:

پرتاب سنگھ بڑا بہادر اور عقلمند تھا۔ مگر افسوس کہ اس کے یہ اوصاف ملکی یورشوں اور شورشوں کا کافی انسداد نہ کر سکے۔ رئیس ماچھری کی علیحدگی جے پور کے حق میں بہت بُری ثابت ہوئی۔ اخراجات کے بڑھ جانے سے خزانہ خالی ہو گیا۔ صرف مرہٹے ہی دو دفعہ اسّی لاکھ روپیہ وصول کر کے لے گئے۔ اور ٹونگا کی فتح کے موقعہ پر خود پرتاب سنگھ نے بیس لاکھ روپیہ

شبیہ راجہ جگت سنگھ والئے جے پور



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوئم صفحہ ۲۹

انعام و اکرام اور خیرات میں صرف کر دیا ؛
پرتاب سنگھ کے بعد جگت سنگھ مسند نشین ہوا اور اس نے ۱۷ سال تک حکومت کی مگر جسقدر نقصان اس کے عہد میں ریاست کو پہنچا۔ پہلے کبھی نہ پہنچا تھا۔ اس کے عہد حکومت کے حالات نہایت طویل ہیں۔ بیرونی دشمنوں کی فوج کشی۔ محصوری اور رہائی۔ تاوان جنگ کی ادائیگی وغیرہ نے ریاست کو تباہ کر دیا۔ اس کی نفس پرستی اور بد وضعی مشہور ہے۔ رس کپور مسلمانی کی محبت نے اسکو حد سے زیادہ بدنام کر دیا تھا۔ جگت سنگھ اس عورت پر ایسا فریفتہ تھا کہ نصف ریاست اس کو بانٹ دی اور تمام قیمتی اسباب بھی آدھا اس کو دیدیا یہاں تک کہ سوائی جے سنگھ کے قابل قدر اور عظیم الشان کتب خانہ کی آدھی کتابیں بھی اس کے حوالہ کر دی گئیں۔ جو اس کے رشتہ داروں نے برباد کر دیں۔ رس کپور کے نام کا سکہ بھی جاری ہوا۔ یہ عورت راجہ کے ساتھ برابر ہاتھی پر سوار ہوتی تھی۔ اور رئیس رانیوں کی طرح اس کا ادب کرنے پر مجبور تھے ؛
جاگیرداروں اور اُمراء ریاست کو آخر کار راجہ سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ اور راجہ کو تخت سے اُتارنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر بعض نیک دل اُمرا نے رس کپور کی بدوضعی کا یقین دلا کر راجہ سے اس کی قید اور ضبطی جائداد کا حکم لکھوا کر اُمرائے مخالف کی دلجمعی کر دی ؛
جگت سنگھ نے ۱۷ سال تک حکومت کر کے ۲۱ دسمبر ۱۸۱۸ء کو وفات پائی۔ اور اس کے بعد موہن سنگھ مسند نشین کیا گیا۔ اور اس کا نام مان سنگھ ثانی قرار پایا ؛

ریاست بیکانیر

ریاست بیکانیر جو راجپوتانہ میں دوئم درجہ کی ریاست شمار کیجاتی ہے۔ مارواڑ کی ایک شاخ ہے۔ اور اس کے حکمران راجگان جودھپور کے خاندان سے ملتے ہیں ؛

اس بہادر راجپوت کا نام جس نے جودھپور سے آکر علاقہ جاٹوں سے فتح کیا۔ اور بیکانیر کی بنیاد ڈالی راؤ بیکا تھا۔ کل ریاست میں بجز چند مختصر قطعات کے ہر مقام پر کم و بیش ریتہ ہے مشرق سے مغرب تک برابر ریتہ کا میدان ہے۔ اور ٹبے یعنی ریتہ کی پہاڑیاں تو وسط ملک میں شروع ہوجاتی ہیں۔ مگر بڑا سلسلہ جیسلمیر کی سمت میں واقع ہے۔ اور اس کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہر طرف کو نکلی ہوئی ہیں۔ بلکہ اگر اس کے سلسلہ کو کہ مشرقی نشیب دریائے سندھ سے شروع ہوکر ریاست بیکانیر کے وسط میں ختم ہُوا ہے۔ جبل اعظم کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا؛

اس علاقہ کی زمین میں سوائے چند قطعہ جات کے سرسبز نباتات اچھی طرح سے نہیں جم سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کل جنگل کو ایسا نہیں کہہ سکتے۔ کہ جس میں کسی قسم کی روئیدگی قیام و بالیدگی نہ پا سکے۔ جس ملک کو خدا نے ایسا خشک و ویران بنایا ہے۔ اسکو ایسی فضیلت بھی دی ہے...... جو کہ اعلےٰ درجہ کی زمین میں بھی نہیں پائی جاتی۔ مثلاً جنگل کا باجرہ ایسا عمدہ ہوتا ہے کہ ویسا مالوہ کی زرخیز زمین میں بھی نہیں ہوتا۔ اور یہاں کے باشندوں کو جب وہ میواڑ اور آمیر کے نہایت عمدہ کھانوں میں شریک ہوتے ہیں۔ نہ اِن کی ذاتی خوبیوں سے بلکہ اپنے وطن کی یادگار سے باجرہ کی روٹی کی ہوس باقی رہتی ہے ؛

انسان و حیوانات کی پرورش کے لئے خدا نے بعض خودرو نباتات گوار۔ کچری و گکڑی وغیرہ پھل اور بڑے بڑے تربوز بہت افراط سے پیدا کئیے ہیں۔ خصوصاً اس ملک جیسا تربوز تو ہندوستان بھر کے کسی دوسرے علاقہ میں پیدا ہی نہیں ہوتا ؛

کل جنگل میں پانی زمین کی سطح سے بہت عمق پر ہے۔ گرمی بشدت پڑتی ہے۔ مگر یہاں کے انسان حیوان اور نباتات کے موافق ہے۔ شہر بیکانیر کے قریب بعض بعض مقامات پر چاہات دو سو ہاتھ عمیق ہیں۔ اور ساٹھ ہاتھ سے کم عمق پر پانی انسان کے استعمال کے لایق ان تھلوں میں بہت

شبیہ سری بیکاجی والئے بیکانیر



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۲۸

کم ملتا ہے اگر پختہ کنواں بنوایا جائے۔ تو اس پر ہزار ہا روپیہ صرف ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس ملک میں کسی طرح کی خوبصورتی نہیں ہے۔ مگر اکثر باشندے حب الوطنی کی وجہ سے باجرہ کی رابڑی کو شائستہ ملکوں کی نعمتوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ریت کے ٹیلے ہمالہ پربت کے سرسبز و شاداب پہاڑ سے فایق ہیں۔ اور ان کی پست جھاڑیوں کے مقابلہ میں اس کی سرودختی اور بلندی ہیچ ہے۔ اونٹ جس کو جنگل کا جہاز کہتے ہیں۔ اس ملک میں سب سے مفید حیوان سمجھا جاتا ہے سچ پوچھو۔ تو اس ملک میں اس کے بغیر گذارہ بھی نہیں ہو سکتا۔ نہاروہ کی بیماری اس ملک میں بکثرت ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ شاید بد ذائقہ غذا اور خراب پانی ہے۔ مگر اس ملک کے تمام امراض میں سے سب سے سخت مرض قحط ہے۔ اور یہاں کے باشندوں کو ہر تیسرے سال اس کا فکر لگا رہتا ہے ۞

شہر بیکانیر سخت و پہاڑی اور بالکل ناقابل زراعت زمین پر واقعہ ہے۔ باہر سے دیکھنے پر بڑا بارونق شہر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے گرد بڑے برجوں اور کنگروں کی شہر پناہ ہے جب الفنسٹن صاحب اس کی سیر کو گئے۔ تو دور سے اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر ان میں بحث ہوئی اور ایک دو صاحب جنہوں نے پہلے بیکانیر کو نہیں دیکھا تھا۔ کہنے لگے کہ یہ شہر دہلی سے بھی بہتر ہے۔ مگر اندر داخل ہو کر ان کے یہ خیالات سب کے سب پلٹ گئے ۞

۱۴۵۹ء میں جب جودھا نے مندور کو چھوڑ کر جودھپور کی بنیاد ڈالی۔ اور اس کو اپنا دار الحکومت بنایا تو اس کا بیٹا بیکا اپنے چچا کاندل کی ہدایت سے صرف تین سو آدمیوں کو ہمراہ لیکر راٹھوروں کی سلطنت کا اضافہ کرنے کے لئے اس ملک کو روانہ ہوا بیکا بڑا بہادر اور شجاع تھا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ اس کی فوج کشی ہمیشہ کامیاب رہتی تھی سچ تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مرنے مارنے کے ارادہ پر سوار ہوتا تھا۔ اول بیکا نے اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ جانگلو کے علاقہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا۔ اس کے بعد پوگل کے بھاٹیوں سے مقابلہ ہوا۔ اور وہاں کے رئیس کی دختر سے شادی کر کے صلح کر لی۔ اور کورم دیسر کی سکونت اختیار کی اور وہاں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کرا کر قرب و جوار کے ملک کو اپنے علاقہ کے ساتھ شامل کیا۔ اس طرح پر بیکا جاٹوں کی آبادی کے قریب آگیا۔ جاٹ اس علاقہ پر کئی پشتوں سے قابض تھے اور لکھا ہے کہ پنجاب میں جو جاٹ آباد ہیں۔ یہ وہیں سے آئے ہوئے ہیں ۞

جاٹوں نے بیکا کا خوب مقابلہ کیا۔ مگر آخرکار ناکامیاب رہے۔ اور انہوں نے خراج دینا

منظور کر کے صلح کر لی۔ بیکا بڑا خوش قسمت تھا۔ اپنی قدیم ریاست مندور سے نقل مکان کرنیکے بعد چند سال کے اندر ہی وہ ۲۶۷۰ گاؤں کا مالک بن گیا۔ اور چونکہ افسران چھاؤنی نے اس کو از خود اپنا مالک قبول کر لیا تھا۔ یہ استحقاق اسکا فتح سے بھی زیادہ مستحکم تھا ؁

اس ملک کے جاٹ اور جوہیہ شمالی جنگل میں گاڑہا ندی تک پھیلے ہوئے تھے۔ چوپان پیشہ تھے۔ مویشی اُن کی دولت تھے۔ اور یہی ان کے پاس بکثرت ہوتے تھے۔ گھی اور اون سارسوت برہمنوں کی معرفت دساور کو بھیجکر ان کے عیوض غلہ وغیرہ دیگر ضروری اشیاء منگاتے تھے۔ جاٹوں کی قدیم سادگی رفع ہو کر راجپوتوں کے محکوم ہونے اور ریاست بیکانیر کے قایم ہونے میں چند اسباب فراہم ہو گئے تھے۔ اوّل یہ کہ اگرچہ بیدا کے موہلوں پر غالب آنے سے بیکا کی فتح آسان ہو گئی تھی۔ تاہم اگر جاٹوں میں وہ نا اتفاقی جس نے ہندوستان کی اکثر سلطنتوں کو تباہ کر دیا ہے نہ ہوتی تو اس طرح بالکل کُشت وخوں نہ ہونے کے بغیر بیکا ملک نہ حاصل کر لیتا۔ جاٹوں کے چھ فرقے تھے۔ مگر جوہیہ اور گوداره کے باہم بہت نا اتفاقی تھی بدیں وجہ دونوں نے بیکا کی حکومت کو بخوشی قبول کیا۔ دوسرے موہلوں کے فتح کرنے سے بیدا کی فوج کا خوف سب کے دل پر چھا گیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ جب تک وہ کسی ایسے ہی زبردست شخص کی حمایت میں نہ آجاویں۔ وہ چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ تیسرے ان کی یہ بھی خواہش تھی۔ کہ ان کے اور جیسلمیر کے بھاٹیوں کے درمیان کوئی مستحکم حد قایم ہو جاوے چوتھے جب سے جانگلو فتح ہوا تھا۔ تب سے بیکا کی فوج کی شجاعت اور فتحمندی کا بھی ان کو یقین کلی ہو چکا تھا۔ ان معقول وجوہات کے باعث جاٹوں نے بخوشی تمام بیکا کی تابعداری کو منظور کر لیا ؁

گوداروں کا رئیس پانڈو شیخ سر میں رہتا تھا اور رونیا کا رئیس اس سے دوسرے درجے پر تھا۔ دونوں بطور سفیر بیکا کے پاس حاضر ہوئے۔ اور مندرجہ ذیل شرائط قرار پا کر جاٹوں نے بیکا کو اپنا راجہ تسلیم کر لیا ؁

(۱) جوہیہ وغیرہ دیگر فرقوں کے مقابلہ میں جن سے ہماری عداوت ہے ہماری مدد کریں

(۲) سرحد مغربی کی حفاظت کریں۔ تا کہ بھاٹی حملہ وفساد نہ کرنے پائیں ؁

(۳) ہماری جماعت کے حقوق وفواید کو ملحوظ رکھیں ؁

مذکورہ بالا سہ شرائط کے ایفا پر انہوں نے بیکا اور اس کی اولاد کو گوداروں کا حاکم منظور

منظور کیا اور اپنے علاقہ میں محصول دھواں بحساب فی گھر ایک روپیہ اور دو روپیہ فیصد بیگھہ اراضی مزروعہ مالگذاری وصول کرنے کا اختیار دیا۔ مگر اس خوف سے کہ آئندہ بیکا یا اس کی اولاد اپنے قول سے منحرف ہو کر ان کے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ انہوں نے اس سے طمانیت چاہی بیکا نے جواب دیا کہ بنظر دفع خوف آئندہ و نیز بطور یادگار اس عطاء حکومت کے میں تم سے بہ اقرار صالح عہد کرتا ہوں کہ میں اور میری اولاد مسند نشین ہونے پر شیخ سرور اور رونیا کے سرداروں کی اولاد سے ٹیکہ لگوایا کرے گی۔ اور جب تک ٹیکا نہ ہو گا گدی خالی سمجھی جائیگی ؀

جاٹوں کی اس طرح اطاعت قبول کرنے سے ان کی حکومت مالکانہ اگرچہ بالکل زائل ہو گئی تھی۔ لیکن اگر ان کا آقا ان کے ناممکن الانتقال یا پوتہ یعنی حقوق موروثی میں دست اندازی کرنا چاہے۔ تو اب بھی خونریزی کے واسطے مستعد ہیں ؀

جس طرح گوداروں کے باہمی حسد و نااتفاقی سے بیکا کو بغیر کسی قسم کے جنگ و جدل کے حکومت حاصل ہو گئی بہت کم آدمیوں کو ہوئی ہو گی۔ وہ رسومات جو اکثر راجپوت ریاستوں میں رائج ہیں بہت اچھی ہیں اور طرز حصول حکومت مالکانہ قدیم باشندگان ملک کی یادگار ہیں۔ مثلاً فرمانروایان میواڑ کا قدیم باشندگان یعنی بھیلوں سے تلک کرانا آمیر میں خزانہ و قلعجات کا مینوں کی حفاظت و اہتمام میں رہنا کوٹہ و بوندی کا قدیم مالکان ہاڑوتی کے نام سے موسوم ہونا۔ اور اولاد بیکا کا جاٹوں سے ٹیکا کرانا ایسی رسمیں ہیں کہ ان کے سبب سے قدیم مالکان سرزمین کے حقوق اور طرز حصول ریاست فرمانروایاں حال فراموش نہیں ہو سکتے۔ آج تک بھی یہی دستور ہے کہ بیکا کی اولاد میں سے جب کوئی مسند نشین ہوتا ہے تو پانڈو کے خاندان کا کوئی شخص اس کے راج تلک کرتا ہے۔ اور اس جاٹ کو راجہ ۲۵ اشرفیاں دیتا ہے۔ علاوہ اس کے جس زمین کو بیکا نے اپنی دارالحکومت بنانے کے لئے پسند کیا۔ ایک جاٹ کی ملک موروثی تھی۔ اس نے بھی دعویٰ کیا کہ شہر کے نام کے ساتھ میرا نام بھی شامل کیا جائے۔ اس کا نام نیرہ تھا۔ اس لئے بیکا اور نیرہ کے نام سے شہر کا نام بیکانیر کہا گیا۔ اس دوامی یادگار ملکیت کے علاوہ شیخ سرور اور رونیہ کے زمیندار ہولی اور دسہرہ پر رئیس اور اس کے سرداروں کے ٹیکہ کرتے ہیں۔ رونیہ کا جاٹ اپنے ہاتھ میں نقرئی طشت و پیالہ لیتا ہے۔ اور شیخ سرور والہ رئیس کی پیشانی پر تلک کرتا ہے۔ رئیس ان کو ایک اشرفی اور پانچ روپیہ نذر کرتا ہے۔ اشرفی شیخ سرور والہ لیتا ہے اور روپے رونیہ والا

اسی طرح سب سرداران اپنی اپنی حیثیت کے مطابق نذر کرتے ہیں ؁

جب بیکا نے جاٹوں کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کا حلفاً تعہد کرکے ریاست حاصل کر لی۔ تو دونوں نے ملکر جوہیوں پر حملہ کیا۔ اس آبادان جماعت میں کہ جنگل کے شمالی ملک میں ستلج تک پھیلی ہوئی تھی گیارہ سو دیہات تھے۔ مگر اب صرف تین سو برس گذرنے پر ان کا نام ونشان بھی نہیں رہا۔ غالباً یہ قوم وہی ہے۔ جسکو کہ بابر نے جنجوہہ لکھا ہے۔ اور انکے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے وقت پنجاب کے اوّل دوابہ کوہستان جنوبیں جا دو کے شامل ہوئی تھی ؁

جوہیوں کا سرگروہ شیر سنگھ بھوروپال میں رہتا تھا۔ اس نے اپنی جماعت کو فراہم کیا۔ اور مدت تک راجپوت اور گوداروں دونوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ مگر آخر کار بیکا نے ان کو مغلوب کیا۔ اور بھوروپال پر قبضہ کرلیا۔ اس فتح کے بعد بیکا نے مغرب کی طرف فوج کشی کرکے بھاٹیوں سے بھاگور فتح کی اور اس ضلع میں جو اوّل بھاٹیوں نے جاٹوں سے چھینا تھا بیکا نے ۱۵ بیساکھ سمبت ۱۵۴۵ کو بیکانیر آباد کیا ؁

جب بیکا مستقل طور پر اپنی ریاست قایم کرچکا۔ تو اس کا چچا کاندل جسکی ہمت اور جوانمردی سے یہ ملک حاصل ہوا تھا۔ دیگر ممالک فتح کرنے کے لئے شمال کی طرف چلا گیا۔ اور ریاست بینی وال۔ وساروں کے جاٹوں کو مغلوب کیا۔ کاندل کی اولاد جو کاندلوت راٹھور کہلاتی ہے آجکل بھی اس ملک میں آباد ہے اور اگرچہ یہ بیکانیر کے ماتحت ہے۔ مگر یہ ہمیشہ اس بات کی مدعی رہتی ہے۔ کہ ان کی جاگیریں بزور شمشیر حاصل ہوئی ہیں۔ اور کسی کی عطیہ نہیں وہ برائے نام بیکانیر کے ماتحت ہیں۔ اور جب کبھی راجہ کسی خاص ضرورت کے باعث ان سے خراج طلب کرتا ہے۔ تو یہ صاف انکار کردیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس کو راجہ کس نے بنایا ہے۔ اگر انکا بزرگ کاندل نہ ہوتا تو وہ کیونکر راجہ ہوتا۔ لہذا راجہ کو ہم پر خراج مقرر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ؁

جب جاٹ اچھی طرح مطیع ہوچکے تو بیکا نے راجپوتوں اور مسلمانوں پر حملے کئے اور ان لڑائیوں میں بہت سا علاقہ اس کے قبضہ میں آگیا۔ بیکا نے کچھی واڑہ پر حملہ کیا۔ اور ۸۴ دیہات اس کے ہاتھ میں آگئے۔ اب بیکا کے پاس کل تین ہزار دیہات کے قریب ہوگئے۔ اور ریاست بیکانیر کا علاقہ پنجاب سے جا ملا ؁

ان حملوں سے بعد بیکا نے آٹھ ہزار جمعیت کے ساتھ درون پور پر جو کہ درونا چارج کا

کیا ہُوا بتلایا جاتا ہے حملہ کیا۔ سانگ نے سخت مقابلہ کیا۔ مگر فتح آخر کار بیکا کی ہوئی بیکا نے پانچ روز تک وہاں مقام کیا اور پھر یہ علاقہ اپنے بھائی بیراجی کے حوالہ کر کے خود بیکانیر چلا آیا۔ اِس کے بعد کانڈل جی نے سیہند دیگر مقامات کو فتح کر کے حصار پر حملہ کیا سارنگ خاں بہت سے پٹھانوں کو ہمراہ لیکر مقابلہ پر آیا۔ اور کاندل جی مارے گئے ؛

چچا کی موت کی خبر بیکاجی کو بھی پہنچائی گئی۔ جس کے سُنتے ہی اس نے تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور قسم کھائی۔ کہ جب تک وہ اپنے چچا کا بدلہ نہ لے۔ کھانا نہیں کھائیگا ؛ اِس معرکہ میں راؤ جودھا بھی اس کے ساتھ شریک ہُوئے۔ سخت ہنگامہ برپا ہُوا آخر کار سارنگ خاں مع چار سو دیگر پٹھانوں کے مارا گیا۔ اور بیکا کو نمایاں فتح نصیب ہوئی۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ بیکا نے جودھا کے کہنے پر جودھپور کا دعوےٰ ترک کر دیا تھا مگر بعض خاندانی مقدس چیزوں کی خاطر بھائیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اور مطلوبہ اشیا حاصل کر کے جودھپور سے کامیاب واپس آیا۔ پھر کھنڈیہ پر فوج کشی ہُوئی۔ اِس کے بعد بادشاہی فوج سے مقابلہ ہُوا۔ اور دونوں جگہ فتح بیکا کی رہی ؛

بیکا کی زندگی واقعی بڑی کامیاب زندگی تھی۔ اور جدھر وہ منہ کرتا تھا۔ فتمندی اس کے قدم چُومتی تھی۔ اِس نے بڑا نام حاصل کیا۔ مگر آخر کار موت نے اِس کا ہاتھ روکا اور وہ سمت ۱۵۵۱ میں اس دُنیا سے کوچ کر گیا۔ اور آٹھ رانیاں اِس کے ساتھ ستی ہوئیں ؛

راؤلون کرن

راؤ بیکا کے بعد اِس کا بڑا بیٹا نراجی تخت نشین ہُوا۔ مگر اِس کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور صرف چار مہینے راج کر کے راہی ملک عدم ہُوا۔ اِس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لہذا اِس کا چھوٹا بھائی لون کرن گدی پر بیٹھا ؛

راؤلون کرن کے عہد میں اکثر بھومیہ جنکو بیکا نے مطیع کیا تھا سرکش ہو گئے۔ تھ بیت جلدان پر فوج کشی کی گئی۔ اور بزور شمشیران کو راہ راست پر لا کر تابع فرمان بنایا گیا ؛ سب سے پہلی چڑھائی دور یرہ کے چوہانوں پر ہوئی۔ سمت ۱۰۰۰ کے قریب اس علاقہ

چوہانوں کا راج تھا۔ گوگا چوہان جو ایک مشہور بہادر سردار گذرا ہے انہیں چوہانوں میں سے تھا مگر رفتار زمانہ سے اِن کی سلطنت کم ہوتے ہوئے بالکل نابود ہوگئی تھی اور صرف ایک چھوٹی سی ریاست بیکانیر سے ۷۰ میل بجانب شمال باقی رہ گئی تھی۔ جسکا نام دوریرہ تھا ؛

سمت ۱۴۰۰ کے شروع میں دوریرہ کا راجہ موٹے راؤ چوہان تھا۔ اِس کا ایک بیٹا کرم سی نام فیروز شاہ تغلق بادشاہ کے ایک امیر سید ناصر کے پاس جاکر مسلمان ہوگیا تھا۔ اِس کا نام قیام خاں رکھا گیا۔ یہ بڑا بہادر اور اولوالعزم تھا۔ اِس نے ہانسی حصار میں ایک خاصی ریاست حاصل کی تھی۔ اِس کے بعد اِس کے بیٹے پوتے فتحپور میں چلے آئے۔ اور یہاں بہت دنوں تک اِن کی حکومت رہی۔ قیام خانی جو آجکل راجپوتانہ میں ایک مشہور قوم ہے اِسی قیام خاں چوہان کی اولاد سے ہے۔ اِس کے بھائی جو ہندو رہ گئے تھے وہ دوریرہ کے مالک تھے اور بیکا نے ان کو مطیع بنایا تھا۔ مگر لون کرن سے منحرف ہو گئے ؛

لون کرن نے فوراً فوج کشی کے سامان کئے۔ اور بیس ہزار فوج جمع کر کے سمت ۱۵۶۶ میں دوریرہ پر چڑھائی کردی ؛

مان سنگھ چوہان نے خوب داد شجاعت دی۔ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو قلعہ نشین ہو بیٹھا۔ سات مہینے تک گولہ باری ہوتی رہی آخر کار جب رسد ختم ہوگئی تو مان سنگھ نے قلعہ کے کواڑ کھولدیئے۔ اور باقیماندہ پانچسو آدمیوں سے باہر نکل کر خوب داد شجاعت دی۔ مگر راؤ لون کرن کے بھائی کے ہاتھ سے مارا گیا ؛

دوریرہ کو فتح کر کے راؤ لون کرن نے فتحپور پر چڑھائی کی۔ اِن دنوں یہاں دولت خاں قیام خانی راج کرتا تھا وہ معہ اپنے بھائی رنگ خاں کے مقابلہ پر آیا۔ فتح پور سے ایک کوس کے فاصلہ پر خوب لڑائی ہوئی۔ مگر فتح نے آخر کار لون کرن کے قدم چومے ؛

دولت خاں شکست کھاکر قلعہ میں بھاگ گیا۔ مگر لون کرن تعاقب میں تھا۔ ناچار فتح پور کے ۱۲۰ گاؤں دیکر صلح کرلی ؛

اِسکے بعد راؤ لون کرن نے چاہل واڑہ پر فوج کشی کی اور ۴۴۰ گاؤں کو تابع فرمان بناکر بیکانیر کی طرف مراجعت کی ؛

اِس کے بعد چتوڑ کے رانا رائے مل نے راؤ جی کے واسطے شادی کا ناریل بھیجا ؛
برات چتوڑ کو روانہ ہوئی اور سانگا نے دو کوس آگے بڑھکر پیشوائی کی۔ کئی دن تک جشن

کا بازار گرم رہا۔ اور بڑی دھوم دھام سے شادی انجام پائی۔ رانا رائے مل نے ۲۰ ہاتھی ۲۰۰ گھوڑے اور بہت سا گہنا کپڑا جہیز میں دیکر بڑی عزت کے ساتھ داماد کو رخصت کیا +

اِن دنوں میں جیت سی جیسلمیر کی گدی پر تھا۔ کہاری کا چارن اس کے پاس جاکر سوالی ہوا جیتسی نے گفتگو میں راٹھوروں سے کچھ مذاق کیا۔ چارن نے جواب دیا کہ آپ ایسا نہ کہیں۔ راٹھور بہت بڑے ہیں جیتسی نے بگڑ کر کہا "اگر کوئی راٹھور میری زمین پر قدم دھرے۔ تو میں اتنی زمین برہمنوں کو دان کردوں" +

چارن بگڑ کر بیکانیر کو روانہ ہوا۔ اور تمام ماجرہ لون کرن کے آگے آکر بیان کیا یہاں بھی ضبط کی تاب کہاں تھی۔ فراہمی فوج کے سامان ہونے لگے۔ اور بیرا جی کے پوتے سانگا۔ سنسار چند وت اور ۲۰ ہزار سپاہ کے ساتھ راؤ لون کرن نے بیکانیر سے کوچ کیا +

گاؤں راجو بائی پر جیتسی اور سانگا کا مقابلہ ہوا۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ مگر کامیابی کا سہرا سانگا کے سر پر باندھا گیا۔ جیتسی قید ہو کر راؤ لون کرن کے پاس لایا گیا۔ فوج اور آگے بڑھی۔ تمام جیسلمیر لٹ گیا۔ اور سارے علاقہ میں لون کرن کی دُہائی پھر گئی +

شوخ چشم چارن زیر حراست جیتسی کے خیمہ میں جا پہنچا۔ اور سوال کیا "اب آپ نے دیکھا کہ راٹھور کیا چیز ہیں" مگر زمانہ نے جیتسی کو اس سوال کا جواب دینے کے قابل نہ چھوڑا تھا سر جھکا کر اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر خاموش ہو رہا +

گھرسی سر کے تالاب پر راؤ لون کرن کی سپاہ ایک مہینہ تک ڈیرہ ڈالے پڑی رہی۔ بھاٹی قلعہ سے باہر نہ نکلتے تھے۔ اندر سے ہی صلح کے لئے سلسلہ جنبانی ہونے لگی۔ آخر کار صلح قرار پاگئی۔ اور لون کرن بامراد بیکانیر کو پلٹا +

آخری فوج کشی راؤ لون کرن نے نواب ڈھوسی پر کی۔ مگر یہ لڑائی اس کے لئے اجل کا پیغام ثابت ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بیداوت اودے کرن بھاٹی اور جو یا عین جنگ کے موقعہ پر دانستہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ افسروں کی بے ایمانی نے سپاہ کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ پھر بھی راؤ لون کرن نے کنور پرتاب سنگھ۔ بیرسی اور نیت سی کے ساتھ بہت تھوڑی جمعیت سے دشمن کے کثیر التعداد لشکر کا مقابلہ کیا۔ لون کرن کی بہادری کا حال سُنکر اس کی موت یا شکست کا کوئی افسوس باقی نہیں رہتا۔ بہادر دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی سواری کے تین گھوڑے کام آئے۔ اب کوئی گھوڑا موجود نہ تھا

شیردل راؤ پیدل ہی غنیم پر حملے کرنے لگا۔ ساتھی ایک ایک کر کے کٹ چکے تھے۔ اِس حالت میں بھی ۱۲ آدمیوں کو شربت مرگ پلا کر آخر کار آپ بھی دنیا پر اپنا نام چھوڑ کر چلدیا ؛

راؤ جیتسی

جب راؤ لون کرن لڑائی میں کام آیا۔ تو اسی دن بیداوت اودے کرن بیکانیر کو روانہ ہُوا۔ اِس کا ارادہ بیکانیر کو لینے کا تھا۔ مگر راؤ جیتسی نے قلعہ اور شہر کا بخوبی انتظام کر کے کہلا بھیجا۔ کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ اودے کرن حیران رہگیا اور جواب دیا کہ میں صرف ماتم پرسی کے لئے آیا تھا۔ جیتسی نے جواب دیا۔ کہ بہت بہتر آپ تیار رہیں میں خود آپ سے ملاقات کے لئے آؤنگا۔ یہ سُنکر اودے کرن مُفت کی بدنامی کا داغ پیشانی پر لئے اپنے علاقہ کو چلا گیا ؛

ساون سمت ۱۵۸۳ میں راؤ جیتسی نے گدی نشینی کی رسم ادا کی۔ اور بہت تھوڑے عرصہ بعد اودے کرن پر چڑھائی کی گئی۔ اودے کرن بھاگ نکلا۔ اور درون پور کا علاقہ فتح ہو کر سنسار چندوت کو عطا کیا گیا۔ اور ساتھ ہی سیان کوٹ کا علاقہ بھی تسخیر ہوگیا ؛

راؤ لون کرن کی بیٹی بالا بائی آمیر کے راجہ پرتھی راج سے بیاہی ہوئی تھی۔ اِس کے ۱۲ بیٹوں کی اولاد میں بارہ کوٹھڑیاں امیر کے جاگیرداروں کی مشہور ہیں۔ پرتھی راج کے بعد کنور بھیم سنگھ مسند پر بیٹھا۔ مگر وہ صرف دو مہینے سلطنت کر کے فوت ہوگیا ؛

اس کے بعد اس کا بیٹا رتن سی گدی نشین ہُوا۔ مگر بالا بائی کے بیٹے سانگا جی جیسے اِس کی نہ بنی۔ سانگا جی نے بیکانیر میں آکر راؤ جیتسی سے مدد مانگی۔ فوج اِس کے ساتھ بھیجی گئی امیر کے بہت سے امیر سانگا سے آملے۔ مگر اس نے امیر میں دخل نہ دیا۔ اور اپنے نام پر سانگانیر شہر بسا کر وہاں راج کرنے لگا ؛

راؤ سوجا جی کے بعد جب اِس کا پوتا گانگا جودھپور میں گدی پر بیٹھا۔ تو اِس کے چچا شیخا جی نے جو پہاڑ کا جاگیردار تھا۔ ناگور کے نواب سرخیل خاں اور اس کے بیٹے دولت خاں کو ۲۰۰ گاؤں دینے کر کے اپنی مدد کو بلایا۔ اور راؤ گانگا کو تخت سے اُتار کر خود سلطنت پر

بض ہونے کے لئے جودھپور پر چڑھ آیا۔
گانگا نے جیتسی سے مدد مانگی۔ راؤ جیتسی ۶۰۰۰ ہزار سپاہ اور بہت سے نامی افسر لیکر
نگا کی مدد کو عین موقعہ پر پہنچ گیا۔
شیخا جی اور سرخیل خاں مقابلہ پر آئے۔ لڑائی شروع ہوگئی۔ سرخیل خاں نے راٹھوروں کی
ار اور بندوق سے گھبرا کر شیخا جی سے کہا "تم تو کہتے تھے۔ کہ یہ لوگ زیادہ مقابلہ نہیں
سکیں گے اور یونہی بھاگ جائیں گے۔ مگر یہاں کچھ اور ہی رنگ نظر آرہا ہے"۔ شیخا جی
جواب دیا "یہ اب کیسے بھاگیں۔ ان کے پیچھے جودھ راؤ بیکانیر دونوں ہیں"۔
یر بسنکر خان اور اسکے بیٹے کے چھکے چھوٹ گئے۔ ادھر سے گانگا کے تیر نے خان کے
وت کا کام تمام کر دیا۔ جیتسی کے ہمراہی تلواریں سونتکر ہاتھی پر لپک پڑے۔ رتن سی
لپک کر ہاتھی کے مستک پر برچھا مارا۔ تو ہاتھ بھر اندر دھس گئی۔ ہاتھی چیخ کر بھاگا اور
بی خان کی سپاہ نے بھی پیٹھ دکھائی۔ چشم زدن میں کچھ کا کچھ بن گیا۔ خان کی پُشت
تے ہی ڈیرہ ڈنڈہ سارا لٹ گیا۔ شیخا جی زخموں سے چور ہو کر میدان جنگ کی خون آلود
ن پر پڑے تھے۔ گانگا جی اور جیتسی دونوں اس کے بالین پر گئے۔ بڑی کوشش سے
نے آنکھ کھولی۔ اور جیتسی کو سرہانے دیکھ کر دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ ساتھ والوں
ہا۔ کہ یہ بیکانیر کے راؤ جیتسی جی ہیں۔ شیخا نے آہ بھر کر کہا "مینے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا تھا
م چچا بھتیجے اپنی زمین کے لئے آپس میں لڑتے تھے۔ تو آپ کیوں بیچ میں آپڑے۔ مگر خیر
ری حالت ہوئی۔ وہی تمہاری بھی ہو"۔ اتنا کہہ کر شیخا جی نے تو دم توڑ دیا۔ اور گانگا جی
جیتسی ڈیرہ پر واپس آئے۔ گانگا کا یہ کہنا بالکل سچ تھا۔ کہ اس مرتبہ جودھپور کا بچ جانا
جیتسی کی مہربانی سے تھا۔
بابر کا بیٹا اور ہمایوں کا بھائی کامران تھا۔ ایک جینی پنڈت جس کا نام بہادیو تھا۔ دہلی جا
سکو بھٹنیر پر چڑھا لایا۔ یہ قلعہ پہلے کچھ عرصہ سے راؤ جیتسی کے حکم سے ساہور کے ٹھاکر
پورن مل وغیرہ نے فتح کیا تھا۔ کامران نے اُس کو آگھیرا۔ قلعدار خوب لڑا۔ مگر جب وہ
یا تو قلعہ کامران کے ہاتھ آیا۔ بھٹنیر کو فتح کرکے کامران بیکانیر کی طرف بڑھا۔ جیتسی
ن کی طاقت کو بخوبی جانتا تھا۔ اس نے سب بھائی بیٹوں اور سرداروں کو جمع کرکے
رہ کیا۔ سب نے یک زبان ہو کر عرض کی۔ کہ اگر دشمن زبردست ہے۔ تو کیا، ہم بھی

لڑنا مرنا جانتے ہیں۔ چونکہ دشمن کی جمعیت زیادہ تھی۔ اور صبح تک اور بھی مدد پہنچ جانے
تھی۔ لہٰذا رات کو ہی حملہ کرنے کی تجویز قرار پائی۔ اندھیری رات میں صرف دو ہزار آدمی
ہتھیلیوں پر لے کر قلعہ سے باہر نکلے۔ غنیم بے فکر سویا پڑا تھا۔ تلواروں کی چمک سے
کھلی۔ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر ایک نہ چلی۔ حملہ آوروں نے سپاہ کو آراستہ
لڑنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ ناچار کامران بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مشکل سے جان بچائی۔
سمت ۱۵۹۸ میں جودھپور کے راؤ مالدیو نے ۲۰ ہزار فوج سے بیکانیر پر حملہ کیا۔ بڑی
لڑائی ہوئی۔ مگر اس معرکہ میں نصف سے زیادہ علاقہ جیتسی کے ہاتھ سے نکل گیا۔

راؤ کلیان مل جی

راؤ کلیان مل نے باپ کی وفات کے بعد دہلی کے دربار میں بڑا رسوخ پیدا کیا۔ جو
کے قلعداروں کے ساتھ اکثر لڑائیاں پیش آئیں۔ اِن دنوں میں شیر شاہ سوری ہمایوں
شکست دیکر دہلی کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ کلیان مل کا بھائی بھیم راج اِس کے پاس
بادشاہ کی مدد سے اپنے کھوئے ہوئے کئی قلعے واپس کر لئے۔ پہلی لڑائی لون کرن سر
دوسری گاریب دلیسر پر۔ دونوں معرکوں میں جودھپور والوں کو شکست ہوئی۔ اور بھیم
نے اِن کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اِس طرح یکے بعد دیگرے ۲۰ قلعے واپس
اِس عرصہ میں راؤ مالدیو نے جیمل والئے میرٹھ پر فوج کشی کی۔ جیمل مقابلہ کی تاب
تھا۔ راؤ کلیان مل سے مدد کا خواستگار ہوا۔ پناہ میں آئے ہوئے کی مدد کرنا چھتری کا
ہے۔ ۷۰۰۰ ہزار سوار میرٹھ کو بھیجے گئے۔ اور بڑی خونریزی کے بعد مالدیو کو شکست
راؤ جیتسی نے اپنی زندگی میں ہی کلیان مل کے بھائی کنور ٹھاکرسی کو سیدھ
دیا ہوا تھا۔ اور بھٹنیر کا قلعہ چاہلوں کے قبضہ میں تھا۔ دونوں کی آپس میں نہیں
ٹھاکرسی کی شادی جیسلمیر میں ہوئی تھی۔ ایک دن رانی اشنان کر رہی تھی۔ اتفاق
کا بگولا آیا۔ اور تمام کپڑے ریت سے بھر گئے۔ رانی نے جھنجھلا کر کہا "جس راجپوت
بیٹھنے کو بھی جگہ نہ ہو۔ اسکی عورتوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے" یہ بات ٹھاکرسی نے

پیچ وتاب کھایا۔ مگر اس وقت خاموش ہو رہا ؏

ٹھاکرسی کے دار السلطنت کا نام جیت پور تھا۔ بھٹنیر کا ایک تیلی یہاں بیاہا ہوا تھا۔ ایک دن جب وہ اپنی عورت کو لینے آیا تو ٹھاکرسی نے اِس کی بڑی تواضع کی اور اُسکو بھٹنیر حاصل کرنے کیلئے اپنی مدد پر آمادہ کر لیا۔ تیلی نے وعدہ کیا۔ کہ میرا گھر قلعہ کے اندر ہے۔ جب کبھی آپ وہاں تشریف لاویں گے۔ تو میں اِس طرح آپ کو اندر لے جاؤنگا۔ کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ تیلی بھٹنیر کو واپس گیا۔ تو ایک آدمی خفیہ طور پر اِس کے ساتھ کر دیا۔ جو تیلی کی مدد سے بھٹنیر کی گلی گلی دیکھ آیا ؏

کچھ دنوں کے بعد بھٹنیر کا مالک چایل احمد اپنے بیٹے کی برات لے کر جوگیر کو گیا۔ تیلی نے فوراً ہی بھیجکر ٹھاکرسی کو کہلا بھیجا۔ کہ اب میدان خالی ہے۔ آپ تشریف لے آئیں۔ ٹھاکرسی پہلے ہی موقعہ کا منتظر تھا۔ فوراً اپنے ہمراہیوں کو لے کر بھٹنیر پر چڑھ گیا۔ رات کا وقت تھا۔ تیلی کی مدد سے ۲۰۰۰ آدمی بے خبر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ فیروز قلعہ دار کو خبر ہوئی۔ تو وہ فوج کو سمیٹ کر مقابلہ پر آیا۔ مگر کچھ نہ بن سکا۔ اور معہ تمام ہمراہیوں کے تلوار کی گھاٹ اُتار دیا گیا ؏

کلیان مل نے بھائی کی شجاعت کی داد دی۔ اور یہ قلعہ اُسی کو سپرد کیا ؏

سمت ۱۶۱۷ میں اکبر کا وزیر بیرم خاں باغی ہو کر گجرات کو جاتا تھا۔ راؤ مالدیو نے اِس کا رستہ روک لیا۔ وہ مجبور ہو کر بیکانیر میں آیا اور پناہ کا خواستگار ہوا۔ کلیان مل نے کچھ دنوں اسکو اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور پھر وہ پنجاب کو چلا گیا ؏

بیساکھ سمت ۱۶۲۸ میں راؤ کلیان مل نے وفات پائی۔ اور سات رانیاں اور ۱۴ کنیزیں اس کے ساتھ ستی ہوئیں ؏

کلیان مل کے بعد اس کے بیٹے رائے سنگھ کا دور حکومت شروع ہوا۔ آج تک قوم جاٹ کے حقوق بدستور قایم تھے۔ لیکن راجپوتوں کی کثرت نے حق تلفی کی بنیاد ڈالی اور یہ اپنے علاقوں سے بیدخل ہو کر کاشتکاری پر مجبور ہوئے ؏

رائے سنگھ کے عہد میں ریاست بیکانیر کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ مگر جہاں راجپوتوں نے جاٹوں کو کاشتکار بننے پر مجبور کر دیا۔ وہاں اِن کی اپنی آزادی بھی تخت دہلی کی نذر ہوگئی۔ رائے سنگھ نے مان سنگھ امیر والہ کی معرفت اکبر سے ملاقات کی۔ اور بادشاہ نے منصب چار

ہزاری اور خطاب راجگی کے ساتھ حصار کی صوبے داری عطا کی۔ اور مالدیو والئے جودھپور
سے ناراض ہوکر ناگور کا زرخیز علاقہ بھی اِس کے سپرد کر دیا ؛

رائے سنگھ نے اکبر کی مہمات میں راٹھوروں کی طاقت سے بڑا نام پیدا کیا۔ احمد آباد
کی پہلی ہی لڑائی میں مرزا احمد حسین کو قتل کر کے اپنی بے نظیر شجاعت کا ثبوت دیا جس سے
اکبر کے دل میں راٹھوروں کی بہادری اور بھی اثر کر گئی ؛

رائے سنگھ کے بھائی رام سنگھ نے پونیا پر فوج کشی کر کے جودھیا کی قوت کا خاتمہ کیا
قوم جاٹ میں صرف یہی ایک آزاد فرقہ باقی رہ گیا تھا۔ اِس پر بھی راجپوت غالب آئے ؛

رائے سنگھ نے سمت ۱۶۸۸ میں وفات پائی اور اس کا اکلوتا بیٹا کرن گدی پر بیٹھا۔ کرن
اپنے باپ کی حیات میں ہی منصب دوہزاری اور دولت آباد کی صوبیداری پر سرفراز تھا۔ کرن
کو دارا شکوہ ولیعہد شاہجہان کی پاسداری کا خیال تھا۔ لہذا اس کے فوجی افسر نے ا
قتل کی سازش کی۔ مگر یہ آگ راجہ بوندی کی مدد سے فرو ہوگئی۔ اور کرن نے وطن میں آ
عدم کی راہ لی۔ پدم سنگھ، کیسری سنگھ، موہن سنگھ اور انوپ سنگھ اس کے خاندان
چراغ تھے۔ مگر شاہی خدمات میں اِن کا خاتمہ ہوگیا۔ پدم سنگھ اور کیسری سنگھ نو بجے پ
لڑائی میں کام آئے۔ اور موہن سنگھ دکن کی مہم میں قتل ہوا ؛

سمت ۱۷۳۰ میں انوپ سنگھ بیکانیر کی گدی پر بیٹھا۔ بادشاہ نے منصب پنجہزاری
علاوہ صوبے داری علاقہ اودن و حکومت بیجاپور و اورنگ آباد عطا کی۔ اِسکے عہد
افغانانِ کابل نے سرکشی کی۔ مگر انوپ سنگھ نے راجہ جودھپور کے ہمراہ اُن کو قرار و
سزا دی۔ انوپ سنگھ کے دو بیٹے سروپ سنگھ اور سجان سنگھ تھے سمت ۱۷۶۵ میں سروپ
گدی نشین ہوا۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ تک حکومت نہ کر سکا۔ جب اِس کا باپ فوج
سے علیحدہ ہوکر بیکانیر کو چلا آیا۔ تو مقام اودنا ضبط ہوگیا۔ سروپ سنگھ نے حاصل ک
کی کوشش کی۔ مگر اسی کوشش میں مارا گیا ؛

اِس کے بعد سجان سنگھ اور سجان سنگھ کے بعد زور آور سنگھ مسند نشین ہوا۔ مگر دو
کے عہد کا کوئی واقعہ قابل تحریر نہیں ؛

سمت ۱۸۰۲ میں گجے سنگھ نے گدی حاصل کی۔ اور ۴۱ برس تک حکومت کی۔ اِس کا
وقت سرحدی بھٹیوں اور خان بہاولپور کی لڑائیوں میں صرف ہوا ؛

گجے سنگھ کے اکسٹھ فرزند تھے۔ مگر منکوحہ رانی سے صرف چھ تھے۔ گجے سنگھ کے بعد راج سنگھ نے صرف تیرہ روز حکومت کی۔ اور سورت سنگھ کی ماں نے اِس کو زہر دیکر اپنے بیٹے کو گدی دلائی ؂

سورت سنگھ نے ایسی دلجوئی اور قدردانی شروع کی۔ کہ تمام رؤسائے مہاجن اور افسروں کو اپنے قابو میں کرلیا۔ اِس کے بعد وہ اپنے صغیر سن بھتیجے کو قتل کرنے کی فکر میں ہوا۔ مگر اس کی بہن اِس کی نگراں و محافظ تھی۔ جب سورت سنگھ کی کچھ پیش نہ گئی، تو راجہ نرور کے ساتھ اس کی شادی ٹھہرادی۔ مقصد یہ کہ کانٹا بھی کسی طرح نکل جاوے۔ بہن نے عذر کیا۔ کہ میرا سن زیادہ ہے۔ اب یہ رشتہ مناسب نہیں۔ مگر سورت سنگھ نے قسمیں کھاکر صغیر سن راجہ کی حفاظت کا اطمینان دلایا۔ جب شادی ہوگئی۔ تو اس کے بعد فوراً ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگیا۔ یعنی ایک روز معصوم راجہ کی لاش بستر پر پائی گئی۔ سورت سنگھ اِس کارروائی سے ملک بھر نفرت کی نگہ پر علرتان سنگھ اور عجب سنگھ اس کے بڑے بھائیوں نے جان کے خوف سے علاوالدین اور الی راہ لی۔ اور وہاں سے بھٹنیر پہنچ کر بیدائی کے مقابلہ میں فوج جمع کرنے لگے۔ مگر سورت سنگھ نے خود اِن پر چڑھائی کردی۔ بیگو میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ مگر فتح سورت سنگھ کی رہی ؂

اب سورت سنگھ کا دماغ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔ اور اُس نے کل ریاست پر اپنا سکہ جمانے کی ٹھانی۔ بیداوت اِس سے منحرف تھے۔ اوّل ان پر فوج کشی کی گئی۔ ٹھیر چورو نے بیداوت کی مدد کی تھی۔ اس کا بھی محاصرہ کیا گیا ؂

چند یوم کے بعد کرانی کے رئیس تیوارہ والا نے بہاول خاں داؤد پوترہ سے سرکشی کرکے سورت سنگھ سے مدد مانگی۔ سورت سنگھ یہی چاہتا تھا۔ فوج کشی کی گئی۔ قلعہ موج گڈھ صرف آدھی رات میں فتح ہوگیا۔ اور راٹھوروں کی بہادری دنیا کے دلوں پر نقش ہوگئی۔ اِس فتح کا سہرا ہندو سنگھ بھٹی سردار فوج بیکانیر کے سر رہا۔ جو سیڑھی کے ذریعہ دیوار قلعہ پر چڑھکر اندر داخل ہوا۔ اور قلعہ کی سپاہ معہ محمد حاکم قلعہ کے قتل کرڈالی۔ افسر قلعہ کی بی بی گرفتار ہوئی۔ اور اِس کی رہائی کے لئے مفتوحوں سے پانچ ہزار روپیہ نقد اور چار سو اونٹ حاصل ہوئے۔ اس کے بعد بہاول خاں پر فوج کشی ہوئی۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی ؂

پیگور کی لڑائی کے دو سال بعد بھٹیوں نے بیکانیر پر چڑھائی کی۔ مگر سخت نقصان اُٹھایا۔ اس لڑائی کا سلسلہ ۱۸۰۸ء تک ختم نہ ہُوا۔ آخرکار سورت سنگھ خان بھٹی کی دارالریاست بھٹنیر پر حملہ آور ہُوا۔ اور چھ مہینے کے جنگ و جدل کے نمایاں فتح حاصل کی۔

راجہ جودھ پور نے وارث مسند کی حمایت کی تھی۔ یہ کینہ سورت سنگھ کے دل میں موجود تھا۔ ریاست کی پانچ سالہ آمدنی یعنی چوبیس لاکھ روپیہ صرف کر کے جودھپور پر فوج کشی کی۔ مگر اُلٹا نقصان اُٹھانا پڑا۔ مددگار رئیس اپنے اپنے گھروں کو چلدیئے۔ اور سورت سنگھ بڑی ندامت اُٹھا کر واپس آیا۔ اور ایسا بیمار پڑا۔ کہ زندگی کی کچھ اُمید باقی نہ رہی۔ مگر لوٹ پوٹ کر پھر اُٹھ بیٹھا۔

اب سورت سنگھ کو دولت جمع کرنے کی لو لگ گئی۔ اور رعایا کو ایسا تنگ کیا۔ کہ لوگ چلا اُٹھے۔ ان گناہوں کا کفارہ دان زندگی کی مد دھاتا تھا۔ برہمنوں کی چاندی تھی۔ مگر رعایا کا خون نچوڑا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ موہن سنگھ اور اُن کے خیرخواہ سردار ناہر سنگھ گیان سنگھ و گمان سنگھ ابھی لالچ میں تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ چورو سہ پر تین دفعہ فوج کشی کی گئی۔ اور رئیس کو قید کر کے یہ علاقہ شامل ریاست کر لیا گیا۔

یہ سختیاں یہاں تک ترقی کر گئیں۔ کہ لوگ تنگ آ گئے۔ سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑنے لگا۔ رعایا علاقے چھوڑ بھاگنے لگی۔ آبادی کم ہو گئی۔ اور جٹ قوم کو سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ یا تو فاقوں سے جان بحق ہو۔ یا کسی اور جگہ جا کر معاش کی فکر کرے۔

ریاست بوندی

چوہان کی بیس شاخوں میں سے ہاڈا نہایت مشہور ہے۔ مشہور کبیشر چند نے جو کتاب پرتھی راج اور جے چند کی لڑائی پر لکھی ہے۔ اِس میں تیسرے روز کی لڑائی میں ہاڈا رئیسوں کی بہت تعریف کی ہے۔ چنانچہ ہاڈا راؤ ہمیر نے مع اپنے بھائی کبھیر کے راجہ کاشی کا جو قنوج کی طرف سے پرتھی راج کے تعاقب میں آیا تھا سخت مقابلہ کیا۔ اور دونوں بھائی نہایت شجاعت اور جوانمردی سے لڑتے ہُوئے مارے گئے ؛

ہمیر کے بعد کال کرن۔ مان نگد۔ راؤ باچہ اور راؤ چند یکے بعد دیگرے مسند نشین ہوئے۔ منجملہ چند خود اختیار چوہان رئیسوں کے جن پر علاؤالدین حملہ آور ہُوا۔ اسیر کا رئیس راؤ چند بھی تھا۔ اگرچہ اس نے بڑی بہادری سے علاؤالدین کا مقابلہ کیا۔ مگر مع کل رشتہ داروں کے سوائے ایک پسر کے قتل ہوا۔ اس لڑکے کا نام رین سی تھا اور اس کی عمر اس وقت صرف اڑھائی برس کی تھی۔ یہ رانا چتوڑ کا بھانجہ تھا۔ اِس لئے یہ اس کی پناہ میں بھیجا گیا۔ رین سی نے جوان ہو کر بھینسرور کے مسمار شدہ قلعہ پر حملہ کر کے ڈونگا بھیل کو جس نے ان دنوں اسپر قبضہ جمایا ہُوا تھا شکست دیکر نکال دیا ؛

رین سی کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام کولن اور دوسرے کا کنگل تھا ؛

کولن کے پوتے راؤ نانگو نے قدیم مینال پر قبضہ کیا۔ اور پتھار کے مغربی سمت کی ایک بلندی پر بمادوہ کا قلعہ تعمیر کرایا۔ اور بھینسرور واقعہ مشرق اور بمادوہ واقعہ مغرب تک ہاڈول نے کل پتھار پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اِس کے علاوہ دیگر علاقہ جات بھی فتح کئے اور مانڈلن گڈھ بجولی۔ بیگو۔ رتنا گڈھ اور چوراتیہ گڈھ ملکر ایک وسیع ریاست بن گئی ؛

راؤ دیوا

راؤ بانگو کے بارہ بیٹے تھے۔ ان کی اولاد کل پتھار میں پھیل گئی۔ بانگو کے بعد راؤ دیوا

مسند حکومت پر بیٹھا۔ اس کے تین بیٹے تھے ہرراج۔ ہچی۔ اور سمرسی۔ راؤ دیوا بڑا دلیر اور جری راجہ تھا۔ اور اس زمانہ میں ہاڑوں کی ایسی طاقت ہو گئی تھی۔ کہ ان کی شہرت سنکر سکندر لودھی نے راؤ دیوا کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ اِس لئے اس نے بمادوہ میں اپنے بیٹے ہرراج کو مسند نشین کیا۔ اور خود معہ چھوٹے بیٹے سمرسی کے دربار میں آیا۔ عرصہ تک یہ یہاں رہا ؛

راؤ دیوا کے پاس ایک نہایت تیز رفتار اور خوبصورت گھوڑا تھا۔ جس کا ثانی بادشاہ کے پاس بھی موجود نہ تھا۔ یہ اکثر بڑی کوہستانی ندیوں کو پھاندجاتا تھا۔ بادشاہ نے جب اس گھوڑے کو دیکھا۔ تو اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور گھوڑا طلب کیا۔ لیکن راؤ دیوا نے صاف انکار کیا۔ مگر اُسے معلوم ہوا کہ بادشاہ گھوڑے کے لالچ سے اس کی جان کا خواہاں ہو گیا ہے پس اس نے رفتہ رفتہ اپنے عیال و اطفال و دیگر ہمراہیوں کو دہلی سے روانہ کر دیا اور ایک دن خود گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار لگا برچھا ہاتھ میں لئے بادشاہ کے پاس آیا یہ بالا خانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ راؤ دیوا نے نیچے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ اور کہا "میرا یہ آخری سلام قبول کیجئے۔ راجپوت سے تین چیز یعنی تلوار۔ گھوڑا اور عورت کا لینا ایسا ہی مشکل ہے۔ جیسا کہ زندہ شیر کی مونچھ کا بال اکھاڑنا" اتنا کہکر اس نے گھوڑے کو ایڑ بتائی۔ اور یہ جا وہ جا نظروں سے غائب ہو گیا ؛

راؤ دیوا پتھار میں آیا۔ مگر اپنے بیٹے ہرراج کو بمادوہ میں چھوڑ کر باندو نالہ کی طرف چلا گیا۔ یہاں اوسارہ نسل کے مینا آباد تھے۔ اور ان کا سردار جیتا نامی تھا۔ اس زمانہ میں وہاں کوئی شہر آباد نہ تھا۔ گھاٹوں کے کناروں پر پختہ دیوار اور دروازے بنا رکھے تھے۔ اور اس کے اندر ہر ایک مینا جہاں چاہتا جھونپڑی بنا کر رہتا تھا۔ مگر یہ لوگ گنگو نامی کھچی کے تاخت و تاراج سے جو کہ رام گڈھ کے قلعہ سے نکل کر ارد گرد کے علاقہ سے جبراً خراج وصول کیا کرتا تھا سخت نالاں تھے۔ ان لوگوں نے وادی کی ہر دو جانب دو دیواریں بنوائیں مگر اس کے ظلم و ستم سے پھر بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ مجبوراً انہوں نے ہر ایک دوسرے مہینے کی پورنماشی کو چوتھ کا خراج فصیل سے لٹکانا منظور کیا۔ گنگو تاریخ معینہ پر آتا۔ اور خراج کا تھیلہ لے کر واپس چلا جاتا ؛

راؤ دیوا نے بھی اس قصہ کو سُنا۔ اس کو سخت غصہ آیا۔ اور میناوں سے کہا۔ کہ اس دفعہ خراج کا تھیلہ نہ رکھا جائے ؛

دوسری پورنماشی کو گنگو اپنے ٹھیک وقت پر آیا۔ مگر آج یہاں خراج کہاں تھا! اس نے دریافت کیا کہ اس کا باعث کیا ہے۔ مگر فوراً ہی راؤ دیوا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے سامنے آیا۔

باہم خوب زور آزمائی ہوئی۔ مگر گنگو تاب مقابلہ نہ لا کر بھاگ نکلا۔ راؤ دیوا نے دریائے چمبل تک اس کا تعاقب کیا۔ ہاڈا کا گھوڑا غضب کا تیز رفتار تھا۔ مگر وہ حیران ہوا کہ گنگو کا گھوڑا ابھی اس کے گھوڑے سے کسی طرح کم تیز نہیں ہے۔

دریا کے کنارے پر پہنچکر گنگو معہ گھوڑے کے پانی میں کود پڑا۔ دیوا نے خیال کیا۔ کہ اس کے دشمن نے مقابلہ سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ مگر وہ ابھی زیادہ افسوس نہ کرنے پایا تھا۔ کہ سوار اور گھوڑا دونوں پانی کی سطح پر نظر آئے۔ اور صحیح وسالم دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے۔ دیوا کو سخت تعجب ہوا۔ اور اس نے بلند آواز سے پوچھا "شاباش! راجپوت تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "میرا نام گنگو کچھی ہے۔" ہاڈا نے مسکرا کر کہا۔ "میرا نام دیو ہاڈا ہے۔ ہم آپس میں بھائی ہیں۔ ہم کو آئندہ مطلق عداوت نہ رکھنی چاہیئے۔ آج سے ہم بھائیوں کی طرح رہیں گے۔ اور یہ ندی ہمارے درمیان حد فاصل سمجھی جائے گی۔"

سمت ۱۳۹۸ مطابق ۱۳۴۲ء میں جنیا اور اوسارہ مینوں کے سرداروں نے راؤ دیوا کو اپنا آقا تسلیم کیا۔ اور اس نے باندو کا نال کے وسط میں شہر بوندی آباد کیا۔ جو آخرکار ہاڈوں کا دارالحکومت بن گیا۔ ہاڈا کی بہادری ضرب المثل تھی۔ اس وجہ سے اس قوم کے رئیسوں نے بادشاہ کی عنایت سے اپنے ملک کو بہت کچھ وسعت دی۔ اور یہ علاقہ ہاڑوتی کے نام سے مشہور ہوا۔

چونکہ راؤ دیوا کی مینا رعایا ہاڈوں سے تعداد میں زیادہ تھی۔ اس سبب سے اس نے بنظر استحکام اپنی حکومت کے ایک وحشیانہ عمل کیا۔ اس کا سبب یہ لکھا ہے کہ مینوں کا سردار ایسا گستاخ ہو گیا تھا۔ کہ اس نے مالک پتھار کی دختر سے شادی کرنے کی درخواست کی۔ راؤ نے بماودہ کے ہاڈا اور بھوڈہ کے سولنکیوں کو مدد پر بلایا۔ اور اوسارہ مینوں کو بالکل قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد دیوا نے بخوشی ریاست سے دست بردار ہو کر اپنے بیٹے کو مسند نشین کیا۔ اور جس طرح ہرراج کو بماودہ دیا تھا اسی طرح سمرسی کو بوندی،

کی گدی پر بٹھا دیا ؛

قاعدہ ہے ۔ کہ جب کوئی راجہ حکومت چھوڑتا ہے ۔ کہ تو وہ پھر دارالحکومت میں نہیں آتا ۔ نہ تو وہ راجہ کہلاتا ہے اور نہ رعایا شمار کیا جاتا ہے ۔ گویا کہ وہ بالکل معدوم ہو جاتا ہے ۔ اس عمل کی تشہیر کے واسطے راجہ کی مورت بناتے ہیں ۔ اور اس کو جلا کر بارہ روز تک معمولی ایام تعزیت مناتے ہیں ۔ اِسی رسم کی پابندی سے بعد ترک کرنے تخت حکومت کے راؤ دیوا پھر کبھی بوندی یا باوہ کی فصیلوں کے اندر نہ گیا ۔ اور مرتے دم تک بوندی سے پانچ کوس کے فاصلہ پر موضع اومرتھونہ میں مقیم رہا ؛

ناپوجی

سمرسی کے تین بیٹے تھے ۔ ناپوجی تو مسند نشین ہُوا ۔ اور ہریال نے جاجاور حاصل کیا اور جیتسی نے چمبل کی دوسری طرف اپنی حکومت بڑھائی ۔ ناپوجی بڑا مشہور راجہ گزرا ہے اس نے سولنگی رئیس والئی ٹھوڈہ کی دختر سے جو کہ شاہان انہلواڑہ کی اولاد سے تھا شادی کی ایک دفعہ ناپوجی نے ٹھوڈہ میں سسرال کے گھر ایک خوبصورت سنگ مرمر کی چوکی دیکھی ۔ اور رانی سے کہا اسکو اپنے باپ سے طلب کرے ۔ مگر اس نے جواب دیا کہ آئندہ ہاڈا میری عورت کو بھی طلب کرے گا ؛

اس طعنہ آمیز جواب سے ناپو بڑا خفا ہُوا ۔ اور اس کا بدلہ اس طرح لیا کہ اس نے اپنی رانی کو چھوڑ دیا ۔ رانی رنجیدہ ہو کر اپنے باپ کے پاس گئی ۔ اور اُس کے آگے حال پیش کیا ؛

کجلی تیج کے تیوہار پر جو کہ ساون سدی تیسری تاریخ کو ہوتا ہے ۔ ہر ایک راجپوت پر فرض ہے ۔ کہ اس روز اپنی عورت کے پاس ضرور جائے ۔ چنانچہ بوندی کے کل سرداروں کو بھی اپنے اپنے گھر جانے کی اجازت حاصل ہوئی ۔ رئیس ٹھوڈہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا ۔ وہ خفیہ طور پر قلعہ بوندی میں داخل ہُوا ۔ اور ہاڈا راؤ کے سر پر بھالا مار کر اسے ہلاک کر کے نکل گیا ؛

اثنائے راہ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کامیابی کا تذکرہ کرتا ہوا جا رہا تھا کہ بوندی کے ایک سردار نے اس کی باتوں کو سُنا۔ یہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا نشہ پانی کر رہا تھا۔ رئیس تھوڑا کے ساتھی مقتول ہاڈا راؤ کو طعن کرتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ اس نے اپنے سرداروں کو یک لخت جدا کر دینے میں بڑی غلطی کی ہے ؛

سردار بوندی نے باقیماندہ حال خود سمجھ لیا۔ جس وقت تھوڑا کا راؤ اس کے قریب ہو کر نکلا۔ اس نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ دیا۔ حملہ آور اگرچہ افیونی تھا۔ لیکن اس کا وار خالی جانا ناممکنات سے تھا۔ رئیس کا دایاں ہاتھ کٹ کر زمین پر گرا۔ اور اس کیساتھ ہی وہ بھی گھوڑے سے نیچے آ رہا ؛

رئیس کے گرتے ہی ہمراہی بھاگ نکلے۔ اور بوندی کا سردار اس کٹے ہوئے ہاتھ کو لئے شہر میں آیا۔ سولنکی رانی راسخ الاعتقادی سے اپنے شوہر کی نعش کے ساتھ چتا پر بیٹھ کر عین اس وقت جبکہ اس کو آگ دکھانے کی تیاری ہو رہی تھی وہ اپنے شوہر کے قاتل کے ہاتھ کی قوت کی تعریف کر رہی تھی۔ اور کہتی تھی۔ کہ اس نے اس کے شوہر کے سر میں اس قدر وہن پیدا کر دیئے ہیں کہ ان میں پان دینے کے لئے اس کے اتنے ہاتھ نہیں ہیں۔ ٹھیک اس وقت سردار نے ہاڈا کے قاتل کا ہاتھ اس کے پیش کیا۔ رانی نے اس کی انگشتری پہچان لی۔ اور اگرچہ اس وقت وہ تمام دنیاوی تعلقات سے دست بردار ہو چکی تھی۔ مگر انتقام خون کو کل فرائض سے مقدم سمجھنے میں اُس نے مطلق کوتاہی نہیں کی۔ اس نے اسی وقت قلم دوات منگوا کر اپنے بھائی کو خط لکھا۔ اور تحریر کیا کہ اگر تم اس ذلت کو رفع نہیں کرو گے۔ تو تمہارا خاندان ہمیشہ کے لئے بدنام ہو جائیگا ستی کا خط بھائی کے پاس پہنچا۔ مگر وہ اپنی ہمشیرہ کے حکم کی تعمیل کرنے کے ناقابل تھا۔ پس اس نے ستون کے ساتھ اپنا سر مارا اور وہیں گر کر مر گیا ؛

ہاموجی

ناپوجی کے تین بیٹے تھے۔ ہاموجی۔ نورنگ اور تھرو۔ ہامو سمت ۱۴۰۰ میں مسند نشین ہوا۔

اب ہم تواریخ کے اس زمانہ تک آپہنچے ہیں۔ جبکہ علاؤالدین کے حملہ کے بعد دوسا چتوڑ نے
نئے سرے سے اپنے قدم سنبھالے۔ اور جو سرداران کی مصیبت کے ایام میں خودسر ہو گئے
ان کو مطیع کرنے کا ارادہ کیا۔ ہاڈا ابھی انہیں سرداروں میں شامل ہے۔ لیکن ان کا قول ہے
کہ وہ رانا کے مطیع نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ میواڑ کی گدی کو بڑا سمجھتے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے
علاقہ تلوار کے زور سے حاصل کیا ہے۔ اور رانا کی طرف سے ان کو جاگیر میں نہیں ملا۔ اس
لئے وہ اپنے آپ کو اس کا ماتحت نہیں سمجھتے۔ وہ رانائے چتوڑ کے مشکور ضرور ہیں کہ جب
رین سی اسیر سے مفرور ہوا۔ تو رانا کی طفیل اس کی جان بچی۔ اور اسی کے زیر سایہ اس نے پرورش
پائی۔ مگر اس احسان کو وہ حقوق رشتہ داری میں شامل کرتے ہیں۔ نہ کہ تابعداری میں
رانا کے اصرار سے اتنا تو ضرور ہوا۔ کہ ہاڈوں نے ہولی اور دسہرہ کے موقعہ پر رانا کو
دینا اور مسند نشینی کے موقعہ پر ٹیکہ لگوانا تو منظور کر لیا لیکن رانا کی دوامی نوکری سے انکار
رانا بضد تھا۔ کہ یا تو وہ نوکری ورنہ وہ راؤ دیوا کی اولاد کو ملک پتھار سے بالکل خارج
کر دے گا۔ مگر ہامو نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور میواڑ کا رانا کل سرداروں کو لیکر بوندی پر
چڑھ آیا۔ اور شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر بمقام نیمیرو قیام کیا؛

پانسو ہاڈا ایک باپ کی اولاد نے زعفرانی پوشاک پہنی۔ اور مرنے مارنے پر کمربستہ
ہو کر اپنے سردار کے پاس جمع ہوئے۔ چونکہ اب سوائے اس کے کچھ چارہ نہ تھا۔ اور نہ کسی
بہتری کی امید دکھائی دیتی تھی نصف شب کے وقت رانا کے لشکر پر حملہ آور ہوئے
ایسا دل توڑ حملہ کیا۔ کہ سہودیہ کو بجز واپسی کے کسی طرح صورت بچاؤ کی نظر نہ آئی۔ ہامو
مارتا اُن کے خیمہ تک پہنچ چکا تھا۔ اور کچھ تعجب نہ تھا کہ وہ رانا کو یا تو قتل کر دے یا
اسیر کرے۔ مگر یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے نکل گیا۔ اور تمام سردار قتل ہو گئے
قلیل جمعیت سے شکست کھانے پر از حد ذلیل اور افروختہ ہو کر رانا نے چتوڑ
کر اپنی فوج کو آراستہ کیا اور غصہ کے عالم میں قسم کھائی کہ جب تک وہ بوندی کو فتح نہ
کرے گا کھانا نہ کھائیگا؛

بوندی یہاں سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر تھی اور مقابلہ بھی ان شخصوں سے تھا جو
جان کو ہر وقت ہتھیلیوں پر دھرے بیٹھے تھے لہٰذا اس قسم کا پورا ہونا ناممکن دکھائی
مگر بغیر فتح بوندی کے اب رانا کا کھانا کھانا بھی ممکن نہ تھا۔ سرداروں نے تجویز کی کہ

بنام نہاد بوندی بنایا جائے اور رانا اس کو شکست کرکے اپنی قسم کو پورا کرے ٭
زیر فصیل قلعہ چتوڑ ایک فرضی شہر بنایا گیا اور کھیل کی تکمیل کے لیئے ہر ایک مقام اسی
شہر کے مقامات کے ناموں سے نامزد کیا گیا۔ ہاڑوں کا ایک گروہ بہ تحت بیرسی رانا کی
فوج میں نوکر تھا اتفاقاً یہ لوگ شکار کھیل کر جنگل سے واپس آرہے تھے۔ آدمیوں کا اژدہام
اور شہر جدید کی عمارت دیکھ کر دریافت حال کیا چنانچہ مفصل کیفیت بتلائی گئی اور کہا گیا کہ
رانا کی قسم پوری کرنے کے لیئے یہ سامان کیا گیا ہے۔ سردار مذکور اپنے آدمیوں کی طرف مخاطب
ہوا اور کہنے لگا کہ بھائیو! بوندی خواہ اصلی ہو یا نقلی اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے
اپنے فرض کی ادائیگی میں تم بھی آج اپنی جانیں قربان کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ ہاڑا کی
موجودگی میں کوئی شخص بوندی کی بے عزتی نہیں کرسکتا" ٭

حب الوطنی نے سب کے سینوں میں جوش مارا اور اس فرضی بوندی کی حفاظت
میں مرنے مارنے کے لیئے آمادہ ہوگئے ٭

ادہر جب رانا کو اطلاع ملی کہ بوندی تیار ہے۔ تو وہ حملہ کے لیئے روانہ ہوا لیکن
جب بجائے خالی بندوقوں کی آواز کے گولیاں چلنے لگیں۔ تو اسکو سخت تعجب پیدا ہوا
بیرسی کو باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ وہ فرضی بوندی
کو بھی بلا مقابلہ شکست نہ ہونے دینگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک ہاڑا فرضی بوندی کے
دروازہ پر کٹ کٹ کر مرا۔ مگر بغیر مقابلہ کے رانا کو اس میں قدم رکھنے کی اجازت نہ دی ٭

جانمردوں کی جانبازی رائیگاں نہیں گئی۔ کیونکہ رانا نے اصلی بوندی پر فوج
کشی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا "جس بہادر قوم سے ضرورت کے وقت کام لیا
جاوے۔ اسکو دشمن بنانے سے بجز نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا" ٭

نامو سولہ برس تک حکمران رہا اس کے دو بیٹے تھے۔ بیرسنگھ اور لالہ۔ لالہ نے کھکر
حاصل کیا۔ اس کے دو بیٹے ہوئے۔ لودرما اور جیتا جن کی اولاد لودرام پوتہ جیتاوت
کہلاتی ہے۔ بیرسنگھ نے پندرہ برس راج کیا اور تین لڑکے چھوڑے۔ بیرو۔ جیدو اور نیما جیدو
سے تین خاندان ہوئے نیما کی اولاد نیماوت کہلاتی ہے۔ بیرو پندرہ برس راج کرکے سمت ۱۵۲۶
میں فوت ہوا۔ اس کے سات بیٹے تھے۔ بانڈو۔ سامدو۔ اکو۔ اودو۔ چندر سمرسنگھ اور امرسنگھ
پہلے پانچوں کی اولاد اکاوت۔ اوداوت اور چانداوت مشہور ہوئی۔ مگر سمرسنگھ اور امرسنگھ

مسلمان ہو گئے ؏

باندیو

سمت ۱۵۲۶ میں باندیو بوندی کی گدی پر بیٹھا۔ اگرچہ اپنے بزرگوں کی طرح اس میں بھی شجاعت اور بہادری کے جوہر کچھ کم نہ تھے۔ لیکن زیادہ تر شہرت جو اس کے نام کو ہوئی اس کا باعث اس کی سخاوت تھی۔ سمت ۱۵۴۲ کے قحط میں اس نے ایسی فراخدلی اور عالی حوصلگی سے کام لیا کہ اس کا نام زندہ جاوید ہو گیا۔ خوش اعتقاد بھاٹ اس کی زندگی کے واقعات بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ اس کو قحط کی اطلاع خواب میں پہلے سے ہی ہو گئی تھی چنانچہ ایک سال پیشتر سے ہی اس نے غلہ کی فراہمی کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ اور گرد نواح کے علاقہ جات سے و نیز اپنی ریاست کے دیہات سے اس نے ایک بڑا بھاری ذخیرہ غلہ کا جمع کر لیا تھا۔ سال کے شروع ہوتے ہی بارش کا امساک ہوا۔ اور ایسا قحط پڑا کہ تمام راجپوتانہ تباہ ہو گیا۔ بلکہ اس کا اثر تمام ہندوستان تک پہنچا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ بھاٹ کے قول کے بموجب راجہ کو اس قحط کی خبر واقعی خواب کے ذریعہ ہوئی تھی یا کسی اور طرح پر لیکن راؤ باندیو کی اس دور اندیشی نے بوندی کے تمام علاقہ کو فاقہ کشی سے بچا لیا۔ محتاجوں کو بلا قیمت غلہ تقسیم ہوتا تھا۔ یہ سخاوت صرف اس کے اپنے علاقہ تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ گرد نواح کے دیگر بہت سے رئیسوں نے بھی سردار بوندی سے امداد حاصل کی ؏

گاگو گری کا لنگر ہر ایک کے واسطے کھلا تھا۔ اور قحط کے ایام میں ہزاروں بلکہ لاکھوں محتاج یہاں پرورش پاتے تھے۔ چنانچہ اُس وقت کی یاد میں اب تک بھی وہاں خیرات خانہ جاری ہے ؏

افسوس کا مقام ہے کہ نیک دل راجہ کی سخاوت اور خدا پرستی اس کو دشمن سے بچانے میں کچھ کارآمد ثابت نہ ہوئی۔ اس کے دو چھوٹے بھائیوں نے طمع نفسانی سے مغلوب ہو کر اپنا مذہب چھوڑ دیا۔ اور بادشاہی اقتدار کی مدد سے اس کو بوندی سے نکال دیا۔ اور خود بلقب ثمر قندی اور عمر ہندی تخت پر بیٹھ کر حکومت کرنے لگے۔ باندیو

مٹونده کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اور وہاں پر اپنی راج دہانی قائم کرکے اکیس سال کے بعد فوت ہو گیا ؎

نرائن راؤ

باندیو کے دو فرزند تھے۔ جن میں سے ایک کا نام نربودہ اور دوسرے کا نرائن راؤ تھا۔ نرائن راؤ نے باپ کے مرتے ہی اپنی قدیمی ریاست کو واپس لینے یا اس کے اقدام میں مرنے کا مصمم ارادہ ظاہر کیا۔ تمام ہم قوم جمع ہوئے۔ اور جب سب نے اسکے قدم بقدم جان دینے اور اس کی کوششوں میں شامل ہونے کی قسم کھائی۔ تو اس نے اپنے چچاؤں کے پاس قاصد روانہ کیا اور بڑے شوق کے ساتھ قدمبوسی حاصل کرنے کی درخواست کی۔ چونکہ نرائن راؤ کی ظاہری حالت بڑی کمزور تھی۔ اس لئے کسی کو بھی اسکی درخواست پر شبہ پیدا نہ ہوا۔ اور وہ بڑی خوشی سے منظور کر لی گئی ؎

اب نرائن راؤ نے دوبارہ اپنے راجپوت سرداروں۔ رشتہ داروں اور قوم کے تمام چھوٹے بڑے آدمیوں کو جمع کیا۔ اور ان سے دریافت کیا کہ اسوقت کون کون میرے ساتھ مرنے مارنے کی نیت سے بوندی کو تیار ہوتا ہے۔ سب نے متفق ہو کر بیان کیا۔ کہ راجپوت کی بات راجپوت کے سر کے ساتھ ہے۔ اور ہم سب آپ کے ساتھ مرنے مارنے کو تیار ہیں ؎

بہت تھوڑے آدمی اس سپاہیانہ کھیل کے لئے منتخب ہوئے۔ اور نرائن راؤ اس مختصر مگر مستقل مزاج راجپوتوں کے گروہ کو ہمراہ لیکر بوندی کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا۔ جو قابل ذکر ہو مگر شہر میں پہنچکر نرائن راؤ نے اپنے ساتھیوں کو محل کے باہر چھوڑا اور تن تنہا اندر چلا گیا۔ دونوں چچا اپنے عالیشان اور سجے ہوئے کمرہ میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ مگر بھتیجے کے خوفناک چہرے کو دیکھتے ہی ان کے ہوش اُڑ گئے وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھے اور دوسرے کمرہ میں جانا چاہا۔ مگر نرائن راؤ نے فوراً کھانڈا کھینچکر حملہ کیا۔ اور ایک ہی وار میں بڑے چچا کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔ دوسرے ہاتھ میں بھالا تھا۔ اس نے چھوٹے چچا کے پہلو کو چیر کر اسے بھی زمین پر لٹا دیا۔ اب کیا تھا

تمام محل میں آفت مچ گئی۔ نرائن راؤ کے ہمراہی تلواریں سونت گھس آئے۔ مگر افسروں کے قتل ہو جانے سے سب کی کمریں ٹوٹ چکی تھی۔ کسی نے بھی مقابلہ کے لئے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ اور نرائن راؤ بلا مزید خونریزی کے شہر بوندی پر قابض ہو گیا۔ وہ سنگین سل جس پر ٹمرقندی کے قتل کے وقت نوجوان ہاڈا یعنی نرائن راؤ کے کھانڈے کی ضرب پڑی تھی اب تک بھی نشانی کے طور پر بوندی میں موجود ہے اور دسہرہ کے دن ہر ایک راجپوت اُس دن کی یاد میں اس کی پوجا کرتا ہے ؂

نرائن راؤ بلا شبہ ایک بہادر اور منچلا راجپوت تھا۔ اور ان بہادروں میں سے تھا جو خوف کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ بلکہ مشہور ہے کہ خوف اور وہ دونوں بھائی تھے۔ اور وہ بڑا تھا اگرچہ وہ پچھلی عمر میں کثرت سے افیون کھانے لگ گیا تھا۔ اور حسب قول مصنف وقائع راجپوتانہ وہ سات پیسہ بھر افیون روز کھا جاتا تھا۔ مگر اس کی بہادری اور شجاعت میں مطلق کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ ہر وقت مخمور رہتا تھا۔ مگر وہ روایتیں جو اس کی بہادری کے بارے میں مشہور ہیں ثابت کرتی ہیں کہ اس نشے نے اسکی شجاعت کو کم کرنے کے بجائے اس میں اور بھی چار چاند لگا دیئے تھے۔ ایک دفعہ جب رانا رائے مل پر منڈو کے پٹھانوں نے حملہ کیا۔ تو نرائن راؤ بھی اپنی قوم کے جانثار راجپوتوں کو ہمراہ لے کر اس کی مدد کو گیا تھا۔ رستہ میں ایک جگہ وہ افیون کھا کر درخت کے سایہ میں لیٹا ہوا آرام کرتا تھا۔ اس کا منہ کھلا تھا اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ایک تیلی کی عورت کنوئیں پر پانی بھرنے کے لئے آئی۔ مگر جب اُسکو معلوم ہوا کہ یہ بوندی کا راجہ ہے اور رانا کی مدد کو جاتا ہے۔ تو اُس نے مسکرا کر کہا کہ اگر رانا ایسے مددگاروں کا محتاج ہے تو پھر اس کی حالت بہت ہی افسوسناک ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ نشئی آدمی کی اگرچہ آنکھیں بند ہوتی ہیں مگر کان تیز ہوتے ہیں۔ ہاڈا راؤ فوراً اُٹھ بیٹھا اور تیلن کو پکار کر کہنے لگا "رانڈ! یہ کیا کہا؟ ایک دفعہ ذرا پھر بھی کہنا" یہ بچاری خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی اور منہ سے بات نہ نکل سکی۔ نرائن راؤ کے ہاتھ میں لوہے کا ایک لٹھ تھا۔ اسکو ہاتھوں سے خم دیکر اس کے گلے میں بطور طوق پہنا دیا اور کہا کہ جب تک میں رانا کی مدد کر کے واپس نہ آؤں تجھے میری یہ نشانی گلے میں پہنی ہوگی۔ البتہ اگر تجھے کوئی شخص اس کے کھولنے والا مل جائے تو اس کو اُتار سکتا ہے۔ مگر کوئی شخص

شبیہ راؤ سوجا راؤ والئے بوندی



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دویم صفحہ ۵۳

بھی اس کو اتارنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور ہاڈاراؤ کی واپسی تک بچاری تیلن کو مجبوراً یہ بوجھ گلے میں اُٹھانا پڑا ؛

یہاں سے چل کر نرائن راؤ پہاڑی پیچدار راستوں سے گذرتا ہُوا ایکایک رات کے وقت بادشاہی لشکر پر حملہ آور ہوا اور غنیم کی فوج کو کاٹتا چھانٹتا سپہ دار کے خیمہ تک جا پہنچا مسلمان حیرت زدہ ہوکر بھاگ گئے اور میدان جنگ میں بوندی کا نقارہ بجنے لگا۔ طلوع آفتاب پر جب رائے مل کو معلوم ہوا کہ محاصرہ گیر فوج منتشر ہوگئی ہے۔ اور بوندی کے راجپوتوں نے اس کی عزت کا تحفظ کیا ہے تو اس نے تمام سرداروں کے ساتھ رئیس بوندی کا استقبال کیا۔ اور اسکی بڑی تعظیم و تواضع کی۔ اگرچہ یہ کثرت سے افیون خوری کا عادی تھا۔ مگر رائے مل نے اسکی بہادری اور جانبازی پر خوش ہوکر اپنی بھتیجی اس کے ساتھ منسوب کی۔ شادی کی رسومات بڑی دھوم دھام سے ادا ہوئیں۔ اور نرائن راؤ بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنی دارالریاست کو واپس ہُوا ؛

اب نرائن راؤ پر افیون کا نشہ سخت غالب آگیا تھا یہاں تک کہ ایک رات جب وہ صورت میں لیٹا ہُوا تھا اپنی کھجلی مٹانے کے لئے راجکماری کیتو کا جسم چھیل ڈالا۔ اور اس کی صورت بگاڑ دی۔ رانی نے کوئی حرف شکایت زبان سے نہ نکالا نہ اف تک کی۔ مگر صبح کو جب اس نے صورت دیکھی تو ازحد نادم ہُوا۔ اور افیون کا ڈبہ رانی کو سونپ دیا؛ نرائن راؤ نے ۳۲ برس تک راج کیا۔ اور امن وامان کی حکومت کر کے اپنے بیٹے سوجا راؤ کے لئے ایک وسیع ریاست چھوڑ کر دنیا سے چلدیا ؛

سوجا راؤ

سنہ ۱۵۰۹ء میں باپ کی وفات کے بعد سوجا راؤ بوندی کی گدی پر بیٹھا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا نڈر اور بے خوف حکمران تھا۔ اس کے ہاتھ گھٹنوں سے نیچے تک دراز تھے۔ اور یہ علامت راجپوتوں میں بڑی بہادری اور اولوالعزمی کی علامت شمار کیجاتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ پرتھی راج میں بھی یہ صفت موجود تھی ؛

سوجاراؤ کی ہمشیرہ سوجابائی کی شادی رانا رتنا سے ہوئی تھی۔ سوجاراؤ بھی اپنے باپ کی طرح افیون کہانے کا بہت عادی تھا۔ ایک دن وہ چتوڑ میں سویا ہُوا تھا۔ کہ میواڑ کے ایک سردار نے اس کے کان میں تنکا دیکر اس سے چھیڑ کی ہاڈا کو چھیڑنا گویا شیر کو چھیڑنا تھا اس نے چونک کر فوراً کھانڈے کا ہاتھ جھاڑا۔ اور سردار مذکور کے دو ٹکڑے کر دیئے مقتول سردار کا ایک بیٹا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا چاہا مگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ حیلہ کیا کہ رانا کو سوجاراؤ سے بدظن کر دیا اور کہا کہ وہ سوجابائی کی سازش سے رانا کو قتل کیا چاہتا ہے۔ اس بے بنیاد اشتباہ سے رانا کے دل پر کدورت چھا گئی اور خفیف تحریک سے وہ ہاڈاراؤ کا دشمن ہو گیا۔ ایک روز رانا اور راؤ دونوں رسوئی میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور سوجابائی محبت سے سامنے بیٹھی ہوئی شوہر اور بھائی کو مورچھل ہلا رہی تھی جس وقت کھانا ختم ہوا تو سوجابائی نے نہایت سادہ پن سے کہا۔ کہ سوجاراؤ نے شیر کی طرح بہت جلد اپنا کھانا کھا لیا ہے۔ مگر رانا بچوں کی طرح کھیلتا رہا ہے۔ صاف دل سوجھابائی کے یہ الفاظ بالکل درست تھے اور محض دلی محبت سے کہے گئے تھے اور یہ سچ بھی تھا کیونکہ ہاڈاراؤ عموماً اپنا کھانا جلدی کھا لیا کرتا تھا۔ اور رانا کو اکثر دیر ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن رانا نے اسکو خفیف کیا۔ اگرچہ اس وقت وہ زبان پر کوئی نا ملائم الفاظ نہ لایا۔ مگر اس کا یہ شک یقین کے درجہ تک پہنچ گیا کہ واقعی دونوں بہن بھائی کو رانا سے نفرت ہے ۞

کچھ دنوں کے بعد جب راؤ رخصت ہوا۔ تو رانا نے کہا کہ ہم بھی آنند بسنت کے موسم میں بوندی کے جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے آئیں گے۔ پھاگن کا خوشگوار مہینہ تھا اور رانا اور اس کے درباریوں نے بوندی کی طرف کوچ کیا۔ راؤ نے اُن کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور شکار کے لئے نانددتہ کا جنگل جو کہ چمبل کے مغربی کنارے کے قریب ہے تجویز ہُوا۔ یہاں خونخوار شیر سے لیکر خرگوش تک ہر قسم کے جانور بافراط پائے جاتے تھے۔ فوجیں تیار ہو کر حسب معمول شیر چیتہ۔ چرکھ۔ ہرن۔ بارہ سنگا اور خرگوش وغیرہ کا شکار کرنے لگیں۔ اس وقت رانا اور راؤ دونوں ایک مقام پر شکار کی انتظار میں کھڑے تھے۔ تنہائی کا عالم تھا اور دونوں کے پاس صرف ایک ایک ملازم تھا۔ رانا کے پاس اسی سردار کا بیٹا تھا۔ جسکو کہ راؤ نے چتوڑ میں قتل کیا تھا۔ اور وہ اپنے باپ کا بدلہ لینے

...ـہ بیتاب رہتا تھا۔ اگرچہ راؤ کو یہ بات بھول چکی تھی لیکن سردار کا بیٹا وقت کا
...ظر تھا۔ رانا نے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ اور کہا کہ اب سور مارنے کا وقت ہے اس
...فوراً راؤ پر تیر چلایا۔ مگر اس نے نہایت قادر اندازی سے کاٹ کر پھینک دیا۔ یہ پہلا تیر
...اتفاقیہ سمجھا جاتا۔ لیکن جب دوسرا تیر رانا کی طرف سے آیا۔ تو اس کو یقین ہو گیا کہ دغا
...مگر یہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ رانا نے فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کھانڈے کا ایک ہاتھ
...زخم کاری تھا راؤ چکر کھا کر گر گیا۔ مگر بہت جلد ہوش میں آکر اس نے زخم کو دوشالے
...باندھا۔ رانا نے گھوڑے کو ایڑ بتائی۔ مگر راؤ نے آواز دی کہ اگرچہ تم جان بچا کر نکل چلے
...مگر تم نے اپنی بزدلی سے میواڑ کی پیشانی پر داغ لگا دیا ہے۔ رانا نے یہ دیکھ کر کہ ابھی
...کا کام تمام نہیں ہوا۔ گھوڑا پھیر کر زخمی سوجا پر دوسرا وار کیا مگر جس وقت اس نے
...اٹھایا سوجا راؤ نے زخمی شیر کی طرح جست کر کے اس کو گھوڑے سے نیچے گرا لیا۔
...دونوں زمین پر آرہے۔ مگر رانا نیچے تھا۔ راؤ نے اس کی چھاتی پر گھٹنا ٹیک کر ایک ہاتھ
...اس کی گردن پکڑی اور دوسرے سے اسی کا کھانڈہ نکال کر اس کی چھاتی میں
...دیا۔ بہادر کا وار کب خالی جانے والا تھا۔ رانا نے اسی وقت تڑپ کر جان دیدی
...کی تشفی ہو گئی۔ مگر اس سے زیادہ اس میں بھی جان نہ تھی۔ رانا کی نعش پر اسکی نعش
...ٹھنڈی ہو کر رہ گئی!

جب یہ خبر بوندی میں راؤ کی ماں کو پہنچی کہ اس کا بیٹا مارا گیا ہے تو وہ یکایک پکار
...‘‘کیا راؤ تنہا مارا گیا؟ کیا اس نے دشمن سے انتقام نہیں لیا؟ جس لڑکے نے میری
...چھاتی سے دودھ پیا ہے وہ ہرگز اکیلا نہیں مارا جا سکتا’’ اس کلمہ کے ساتھ ہی محبت
...ی نے جوش مارا۔ اسکی چھاتیوں سے دودھ ٹپکنے لگا۔ اور حسب قول خوش اعتقاد
...ٹ کے یہ دودھ اگر پتھر پر گرتا تو اس کو پانی پانی کر دیتا۔

ماں کو قدرتی طور پر بیٹے کی موت کا غم ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس غم کی نسبت اسکو
...بات کا تعجب زیادہ تھا کہ بلا انتقام لئے وہ کس طرح فوت ہو گیا۔ اتنے میں دوسرا
...صد آیا اور اس نے خبر دی کہ راؤ اپنے قاتل کو بھی ساتھ ہی لیکر مرا ہے۔ اگرچہ یہ خبر
...راؤ کی ماں کے لئے کچھ کم غم افزا نہ تھی۔ کیونکہ رانا اس کا داماد تھا۔ مگر اس خبر سے
...کے دل کو تسلی ہو گئی۔ اور اس نے نہایت اطمینان سے کہا ‘‘اب مجھے اپنے بیٹے کی

موت کا کچھ افسوس نہیں رہا۔ اس نے ایک دلیر چھتری کی طرح اپنی جان دی ہے۔ اور
خون کا انتقام کسی دوسرے شخص پر نہیں چھوڑا۔"

اب ہر دو مقتول رؤسا کی عورتوں کا زندہ رہنا بھی ناممکن تھا اسی مقام پر جہاں
دردانگیز واقعہ ہوا تھا چتا تیار ہوئیں۔ ایک میں سوجا بائی اپنے شوہر کی لاش لے کر
میں سوجا راؤ کی بیوہ نے اپنے نازک اور ناز پروردہ جسم کو آگ کے شعلوں کے سپرد
پتی برت دہرم کا ثبوت دیا۔

اس واقعہ کو صدہا سال گذر چکے ہیں۔ مگر وہ دو مختصر عمارتیں جو اس پہاڑ
بنی ہوئی ہیں آج تک بھی دیکھنے والوں کو ایک دفعہ اس واقعہ کی یاد دلا جاتی ہیں
سمت ۱۵۹۱ میں سرتان راؤ مسند نشین ہوا۔ اس نے مشہور سکتا بانی خاندان
میواڑ کی دختر سے شادی کی۔ مگر انجام کار وہ دیوانہ ہوگیا۔ اس لئے اس کی جگہ
راؤ کا بیٹا مزبدہ مسند نشین کیا گیا۔ اور اس کے بعد اسکا بیٹا ارجن راؤ گدی پر بیٹھا
بہادر راجپوتوں میں بدلہ لینے کے بعد عداوت بالکل رفع ہوجانے کے ثبوت
سے بہتر اور کیا مل سکیں گے۔ کہ ارجن راؤ نے اپنی مسند نشینی کے تھوڑے دنوں
اپنے ہمراہیوں کے اس رانا کے بیٹے کی خدمت کی جس نے اس کے متقدم کو مارا تھا
یہی راؤ ارجن تھا۔ جو بہادر شاہ والئے گجرات کے حملہ کے وقت چتوڑ کے برج میں
گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت سرنگ کے ساتھ دیوار کے ٹکڑے پر بیٹھا ہوا اوڑا تو
کے ہاتھ میں اُس وقت بھی برہنہ شمشیر تھی۔ اس نظارہ کو کل حاضرین نے نہایت
حیرت سے دیکھا!!!

راؤ بھوج

مغلیہ خاندان میں اکبر سب سے بڑھ کر دانا اور مردم شناس بادشاہ گذرا ہے۔
ابتدا میں اسکو راجپوتوں سے نفرت تھی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ بغیر انکو ہا
اس کی سلطنت کا استحکام مشکل ہے۔ تو اس نے ان کو قابو میں لانے کے مسائل

کرنا شروع کیا اول اول تو وہ بادشاہی جبروت کو کام میں لایا۔ لیکن اس کو بہت جلد اس بات کا تجربہ ہوگیا۔ کہ راجپوتوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرلینا بھی نقصان کے برابر ہے۔ پس اس نے یہ بھی پولیسی کھیلی کہ راجپوتانہ کے بہت سے راجوں اور رئیسوں کو اپنے درباریوں میں شامل کیا۔ ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے گئے اور جب کبھی ضرورت ہوئی تو راجپوت راجہ کے مقابلہ پر راجپوت سردار کو ہی روانہ کیا گیا۔ اکبر کی اسی پالیسی نے اس کو بہت کچھ کامیابی دکھلائی اور یہ تجویز اس کی ترقی کا خاص معیار بن گئی ؎

بوندی کے سرداروں نے بھی اپنی شجاعت اور دلیری کے باعث خاص شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ اور اس کا تجربہ اکبر کو خود سلونت سنگھ[1] کی جانبازی سے رنتھمبور کے قلعہ پر ہو چکا تھا ؎

ان تمام راجپوت سرداروں میں جنہوں نے اکبر کی فتوحات میں بڑے بڑے نمایاں کام کئے تھے۔ راؤ بھوج والئے بوندی بھی شامل تھا ؎

---

[1] شیر شاہی خاندان کے اخراج پر سلونت سنگھ کی کوششوں سے رنتھمبور کا قلعہ سرجن راؤ والئے بوندی کے قبضہ میں آگیا تھا جسکے عوض میں سرجن راؤ نے اس کو شہر کے قریب ہی ایک بڑی جاگیر عنایت کی اور اس کا نام بھی اس کار نمایاں سے شہرت پکڑ گیا ؎

اکبر نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی توجہ اس قلعہ کی طرف مبذول کی اور بوندی کے راجہ سرجن راؤ پر حملہ کیا۔ اکبر خود اس حملہ میں فوج کے ساتھ تھا لیکن عرصہ تک بلا امید کامیابی کے محاصرہ کئے پڑے رہے۔ آخر کار مان سنگھ والئے امیر نے جو اس موقعہ پر بادشاہ کے ہمرکاب تھا سرجن راؤ سے ملاقات کی درخواست کی۔ راجپوت کے لیئے اس درخواست کا رد کرنا محال تھا۔ چنانچہ مان سنگھ قلعہ میں گیا مگر جاتے ہوئے اکبر کو بھی بھیس بدلوا کر اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اثنائے تقریر میں راؤ کے چچا نے بادشاہ کو پہچان لیا۔ اگر کوئی آجکل کی مہذب قوم ہوتی تو اکبر اگر قتل نہ کیا جاتا تو گرفتار تو ضرور ہو جاتا مگر راجپوتوں کے لیئے یہ امران کی شان کے خلاف تھا کہ وہ گھر میں آئے ہوئے دشمن کے ساتھ اس طرح پیش آئے سرجن راؤ نے اس کی بڑی عزت کی بلکہ گدی پر بٹھلا کر خود علیحدہ ہو بیٹھا اگرچہ اول میں افشائے راز کے خوف سے اکبر کانپ اٹھا مگر چونکہ وہ راجپوتوں کے طریق سے واقف تھا اس نے اوسان درست کرکے سرجن راؤ سے پوچھا کہ آپ کیا کروگے؟ راؤ نے مسکرا جواب دیا کہ جو کچھ بادشاہ کی مرضی ہو۔ چنانچہ مان سنگھ نے درمیان پڑ کر صلح کے لئے راضی کرلیا۔ اگرچہ آج تک بوندی کے راؤ بالکل خود مختار تھے اور اس صلح میں ایک طرح پر خواہ وہ برائے نام ہی تھا اکبر کے ماتحت ہونا پڑا۔ مگر صلح کی شرائط جو تجویز کی گئیں وہ تمام تر رئیس بوندی کے حق میں تھا۔ اکبر نے بائیں اضلاع کی حکومت خود اختیاری رئیس بوندی کو

دہلی کی جگہ آگرہ کو دارالسلطنت منتقل کرنے کے بعد جب اکبر نے گجرات پر فوج کشی کی تو اس منتخب فوج میں زیادہ تعداد راجپوتوں کی ہی تھی اور انکا افسر اعلیٰ راؤ بھوج قرار پایا تھا۔ سورت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) عطا کی اور اس کے علاوہ راؤ کی پیش کردہ حسب ذیل نو شرطوں کو بھی منظور کیا۔ (۱) بوندی کے رئیسوں کو بادشاہ کے ساتھ رشتہ داری کرنے کیلئے ہرگز مجبور نہ کیا جائیگا۔ (۲) محصول جزیہ سے معاف رہیں گے۔ (۳) رؤسا بوندی کو اٹک عبور کرنیکا حکم نہ ہوگا۔ (۴) سرداران بوندی اپنی مستورات کو نوروز کے تیوہار پر مینا بازار میں بھیجنے سے معاف رہیں گے۔ (۵) وہ دیوان عام میں بالکل مسلح جاسکیں گے۔ (۶) ان کے متبرک مقامات ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ (۷) وہ کبھی کسی ہنود رئیس کے محکوم نہیں کیے جائیں گے۔ (۸) ان کے گھوڑوں کو بادشاہی داغ نہیں لگایا جائیگا۔ (۹) ان کا نقارہ دارالسلطنت کے بازاروں میں لال دروازہ تک بجتا رہیگا۔ اور وہ دربار میں حاضر ہونے کے وقت سجدہ کے لئے کبھی مجبور نہیں کئے جائینگے

یہ تمام شرطیں رئیس بوندی کے حق میں تھیں اور ان کے عوض میں صرف قلعہ رنتھمبور خالی کر دینا قرار پایا۔ لیکن جب بادشاہی سپاہ قبضہ قلعہ کے لئے گئی تو سلونت سنگھ قلعہ دار نے صاف انکار کر دیا کہ اگرچہ راؤ نے قلعہ بادشاہ کو دیدیا ہے اور میں بھی اس کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا۔ لیکن میں جیتے جی قلعہ کی کنجیاں غنیم کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا اگر ہماری نعشوں پر سے گذر کر قلعہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سلونت سنگھ اور اس کے تمام رشتہ داروں نے فوراً کیسری کپڑے پہنے ہمراہیوں نے بھی انکی تقلید کی۔ بادشاہی لشکر کے مقابلہ میں انکی بساط ہی کیا تھی لیکن بہادروں نے جانیں دینی قبول کیں۔ مگر اپنے فرض سے منہ موڑنا راجپوتی شان کے برخلاف سمجھا۔ وہ قلعہ کی حفاظت پر متعین تھے اس لئے مرتے دم تک اس کی حفاظت کرتے رہے ؛

چنانچہ اس وفاداری کے اظہار سے پہلے ایک مینار تعمیر کرایا گیا۔ اور اس پر یہ عبارت کندہ کرائی۔ کہ جو کوئی اصل ہاڈا رنتھمبور کے قلعہ پر چڑھے اپنی زندگی میں اس کو نہ چھوڑے ؛

اُس دن سے جو کوئی ہاڈا اس قلعہ کی طرف جاتا ہے اس وقت کو یاد کر کے ادھر سے منہ پھیر کر نکلتا ہے۔ بڑی بات جو اس واقعہ کے بعد ہوئی یہ تھی کہ اس دن سے ہاڈوں کا تعلق میواڑ سے بالکل قطع ہو گیا۔ ور بوندی کے راؤ یا راجہ کہلانے لگے ؛

اس کے بعد سرجن راؤ فوج کا افسر مقرر کر کے گونڈوانہ کی تسخیر کے لئے بھیجا گیا۔ اور اس نے حملہ کر کے انکو فتح کیا اور اپنی فتح کی یاد میں سرجن پول دروازہ تعمیر کرایا۔ اور گونڈ کے افسروں کو قید کر کے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ اور پھر فیاضی سے ان کی سفارش کر کے کسی قدر ملک دلوا کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس حسن خدمت کے صلہ میں بادشاہ نے بنارس اور چنار وغیرہ کے سات اضلاع دیگر عطا کئے ؛

اب راؤ سرجن نے بنارس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اور وہاں رہ کر شہر کو بڑی رونق دی اس نے چوراسی

محاصرہ میں راجپوتوں نے بڑے بڑے معرکے مارے مگر آخری لڑائی میں راؤ بھوج نے جب فوج دشمن کے افسر کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور پوچھا کہ کیا انعام چاہتے ہو۔ راؤ نے مسکرا کہا کہ مجھے برسات کے موسم میں کبھی ریاست سے طلب نہ کیا جایا کرے

اس لڑائی کے علاوہ کئی دیگر موقعوں پر رئیس بوندی نے اپنی بہادری اور شجاعت کا نمایاں ثبوت پیش کیا۔ چنانچہ احمد نگر کی فتح میں بادشاہ ایسا خوش ہُوا تھا کہ راؤ بھوج کو اپنے خاصہ کا ہاتھی انعام میں دیا اور حملہ کے مقام پر ایک برج تعمیر کرا کر اس کا نام بھوج برج رکھا یہ وہی لڑائی تھی۔ جبکہ احمد نگر کی حکمران چاند بیگم معہ دیگر سات سو مسلح عورتوں کے بڑی بہادری سے لڑتی ہوئی ماری گئی تھی ؎

مشہور بیگم جودہ بائی کے انتقال پر اکبر نے تمام دربار کو ماتم کرنے کا حکم دیا اور اعلان کر دیا کہ اپنے آقا کے غم میں شریک ہونے کے لئے تمام راجپوت سردار اور مسلمان افسر ڈاڑھی مونچھیں مونڈا دیں۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے شاہی حجام متعین ہوئے۔ مگر جب رئیس بوندی کے مکان پر پہنچے تو اس نے ان کو مار کر نکلوا دیا۔ راؤ بھوج کی شجاعت اور بادشاہ کی قدردانی نے دربار میں ہی اس کے بہت سے حاسد پیدا کر رکھے تھے انہیں یہ موقعہ ہاتھ آگیا۔ حجاموں کی مار پیٹ کے علاوہ بادشاہ کے روبرو یہ بھی بیان کیا گیا کہ رئیس بوندی نے بیگم مرحوم کو بھی بہت کچھ برا بھلا کہا ہے۔ اور گالیاں دی ہیں ؎

حکومت کا نشہ بھی ایک عجیب نشہ ہوتا ہے۔ اکبر نے اپنے خیرخواہ رفیق کی گذشتہ خدمتوں کو بھول کر حکم دیا کہ راؤ بھوج کو زبردستی پکڑ کر اور باندھ کر مونچھیں مونڈی جائیں ہاڑا کو چھیڑنا گویا شیر کو چھیڑنا تھا۔ فوراً کل ہاڑا یکبارگی مسلح ہو کر آمادہ جنگ ہو گئے کل لشکر میں کھلبلی مچ گئی اور قریب تھا کہ کشت و خون کا بازار گرم ہو جائے۔ مگر بادشاہ اپنی حماقت پر پشیمان ہو کر خود رئیس بوندی کے ڈیرہ پر گیا۔ اس نے ہاڑوں کی تعریف کی اور ہاتھی سے اُتر کر خود بھوج سے معذرت چاہی۔ راؤ نے جواب دیا کہ میرے جیسا سور کھانے والا آدمی بیگم کے ماتم میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اکبر اس کے اسی عجز پر قناعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) عمارتیں مفید عالم اور بہیں گھاٹ تعمیر کرائے اور اس کی فیاضی اور دانشوری سے اہل ہنود کو بہت بڑا فائدہ پہنچا۔ راؤ سرجن کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ اسکے علاقہ میں ہر شخص اپنے جان و مال کو محفوظ سمجھتا تھا آخر کار بنارس میں ہی اس کا انتقال ہُوا۔ اور اس کے تین بیٹے راؤ بھوج۔ دودا اور رائے مل تھے ؎

کر کے اس سے بغلگیر ہوا۔ اور بمنت اپنے ڈیرہ پر لے گیا ؂

تاریخ بوندی کے اسی مقام پر لکھا ہے کہ اکبر نے راجہ مان سنگھ والئے امیر کو زہر دیکر مارنا چاہا۔ اور اس مطلب کے لئے مٹھائی میں زہر ملایا گیا۔ کچھ مٹھائی خالص رکھی گئی تھی۔ تاکہ مان سنگھ کا شک رفع کرنے کے لئے اس کے سامنے خود بھی اس کا استعمال کرے۔ مگر جاہ کنندہ راچاہ درپیش خالص مٹھائی تو مان سنگھ کو دی گئی اور زہر آلودہ جسے نے بادشاہ کا کام تمام کیا ؂

اکبر کی وفات کے بعد راؤ بھوج اپنے موروثی ملک کو چلا گیا۔ اور باقیماندہ زندگی کے ایام نہایت خوشی میں بسر کر کے تین فرزند راؤ رتن۔ ہردے نارائن اور کیشوداس چھوڑ کر دنیا سے رحلت کر گیا ؂

راؤ رتن

اب ہندوستان کا بادشاہ جہانگیر تھا اس نے اپنے بیٹے پرویز کو دکھن کی حکومت پر مقرر کیا اور شہر برہان پور میں اس کو مسند نشین کر کے شمال کو واپس آیا۔ مگر شہزادہ خورم نے اپنے بھائی سے حسد کر کے اسکو مار دیا اور اس کے قتل کے بعد باپ کو تخت سے اُتارنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ وہ امیر کا بھانجہ تھا۔ اس لئے راجپوت اس کی حمایت پر تھے مفسدہ عظیم برپا ہوا اور بائیس راجہ ایک طرف تھے۔ مگر راؤ رتن نے اس وقت بھی بادشاہ کی رفاقت نہ چھوڑی۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں مادہو سنگھ اور ہری کو لیکر برہانپور گیا اور ایک سخت جنگ کے بعد جو کاتک سدی ۱۵ سمت ۱۶۳۵ میں ہوئی۔ باغیوں پر فتح کلی حاصل کی۔ اس جنگ میں اس کے دونوں بیٹے سخت مجروح ہوئے۔ اور اس حسن خدمت کے صلے میں بادشاہ نے اس کو برہانپور کی حکومت عطا کی۔ اور اس کے بیٹے مادہو سنگھ کو کوٹہ شہر معہ تعلقات بادشاہی بلا تعارف مرحمت ہوا ؂

اپنے زمانہ حکمرانی برہانپور میں راؤ رتن نے ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام رتن پور رکھا انہی دنوں میں دریاؤ خاں نامی ایک مفسد سردار نے ملک میں فساد اور غارتگری شروع کی۔ مگر راؤ رتن نے اس پر حملہ کر کے اسکو شکست دی۔ اور گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لیگیا

شبیہہ راجہ چترسال والئے بُوندی



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۶۱

اس مہم کے عوض میں بادشاہ نے اس کو نوبت خانہ زرد نشان سواری میں آگے چلنے کے واسطے اور سرخ جنڈہ لشکر کے واسطے عطا کئے۔ راؤ رتن نے اس قدر ہر دل عزیزی حاصل کی تھی کہ صرف راجپوت ہی نہیں بلکہ تمام ہندو اس کی عزت اور تعظیم کرتے تھے۔ ہاڈا یہ فخریہ کہتے ہیں کہ جہاں اُن کا ڈیرہ ہوا کوئی مسلمان گاؤکشی نہ کرسکا ؛

آخر کار رتن سین ایک ایسا نام چھوڑ کر جس کی بہادری اور سخاوت میں کل ہاڈا قوم کو ناموری ہے ایک لڑائی میں مارا گیا ؛

راؤ رتن کے چار بیٹے تھے۔ اوّل گوپی ناتھ دوئیم مادھو سنگھ جو کوٹہ کا مالک ہُوا۔ سوئیم ہری جی جو گوگور میں رہا۔ چہارم جگناتھ جو لاولد تھا ؛

گوپی ناتھ اپنے باپ کی حیات میں ہی مارا گیا تھا۔ اس کے مرنے کی کیفیت بھی قابل ذکر ہے مشہور ہے کہ ہلایہ نسل کے کسی برہمن کی عورت پر فریفتہ ہو کر ایک رات وہ کمند ڈالکر اس کے گھر میں چلا گیا۔ برہمن نے اسکو گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور سیدھا محل میں جاکر راؤ سے کہا کہ مینے ایک سارق کو اپنی عزت چُراتا ہُوا پکڑا ہے۔ اس جرم کی سزا کیا ہے۔ راؤ نے جواب دیا کہ اسکو اسی جگہ قتل کردو۔ برہمن گھر میں آیا۔ اور ہتھوڑے سے اس کے سر کو پھوڑ کر اس کی نعش شارع عام میں پھینک دی۔ لوگوں نے راؤ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ مگر اس نے کہا کہ وہ میرے ہی حکم سے مارا گیا ہے وہ ناشائستہ حرکت کا مرتکب ہُوا تھا۔ پس اس کے لئے ایسا ہی ہونا ضروری تھا ؛

راؤ رئیس ذی

چھتر سال

اب چھتر سال اپنے دادا کی جگہ مسند نشین ہُوا۔ اور شاہجہان نے اسکی مسند نشینی کو منظور کیا۔ جب شاہجہان نے سلطنت کو چار صوبوں میں منقسم کرکے اپنے چاروں بیٹوں دارا اورنگ زیب۔ شجاع اور مراد کو حاکم مقرر کیا۔ تو راؤ چھتر سال نے دکن میں اورنگ زیب کے ساتھ شامل ہو کر کل معرکوں میں بڑی نیکنامی اور شہرت حاصل کی۔ خصوصاً دولت آباد اور بیدر کے حملوں میں اس کی بہادری کی دھاک بندھ گئی۔ بیدر کے حملہ میں چھتر سال

خود حاکم تھا۔ اس نے اس مقام کو بڑی شجاعت سے فتح کیا اور وہاں کی فوج کو غارت کر
عین اس موقعہ پر شاہجہان کے مرنے کی خبر (غلط خبر) پہنچی چونکہ اورنگ زیب
نے بیس یوم تک دربار موقوف کر دیا تھا۔ بلکہ پرائیویٹ طور پر بھی کسیکو نہ ملتا تھا۔ اسلئے
سب کو بادشاہ کی موت کا یقین ہوگیا۔ اس وقت اکیلا داراشکوہ دربار میں موجود تھا اور غیر
حاضر بھائیوں میں سے سب نے سلطنت کے لئے قسمت آزمائی کرنی چاہی۔ شجاع نے
بنگالہ سے کوچ کیا۔ اورنگ زیب نے دکن کو چھوڑنے کی تیاری کی۔ مگر مراد کو حیلہ سے معہ فوج
کے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ اور کہا کہ دارا کافر ہے شجاع لا مذہب ہے۔ اور میں فقیر ہوں پس
چاروں بھائیوں میں سے صرف تم ہی حکمرانی کے قابل ہو۔ اور میں ہمہ تن تمہاری مدد کرونگا
شاہجہان کو بھی اورنگ زیب کے مفسدانہ منصوبوں کی خبر پہنچی۔ اور اس نے خفیہ طور پر
چھترسال کو بلا بھیجا۔ چھترسال نے فوراً روانگی کی تیاری کی۔ اورنگ زیب نے سبب دریافت کر
اور کہا کہ جلدی کیوں کرتے ہو میں بھی عنقریب تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔ مگر چھترسال نے
فرمان دکھا کر جواب دیا کہ ہمارا فرض ہے کہ جو شخص تخت پر ہو۔ اس کے حکم کی تعمیل کریں
اورنگ زیب نے زبردستی چھترسال کو روکنا چاہا۔ مگر اس نے ازراہِ دوراندیشی تمام سامان
پیشتر ہی روانہ کر دیا تھا۔ اب کل راجپوت رؤساء کو جو اس کے ہمراہی تھے کوچ کا حکم دیا
اورنگ زیب کو روکنے کی ہمت نہ پڑی۔ اور چھترسال نے بوندی میں آکر اول اپنے گھر کا
بندوبست کیا۔ اور پھر ضعیف العمر بادشاہ کی دستگیری کے واسطے دارالخلافہ میں داخل ہوا
جس کی سلطنت بلکہ زندگی تک بھی نا[illegible] کی سرکشی سے خطرہ میں تھی۔

اگرچہ اس وقت شاہجہان کی حالت قابل رحم اور افسوس تھی۔ مگر گذشتہ حالات
نظر کرنے سے کہ اس نے بھی وہی کام کیا تھا جو کہ اب اورنگ زیب نے کیا یہ افسوس بیجا
معلوم ہوتا ہے۔ شاہجہان تو اپنے بھائی پرویز کو مار کر اپنے باپ سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوا
تھوڑے دنوں کے بعد فتح آباد کی لڑائی ہوئی اور اورنگ زیب فتحیاب ہوا۔ چھتر
اس فوج میں جو جسونت سنگھ کے ماتحت اورنگ زیب کے مقابلہ کے لئے جمع ہوئی تھی
شامل نہ تھا یہ ایک تعجب افزا امر ہے مگر اس کا باعث شاید عہدنامہ کی وہ شرط تھی جس
سرجن راؤ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ کبھی کسی ہندو سردار کی ماتحتی میں کام نہیں کریں گے
البتہ کوٹہ کا خاندان جو اس وقت بوندی سے علیحدہ ہو گیا تھا اس شرط کا پابند نہ رہا۔ کیونکہ

سی میدان میں رئیس کوٹہ کے چاروں بھائی قتل ہوئے تھے ؛

قبل اس کے کہ اورنگ زیب اپنے باپ سے تخت چھینے اسکو داراشکوہ سے لڑنا پڑا۔ دارا نے تمام راجپوتوں کو جو وفاداری میں ثابت قدم رہے تھے۔ دہولپور کے مقام پر جمع کیا۔ رئیس بوندی معہ اپنے بھائی بندوں کے زعفرانی پوشاک میں دارا کا ہرادل تھا۔ مگر جو حال دارا کا سکندر کے مقابلہ پر ہوا تھا۔ وہی اس دارا کا بھی ہوا۔ اس وقت کے رواج کے مطابق یہ لازمی تھا کہ افسران شاہی فوج کو نظر آتے رہیں۔ اس لئے دارا ہاتھی پر سوار ہوا۔ مگر عین لڑائی کے وقت، وہ یکایک غائب ہوگیا۔ فوج حیرت زدہ ہوکر بھاگنے لگی۔ مگر عالی حوصلہ ہاڈا نے اس پُر ملال موقعہ پر اپنے سرداروں سے مخاطب ہوکر کہا۔ بزدلوں کو بھاگنے دو وقت پر بے وفائی کرنا لعنتیوں کا کام ہے۔ راجپوت کا قدم سوائے فتح یا موت کے میدان جنگ سے کبھی نہ اُٹھنا چاہیئے ؛

یہ کہکر چتر سال ہاتھی پر سوار ہُوا مگر وہ گولہ کھاکر پیچھے کی طرف بھاگا۔ راؤ اس پر سے کودا اور گھوڑا طلب کرکے پکارا "افسوس! ہاتھی نے بھی پشت دکھادی لیکن میں نہیں دکھاؤنگا" اسکے بعد گھوڑے پر سوار ہوکر اور اپنے آدمیوں کو جمع کرکے چتر سال نے مراد پر حملہ کیا مگر گولی پیشانی میں لگی اور گر گیا! اس کا چھوٹا بیٹا بھرت سنگھ بھی ساتھ تھا یہ بھی برابر غنیم کے مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ اور بہت سے سرداروں کے ساتھ اسی کھیت میں کام آیا۔ اسی طرح چتر سال کا بھائی مکھم سنگھ معہ اپنے دونوں بیٹوں کے اور اس کا بھتیجا اُودے سنگھ بھی کمال وفاداری سے جان بحق ہوئے۔ غرضیکہ کم سے کم بارہ رئیس ذی رُتبہ نے اپنی جانیں شاہجہان کے بدلے تصدق کیں۔ راؤ چتر سال بذات خاص باون لڑائیوں میں لڑا تھا۔ اس کا نام دلیری اور وفاداری میں مشہور ہے۔ اس نے محل بوندی میں ایک عالیشان مکان مقام چتر محل اضافہ [illegible] دی۔ اور پاٹن کا مندر کیشورائے اسی کے حکم سے تعمیر ہُوا ؛

اورنگ زیب نے تخت حاصل کرنے کے بعد اپنا کل غضب جو چتر سال پر تھا اس کے جانشین راؤ بہادر سنگھ پر نازل کیا اور آتمارام گوڑ رئیس شیوپور کو ہاڈوں کے مغلوب کرنے اور بوندی کو رنتھمبور کے علاقہ میں شامل کرنے کے لئے متعین کیا۔ آتمارام بارہ ہزار سپاہ کی جمعیت لیکر ہاروتی میں گیا اور علاقہ کو تباہ و ویران کرنا شروع کر دیا مگر ہاڈوں نے جمع ہوکر گونزوہ کے مقام پر اس کا مقابلہ کیا اور ایک فاش شکست دیکر ملک سے نکال دیا

یہاں تک کہ بادشاہی نشان اور اس کا کل مال و اسباب ہاڈوں کے ہاتھ آیا۔ مگر اس پر بھی قناعت نہ کرکے انہوں نے شیوپور کو جا گھیرا۔ آفت زدہ آتمارام بحالت خستہ دربار میں پہنچا۔ اور کل کیفیت بیان کی۔ اب اورنگ زیب کی بھی آنکھیں کھلیں۔ اور اس کو معلوم ہوا کہ ہاڈوں کو مطیع کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چنانچہ فوراً بہادر سنگھ کے نام معافی قصور کا پروانہ بھیجکر دربار میں طلب کیا ؛

بہادر سنگھ نے اول تو دربار میں جانے سے انکار کیا۔ لیکن جب متواتر پیغام صفائی پہنچے تو وہ بلا خوف بادشاہ کے پاس آیا۔ اور اورنگ آباد کی سند لے کر بہ عزت تمام اپنے ملک کو واپس ہوا ؛

بہادر سنگھ نے سمت ۱۷۲۸ میں وفات پائی۔ چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس کے بھائی بھیم سنگھ کا پوتا انوراؤ سنگھ مسند نشین ہُوا۔ جسکو اورنگ زیب نے بھی خوشی سے منظور کیا اور ایک گران بہا خلعت کے ساتھ اپنی خاص سواری کا گج گوٹہ نامی ہاتھی اس کو بھیجا ؛

انوراؤ سنگھ نے دکن کی مہم میں اورنگ زیب کے ساتھ بڑے کارنمایاں کئے۔ اور ایک دفعہ حرم سرا کی بیگمات کو دشمنوں سے بچا کر بڑی خیر خواہی کی۔ جسپر بادشاہ نے اس کی بہادری سے خوش ہو کر پوچھا کہ تم کیا انعام چاہتے ہو بہادر ہاڈا کی درخواست بھی بہادرانہ تھی اس نے التجا کی کہ حملہ کے وقت اس کی فوج ہمیشہ سب سے آگے رہے۔ چنانچہ بیجاپور کے محاصرہ میں اُس نے بڑی نیکنامی اور شہرت حاصل کی ؛

انوراؤ سنگھ کے وقت میں درجن سنگھ نامی ایک سردار نے کسی بات پر ناراض ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے رشتہ داروں کو جمع کرکے بوندی پر قبضہ جا کیا۔ مگر راؤ سنگھ نے اسکو شکست دیکر بوندی سے خارج کیا ؛

بوندی کا معاملہ طے کرکے اس نے مسند نشینی کا ٹیکہ اپنے بھائی بلوں والہ کی پیشانی پر دیا۔ اور خود بشن سنگھ والئے امیر کے ساتھ ملک شمالی کے انتظام کے لئے چلا گیا اور اسی جگہ اس کا انتقال ہُوا ؛

بُدھ سنگھ

انوراؤ کے دو بیٹے تھے بدھ سنگھ اور جودھ سنگھ۔ بُدھ سنگھ اپنے باپ کی جگہ ریاست اور نوکری میں باپ کا جانشین ہُوا ؀

تھوڑے دنوں کے بعد اورنگ زیب جس نے اورنگ آباد میں اپنی بود و باش اختیار کی تھی سخت بیمار ہوگیا۔ حالت نزع میں سرداروں نے تخت نشینی کی بابت دریافت کیا تو اس نے جواب دیا "تخت نشینی خدا کے اختیار میں ہے مگر میری مرضی یہ ہے۔ کہ میرے بعد میرا بیٹا بہادر شاہ تخت نشین ہو مگر اندیشہ ہے کہ شہزادہ اعظم بزور بازو تخت نشین ہونے میں کوشش کریگا" چنانچہ جیسا بادشاہ نے کہا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ اعظم شاہ نے دکن کی فوج کی مدد سے اپنے بڑے بھائی سے سلطنت کا دعویٰ کیا۔ دہولپور کے میدان میں لڑائی کے لئے فوجیں جمع ہوئیں ؀

بہادر شاہ نے اپنے کل وفادار سرداروں کو جمع کیا۔ بدھ سنگھ والئے بوندی اسوقت عین عالم شباب میں تھا۔ اور عین اسی موقعہ پر اس کے بھائی جودھ سنگھ کے مرنے کی خبر موصول ہوئی تھی۔ جس پر بہادر شاہ نے اسکو بوندی میں جاکر رسمیات ادا کرنے کی اجازت دی۔ مگر اس نے جواب دیا "بوندی جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ دہولپور کا میدان وہی مقام ہے جہاں پر میرے بزرگوں نے اپنا خون بہاکر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے پس میں بھی ایسی نازک حالت میں بادشاہ کو چھوڑ کر جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ جس طرح میرے بزرگ چترسال نے اس مقام پر شہرت حاصل کی تھی۔ میں بھی کروں گا اور عنایت ایزدی سے میری فوج دشمن پر غالب آکر ضرور فتح حاصل کریگی" ؀

الغرض شاہ عالم لاہور سے روانہ ہُوا۔ ادہر سے اعظم شاہ بھی معہ اپنے بیٹے بیدار بخت کے آگے بڑھا اور دہولپور کے قریب مقام جاجو پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا؀ یہ لڑائی بھی راجپوتانہ کی بڑی بڑی خونریز لڑائیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ نزع اس قسم کا نہ تھا جیسا کہ وارثان دہلی کے درمیان پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا تھا بلکہ اس موقعہ پر راجپوتانہ کے تمام بہادر گروہ ایکدوسرے کے مخالف جمع ہوگئے

تھے۔ روسائے کوٹہ اور دتیہ مدت تک شہزادہ اعظم کے ساتھ دکن کی مہمات میں مص
رہے تھے اس لئے اس موقعہ پر بھی انہوں نے اسکا ساتھ دیا مگر بوندی کے راؤ بدھ
نے اورنگ زیب کی وصیت کے مطابق جائز وارث شاہ عالم کی مدد میں تلوار اُ
رام سنگھ والئے کوٹہ تو محض اس نیت سے شہزادہ اعظم کا مددگار ہوا تھا کہ وہ اس
کامیابی پر ہاڑوں کا سرگروہ تصور کیا جائیگا چنانچہ لڑائی شروع ہونیسے پہلے اس نے بدھ
بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ یہ سچ ہے کہ جس شخص کی بہادری نے
کو تخت نشین کرایا وہ اکیلا بدھ سنگھ ہی تھا ؛

اس لڑائی میں سب سے زیادہ صدمہ راجپوتوں نے اُٹھایا۔ کوٹہ کا رئیس رام
اور دلیپ والئے دتیہ دونوں توپ کے گولوں سے مارے گئے اور اعظم شاہ اور اس
بیٹے بیدار بخت نے بھی اُسی میدان میں ہلاک ہو کر اپنے دعوائے تخت کو ختم کیا ؛

شاہ عالم نے اس خیر خواہی اور جانفشانی کے عوض میں بدھ سنگھ کو راؤ راجہ کا
عطا کیا اور اپنے خاص مقربوں میں داخل کر کے اس کی خیر خواہی کا کافی صلہ دیا
مرتے دم تک اس پر ویسی ہی مہربانی کی نظر رہی ؛

شاہ عالم کے بعد جب فرخ سیر تخت پر بیٹھا اور سیدوں نے زور پکڑ کر بادشاہ کو
سے خارج کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی بدھ سنگھ نے اپنی قدیم وفاداری سے ا
بچانے کی کوشش کی۔ اور اسی فساد میں اس کا چچا جیت سنگھ اور چند دیگر معزز
صحن قلعہ میں مارے گئے ؛

جاجئو کے میدان میں رام سنگھ کے مارے جانے سے کوٹہ اور بوندی کے رئیسوں
مخالفت پیدا ہو گئی تھی اب اس کو رام سنگھ کے بیٹے بھیم سنگھ نے پھر تازہ کیا۔ اور
کے ساتھ شامل ہو کر بدھ سنگھ سے بدلہ لینے کے سامان کرنے لگا۔ چنانچہ ایک دن
قلعہ کے نیچے جبکہ وہ عالم بے خبری میں گھوڑا پھیر رہا تھا اس پر حملہ کیا اگرچہ وہ اس
بچ گیا مگر اسکو یقین ہو گیا کہ اب فرخ کی حالت ایسی نازک ہو گئی ہے کہ وہ کسی صورت
سیدوں کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا۔ چنانچہ چند یوم کے بعد فرخ سیر قتل ہوا۔ اور سلطنت
میں ابتری پھیل جانے کی وجہ سے اور سیدوں کی حکومت سے خائف ہو کر تمام را
اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے ؛

بدھ سنگھ بھی جے سنگھ والئے امیر کے ساتھ امیر کو گیا تھا اور چونکہ جے سنگھ کے بھائی بجے سنگھ کی دختر اس سے بیاہی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ مہمان نوازی اور رشتہ داری کے اعتبار پر امیر میں مقیم تھا مگر جے سنگھ کا یہ پورا ارادہ تھا کہ جس طرح ہو بوندی کو اپنا ماتحت بنایا جائے۔ چنانچہ اس موقعہ کو اس نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ایک عمدہ موقعہ تصور کیا۔ اور بدھ سنگھ کو بوندی سے خارج کر کے اس کی جگہ اپنی طرف سے دوسرا راجہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا اول اس نے دیو سنگھ والئے اندرگڈھ سے یہ تجویز کی۔ مگر اس نے نیک نیتی سے اس عطیہ کو نامنظور کیا۔ پھر اس نے سردار کرور سے یہی سوال کیا جو طمع اور لالچ سے اس کے داؤ میں آگیا۔ اس سردار کا نام سالم سنگھ تھا۔ اور بوندی کا ماتحت سردار ہونے کے علاوہ قلعہ تارا گڈھ اور محل کا معتمد حاکم بھی تھا؛

اسی اجیت سنگھ کے بھائی کو جو اپنے آقا کی خیر خواہی میں آگرہ کے قلعہ میں مارا گیا تھا۔ جے سنگھ کے مخفی ارادہ کی خبر لگ گئی۔ اس نے چند جانباز ہاڈوں کو فصیل قلعہ کے پاس جمع کر کے بدھ سنگھ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا اور اس کو پوشیدہ طور پر قلعہ امیر سے نکال کر بوندی کو روانہ ہوئے؛

تین سو ہاڈوں کی موجودگی میں بدھ سنگھ کو کوئی خوف نہ تھا مگر پانچولاس کے مقام پر جو امیر کی سرحد پر واقع ہے۔ پانچ سرداروں کی منتخب فوج نے انکو آگھیرا۔ اگرچہ اس لڑائی میں بدھ سنگھ نے ان پانچوں سرداروں کو قتل کر کے نمایاں فتح حاصل کی مگر اپنے بچا اور دیگر بہت سے جان نثاروں کے مارے جانے سے بوندی کا جانا خلاف مصلحت متصور ہوا۔ اور وہ بیگو کی طرف چلا گیا؛

اس کامیابی سے جو بہت نقصان اٹھا کر حاصل ہوئی تھی جے سنگھ کو اپنی تدبیرات پر عمل کرنے کا موقعہ مل گیا۔ دلیل سنگھ والئے کرور کے ساتھ اپنی دختر کی شادی کی اور اس کو راجہ کا خطاب دیکر بوندی کی گدی پر بٹھا دیا؛

اگرچہ بدھ سنگھ نے کئی دفعہ اپنا ملک حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ اور اسی جلاوطنی کی حالت میں بمقام بیگو فوت ہوگیا؛

اُمید سنگھ

دشمنوں کی مضرت رسانی اور اپنا ملک حاصل کرنے کی کوششوں میں ناکام ہوکر جلا وطنی
کی حالت میں بدھ سنگھ بمقام بیگو میں مرگیا۔ امید سنگھ اور دیپ مرحوم راجہ کے یہ دو فرزند
تھے لیکن انہیں اپنے ماموں کی پناہ سے بہت جلد جدا ہو جانا پڑا۔ کیونکہ والئے امیر جو بدھ
اور اُس کے خاندان سے دلی عداوت رکھتا تھا اور اُسے ہر طرح کے رنج پہنچانے میں اپنی
خوشی سمجھتا تھا اُس کے اشارہ سے میواڑ کے رانا نے بیگو کو ضبط کرلیا تھا۔ کم ظرف اور بد
خصلت لوگوں کی تکلیف دہی اور انتظام سے پریشان ہوکر دونوں بہادر راجکنور اپنے
رفیق جاں نثاروں کا مختصر گروہ جمع کرنے کیلئے پچیل کے جنگل میں فروکش ہوئے۔ اور راجہ
درجن سال والئے کوٹہ سے اس آڑے وقت میں مدد کی درخواست کی۔ رحمدل راجہ کو اُن کی
بے بسی پر رحم آگیا اور ان کی بے سروسامانی کی حالت میں یہ جوانمردی دیکھ کر ہر طرح امداد کو آمادہ ہو گیا
امید سنگھ کے لئے یہ حسن اتفاق تھا کہ جب اُسکی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو اُسکے خاندانی
دشمن والئے امیر نے وفات پائی۔ شیر دل امید نے جب یہ خبر سُنی۔ تو موقع کو غنیمت سمجھ کر
اپنی مختصر جماعت سے چڑھائی کی اور اپنی خداداد شجاعت سے پاٹن اور گینولی کو فتح کرلیا اگرچہ
یہ فتح زیادہ کارِ نمایاں نہ تھی لیکن ایک نوجوان نوخیز کے لئے جس کے قبضے میں بہت
مختصر فوج تھی ہفت اقلیم کی فتح سے کم نہ تھی بہادروں کو اس فتح کا حال سنکر نہایت ہمدردی
پیدا ہوگئی۔ اور سب نے متفق ہوکر کہا کہ بدھ سنگھ کا فرزند نہایت ہوشمند اور ہونہار ہے۔
بہادری دیکھ کر قدیم ہاڈا کا گروہ بھی اُس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اور درجن سال نے ہاڈا کی
یہ عقیدتمندی اور ہمدردی دیکھ کر خود بھی اُمید سنگھ کی مختصر فوج کو کمک بھیجی۔
الیشری سنگھ انتظام ریاست میں اپنے والد کا پیرو تھا۔ اس نے چاہا کہ بوندی اور کوٹہ
دونوں اُس کے مطیع و منقاد رہیں لیکن والئے کوٹہ نے اُس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور نہایت
جرأت کے ساتھ امید سنگھ کا شریک ہوا۔ لیکن الیشری سنگھ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور
اُس نے فوج کشی کرکے کوٹہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور پھر اُس نے مراجعت کرکے نانک بھیجو
اُو مجتمع کیا اور اُنہیں اُمید سنگھ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ہونہار اور جری امید سنگھ بمقام لوہاری میں

سری جیو امید سنگھ ہاڈا والئے بوندی



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ٦٨

جسے بودھی کہتے ہیں قوم مینا کے پاس جو کوہستان صحرائی کے مالک تھے پناہ گزین ہو۔ اُس کا
بلند حوصلا اعلےٰ ہمت اور بے بسی کے عالم میں یہ شجاعت دیکھ کر اُنہیں بہت ہمدردی پیدا ہوئی
ور اسکا ساتھ دینے کے لئے ہر طرح آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ پانچہزار تیر انداز جمع کرکے اس ہونہار
نوجوان کے ساتھ اُس کے دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ چابک دست اور پھرتیلے کوہستانیوں
نے نانک پنتھیوں کو اپنی بے خطا تیر اندازی کا نشانہ بنالیا۔ اور بہادر امید دست بشمشیر دشمن
کی فوج پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ آن کی آن میں والئے امیر کا لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ نانک
پنتھی نہایت بے دردی کے ساتھ ایک ایک کرکے قتل کردیئے گئے۔ اور امید سنگھ نے
نشان اور نقارہ بھی چھین لئے ٭

جے پور میں جب اس شکست فاش کی خبر پہنچی تو اٹھارہ ہزار بہادروں کی فوج
لائن داس کمتری کی ماتحتی میں مقابلہ کے لئے بھیجی گئی۔" پچوری اس قدر جلد فتح کرلینے
سے قوم ہاڈا کی ہمت اعلےٰ اور حوصلہ بلند ہوگیا تھا وہ سب کے سب اپنے شجاع نوجوان سردار
کے گرد جمع ہوگئے۔ اور جان نثاری کا سچا ثبوت دینے کے لئے آمادہ تھے۔" امید سنگھ
عین اسوقت جبکہ جے پور کی فوج حملہ کرنے کے لئے تیار تھی سیتوں کی دیبی کے استھان میں
بڑی عقیدتمندی کے ساتھ پوجا کرنے کے لئے گیا۔ اثنا عبادت میں اس کی نگاہ بوندی کی
طرف اُٹھی۔ ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اب وہ نمک حراموں کے قبضۂ تصرف میں ہے ہونہار
بہادر کو ایک جوش پیدا ہوگیا اور اس نے مقدس دیبی کو گواہ کرکے سچے دل سے قسم کھائی
کہ یا تو بوندی کو نمک حرام دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لونگا یا اس لڑائی میں قوم و وطن
کی محبت پر اپنی مصیبت زدہ جان قربان کردوں گا ٭

اُمید سنگھ کے ان شجاعت بھرے خیالات نے اُس کے جانبازوں میں جانبازی کی
ایک تازہ روح پھونک دی اور وہ دلی آرزو کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں سرفروشی کیلئے
تیار ہوگئے۔ چنانچہ سب سردار زعفرانی جھنڈے کے نیچے جو اُمید سنگھ کے مورث اعلےٰ
راؤ رتن کو شہنشاہ جہانگیر نے عطا فرمایا تھا جمع ہوئے اور جب وہ ڈبلانے کی طرف میں
بڑھے۔ تو دشمن مقابلہ کے لئے ہمہ تن انتظار میں کھڑے تھے۔ امید سنگھ نے ہاڈوں کے
ایک غول بناکر جے پور کی کثیر التعداد فوج پر یکبارگی حملہ کیا۔ لیکن حریف بھی اس وقت
شجاعت کی داد دے رہے تھے اور جوش کے عالم میں تھے۔ دو مرتبہ امید سنگھ کے غول پریشان

کردیئے گئے مگر آفرین ہے اُن بہادروں کی ہمت اور جیداری کہ جنہوں نے مینہ کی طرح برستے ہوئے آتشین گولوں کی مطلق پرواہ نہ کی۔ پہلے حملہ میں امید سنگھ کا ماموں پرتھی سنگھ سولنکی اور مہاراج مرجاؤ سنگھ والئے موثرہ تھا۔ قوم و وطن پر نثار ہو کر بہشت بریں کو سدھارے کم درجہ کے سردار بھی بہت سے کام آئے اور پراگ سنگھ سردار سورن بھی مارے گئے ؛

امید سنگھ اسوقت نہایت بہادری سے دشمنوں کی صفوں کو چیرتا ہوا دور جا پہنچا تھا لیکن اُسی حالت میں اُس کے صبا رفتار گھوڑے کے پیٹ میں توپ کا ایک گولہ آلگا۔ جس سے اس وفادار جانور کی آنتیں نکل پڑیں۔ یہ وہی عراقی گھوڑا تھا جسے بادشاہ نے بدہ سنگھ امید سنگھ کے والد کو کمال عنایت سے مرحمت کیا تھا اور راجپوت اُسے پیار سے ہنجا کہتے تھے۔ اگرچہ زخم کاری تھا مگر وفاشعار حیوان اپنے مالک کا بوجھ اُٹھائے خاموش کھڑا رہا کہ چند بہادروں نے نہایت ادب کے ساتھ آکر عرض کیا کہ حضور! اب لڑائی کا رنگ اچھا نہیں بہتر ہے کہ آپ واپس ہو جائیں۔ دیکھئے تو کتنے جانباز قربان ہو چکے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ آپ کا بال بیکا ہو ورنہ ہماری ہمتیں پست ہو جائینگی اور ہماری کمریں ٹوٹ جائینگی اگر آپ زندہ ہیں تو آج نہ سہی پھر کسی دن اپنی منتشر قوت کو جمع کر کے دشمن سے کافی عوض لینگے۔ امید سنگھ کو یہ بات کسی طرح منظور نہ تھی کہ وہ میدان جنگ سے ناکام واپس ہو۔ لیکن سرداروں کے سمجھانے سے اُسے مجبوراً ماننا پڑا اور وہ ناکام شکستہ دل ہو کر ایک طرف کو چلدیا۔ جسوقت گھاٹی سودالی میں جو اندر گڈھ کے راستے پر واقع ہے پہنچا تو ذرا دم لینے کے لئے اپنے وفادار مرکب سے اتر پڑا۔ لیکن ساتھ ہی گھوڑا بھی فرش زمین پر بیجان ہو کر گر پڑا۔ اُدھر گھوڑے کا آخر وقت تھا جس میں وہ دم توڑ رہا تھا اور اُس کے زخموں سے لہو کی دھاریں جاری تھیں اور ادھر امید سنگھ اپنی بیکسی ناکامی اور ایک وفادار کی بے وقت موت پر خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ اگرچہ اس وقت وہ ہنجا (گھوڑے) کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہ کر سکا۔ لیکن اُس کی وفاداری اُس کے دل سے فراموش نہ ہوئی اور گدی نشین ہونے کے بعد ہی اُس نے اپنے پیارے گھوڑے کی پختہ قبر بنوائی جو آج تک شہر کے چوک میں موجود ہے ؛

امید سنگھ تھوڑی دیر تک اس جھاڑی میں بیٹھا رہا پھر ناامیدی کی حالت میں پیادہ اندر گڈھ پہنچا۔ لیکن وہاں کے رئیس نے جو امیر کی زیر حکومت ہو گیا تھا بجائے

کے کہ اپنے اصلی سردار کی خاطر و خدمت کرتا صاف کہدیا ''کہ کیا تمہارا ارادہ بوندی کے ساتھ ہی اندر گڈھ کو بھی تباہ کرنے کا ہے''۔ اِس سے مطلب یہ تھا کہ تم فوراً اس علاقہ سے چلے جاؤ۔ کمسن راجہ کے شکستہ دل کو اس کج خلقی سے اور بھی ٹھیس لگی اور اس نے ایسی مہمان آزار بستی کا پانی پینا بھی روا نہ رکھا اور وہاں سے بادل بریاں کر دین کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اِس باہمت رئیس نے اگلی کاوش کی تلافی کر دی۔ چنانچہ پیشوائی کرکے اُمید سنگھ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ہر طرح خاطرداری اور خدمت گذاری کی رسمیں ادا کیں اور جسقدر اُس کے امکان میں تھا اُس نے دریغ نہ کیا اور جب اُمید سنگھ چلنے لگا۔ تو نذریں نہایت شائستہ طریق سے ایک گھوڑا بھی پیش کیا ✓

نوجوان راجہ نے اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا اور اُس سے رخصت ہو کر اپنے قدیمی مسکن رام پور کے ویرانے کی طرف جو چمبل کے کنارے غاروں کی جانب واقع ہے چلدیا اگر انصاف سے دیکھا جائے تو والئے کوٹہ نے امید سنگھ کے ساتھ بہت ہمدردی کی اور نوعی حمایت کے تمام حقوق ادا کر دیئے لیکن تاریخی باریکیوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ والئے کوٹہ کے مشیر اور پیروکار ایک بھاٹ کو امید سنگھ اور اس کے خاندان سے بڑی محبت تھی اور وہ اس کمسن نوجوان کی بہادری سے بہت خوش ہوتا تھا اُس کی یہ دلی تمنا تھی کہ ایک مرتبہ اپنے بزرگوں کے محلوں میں امید سنگھ کو حکمران دیکھ لے چنانچہ وہ حسب تائید والئے کوٹہ کثیر فوج لے کر اور خود ہی سپہ سالار بنکر امید سنگھ اور اُس کے دوستوں کی مختصر جماعت میں آملا۔ اور سب ملکر بوندی پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ شہر بوندی کی دیواریں متواتر حملوں اور جنگوں کی وجہ سے بالکل مسمار ہو گئی تھیں۔ اس لئے امید سنگھ اور اُس کے ہمدردوں کو شہر مذکور پر قبضہ کر لینے میں نہایت آسانی ہوئی اور اب قلعہ تک جا پہنچے تھے کہ ایک نمک حرام نے بھاٹ مذکور پر وار کیا۔ جس کے ساتھ ہی اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر بھاٹ مذکور کی موت علے العموم ظاہر ہو جاتی تو بنا بنایا ہوا کام بگڑ جاتا لیکن امید سنگھ کے خیر خواہوں نے حکمت عملی کے ساتھ اس راز کو چھپایا اور بھاٹ کی موت کو مخفی رکھا۔ بوندی کے قلعہ دار کو اب نہایت مخدوش حالت معلوم ہوئی۔ اور وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا جس کے ساتھ ہی امید سنگھ اور اس کے ہمراہی خوشی کے دلکش نعرے بلند کرتے ہوئے قلعے میں داخل ہوئے اور نہایت مسرت اور ہمدردی

کے ساتھ سب نے امید سنگھ کو گدی پر بٹھایا اور ایک دیرینہ دلی اُمید بر آئی۔ دلیل سنگھ قلعہ دار
والئے امیر کے پاس پہنچا اور فرار کی جان فرسا سرگذشت سنائی۔ جس پر والئے امیر نے بقدر
امکان فوج دیگر روانہ کیا اور حکم دیا کہ حسب دستور قوم ہارا اور اسو کے سردار کو قلعہ مذکور سے
نکال دو۔ یہ فوج ایکا ایکی بوندی میں داخل ہو گئی اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ بیچارہ امید سنگھ جنگ
سے بے خبر انتظام میں مصروف تھا کہ حملہ کی آتش فشانی نے اُسے آگاہ کیا۔ عجب مجبوری
کا عالم تھا آخر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر قلعہ خالی کر دیا اور اُسکی مستحکم دیواروں کو چھوڑ کر
نکل گیا۔ تھوڑی سی دیر میں امیر کا پھریرا قلعے کے ہر کنگرے اور دیوار پر لہرا رہا تھا۔ اب جس
وقت دلیل سنگھ سے گدی پر بیٹھنے کے لئے کہا گیا تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ مالک کی
جگہ پر بیٹھ کر لوگوں کی نگاہوں میں میں حقیر ہو گیا ہوں اب مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا
مصیبت زدہ امید سنگھ قلعہ بوندی سے نا امید ہو چکا تھا حیران تھا کہ فتح کیونکر ہو گی نہ
رعیت نہ سپاہ نہ مال نہ سامان صرف اپنا زور شجاعت سو اکیلا ہزاروں بلکہ لاکھوں سے
کہاں تک مقابلہ کر سکتا ہے۔ اُسی ناکامی کے رنج والم میں وہ دشت نوردی کر رہا تھا
کہ ایک دن اُسے معلوم ہوا کہ یہیں کہیں قریب اُس کے باپ کی بیوہ کچھوائی رانی رہتی
ہے۔ جس کی ذات سے بدھ سنگھ اور اُس کے تمام خاندان پر آج تک یہ مصیبت نازل
ہے لیکن اب وہ نہایت نادم و پشیمان تھی کہ اُسکی اپنی ذات سے خود اُس پر اور دو
دار شوہر اور اُس کے تمام خاندان پر تباہی آگئی۔ اُمید سنگھ اُس کی ملاقات کو گیا رانی جو
ہمیشہ اپنے آپ کو کوسا کرتی تھی۔ امید کی یہ بے اندازہ تکلیفیں دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئی
دراصل اس رانی کی خواہش سے امید کا حق تلف ہوا۔ اور چونکہ امید کی تکلیف و
مصیبت کا اصلی باعث رانی ہی تھی اس لئے بہت پشیمان ہوئی اور اُس نے ارادہ کیا
کہ گذشتہ غلط کاریوں کی کچھ تلافی کرے چنانچہ دکن کی جانب روانہ ہوئی تاکہ بدھ سنگھ
کے مصیبت زدہ فرزند کے لئے کوئی معین بنائے۔ جس کی اعانت سے بوندی کی ریاست
اُس کے قبضہ میں آئے۔ جب وہ دریائے نربدا کے کنارے پر پہنچی تو ایک مینار اُسے نظر
آیا جس میں یہ عبارت کندہ تھی کہ کوئی شخص اُس کے اپنے خاندان کا اس دریا کو عبور
نہ کرے اور اسے بھی دریائے اٹک کی طرح اٹک کہتے تھے۔ رانی جس کی رگ و پے میں
راجپوتی خون تھا اسے ایک وہم باطل سمجھ کر برافروختہ ہوئی اور مینار مذکور کو توڑ کر دریا

میں ڈال دیا۔ اور دریا کو عبور کر کے فوج ملہار راؤ ہولکر میں آئی۔ بہادر جے سنگھ جس کی جیداریاں تمام
ہندوستان میں مشہور ہیں اُس کی ہمشیرہ نے قوم چوپان کے ایک رئیس سے جس کا پیشہ غارتگری اور
لوٹ مار تھا بھائی کا رشتہ قائم کر کے یہ درخواست کی کہ وہ بوندی پر امید کا قبضہ کرا دے۔
ملہار نے رانی کی درخواست منظور کر لی اور اپنی کثیر التعداد مرہٹہ فوج لیکر امیر کیجانب متوجہ ہوا۔
جب ایشری سنگھ کو یہ خبر ہوئی کہ مرہٹہ فوج عنقریب اُس کے دار الریاست کی طرف آیا
چاہتی ہے تو وہ فوج کا ساز وسامان درست کر کے روانہ ہوا تاکہ آگے چل کر اُس کا مقابلہ کرے۔
لیکن مرہٹہ فوج کی تعداد بتانے میں اُسے مغالطہ دیا گیا اور اُن مشیروں نے جو اُس کی فریب
آمیز تدبیروں اور کمینہ خصلتوں سے خوش نہ تھے یہ بتایا کہ مرہٹہ فوج کے نفوس بہت کم ہیں
جس کی وجہ سے راجہ امیر بہت کم فوج کے ساتھ مقابلہ کو چلا اور اصلی کیفیت سے اس وقت تک
مطلع نہ کیا گیا۔ جب تک وہ قلعہ بھاگرو میں پہنچکر چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اب وقت
ہاتھ سے جا چکا تھا۔ مرہٹوں کے کثیر التعداد لشکر کے مقابلہ میں والئے امیر کی مختصر فوج بالکل ہیچ
تھی آخر وہ مجبور ہو کر قلعہ امیر میں داخل ہوا۔ متواتر دس دن تک مرہٹہ فوج نے قلعہ امیر کا محاصرہ
کیا۔ اور والئے امیر نے مایوس ہو کر یہ وعدہ کیا کہ بوندی دیدیگا اور اس کے جملہ حقوق اپنے اور
اپنے ورثا کیجانب سے چھوڑ دیگا بلکہ بہ نظر استحقاق خود ہی امید کی پیشانی پر ٹیکا بھی لگائے گا مرہٹوں
نے خوشی کے ساتھ اس وعدے کو منظور کیا اور سند لیکر بوندی کی طرف روانہ ہوئے حاکم موجود
جس کا کچھ استحقاق نہ تھا برطرف کیا گیا اور نہایت مسرت کے ساتھ امید سنگھ گدی نشین کیا گیا
لیکن امید سنگھ کو ساتھ ہی ساتھ دو خوشیاں نصیب ہوئیں ایک تو اپنی گدی نشینی کی خوشی اور دوسری
دشمن کی اتفاقی موت کی خوشی کیونکہ راج تلک کی خوشگوار رسم ادا ہونے کے لئے جو وقت مقرر
کیا تھا وہی امیر کے لئے ایک ناگوار وقت تھا۔ جبکہ اُس کے راج کے پھونکنے کے لئے چتا
بن رہی تھی کیونکہ ایشری سنگھ ایسی ذلت کے بعد جو اپنے محاصرہ اور بوندی ہاتھ سے نکل جانے سے
ہوئی تھی زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا اور زہر کھا کر اپنی تلخ زندگی کا فیصلہ کر دیا ؛

امید سنگھ نے ۱۴ برس کی جلا وطنی میں سخت تکلیفیں اُٹھائی تھیں اب قسمت نے یاوری
کی اور موروثی گدی پر نئے سرے سے قبضہ پایا انہی ایام میں ریاست کا ایک اور دعویدار کھڑا
ہوا مگر ملہار راؤ ہلکر امید سنگھ کی پشت پر تھا مخالف کو ناکامیابی رہی۔ اگرچہ ملہار راؤ بدھ سنگھ
کی رانی کا برادر بننے کیوجہ سے امید سنگھ کا ماموں کہلاتا تھا۔ مگر اس نے مظلوم امید سنگھ کی مدد محض

اس فرضی رشتہ داری کے لحاظ سے نہیں کی تھی بلکہ بہ نسبت اس رشتہ داری کے بوندی کے
زرخیز ملک کی طمع نے اسکو اسکی حمایت پر راغب کیا تھا۔ چنانچہ قصبہ و پرگنہ پاٹن واقعہ کنارہ
دریائے چمبل طلب کیا اور بذریعہ اقرار نامہ تحریری حاصل کیا۔ شروع تسلط میں مرہٹے ملک
مفتوحہ کو باہم تقسیم کرتے تھے چنانچہ پاٹن کا بھی ایک حصہ پیشوا کو ملا اور دوسرا سندھیا کو مگر پیشوا
کا حصہ برائے نام رہا کیونکہ اس کی آمدنی ہلکر سے کر سرکار پونا کی نوکری کے عوض مجرا دینا تھا۔
گذشتہ چودہ برس کی جلاوطنی کا بہتر صلہ جو اُمید سنگھ کو ملا تھا وہ تارا گڑھ کا قلعہ تھا۔
جو دلیل سنگھ نے تعمیر کیا تھا۔ اور جس کی توپوں کی مار محلوں اور شہر پر پڑتی تھی۔

مادھو سنگھ نے بھی جے پور کی گدی پر بیٹھ کر رؤسا وسط ہند کو اپنے ماتحت کرنے کی
وہی تدبیر شروع کی جو جے سنگھ نے کی تھی اور جس میں ایشری سنگھ اپنی جان تلف کر چکا تھا۔
کوٹہ کا محاصرہ کیا گیا تھا اور اسی غرض سے امید سنگھ بوندی سے خارج ہوا تھا مگر اس تدبیر
کا بلا اعانت غیرے عمل میں آنا ناممکن تھا۔ جو مددگار تھے اب خود مالک بن چکے تھے مادھو سنگھ
کو قلعہ رنتھمبور پر قابض ہونے سے اس دعوائے فضیلت کا حیلہ ہاتھ آگیا تھا۔ جب سے
راؤ سرجن نے یہ قلعہ بادشاہ اکبر کے سپرد کیا تھا صوبہ اجمیر میں ۸۳ محالات کی سرکار ہو جانے
سے اسکی عظمت قائم ہو گئی تھی اور نہ فقط بوندی و کوٹہ معہ ممالک متعلقہ کے بلکہ شیوپور کی کل
ریاست اور جانب جنوب بان گنگا کی سب چھوٹی جاگیریں جو اب ریاست امیر میں داخل ہیں
اسی میں شامل تھیں۔ الغرض کل سلطنت میں بجز محمد آباد واقعہ بنگالہ کے رنتھمبور سب سے بڑی
سرکار تھی۔ جب سلطنت میں زوال آیا تو تا موجودگی سامان و روپیہ کے بہادر قلعہ دار نے بخوبی قلعہ
کی حفاظت کی۔ مگر جب تہیدست ہو گیا تو اس خیال سے کہ مرہٹوں کے ہاتھ چلے جانے سے
قلعہ ہمیشہ کے لئے راجپوتوں کے ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اس نے کسی راجپوت رئیس کے سپرد کرنا
چاہا۔ اول درخواست بوندی سے کی گئی مگر رئیس بوندی نے اپنی طاقت کو کمزور دیکھ کر انکار کر دیا
مجبور قلعہ دار نے قلعہ مذکور راجہ امیر کے سپرد کر دیا۔ اب راجہ جے پور کی چڑھ بنی اور جاگیر ہاڑوتی کے
اخراج کا بھی حقدار بن بیٹھا ورنہ پیشتر ازیں اس کا کوئی حق نہ تھا۔ مگر اس دعویٰ سے کہ بجز سر
پرستی اور خفیف سالانہ آمدنی کے اور کچھ مقصود نہ تھا۔ نہایت رنج و عناد پیدا ہوا۔

جے پور کے اسی دعوائے سرپرستی کوٹہ و بوندی سے ظالم سنگھ کوٹہ والہ کی شہرت و ناموری
شروع ہوئی۔ اس زمانہ میں ریاست کا مالک درجن سال تھا۔ اسکی ہمت اور جوانمردی ایک ہمہ

رئیس کے دعوی کو قبول نہ کرسکی جو اتفاقاً تھمبور پر قابض ہوجانے اور بہ حیثیت صوبہ بادشاہی اپنی دانست میں رتبہ شاہی حاصل کر لینے سے کیا گیا تھا۔ اس دعوے کا خاتمہ جنگ بٹوارہ نے ہمیشہ کے واسطے کردیا اور ظالم سنگھ نے جسکی عمر اس وقت ۱۲ سال کی تھی اور جو اخیر میں اس ملک کا حاکم ہوا اس کی آزادی اور خود اختیاری قائم رکھنے میں نمایاں بہادری دکھائی۔ اس مہم کا مفصل ذکر کوٹہ کے بیان میں ہوگا یہاں صرف اتنا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور لڑائی میں اگر بوندی کی فوج بھی کوٹہ والوں کے ساتھ شامل ہوجاتی تو اپنے ماتحت بھائیوں کو چے پور کی خراج گذاری سے جو مجبوراً اب انکو ادا کرنا پڑتا ہے بچالیتی ؛

امید سنگھ کو ریاست میں وہی رونق اور ترقی پیدا کرنیکا شوق تھا جو پندرہ سال گذشتہ کی مصیبتوں سے جاتی رہی تھی مگر جن مرہٹوں کی اعانت سے اس نے اپنی سلطنت از سرنو حاصل کی تھی انہیں کی طمع و زبردستی سے اس کی ہمت شکست ہوگئی تھی۔ راجپوت سمجھتے تھے کہ جس طرح وقتاً فوقتاً ٹڈی نقصان زراعت کرکے خود بخود چلی جاتی ہے اسی طرح مرہٹوں کی فوج بھی تھوڑے سے عرصہ میں از خود نکل جائیگی۔ اس غلط خیال سے گمراہ ہو کر کل راجپوت رئیس باہمی جھگڑوں میں مرہٹوں کو طلب کرنے لگے مگر انجام میں جس قدر افسوس و پشیمانی بوندی کو ہوئی کسی ریاست کو نہ ہوئی۔ باوجود ان باتوں کے اگر امید سنگھ کی باقیماندہ عمر ریاست کا نظم و نسق اسی کی زبردست اور عاقلانہ تدبیروں سے ہوا ہوتا۔ تو دیوانگو کی سرزمین میں مرہٹوں کا اقتدار ایسی سختی اور استقلال سے کبھی قائم نہ رہتا مگر اس کے تارک ریاست ہوجانے سے جو قبل از وقت ظہور میں آیا ریاست کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا ؛

امید سنگھ کی اس نیک نامی میں جس کے سبب سے وہ تاریخ راجپوتانہ کے نہایت عقیل اور بہادر و بے گناہ اشخاص میں سے متصور ہوتا صرف ایک فعل انتقام سے داغ لگ گیا تھا اگرچہ انصافاً اس کا یہ فعل خلاف شجاعت نہ تھا نہ خلاف عقلمندی۔ امید سنگھ کی جلاوطنی اور آوارہ گردی کے زمانہ میں جس جس شخص نے اس کیساتھ بدسلوکی تھی از سرنو ریاست پر قابض ہونے سے اس نے اس کا خیال تک بھی نہ کیا۔ شکست ڈبلانہ کے بعد سب سے بڑھ کر نمک حرامی سردار اندرگڈھ نے کی تھی اور یہ ایسی بدسلوکی تھی کہ کسی دوسرے شخص کو کبھی بھی فراموش نہ ہوتی۔ شکست کھا کر جب امید سنگھ بے سروسامانی کی حالت میں رئیس کے پاس پہنچا تو اس نے مدد دینے سے صرف انکار ہی نہ کردیا۔ بلکہ چند یوم ٹھیر کر آرام بھی نہ کرنے دیا۔ اور

فوراً علاقہ سے باہر نکال دیا۔ امید سنگھ کے پاس گھوڑا نہ تھا رئیس نمک حرام نے اس کا انتظام بھی نہ کر دیا۔ مگر عالی حوصلہ امید سنگھ نے دوبارہ تخت نشین ہو کر اس بدسلوکی کا کبھی ذکر تک بھی نہ کیا گویا وہ اس بات کو بالکل بھلا چکا تھا مگر افسوس کہ والیئے اندر گڈھ امید سنگھ کی خاموشی سے اور بھی گستاخ ہو گیا۔ اس نے مصیبت کے وقت اپنے آقا کی دستگیری سے انکار کیا تھا اور اس کا فرض تھا کہ اب وہ معافی مانگ کر اس کی تلافی کرتا اور پشیمان ہوتا مگر افسوس کہ وہ امید سنگھ کی دریادلی کے اُلٹے معنے سمجھا اور اس کے تحمل پر طعن کرنے لگا اور ایک تازہ چوٹ سے اپنے سابقہ قبیح جرموں میں اضافہ کر دیا؛

امید سنگھ نے مادھو سنگھ رئیس جے پور کو اپنی ہمشیرہ کی نسبت کا نارجیل بھیجا تھا۔ جو دربار عام میں بموجودگی سرداران راج نہایت مناسب تعظیم و تکریم کے ساتھ لیا گیا۔ اتفاق سے دیو سنگھ رئیس اندر گڈھ بھی ان دنوں جے پور گیا ہوا تھا۔ راجہ نے اس سے راج کماری بوندی کی کیفیت دریافت کی۔ جواب میں رئیس اندر گڈھ نے کچھ ایسی پیچیدہ گفتگو کی جس سے شبہ ہوتا تھا کہ راج کماری کی نسل میں کچھ فرق ہے یہ بیان بالکل لغو تھا کیونکہ چند روز بعد بیجے سنگھ والیئے مارواڑ نے اسی نسبت کی از خود درخواست کی۔ الغرض نارجیل جے پور سے واپس ہوا۔ اور بوندی کی وہ ہتک ہوئی کہ راجپوتوں میں ہرگز معاف کئے جانیکے لائق نہیں ہوتی ۱۷۵۷ء میں امید سنگھ کرور کے قریب بجاسنی ماتا کی زیارت کے واسطے گیا اندر گڈھ وہاں سے قریب تھا۔ دوسرے سرداروں کے ساتھ اس نے دیو سنگھ کو بھی طلب کیا۔ وہ معہ اپنے بیٹے اور پوتے کے حاضر ہوا۔ اور پہنچتے ہی سب یکبارگی قتل ہوئے۔ نمک حرام رئیس کے خاندان کا خاتمہ ہوا۔ ان کی نعشیں گھڑے میں ڈلوادی گئیں۔ اور جاگیر اندر گڈھ اس کے بھائی کو دی گئی؛

اس واقعہ کے بعد پندرہ سال تک امید سنگھ نے حکومت کی۔ مگر اس ایک گناہ کا خیال (جو درحقیقت گناہ نہ تھا) اس کے دل سے کبھی دور نہ ہوا۔ اگرچہ عام طور پر لوگ اُس کو برا نہ کہتے تھے اور خود اس کا دل بھی شاہد تھا۔ کہ دیو سنگھ اسی طرح مارے جانے کے لائق تھا۔ تاہم اس کی فیاض اور بہادر روح ایسے جرم سے کہ باوجود رسم و رواج ملک کے بموجب جائز ہونیکے نہایت قبیح تھا ہر وقت لرزاں رہتی تھی پس بنظر کفارہ و صفائی قلب کے اُس نے ارادہ کیا کہ بقیہ عمر فقیروں کے لباس میں اپنے مذہبی اور متبرک مقامات پر کل ہندوستان میں پھر کر بہ طریقہ نفس

لشی بسر کرے ؛

ترک حکومت کی وجہ سے حسب دستور امید سنگھ کی مورت بناکر چتا پر جلائی گئی۔ اجیت سنگھ کے بعد ر کرائے گئے۔ رنواس میں ماتمی بوریہ بچھایا گیا۔ غرضیکہ تمام ماتمی رسومات ادا کی گئیں گویا امید سنگھ واقعی فوت ہو چکا تھا۔ بارہ روز متواتر ماتم رہا اور بعد انقضائے ان ایام کے اجیت سنگھ مسند نشین کیا گیا اور ہاڑا قوم نے نئے راجہ کی مسند آرائی کا جشن منایا ؛

اب امید سنگھ کا یہ نام بھی چھوڑ دیا گیا اور اس کا لقب سری جی مشہور ہوا۔ اس نے اس وادی کوہ کے مقام مقدس میں سکونت اختیار کی جو سری کدار ناتھ کے نام سے مشہور ہے اور جہاں راجہ پنہار نے مرض لا علاج سے صحت پائی تھی۔ امید سنگھ نے اس مقام کو خوب آباد کیا اور ممالک مختلفہ کے پھل اور پھولدار درخت منگوا کر یہاں پر لگوائے ؛

اس کے اکثر رفیق اس کے ہمراہ کدار ناتھ کے درشنوں کو آئے تھے۔ ان لوگوں نے برفستان ہمالیہ۔ کوہستان ہند اور ساحل سمندر کے درخت یہاں لگائے۔ سری جی یعنی امید سنگھ خوش تھا کہ مخالف آب و ہوا اور ناموافق سرزمین میں یہ درخت اسی طرح سرسبز اور شاداب ہوئے جس طرح اصلی مقام پر ان کی حالت رہتی تھی جو لوگ یہاں کی سیر کرتے اور دیکھتے کہ کس طرح عقلمندی اور حکمت سے ان درختوں کی روئیدگی اور سرسبزی کے قابل زمین بنائی گئی تھی وہ انگشت بدنداں ہو جاتے تھے تبت کے انگور اور پونڈہ (نیشکر) بوئے گئے تو خوب بارور ہوئے اور جب دور دور کے ملکوں کی پیداوار کی تخم ریزی کی گئی تو سب کو قائل ہونا پڑا کہ واقعی طلسم کر دیا۔ کوہستان گرم کے درخت برفستان میں سرسبز ہونے واقعی تعجب کی بات تھی ؛

امید سنگھ نے بوندی کی ریاست اس لئے ترک کی تھی کہ خدا پرستی کے ذریعہ سے اطمینان قلبی حاصل ہوگا اور نجات کے لئے مغفرت ملیگی۔ مگر فقیر ہونے پر بھی اپنے رتبہ اور خاندان کے خیالات دور نہ ہو سکے۔ اسکی عقل زائل نہ ہوئی۔ اور نہ اس کے مزاج میں تعصب آیا۔ جہاں کہیں وہ صاحب کشف و عابد لوگوں کی صحبت سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے گیا۔ وہی فراخدلی اور عالی حوصلگی جس نے موروثی سلطنت واگذاشت کرائی اس کے ساتھ گئی اس نے تواریخ میں پڑھا تھا کہ تعلقات فرمانروائی کا خلجان تباہی اور بربادی کا باعث ہوتا ہے اور خوش نصیب وہی شخص ہے جو ہر وقت ان سے علیحدہ ہو کر خدا پرستی کے طریق پر چلے مگر دھرم اور رواج ملک کی اس ہدایت پر عمل کرنے میں اس کا دل عجائبات عالم سے اس قدر خبر دار تھا

کہ گھنیا کے مندر میں گوشہ نشین ہونے یا گنگا اشنان پر قناعت کرنے کی نسبت ان متبرک مقامات
کو دیکھنے کا مستحکم ارادہ کیا۔ جن کی دھرم شاستروں میں تعریف لکھی ہے اور جن کی سیر سے
سیاح فقیروں کی کبھی سیری نہیں ہوئی۔ اور شاید اس ارادہ کو اس کے شوق جنگ سے
جس میں اس نے ابتدا سے پرورش پائی تھی زیادہ تحریک ہوئی۔ اس کا اعتقاد تھا۔ کہ سیح
پوشی اور عبادت ناممکن الاتفاق نہیں ہیں۔ بلکہ جو مشکلات سیاح فقیر کے رستہ میں حائل
ہوتی ہیں۔ وہ دور ہو کر اس کے اعتقاد کی خوبیوں میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح
یہ شاہی فقیر فقیرانہ لباس میں ہر طرح مسلح ہو کر تیرتھوں کی زیارت کے واسطے روانہ ہوا اس
میں بجائے خود نمائی کے ایک طرح کا کفارہ تھا۔ ہر طرح کے ہتھیار حفاظت و حرب جو اس
زمانہ میں رائج تھے اس کے جسم پر موجود تھے۔ چونکہ اس جاترا میں لٹیروں اور رہزنوں کا خوف
تھا۔ اس لئے اس نے جاتریوں کی وضع نہ اختیار کر کے سپاہیانہ لباس پہنا تا کہ راستہ
میں اس کے ساتھی محفوظ رہیں۔ اس نے ایک روئی کے جامہ کے تلے زرہ پہنی۔ بندوق
برچھا۔ تلوار۔ ڈھال۔ خنجر۔ گرز۔ سانگ۔ تیر۔ ترکش اور چکر تمام آلات جنگ جسم پر آراستہ کئے
ان ہتھیاروں کا وزن اس قدر تھا کہ اگر دیگر قوی الجثہ راجپوتوں کے بدن پر ہوتا تو
ہل نہ سکتے۔ مگر ۷۰ برس کی عمر میں امید سنگھ ان سب ہتھیاروں کو ڈھال میں رکھ کر ہاتھ سے
دیر تک اٹھائے رہتا تھا اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کچھ کسل ہوا بھی یا نہیں۔ کئی سال اس نے
تیرتھ یاترا میں بسر کئے اس کے ساتھ معدودے چند راجپوت بہادر تھے۔ گنگوتری سے رامیشور
تک اور سیتا کے گرم کنڈ واقع ارکان و مولوچ واقعہ اڑیسہ سے دوارکا تک مختلف ممالک میں
پھرتا رہا۔ اور مذہب ہنود کی حدود کے اندر ہر ایک متبرک مقام کی جو خواہ عجائبات یا فوائد علمی
سے قابل دید تھا بخوبی سیر کی۔ اس تیرتھ یاترا کے بعد جب وہ اپنے موروثی ملک میں واپس آتا
تھا۔ تو رشیوں اور منیوں کی طرح اس کی قدر کی جاتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ راجپوتانہ کے
راجے اور مہاراجے بھی اس کی تشریف آوری کو اپنے لئے باعث برکت سمجھتے تھے۔ جس
طرف سے وہ گذرتا تھا یا جہاں کہیں وہ قیام کرتا تھا وہاں کے باشندے بڑے شوق سے
اس کے درشنوں کو آتے تھے۔ اس کا کلام بہت فصیح تھا اور سیاحی میں جو معلومات کا ذخیرہ
اس نے جمع کیا تھا لوگ اس کو بڑے اشتیاق سے سنتے تھے۔ راج رشی کی حیثیت میں وہ جو
کچھ کہتا تھا سب اس کے قائل اور معتقد ہو جاتے تھے۔ جس بات کی وہ تلقین کرتا تھا۔

اسپر شاستروں کے احکام کی طرح عملدرآمد ہوتا تھا اور مرنے کے بعد جو چیزیں اسکی باقی رہ گئیں ان
کی اب تک عزت کیساتھ پرستش کی جاتی ہے ؎

امید سنگھ کی آخری یاترا سرحد ہند کے ادھر دریائے سندھ سے ہنگلاج تک ہوئی وہ
دوارکاجی کی یاترا سے آرہا تھا کہ کاپا قوم کے قزاق گروہ نے اس پر حملہ کیا مگر اس بہادر نے قوت
جسمانی اور روحانی سے انپر فتح کامل حاصل کی اور ان کے سرگروہ کو قید کرکے اس سے قسم لی
کہ وہ آئندہ دوارکا کے یاتریوں کو کبھی تکلیف نہ دینگے ؎

اس کے بعد امید سنگھ کی تیرتھ یاترا کا سلسلہ ختم ہوا اور اس کے فرزند کی وفات نے اسکو
مجبور کیا کہ پوتے کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی ریاست میں قیام پذیر ہو یہ واقعہ میواڑ اور ہاڑوتی
کی سرحدی تواریخ کا اس لئے قابل ذکر ہے کہ اس سے اس پیشین گوئی کی تصدیق ہوتی
ہے جو بماوڑا کی ستی نے سینکڑوں برس قبل سب کے گوش گذار کی تھی یعنی راؤ اور رانا جب
اہیڑہ کے شکار میں شریک ہونگے تو ضرور خونریزی ہوگی۔ چنانچہ تین معرکے تو گذر چکے اور
اب اسی بنا پر چوتھا واقعہ پیش آیا ؎

بلاتیہ ایک موضع ہے جس کے آم بہت مشہور ہیں۔ رئیس بوندی نے آموں کی حفاظت
پالیسی اور خیال سے وہاں ایک گڑھی تعمیر کرکے کچھ محافظ متعین کردیئے۔ رانا مارواڑ کو یہ
امر ناگوار گذرا۔ اور بنفس نفیس کچھ فوج کے ساتھ اس مقام پر آگیا اور وہیں اجیت سنگھ کو
بھی بلا لیا۔ اجیت سنگھ آکر ملاقی ہوا مگر اس کے اخلاق سے رانا کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ باغات
انبہ کے تنازعہ کا معاملہ ہی کافور ہوگیا۔ پھاگن کا مہینہ اور ہولی کے دن تھے۔ اجیت سنگھ نے
رانا کی مہمان نوازی کے لئے اسے اہیڑا یعنی شکار کے لئے مدعو کیا۔ رانا بوندی کے رمنے یعنی
شکارگاہ میں گیا۔ ہمراہیوں میں سبز پگڑیاں اور دوپٹے تقسیم کرکے تاریخ معینہ پر بہت تزک
و تجمل سے ناندتہ کی بلند سرزمین میں شکار کی تیاری ہوئی ؎

تارک الدنیا راجہ امید سنگھ انہی ایام میں بدری ناتھ کے درشن کرکے واپس آیا تھا۔
شکار کی خبر سنکر بیٹے کے پاس قاصد بھیجا اور ستی کے قول سے آگاہ کرکے شکار سے باز
رکھنا چاہا۔ مگر اجیت سنگھ نے جواب دیا کہ میں ایسا ضعیف الاعتقاد نہیں ہوں۔ صبح ہوتے
ہی رانا اور اجیت سنگھ دونوں شکار کے واسطے روانہ ہوئے مگر گذشتہ شام کو قاصد میواڑ نے راؤ
کے پاس آکر بہت گستاخی سے کہا کہ یا تو موضع بلاتیہ خالی کردو۔ ورنہ قید کرلئے جاؤ گے۔ یہی

حکم رانا کا ہے ٭

دن بھر شکار ہوتا رہا۔ مگر اجیت سنگھ کا دل رات کے پیغام سے تاؤ کھاتا رہا تھا۔ آخر کار
دل میں رانا سے بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جب شکار ختم ہوا تو رانا نے بڑی محبت کے ساتھ
اجیت سنگھ کو رخصت کیا اس کی طرز تقریر کچھ ایسی محبتانہ اور دوستانہ تھی کہ اجیت سنگھ سر جھکا
ہوئے رخصت ہوا مگر کچھ دور جا کر پھر پلٹ پڑا۔ رانا نے دوبارہ معمولی اخلاق سے رخصت کیا
مگر پھر بھی غیرت کے مارے اس کے قدم نہ اٹھ سکے اور پلٹ پڑا برچھا ہاتھ میں تھا اس
سے رانا پر وار کیا کہ گھوڑے کی گردن تک چھد گئی مرتے ہوئے رانا کی زبان سے یہ
نکلے "ہاڈا تم نے بہت برا کیا۔ اندر گڈھ کا رئیس دغا باز تھا۔ اس کے خون سے بھری
تلوار سے تجھے نہ مارنا تھا" اجیت سنگھ رانا کے قتل سے بہت خوش تھا مگر امید سنگھ
نے ایک جائز قتل کے عوض اپنی بقیہ عمر فقیری میں بسر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اس
کو سنکر کانپ اٹھا اس کی آنکھوں سے دیر تک آنسو بہتے رہے اور بیٹے کی اس بیہودگی
سے ایسا کشیدہ ہوا کہ مرتے دم تک اس کا منہ نہ دیکھنے کی قسم کھائی ٭

مقتول رانا اور اجیت سنگھ دونوں ہم زلف تھے اور دونوں کے ساتھ کشن گڈھ کی
راجکماریاں بیاہی ہوئی تھیں۔ رانا کی رانی نے اگرچہ خاوند کو ہوشیار کر دیا تھا کہ بے خبر
مگر معلوم ہوتا ہے یہ ساری کارستانی سرداران میواڑ کی تھی اور وہ رانا سے رنجیدہ ہو کر اس کو
کرانا چاہتے تھے۔ قاصد کی باتیں فرضی تھیں اور اسکی تصدیق اس بات سے ہو گئی
کہ جب رانا پر وار کیا گیا تو کسی ہمراہی نے بھی اس کی جان بچانے کی کوشش نہ کی
سب کے سب علیحدہ ہو گئے ٭

صرف ایک کنیز ستی ہونے کے لئے تیار ہوئی اور بڑے سامان کے ساتھ ایک
کے نیچے چتا تیار کرا کر نعش کے ساتھ جلنے لگی۔ اس کے آخری الفاظ جو درخت سے
ہو کر کہے گئے یہ تھے "اگر قاتل صرف خود غرضانہ بے ایمانی سے اس فعل قبیح کا مرتکب
ہوا ہے تو دو مہینے کے اندر اسکو ایسا نتیجہ ملے جو تمام عالم میں مشہور ہو لیکن اگر کسی
کا بدلہ لیا گیا ہے تو مجھ کو کچھ دعوے نہیں" فوراً درخت کی ایک شاخ ٹوٹ کر گری
نے نتیجہ نکال لیا کہ وہ ستی کے قول کی شاہد ہے۔ ادھر شاخ گری ادھر چتا کے شعلے بھڑکے
اور ستی کی خاک نے آسمان پر دھواں چھا دیا ٭

مہینے کے اندر ستی کا قول صادق آیا۔ اور ایشور نے اجیت سنگھ کو نہایت سخت سزا دی اسکا تمام گوشت استخوان سے علیحدہ ہوگیا اور وہ اسی دردناک حالت میں چیخ چیخ کر دو مہینے کے اندر ہی فوت ہوگیا ؛

اب بشن سنگھ جو کہ ابھی صغیر سن تھا اپنے باپ اجیت سنگھ کی جگہ گدی پر بیٹھا چونکہ یہ ابھی نابالغ تھا لہذا سلطنت کے مناسب انتظام کے لئے امید سنگھ کو کچھ عرصہ کے لئے بوندی میں ٹھیرنا پڑا مگر چار سال کے عرصہ میں تمام کام درست کر دیئے گئے اور ریاست کا انتظام دھا بھائی کے سپرد کرکے پھر سیاحت شروع کی۔ مگر تیسرے چوتھے سال واپس بوندی آتا تھا اور کچھ عرصہ یہاں قیام کرکے تمام کاروبار کی جانچ پرتال کرتا تھا ؛

جب ضعیفی عمر سے چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی تو دنیا کی طرف سے بالکل منہ موڑ کر کدارناتھ میں مقیم ہوگیا۔ اب اسکو دنیا کی کوئی ہوس نہ تھی وہ ریاست کو بخوبی ترک کر چکا تھا اور اپنے پوتے کی نابالغی کی وجہ سے اس نے دوبارہ سلطنت کے انتظام میں دخل دیا تھا۔ مگر افسوس کہ بد باطن اہلکاروں کو اب اس کی یہ مداخلت ناگوار گذرنے لگی اور انہوں نے بشن سنگھ کو ایسی پٹی پڑھائی کہ اس نے امید سنگھ کو بوندی میں آنے کی ممانعت کر دی۔ امید سنگھ نواح شہر میں داخل ہوچکا تھا کہ قاصد نے یہ پیغام دیا کہ آپ کی خاک بزرگوں کی خاک سے نہ ملنے پائے گی ؛

بوندی کی طرف سے تو امید سنگھ کے ساتھ آخری عمر میں یہ سلوک ہوا مگر راجپوتانہ کے تمام راجوں اور مہاراجوں کے دلوں پر اس کے عالم جوانی کے کارناموں کا سکہ بخوبی بیٹھا ہوا تھا اور ان کی نظر میں اس کی خاص وقعت تھی۔ سب اس کو دیوتا سمجھتے تھے۔ اس خبر کو سنکر اردگرد کے رئیسوں نے بڑے شوق سے اس کو اپنے پاس طلب کیا خصوصاً پرتاب سنگھ والئے امیر نے ایسا مؤدبانہ خط لکھا کہ بیٹا باپ کو اور ادنے خادم اپنے آقائے نامدار کو بھی نہ لکھتا۔ اس نے بڑے اشتیاق سے امیر میں تشریف لانے کی التجا کی یہ درخواست صرف راجہ کی طرف سے ہی نہ تھی بلکہ کچھواہا قوم کی طرف سے تھی۔ امید سنگھ نے اس درخواست کو منظور کرلیا اور جب امیر میں داخل ہوا۔ تو رشیوں اور منیوں کی طرح اس کی تعظیم و تکریم ہوئی اور راجا امیر نے دست بستہ ہوکر گذارش کی کہ اگر حکومت کی ہوس ہو تو میں کوٹہ اور بوندی کی گدی ابھی دلوا سکتا ہوں مگر امید سنگھ نے جواب دیا کہ بس تخت حکومت

پر لات مار چکا ہوں کوٹہ اور بوندی دونوں میرے قبضہ میں ہیں ایک جگہ بھتیجا حاکم ہے
دوسری جگہ پوتا۔ اب زیادہ کچھ ہوس نہیں ہے۔

جب ظالم سنگھ کو یہ خبر ہوئی تو وہ خود بوندی میں گیا اور بشن سنگھ کے اُن خام خیالوں کو
چالاک اہلکاروں نے اس کے دل پر بٹھا دیئے تھے دور کیا اور سمجھایا کہ جس بہادر نے عین
خوشی سے سلطنت ترک کر دی اس کو اب دنیاوی طمع کہاں! اس قسم کی فہمائشوں سے بشن
کا دماغ درست ہوا اور لالہ پنڈت کی معرفت بعجز تمام امید سنگھ کو بوندی میں طلب
دادے اور پوتے کی ملاقات بڑی دلچسپ اور رقت خیز تھی۔ حاضرین بے اختیار
امید سنگھ نے اپنی کمر کی تلوار بشن سنگھ کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ میرے لخت جگر اگر تم
میری طرف سے بدظنی ہے تو اسی تلوار سے میرا خاتمہ کر دو لیکن نالائقوں کے کہے
اعتبار نہ کرو۔ اجیت سنگھ ابھی ناتجربہ کار تھا اور شریر اہلکار اسکو بے وقوف بنا
ہوئے تھے جس وقت بوڑھے امید سنگھ نے اپنی تلوار اس کے ہاتھ میں دی وہ
ساختہ رو پڑا اور قدموں پر گر کر عفو تقصیر چاہی۔

اس واقعہ کے آٹھ سال بعد تک امید سنگھ اور زندہ رہا اور آخری وقت میں بشن
سنگھ نے بڑی محبت سے التجا کی کہ شہر کے اندر بزرگوں کی خاک کے پاس
توڑیئے۔ قریب المرگ امید سنگھ نے اب انکار نہ کیا اور سکھپال میں بیٹھ کر محل میں داخل
ہوا۔ اور اُسی رات اس کی پُر حوادث اور عبرت خیز حیات کا خاتمہ ہو گیا!

اُمید سنگھ کے انتقال کا زمانہ ہاڑوں کی تواریخ میں بہت مشہور زمانہ گذرا ہے
انہی دنوں میں لارڈ لیک صاحب سپہ سالار نے بوندی کے دشمن جسونت راؤ ہلکر کو
پست کرنے کے لیئے انگریزی سپاہ بھیجی تھی۔ یہ تحقیق نہیں ہوا کہ اسوقت امید سنگھ
زندہ تھا یا نہیں اور جس خیر خواہی کی سرکار انگریزی شکر گذار ہے اس کے سر انجام
میں اسکی صلاح تھی یا نہیں مگر جو سلوک بوندی کے ساتھ بعد میں ہوا وہ ہاڑوں
شجاعوں کی جانبازی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ خیر خواہی صرف اسوقت
ہی نہ ہوئی تھی جب انگریزی افسر بہادری کے نشہ میں چور فتح کی اُمید پر فوج لیے بڑھ
تھے اور کسی کی امداد و اعانت کے محتاج نہ تھے بلکہ اسوقت کا ذکر ہے جب مقابلہ
ہوا انگریزی سپاہ شکست فاش کھا کر بھاگی تھی اور جنگل

کا ہر ایک گلچھاڑ دامنگیر تھا۔ بلکہ اپنا سایہ بھی تعاقب میں دشمن نظر آتا تھا۔ رئیس بوندی نے ہلکر
کے عتاب سے اپنے نقصان کا مطلق خوف کر کے فوج مفرور کو بڑی خوشی سے اپنے علاقہ
میں گزرنے کی اجازت دی۔ اور شکست خوردہ سپاہ اور اس کے افسروں کی دلجوئی کا کوئی
دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ہر طرح سے ان کی خاطرداری کی اور بہم رسانی سامان رسد وغیرہ
میں پوری پوری مدد دی ؁

اس واقعہ کے چار سال بعد بشن سنگھ نے عارضہ ہیضہ سے وفات پائی۔ بیماری کا
حملہ سخت تکلیف دہ تھا مگر وہ مستقل مزاج رہا اور طبیعت پر کچھ بھی آثار پریشانی نہ پائے
جاتے تھے۔ عالم ہوش و حواس میں اس نے رانیوں کو ستی ہونے کی ممانعت کی۔ اور
اپنی عین حیات میں بیٹے کو گدی پر بٹھا کر انگریزی ایجنٹ کی حفاظت میں دیا اور خود عین
عالم جوانی میں ملک عدم کی راہ لی ؁

بشن سنگھ بڑا ایماندار اور نیک تھا۔ اگرچہ ابتدا عمر میں چند شریر اہلکاروں کے جھانسے
میں آکر اس نے اپنے دادا امید سنگھ سے گستاخی کا برتاؤ کیا تھا مگر ظالم سنگھ کے سمجھانے
سے بہت جلد راہ راست پر آگیا اور جوان ہونے پر دنیا کے نشیب و فراز کو نہایت قابلیت
سے سمجھنے لگا۔ وہ بڑا عقل مند تھا اور نفع و نقصان کو بخوبی سمجھتا تھا۔ جب مرہٹوں
نے اسکے بہت سے علاقے چھین لیے اور اسکی آمدنی کم ہوگئی تب بھی اس نے
آسائش کا وہ انتظام رکھا گویا کہ کچھ نقصان ہی نہیں ہوا۔ وہ شکار کا بڑا شائق تھا۔
اور اسکو اس سے ایسی رغبت تھی کہ شیر کے جنگلوں میں شیر کا شکار کیے بغیر گھر میں
واپس نہ آتا تھا۔ کم سے کم اسنے سو شیروں کا شکار اپنے ہاتھ سے کیا ہوگا۔ بگھیلے
اور چیتوں کی تو گنتی ہی نہیں۔ شکار کا یہ شغل نہایت خطرناک تھا ایک موقعہ پر ٹانگ
ایسی بری طرح ٹوٹی۔ کہ پھر درست نہ ہوئی۔ گھوڑے کی سواری کے وقت اسکے رعب
داب کی عجب کیفیت ہوا کرتی تھی۔ اور جب ہتھیار پہنکر سوار ہوتا تھا تو اس کے چہرہ
سے وہی بہادری نمایاں ہوتی تھی۔ جو اس کے بزرگوں سے جہانگیر وغیرہ شاہان دہلی کی
مہمات میں ظاہر ہوئی تھی۔ رعایا پر اپنا ایسا رعب غالب کر رکھا تھا۔ کہ سب تھر تھر
کانپتے تھے۔ ارکان ریاست پر ہمیشہ خوف طاری رہتا تھا۔ اور کیا مجال کہ کوئی کسی حکم
کی خلاف ورزی کر سکے ؁

بشن سنگھ کے دو بیٹے تھے اول راؤ راجہ رام سنگھ جس کی عمر اس وقت صرف گیارہ سال کی تھی اور دوسرا راجہ گوپال سنگھ جو بڑے بھائی سے چند مہینے چھوٹا تھا بڑا بیٹا رام سنگھ اپنے باپ کے بعد اگست ۱۸۲۱ء میں گدی نشین ہوا؂



ریاست کوٹہ

کوٹہ کی ریاست اول ماتحت بوندی کے تھی۔ لیکن ۱۵۷۹ء میں جب مادھوسنگھ نے صرف چودہ سال کی عمر میں شاہجہان کے لشکر کے ساتھ ایک نمایاں بہادری دکھلائی تو بادشاہ نے اُس کو خطاب راجہ کا عطا کیا اور ملک کوٹہ مع اس کے تین سو ساٹھ شہروں کے (جو اُس زمانہ میں جاگیر کلاں بوندی کی تھی اور جمع ان کی دولاکھ روپیہ تھی) بلاواسطہ اس کے والد کو دیا گیا۔

کوٹہ حال میں ہی خاندان اوجلا سے چھینا گیا تھا۔ اس زمانہ میں کوٹہ کی آبادی خس پوش مکانوں کی تھی۔ انہیں میں رئیس بھیل جو یہاں کا پہلا راجہ تھا۔ رہا کرتا تھا مگر جب مادھوسنگھ کو جاگیر میں ملا تو اس نے بہت وسعت حاصل کی۔ جانب جنوب اس کی سرحد گگروں اور گھٹولی تھی۔ جو اس وقت کھچی کے قبضہ میں تھے۔ سمت مشرق سنگول اور ناہرگڈھ واقعہ تھے۔ جانب شمال اس کی سرحد تا سلطانپور واقعہ برلب دریائے چمبل تھی۔ اور پار دریائے مذکور کے علاقہ خرونانڈتا کا واقعہ تھا۔ اس وسعت میں تین سو ساٹھ شہر تھے اور زمین یہاں کی زرریز اور اکثر شاخہائے دریاؤں سے سیراب تھی۔

مادھوسنگھ نے اپنے ان اختیارات کے ذریعے سے جو اسکو دربارشاہی میں حاصل تھے اپنے علاقہ کو بہت بڑی ترقی دی۔ اور جب وہ فوت ہُوا۔ تو اس کی سرحد مالوہ اور ہرون تک جا ملی تھی۔

مکند سنگھ

مادھوسنگھ نے سمت ۱۶۸۷ میں وفات پائی۔ اس کے پانچ فرزند تھے (۱) مکند سنگھ

جو قابض کوٹہ پر ہوا۔ (۲) موہن سنگھ جس کے پاس پلیتو تھا۔ (۳) جوجھار سنگھ جسکے
قبضہ میں کوترا تھا اور بعد ازاں رام گڈھ ریلاون بھی اسکو دیا گیا تھا۔ (۴) کنی رام
جس کے قبضہ میں کویلا تھا اور اس کو بادشاہ نے علاقہ دیہہ اور گورا بھی عطا کیا تھا
(۵) کشور سنگھ جو سانگود پر قابض ہوا ؂

راجہ مکند سنگھ گدی نشین ہوا تو اس نے ایک نہایت تابندہ مثال قواعد اصلی
کی پیلائی مالوہ اور ہروتی کے درمیان جو درہ ہے وہ آج تک بھی اسی کے نام سے مکند درہ کہلاتا
اس مقام پر فوج انگریزی نے جس کا افسر برگیڈیر مونس صاحب تھا ۱۸۰۴ء میں شکست
فاش کھائی تھی ؂

جب اورنگ زیب نے شاہجہان اپنے باپ کو گدی سے اُتارنے کی تجویز کی تو
راجپوت سن رسیدہ بادشاہ کی امداد کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ان میں مادھو سنگھ
لڑکے بھی شامل تھے۔ چنانچہ شاہجہان کی طفیل ان کو سرخود اور آزاد حکومت نصیب
تھی۔ اس لئے انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ تا دم زیست بادشاہ کی حفاظت کریں
سمت ۱۷۱۴ میں پانچوں بھائی اس میدان میں جو اوجین کے متصل ہے اور جس
فریق فتح نصیب نے بعد ازاں فتح آباد رکھا تھا۔ معہ اپنے اپنے جاگیرداروں کے
بانا پہن کر جنگ کے لئے آئے۔ راجپوتوں میں یہ علامت فتح کرنے یا مر جانے کی
وہ اورنگ زیب کے مقابلہ پر کامیاب نہ ہو سکے مگر کوئی امر ان کو شجاعانہ مرگ
روک سکتا تھا۔ پانچوں بھائی ایک ہی میدان میں گرے اور کشور سنگھ جو سب میں چھوٹا
کشتگان میں زندہ پایا گیا مگر تمام جسم مجروح اور خستہ تھا بمشکل تمام صحتیاب ہوا
ازاں اس نے دکھن میں خصوصاً بیجاپور کے حملہ میں وہ وہ کارنمایاں کئے کہ اورنگ
بھی اس کی بہادری کا قائل ہو گیا۔ مگر ٹاڈ صاحب افسوس سے کہتے ہیں کہ اورنگ
کو اتنی لیاقت نہ تھی کہ ایسے دلاور راجپوت کی کس طرح دلجوئی کیجاتی ہے ؂

کشور سنگھ

مکند سنگھ کی وفات کے بعد اسکا بیٹا جگت سنگھ گدی پر بیٹھا اور با

طرف سے دو ہزاری منصب حاصل کرنے کے بعد فوج شاہی کے ساتھ دکن میں
بہت کچھہ کارنمایاں کر کے سمت ۱۷۳۶ میں وفات پائی - اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے
بھیم سنگھ پسر کشن رام کوئیلا والہ گدی نشین ہوا مگر یہ لائق حکمرانی کے نہ تھا اسلئے جماعت
رؤسا نے اس کو خارج از گدی کر کے اس کو کوئیلا کے مقام پر واپس بھیجدیا جہاں
اسکی اولاد آجتک بھی قابض ہے ٭

پس کشور سنگھ کو جس نے مشکل سے اپنے زخموں سے شفا پائی تھی گدی نشین
کیا گیا - اور جب اورنگ زیب کو آخر کار تخت نصیب ہوا تو اس زمانہ میں کشور سنگھ
دکن کی مہمات میں مصروف تھا - اور اپنا اور اپنی قوم کا خون بہا رہا تھا - محاصرہ بیجاپور
میں اس نے بڑی نام آوری پیدا کی اور آخر کار حملہ آرکٹ میں سمت ۱۷۴۳ میں قتل ہوا
یہ قوم ہارا کا ایک نمونہ تھا - لکھا ہے کہ اس کے جسم پر پچاس زخم آئے تھے ٭

رام سنگھ جو ہنگام قتل اپنے والد کے اسکے ہمراہ تھا - اس کا جانشین مقرر ہوا -
یہ بھی کسی امر میں اپنے باپ سے کم نہ تھا - مرہٹوں کا زمانہ عروج تھا مگر یہ کبھی اور کسی
لڑائی میں بھی ان سے پسپا نہ ہوا - تخت نشینی کے بارے میں جو لڑائیاں اورنگ زیب
کے فرزندوں میں ہوئیں ان میں یہ شاہزادہ اعظم صوبیدار دکن کا طرفدار تھا - اور
اس لڑائی میں جو جاجو کے مقام پر ہوئی تھی سمت ۱۷۶۴ میں قتل ہوا ٭

بھیم سنگھ

اب بھیم سنگھ گدی نشین ہوا - اس [illegible] عہد میں کوٹہ کی ریاست تیسرے
درجہ کی نہیں رہی - بہادر شاہ کی وفات کے [illegible] فرخ سیر کے تخت نشین ہونے
پر اس نے سیدونکی طرف داری اختیار کی - اس لئے اسکا منصب پنج ہزاری مقرر
ہوا - یہ منصب آجتک راجگان اول درجہ کو عنایت ہوتا تھا - بھیم سنگھ ہر ایک امر
میں شامل حال سیداں اور راجہ جے سنگھ والئے امیر رہا - اور اس کے صلہ میں اسکو سند شاہی
بابت جملہ علاقہ جات پتھار کے عطا ہوئی - یعنی بجانب مغرب کوٹہ تا نشیب امیر واڑہ جانب
مشرق اکثر اراضیات کھچی اور بوندی کی اس کے ہاتھ آگئی تھیں - اس طرح اسکو مشہور

قلعہ گگرون بھی ہاتھ آگیا۔ جو کہ ہراوتی میں سب سے مضبوط قلعہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے
علاوہ میدانا سیر گڈھ۔ بارا منگروں اور برور بھی ایک ایک کر کے شامل ریاست کوٹہ ہو۔
مقام منوہر میں جو کہ اب کوٹہ کا دار الریاست ہے۔ چکر سین نامی بھیل راجہ رہتا تھا
اس کے ہمراہ پانچسو سوار اور آٹھ سو کماندار تھے۔ تمام بھیل اس کے ماتحت تھے۔ بھیم
نے ان پر حملہ کر کے انکو بھی بیدخل کیا اور ان کا علاقہ بھی شامل ملک کوٹہ کیا گیا۔ اب جس
رئیساں نے برتری کوٹہ کی تسلیم کی اور ویسی ہی شرائط منعقد ہوئیں۔ جیسی کہ انگریزوں
نے ارباب تحفظ اور آزادی راجواڑہ کے کی تھیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ ان کا کوئی
رئیس بغیر خلعت راجہ کوٹہ کے مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔

بھیم سنگھ نے اپنے رتبہ کا فائدہ اُٹھا کر بوندی پر بھی حملہ کیا اور جس قدر علامات شا
ان کی تھیں اور مدت سے ان کے قبضہ میں چلی آتی تھیں۔ سب چھین کر لے آیا۔ منجملہ
ایک جنگی نقارہ تھا۔ ایک رن سنکھ اور باجہ جنگی جس کے متفرق ساز آجتک بھی کوٹہ میں
استعمال کئے جاتے ہیں۔ چوتھے ایک نارنجی رنگ کا جھنڈا تھا۔ جو جہانگیر نے راؤ رتن
عطا کیا تھا۔ اور جس کے نیچے اکثر شجاعان قوم ہارا قتل ہوئے تھے۔ ان علامات کے
دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کئی ایک لڑائیاں بھی ہوئیں۔ مگر والئے بوندی اس کو نہ
سکا۔ چنانچہ بدیں خیال کہ کہیں دھوکھ سے یہ چیزیں نہ چلی جائیں ان کی بڑی سخت
حفاظت کی جاتی تھی۔ کوٹہ کے دروازے سر شام سے بند ہو جاتے تھے اور پھر
کے واسطے نہیں کھلتے تھے۔ چنانچہ اس کی مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے کہ جب
جان بلب راجہ بھیم سنگھ کو میدان جنگ سے جس کا ذکر آئیگا۔ اُٹھا کر واپس کوٹہ
لائے تو پہرے والے نے د[illegible] لینے سے انکار کر دیا۔ راجہ نے جب دیکھا کہ
والے پر کوئی ترغیب غالب نہیں [illegible] تو اس نے اپنا آپ ظاہر کیا اور کہا کہ میں
ہوں اب مجھے اندر جانے دو۔ لیکن سپاہی نے ہنس کر جواب دیا کہ میں اپنے
حکم سے مجبور ہوں۔ اس وقت کوئی بھی اندر نہیں جا سکتا۔ مگر راجہ کو پھر بھی اصرار کرتے
دیکھ کر اس نے بندوق اُٹھائی۔ مجبوراً راجہ کو متصل کے ایک مندر میں رات بسر کرنی
پڑی۔ جب صبح ہوئی اور دروازہ کھلا تو سپاہی کی اس حرکت کو سنکر ہر شخص ڈرنے
جب راجہ اندر آیا تو سپاہی نے حرکت شبینہ سے ڈرتے ہوئے اپنی ڈھال تلوار را

قدموں پر رکھدی۔ اور مردانہ وار اس کے حکم کا منتظر رہا۔ راجہ نے اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھا کر اس کے حوالے کی اور اس کی نمک حلالی کی تعریف کر کے اسکو خلعت دلوایا۔

مؤرخ بیان کرتا ہے کہ راجہ کا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا مگر وہ ایسا مستقل مزاج تھا کہ جب ایک مصاحب نے اس کو اس حال میں دیکھ کر اپنا تعجب ظاہر کیا تو اس نے نہایت متانت سے جواب دیا "جو شخص قوم ہارا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور جو اپنے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے وہ ایسے زخموں سے کبھی بھی پُر ملال نہیں ہو سکتا جب راجہ کو تمام سرداروں سے اعلےٰ رتبہ حاصل ہے تو پھر وہ کیوں نہ لڑائی کے وقت بھی سب سے آگے ہونا چاہیئے"۔

اگر راجہ بھیم سنگھ کچھ دیر اور زندہ رہتا تو امید تھی کہ وہ اپنے علاقہ کو اور بھی ترقی دیتا۔ اگرچہ وہ اب بھی کوہستان سے آگے اپنی حدود قائم کر چکا تھا اور مقامات اوناری ڈگ پراوا اور علاقہ جات چندراوت سب اس کے ماتحتی میں آچکے تھے مگر اس کی موت بھی اپنے بزرگوں کی طرح میدان جنگ میں ہی واقعہ ہوئی۔

سبب مشہور خلج خان جس کا نام تواریخ میں نظام الملک درج ہے دربار شاہی سے اس نیت سے فرار ہوا کہ دکھن میں جا کر اپنی حکومت قائم کرے تو راجہ جے سنگھ نے بہ حیثیت افسر فوج کے بھیم سنگھ اور گج سنگھ نرواالہ کو اسکا راستہ روکنے کا حکم دیا۔

نظام الملک بھیم سنگھ کا پگڑی بدل بھائی تھا لہذا اس نے دوستانہ پیغام بھیجا جو خبریں آپ کو میرے بر خلاف پہنچی ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے میں نے کوئی خزانہ شاہی نہیں لیا ہے۔ جے سنگھ ایک شریر اور بدنیت آدمی ہے اور وہ محض زبردستی سے طرفین کی تباہی چاہتا ہے۔ پس آپ لڑائی کا خیال ترک کریں اور میرا راستہ چھوڑدیں مگر اس کا جواب جو شیر دل بھیم سنگھ نے دیا وہ پڑھنے کے قابل ہے اور اس بات کا ایک نمایاں ثبوت ہے کہ راجپوت [illegible] فرض کے پابند تھے اور کوئی لحاظ یا کوئی رشتہ ان کو اپنی ڈیوٹی سے علیحدہ [illegible] نہ ہو سکتا تھا۔ جواب یہ تھا "میں حقوق دوستی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور کبھی ان کو فراموش نہیں کر سکتا لیکن یہ دوستی مجھے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں میری سدّ راہ نہیں ہو سکتی۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کا راستہ روکوں اور اسی غرض کے لیے یہاں آیا ہوں چونکہ جے سنگھ

قلعہ گگرون بھی ہاتھ آگیا۔ جو کہ ہراوتی میں سب سے مضبوط قلعہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے
علاوہ میدانا۔ سیر گڈھ۔ بارا۔ منگروں اور برور بھی ایک ایک کر کے شامل ریاست کوٹہ ہو
مقام منوہر میں جو کہ اب کوٹہ کا دارالریاست ہے۔ چکرسین نامی بھیل راجہ رہتا تھا
اس کے ہمراہ پانچسو سوار اور آٹھ سو کمانداز تھے۔ تمام بھیل اس کے ماتحت تھے۔ بھیم
نے ان پر حملہ کر کے انکو بھی بیدخل کیا اور ان کا علاقہ بھی شامل ملک کوٹہ کیا گیا۔ اب جس
رئیساں نے برتری کوٹہ کی تسلیم کی اور ویسی ہی شرائط منعقد ہوئیں۔ جیسی کہ انگریز
نے ارباب تحفظ اور آزادی راجواڑہ کے کی تھیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ ان کا کو
رئیس بغیر خلعت راجہ کوٹہ کے مقرر نہیں ہو سکتا تھا؂

بھیم سنگھ نے اپنے رتبہ کا فائدہ اُٹھا کر بوندی پر بھی حملہ کیا اور جس قدر علامات شا
ان کی تھیں اور مدت سے ان کے قبضہ میں چلی آتی تھیں۔ سب چھین کر لے آیا۔ مث
ایک جنگی نقارہ تھا۔ ایک رن سنکھ اور باجہ جنگی جس کے متفرق ساز آجتک بھی کوٹہ میں
استعمال کئے جاتے ہیں۔ چوتھے ایک نارنجی رنگ کا جھنڈا تھا۔ جو جہانگیر نے راؤ رتن
عطا کیا تھا۔ اور جس کے نیچے اکثر شجاعان قوم ہارا قتل ہوئے تھے۔ ان علامات کے
دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کئی ایک لڑائیاں بھی ہوئیں۔ مگر والئے بوندی اس کو
سکا۔ چنانچہ بدیں خیال کہ کہیں دہوکھ سے یہ چیزیں نہ چلی جائیں ان کی بڑی سخت
حفاظت کی جاتی تھی۔ کوٹہ کے دروازے سر شام سے بند ہو جاتے تھے اور پھر ک
کے واسطے نہیں کھلتے تھے۔ چنانچہ اس کی مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے کہ جب
جان بلب راجہ بھیم سنگھ کو میدان جنگ سے جس کا ذکر آئیگا۔ اُٹھا کر واپس کوٹہ
لائے تو پہرے والے نے د[illegible] لینے سے انکار کر دیا۔ راجہ نے جب دیکھا ک
والے پر کوئی ترغیب غالب نہیں، تو اس نے اپنا آپ ظاہر کیا اور کہا کہ میں
ہوں اب مجھے اندر جانے دو۔ لیکن سپاہی نے ہنس کر جواب دیا کہ میں اپنے
حکم سے مجبور ہوں۔ اس وقت کوئی بھی اندر نہیں جا سکتا۔ مگر راجہ کو پھر بھی اصر
دیکھ کر اس نے بندوق اُٹھائی۔ مجبوراً راجہ کو متصل کے ایک مندر میں رات بسر کر
پڑی۔ جب صبح ہوئی اور دروازہ کھلا تو سپاہی کی اس حرکت کو سنکر ہر شخص ڈرنے
جب راجہ اندر آیا تو سپاہی نے حرکت شبینہ سے ڈرتے ہوئے اپنی ڈھال تلوار ر

قدموں پر رکھدی۔ اور مردانہ وار اس کے حکم کا منتظر رہا۔ راجہ نے اپنے ہاتھ سے تلوار اُٹھا کر اس کے حوالے کی اور اس کی نمک حلالی کی تعریف کر کے اسکو خلعت دلوایا ؂

مؤرخ بیان کرتا ہے کہ راجہ کا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا مگر وہ ایسا مستقل مزاج تھا کہ جب ایک مصاحب نے اس کو اس حال میں دیکھ کر اپنا تعجب ظاہر کیا تو اس نے نہایت متانت سے جواب دیا" جو شخص قوم ہارا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور جو اپنے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے وہ ایسے زخموں سے کبھی بھی پُر ملال نہیں ہو سکتا جب راجہ کو تمام سرداروں سے اعلےٰ رتبہ حاصل ہے تو پھر وہ کیوں نہ لڑائی کے وقت بھی سب سے آگے ہونا چاہیئے" ؂

اگر راجہ بھیم سنگھ کچھ دیر اور زندہ رہتا تو امید تھی کہ وہ اپنے علاقہ کو اور بھی ترقی دیتا۔ اگرچہ وہ اب بھی کوہستان سے آگے اپنی حدود قائم کر چکا تھا اور مقامات اوناری۔ ڈگ۔ پراوا اور علاقہ جات چندراوت سب اس کے ماتحتی میں آچکے تھے مگر اس کی موت بھی اپنے بزرگوں کی طرح میدان جنگ میں ہی واقعہ ہوئی ؂

سبب مشہور خلیج خان جس کا نام تواریخ میں نظام الملک درج ہے دربار شاہی سے اس نیت سے فرار ہوا کہ دکھن میں جا کر اپنی حکومت قائم کرے تو راجہ جے سنگھ نے بہ حیثیت افسر فوج کے بھیم سنگھ اور گج سنگھ نرواالہ کو اسکا راستہ روکنے کا حکم دیا ؂

نظام الملک بھیم سنگھ کا پگڑی بدل بھائی تھا لہذا اس نے دوستانہ پیغام بھیجا جو خبریں آپ کو میرے برخلاف پہنچی ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا چاہیے میں نے کوئی خزانہ شاہی نہیں لیا ہے۔ جے سنگھ ایک شریر اور بدنیت آدمی ہے اور وہ محض زبردستی سے طرفین کی تباہی چاہتا ہے۔ پس آپ لڑائی کا خیال ترک کریں اور میرا راستہ چھوڑ دیں مگر اس کا جواب جو شیر دل بھیم سنگھ نے دیا وہ پڑھنے کے قابل ہے اور اس بات کا ایک نمایاں ثبوت ہے کہ راجپوت کیسے اپنی فرض منصبی کے پابند تھے اور کوئی لحاظ یا کوئی رشتہ ان کو اپنی ڈیوٹی سے علیحدہ نہ ہو سکتا تھا۔ جواب یہ تھا ؂ بھیجا گیا معصور تھا مگر گمان سنگھ

میں حقوق دوستی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور کبھی ان کو فراموش نہیں کر سکتا لیکن یہ دوستی مجھے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں میری سدّ راہ نہیں ہو سکتی۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کا راستہ روکوں اور اسی غرض کے لئے یہاں آیا ہوں چونکہ جے سنگھ

بادشاہ کی طرف سے افسر مقرر کیا گیا ہے پس ہمارے لئے اس کا حکم بھی بادشاہ کا ہی حکم ہے۔ میں کسی صورت جنگ سے باز نہیں رہ سکتا۔ کل حملہ کرونگا ۔

فرض شناس راجپوت کا جواب بالکل راستی سے لبریز تھا بلکہ اس نے اپنا آئندہ ارادہ بھی ظاہر کر دیا تھا۔ نظام الملک نے اس سے فائدہ اُٹھا کر دریائے سندھ کے کنارے نہایت نشیب و فراز جگہ پر مقام کیا۔ اس مقام کو صرف ایک ہی رستہ تھا نظام الملک نے اپنا توپخانہ پوشیدہ طور پر قائم کیا ۔

علے الصبح بھیم سنگھ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنی فوج کو فوج کچھواہا کے ساتھ شامل کر کے روانہ ہوا جب نظام الملک سے ایک گولے کا فاصلہ باقی رہ گیا مگر ابھی اس تک پہنچنے نہیں پائے تھے کہ مخفی توپخانے نے اُن پر گولہ باری شروع کر دی۔ اگرچہ اب بھی ان کے لیے واپس پلٹ جانے کا موقعہ تھا اور بہت تھوڑا نقصان اٹھا کر وہ جان سلامت لے جا سکتے تھے مگر شیر کا قدم آگے پڑ کر پھر پیچھے ہٹنا محال ہے دونوں راجے یعنے بھیم سنگھ اور گج سنگھ سینہ سپر ہو کر توپوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بہادروں کی طرح اپنی جانیں قربان کر دیں۔ تمام راجپوت مارے گئے اور نظام الملک اپنے راستہ پر ہو لیا ۔

سمت ۱۷۷۶ میں بھیم سنگھ نے پندرہ سال کی حکمرانی کے بعد وفات پائی اور اس عرصہ میں جو اُمورِ ریاست قائم کئے وہ ایسی بنیاد پر قائم کئے تھے کہ پھر کبھی ان میں خلل واقع نہیں ہوا ۔

درجن سال

سمت ۱۷۸۰ میں درجن سال گدی پر بیٹھا۔ اور اسکی گدی نشینی کو محمد شاہ بادشاہ نے بھی جو خاندان تیموریہ کا آخری بادشاہ رہے دو۔ لیکن سپاہ شاہ کہہ سکتے ہیں منظور کیا۔ اور یہاں تک اسکی رعایت منظور کی گئی تھی کہ کوئی بھی اندسلی قوم کی آمد و رفت تھی گاؤکشی کی ممانعت ہو گئی تھی۔ درجن سال اسوقت گدی پر بیٹھا جب کہ اس کے ملک کی تواریخ کے لیئے بہت سا اسباب واقعات کا جمع ہو رہا تھا۔ اسکے عہد میں باجی راؤ مرہٹہ اول مرتبہ فوج کشی ہندوستان پر کی۔ اس موقعہ پر وہ گذرتا رچ سے گذرے اور درجن سال

کی سرحد کے قریب جو قلعہ ناہر گڈھ تھا (وہ ایک مسلمان) حاکم کے قبضہ میں چلا آتا تھا فتح کر کے درجن سال کو دیا گیا۔ اس کے عوض میں درجن سال نے بھی مرہٹوں کو رسد رسانی کی بہت سی امداد دی۔ مگر عرصہ چند سال میں یہ امور دوستی بالکل فراموش ہو گئے؂

والیئے امیر کا یہ خاص منشا تھا کہ جس طرح ہوریئیاں ہروتی کو مطیع کر کے جاگیرداروں کے ضمن میں لایا جائے۔ چنانچہ اس مطلب کے لئے اس نے کئی بار کوششیں بھی کیں مگر ناکامیاب ہوا آخر کار جب بودھ سنگھ کو بوندی کی ریاست سے خارج کیا گیا اور اس کے جانشین سے شرائط تابعداری اور فرمانبرداری کی پختہ کرالی گئیں تو والیئے امیر یعنی ایشری سنگھ نے چاہا کہ اب اپنی بزرگی کوٹہ پر بھی قائم کرے چنانچہ تین افسران مرہٹہ کو بسر کردگی سورج مل کے روانہ کیا اور کوٹری کی سخت جنگ کے بعد شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے تک ہر ایک کوشش اور تدبیر عمل میں آئی مگر اس سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ ناچار بعد تراشنے درختوں اور کاٹنے باغات گرد نواح کوٹہ کے مجبوراً محاصرہ اٹھانا پڑا اور اسی موقعہ پر جے آپا افسر مرہٹہ کا ایک ہاتھ بھی گولہ سے اڑ گیا اس جنگ کے تفصیلی حالات ہمارے ہاتھ نہیں لگے مگر گمان سنگھ ہاڑا کی شجاعت کا حال جو تواریخ راجستان سے اخذ کیا گیا ہے ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے؂

جے سنگھ نگرنی والہ کے پاس گمان نامی ایک سردار تھا جے سنگھ نے کسی قصور خفیف سے اسکا علاقہ ضبط کر لیا۔ یہ اپنے گھر کو واپس آتا تھا کہ راستہ میں وہ جے سنگھ کو مل گیا۔ رات اندھیری تھی اور ایک مشعلچی آگے آگے چلا جاتا تھا گمان سنگھ نے اول مشعلچی کو اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور پھر اپنی سانگ سے جے سنگھ کو پالکی میں پیوند کر دیا۔ اسکے بعد گمان سنگھ اپنے علاقہ میں آیا اور اپنے عیال و اطفال اور اسباب لیکر معہ اپنے ہمراہیوں کے اودے پور کو روانہ ہوا اور رانا کے پاس پناہ لی رانا نے کچھ علاقہ اس کے اور اس کے ہمراہیوں کی پرورش کے لئے عطا کیا۔ لیکن جب گمان سنگھ نے سنا کہ ایشری سنگھ جے پور والہ نے کوٹہ کا محاصرہ کیا ہے تو اس کے خون نے جوش مارا اور رانا سے عرض کی کہ اسوقت کوٹہ کی حفاظت کرنا اسکا بھی فرض ہے چنانچہ وہ اجازت لیکر روانہ ہوا۔ اسوقت کوٹہ چاروں طرف سے محصور تھا مگر گمان سنگھ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ ضرور آگے بڑھے گا خواہ اسکام میں اپنی جان بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ یہ مصمم ارادہ کر کے اس نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ نقارے پر چوٹ دیجائے۔ راجہ جے پور نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ کون ایسا دلیر آدمی ہے۔ جو ہمارے خیمہ کے متصل نقارہ بجاتا ہوا گذر رہا ہے مگر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ

راوت گھاٹی والہ ہے اور کوٹہ کی حفاظت کو جا رہا ہے تو اس نے اسکی ملاقات کی خواہش ظاہر کی کیونکہ اس نے اپنے والد سے سنا تھا کہ یہ شخص بڑا بہادر ہے اور اسنے ایک دفعہ بغیر مدد کسی اسلحہ کے شیر کو قتل کیا تھا چنانچہ ہاراکے پاس پیغام بھیجا گیا جس کو اس نے فوراً منظور کیا لیکن کہا کہ وہ تنہا نہ آئیگا اور اسکے ہمراہی بھی اسکے ساتھ ہونگے۔ بوقت ملاقات ایشری سنگھ نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور کہا کہ اگر وہ جے پور چلنا چاہے تو اس کو ایک معقول جاگیر عطا کی جائیگی گمان سنگھ نے اس عطیہ کو نامنظور کیا اور کہا کہ وہ اپنی قوم کے دشمن کا عطیہ منظور نہیں کر سکتا ایشری سنگھ نے جواب دیا کہ اب کوٹہ کی حالت بہت نازک ہے اور وہ بہت جلد اس کو فتح کیا چاہتا ہے۔ گمان سنگھ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اسنے گرج کر کہا بیس ہزار ہارا کے سر کوٹہ کے ساتھ ہیں اور جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ ہے آپ کوٹہ کو ہرگز نہیں لے سکتے؛

اسکے بعد گمان سنگھ معہ اپنے ہمراہیوں کے اُٹھ کھڑا ہوا اور راجہ نے حکم دیا کہ ہماری فوج میں سے کوئی شخص اسکا مزاحم نہ ہو۔ محافظان مورچہ نے بھی اس سے مطلق مزاحمت نہیں کی اور وہ بلا کسی رکاوٹ کے قلعہ میں چلا گیا؛

اہل قلعہ کے لئے یہ وقت بڑا نازک وقت تھا۔ کیونکہ ایک طرف سے قلعہ کی دیوار شکست ہو گئی تھی اور غنیم اندر داخل ہونے کے لئے بڑی سختی سے حملہ کر رہا تھا۔ گمان سنگھ سیدھا اس شکستہ مقام پر گیا اور اپنی سانگ آہنی وہاں گاڑ دی۔ اس تازہ امداد سے اہل قلعہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے ایسا دل توڑ حملہ کیا کہ غنیم کو فوراً واپس جانا پڑا۔ آج گمان سنگھ کی تلوار نے بڑا کام کیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ اس موقع پر نہ پہنچ گیا ہوتا تو قلعہ دشمن کے ہاتھ میں جا چکا تھا؛

درجن سال بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ اور جو خصوصیتیں راجپوتوں کی ہیں وہ سب اس میں موجود تھیں وہ بڑا بے تکلف شجاع اور فیاض تھا۔ شکار کا اس کو بڑا شوق تھا۔ مگر ہمیشہ شیر کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ ملک میں ہر جگہ رمنے بنے ہوئے تھے۔ (بعض بہت وسیع تھے اور ان کے گرد خندق۔ جھانکی اور صلابت کوچے بنے ہوئے تھے) ان سب رمنوں میں اس نے شکار گاہ بنا رکھی تھی؛

اس شکار میں جس کی تیاری مثل تیاری جنگ کے ہوا کرتی تھی۔ وہ رانیوں کو بھی ہمراہ لے جایا کرتا تھا۔ رانیاں برابر بندوق چلانا جانتی تھیں اور جب شکار گاہ میں راجہ کے ساتھ ہوتی تھیں

بھی گولی سے شیر کا شکار کیا کرتی تھیں ؂

ایک دفعہ شکار کے موقعہ پر فوجدار جھالا بھی راجہ کے ساتھ تھا۔ شیر نے اس پر حملہ کیا مگر راجہ کا حکم تھا کہ کوئی شخص سوائے میرے شیر پر گولی نہ چلائے۔ سردار کے لئے جان کا بچاؤ ضروری تھا مگر وہ اس کی نسبت اپنے آقا کے حکم کو ترجیح دیتا تھا۔ شیر نے چھلانگ مار کر اس پر حملہ کیا جھالا نے اس کو ڈھال پر روکا اور تلوار کی ضرب سے اس کو دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ راجہ نے اس کی جرأت کی بڑی تعریف کی۔ اور اس کی فرمانبرداری سے خوش ہو کر اسکو بیش قیمت خلعت دیا ؂

درجن سال کے کوئی اولاد نہ تھی۔ قریب تین سال پیشتر اپنی رانی کے مشورہ سے متبنّےٰ کرنے کی تجویز کی ؂

راجہ رام سنگھ کا بیٹا بشن سنگھ اس لئے گدی سے محروم کیا گیا کہ اس نے اپنے والد کے ساتھ مہم دکن میں جانے سے انکار کیا تھا۔ چنانچہ حقوق گدی سے محروم کرنے کے بعد اس کو انتا واقعہ دریائے چمبل کی جاگیر عطا ہوئی تھی۔ اس وقت بشن سنگھ کا پوتا اجیت سنگھ انتا کا وارث تھا۔ مگر وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کے بیٹے چتر سال کو درجن سال کی رانی کی گود میں ڈال کر کوٹہ کا وارث قرار دیا گیا۔ مگر درجن سال کی وفات کے بعد چتر سال نے گدی پر بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ خلاف وضع بشری ہے کہ فرزند تو حکمرانی کرے۔ اور باپ اس کی تابعداری۔ کیونکہ اس وقت تک اس کا والد اجیت سنگھ والئے انتا زندہ تھا۔ بخت سنگھ جھالا نے جو افسر سپاہ تھا۔ چتر سال کی رائے سے اتفاق کیا مگر دقت یہ تھی کہ رئیس معمر کی مرضی کیونکر حاصل کیجائے۔ اس کی عمر اس وقت اسّی سال سے زیادہ تھی اور اندیشہ تھا کہ اس عمر میں وہ اپنی بے دغدغہ جاگیر کو ترک کر کے کس طرح تفکرات حکمرانی کو قبول کریگا مگر فوجدار بخت سنگھ کی عقلمندی اور ہوشیاری نے اس کو راضی کر لیا۔ اور وہ کوٹہ کی گدی پر بٹھا دیا گیا۔ اس نے صرف اڑھائی سال حکومت کی اور کوٹہ کی گدی پھر خالی ہو گئی ؂

چتر سال

اب چتر سال کوٹہ کا راجہ مقرر ہوا۔ مگر قبل اس کی گدی نشینی کے مشہور فوجدار بخت سنگھ

آلا سنگھ بالطبع نہایت شجاع اور بہادر تھا۔ سیر و شکار کا بھی اُسے بہت شوق رہتا تھا۔ ایک دن وہ شکار کھیل کر اپنے دار الحکومت کو واپس جا رہا تھا کہ رستہ میں ایک چارن (تعریف گو شاعر) نے اُسے سلام کیا۔ اور بہت دعا دی۔ خیاض دل آلا سنگھ نے کچھ اُس کی خاطرداری کرنی چاہی لیکن اُس نے بجز "دستار سر" لینے کے ہر ایک چیز سے انکار کیا۔ آخر ہجو کے خوف سے مجبور ہو کر اُس نے سر کی پگڑی اُتار کر حوالے کی لیکن وہ نہایت متعجب تھا کہ چارن نے ایسی عجیب و غریب درخواست کیوں پیش کی"۔ چارن آلا سنگھ سے رخصت ہو کر دار الریاست منڈور میں پہنچا اور راجہ کے سامنے جا کر ترقی دولت کی دعا دی اور اُلٹے ہاتھ سے اپنی پگڑی جو آلا سنگھ نے عطا کی تھی۔ اُتار کر سیدھے ہاتھ سے سلام کی رسم بجا لایا۔ راجہ کو یہ اندازِ سلام دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ آخر اُس نے سوال کیا جس کے جواب میں چارن نے عرض کی کہ یہ میرے سر دار آلا سنگھ کی دستار ہے جو روئے زمین پر کسی فرد بشر کے آگے خم نہ ہوگی۔ ایک کوہستانی گمنام رئیس کی اِس قدر تعظیم کرنے سے راجہ منڈور برافروختہ ہوا۔ اور اس نے دستار مذکور زمین پر پھینک کر ٹھوکروں سے کمرہ کے باہر پھنکوا دی"۔

چارن کو یہ بے عزتی، اِس سے ناگوار گذری اور وہ پگڑی کو بغل میں دبائے بہت آزردہ خاطر آلا سنگھ کے سامنے حاضر۔ سخت رنج پیدا ہوا اور یاد کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ راجہ منڈور کی گستاخی کا ضرور عوض لیا جاوے بعد مرگ بھی اپنی [illegible] کے ساتھ [illegible] سُنا تو نہایت افسوس کیا اور چارن کو ملامت کے طور پر کہا۔ خوش [illegible] تم [illegible] پوشیدگی نے لئے ہم سے پگڑی لی تھی اور بہت سی دوسری چیزیں تجھے دیتے رہے تو نے منظور نہ کیں نہ جانے اِس چھوٹی سی پگڑی میں تجھے ایسی کون سی خوبی نظر آئی۔ خیر اب تو جو کچھ بھی ہو مقابلہ کے بغیر چارہ نہیں جس طرح بنے گا راجہ منڈور کو اُس بے عزتی کرنے کی کافی سزا دی جاوے گی۔ یہ کہکر آلا سنگھ نے اپنے جلد ہم قوموں کو جمع کیا اور اسی وقت ایک خاندان کے پانچسو نوجوان دیوار [illegible] اعلیٰ مورث کے درمیان جمع ہو گئے۔ آلا سنگھ نے انہیں مفصل حال کہہ سنایا کہ اب زندگی کی کوئی اُمید نہیں ہم صرف اپنی قوم و وطن کی عزت و آبرو پر اپنی جانیں نثار کرنے کیلئے جاتے ہیں۔ بہادر نوجوانوں نے دلی خوشی کے ساتھ اس کی پُر جوش تقریر کو سُنا۔ سب ہر طرح اُس کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ ہو گئے اور روانگی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ لیکن آلا سنگھ جو ایک نبرد آزما بہادر تھا۔ دشمن کی قوت کو بہت زیادہ سمجھتا تھا اس لئے اُس نے سوداگروں کا بھیس بدل

اور اسلحہ وسامان جنگ کو صندوقوں میں بند کردیا اور گھوڑے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے مندور میں پہنچکر عین قلعے کے دروازے پر یہ لوگ فروکش ہوئے اپنے گھوڑے کس لئے اور بہادر اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہوگئے۔ نقارہ جنگ نے اپنی دہشت بھری آواز سے مندور کے بے خبر راجہ کو ہوشیار کیا۔ وہ اگرچہ آلا سنگھ کی آمد سے مطلع ہوچکا تھا اور اُس نے اپنے والد سے کہدیا تھا کہ جس قدر زمین آلا سنگھ کے نیچے پامال ہوگی۔ وہ میں برہمنوں کو دان دونگا۔" جب دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نقارہ قلعہ کے بالکل متصل آلا سنگھ ہی نے بجوایا ہے تو اُس کی والدہ نے اُس سے پوچھا کہ کیا اب بھی تم اس قدر زمین برہمنوں کو دے سکتے ہو؟ لیکن راجہ اپنے عہد وپیمان پر قائم رہا اور اُس نے اپنی فوج بقدر امکان جمع کی اور دشمنوں کے بالمقابل ہوکر جنگ کا یہ طریق اختیار کیا کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ایک آدمی نکلکر مقابل ہو" آلا سنگھ نے اس طریق کو بہت پسند کیا اور راجہ مندور [illegible] انسانیت کا بہت شکر گذار ہوا۔ چنانچہ اسی قاعدہ کے مطابق دونوں جانب سے بہادر نکلتے تھے اور اپنی شجاعت کے بیش قدر جوہر دکھاکر قومی عزت پر نثار ہوجاتے تھے۔ لڑائی ہورہی تھی اور دونوں طرف کے جانباز جانبازی میں مصروف تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان نہایت آن بان سے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دونوں فوجوں کے درمیان آکر کھڑا ہوگیا۔ اُس کا شاندار چہرہ اور اعضا کا دلفریب تناسب شجاعت سے بھرا ہوا بے نظیر مردانہ حُسن دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔

نوجوان نے آتے ہی آلا سنگھ کی فوج کو روک دیا جس کے ساتھ ہی اُنہوں نے اپنی برچھیاں جُھکالیں۔ اور بالکل سناٹا چھاگیا۔ اِس گہرے سکوت کا قفل آلا سنگھ کی آواز نے توڑا اُس نے نوجوان کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "اے جوان! کیا تو خاندان بماوداکو بالکل تباہ کیا چاہتا ہے؟ جس کے جواب میں اُس شیر دل بہادر نے کہا کہ کاکا! کچھ پرواہ نہ کرو۔ بھلا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ میدان جنگ میں ہوں اور میں کوٹھڑی میں بیٹھا رہوں درصل یہ جوان آلا سنگھ کا بھتیجا تھا۔ جسے اُس نے بوجہ لاولدی متبنے کرلیا تھا اور اب اُس کے بعد ریاست مذکور کا وارث تھا۔ جس وقت آلا سنگھ مندور کی طرف روانہ ہوا۔ تو اُس نے اپنے وارث بھتیجے کو سات کوٹھڑیوں میں بند کردیا تھا اور اُن کے دروازے مقفل کرکے آیا تھا۔ لیکن اس کی بہادر ماں نے اس نوجوان کو ساتوں قفل کھول کر نکالا اور میدان جنگ کی طرف روانہ کردیا۔

چنانچہ نوجوان بہادر کھڑا ہوا داد بہادری دے رہا تھا اور جو جوان دلاور اُسکے سامنے

آتا تھا اُس کی آبدار شمشیر نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ لیکن اب اُس کی گردن میں کاری زخم لگ چکا تھا آخر وہ میدان جنگ میں فرش زمین پر غش کھا کر گر پڑا۔ اِدھر تو آلا سنگھ کو یہ بات نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ کیونکہ وارث اور نام لیوا خاک میں مل چکا تھا دنیا اُس کی آنکھوں میں تاریک تھی وہ اب جان دینے اور دشمن سے کافی عوض لینے کے لئے ہر طرح آمادہ تھا اور اِدھر جب راجہ مندور کی والدہ نے جو ایک نہایت عقیل و فہیم اور تجربہ کار نکتہ رس رانی تھی قوم ہارا کی بہادری اور شجاعت دیکھی۔ جس کی اعلےٰ نظیر آلا سنگھ کا شیر دل نوجوان بھتیجا ابھی قائم کر گیا تھا اُسے نہایت تفکر پیدا ہوا۔ اور اُس نے راجہ مندور کو بلا کر کہا بہتر ہے کہ لڑائی موقوف کیجائے۔ اور تم باہم قوم ہارا سے صلح کر لو اور زیادہ تر مناسب ہے کہ مندور کی ... دیگر مخالفت کی یہ بھڑکتی ہوئی آگ بالکل فرو کر دیجائے ؎

والدہ کے کہنے سے راجہ بھی اس امر پر تیار ہوا۔ آخر نقارہ موقوفیٔ جنگ بجا۔ اور ایک معزز سردار کے ذریعے سے آلا سنگھ سے صلح کی درخواست کر کے شادی کا پیغام دیا آلا سنگھ نے بھی خوشی سے اِس درخواست کو منظور کیا۔ اور ایک حسین رانی لے کر اپنے وطن مالوف کو واپس چلا گیا۔ آلا سنگھ اب بالکل بے وارث تھا۔ اِس رانی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے وجود کو اسی ناامیدی کی حالت میں آلا سنگھ نے بہت غنیمت سمجھا۔ اور جب وہ جوان ہوئی تو اُس کی شادی بہت دھوم دھام سے کی جس میں بھوانی کباسی کو مدعو کیا۔ وہ تو شادی کے انتظام میں مصروف تھا۔ بھوانی اُس کے محل کے دروازہ پر آئی میلے کچیلے کپڑے دیکھ کر چوبدار نے اندر جانے نہ دیا۔ بھوانی نے کتنی ہی کوشش کی مگر ناکام رہی آخر اُس نے خفا ہو کر بماؤدا کی قوم ہارا کو بددعا دی اور چلی گئی۔ چنانچہ آلا سنگھ تو پہلے ہی سے بے وارث تھا کچھ دنوں کے بعد اُس کا خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو گیا ؎

راج رانا ظالم سنگھ

ظالم سنگھ کا کوٹہ کی ریاست سے اس قدر تعلق ہے اور وہ ایسا نامور اور منتظم گذرا ہے کہ پچاس سال تک نہ فقط کوٹہ کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اس کا نام موجود ہے۔ بلکہ کل راجپوتانہ کی ہر ریاست میں اس کا شہرہ رہا ہے ؎

شبیہ راج رانا ظالم سنگھ



متعلقہ وقائع راجستھان جلد دوئم صفحہ ۱۰۰

ظالم سنگھ راجپوتوں کی مشہور شاخ جھالا میں سے تھا وہ ۱۷۴۰ء میں پیدا ہوا تھا یہ سال تواریخ ہندوستان میں قابل یادگار ہے۔ کیونکہ اسی سال میں نادر شاہ نے ہندوستان پر فوج کشی کر کے خاندان تیموریہ کو ایک صدمۂ عظیم پہنچایا تھا۔ اس وقت محمد شاہ بادشاہ دہلی کے تخت پر سایہ فگن تھا اور درجن سال، کوٹہ کی گدی پر حکومت کر رہا تھا۔

ظالم سنگھ کے سامنے یکے بعد دیگرے پانچ راجہ کوٹہ کی گدی پر بیٹھے اور گذر گئے۔ ششم خارج از حکومت کیا گیا۔ باوجودیکہ ان حکمرانوں میں سے ایک نے پچاس سال حکومت کی پھر بھی ظالم سنگھ اس کے بعد تک زندہ رہا۔ اخیر وقت میں ظالم سنگھ آنکھوں سے اندھا ہو گیا تھا مگر اُس کی باطنی آنکھیں ویسی ہی تیز اور منور تھیں۔ جیسی کہ بٹوارہ کی مشہور لڑائی کے دن تھیں ظالم سنگھ نے اپنی طویل العمری میں بڑے بڑے انقلاب دیکھے۔ اول سلطنت کو عین ترقی کی حالت میں دیکھا۔ اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا نظارہ بھی ملاحظہ کیا۔ ابتدا میں کوئی ذی رتبہ انگریز بجز اس کے کہ وہ تخت تیموریہ کے محاذی دست بستہ کھڑا رہے اور کچھ منصب نہ رکھتا تھا۔ مگر اخیر میں جو شخص اس تخت پر متمکن تھا وہ حکام انگریزی کا محتاج اور دست نگران تھا ظالم سنگھ کی مدت حیات کے مفصل حالات کا تحریر کرنا مشکل امر ہے مگر پھر بھی اُس کی صائب تدبیری کی مجمل کیفیت جس کی نظیر صفحات تواریخ میں شاید بدشواری مل سکے۔ احاطہ تحریر میں لانی ضروری ہے ظالم سنگھ کے بزرگ ہلود ضلع جھالاواڑ واقعہ ساراشٹر کے سردار تھے۔ جس زمانہ میں اورنگ زیب کے بیٹوں میں تخت و تاج کے بدلے تلوار چل رہی تھی۔ اس وقت اس خاندان کا ایک نامور بہادر بھاؤ سنگھ چند کس ہمراہیوں کے ساتھ بہ تلاش معاش اس ملک میں آیا۔ اس وقت راجہ بھیم سنگھ اپنی حکومت کے عین عروج پر تھا۔ مادہو سنگھ خلف بھاؤ سنگھ کوٹہ کو آیا۔ جھالا قوم کے ابتدا سے معزز ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس وقت اگرچہ وہ خستہ حالت میں تھا اور اس کے ساتھ صرف پچیس آدمی تھے پھر بھی رئیس کوٹہ نے اس کے ساتھ رشتہ داری کرنے میں اپنی سبکی نہ سمجھی اور اپنے بیٹے ارجن سنگھ کی شادی اس کی دختر سے کی۔ کچھ دنوں کے بعد مادہو سنگھ کو عہدہ فوجداری اور ناندتہ کی جاگیر ملی۔ مادہو سنگھ کی حکومت صرف فوج پر ہی نہ تھی بلکہ قلعہ اور محلات کی نگرانی بھی اسی کے سپرد تھی۔ بسبب رشتہ داری اس کی حکومت کو زیادہ استحکام ہوا۔ اور خاندان راجہ کے چھوٹے بڑے اسکو ماما صاحب کہنے لگے۔

مادہو سنگھ کے بعد اس کا بیٹا مدن سنگھ فوجدار ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ہمت سنگھ

اور پرتھی سنگھ ؛

چونکہ بطور دیگر عہدوں کے اب عہدہ فوجداری بھی موروثی ہوگیا تھا اس لئے مد
کے بعد ہمت سنگھ اس عہدہ پر مامور ہوا۔ اس نے اپنے فرائض منصبی کو نہایت عدگی
دیا۔ اور بارہا مشکل مقامات پر اس کی دلاوری اور ذی ہنری ثابت ہوئی۔ جب مرہٹوں
جے پور کی متفقہ فوج کوٹہ پر حملہ آور ہوئی تو رئیس کوٹہ اس کی مشورت و اعانت سے برسر
اور اسی کی معرفت وہ عہدنامہ بھی ہوا۔ جس کے ذریعہ سے کوٹہ مرہٹوں کا خراج گذار ہوا مگر ظالم
نے علاوہ اپنے بزرگوں کی کارگذاری کے میدان بٹوارہ میں جس کا ذکر پچھلے صفحوں میں ہو
دشمنوں کو شکست فاش دیکر جے پور کے دعوائے سرپرستی کو جس میں ہر ایک کچھوایہ نے
سے جہد کامل کیا تھا ہمیشہ کے لئے فسخ کردیا۔ اور کوٹہ کی ریاست کو بالکل آزاد او
بنادیا ؛

گمان سنگھ کی گدی نشینی کے تھوڑے دنوں بعد ظالم سنگھ اپنے آقا کی ایک منظ
حرم کے عشق کے الزام میں معتوب ہوکر عہدہ فوجداری سے معزول ہوا۔ جس کے سا
اس کی جاگیر بھی ضبط ہوگئی۔ جب اس طرح پر ظالم سنگھ کو اپنی پہلی عزت اور رتبہ حا
کی امید نہ رہی تو اس نے دوسری جگہ تلاش معاش کا ارادہ کیا۔ امیر میں تو اس کے
دروازے بند تھے۔ مارواڑ میں اس کی عالی حوصلہ تدبیروں کے اجرا کی گنجائش نہ تھی
میواڑ قریب تھی اور وہاں اس کا ہم قوم سردار رانا ارسی کے مصاحبوں میں حکمران تھا یعنی
کا سردار جو کہ راج میواڑ کے سولہ سرداروں میں سے ہے اُس کا فریق سرگروہ تھا۔ جس
کو مسند نشین کیا تھا پس وہ چاہتا تھا۔ کہ جو اقتدار اس ذریعہ سے اس کو حاصل ہوا
میں کمی عائد نہ ہو۔ اس غرض سے اس نے رئیس میواڑ کی حفاظت کے لئے پردیسی
رکھے تھے۔ اور جو شخص اس کی تدبیروں میں اس کا معاون ہوتا۔ اسکو خاطرخواہ جاگیر
کا مخروج فوجدار بتلاش معاش یہاں آیا تو اس کی لیاقت ذاتی جو جنگ
ظاہر ہوچکی تھی موجب اس بات کی ہوئی کہ رانا نے سردار مذکور کے پنجہ سے دہائی
کے لئے اس کو اپنا ہمراز اور معتمد بنایا ؛

ظالم سنگھ باوجودیکہ اس وقت تھوڑی عمر کا تھا اور سرداران میواڑ کے جوڑ توڑ
اچھی طرح واقف نہ تھا پھر بھی اس نے اس معاملہ میں وہ چستی اور ہوشیاری ظاہر کی

باعث اس کی مہمات زمانہ میں مثل معجزوں کے مشہور ہیں۔ ظالم سنگھ نے ایک ایسی بہادرانہ تدبیر کی کہ سردار دیواڑہ معہ اپنے ہمراہیوں کے روز روشن میں مارا گیا اور رانا کو اس کے قبضہ سے رہائی حاصل ہوئی۔ اس خدمت کے صلہ میں رانا نے ظالم سنگھ کو راج رانا کا خطاب اور چھتر کھیڑہ کی جاگیر مرحمت فرمائی۔ اور وہ میواڑ کے سرداران میں درجہ دوئم میں داخل ہو گیا مگر مفسدہ پھر بھی جاری رہا اور رتن سنگھ نے جو عویدار مسند تھا مرہٹوں سے مدد چاہی۔ ظالم سنگھ کی زبردست تدبیروں سے رانا نے فوج جمع کر کے مرہٹوں کا خوب مقابلہ کیا مگر دنوں کی گردش نے ناکامیاب رکھا۔ رانا کو شکست نصیب ہوئی اور ظالم سنگھ زخمی ہو کر قید ہو گیا ؛

جب امن قائم ہوا تو ظالم سنگھ نے رہا ہو کر سیدھا کوٹہ کا رُخ کیا مگر گمان سنگھ کی طبیعت اب تک بھی اس کی طرف سے صاف نہ ہوئی تھی۔ اس نے اس کی سابقہ خطاؤں کو معاف نہ کیا مگر ظالم سنگھ نے حوصلہ کو ہاتھ سے نہ دیا اور بلا اجازت اپنے راجہ کے سامنے چلا گیا غالباً اس وقت اس نے اپنی گذشتہ خدمات کا تذکرہ کیا ہو گا اور جنگ بٹوارہ کی یاد دلائی ہو گی جس میں اس نے ریاست کوٹہ کو آزاد کیا تھا۔ نتیجہ اس ملاقات کا یہ ہوا کہ اس کے سابقہ قصور معاف کئے گئے۔ اور وہ نئے سرے سے اپنے عہدہ پر مامور کیا گیا ؛

اس اثنا میں مرہٹے جنوبی سرحد پر آ پہنچے۔ اور قلعہ بکانبی کا محاصرہ کر لیا۔ سالونت شاخ کے چار سو ہاڈا نے بہ تحت حکومت اپنے راجہ مادھو سنگھ کے ان کا مقابلہ کیا مرہٹوں نے متواتر حملے جو قلعہ میں داخل ہونے کے لئے کئے تھے ناکامیاب ثابت ہوئے۔ مرہٹوں کے پاس قلعہ شکنی کا کوئی سامان نہ تھا اور وہ صرف ہاتھیوں کی مدد سے قلعہ کا دروازہ توڑنا چاہتے تھے۔ اس وقت اکثر موقعوں پر اسی ذریعہ سے کئی قلعے توڑے گئے تھے۔ اور یہاں بھی اگر ہاڈا سردار نے اپنی بے نظیر شجاعت کا اظہار نہ کیا ہوتا تو یہی عمل مفید پڑتا ؛

مادھو سنگھ خنجر ہاتھ میں لئے اچانک دیوار قلعہ سے ہاتھی کی پشت پر کود ا۔ فیلبان کو مار کر گرا دیا اور متواتر ضربوں سے ہاتھی کو بھی ہلاک کر دیا ؛

مادھو سنگھ کا جانبر ہونا بھی ناممکن تھا مگر اس کی جانفشانی اور بہادری سے اس کے ہم قوموں کے سینہ میں جوانمردی نے جوش مارا اور وہ دروازہ کھول کر دست بقبضہ باہر نکلے اس لڑائی میں سب ہاڈا قتل ہو گئے مگر ان کا مرنا رائیگاں نہیں گیا۔ چار سو نے تیرہ سو چیدہ مرہٹوں کو خاک و خون میں ملا دیا تھا ؛

حملہ آوروں نے اپنی پیش قدمی بدستور جاری رکھی اور سکیت کا محاصرہ کر لیا۔ مادھو سنگھ
نے یہاں کی فوج کو ہدایت کی کہ ایک دفعہ اچھی طرح داد جوانمردی دے چکنے ہو اب مناسب ہے
کہ برسر مقابلہ نہ ہو کر ضرورت کے موقعہ پر کوٹہ میں کام آنے کے لئے اپنی جانیں بچاؤ۔ سردار کے
حکم کے مطابق آدھی رات کے وقت قلعہ خالی کیا گیا۔ مگر معلوم نہیں کہ اتفاقیہ یا کسی کی دغا
بازی سے جس جنگل سے یہ گزر رہے تھے اس کی گھاس میں آگ لگ گئی اور اس کی روشنی
میں حملہ آوروں نے ان کا تعاقب کیا اگرچہ مادھو سنگھ لڑتا بھڑتا دارالریاست میں پہنچ
گیا۔ مگر اس کے بہت سے ہمراہی مارے گئے ؛

ملہار راؤ جو بکانی کے نقصان سے غمزدہ ہو گیا تھا۔ اس فتح سے پھر تازہ دم ہو کر
چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ راجہ گمان سنگھ نے مصلحت وقت سمجھ کر اس سے صلح کرنا مناسب
اور ظالم سنگھ کو اختیارات کلی دیکر صلح کے لئے بھیجا۔ صلح کے شرائط طے ہو گئے۔ اور مرہٹہ
سردار چھ لاکھ روپیہ لے کر کوٹہ کے ملک سے چلا گیا ؛

گمان سنگھ نے ظالم سنگھ کی صائب تدبیری سے خوش ہو کر اس کو قدیم جاگیر عنایت
کی۔ مگر وہ انہیں ایام میں سخت بیمار ہو گیا۔ اور جب اس کی زیست کی کوئی امید باقی نہ رہی
اس نے کل سرداروں کو جمع کر کے اپنے بیٹے اُمید سنگھ کو جس کی عمر اس وقت دس سال
کی تھی۔ ظالم سنگھ کی گود میں ڈال دیا اور اس طرح ریاست اور نابالغ رئیس کو اسکی حفاظت
میں سپرد کیا ؛

گمان سنگھ کی وفات کے بعد ۱۷۷۱ء میں اُمید سنگھ مسند نشین ہوا۔ اور اسکی مسند
نشینی پر قدیم رسم ٹیکا خاندان مرواسے میکواڑہ فتح کرنے کی ادا ہوئی اور اس سے ثابت ہوا۔ کہ
منتظم ریاست صرف اپنے عہدہ کی حفاظت پر ہی قناعت نہ کرے گا بڑے بڑے جوہر دکھلائیگا ؛
جو اختیار ظالم سنگھ کو اس طرح پر حاصل ہوا تھا۔ اس کا بغیر سختی کے قائم رہنا ناممکن
تھا۔ اور نہ اس قدر مدت تک کہ انسان کی معمولی حد حیات سے زیادہ ہے۔ علاوہ فہمائش
نیک تدبیری کے زبردست طریقہ کے بغیر اقتدار و حکومت بحال نہ رہ سکتے تھے تاہم جب ظالم سنگھ
کے پُرخطر حالات اور متواتر مہمات پر غور کیا جاتا ہے تو اس کی ظالمانہ حرکات جس قدر ایسے
سرداروں میں ملک گیری کرنے میں ہوتی ہیں بہت کم واقعہ ہوئی ہیں۔ ظالم سنگھ کی نازک
حالت کا خیال کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی حرکات جس قدر سخت ہونی چاہیئے تھیں اس سے

بہت کم تھیں۔ اس کے تمام کاموں سے ہمیشہ رائے صائب ظاہر ہوتی تھی اور حسن دانائی سے وہ کسی کام کو شروع کرتا تھا اسی قدر جلدی وہ اس کو عمل میں بھی لاتا تھا۔ نتیجہ خواہ نیک ہو یا بد گروہ کسی امر کو ناتمام نہیں چھوڑتا تھا۔ اور کوئی اخگر باقی نہیں رکھتا تھا۔ جس سے اندیشہ آئندہ شعلہ اٹھنے کا باقی رہے۔ اس سختی اور جلدی میں بھی ایک فائدہ متصور تھا۔ کوئی امر خواہ نیک ہو یا بد جس کو وہ ختم کر دینا چاہتا تھا پھر دوبارہ وقوع میں نہیں آسکتا تھا۔ ظالم سنگھ کے کاموں پر کوئی صحیح رائے قایم کرنا بہت مشکل امر ہے۔ کیونکہ ایک کام جو ایک پہلو سے نہایت سخت معلوم ہوتا ہے دوسرے پہلو سے ریاست کی بہبودی کے لئے نہایت عمدہ اور بہتر متصور ہوتا ہے۔ مگر اس موقعہ پر ہم اس کی سیرت اور عادات پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم ان امور کو ان باتوں سے اخذ کریں گے۔ جن سے اس کا تذکرہ ہندوستان کی کل تواریخ میں پایا جاتا ہے ؂ بس

ظالم سنگھ واقعی ایسا عقیل دوراندیش اور زبردست شخص تھا کہ جس زمانہ میں گردش ایام سے ہر ایک ریاست مورد تباہی و بربادی ہوتی جاتی تھی اور کل ملک میں آتش فساد مشتعل تھی اس نے اپنی ریاست کو کل خطرات سے محفوظ رکھ کر سال بہ سال اس کے ملک اور دولت میں اضافہ کیا اور آخر کار ظل حمایت سرکار انگریزی میں مفوض کیا ؂

ظالم سنگھ کو محافظ ریاست ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ حاسد اور بدخواہوں کی تدبیروں کے انسداد اور دفعیہ میں اس کو اپنی طبع رسا اور عقل صائب کا امتحان کرنا پڑا۔ عہدہ فوجداری سے جس پر وہ اس وقت تک مامور رہا تھا صرف فوج کے کاروبار متعلق تھے مگر بوجہ اہتمام محل اسکو سرداران کونسل سے بہت کام پڑتا تھا۔ مگر اس کو خدمات دیوانی میں انتظام راج میں مداخلت کرنے کا کچھ اختیار نہ تھا۔ اس کام پر راے رکھے رام ایک نہایت لئیق شخص تھا جو کل زمانہ فرمانروائی چترسال اور زیادہ تر اس کے جانشین کے عہد میں بھی دیوان رہا تھا۔ اس کی حسن تدبیری سے کوٹہ کو بہت فائدہ پہنچا مگر وہ قبل انتقال گمان سنگھ فوت ہو چکا تھا۔ یہ تو کسی کے بیان سے تصدیق نہیں ہوتا کہ اس کی موت کا باعث ظالم سنگھ تھا مگر اس میں شک نہیں کہ اس کے انتقال پر ریاست کی جنگی و ملکی حکومت بالاجتماع با اختیار خود لانے میں اس کے رقیب و مزاحم بہت کم رہ گئے تھے۔ اگرچہ اس کو ہر ایک موقعہ پر بڑے بڑے مخالفوں کا مقابلہ کرنا پڑا ؂

جس فریق نے ظالم سنگھ کے منتظم ریاست ہونے میں اس عذر سے کہ رئیس مرحوم نے

اپنی وصیت میں اس کو اتنا اختیار نہ دیا تھا۔ اعتراض کیا اس میں مہاراجہ سروپ سنگھ اور بانکر
سردار جس کی معزولی سے ظالم سنگھ با اختیار ہوا داخل تھا۔ اور جیکرن دھابھائی تھا کہ
ہر دم قریب رہنے سے اس کو ان کی تدبیرات عمل میں لانے کا موقعہ ملا۔ مگر ان لوگوں کو
عرصہ گذرا تھا۔ کہ دھابھائی کے ہاتھ سے راجہ سروپ سنگھ قتل ہوا۔ قاتل نکالا گیا اور
بھاگ گیا۔ ان واقعات کے جلد جلد یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے سے یکبارگی سب
خوف پیدا ہو گیا۔ دھابائی کو اغوا کرنا اس سے راجہ کو سزا دلوانا اور پھر بہ پاداش جرم
کو خارج از ریاست کرنا فضول حرکات ایسے مسلسل اور دلاوری اور فتنہ انگیزی کا نتیجہ
نظر آئیں کہ کسی کو بھی اپنے امن و عافیت کا اطمینان نہ رہا۔ اس فعل قبیح کے ارتکاب
واسطے راجہ اور دھابھائی کے درمیان کوئی سابقہ رنجش نہ تھی۔ تاہم اس نے بروز روٹ
برج بلاس کے باغ میں حملہ کیا اور نیش قبض کے وار سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ ظالم سنگھ نے
بھی دھابھائی کو گرفتار کر کے اول قید کیا اور بعد چندے حدود سے خارج کر دیا خدا جانے
یہ بات صحیح ہے یا غلط مگر عام طور پر ظالم سنگھ کو ہی راجہ کے قتل کا ملزم قرار دیا جاتا
دھابھائی بحالت جلاوطنی نہایت ذلت کے ساتھ جے پور میں فوت ہوا۔ ظالم سنگھ اگر
میں اس جرم کا مجرم بھی تھا پھر بھی دھابھائی کو بلا تعین معاش مطلق العنان کرنے میں
ثابت کر دیا کہ وہ نوع بشر کے حالات اور کراہیت سے واقف تھا۔ اگر وہ ایک قتل کے
قصاص میں دوسرے کو قتل کر کے صرف اپنے سینہ میں ہی اس راز کو مخفی رکھتا تو خلائق
کا اشتباہ اور بھی زیادہ ہوتا۔ پس اپنے شرکت جرم کی تشہیر کے واسطے اس کو صرف خارج
از ملک کر دینے سے اس نے بقبول جرم کا اعتبار کھو کر بدگوؤں کو بے اثر کر دیا۔ اس پر اذیت
تدبیر کو اچھی طرح سمجھنے کے واسطے یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ منتظم نے دھابھائی
کو بدیں فہمائش فریق آمادہ فساد سے علیحدہ رکھا تھا۔ کہ مہاراجہ صغیر سن رئیس کی عافیت
میں خلل انداز تدبیریں کرتا ہے۔

اس کے بعد دیگر رؤسا جو راجہ سروپ سنگھ کے شریک تھے رو بفرار لائے اور اکثر
ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ ظالم سنگھ نے ان کے علاقے ضبط کر لئے اور حکم دیا کہ بلا اجازت
وہ واپس نہ آنے پائیں۔ یہ لوگ جے پور اور جودھپور میں پناہ گزیں ہوئے مگر اس وقت
فساد اور خرابی ہر جگہ موجود تھی ہر ایک راجہ کو مرہٹوں کا خوف لگا ہوا تھا پس اپنے وقت

میں ان پناہ گیروں کی مدد کے لئے کون جھگڑا خرید سکتا تھا۔ چنانچہ جن راجوں کے پاس یہ پناہ گیر نالشی بھی ہوئے ان کی تسلی کے لئے ظالم سنگھ کا یہ جواب کافی تھا کہ وہ لوگ سرکش تھے اور راجہ اور اس کی حکومت کے برخلاف تھے۔ ان سرداروں میں سے چند ممالک غیر میں فوت ہوئے بعضوں نے سرگردانی سے تنگ آکر واپسی کی التجا کی ؛
اس التجا کو ظالم سنگھ نے اس خودداری سے منظور کیا جو کہ اس کی عادت میں داخل تھی اس نے ان کے واپس آنے کی اجازت دیدی۔ لیکن ان سے ملاقات اسی طریق پر کی جسطرح کہ کسی دغاباز سے کی جاتی ہے ؛

دوسری سازش اس سے بھی زیادہ سخت اور اندیشہ ناک تھی اس کا سرغنہ دیو سنگھ رئیس انھوان کا تھا۔ اس رئیس کے قبضہ میں ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی مالگذاری کا علاقہ تھا۔ اس نے اپنے قلعہ کو خوب مستحکم کیا۔ اور جس قدر ناراض اُمرا تھے سب اس کے شریک ہو گئے۔ اور انہوں نے چاہا کہ جس حکومت نے ان کو خاک میں ملا دیا ہے اسکو کالعدم کر دیں۔ ظالم سنگھ خوب جانتا تھا کہ یہ لوگ بہت زبردست ہیں اور ان کے مقابلہ کے واسطے ریاست کی طاقت غیر مکتفی ہے مگر موسیٰ مدد کی اعانت سے اس نے اس فساد کو بھی بالکل رفع کر دیا اور یہ بلا الٹی جاگیرداراں مذکور کے سر پر جا پڑی ؛

سلطنت مغلیہ کے زوال پر ملک کی کیفیت راجپوتانہ کی ریاستوں کے حق میں بہت مضر و مخالف ہو گئی تھی بعض فوجیں جو کسی کی نوکر نہ تھیں اور جن کو ان کے افسر بھی خاطر خواہ ضبط و حکومت میں نہیں رکھ سکتے تھے لوٹ مار کی طمع پر ملک میں ادہر اُدہر پھرتی رہتی تھیں انہیں فوجوں میں سے ایک کا افسر موسیٰ مدد تھا اس کے پاس علاوہ آراستہ دستہ پیادگان کے عمدہ توپخانہ بھی تھا۔ ظالم سنگھ نے روپیہ کا لالچ دیکر اس سے مدد طلب کی۔ موسیٰ مدد نے اپنا توپخانہ سردار دیو سنگھ کے قلعہ پر لگا کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ چند ماہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ فوج قلعہ نے بارہا باہر نکل کر مقابلہ کیا مگر ہر مرتبہ شکست کھائی۔ آخر تنگ آکر قلعہ خالی کر دیا اور جان کی امان لے کر سب لوگ وہاں سے نکل گئے ؛

اس فساد کے رفع ہوتے ہی کوٹہ کے تمام سرکش سردار تباہ و جلاوطن ہو گئے اُنکی جاگیریں ضبط ہو گئیں اور ظالم سنگھ کا رعب پہلے سے بھی زیادہ بیٹھ گیا ؛
دیو سنگھ تو جلاوطنی میں ہی فوت ہو گیا مگر اس کے بیٹے کو کچھ عرصہ ادہر اُدہر خراب و خستہ

پھرنے کے بعد وطن میں واپس آنے کی اجازت دیدی بلکہ اپنی دریادلی سے پندرہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی اس کو مرحمت فرمائی۔ اسی طرح بعض دیگر باغیوں کے ساتھ بھی رحم سے سلوک کیا گیا۔ ظالم سنگھ کی بلند ہمتی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا مل سکتا ہے کہ اس نے اُن مفسدہ پردازوں کو جو اس کی جان تک کے خواہاں تھے ایک دفعہ پھر ریاست میں جمع کرلیا۔ اور مثل خیرخواہوں کے شب و روز اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت دیدی ؛

اسی اثنا میں شاہی خاندان میواڑ کی ایک بعید شاخ میں اس کی شادی بھی ہوگئی۔ جس سے مادھو سنگھ پیدا ہوا۔ اس وقت سے ظالم سنگھ کو میواڑ کی پریشان حال ریاست کے معاملات سے زیادہ تعلق پیدا ہوگیا اور باوجود اپنی ریاست کے بے شمار ترددات کے جو اس کے پیش نظر تھے وہ وہاں کے حالات میں بھی زیادہ دلچسپی لینے لگا ؛

اس عرصہ میں کئی دفعہ اس کے قتل کا اقدام ہوا۔ مگر وہ ہر دفعہ اپنی ہوشیاری سے بچتا رہا۔ ۱۸۰۰ء میں بہادر سنگھ سردار موہسین نے جو دس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کا جاگیردار تھا۔ ہر ایک سردار و خاندان کو جسے ظالم سنگھ کی بلاخیز و بیخ کن تدبیروں سے ضرر پہنچا تھا اپنے ساتھ شامل کرکے پھر فساد کیا اور یہ سازش ایسی خفیہ اور ہوشیاری سے کی گئی تھی کہ خود ظالم سنگھ کو بھی اس کے ارتکاب سے بہت تھوڑی دیر پیشتر خبر ہوئی۔ ظالم سنگھ اس کے عیال و اطفال۔ اس کے دوست اور صلاح کار لال جی پنڈت ان سب کے قتل کی تجویز ہوئی تھی اور وقت وہ قرار پایا تھا جب کہ وہ بروز روشن دربار کو جایا کرتا تھا۔ یہ فعل بذریعہ اس کے ایک نمکحرام ہمراہی کے عمل میں آتا تھا اور اس کی دلاوری سے سب کو توقع کامیابی کی تھی۔ ٹھیک اس وقت جب کہ ظالم سنگھ دربار کو روانہ ہو چکا تھا یہ راز افشا ہوا۔ سواران پائگاہ جو اس کے ایک دوست کے زیر حکم ہمیشہ تیار رہتے تھے فوراً طلب ہوئے اور شامل سواران ہمراہی کئے گئے۔ ٹھیک اُس موقعہ پر جب کہ مفسدوں کو اپنی کامیابی کی پختہ امید ہو چکی تھی ان پر حملہ ہوا۔ لوگ حیران رہ گئے۔ اکثر مفسد قتل ہوئے۔ بہت سے گرفتار کئے گئے اور باقی ماندہ بھاگ نکلے۔ بہادر سنگھ نے بھاگ کر چمبل ندی کے کنارے ایک مندر میں پناہ لی۔ مگر وہاں سے بھی وہ گرفتار ہو کر بڑی ذلت کیساتھ مارا گیا ؛

مورخ ظالم سنگھ کے اس انتقام کو برا نہیں کہتے بلکہ اس کو مبنی بر انصاف قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ مفسدوں کا ارادہ اس وقت صرف اسی کے قتل کرنے کا نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے

یہ تجویز بھی کی تھی کہ نابالغ راجہ کو تخت سے اُتار کر شاہی خاندان میں سے دوسرے شخص کو گدی پر بٹھا دیں۔ اس وقت مہاراؤ کے خاندان میں تین شخص تھے ایک چچا راج سنگھ اور دو بھائی گوردھن سنگھ اور پال سنگھ۔ جب یہ معلوم ہُوا۔ کہ کم سن راجہ کو گدی سے خارج کرنے کی غرض سے یہ بھی شریک مفسدان تھے تو یہ بھی قید کر دیئے گئے۔ اور ان کی بقیہ زندگی قید تنہائی میں بسر ہوئی۔ گوردھن سنگھ برادر کلاں دس برس کے بعد مر گیا۔ گوپال سنگھ بہت عرصہ تک زندہ رہا لیکن تا وفات دونوں میں سے کوئی بھی قید خانہ سے باہر نہ نکلنے پایا۔ راج سنگھ بہت بوڑھا ہو کر مرا۔ مگر چونکہ ان سرکشیوں میں اس کی زیادہ شرکت نہیں پائی گئی تھی۔ اس لئے اس کے ساتھ زیادہ سختی کا برتاؤ بھی نہیں ہوا اس کو اجازت تھی کہ وہ شہر کے ہر مندر میں چلا جایا کرے اور اس سے زیادہ وہ کچھ چاہتا بھی نہ تھا؛

ظالم سنگھ کی ہلاکت یا زوال اختیار کے لئے اٹھارہ دفعہ خفیہ و علانیہ جبر، زہر خوانی و شمشیر وغیرہ سے حملہ ہُوا۔ مگر اس نے ہر موقعہ پر کمال بیداری اور ہوشیاری سے اس کا انسداد کیا۔ سچ پوچھو، تو وہ ان روزمرہ کی سرکشیوں سے اپنی حفاظت کرتا کرتا تنگ آگیا تھا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ میں ہر وقت اپنی حفاظت نہیں کر سکتا؛

ایک دفعہ سب سے زیادہ خطرناک حملہ محل کے اندر عورتوں نے کیا تھا اور اس میں ذرا شک نہیں کہ ایک بہادر عورت جو اس کی خوش وضعی پر فریفتہ تھی اگر اس کی حمایت نہ کرتی تو باوجودیکہ وہ خود بھی بہادر اور نبرد آزما تھا۔ مگر اس کا جانبر ہونا غیر ممکن تھا اس واقعہ کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ ایک دن راجہ صغیر سن کے کسی دائی کی عورت کی طرف سے اس کو محل میں طلب کیا گیا۔ ظالم سنگھ بدین خیال کہ کوئی ضروری کام ہوگا بلا تامل محل میں چلا گیا۔ مگر جونہی کہ وہ ڈیوڑھی سے گذرا مسلح عورتوں کے ایک گروہ نے اس کو گھیر لیا۔ ظالم سنگھ کو اب اپنی زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی مگر خوش نصیبی سے اسی اثنا میں رانی کی ایک کنیز جو کہ ایک زبردست اور دلاور عورت تھی شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے جوش میں بھری ہوئی وہاں آ پہنچی اور زبردستی اسکو عورتوں کے نرغہ سے نکال کر باہر لے گئی؛

اسی طرح شکار اور غسل کے موقعہ پر بھی کئی ایک حملے اسپر ہُوئے۔ مگر ہر دفعہ اس کے دشمنوں کو ہی نقصان پہنچا۔ باوجود ان متواتر سازشوں اور دغا بازیوں کے جن سے دوسرے شخص کی عقل گم ہو جاتی۔ اس نے صرف شبہ سے کبھی کسی کو بلا تحقیقات سزا نہیں دی گرچہ

وہ جان کے خوف سے قفس آہنی کے اندر سوتا تھا مگر اس نے کبھی اندیشہ بے بنیاد کو جو کہ
دفعہ باعث خونریزی بن جایا کرتا ہے۔ اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔ اس کی چشم بینا بد
اُس شخص کو جو کہ اس کے خلاف سرکشی کرنے کو آمادہ ہوتا تھا۔ پہچان جاتی تھی اور اس کی
اور چالاکی سے اس کے بدخواہ ہمیشہ خائف ولرزاں رہتے تھے ؛

ظالم سنگھ خود بھی بڑا ہوشیار اور مستعد تھا۔ پولیس کا عملہ اس کے وقت میں ایسا
کہ کسی ریاست میں بھی نہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ ملازموں کو معقول تنخواہ دیتا تھا اور
لیاقت ان کی خدمات کی قدردانی کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر سررشتہ ریاست کی آراستگی
خوش انتظامی اور ہر ایک ملازم کی نگرانی رکھنے اور کسی پر بیجا اعتبار نہ کرنے سے ایسا بندوبست
ہوا کہ جو مشکل پیش آئی وہ اس پر غالب آیا۔ اور پچاس برس سے زیادہ عرصہ کے جنگ
جدل اور غدر و فساد میں اس کی حاکمانہ شہرت و ناموری نہ فقط بحال رہی۔ بلکہ روز بروز
زیادہ ہوتی گئی ؛

یہاں تک ظالم سنگھ کا حال باعتبار اس کی ہوشیاری اور جوانمردی کے لکھا گیا
مگر اب اس کی تدبیروں کی کیفیت جو بحیثیت منتظم ریاست بطور قواعد ملک نظم و نسق
میں جاری کیں لکھی جاتی ہیں۔ آج تک اس نے ریاست کوٹہ کی دولت کو ریاست
معاملات میں دخیل ہونے کی نیت سے خرچ کیا تھا اس سے زمینداران کوٹہ سخت
ہو گئے تھے مگر آخر کار بالاراؤ انگلیہ کی رہائی کے لئے جو میواڑ میں قید تھا رانا صاحب
اس کی ناچاقی ہو گئی۔ یہ ناچاقی ریاست کوٹہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی
کیونکہ ظالم سنگھ کو فوراً اپنی غلطی کا ثبوت مل گیا اور اُس کو افسوس ہوا۔ کہ کیوں اس
نے دوسری ریاست کے فلاح و بہبود کے لئے اپنی ریاست کی بہتری و بہبودی
قربان کر دیا ؛

آج تک ظالم سنگھ قلعہ میں ہی رہتا تھا مگر ۱۸۰۴ء میں جب انگریزوں نے مرہٹوں
کو شکست دی اور وہ مختلف گروہوں میں ہو کر اِدھر اُدھر آوارہ پھرنے اور غارت گری کرنے
لگے۔ تو ظالم سنگھ نے ایک جگہ دوامی قیام کرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ اور اس جگہ
کا ارادہ کیا جہاں کہ مرہٹوں سے ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس میں اس کے
دو مطلب تھے۔ اول تو وہ طریق مال گذاری کی ترمیم کرنا چاہتا تھا۔ دوئم وہ اپنے قیام

لئے ایسا موقعہ تجویز کرنا چاہتا تھا جہاں سے وہ معہ فوج اس مقام پر جلدی سے پہنچ سکے جہاں
اس غارت گر گروہ کے حملہ کا اندیشہ پیدا ہو۔ اگرچہ جو لوگ اس کے باطنی ارادہ سے آگاہ
تھے ان کی رائے میں بلاشبہ یہی دو سبب تھے مگر بظاہر قلعہ واقعہ لب دریائے چمبل سے
بدلان خیمہ گاہ کی سکونت بدلنے کا بجز اس کے کہ ایک دن برج قلعہ پر اُلّو بولا تھا اور کوئی
معقول سبب نہ تھا نجومی اور شگونیوں نے رجوع ہو کے فتوے دیا کہ اب اس محل میں رہنا کسی صورت
میں مناسب نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں کسی مکان پر اُلّو کا بیٹھکر بولنا بڑی بدشگونی
خیال کیا جاتا ہے مگر غالباً یہ صرف مصنوعی اُلّو تھا جو کہ ظالم سنگھ نے عوام سے راز باطنی مخفی رہنے
کے لئے دل سے پیدا کر لیا تھا۔ اس طرح قدیم مسکن کو چھوڑ کر اس نے آفت زدہ ملک کا دورہ
شروع کیا۔ واقعی اس کی غلطی سے ملک کو بڑا مالی نقصان پہنچ چکا تھا۔ مگر جب اس کو اس
کا علم ہو گیا تو اس نے دل سے اس کی اصلاح اور آراستگی میں مصروف رہنے کا ارادہ کر لیا
نقصان ہونا تھا ہو چکا تھا زراعت پیشہ رعایا میں سے ایک ثلث ترک وطن کر چکی تھی
باقی تھی وہ خراب وخستہ حال تھی۔ ظالم سنگھ نے اپنے ذہن رسا اور عقل صاب سے بہت
برس کیں سب سے مضبوط قلعہ گاگرون کے قریب ایک مقام پر مستقل چھاؤنی ڈالی۔
خود معہ اہلکاران و افسران فوج کے وہاں رہنے لگا۔ یہ موقعہ چھاؤنی کا نہایت مناسب
تجویز ہوا تھا۔ دکن کی طرف سے ہاڑوں کی دونوں گذرگاہیں وہاں سے عنقریب فاصلہ پر
ہیں اور نہایت سرکش بھیلوں کی آبادی بھی ساتھ ہی ہے۔ علاوہ ازیں شیرگڈھ اور گاگرون
کے قلعے جن کو اس نے کمال مستحکم کیا تھا یہاں سے بالکل نزدیک تھے اس کے بعد
نئی فوج آراستہ کی گئی۔ اور انگریزی فوج کی طرح انگریزی ہتھیاروں سے مسلح کرنیکے
علاوہ قواعد بھی اسی طریقہ پر سکھلائی گئی۔ اس کے افسر کپتان کہلاتے تھے۔ اس سپاہ نے
اس شائستہ فوج کی طرح بڑے بڑے کام کئے۔ اور بہادرانہ خدمتیں انجام دیں یہ پلٹن
ہر وقت تیار رہتی تھی اور کوچ سے صرف چند لمحہ اطلاع ہونے پر جنگ جانے کا حکم ہوتا تھا
تیار روانہ ہو پڑتی تھی ❊

آج تک جنگ وجدل وکُشت وخون میں مصروف رہنے کی وجہ سے ظالم سنگھ طریقہ
زمینداری کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا۔ مگر اب اسکو اس سررشتہ کی ساری خرابیاں معلوم ہو گئیں
دو بٹائی کا طریقہ جو اس وقت رائج تھا ریاست کو سخت نقصان دہ تھا اور پٹیل اگر زمیندار

سے موافق ہو جائے تو وہ ریاست کا بہت کچھ نقصان کر سکتا تھا یا دوسری صورت میں
زمینداروں کو دوگنی تگنی مال گذاری ادا کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ عمل بٹائی کے کل دقیق و
پیچیدہ مدارج کو بخوبی سمجھ کر اور فریب و چالاکی کے ہر فعل کو بہ تفتیش تمام تحقیق کر کے اس نے
کل ملک کے پٹیلوں کو طلب کیا۔ اور ہر ایک سے بہ تحریر اظہار اس کے علاقہ کی وسعت
طریق تحصیل جمع۔ اسکی استعداد۔ خانگی چلن اور ساہوکاری ساکھ وغیرہ ہر ایک بات کو
دریافت کیا۔ اس طرح ہر ایک علاقہ کی آمدنی اور رقبہ کو تحقیق کر کے اس نے دوسرا
شروع کیا۔ اور بموجب پیمائش کے ہر ایک دِہ کی چک بندی کرا کے اس کو باعتبار
اراضی مثل مزروعہ۔ بارانی۔ کوہستانی اور چراگاہ تقسیم کیا۔ اور چند سال گذشتہ کے
حسابوں سے اوسط نکالکر نقد لگان مقرر کر دی اور طریقہ بٹائی کو یک قلم موقوف کر دیا۔
پٹیل کے علاقہ میں اس کا حق پٹھائی ڈیڑھ آنہ فی بیگھہ مقرر کیا اور چونکہ پٹیلوں کی خو
کاشت زمین پر جمع بہت نرم تھی ان کو ہدایت کی گئی کہ حق معینہ سے زیادہ وصول کر
اگر کرینگے تو سرکار میں ضبط ہو جائیگا۔ اس طرح پر ہر ایک پٹیل کو پانچ ہزار سے پندرہ
روپیہ سالانہ تک وصول ہوتا تھا اور اپنے عہدہ کی بحالی کا فکر اس سے ثابت ہو
کہ ہر ایک نے دس بیس بلکہ پچاس ہزار روپیہ تک نذرانہ دینا منظور کیا۔ صرف اس
کی بحالی سے ظالم سنگھ نے دس لاکھ روپیہ وصول کر کے خزانہ میں داخل کئے۔ رعا
کو امید بہبودی ہوئی۔ کیونکہ باوصف سخت جمعبندی کے مطالبہ کی حد مقرر ہو جانے
تشدد و زیادہ ستانی کا انسداد ہو گیا۔ علاوہ اس کے ان کو اپنی اپنی زمین کے تردد
اس سے بھی فکر ہوا کہ تعین لگان نقد کے ساتھ انکو یہ حکم بھی سنایا گیا تھا کہ آفات
ارضی وسماوی سے مطالبہ جمع میں کسی طرح کمی نہ ہو گی اور جو زمین بے تردد رہے گی
کو پٹیل دوسرے شخص کو کاشت کے واسطے دیدیگا۔ اور اگر کوئی کاشت نہ کرے گا
منتظم ریاست کی خاص کاشت میں داخل ہو جائے گی۔ اور کمی جمع کے واسطے پٹیل
ذمہ وار قرار دیئے گئے۔

آج تک پٹیلوں کو رعایا کو لوٹنے کے عام اختیارات حاصل تھے وہ سرکار
سالانہ یا سہ سالا مصادرہ داخل کر دیتے تھے اور رعایا پر حسب دلخواہ ظلم کرتے تھے
اب یہ دستور موقوف ہو گیا اور ہدایت ہوئی کہ اگر رعایا پر تشدد کرنے کے بغیر سرکار

تعہد کرینگے تو عزت و توقیر ہوگی۔ اس طرح پٹیل کہ دیہات کے وکیل اور رعایا کے محافظ تھے۔ سرکاری اہلکار ہو گئے اور اس وجہ سے کہ ان کی کوشش پر ریاست کی بہبودی منحصر تھی منتظم نے بھی ان کی رضاجوئی میں اپنا فائدہ سمجھا۔ پٹیلوں کو طلائی کڑے اور پگڑیاں بطور خلعت سرفرازی عطا ہوئیں اور باعزت اپنے اپنے علاقہ کو رخصت کئے گئے ؂

تمام پٹیلوں میں سے چار شخص نہایت ہوشیار اور تجربہ کار منتخب کر کے انکی پنچائت مقرر کی گئی تھی ابتدا میں ان کو صرف مالگذاری کا کام تھا مگر بہت جلد پولیس کی نگرانی بھی انہیں کی سپرد ہوئی۔ اور آخر ملک کے کل معاملات میں اُن سے صلاح و مشورت ہونے لگی کل مشتبہ مقدمات میں یہ پنچائت پرگنات کے واسطے بطور عدالت اپیل کی تھی اور شہر و قصبات کے مقدمات بھی ان کے روبرو پیش ہوتے تھے الغرض مال و عدالت اور پولیس کا انتظام یہ پٹیل کرتے تھے۔ اِن چاروں پٹیلوں میں سے ہر ایک ذی ہوش افسر تھا۔ کل علاقہ میں مخبری کا جال پھیلا ہوا تھا اور کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ کل راجپوتانہ میں اس وقت کوٹہ کے مقابلہ کی پولیس کہیں بھی نہ تھی ؂

پٹیلوں کو جواب رعایا پر حاکم مطلق ہو گئے تھے۔ بخوبی معلوم تھا کہ اگر علانیہ رعیت پر ظلم کرنا ثابت ہو گیا تو ضبطی جائداد کے علاوہ جان کا بھی خطرہ ہو جائیگا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے خفیہ کاروائی شروع کر دی۔ اس وقت تک کاشتکاروں کی حاجت روائی مہاجن کرتے تھے۔ مگر پٹیلوں نے ان کا کام چھین لیا۔ راجپوتانہ میں یہ رواج تھا کہ مہاجن کاشتکار کو تا تیاری پیداوار فصل مویشی آلات کشتکاری اور تخم وغیرہ سے مدد دیتے رہتے تھے اور فصل پر حساب طے ہوتا تھا۔ جہاں ضروریات آئندہ کے لئے رعایا کچھ ذخیرہ جمع نہیں کر سکتی وہاں ایسے شخصوں کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ الغرض ہر زمیندار کے ایک مہاجن ضرور ہوتا تھا اور وہ اس کو اپنا مربی سمجھتے تھے ؂

جب بٹائی کی جگہ جمع نقد مقرر ہوئی تو پٹیلوں کو رعایا پر زیادہ جبر کرنے کا کوئی وسیلہ نہ رہا۔ مگر انہوں نے مہاجنوں کا کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہا اور اس کے لئے یہ تدبیر نکالی۔ کہ جب فصل پک کر تیار ہوئی اور زمینداروں نے کاٹنے کی اجازت چاہی تو پٹیلوں نے اول زر لگان ادا کرنے کا اصرار کیا۔ زمیندار مہاجنوں کی طرف متوجہ ہوئے مگر اُن کو یہ حکم سُنا دیا گیا تھا۔ کہ جس شخص کے ذمہ سرکاری مطالبہ ہو اسکو قرضہ نہ دیں۔ لہذا مہاجنوں نے کاشتکاروں

کی دستگیری سے انکار کردیا۔ اب کاشتکار کو سوائے اس کے کہ جزو پیداوار کو پٹیل کے پاس رہن رکھے کوئی چارہ نہ رہا۔ پٹیلوں کا یہی مقصود اعظم تھا۔ اُنہوں نے اپنے ہی اندازہ سے پیداوار کی مقدار قائم کرکے مطالبہ سرکاری کی رسیدیں لکھدیں۔ اور کاشتکاروں سے اس مضمون کے رہن نامے لکھوا لئے کہ عند المطالبہ زر جمع سرکاری روپیہ موجود نہ ہونے اور نہ بطور قرض بہم پہنچنے کے راہن نے برضا و رغبت خود جزو پیداوار کو بالعوض قیمت کامل رہن کیا ہے۔ اس ذریعہ سے پٹیلوں نے بمقدار کثیر غلہ جمع کیا یہاں تک کہ کوٹہ کل راجپوتانہ کیواسطے اناج کی منڈی بن گئی۔ مگر کاشتکار روز بروز مفلس و محتاج ہوتے گئے اور پٹیلوں نے زر کثیر فراہم کیا۔ آخر ۱۸۱۱ء میں تازیانہ برقی کی طرح حکم گرفتاری صادر ہوا اور علاقہ کوٹہ کا ہر ایک پٹیل پابجولان ہوکر قید ہُوا۔ اور ان کی تمام جائداد ضبط ہوگئی اکثر مصادر کثیر دیکر رہا ہوئے صرف ایک شخص پولیس کے پنجہ سے بچ گیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس نے عاقبت اندیشی سے اپنا کل روپیہ جس کی تعداد سات لاکھ کے قریب تھی پہلے ہی غیر ریاست میں بھیجدیا تھا۔ اس ایک نظیر سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان بے ایمانوں نے کس قدر دولت فراہم کی تھی اور کسقدر مصادرہ ان کو دینا پڑا تھا۔ اس سررشتہ کو ظالم سنگھ نے بہت ہنرمندی سے جاری کیا تھا مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ اس سے رعیت دن دہاڑے لٹ رہی ہے تو اُس نے اسکو ایک ساعت میں ہی فسخ کردیا ؀

مذکورہ بالا متواتر اسبابوں سے جب زمیندار مفلس ہوگئے اور کاشتکاروں کے پاس مویشی اور آلات کاشتکاری نہ رہے اور رقبہ کثیر اراضی غیر مزروعہ رہنے سے ملک کی آمدنی میں کمی عائد ہونے کا خوف ہوا تو ظالم سنگھ نے اس انتظام کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسکام کو اس خوبی سے نباہا کہ وہ ہاڑوتی کا سب سے بڑا زمیندار مشہور ہوگیا۔ تمام ریاست میں کوئی قطعہ ایسا نہیں جہاں اس کے ہلوں نے کاشت نہ کی ہو۔ جنگلوں کا نام و نشان بھی نہ رہا یہاں تک کہ پہاڑوں پر بھی کھیتی ہونے لگی۔ جہاں ہل نہ چل سکتے تھے وہاں کھرپوں سے زمین جوتی گئی مگر کوئی مقام کاشت و پیداوار سے خالی نہ رہا۔ ۱۸۲۰ء میں ظالم سنگھ کے دو تین سو ہل تھے مگر چند سال کے اندر ہی چار ہزار ہل دو دو جوڑیوں یعنی سولہ ہزار بیلوں کے تیار ہوگئے اور ان کے علاوہ ایک ہزار ہل چار ہزار بیلوں کے خود دیس اور اس کے رشتہ داروں کی جائداد پر تھے۔ صرف منتظم کے اپنے ہلوں سے ایک فصل میں چار لاکھ بگھہ زمین کاشت ہوتی تھی اور اگر حسب ضرورت ہر سال کا تمام غلہ اسی سال میں فروخت کردیا جاتا تو منتظم کو بیس لاکھ روپیہ سال کا منافع تھا مگر چونکہ اسکے پاس روپیہ کثرت سے تھا لہذا جب تک خاطر خواہ نرخ

نہ ہوتا تھا غلہ فروخت نہیں کیا جاتا تھا اور کئی سالوں تک کھیتوں میں ہی جمع رہتا تھا۔ ایک سال ساٹھ لاکھ روپیہ کا غلہ فروخت ہوا اور ۱۸۰۴ء میں جب مرہٹوں نے لڑائی کی تھی اور ہلکر بھرت پور میں پناہ گزین تھا۔ غارت گر فوج اطراف ملک میں پھرتی تھی اور جنگ و قحط سے خلایق پر آفت برس رہی تھی۔ کوٹہ نے کل راجستھان کے باشندوں اور سرگردان فوجوں کو غلہ مہیا کیا۔ اُس زمانہ میں پچیس روپیہ فی مانی کا نرخ تھا اور کروڑ روپیہ کا غلہ فروخت ہوا تھا۔

اس وقت ظالم سنگھ کی عمر اسی سال تک پہنچ چکی تھی اس کی آنکھیں اندھی ہو گئی تھیں اور مرض فالج نے اسکو سخت ناتواں کر دیا تھا مگر پھر بھی وہ اس سررشتہ کے دقیق اور پیچدار جزویات کو جس خوبی سے سمجھتا تھا شائد ہی کوئی سمجھتا ہو۔ اسکا حافظہ کیسا عمدہ تھا کہ وہ ہر ایک کھیتی کے غلہ کی مقدار باوجودیکہ ان میں اکثر سالہا سال کی تھی اسکو بخوبی یاد رہتی تھی۔ اگر کسی میں خفیف غلطی بھی ہوتی تو فوراً گرفت کر لیتا اور ہر فصل کے تردد و درآمد برآمد مال کا انتظام بذات خود کرتا اور وسیع ملک میں اپنی کاشت کے ہر ایک کھیت پر ایسی نظر رکھتا کہ اگر کوئی گوشہ غیر مزروعہ رہ جاتا تو اُس کے حوالدار پر فوراً آفت آتی۔

یہ تو منتظم کی لیاقت کا ایک معمولی ذکر تھا سلطنت کے تمام کام محض اسی کے زیر اہتمام انصرام پاتے تھے تمام کاروبار اندرونی و بیرونی اسی کی نگرانی پر منحصر تھے۔ بیس ہزار فوج کی بھرتی۔ آراستگی اور اسکو ضبط و حکومت میں رکھنا اور قلعجات و سامان جنگی کی درستی و صفائی و مضبوطی کا کام اتنا تھا کہ ایک آدمی کا مشکل سے بھی اسپر نگرانی رکھنا ناممکن تھا۔ اہالیان پولیس کی روزانہ رپورٹوں کی سماعت جو کہ علاوہ عرائض حکام پرگنات کے ساتھ ہو منجر دم دم کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور اسکی اطلاع کے بغیر ہاڑوتی میں ہوا بھی گذر نہیں کر سکتی تھی اتنا بڑا کام تھا کہ اوسط درجہ کا ہوشیار آدمی اُسی سے سرگرداں ہو جاتا مگر جب خیال کیا جاتا ہے کہ ان سب کاموں کے سوائے ظالم سنگھ سوداگر اور بیوپاری بھی تھا مال تجارت کا درآمد کرتا تھا۔ پردیسی کاریگروں کو نوکر رکھ کر کارخانجات میں انواع و اقسام کے اسباب تیار کراتا تھا۔ باغات میں ہر قسم کے میوہ جات و ترکاریاں پیدا کرتا تھا اور حسب قول خود جس میں روپیہ کے ساڑھے سوائے نفع ہوتے اس میں محنت و کوشش سے کبھی کوتاہی نہ کرتا۔ اوقات فرصت کو مطالعہ کتب حکمت و اخلاق و سماعت حالات تاریخی میں صرف کرتا۔ اس کی تجارت غیر مشترکہ نے نہ فقط کوٹہ میں بلکہ ممالک گرد نواح میں بیوپاریوں کی سرد بازاری کر دی تھی۔ اس کے باغات سے جو قریباً کل ملک میں موجود تھے کوٹہ اور دیگر قصبوں کے بازاروں میں مختلف قسم کی ترکاریاں فروخت ہونے کے لئے آتی تھیں۔ ظالم سنگھ اگرچہ

مذہبی رسمیات کا بہت معتقد اور اپنے ملک کے توہمات کا سخت پابند تھا۔ مگر کسی کے خاندان یا قوم کی فضیلت کو تدبیرات ریاست داری میں ہرگز مخل نہ ہونے دیتا۔ کوئی مجرم خواہ برہمن ہو یا بھاٹ سزا سے نہیں بچ سکتا تھا اور ان اقوام کے جو لوگ تجارت کرتے تھے، محصول سے معاف نہیں رہتے تھے ؛

جس وقت ظالم سنگھ کو اختیارات انتظام ریاست حاصل ہوئے تھے۔ اس وقت ریاست کی حد کیکوار تک تھی مگر اس کے وقت میں یہ حد مالوہ کی بلند سرزمین کے کنارہ تک بڑھ گئی تھی۔ شروع میں خزانہ خالی تھا اور ریاست بتیس ۳۲ لاکھ کے قرضہ سے زیر بار تھی، حفاظت کا ذریعہ صرف چند شکستہ گڑھیاں اور بہادر مگر سرکش جاگیرداروں کی فوج تھی۔ مگر اب زر کثیر خرچ کرکے قلعہ جات کو نہایت آراستہ و مضبوط کر لیا تھا اور ان کی فصیلوں پر صد ہا توپیں چڑھا دی گئی تھیں۔ بجائے چار ہزار ہاڈا سواروں کے بیس ہزار قواعد دان سپاہ تیار ہو گئی تھی ؛

ہندوستان کے وسط میں واقعہ ہونے سے سالہا سال تک غارتگر افواج اور سرکش و دغاباز حاکموں کا کوٹہ کے اردگرد دورہ رہا اور ریاست کی دولتمندی سے یہ ناممکن تھا کہ یہ لوگ مال و متاع حاصل کرنے کی حرص و طمع سے باز رہیں مگر ظالم سنگھ کی عظمت و اقتدار کی وجہ سے سب اس کا ادب و خوف بلکہ دل سے اس کی قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زائد از نصف صدی کے اندر کوٹہ کے دروازہ پر کوئی دشمن آکر کھڑا نہ ہوا اگرچہ یہ زمانہ متواتر انقلاب اور غدر و فساد کا تھا۔ اس عرصہ میں اکثر ریاستیں برباد اور بے شمار فوجیں تلف ہو گئیں اور قحط اور وبا نے خلقت کی مصیبتوں کو دو چند کر دیا تھا۔ مگر ظالم سنگھ نے پچیس سال کی عمر سے بیاسی ۸۲ برس کی عمر تک اپنی عقلمندی اور دوراندیشی سے ریاست کے جہاز کو ہر طرح کی شورش و تلاطم سے محفوظ رکھا ؛

بڑے بڑے رئیسوں سے لیکر غارتگر حاکموں تک راجپوتانہ میں کوئی دربار ایسا نہ تھا جہاں اس کی صلاح نہ لی گئی ہو اور اس کی رائے کے بموجب عمل نہ ہوا ہو۔ ہر ایک ریاست میں اس کے وکیل موجود رہتے تھے اور جو کام کرانا منظور ہوتا اس کے لئے ایسے دلائل پیش کرتا کہ کوئی بھی رد نہ کر سکتا۔ نوع بشر کی ضعیفی و غرور و ضروریات وغیرہ سے اپنا مطلب حاصل کرتا۔ اور حسب موقعہ رئیس مسند نشین سے لیکر پنڈاروں کے افسر تک کا باپ یا چچا یا بھائی بن جاتا اور اکثر کہا کرتا کہ جو ضرورتیں مجھ کو پیش آتی ہیں ان سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہے۔ ظالم سنگھ کی

تدبیر ہمیشہ معتدل اور صلح آمیز ہوتی تھی اور اکثر موقعوں پر اس کو مخالف فریقوں کے ساتھ بہت
چالاکی اور طرفین کی دلداری سے پیش آنا پڑتا تھا۔ مثلاً ۷-۱۸۰۶ء میں جب جودھپور میں فساد ہوا تو
اس نے بطور ثالث بالخیر ہر ایک کو رضامند رکھ کر مدد کسی کو بھی نہ دی ؛

۵-۱۸۰۴ء میں جب انگریزی سپاہ محکوم کرنل مونسن صاحب ہلکر پر حملہ آور ہو کر وسط
ہند میں گئی تو ظالم سنگھ نے اپنے ملک میں پہنچتے ہی بہم رسانی سامان رسد اور مردمان مطلوبہ
سے ہر طرح مدد دی۔ مگر جب انگریزی فوج شکست کھا کر بھاگی تو کرنل مونسن نے شہر کوٹہ کے
اندر آنا چاہا تو اس نے واجبیت اور صفائی سے انکار کر دیا اور کہا کہ اپنی منتشر فوج کو شہر میں
میری باامن رعایا سے نہ ملائیں میں سامان رسد وغیرہ سے ہر طرح امداد دوں گا۔ اپنا ڈیرہ شہر
فصیل کے نیچے کر دو۔ میں اپنی فوج تمہارے اور دشمن کے درمیان ڈالکر فوج مخالف کے
حملہ کا صدمہ اپنے سر پر لوں گا۔ مگر کرنل مونسن نے اس امر کو قبول نہ کر کے بوندی اور جےپور
کے علاقہ کو کوچ کیا۔ اور جب لارڈ لیک کی خدمت میں پہنچا تو اپنی غلطی کی بدنامی سے بچنے
کے لئے ظالم سنگھ پر دشمن کے ساتھ سازش رکھنے کی تہمت لگائی۔ جس سے عرصہ تک سرکار
انگلشیہ اُس کی طرف سے مکدر رہی۔ مگر اس سے اس کی نیکنامی پر دھبہ آتا ہے ظالم سنگھ
نے انگریزوں کو ایسے وقت میں آدمی اور روپیہ سے مدد دی تھی۔ جب کہ اس کا ان سے کچھ
مطلب بھی نہ تھا۔ مورخ وقائع راجپوتانہ کا بیان ہے کہ اگر ظالم سنگھ کی سپاہ درہ مکندرہ سے
صحیح وسالم نکل جانے اور دشمنوں کی زد سے بچانے کے لئے انگریزی فوج کی مدد نہ کرتی تو اس
میں شک نہیں کہ اس کو ہندوستان کے دوسرے کنارہ تک بھی دم لینے کی فرصت نہ تھی ؛

اگرچہ ناشکر گذار کرنل مونسن نے سرکار انگلشیہ کو ظالم سنگھ کی طرف سے بدظن کر دیا تھا مگر
سردار کوئلہ کے علاوہ ریاست کوٹہ کے بہت سے نامی دلاور مفروروں کا تعاقب روکتے ہوئے
اپنی جانیں تصدق کر چکے تھے۔ ہاڈا دلاوروں کی چھتریاں جو لڑائی کے مقام پر اب تک موجود ہیں
ان کی تن دہی اور جانفشانی کی کافی شہادت پیش کرتی ہیں۔ اس پر بھی اگر کسی کو یقین نہ آئے
تو سرکار کا دشمن یعنی ہلکر جس سختی اور عداوت کے ساتھ ظالم سنگھ سے پیش آیا۔ اس کی بریت کے
لئے ایک کامل ثبوت ہے ؛

علاوہ قتل سردار کوئلہ و دیگر شجاع ہاڈوں کے سپہ سالار کوٹہ بھی قید ہو گیا تھا اور مرہٹوں
کے سردار نے بطور سزا اعانت انگریزی دس لاکھ روپیہ کا تمسک لکھا لیا مگر جب سپہ سالار رہا

ہو کر آیا تو ظالم سنگھ نے اسکو اپنے سامنے نہ آنے دیا اور اس کے فعل کو نامنظور کر کے ہلکر کے
پاس واپس بھیجدیا؛

ہلکر نے برافروختہ ہو کر فوج کشی کی اور کوٹہ کے قریب آکر ڈیرہ کردیا۔ ظالم سنگھ نے جنگ
کی پوری پوری تیاری کر رکھی تھی۔ لڑائی عنقریب ہوا چاہتی تھی طرفین کے چند دوستوں نے
درمیان میں پڑکر دونوں طرف کے افسروں کو ملاقات پر آمادہ کیا۔ مگر ظالم سنگھ اپنے دشمن کے
مکروفریب سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس نے ملاقات صرف دریائے چمبل کے اندر منظور کی۔ د
کشتیاں تیار ہوئیں۔ ہر ایک کشتی میں صرف بیس بیس آدمی کی گنجائش تھی۔ ادہر سے ظالم سنگھ
اپنی کشتی میں سوار ہو کر فصیل قلعہ سے توپ کے گولہ کی زد پر ٹھہرا۔ اُدھر سے ہلکر اپنی کشتی میں
سوار ہو کر ملاقات کے لئے آیا۔ دونوں عجیب شخصوں نے جن میں سے ظالم سنگھ تو اسوقت
بالکل اندھا تھا اور ہلکر کانا تھا صرف ایک آنکھ کی شہادت سے صلح کی شرائط مقرر کیں
کشتیاں اسی حالت میں بندھی تھیں اور مسلح آدمی تیار تھے کہ اگر کسی طرح سے دغا کی صو
نظر آئے تو ان کو فوراً دریا میں غرق کردیں۔ ہلکر کو روپیہ کی سخت ضرورت تھی لہذا رفع ف
کی غرض سے تین لاکھ روپیہ اسکو دیا گیا۔ تاہم اس نے دس لاکھ روپیہ وصول کرنے کی ہوس
کبھی نہ چھوڑی یہاں تک کہ جب وہ عارضہ خفقان میں مبتلا ہوا۔ اس وقت بھی اسپہ سا
تمسک کو بار بار یاد کیا کرتا تھا یہ تو ظاہر ہے کہ ظالم سنگھ کی مصروفیت کے واسطے صرف
کی ریاست کے انتظام کا کام ہی کافی تھا۔ تاہم اس نے اس کی عظمت بڑھانے کے
جنوبی سرحد پر چند پرگنے مہاراجگان سیندہیا و ہلکر سے ٹھیکہ پر لئے۔ ہر دو مذکورہ بالا حکام
موافقت کرنے پر بھی قناعت نہ کر کے اس نے ان کے وزیروں سے بھی ساز کر رکھا تھا
اور یہ دم دم کی خبریں اس کے پاس پہنچاتے تھے علاوہ ازیں اس نے کئی ایک مرہٹہ پنڈتوں
کو معقول تنخواہوں پر اپنے دربار میں نوکر رکھا ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ مرہٹوں کی کوئی تدبیر اس
مخفی نہ رہتی تھی۔ امیر خاں والئے ٹانک سے اس کی گہری دوستی تھی اس نے پنڈاروں کو
ویسی ہی خاطرداری و عزت سے رضامند رکھا ہوا تھا۔ ان کے اکثر افسروں کی کوٹہ میں جاگیر
تھی اور ان سے ایسی موافقت تھی کہ جب ۱۸۰۷ء میں مہاراجہ سیندھیا نے کریم پنڈارہ کو گر
کر کے گوالیار میں قید کردیا تو ظالم سنگھ نے اس کی رہائی کے واسطے زر کثیر ادا کیا۔ غیر ریاست
کے سرداروں سے جو اس کے پاس پناہ لیتے۔ ظالم سنگھ ان سے ایسی فیاضی سے پیش

اس کی ریاست کی حیثیت سے زیادہ تھا۔ میواڑ اور مارواڑ کے مخروج سرداروں کو کوٹہ میں انکی موروثی جاگیروں سے زیادہ جائداد ملی تھی۔ اس دریادلی سے اس کا نام کل قوم میں جو مہمان نوازی کو کل خوبیوں سے فائق سمجھتی ہے بہت نیک نامی سے مشہور ہوا۔ پناہ پذیروں کی کامل تواضع کرنے کے علاوہ اس نے اکثر مخروج سرداروں اور ان کے مالکوں کے درمیان صلح کرا دی۔ یہ طریقہ اس نے صرف رحمدلی سے اختیار کیا ہو یا مصلحت وقت سے مگر دنیا نے اسکو خطاب صلح کل کا عطا کیا۔ وہ بھی اس خطاب پر بہت نازاں تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ جب کسی کو تکلیف پہنچتی ہے وہی بوڑھے ظالم کے گھر چلا آتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی قلیل زمین سے سب کو کھانا مل سکتا ہے ٭

اس کی تدبیر اپنے ملک کے بچانے میں ہر طرح کارگر ہوتی تھی مگر دیگر ممالک کو مغلوب کرنے میں کبھی کارآمد نہ ہوئی۔ وہ اپنے ملک کی حفاظت میں ہمیشہ کامیاب رہتا تھا مگر جب کسی دوسرے پر حملہ کیا تو سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ میواڑ میں اس کی تدبیر بالکل پیش نہ گئی اور کوٹہ اتنا زیر بار ہو گیا کہ سبکدوش ہونا غیر ممکن تھا۔ اسی طرح اس نے گوڑوں کی دار الحکومت شیوپور کو لینا چاہا مگر ناکامیاب رہا ٭

اب ہم کوٹہ کے برائے نام رئیس امید سنگھ کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔ اسکی تقدیر میں لکھا تھا کہ وہ ظالم سنگھ کی سرپرستی سے کبھی بھی رہائی نہ پاوے۔ ستر برس کی عمر میں بھی وہ ویسا ہی نابالغ اور بے اختیار تھا جیسا کہ وہ اس وقت تھا۔ جب کہ اس کے باپ نے اس کو ظالم سنگھ کی گود میں بٹھایا تھا۔ باوجودیکہ ظالم سنگھ کا اختیار و حکومت درجہ کمال تک پہنچ چکا تھا۔ مگر جس قدر عزت اور ادب وہ اپنے آقا کا کرتا تھا۔ اس کے پڑھنے سے حیرت پیدا ہوتی ہے۔ ادھر رئیس کوٹہ کا مزاج بھی ایسا تھا کہ اس نے کبھی ظالم سنگھ کے اختیار سے نکلنے کی خواہش نہ کی۔ ظالم سنگھ اس کی اس خوبی کو بہت پسند کرتا تھا اور اگرچہ ہر ایک کام میں اپنی تجویز سے عمل کرتا تھا۔ مگر اول اس کی اجازت حاصل کر لیتا۔ امید سنگھ بڑا صاحب تمیز تھا۔ اسکو شکار کا بڑا شوق تھا اور گھوڑے کی سواری اور بندوق سے نشانہ لگانے میں کل ریاست میں یکتا تھا۔ جب کسی ریاست کا کوئی وکیل آتا تو ظالم سنگھ اول اسکو امید سنگھ کی خدمت میں پیش کرتا اور خریطہ وغیرہ جو وہ لاتا اس کا جواب امید سنگھ ہی دیتا اگرچہ اسکا مضمون وہی ہوتا تھا جو ظالم سنگھ بتاتا تھا اگر کوئی غیر ریاست کا سردار مستدعی پناہ ہوتا تو رئیس ہی اسکو پناہ دیتا

مگر صرف اسی قدر جس قدر کہ منتظم کو منظور ہوتی بلکہ اگر خود منتظم کے رشتہ دار اضافہ معاش
کرتے تو وہ بھی رئیس کے خاص حکم سے ہوتا۔ الغرض ظالم سنگھ اپنے آقا کا اسقدر لحاظ کرتا
اسکی معاش کے بارہ میں جب رئیس نے متواتر تاکید کی تب اس نے منظور کیا۔ اگر کوئی پردیسی
گھوڑے لاتا تو ان میں سے عمدہ عمدہ گھوڑے منتخب ہو کر اول رئیس اور اسکے صاحبزادوں
علیحدہ کئے جاتے۔ مُہر و خسر خانہ وغیرہ کل اشیا حسب دستور قدیم رئیس کے حضوری ملاز
تحویل میں رہتی تھیں مگر ممکن نہ تھا کہ منتظم کی اجازت کے بغیر کوئی ان کا استعمال کر
ایکدفعہ مادھو سنگھ خلف ظالم سنگھ اور کشور سنگھ ولیعہد ریاست گھوڑا پھیرنے گئے۔ مادھ
ولیعہد سے کسیقدر گستاخی سے پیش آیا۔ ظالم سنگھ نے اس علت پر اپنے بیٹے کو کوٹہ سے نکال
تین سال تک مقام نانتہ جلاوطن رہا۔ آخر جب امید سنگھ نے بکوشش تمام التجا کی تب بمشکل
آنے کی اجازت ملی۔ ایک روز ظالم سنگھ اپنے مندر میں بیٹھا ہوا پوجا کر رہا تھا کہ امید سنگھ کے چھو
بھی جو اسکی موجودگی سے بے خبر تھے درشن کرنے کے لئے چلے آئے۔ سردی کا موسم تھا۔ زمین تر
تھی۔ ظالم سنگھ نے فوراً اپنی ریشمی رضائی اُتار کر انکے لئے بچھادی۔ جب وہ چلے گئے تو خدمتگار نے
خیال سے کہ اب یہ رضائی منتظم کے اوڑھنے کے لائق نہیں رہی اُٹھا کر علیحدہ رکھنی چاہی۔ ظالم
رضائی اس کے ہاتھ سے چھین کر اوڑھ لی اور کہنے لگا "صاحبزادگان آقا و نعمت کے قدموں
لگنے سے ہی اب میرے اوڑھنے کے لائق ہوئی ہے"؛ ایسی ہی بہت سی روایتیں ہیں جن سے
ہے کہ وہ اپنے آقا کا بہت ہی ادب کرتا تھا اور اسی حسن نیتی سے اسکے اختیار و حکومت میں
ترقی ہوتی جاتی تھی۔ مگر جس شخص کی خواہش حکومت کا حد و پایاں نہیں اُس سے اِس راسخ الا
کا ظہور میں آنا سخت تعجب تھا تمام اختیارات کو جس طرح ظالم سنگھ نے اپنے ہاتھوں میں
نہ لیا ہوگا مگر اسپر بھی اپنے آقا سے جس قدر عجز و اطاعت سے وہ پیش آتا تھا کوئی نہ آیا ہوگا؛

اپنے ملازموں کے ساتھ ظالم سنگھ اس عمدگی سے پیش آتا تھا کہ ہر ایک اسکا خیر خواہ
کوئی بھی اس کے حکم سے باہر نہ ہوتا تھا۔ باوجودیکہ وہ ہر طرح سے انکے آرام و آسائش کا سامان
مگر اس کو انسان کی حرص و ہوا کی کیفیت بخوبی معلوم تھی کسی کو خود اختیار نہیں ہونے دیتا
کے نہایت معتمد ملازم پٹھان اور مرہٹہ پنڈت تھے۔ پٹھان فوجی عہدوں پر تھے اور پنڈت انتظا
و ریاست داری کے دقیق و پیچیدہ کاموں پر مامور تھے۔ دلیل خاں و محراب خاں اس کے
وفادار ملازم و رفیق تھے۔ کوٹہ کے عظیم الشان قلعہ وغیرہ مکانات جن کے برابر قلعہ آگرہ کے

شبیہہ مادھو سنگھ پسر راج رانا ظالم سنگھ



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۱۲۰

کل ہندوستان میں کوئی مستحکم مکان نہیں ہے یار خاں نے تعمیر کرائے تھے۔ اس نے شہر جھالرا
پاٹن آباد کیا تھا اور اکثر قلعجات کی جن کے ذریعہ سے ریاست کوٹہ ہندوستان کے نہایت مضبوط
ممالک میں سے ہو گئی ہے مرمت کرائی۔ ظالم سنگھ ہندو مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا تھا
اور دلیل خاں سے اسکو اس قدر محبت تھی کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ خدا کرے میری حیات میں دلیلخاں
نہ مرے۔ محراب خاں فوج پیادگان کا افسر تھا اور اس نے اس کو قواعد و فنون جنگ میں عمدگی
سے آراستہ کیا تھا۔

۱۸۱۷ء میں مارکوئیس آف ہسٹنگس گورنر جنرل ہندوستان نے گروہ غارتگراں کے شر کا
اعظم یعنی پنڈاروں سے وہ لڑائی کرنے کا اشتہار دیا۔ جو سابقاً بڑے رئیسوں کی مغلوبی و شکستہ
حالی سے التوا میں رہی تھی۔ راجپوتانہ کے جملہ رئیسوں کو کہ استحکام حکومت میں مثل سرکاران کا بھی
فائدہ تھا ہدایت ہوئی کہ سرکار سے اتفاق و یگانگت پیدا کریں دانشمند ظالم سنگھ نے باوجودیکہ
اس کی پہلی خدمات کا بالکل خون کر دیا گیا تھا۔ اس اتفاق کے فوائد کو بہت جلد سمجھ لیا۔ اور
سب سے پہلے کوٹہ کے وکیل نے عہدنامہ کے ذریعہ وہ کام شروع کر دیا۔ جس کے ذریعہ سے تھوڑے
دنوں میں سلطنت انگلستان کا کل راجپوتانہ سے تعلق ہو گیا اس وقت کل ہندوستان مسلح
ہو تا تھا دو لاکھ آدمی تجویز ہو کر مقامات مختلفہ پر غدر و غارتگری کو ہمیشہ کے لئے موقوف کرنے کو
دورہ کرنے لگے۔ چونکہ اول معرکہ ممالک ملحق السرحد ہاڑوتی میں واقعہ ہونے والا تھا ظالم سنگھ
کے پاس ایک صاحب ایجنٹ کا مقرر ہونا ضروری متصور ہوا۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ قرب و جوار میں
پھرنے والی فوج کو کوٹہ سے ہر طرح کی مدد ملا کرے اور جابجا سے رستہ بند کر کے دشمنوں کا
میدان تنگ کر دیا جائے۔ چنانچہ صاحب ایجنٹ کے پہنچنے سے پانچ روز کے اندر ہی ہر ایک
گھاٹ پر فوج کی جمعیت متعین ہو گئی اور پندراں سو سوار و پیادوں کی فوج معہ چار توپوں۔ کے
جنرل سر جان پالکم صاحب کی مدد کے لئے روانہ ہوئی۔ تاریخ ہندوستان کا یہ زمانہ بڑا ہی پر
از حوادث تھا اور دریائے گنگا سے سمندر کے کنارہ تک کل ملک میں شورش و فساد برپا تھے۔
ستظم کوٹہ کی چھاؤنی کل مہمات کے واسطے بطور محور کے تھی اور وہیں سے سب کو ہر طرح کی خبر
ملتی تھی۔ ظالم سنگھ سرکار انگریزی کی تواریخ اور اس کے اقتدار سے اس قدر واقف تھا کہ
صاحبان انگریز کے اس فخریہ کلام کو کہ یہ لڑائی اضافہ ملک کی طمع سے نہیں کی جاتی ہے ہنس
ہنس دیتا تھا اور کہتا تھا۔ جو آپ فرماتے ہیں وہی آپ کا یقین ہے مگر بوڑھے ظالم سنگھ کی بات بھی

یاد رکھو کہ اب وہ دن دور نہیں ہے۔ جبکہ کل ہندوستان میں ایک ہی سکہ جاری ہو جا
تو ہے کہ ظالم سنگھ سرکار انگلشیہ کی پولیسی کو بخوبی سمجھتا تھا۔ مگر وہ ان فوائد کو بھی بخوبی
جو کہ اس اتفاق و احدیث سے حاصل ہونے والے تھے۔ اس کا یہ خوف کہ اس کے ج
کو آئندہ مشکلات کے دفعیہ کی لیاقت نہیں ہے بالکل درست تھا۔ اس پیش بندی
مضرت کی غرض سے اس نے سرکار انگریزی سے اتفاق کیا اور اس اتفاق سے سرکار انگ
فوائد بے بہا حاصل ہوئے۔ واقعی جس وقت بجز راجپوتانہ کے کل ہندوستان سرکار انگر
برسر پرخاش تھا اور اکثر دوست بھی خواہ دلی نفرت یا دشمنوں کے خوف سے ترک ر
چاہتے تھے صرف ایک شخص جو فقط فوائد و رفع نقصان سرکار انگریزی میں اپنا جا
تصدق کرنے کے لیے تیار تھا ظالم سنگھ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے مشیر و ز
کو اس کا سرکار انگریزی سے موافقت کرنا پسند نہ تھا اور خود اُس کو بھی اُن کی تدبیر و مصلح
یکبارگی ترک تعلق کرنے میں ایک طرح کی کراہت تھی مگر وہ اس امر کے اظہار سے بھی با
کہ جس اختیار و حکومت کو اس نے پچاس برس کی محنت و کوشش سے حاصل کیا
کا سرکار انگریزی کی دستگیری کے بغیر قائم رہنا محال ہے۔ الغرض اس نے امن و طما
کے واسطے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کیونکہ تقاضائے عمر سے وہ عنقریب مرنے والا تھا اور
اس کے کہ وہ اپنی اولاد کو غیر اطمینانی کی حالت میں چھوڑ جائے اس تدبیر سے اس کا
اختیار اس کی اولاد کو ملنے کی زیادہ امید تھی۔ جب پنڈاروں کا گروہ بالکل شکست ہو گیا
غارت گروں کی طاقت ٹوٹ گئی تو سرکار انگریزی نے وہ چاروں پرگنات جو ہلکر کی طر
ظالم سنگھ کے قبضہ میں تھے اسی کو عطا کر دیئے۔ مگر جب اس کے نام کی سند دی گئی
نے لینے سے انکار کر کے اپنے آقا یعنی مہاراؤ صاحب کے نام کی سند تحریر کرائی۔ کوئی
بھی ظالم سنگھ کی اس خیر اندیشی اور صدق ارادت کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا
ایسے بڑے عطیہ سے خواہ وہ اس کے آقا کا ہی حق کیوں نہ ہو دست بردار ہونا ہر ایک کا کام

نومبر ۱۸۱۹ء میں مہاراؤ صاحب امید سنگھ کا انتقال ہوا۔ ان کے تین بیٹے
بشن سنگھ اور پرتھی سنگھ۔ کشور سنگھ کی عمر اس وقت ۴۵ سال کی تھی اور رعایا اس
پیار رکھتی تھی۔ وہ بڑا حلیم اور نرم مزاج تھا۔ مگر تنہائی میں تربیت پانے سے اُس کو بجا
دنیوی کے مذہبی مسائل سے زیادہ واقفیت تھی۔ وہ بزرگوں کی شجاعت اور ناموری ک

سے ویسی ہی مہمات کے انصرام کی ہمت رکھتا تھا مگر طبیعت کے قدرتی میلان اور تربیت سے وہ اپنے باپ کے طریقہ پر چلنے اور ریاست کے کاموں کو منتظم کے اختیار مطلق میں چھوڑنے کے لائق تھا۔ بشن سنگھ اس سے تین برس چھوٹا اور اسی کی طرح سلیم الطبع ہوشیار اور بردبار تھا اور اسکو منتظم سے بہت محبت تھی۔ پرتھی سنگھ کی عمر تیس برس سے کم تھی۔ یہ قوم ہاڈا کا ایک عمدہ نمونہ تھا اور راجپوتوں کے خاص شغل یعنی جنگ آوری کا بہت شوق رکھتا تھا اس کی رائے میں ریاست کی موجودہ حالت ذلت اور سبکی کا باعث تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ یا تو اپنے خاندان کو اس قید سے جس میں اس کے باپ نے چھوڑا تھا نجات دے یا اس کے اقدام میں اپنی جان تصدق کر دے۔ ہر ایک کی پچیس پچیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر مقرر تھی اور اپنے اپنے مختاروں سے انتظام کراتے تھے۔

ظالم سنگھ کے دو بیٹے تھے بڑا مادھو سنگھ صحیح النسب بعمر ۳۶ سال اور چھوٹا گوردھن داس کنیز کسزادہ تھا۔ باوجودیکہ مادھو سنگھ عہدہ منتظمی میں وارث جائز قرار پا چکا تھا۔ ظالم سنگھ کو گوردھن داس سے زیادہ محبت تھی اور اس کا اختیار و رتبہ مادھو سنگھ کے برابر تھا مادھو سنگھ کے بشرہ میں ذہانت و ہوشیاری کی کوئی علامت نہ پائی جاتی تھی البتہ نازپروردگی سے متکبر ہو گیا تھا۔ اور مقدم سبب اس کا یہ تھا کہ مہاراؤ صاحب مرحوم عین طفولیت سے ولیعہد کے مقابلہ میں اس کی حمایت کرتے تھے۔ شروع جوانی میں ہی اختیار حکومت مفوض ہو جانے سے مادھو سنگھ کی نخوت و تندمزاجی میں اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ جب سے ظالم سنگھ نے کوٹہ چھوڑ کر چھاؤنی کی بود و باش اختیار کی تھی تب سے مادھو سنگھ باپ کے موروثی عہدہ فوجداری پر مقرر ہو کے بطور قائم مقام کوٹہ میں کام کرتا تھا اور کل فوج کی حکومت و تقسیم تنخواہ کا کام ہونے سے اُس کے پاس زر کثیر جمع رہتا تھا بدین وجہ قیود و ضوابط سرکاری جو دیگر ملازموں کو حرکات ممنوعہ سے باز رکھتے تھے اس کے واسطے کارگر نہ ہوئے۔ علاوہ ازیں آئندہ بننے والے منتظم کے اعمال بد کو ظاہر کرنے کی جرأت بھی کسی کو نہ ہو سکتی تھی۔ اگر سب لوگ اس سے ناراض تھے اس کے باغات۔ گھوڑے اور کشتیاں اس قدر فضول خرچی سے آراستہ تھیں کہ پسران رئیس کو بھی ان کے دیکھنے سے حسد ہوتا تھا۔ وہ اردلی اس کثرت سے رکھتا تھا کہ خود رئیس کے باڈی گارڈ کے سپاہی اُن کے مقابلہ میں ہیچ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ باپ کی اس عاقبت اندیش نصیحت کا کہ جب میری آنکھیں بند ہو جائیں گی تو یہ انتظام جس کی درستی میں میری عمر صرف ہوئی ہے

یکبارگی درہم برہم ہوجائیگا اسکو مطلق خیال نہ تھا*

گوردہن داس بعمر ستائیس سال بہادر، لئیق اور چست و چالاک تھا۔ اس کا برتاؤ
کے خاندان سے بھائی کے طریقہ سے بالکل خلاف تھا۔ صاحبزادگان رئیس مرحوم خصو
عہدو پرتھی سنگھ سے کہ ان کا اور اُس کا مزاج یکساں تھا اس کی بہت موافقت و دوستی
باپ نے بھی کہ بڑھاپے کی اولاد ہونے کے سبب سے بڑے بیٹے کی نسبت زیادہ محبت
تھا۔ اُس کو عہدہ پردھانی یعنی انتظام غلہ ریاست پر مقرر کیا ہوا تھا۔ اس ذریعہ سے اس
روپیہ بکثرت تھا اور اس روپیہ سے اس کے بھائی کی وراثت مقبوضہ میں خلل واقعہ ہو
میں باہم سخت نفاق تھا اور مادہو سنگھ نے بارہا گوردہن داس کی ہتک و ذلت کی تھی
ایک دفعہ پہرہ میں قید کردیا تھا اس سے دونوں بھائیوں کے درمیان سخت دشمنی پیدا
تھی۔ ظالم سنگھ میں صرف یہی ایک عیب تھا کہ اس نے اپنے بیٹوں کی تربیت کی طرف
توجہ نہ کی تھی اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام اختیارات جو اس نے اس قدر سعی اور جانفشانی
سے حاصل کئے تھے اسکے حیات کے ساتھ ہی ختم ہو گئے*

نومبر ۱۸۱۶ء میں جونہی مہاراؤ صاحب کا انتقال ہوا ہر ایک کی خواہش و ارادہ
مدت سے مخفی تھے ظہور میں آکر نہایت خوفناک حوادث پیدا کئے۔ بوقت انتقال مہا
صاحب ظالم سنگھ گاگرون کے قریب چھاؤنی میں تھا مگر اس خبر کو سنتے ہی وہ بغرض
رسمیات تعزیت و مسند نشینی مہاراؤ کشور سنگھ کوٹہ کو روانہ ہوا اور ایک خط صاحب پولیٹیکل ایجنٹ
کی خدمت میں روانہ کیا جس وقت یہ خط پہنچا صاحب پولیٹیکل ایجنٹ ماروار سے میواڑ کو
تھے فوراً کوٹہ کو روانہ ہوئے تاکہ مخالف فریقوں کی عداوت سے جو انقلاب ہونیوالا تھا
ملاحظہ کریں۔ وہاں پہنچکر انہوں نے دیکھا کہ عمر رسیدہ منتظم یہاں بھی مکان میں رہ
آسائش سے محروم تھا یعنی معہ اپنے ہمراہیوں کے شہر سے ایک میل پر خیمہ زن تھا اور اسکا
محل میں مقیم تھا۔ رئیس اور اس کے بھائی بدستور قلعہ میں رہتے تھے اور گوردہن داس
مہاراؤ کشور سنگھ کو اپنی تجویز سے موافق کرنے کے واسطے ہر روز مشورے ہوتے تھے مگر
کو علیحدہ کر رکھا تھا۔ مہاراؤ امید سنگھ کو فوت ہوئے ابھی چند روز کا عرصہ ہوا تھا کہ صاحبزادگان
منتظم کی دیرینہ عداوت نے عین شہر کے اندر جنگ و جدل ہونے کی صورت پیدا کردی
کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے حقوق کو جو مدت سے جاتے رہے تھے جس طرح ممکن ہو حاصل کرے

کمال تعجب ہے اور شاید کسی کو اس کا یقین بھی نہ آئیگا کہ ظالم سنگھ کو ان تجویزوں کی مطلق خبر نہ ہوئی ٭

انتقال آقا کے غم و ترددات انتقام ریاست و مقتضائے عمر سے ظالم سنگھ بیمار ہو گیا اور جو لوگ اس کے مرنے کے منتظر تھے ان کو اپنا مطلب حاصل کرنے کی امید ہوئی مگر انکو مایوس کرنے کے لئے اس کو آرام ہو گیا۔ لیکن اس کے کنیزک زادہ لڑکے اور کشور سنگھ کی تجویز پختگی کو پہنچ چکی تھی۔ آخر کار صاحب پولٹیکل ایجنٹ نے ظالم سنگھ کو مطلع کیا کہ تمہارے بیٹے آپس میں لڑائی پر آمادہ ہیں اور رئیس چاہتا ہے۔ کہ عصا حکومت جو ساٹھ برس تک تمہارے ہاتھ میں رہا ہے تمہارے ساتھ ہی چلا جائے ٭

معاملہ بڑا نازک تھا ایک فریق سے تو یہ سوال تھا کہ جو اختیار اس قدر کوشش و جانفشانی سے اسکو حاصل ہوا ہے چھوڑ دے اور دوسرا فریق ایسے حقوق کے استحصال پر آمادہ تھا۔ جو بمقتضائے اتفاق و مصلحت وقت اس سے چھینے گئے تھے۔ اگر یہ ماجرا اُس زمانہ میں واقعہ ہوتا جب ملک میں غارتگروں کا زور تھا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارتا بلکہ ذکر بھی نہ ہونے پاتا اور جس طرح امید سنگھ ظالم سنگھ کے اختیار میں رہا۔ ویسا ہی کشور سنگھ بھی مادھو سنگھ کے اختیار میں رہتا۔ مگر اب معاملہ بالکل برعکس حالت میں تھا۔ ہر شخص کو یہ کیفیت دیکھ کر تعجب پیدا ہوتا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ جس کو مالک ریاست کا خطاب ہو وہ انصرام کاروبار ریاست کے اختیارات سے محروم رہے یہ خیال صرف رعایا کے دل میں ہی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ اس وقت وہ شخص بھی جن کو خود منتظم نے نوکر رکھ کر عمدہ عمدہ عہدوں تک پہنچایا تھا کشور سنگھ کے خیر خواہ بن گئے تھے اور قرب و جوار کی کل ریاستیں بھی اس کے اس دعوے کو تسلیم کرتی۔ اور اس کی مدد کو تیار تھیں ٭

جب صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو دونوں فریق میدان میں اُترنے پر آمادہ ہوئے اور انگریزی پلٹنیں ظالم سنگھ کے ساتھ شامل ہو کر ملک کے جائز مالک سے برسر مقابلہ ہوئیں ٭ اُمید نہ تھی کہ جب تک پرتھی سنگھ و گوردھن داس شریک مشورہ ہیں کشور سنگھ دعویٰ سے دست بردار ہوگا اس واسطے اس کو اطلاع دی گئی کہ ان دونوں شیروں کا علیحدہ کرنا ضروری ہے مگر قلعہ پر حملہ کئے بغیر ان کی علیحدگی غیر ممکن تھی اور حملہ ہونے پر غالباً رئیس مارا جاتا اسواسطے یہ تجویز ہوئی کہ صرف محاصرہ کیا جاوے تاکہ تنگ ہو کر یہ لوگ خود بھاگ نکلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی جب

مہاراو نے قلعہ میں کسی طرح گذارہ کی صورت نہ دیکھی تو اپنے ملک پر اعتبار کرکے پانسو بیب
کی جمعیت سے جن میں زیادہ تر ہاڑا تھے بکل دیو یعنی برج ناتھ کی مورت چار جامہ پر ر
نقارہ بجاتا اور نشان پھڑپھڑاتا محاصرہ میں سے نکلا۔ فوج محاصرہ گیر کو مزاحمت یا مقابلہ
نہ تھی اس لئے اس کی سواری بلا تعرض نکل گئی اس خبر کو سنکر صاحب پولٹیکل ایجنٹ م
خیمہ میں گئے اور دریافت کیا کہ فساد کو ملک میں پھیلنے سے باز رکھنے کے لئے کیا تدب
چاہیئے ظالم سنگھ نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا کا مقابلہ کرکے منہ پر سیاہی نہیں ملتا چ
بھی ناتھدوارہ کو چلا جاؤں گا۔ صاحب ایجنٹ اس جواب کو سنتے ہی جدھر رئیس کی س
گئی فوراً اس طرف روانہ ہوئے۔ اور رنگ باڑی کے مقام پر جو کوٹہ سے چھ میل
پر ہے جا ملے۔ سواری کے گھوڑے ابھی فصیل قلعہ کے باہر ٹھہرے ہوئے تھے اور رئیس
اس کے مشیر تدبیرات آئندہ کے لئے محل میں ٹھہر کر مشورہ کر رہے تھے۔ صاحب پولٹیکل
بغیر اطلاع دیئے اندر چلے گئے اور حسب قاعدہ ملاقات و مزاج پرسی کرکے سرداروں
کہ ان حرکات سے تم سرکار انگریزی کے بھی دشمن ہو گئے ہو اور بغیر اس کے کہ اپنے آقا کو
فائدہ پہنچایا ہو اپنی تباہی کے بھی باعث ہوئے ہو۔ اس کے بعد رئیس کو سمجھایا اور کہا
اس کے آ، صلح و امن کا رستہ بند ہو آپ اپنے نیک و بد کو بخوبی سمجھ لیں گے اس کے ل
بجز خلل اندازی اختیارات منتظم کے اپنی ذمہ واری سے اقرار کیا کہ آپ کی عزت و ر
طرح محافظ رہیگا۔ رئیس غور و تامل میں تھا کہ صاحب ایجنٹ نے اس کی سواری کا گھوڑا
کیا اور خود ہاتھ پکڑ کر سوار کرایا کشور سنگھ نے سوار ہونے وقت صرف اتنا کہا کہ میں آ
دوستی پر اعتبار کامل کرتا ہوں۔ گوردھن داس و پرتھی سنگھ بہتیرا بڑ بڑاتے رہے مگر انکی
نے نہ سنی اور صاحب ایجنٹ اور رئیس برابر سوار ہو کر معہ گروہ ہمراہیاں قلعہ میں داخل ہو
صاحب ایجنٹ نے جب تک مہاراو کشور سنگھ کو گدی پر نہ بٹھایا اپنے سے علیحدہ نہ ہونے
اسکو مسند نشین کرکے رئیس و منتظم دونوں کے درمیان صلح کرادی ؛

اس دربار کا اجتماع تہوار کے طور پر ہوا جس راستہ سے منتظم اور اس کا بیٹا محل میں آ
ہر گلی و کوچہ پر انبوہ کثیر نے جمع ہو کے بآواز بلند مبارکباد دی۔ واجب التعظیم ظالم سنگھ
بزرگوں کے آکر موجود ہوا۔ اور رئیس اور اس کے بھائی نے مثل نافرمان بچوں کے استد
معافی کی اور جھک کر اس کے قدم چھونے چاہے ظالم سنگھ نے ان کو اس عاجزی

باز رکھ کر خود اپنے آقا کے قدم پکڑ لئے۔ مہاراؤ کشور سنگھ نے بہت کچھ ادب و محبت ظاہر کی۔ ظالم سنگھ نے اظہار وفاداری و تعظیم کیا اور طرفین میں صفائی ہوئی ؞

اس صلح کے بعد بتاریخ ۱۷۔ اگست ۱۸۲۰ء مہاراؤ کے حسب ضابطہ مسند نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اول پروہت نے اور اس کے بعد صاحب پولیٹیکل ایجنٹ نے کشور سنگھ کی پیشانی پر ٹیکہ کیا اور کمر سے تلوار باندھی۔ توپخانہ سے سلامی ہوئی۔ بعد ازیں مادھو سنگھ نے با اعتبار عہدہ فوجداری مہاراؤ کی کمر سے تلوار باندھ کر نذر گذرانی اور مہاراؤ صاحب نے بالعوض اس کے خلعت دیکر ضمناً آئندہ کے لئے اس کا عہدہ منتظمی پر مقرر ہونا قبول کیا ؞

اس نزاع و فساد کے انجام میں سب سے زیادہ سختی منتظم کے پسر کنیز کزاد گوردھن داس پر ہوئی اس سے اور اس کی والدہ سے منتظم کو کمال محبت تھی۔ مگر امن و عافیت خلائق کے خیال سے اس فتنہ انگیز کا ہمیشہ کے واسطے جلاوطن کرنا لازم آیا۔ خوف تھا کہ باوجود اس کی شرارت اور بداخلاقی کے ظالم سنگھ کو اس کی علیحدگی ناگوار ہوگی مگر اس نے مطلق اس کی پرواہ نہ کی بلکہ صاف کہدیا کہ آیندہ سے اس کے وجود سے ہاڑوتی کی ہوا گندہ نہ ہونے پائے اسکو ہدایت ہوئی کہ دہلی و الہ آباد میں سے جس مقام کو بہتر سمجھے وہاں رہا کرے چنانچہ اس نے دہلی کو پسند کیا اور بہ تقرر پنشن بیش قرار مع قبائلیوں کے وہاں رہنے لگا ؞

۱۸۲۱ء میں غلطی اور ناعاقبت اندیشی سے گوردھن داس کو اجازت ہوئی کہ وہ مالوہ میں جاکر رئیس مالوہ کی کنیزک زادی سے شادی کرے مگر اس کو وہاں پہنچے دیر نہ گذری تھی کہ کوٹہ میں بجائے امن و عافیت کے شر و فساد کی علامتیں نمودار ہوئیں کئی ایک خطوط پکڑے گئے اور معلوم ہوگیا کہ ایک بڑی سازش ہو رہی ہے حتے کہ سیف علی حاکم راج پلٹن جو تیس برس کا ملازم اور نہایت خیرخواہ تھا وہ بھی منتظم کا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ اوّل تو یہ صرف تہمت سمجھی گئی۔ مگر جب منتظم نے احتیاطاً راج پلٹن اور قلعہ کے درمیان دوسری فوج متعین کی تو یکبارگی تمام راز کھل گیا۔ مہاراؤ صاحب نے فی الفور دریا کی طرف سے نکلکر سیف علی اور پلٹن کے ایک حصہ کو قلعہ میں لے گئے اس خبر کو سنتے ہی نابینا منتظم نے بسواری میانہ سپاہ لے کر باقی ماندہ پلٹن پر حملہ کیا اور ایک برج پر جس سے نہ فقط شہر کا ہر ایک مقام بلکہ دریائے چمبل کے طرفین کا ملک دبے ہوئے تھے۔ چوبیس چوبیس پونڈ کے گولوں کی دو توپیں چڑھا کر گولہ اندازی شروع کردی۔ اس گولہ اندازی سے تنگ آکر مہاراؤ کشور سنگھ

اور اس کا بھائی پرتھی سنگھ بذریعہ کشتی عبور دریا کر کے بوندی کو چلے گئے۔ اور کشن سنگھ
سے علیحدہ ہو کر منتظم کے پاس آگیا۔

رئیس بوندی کو سرکار انگریزی کی طرف سے ہدایت کی گئی۔ کہ کشور سنگھ
مہمان نوازی سے پیش آنے کی تو ممانعت نہیں ہے مگر منتظم کے ساتھ لڑنے
بوندی میں فوجیں جمع نہ ہونے پائیں۔ اگر ایسا ہوا تو تم سے سخت باز پرس ہوگی
گوردھن داس نے کشور سنگھ سے ملنے کی کوشش کی۔ مگر سرکار کے اس حکم
انگریزی کے صاحب کینڈنٹ کے نام لکھا گیا تھا کہ اگر گوردھن داس مہاراؤ
شامل ہونا چاہے تو اس کو زندہ یا مردہ جس طرح ہو گرفتار کر لیں۔ خائف ہو کر
ہو گیا۔ اب مہاراؤ صاحب نے بھی بوندی سے بندرابن کی یاترا کے واسطے کوچ کیا
یہ امید ہوئی کہ شاید وہ وہاں قیام کر کے بقیہ عمر امن و عافیت سے بسر کریں گے۔ مگر
سے کوچ کرتے ہی لوگوں کو امید ہوگئی۔ کہ ان کو کسی دوسری جگہ سے مدد ملے گی۔ ملک
ہر ایک رئیس نے ان کو تسلی و تشفی کے خطوط روانہ کئے مگر تھوڑے عرصہ کے
ملک غیر کی بود و باش سے تنگ آکر مہاراؤ صاحب نے متھرا کا رُخ کیا۔ مگر
نے کہ بشکل گوردھن داس مجسم تھی۔ اس ارادہ کو پورا نہ ہونے دیا۔ اور اس شخص کو
سخت قید میں تھا۔ ہندوستانی افسروں سے ساز کرنے کا موقع مل گیا۔

فریب و فتنہ انگیزی روز بروز زیادہ ہوتی رہی۔ بے ایمان اہلکاروں نے
امید قائم کی۔ اور مہاراؤ صاحب کے وکلا موجودہ صدر نے بجائے صرف ایک
رسل و رسائل فیما بین سرکار انگریزی و گمراہ رئیس یعنی صاحب ایجنٹ کے
مذکور کو ملا دیا۔ اس پر مہاراؤ صاحب نے ہاڑوں کو کوچ کیا۔ اثنا راہ میں جس رئیس
علاقہ میں ہو کر گزرتے تھے اس سے کہتے تھے کہ حسب منظوری سرکار انگریزی اپنے
مالکانہ کو کہ مدت سے موقوف تھے۔ حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ لوگوں نے ان
باتوں کا یقین کر لیا۔ اور اس فریب میں آکر خلائق کو ان کی کامیابی کی خواہش کامل
جس قدر آگے بڑھتے تھے۔ فوج زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اختتام موسم بارش
لب دریائے چمبل پہنچے اور تین ہزار آدمیوں کے ساتھ عبور دریا کر کے اپنے
سے احکام طلبی جاری کئے۔ کہ ہر ایک راجپوت نے بقین

اس واقعہ سے راجپوتوں کے عقائد وفاداری کا حال بخوبی منکشف ہوتا ہے کیونکہ منتظم کے قریب
ترین رشتہ دار اور پرورش یافتہ ملازم بھی اس سے علیحدہ ہو کر موروثی وحقدار ہمیں کے جس
کو بعض نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا شامل ہو گئے۔ عرصہ تک طرفین میں سوال وردوکد ہوتی رہی منتظم
کو اب اپنی کارآزمودہ فوج کا بالکل بھروسہ نہ تھا وہ خود کہتا تھا کہ اب میرے کپڑوں میں سے بھی
دغا کی بو آتی ہے مگر جب سرکار انگریزی کو یہ تحقیق ہو گیا کہ کوئی تدبیر بھی رئیس کو بد صلاح وفتنہ انگیز
شیروں کے اغوا سے کہ دن رات اسکے گرد ہو کر اپنے اور بزرگوں کی مظلومی کی شکائتیں کرتے رہتے
تھے باز رکھنے کے واسطے کارگر نہیں ہوسکتی تو بہ اتفاق فوج منتظم ایک معقول سپاہ روانہ کی
گئی۔ جب یہ سپاہ کالی سندھ کے کنارے پر پہنچی اور مخالفوں کے درمیان صرف ندی رہ گئی تو کثرت
بارش سے ایسی طغیانی ہوئی کہ چند روز تک عبور نہ ہوسکا۔ اس عرصہ میں پھر کوشش ہوئی کہ لڑائی
کے بغیر ہی یہ فیصلہ ہو جائے۔ مگر ہر ایک صلاح وتاکید کا جواب مہاراؤ صاحب کی طرف سے یہی
ملتا تھا کہ "عزت کے بغیر زندگی کیا ہے؟ اختیار وحکومت کے بغیر مالک کیا ہوتا ہے اپنے بزرگوں
کی موروثی حکومت کو حاصل کرنا یا مرنا ضرور ہے"

بتاریخ یکم اکتوبر علے الصباح حملہ کے واسطے فوج کا کوچ ہوا منتظم کی فوج میں آٹھ پلٹنیں
پیادوں کی بتیس توپیں اور چودہ رسالے تھے ان میں سے پانچ پلٹنیں چودہ توپیں اور دس
رسالے ہراول بنے اور باقی ماندہ معہ منتظم کے پانچسو قدم کے فاصلہ پر پیچھے رہے اور انگریزی
فوج جس میں دو سبک پلٹنیں چھ رسالے اور ایک سبک اسپی توپخانہ تھا فوج منتظم کے دست
راست پر صف آرا ہوئے۔ وسیع میدان جس پر فوج تیار ہوئی ندی کی طرف کسی قدر ڈھلوان
تھا اور ندی سے دوسری طرف کسی قدر کھڑی بلندی تھی۔ ندی سے پار تھوڑی دور بلند زمین پر
مہاراؤ صاحب کا لشکر تھا خیموں کو کھڑا چھوڑ کر انہوں نے ندی کے کنارہ پر فوج کو
تیار کیا۔ راج پلٹن معہ سیف علی افسر کے جو کہ منتظم سے باغی ہو گئے تھے بجانب چپ
تھے مہاراؤ صاحب معہ پانچ سو سواراں قوم ہاڈا بجانب راست تھے اور درمیان
میں ابتر سپاہ کا انبوہ کثیر تھا۔ جب تک فوج متفق نے دشمن سے دو سوگز کے فاصلہ
پر اپنے واسطے مناسب موقعہ پسند نہ کر لیا مقابلہ نہ ہوا اس وقفہ کو غنیمت سمجھ کر صاحب
ایجنٹ نے صلح کے لئے ایک دفعہ پھر پیغام بھیجا مگر مہاراؤ صاحب نے منظور نہ کیا؛
ناچار لڑائی کا اشارہ ہوا۔ منتظم کی فوج نے توپ وبندوق سے حملہ کیا ادھر سے مہاراؤ

صاحب کے ہمراہی آگے بڑھے جن میں سے اکثر توپوں کے منہ تک پہنچ کر مارے گئے اگر انگریزی فوج کے تین رسالے انکو نہ روکتے تو یقین تھا کہ باز جٹے چپ کو توڑ کر عقب کی فوج تک جہاں خود منتظم تھا پہنچ جاتے مگر قسمت میں ناکامیابی لکھی تھی شکست کھائی اور چار سو ہاڈا سواروں کے غول میں محفوظ ہو کر کشور سنگھ نے ندی کو عبور کیا اور نصف میل کے فاصلہ پر بلند ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ مددگاروں کا گروہ منتشر ہو چکا تھا انگریزی فوج نے جلدی سے ندی کو عبور کر کے ان پر گولہ باری شروع کر دی۔ راجپوت اپنے ارادہ پر قائم تھے۔ بھاگنے سے اُن کو نفرت تھی اور نہ وہ اپنا دھول چھوڑ سکتے تھے اسی طرح قدم جما کر کھڑے رہے حملہ آور فوج کو یقین تھا کہ جاتے ہی یہ مُنتشر گروہ بھاگ کھڑا ہوگا مگر وہ بھاگنے والے پنڈارے تھے راجپوت نہ تھے دیوار کی طرح سامنے جمے رہے۔ انگریزی سپاہ کے دونوں جوان افسر لفٹننٹ کلارک و لفٹننٹ ریڈ کھیت رہے اور لفٹننٹ کرنل برج صاحب مجروح شدید ہو کر بمشکل جانبر ہوئے۔ مگر جب تین دیگر رسالے تیار ہو کر حملہ آور فوج کے ساتھ شامل آ ہوئے تو مہاراؤ کشور سنگھ نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا۔ اور باجری کے کھیتوں میں روپوش ہو گئے۔ مہاراؤ صاحب کے بھائی پرتھی سنگھ نے خاندانی بہادری اور دلیری سے اسی میدان میں جان دی قریب پچیس سواروں کے ساتھ واپس ہو کر لڑنے لگا اور جب مجروح شدید ہو کر گرا تو دشمن گرفتار کر کے اپنے لشکر میں لے گئے مگر باوجود بڑے علاج معالجہ کے کچھ فائدہ نہ ہوا اور دوسرے روز مر گیا پرتھی سنگھ نے مرتے دم تک ہمت اور بہادری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ وہ اپنی مصیبت کا الزام صرف تقدیر کے سر پر دیتا تھا کہ اب مجھکو زندگی کی خواہش ہرگز نہیں ہے میری روح اس درجہ پر کہ خیمہ کے قریب ہے رہکر بزرگوں کی سرزمین کو دیکھتی رہے گی؛

مکئی کے کھیتوں نے مہاراؤ کشور سنگھ کی جان بچائی کیونکہ انکی بلندی اسقدر زیادہ تھی کہ ہاتھی بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس موقعہ پر اگرچہ پردیسی لوگوں کی فوج نے فرار کا راستہ اختیار کر کے کشور سنگھ کو ناکامیاب رکھا تھا مگر مہاراؤ صاحب اور ان کے ہم قوم بھیروں کے استقلال و جوانمردی کی تعریف دشمنوں نے بھی کی۔ انکی بہادری جو اس روز میدان جنگ میں ظاہر ہوئی ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحوں پر لکھی گئی۔ دو اشخاص ہاڑا نے اپنی شجاعت و وفاداری کو اس جانفشانی سے ثابت کیا کہ خاص طور پر ان کا ذکر کرنا معلوم ہوتا ہے۔ جس وقت منتظم کی فوج ندی کے برابر چلی جاتی تھی ایک بہادر ہی

چند گولیاں اس کی طرف آئیں کل فوج نے حیرت زدہ ہوکر قیام کیا اور بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ صرف دو آدمی پہاڑی پر کھڑے فوج پر بندوقیں چھوڑ رہے ہیں۔ فوج روانہ ہوئی مگر اول دستہ کے چند آدمی مجروح ہوکر گر پڑے۔ ادھر سے بھی بندوقیں چلنے لگیں۔ ایک گولی کے مقابلہ پر بیس گولیاں جاتی تھیں مگر ہر دمیں فوج کے دو چار آدمی مرجاتے تھے۔ لیکن ان دو آدمیوں نے اپنی حفاظت کا کچھ ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ فوج کی گولیاں ان پر مطلق کارگر نہ ہوتی تھیں آخر کار بارہ پونڈ کی دو توپیں لگائی گئیں اور گولہ برسنے لگا تاہم انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی بدستور ایک آدمی بندوق بھرتا اور دوسرا چلاتا رہا جب توپوں کی مار سے بھی انہوں نے مورچہ نہ چھوڑا۔ اور فوج کے آدمی متواتر مرتے رہے تو یہ تجویز قرار پائی کہ کل فوج کا دو آدمیوں سے لڑنا بیہودہ ہے توپ و بندوق چلانا بند کرکے یا تو صرف دو آدمی ان سے دست بدست مقابلہ کریں ورنہ فوج اپنے رستہ پر چلی جاوے۔ یہ حکم سنتے ہی کچھ بھیلے فوج سے علیحدہ ہوکر پہاڑی پر چڑھے۔ اور ان کے ہاتھ سے دونوں جوانمرد کہ دس پلٹنوں اور بیس توپوں سے مزاحم سد راہ ہوئے تھے مارے گئے ؛

اب مہاراؤ کشور سنگھ پارتی ندی کو عبور کرکے بڑودہ کو چلے گئے۔ مگر بہت جلد مرواضح ہوگیا۔ مہاراؤ صاحب اور ان کے بہادر ہمراہیوں نے جو اپنے دعوے کی مصنوعی تقویت کے زعم میں آفت اٹھائی وہ خزانچی دہلی اور منشی دفتر فارسی کی شرارت و مکاری کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ بعد تحقیقات دونوں اپنے عہدوں سے معزول ہوئے۔ اور صاحب پولٹیکل ایجنٹ نے بصلاح و رضامندی ظالم سنگھ ایک خط متضمن ان شرائط کے جن کے بموجب مہاراؤ صاحب کا کوٹہ میں واپس آنا ممکن تھا۔ ان کے پاس بھیجا۔ مہاراؤ صاحب نے اس کو منظور کرلیا اور صاحب ایجنٹ نے مناسب شرائط پر صلح کراکر ہمیشہ کے لئے اس فساد کا خاتمہ کردیا؛

مہاراؤ صاحب ناتھدوارہ سے کوٹہ میں آئے منتظم و صاحب ایجنٹ نے بڑے تپاک سے انکا استقبال کیا اور جس گدی کو وہ دو دفعہ چھوڑ چکے تھے۔ اس پر تیسری دفعہ بٹھایا؛

اس تصفیہ کے بعد ظالم سنگھ چھاؤنی کو گیا۔ اور ملک کا دورہ کرکے اس ابتری و بدنظمی کے انسداد میں جو اس شورش و فساد کے سبب سے اس کی تمام عمر کی محنت و تدبیرات کے حاصل یعنی رونق و ترقی ریاست میں خلل انداز ہوئے تھے مصروف ہوا۔ اور اپنی چستی و مستقل مزاجی سے ہر ایک خرابی کو فی الفور رفع کیا۔ حتےٰ کہ چند ہفتہ کے اندر ہی اس نااتفاقی کا جس نے

ہاڑوتی کی سرزمین کو سیلاب خون میں غرق کرنے کا خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ نام ونشان بھی نہ رہا۔ مہاراؤ صاحب اس اطمینان اور فارغ البالی سے ازسرنو مسند نشین ہوئے۔ کہ ان کو پیشتر بھی حاصل نہ تھا۔ سردار اپنی اپنی جاگیروں پر بے کم وکاست قابض ہو گئے۔ منتظم کی زراعت خود کاشت کسی افراط سے ہونے لگی۔ تجارت بخوبی جاری ہوئی اور عوام الناس جو انقلاب زمانہ کو دیکھ کر متحیر و پریشان تھے۔ اسکے انجام بخیر سے مطمئن ہو گئے۔

ان واقعات کے بعد ظالم سنگھ پانچ برس تک اور زندہ رہا۔ اس کی قوی روح نے کہ نبض حیات کی اخیر حرکت تک تازہ دم اور محنت طلب رہی قفس عنصری کو کہ اس کی بود و باش کے واسطے از بس ضعیف و ناپائدار تھا خستہ و بوسیدہ کر دیا۔ تاہم اس نے اپنی جرأت و ہمت سے دم والپسیں تک نظم ونسق ریاست میں کسی طرح تفاوت نہ آنے دیا۔

ظالم سنگھ کی لیاقت اس کی علو حوصلگی اور با تدبیری کی مفصل کیفیت کو احاطہ تحریر میں بہت دشوار ہے۔ اس کے اعمال و افعال کی تجویزیں کہ کمال بیدار مغزی سے متواتر پیدا ہوتی تھیں۔ قبل عملدرآمد سوائے خدا کے کسی پر ظاہر نہ ہوتی تھیں۔ انسان کی کیا مجال تھی کہ اس کے دلی راز اور باطنی عندیہ کا سراغ پا سکے۔ ابتدائے سن تمیز سے انتہا عمر تک کسی پر اتنا اعتبار نہ ہوا کہ اس کی ہمرازی و معتمدی کا دعوے کر سکے۔ کوئی جذبہ مثل خوشی یا غم۔ امید یا انتقام کے کوئی ذریعہ مثل خوشامد یا مروت یاد یا باغت یا محبت کے اس کو طریقہ ضبط و سنجیدگی سے منحرف نہیں کر سکتا تھا اگرچہ وہ دولت کا پیارا اور گرم مزاج تھا۔ مگر تا وقت پختگی تجویز و حصول مدعا اپنے ان خواص کو بالکل ظہور میں نہ آنے دیتا۔ اور شروع جوانی سے اپنی طبیعت کو ایسا مغلوب و پابند کیا تھا کہ بعض مقام پر نہایت عمر رسیدہ و تجربہ کار سے بھی نہ ہو سکے۔ اور اسی ذریعہ سے بارہا اقدام ہلاکت و انواع مشکلات سے کہ متواتر وقوع میں آکر زدیا د ہوشیاری کا باعث ہوئی بخیر جانبر ہوا۔ کوئی حیلہ الیسا نہ تھا جس کے کرنے میں وہ اپنی کسرشان سمجھتا۔ اور جب عجز و اطاعت کی ضرورت ہوتی۔ اس کی سادہ روئی و خاکساری برآمدگی کار کے واسطے عمدہ بہانہ ہو جاتیں اور عقائد مذہبی کی سخت پابندی کے سبب سے جس امر کو وہ منظور کر لیتا وہ مقبول العوام ہو جاتا مزاج کی سنجیدگی سے اس کی رائے سب پر غالب رہتی تھی۔ حسن سلوک سے ماتحت و زبردست ہمیشہ اس کے مداح و شاکر رہتے تھے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے اس کی کلام میں اسقدر سحر بیانی و چرب زبانی تھی کہ وہ ایک دفعہ ہر شخص کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ اس نے ریاست

کے کل اختیارات کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا مگر رئیس بے اختیار کو اس شوکت و تجمل کے سامان
سے رکھا کہ ان کے متقدموں کو کبھی خود اختیاری کے زمانہ میں بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس کے ہر
ایک فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکو طبیعت انسانی کے میلان و ضروریات کا بڑا علم تھا۔ اور
جس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ان کی عادات و اخلاق کو سمجھنے میں بڑا ملکہ رکھتا تھا۔ پر فن
مرہٹوں کو حسن تدبیری سے محو کیا۔ بہادر اور شجاع راجپوتوں کو آشتی و خاطرداری سے معتقد بنایا
اور باعلم و عالی دماغ انگریزوں سے جو باشندہ ملک ایشیا کو کسی لائق نہیں سمجھتے تحسین آفرین
حاصل کی۔ خطرات کاہلی سے آگاہ ہو کر با وصف گذرنے پچاس سال عمر کے وہ کبھی بیکار نہیں رہتا
تھا۔ اور اس اعتقاد سے کہ راجپوت کا تخت گھوڑے کا چار جامہ ہے جب کوری چشم و ضعف
جسمانی سے بسواری اسپ شکار کا تعاقب کرنے کے لائق نہ رہا تب بھی میانہ میں سوار ہو کر ہزارہا
آدمیوں کی جمعیت سے شکار کے واسطے جاتا تھا اور اس ذریعہ سے اپنے سرداروں اور ماتحتوں
کے ساتھ بے تکلفی سے محبت پیدا کرتا تھا۔ جنگل میں جہاں دل چاہتا ہزاروں آدمیوں کے
حلقے میں بیٹھ جاتا۔ آٹا شکر و مصالحہ جات وغیرہ سامان باورچی خانہ کے شتر لدے ہوئے ہمراہ رہتے
اور جہاں قیام ہوتا وہیں تکلف سے دعوت ہوتی۔ مگر اس شغل میں ریاست کا کام بھی بدستور
ہوتا رہتا تھا۔ غیر ریاستوں کے وکیل حاضر ہو کر معاملات طے کرتے تھے۔ تجارت کی ترقی
کی تدبیریں سوچی جاتی تھیں۔ کاشت زراعت کا انتظام ہوتا تھا۔ اور فوج کی آراستگی و نگرانی
برابر ہوتی رہتی تھی۔ پولیس کی رپوٹیں پیش ہوتی تھیں بلکہ عین اس وقت بھی جب چاروں طرف
گولیاں چلا کرتی تھیں۔ ظالم سنگھ پیپل کے سایہ کے نیچے بیٹھا ہوا مقدمات فیصل کرتا پایا
جاتا تھا غرضیکہ ہر حالت میں اس کے سب کام جاری رہتے تھے وہ کبھی کسی میں تعجیل نہیں
کرتا تھا اور نہ کبھی اس کی طبیعت منتشر و پریشان ہوتی تھی۔ جب ضعف بصارت کے
سبب سے دستخط کرنے کی قابلیت نہ رہی تو کاغذوں پر مُہر کرنے لگا یہ مہر معتمد اہلکار کے
پاس رہتی تھی اور خود منتظم کے حکم سے کاغذوں پر ثبت ہوتی تھی۔ مگر لطف یہ ہے کہ بصارت
کی کمی اس طرح پوری ہوگئی تھی کہ اس کے دوسرے حواس تیز ہوگئے تھے مطلق نابینا
ہونے کے بعد ممکن نہ تھا کہ کوئی اس کو دوشالا و اقسام پارچہ کی خریداری میں دہوکہ دیدے۔
وہ ان کے حسن و قبح کو صرف قوت لامسہ کے ذریعہ سے دریافت کر کے قیمت مناسب تشخیص
کر لیتا بلکہ مختلف رنگوں کو کہ صرف بینائی پر منحصر ہیں ہاتھ لگا کر بتلا دیتا تھا؛

بزرگوں کا قول ہے کہ جو شخص بنجر زمین میں گھاس کا تنکا پیدا کرے وہ بھی اپنے وطن کا
خیر خواہ متصور ہوتا ہے لیکن جس شخص نے ایسی زمین پر جہاں گھاس بھی نہ ہوتی تھی۔ عمدہ
اجناس پیدا کیں۔ شہر کے گرد پہاڑیوں کو درست کر کے عرب سراندیپ و جزائر بحر مغرب کے
انواع و اقسام کے درخت لگوائے اور کوہ مالا بار سے نارجیل و تاڑ کے درخت منگوا کر لگا
اور لوگوں کے اس قول کو کہ یہ درخت ساحل دریا سے دور سرسبز نہیں رہ سکتے باطل کر دیا۔ سر
کے باغات میں کابلی سیب و ناسپاتی اور کالا باغ کے مشہور انار آگرہ و سلہٹ کے
قسم کے رنگترے۔ مزگانو کے انب و دکن کے چنپا کیلہ اور راجپوتانہ کے کل میوہ جات پیدا
تھے۔ ان باغات کی آبپاشی کے لئے بعض کنوؤں کی تیاری میں پہاڑ توڑنے کے سبب
چاہ تیس ہزار روپیہ خرچ ہوا تھا۔ جنگلی بیر کو پیوند کے ذریعہ سیب کے برابر بڑا کر دیا۔ یہ ترقی
اس زمانہ میں ہوتی تو شائقین علم فلاحت کے مجمع سے خاطر خواہ داد ملتی ؛

ظالم سنگھ نے ساٹھ برس تک بالکل خود اختیاری سے حکومت کی اور ایسی ایسی
مشکلات پر غالب آیا کہ ہر ایک شخص کو ان سے عہدہ برآ ہونا غیر ممکن ہوتا۔ اخیر عمر میں
کی یہ بھی خواہش ہوئی کہ ترک حکومت کر کے بمقام ناتھ دوارہ یاد الٰہی میں بقیہ عمر کو صرف
کرے مگر اس خوف سے کہ عوام اس ترک حکومت کو ضعف و ناقابلیت سے منسوب
کریں گے۔ اس ارادہ پر عمل نہ کر سکا اور دم واپسیں تک کمال محنت و توجہ سے انصرام
کار کرتا رہا ؛

ریاست اجمیر

اجمیر کا قدیم اور مشہور شہر پہاڑ کے گھاٹہ بلکہ قلعہ کے اندر عرض بلد شمالی ۲۶-۲۹ طول بلد شرقی ۴۷-۳۴ پر عجیب خوبصورتی سے واقع ہے اس کے ہر طرف پہاڑ ہیں۔ شہر پناہ پختہ ہے اور شمال اور مغرب کی سمتوں میں پانچ بڑے بڑے دروازے ہیں۔ دولتمندوں کے مکانات بہت بلند اور وسیع ہیں۔ گلیاں بعض فراخ مگر اکثر تنگ ہیں۔ تاہم یہ شہر ہندوستان کے بڑے اور مشہور شہروں میں شمار کیا جاتا ہے شہر کی فصیل سے باہر تاراگڈھ کے پست حصہ میں جین مندروں کے کھنڈرات ہیں۔ مگر اب بھی باوجود شکستگی کے بہت عالیشان ہیں۔ جس احاطے کے اندر یہ مکانات ہیں وہ اندر کوٹ راجہ اندر سین کا آباد کیا ہوا تھا۔ اور اسی کے زمانہ میں یہ مکانات تیار ہوئے تھے۔ یہ عمارت زمین سے بہت بلند کرسی کی ہے۔ کل کام نہایت عمدہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اور اس پر نہایت عمدہ نقاشی کی گئی ہے۔ جسکا ثانی کہیں نہیں نظر آتا شمس الدین التمش کے عہد میں کچھ مکانات مسمار کر کے ایک محراب تیار ہوئی اور مسجد بنائی مگر یہ سب کام دو ڈہائی دن کے عرصہ میں تیار ہوا تھا اور ڈھائی دن کا جھونپڑہ مشہور ہے۔ ازاں بعد اس شہر میں اور اور اسلامی تعمیرات بھی ہوتی رہی ہیں۔ یہ اگرچہ اب خراب وخستہ ہیں تاہم قابل دید ہیں۔

شہر میں مشہور مکان خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ ہے۔ اہل اسلام اسکو بہت متبرک سمجھتے ہیں بلکہ اسی وجہ سے اجمیر شریف اور خواجہ کی اجمیر کہتے ہیں۔ شمس الدین التمش کے عہد میں اس درگاہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہاب الدین غوری نے اسکو زیادہ وسعت دی اور اکبر کے وقت میں اکبری مسجد اور چند مکانات کا اضافہ ہوا۔ شاہجہان نے سنگ سفید کی جامع مسجد بنوائی اکبر بادشاہ کو ابتدا میں اس درگاہ پر بڑا اعتقاد تھا۔ جب جہانگیر پیدا ہوا تو اکبر آگرہ سے پاپیادہ زیارت کو آیا تھا۔ ۱۵۶۷ء میں جب چتوڑ فتح ہوا۔ تو اٹھارہ گاؤں بطور جاگیر اخراجات لنگر وغیرہ کے لیے مقرر ہوئے نقارہ کلاں جو صبح شام بلند آواز سے بجتا ہے چتوڑ سے لاکر یہاں چڑھایا تھا جہانگیر کے وقت میں دو آہنی دیگیں تیار ہوئیں اور مرہٹوں کے وقت میں ملا مداری نے انکی مرمت

کرائی۔ ایک میں اسی من اور دوسری میں اٹھائیس من چاول علاوہ روغن زرد اور شکر کے پکتے ہیں
اس درگاہ سے متعلق ایک تالاب معروف جھالرا ہے۔ اس میں ہمیشہ بارش کا پانی جمع رہتا
ہے۔ تمام شہر کے لوگ اس میں سے پانی لے جاتے ہیں ؛
اجمیر میں ایک محل اکبر بادشاہ کا بنوایا ہوا بنام دولت خانہ مشہور ہے اول مرتبہ آکر درگاہ
میں اکبری مسجد بنوائی تھی اور اکبر بازار بسایا تھا۔ دوسری مرتبہ ۱۵۷۰ء میں شہر پناہ اور یہ محل بنوایا
مہاراجگان مارواڑ اور مرہٹوں کی عملداری میں یہ مکان بطور بود و باش صوبہ داران و کچہری مستعمل
ہوتا رہا اور اسی نام سے مشہور رہا۔ انگریزی عملداری میں اسمیں میگزین رکھا گیا اسواسطے اب میگزین کہلاتا
ہے۔ اسی مکان میں اب تحصیل اجمیر کی کچہری ہے ؛
شاہ جہان بادشاہ جب اجمیر میں آیا تو کوئی مکان اپنی رہائش کے لئے پسند نہ آیا۔ لہذا
اسکے حکم سے آناساگر تالاب کے کنارہ پر سفید پتھر کے عالیشان مکانات تیار ہوئے۔ اور ان کے
نیچے چمن آراستہ ہوا۔ اس کا نام دولت باغ رکھا گیا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ انگریزی
عملداری میں اکثر مکانات مسمار ہوئے۔ اور بعض جدید تعمیر ہوئے ؛
جس زمانہ میں اجمیر کی آبادی سے پیشتر اندرکوٹ آباد ہوا۔ اسوقت کی بڑی بڑی باوڑیاں
اندرکوٹ میں موجود ہیں۔ انگریزی عملداری سے یہ باوڑیاں مٹی سے بھر گئی تھیں مگر کرنل ڈکسن
صاحب کے وقت میں سات صاف کرائی گئیں۔ جو اب تک بہت عمدہ کام دیتی ہیں ؛
تاراگڈھ میں میراں صاحب کی درگاہ ہے۔ یہ میراں حسین شہاب الدین غوری کا رسالدار تھا
اجمیر فتح ہوئی تو یہ قلعہ دار بنایا گیا۔ چونکہ مسلمانوں میں مرنے کے بعد اکثر پیر بن جاتے ہیں۔ اسکے
مزار کی بھی پرستش اور زیارت ہونے لگی ؛
جو آبادی اب اجمیر کے نام سے مشہور ہے وہ بعد کی آباد شدہ ہے مشہور ہے کہ جب راجہ اجے پال
نے اپنی راجدھانی بنانے کا ارادہ کیا تو اول ناگ پہاڑ کو پسند کیا اور عمارت شروع کی مگر بہت تھوڑا
کام تیار ہوا تھا کہ راجہ کا دل ادہر سے پھر گیا۔ روایت ہے کہ جن شہر آباد نہیں ہونے دیتے تھے
اور جسقدر کام دنکو تیار ہوتا تھا سار یکا سارا رات کو مسمار ہو جاتا تھا۔ مجبوراً راجہ نے یہ جگہ چھوڑ کر
کوہ بٹیلی پر قلعہ کی نیباد ڈالی اور اسکے نیچے شہر آباد کیا قلعہ کا نام تاراگڈھ اور شہر کا نام راجہ کے نام پر اجمیر مشہور ہوا
اجے پال کے خاندانمیں بیسلدیو نامی اجمیر کا بڑا راجہ ہوا ہے اس نے دہلی کو فتح کیا اور اپنے نام پر بیسلدیو
بنوایا۔ یہ تالاب شہر سے شمال مشرق میں نصف میل پر واقع ہے اور شکل بیضوی اسکا اڑھائی میل کا احاطہ ہے

گرد سنگین دیوار ہے۔ مگر اب اکثر مقامات سے شکست ہو گئی ہے ؛

بسلسلہ پو کے بعد غالباً گیارہویں صدی سنہ میں آنا دیو راجہ ہوا۔ اس نے شہر سے شمال مغرب میں ایک نالے پر چھ سو گز طول اور نو سو گز عرض میں پشتہ ڈالکر تالاب بنوایا اور اسکا نام آنا ساگر رکھا۔ موسم برسات میں آنا ساگر کا پانی چھ میل کے حلقہ میں پھیل جاتا ہے۔ سلطنت مغلیہ اور مرہٹوں کے زمانہ میں اس تالاب کی بہت کم خبر گیری ہوئی۔ شاہ جہان نے اسی پر عالیشان عمارت بنوائی مگر پانی کی ابرادی اور گھاٹوں کی تعمیر کی جس سے عوام کو فیض پہنچتا کچھ تدبیر نہ کی گئی۔ البتہ انگریزی عملداری میں مسٹر میکناٹن صاحب اور کرنل ڈکسن کی ادھر توجہ ہوئی۔ اول اجے پال پہاڑ کا پانی ادھر پھیر کر اس میں ڈالا گیا جس سے پانی کی قلت بالکل موقوف ہو گئی۔ پھر اس کنارہ پر گھاٹ اور باغات تیار کرائے گئے۔ اگرچہ اس میں سرکاری خرچ کچھ نہیں ہوا مگر ساہوکار اور دیگر دولتمند باشندگان شہر کے چندہ سے لاکھوں روپیہ کے صرف سے یہ مقام نہایت دلکش اور پُر فضا بن گیا ؛

شہر اجمیر کو آباد ہوئے ۱۷۶۰ سال کا عرصہ ہوا ہے اور قدیم سے یہ شہر راجپوتانہ کا صدر سمجھا جاتا ہے۔ اور ہندوستان کے بادشاہ راجپوتانہ کو اپنا تحت حکومت کرنے کے لئے اجمیر کا لینا مقدم سمجھتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ شہر وسط راجپوتانہ میں واقع ہے ؛

افسوس کا مقام ہے کہ اجمیر کی قدیم تواریخ کے مفصل حالات کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۴۵ سے لیکر جب اجمیر آباد ہوا پشت بہ پشت سنہ ۱۱۷۵ تک یہ سلطنت چوہانوں کے قبضہ اقتدار میں رہی۔ اگرچہ اس زمانہ میں شاہان اسلام سے کئی ایک لڑائیاں بھی ہوئیں مگر اجمیر چوہان خاندان کے قبضہ میں رہا۔ اس خاندان کا سب سے آخری اور سب سے مشہور راجہ پرتھی راج گذرا ہے جس کے مفصل حالات آئندہ صفحوں میں درج کئے جاتے ہیں ؛

پرتھی راج چوہان

المشہور

رائے پتھورا

پرتھی راج کا نام بھی ہندوستان کے اُن نامور اور شجاع راجپوت حکمرانوں کی فہرست میں شامل

ہے جن کے کارنامے ملک اور قوم کے لئے مایہ افتخار سمجھے جاتے ہیں - یہ تاجدار بڑا دلیر اور جفاکش تھا اور اسکی ساری عمر جنگ وجدل اور فوج کشیوں میں ہی بسر ہوئی تھی - اسکے مفصل کارنامے مشہور شاعر چند نے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں قلمبند کر کے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے ؛

جس وقت کے حالات ہم بیان کرنے کو ہیں اسوقت ہندوستان میں چار سلطنتیں زبردست گنی جاتی تھیں - دہلی - قنوج - میواڑ - اور انہلواڑہ ؛

پرتھی راج دہلی اور اجمیر دونوں سلطنتوں کا مالک تھا - اجمیر کی سلطنت تو اس کو اپنے باپ دادا کے ورثہ میں ملی تھی اور دہلی کی سلطنت اپنے نانا کی طرف سے - وہ تمام علاقہ جو دریائے سندھ کے مغرب میں واقعہ ہے معہ درمیانی اراضی یعنی اس دریا کے شروع دامن کوہ ہمالہ سے تا ارادولی ... دہلی کے قبضہ اقتدار میں تھا - چونکہ پرتھی راج دو ریاستوں کا مالک بن گیا تھا اس لئے وہ ہندوستان کا سب سے زبردست راجہ شمار کیا جاتا تھا - مگر اس کے مقابلہ پر قنوج کی ریاست بھی ان دنوں ایک زبردست ریاست گنی جاتی تھی - قنوج کی سرحد شمال کی طرف ہمالہ پربت تک پھیلتی چلی گئی تھی - جنوب کی طرف اس کی سرحد میواڑ سے ملتی تھی - اور مشرق کی طرف کانشی یعنے بنارس اور آنتر وید دریائے چمبل تا به اراضی چندیل (جس کو آج کل بندھیل کھنڈ کہتے ہیں) تمام علاقہ اس کے زیر نگین تھا ؛

دہلی اور میواڑ کے درمیان سرحد کے معاملہ پر بہت کم جھگڑا واقعہ ہوتا تھا مگر دہلی اور قنوج جن کے درمیان کالی ندی حد فاصل تھی اکثر دفعہ اپنے خون سے اس ندی کے پانی کو سرخ کرتے رہتے تھے انکی لڑائی کبھی ختم نہ ہوتی تھی - اگرچہ چند ایک موقعوں پر باہمی رشتہ داری ہو جانے سے یہ لڑائی کچھ مدت کے لئے بند بھی ہوگئی - مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی وجہ تکرار کی پیدا ہو ہی جاتی تھی ؛ قنوج کا راجہ اس وقت جے چند تھا - اس کی ماں اور پرتھی راج کی ماں دونوں سگی بہنیں اور دہلی کے سابق فرماں روا اننگ پال کی بیٹیاں تھیں - چونکہ دہلی کے راجہ کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے اس نے پرتھی راج کو اپنا متبنٰے قرار دیا - جے چند نے بھی اپنے حقوق پیش کئے مگر کارگر نہ ہوئی اور دہلی کی سلطنت پرتھی راج کے قبضہ میں چلی گئی - اور وہ دہلی اور اجمیر دونوں سلطنتوں کا مالک بن گیا ؛

اس واقعہ سے پرتھی راج اور جے چند کے درمیان سخت دشمنی پیدا ہو گئی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا

پرتھی راج چوہان



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۱۳۸

کا مالک بن گیا۔

اس واقعہ سے

کہ آخر کار دونوں راجہ جو اپنے وقت کے بڑے نامور اور بہادر راجہ تھے بڑی آسانی سے سلطان غوری
کا شکار بن گئے دہلی اور قنوج کی سلطنتیں باہمی جنگ وجدل سے تباہ ہو گئیں۔ اور ہندوستان
کی آزادی ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گئی ؛

لکھا ہے کہ جے چند کے پاس ۸۰ ہزار فوج زرہ پوش۔ تیس ہزار سوار اور تین لاکھ پیدل تھے
سوائے اس کے دو لاکھ تیرانداز اور سفر مینا کے آدمی اور کئی ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ جے چند
واقعی بڑا زبردست راجہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس نے راجہ شمالی (شمالی سے مراد غربی دریائے سندھ
ہے) کو فتح کرکے اسکے آٹھ دیگر خراج گذار راجوں کو قید کیا تھا۔ دو مرتبہ راجہ انہلواڑہ کو شکست
دی اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو کسی صورت میں بھی پرتھی راج سے کم نہ سمجھتا تھا ؛

ادھر پرتھی راج نے تخت پر بیٹھتے ہی اول اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لیا۔ اس کا باپ
سموار جنگ سارا شٹر اور گجرات میں قتل ہوا تھا۔ پرتھی راج نے چن چن کر سب کو قتل کیا۔ اس
کے بعد اس نے قوم میرا یا مینا پر نمایاں فتح حاصل کی کبیشر چند نے اس لڑائی کا حال بڑا مفصل
و مشرح لکھا ہے۔ ہم بھی ناظرین کی دلچسپی کے لئے اسکا اختصار ذیل میں درج کرتے ہیں ؛

"والئے مندور کو جب معلوم ہوا کہ پرتھی راج نے انپر چڑھائی کی ہے تو اس نے حکم دیا کہ درہ کے
دہانہ پر جا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے پائے۔ چار ہزار میرٹا جن
میں سے ایک ایک مجسم ملک الموت تھا مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کا تیر کبھی خالی نہ جاتا۔ وہ بڑے
قوی ہیکل جسیم اور جوانمرد تھے۔ وہ اپنے قول کے سچے اور ملک و قوم کے پورے پورے حامی
و محافظ تھے۔ ملک مندور آج تک ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا اور اس کے قلعے بڑے مضبوط
اور مستحکم تھے۔ آجتک یہ لوگ میدانوں میں مار کرکے اسباب غنیمت کو لے کر اپنے پہاڑی قلعوں
میں چلے جاتے تھے کس کی ہمت تھی کہ ان کے تعاقب میں جاکر ان سے انتقام لیتا ؛

مذکورہ بالا چار ہزار آدمیوں نے آگے بڑھ کر درہ کو روک لیا۔ کچھ آدمی ادھر ادھر پہاڑیوں
پر پھیل گئے اور کچھ تیر و کمان لیکر مقابلہ کے لئے درہ کے منہ پر مقیم ہوئے۔ پرتھی راج نے بھی
اس کیفیت کو دیکھا۔ کون ایسا جوانمرد تھا جو بزور شمشیر درہ سے گذر جاتا۔ جس طرح بھوکا شیر شکار کو
دیکھ کر غراتا ہے اسی طرح بہادر مینا سردار دلاوران مندور گرج رہا تھا۔ پرتھی راج نے بہادر کاہن سنگھ
کو طلب کرکے حکم دیا کہ درہ کو صاف کرو ؛

کاہن سنگھ اپنی جمعیت کو لے کر آگے بڑھا۔ سردار کوہی شیر کی طرح گرجتا ہوا اسکے مقابل ہوا

اس کے زہر آلود تیر پانی مانگنے کی مہلت نہ دیتے تھے۔ تیروں کی بوچھاڑ سے دلاوروں کے سر پر سائبان تن گیا جس طرح سخت آندھی کے جھونکے درخت کو جڑھ سے اکھاڑ کر پھینکدیتے ہیں اسی طرح سوار گھوڑوں سے گرنے لگے۔ کاہن سنگھ گھوڑے سے اُتر کر تلوار ہاتھ میں لے مقابلہ کے لئے بڑھا دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئے۔ طرفین کے تیر اس طرح سنسناتے ہوئے گذرتے تھے جس طرح کوئی جانور آگ کے شعلہ سے بچ کر بھاگتا ہے۔ برچھی جو وہ چلاتے تھے اس طرح پھٹ سے گذر جاتی تھی۔ جس طرح مچھلی جال سے نکلکر بھاگتی ہے خوب جنگ آزمائی ہوئی۔ لوہا خوب برسا مگر آخر کار سردار کوہی مارا گیا اور کاہن سنگھ کو فتح نصیب ہوئی۔

سردار کوہی کے گرتے ہی اس کا بھائی ناہر سنگھ آگے بڑھا اور بجلی کی طرح کڑکتا ہوا بلند آواز سے کہنے لگا "دلاورو ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہیں اپنے سردار کا بدلہ لینا ضروری ہے میں بھی اپنے بھائی کا عوض لینے کے لئے تمہارے ساتھ ہونگا" بہادر کی کڑک نے فوج میں ایک دفعہ پھر تازہ روح پھونک دی جوانوں کا عزم پھر تازہ ہوگیا۔ پرتھی راج نے فتح کے راگ گائے جانے کا حکم دیا۔ دشمن کا حوصلہ پست کرنے کے لئے یہ بڑی اعلےٰ تجویز تھی۔ لیکن اس کا نتیجہ بھی اُلٹا نکلا دلاوران کوہستانی اور بھی بھڑک اُٹھے اور اس راگ کو سُنکر ان میں تازہ جوش پیدا ہو گیا۔ پرتھی راج نے اس کیفیت کو دیکھ کر اپنا گھوڑا آگے بڑھایا جس طرح اساڑھ کے مہینہ میں اول مرتبہ کا مینہ بڑے زور شور سے برستا ہے اسی طرح چوہان کا جھنڈا ہوا میں پھڑ پھڑانے لگا۔ پرتھی راج کا اگر بڑھنا تھا کہ فتح کا نقارہ ایک دفعہ پھر بجایا گیا۔ مگر لڑائی کا زور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ گھوڑے ہنہناتے تھے۔ ہاتھی گرجتے تھے۔ تلوار چل رہی تھی اور خون کے نالے بہ رہے تھے قریب تھا کہ شاہ چوہان کو فتح نصیب ہو کہ گرنر اور سندھ کی طرف سے مندور کی سپاہ کو مدد آپہنچی۔ اور دونوں لشکروں کے جھنڈے مختلف رنگوں میں لہراتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ دونوں لشکر زرہ بکتر سے مسلح اور سر سے لیکر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے اور صرف انکی آنکھیں ہاتھوں کی انگلیاں دکھائی دیتی تھیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کمان اور میان میں دودھاری تلوار تھی۔ کاندھوں پر ایک طرف تیروں سے بھرے ہوئے ترکش تھے۔ اور دوسری طرف گینڈے کی ڈھالیں تھیں۔ پرتھی راج کا چہرہ سورج کی مانند چمک رہا تھا۔ اور زریں تاج کی کرنیں اور اس میں جڑے ہوئے بیش قیمت ہیروں کی چمک آنکھوں میں چکا چوندھ پیدا کر رہی تھی۔ ناہر سنگھ مقابلہ کے لئے آگے آیا۔ پرتھی راج کی تلوار اس کے گھوڑے کی گردن پر پڑی گھوڑا

زمین پر گرا مگر ناہر سنگھ فورًا اپنے آپکو سنبھال کر پرتھی راج پر حملہ آور ہوا۔ خوب زور آزمائی ہوئی۔ مگر آخر کار پرتھی راج کی تلوار نے ناہر سنگھ کو دو ٹکڑے کر کے گرا دیا۔ افسر کا گرنا تھا کہ سپاہ کے حواس باختہ ہو گئے پرتھی راج کی طرف سے ہلہ کر دیا گیا۔ مگر بھاگ کر کسی نے بھی جان نہ بچائی۔ ایک ایک کر کے مارے گئے۔ اور پرتھی راج کو فتح نصیب ہوئی ٭

پرتھی راج کی تمام لڑائیوں کو مفصل طور پر بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں جن اصحاب کو ان کے پڑھنے کا شوق ہو وہ کبیشر چند کی بنائی ہوئی کتاب "پرتھی راج راسا" کا مطالع کریں۔ مختصر طور پر ہم اتنا بیان کرینگے کہ اس بہادر اور شجاع راجہ نے تخت پر بیٹھ کر جدہر کا رُخ کیا۔ فتح و نصرت ہمیشہ اس کے قدم چومتی رہی اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس کی سلطنت اتنی وسیع ہو گئی کہ ایک سو آٹھ رئیس جن میں اکثر راجے بھی شامل تھے۔ اس کے ماتحت اور باجگذار تھے۔ اور اس وقت خاندان چوہان کو وہ عروج حاصل تھا کہ اس سے پہلے کبھی اسکو نصیب نہ ہوا تھا نہ کبھی آئندہ ہوگا ٭

انہی ایام میں غور کا بادشاہ علاء الدین تھا۔ اس نے غزنی پر فوج کشی کر کے اسکو بالکل برباد کر دیا۔ اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ غزنی کا حکمران میر حسن بھاگ کر ہندوستان میں چلا آیا۔ اور پرتھی راج کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ علاؤ الدین نے میر حسن کی گرفتاری کیلئے اپنے بھائی شہاب الدین کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ ہندوستان کو روانہ کیا اور وہ لوٹ مار کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس حملہ کی خبر پرتھی راج کے کانوں تک بھی پہنچی۔ بہادر کو تاب کہاں تھی فورًا اپنے بھائی کھانڈے راؤ کو ہمراہ لے دو لاکھ فوج جرار اور تین ہزار جنگی ہاتھی کے ساتھ اندھی اور بھونچال کی طرح شہاب الدین کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ اور تلاوڑی کے میدان پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو گیا ٭

تمام رات طرفین کی تیاریوں اور مورچوں کی تقسیم میں گذری۔ پچھلی پہر رات باقی تھی کہ شہاب الدین نے کمر بندی کا حکم دیدیا۔ طبل جنگ بجنے لگا اور جانبار ہتھیار سنبھال کیل کانٹے سے درست ہو میدان جنگ میں آ جمے۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں کے سردار اپنی اپنی فوجوں کو سنبھالے ہوئے تھے شہاب الدین خود زرہ بکتر لگائے چار آئینہ سجے سر پر خود فولادی دھرے کمر میں شمشیر اصفہانی پشت پر ڈھال کندھے پر کمان زین پر گرز لگا و سر دھرے اور کمند ابریشمی شکار بند میں آویزاں کئے علم کے سایہ کے نیچے نیزہ تانے کھڑا تھا اور اسپ عربی جس پر پوست پلنگ کی پاکھر پڑی تھی رانوں میں سے نکلا جاتا تھا

اُدھر پرتھی راج کے لشکر میں اول ہاتھیوں کی قطار۔ بعد اُس کے رتھیں اور بہلیں ۔ پیادہ ا
جن کا سلسلہ انتظام ایک ایسے شخص کے قبضہ میں تھا کہ جدھر چاہے اُدھر جھونک دے۔
پتھوڑا سر سے پاؤں تک اوپچی بنا ہوا۔ زرہ دو گلے پر چلتا اور اس پر زرہ بکتر۔ چار آئینہ سجے
ایک پیچہ پھون پر رکھے۔ کمر میں ایک طرف سروہی کی تلوار دوسری طرف کھانڈا اور کر
پشت پر گینڈے کی ڈھال سورج مکھی کے سایہ میں ہاتھی پر بیٹھا دونوں لشکروں پر نظر
دیکھ رہا تھا۔ آخر نہ رہ سکا اور تڑپ کر ہاتھی سے کود گھوڑے پر سوار ہو اپنے بھائی کھانڈ
راؤ کو ہاتھی پر بٹھا دیا۔ آپ دکھنی گھوڑی اڑاتا سپاہ گری کا بانکپن دکھاتا بھالے کے
نکالتا ہوا دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں تک ایک چکر لگایا۔ اور لشکر کے سا
کھڑے ہو کر راجپوتوں کے دلوں کو اس طرح بڑھایا " اے راجپوتوں کے سپوتو! دھرم اور
کے نام پر مٹنے والو! تم دیکھتے ہو کہ تمہارے دھرم کے دشمن کمریں باندھ باندھ کر مقا
کے لئے آئے ہیں۔ پہاڑوں کے افغانوں اور تاتار کے ترکوں سے تمہارا سامنا ہے۔ مگر ا
تک وہ تمہاری سرحد پر کھڑے ہیں۔ اگر ہمت کرو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ خرگوش کی طرح
جھاڑیوں میں بھگا بھگا کر مار لو گے۔ لیکن اگر تمہارا ایک قدم بھی پیچھے ہٹا تو ان کے پاؤں
ہمارے تمہارے گھروں میں اور ہاتھ ننگ و ناموس کے دامن پر ہوں گے۔ تمہاری عورتیں
ان کے رحم کی محتاج ہونگی اور تمہارے بچے غلام بنائے جائیں گے۔ آج دھرم کی لاج تمہار
تلوار کی باڑ پر ہے۔ مارو! مارو! اور جانے نہ دو"

راجہ کی اس تقریر کو سنکر راجپوت بہادروں کے سپوت جن کی تلواریں میانوں میں
مچھلی کی طرح تڑپی جاتی تھیں ہاتھیوں کی صف کو چیر کر آگے بڑھے اور تیر برساتے ہوئے
غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر سے مسلمانوں نے بھی گھوڑوں کی باگیں لیں اور لشکر شاہی کے
بائیں ہاتھ پر جو افغان پرا جمائے آگے کھڑے تھے آگے بڑھے۔

اوّل اوّل دونوں طرف کے جوانمرد تیروں کی بارش کرتے رہے۔ لیکن جب دونوں
فوجیں آپس میں مل گئیں تو تلوار پر کام آپڑا۔ خوب خونریزی ہوئی ایک طرف پرتھی راج نے
شمشیر آبدار سے صفیں کی صفیں غارت کر رہا تھا تو دوسری طرف سے محمد غوری اپنی بہادری
اور جوانمردی کے جوہر دکھا رہا تھا۔ آخر کار افغانوں کے پاؤں پیچھے کی طرف ہٹے خلجیوں نے
نے بھی گھونگٹ کھایا مگر شہاب الدین اسی طرح جما ہوا تیر مارے جاتا تھا یکایک اس کی نظر پرتھی راج

پر پڑی۔ گھوڑا اس کی طرف بڑھایا اور اپنا نیزہ اس طرح تاک کر اس کے سینہ پر مارا کہ اگر پرتھی راج
شانہ کو نہ بچا جاتا۔ تو اس کا کام تمام ہوگیا ہوتا۔ وار کو خالی جاتے دیکھ کر محمد غوری کا چہرہ زرد پڑ
گیا اور دوسرے حملے کی فکر کرنے لگا مگر کھانڈے راؤ نے آگے بڑھ کر اپنے نیزے سے ایسا وار کیا
جس سے محمد غوری کے دو دانت شہید ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے گر گیا۔
اور گرتے ہی قید کر لیا گیا!!

فوج کے پاؤں پہلے ہی اکھڑ چکے تھے سپہ سالار کے قید ہوتے ہی سب کے حواس اُڑ گئے تمام لشکر
میں کھلبلی مچ گئی اور میدان کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے کہ کسی نے پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا ۞

شہاب الدین پا بزنجیر پرتھی راج کے سامنے لایا گیا جو سلوک مسلمان بادشاہ ہندو مفتوحوں سے
کیا کرتے تھے اسکو خیال کر کے شہاب الدین کو یقین تھا کہ وہ بھی بڑی ذلت کیساتھ مارا جائیگا لیکن
ایسا نہیں ہوا۔ دریادل پرتھی راج اسکو اس خستہ حالی میں نہ دیکھ سکا اور اس بات کا ارادہ ظاہر کیا
کہ اگر وہ آئندہ کے لئے مقابلہ پر نہ آنے کی قسم کھائے تو وہ اس کو رہا کر دیگا ۞
مرتا کیا نہ کرتا محمد غوری نے تمام شرطوں کو منظور کیا اور ایک بھاری نذرانہ پیش کرنے کا
عہد کرا کر پرتھی راج نے اسکو رہا کر دیا ۞

شہاب الدین رہا ہو کر لاہور میں آیا۔ بھاگے بھٹکے سپاہی اور ٹوٹے پھوٹے لشکر کو جمع
کیا اور غزنی کو روانہ ہوگیا۔ اس لڑائی میں تماشا یہ ہوا کہ جن جن سرداروں کو بہادری اور جاں نثاری
کے بڑے بڑے دعوے تھے اور بادشاہ کو بھی انپر بھروسے تھے وہی سب سے پہلے میدان سے بھاگے
تھے۔ غزنی پہنچکر علما نے فتویٰ دیا کہ یہ سب گنہگار خدا ہیں۔ بادشاہ نے حکم شرع ہاتھ میں لیا اور
تمام سرداروں کو گرفتار کیا۔ جو اور چنے گھوڑوں کے توبروں میں ڈالکر انہیں چڑھوا دیئے اور بازار میں
پھرو دیا تاکہ خاص و عام عبرت پکڑیں اور جو نہ کھائے اسکا سر الگ۔ آخر کو یہ سزا تو معاف ہوگئی مگر دربار سے بند ہوگئے
مسلمان مؤرخونکی تواریخوں سے شہاب الدین کی صرف ایک ہی شکست کا پتہ ملتا ہے مگر بعض دیگر
تواریخیں ظاہر کرتی ہیں کہ کئی دفعہ شہاب الدین نے پرتھی راج کے مقابلہ پر شکست فاش کھائی تھی ایک
مؤرخ تو ان شکستوں کی تعداد پندرہ اور دوسرا اٹھارہ بیان کرتا ہے ۞

ہائے حسد تیرا ستیاناس! جے چند جو پہلے ہی پرتھی راج کا جانی دشمن بنا بیٹھا تھا اسکی اس کامیابی کو دیکھ
سانپ کیطرح پیچ و تاب کھانے لگا اور اس سے سبقت لیجانیکی دھن میں راجسو یگ کرنیکا ارادہ کیا اور مہاراجہ
ادھیراج کا لقب حاصل کرنیکے لئے بڑی کوشش اور سرگرمی سے یگ کی تیاریاں کیں ۞

اس یگ کا اہتمام بڑی دھوم دھام سے کیا گیا تھا اور اس کی رونق اس وجہ سے بھی دو بالا ہو گئی تھی کہ اس موقعہ پر اس نے اپنی حسین بیٹی سنیوگتا کا سوئمبر بھی قرار دیا۔ سنیوگتا کی تمنا میں تمام راجے جس قدر آن وبان دکھاتے ہوئے آئے ہونگے اس کا اندازہ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے مختصر یہ کہ اس موقعہ پر ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ اور رئیس موجود تھے۔ مگر پرتھی راج اور رانا سمرسی والئے چتوڑ جس سے پرتھی راج کی بہن بیاہی ہوئی تھی شامل نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے آپ کو کسی صورت میں جے چند سے کم نہ سمجھتے تھے ؀

راجسو یگ اُسی صورت میں مکمل خیال کیا جاتا۔ جبکہ تمام راجے اس کی متابعت کا دم بھرتے ہوئے بلا عذر اس میں شامل ہوتے ورنہ ایک راجہ کے انکار سے بھی جے چند مہاراج ادھیراج کے خطاب کا مستحق نہ ہوسکتا تھا۔ بدین وجہ اس نے پرتھی راج پر فوج کشی کا ارادہ کیا مگر برہمنوں نے سمجھایا کہ اگر ان دونوں کے سنہری بت بنوا کر یگ شالا میں رکھے جائیں تو بھی مقصد پورا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ دونوں بت تیار کروائے گئے۔ پرتھی راج کا بت تو دروازے پر دربان کی جگہ نصب کیا گیا اور سمرسی کا بت باورچیخانہ میں برتن صاف کرنے کی جگہ پر ؀

سوئمبر کا دن آن پہنچا اور وقت مقررہ پر ہندوستان کے تمام راجے اور مہاراجے اس عالیشان منڈپ کے نیچے جمع ہوئے جو کہ شہر کے باہر محض اسی موقعہ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ جے چند نے حکم دیا کہ راج دلاری سنیوگتا کو بلایا جائے۔ حکم ہوتے ہی سنیوگتا نفیس پوشاک پہنے سر سے لیکر پاؤں تک جواہرات میں غرق ہاتھ میں پھولوں کا ہار لئے ایک لونڈی کے پیچھے خراماں خراماں جے چند کے تخت کے مقابل ایسی جگہ پر آ کھڑی ہوئی جہاں سے کہ وہ حاضرین جلسہ میں سے ہر ایک کو بڑی سہولیت کے ساتھ دیکھ سکتی تھی ؀

پروہت نے اُٹھ کر اول حاضرین جلسہ میں سے ہر ایک راجہ کا حسب نسب بیان کرنے کے علاوہ اُس کی زندگی کے کارناموں کا بھی مختصر طور پر تذکرہ کیا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ سنیوگتا نے پرتھی راج کا نام نہ سُنا!

سنیوگتا پرتھی راج کی جرأت اور بہادری کی گرویدہ ہوچکی تھی اور اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ اسکو ہی اپنا شوہر منتخب کریگی مگر اس موقعہ پر اسکو موجود نہ پاکر جو کچھ کیفیت اس کے دل پر گذری ہوگی اسکا اندازہ لگانا ہر شخص کا کام نہیں ؀

جے چند نے دیدہ دانستہ پرتھی راج کو طلب نہیں کیا تھا بلکہ حقارت سے اس کا بت دربان کی جگہ پر نصب کرایا تھا مگر اُسے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ قدرت کچھ اور ہی گل کھلایا چاہتی ہے اور اسکے تمام منصوبوں پر پانی

[بھ]رنے والا ہے۔ سنیوگتا پھولوں کا ہار ہاتھ میں لئے اُس راستہ پر بڑھتی دکھائی دی جس کے [د]ونوں طرف راجگان ذی شان اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے سکوت کے عالم میں اسباب کا خیال کر [ر]ہے تھے کہ ان میں سے سنیوگتا کس خوش قسمت کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتی ہے۔ ہر ایک کا دل امید اور یاس سے بھرا ہوا تھا اور جب سنیوگتا اس کے نزدیک پہنچتی تو اسکا دل اُچھلنے لگ جاتا مگر جس وقت وہ سر جھکائے چپ چاپ اسکے پاس سے گذر جاتی تو فوراً ہی اس کے چہرے کا [ر]نگ اُڑ جاتا اور دل سے ایک آہ نکل جاتی۔ اسی طرح راج کماری تمام راجوں کے درمیان سے گذرتی اور حاضرین کے دلوں کو مایوس کرتی دروازہ کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔ حاضرین جلسہ [ح]یران رہ گئے۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ اور ہر ایک دل ہی دل میں خیال کے گھوڑے دوڑانے لگا کہ کیوں اور کس لئے سنیوگتا نے کسی کے گلے میں برمالا نہیں ڈالی ؛

جے چند کا خیال تھا کہ سنیوگتا گھبرا گئی ہے لہذا اس نے خادمہ کو اسکے واپس لانے کا اشارہ کیا اور حکم دیا کہ وہ دوبارہ کسی ایک راجہ کو منتخب کرے۔ مگر سنیوگتا فوراً ہی پرتھی راج کے بُت کی طرف بڑھی اور پھولوں کی بنی ہوئی برمالا جو اُسکے نازک ہاتھوں میں پکڑی ہوئی تھی اسکے گلے میں پہنادی ؛

حاضرین جلسہ کے دلوں پر اس واقعہ سے بجلی سی گر گئی۔ سب کے رنگ اڑ گئے۔ اور چاروں طرف سناٹے کا عالم ہوگیا خصوصاً جے چند کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُسکی آنکھوں سے خون برسنے لگا۔ اس نے تلوار میان سے کھینچ لی اور سخت طیش میں آکر کہنے لگا یہ بدبخت اور شوخ چشم لڑکی! تو بڑی ہی نالائق نکلی! برمالا پرتھی راج کے بُت کے گلے میں! آہ! تو نے تو میرا ناک کاٹ دیا! اپنے باپ کے دشمن کو اپنا شوہر منتخب کرکے تو نے ثابت کر دیا کہ تیری جیسی ننگ خاندان لڑکی کا نہ پیدا ہونا ہی بہتر تھا! بھری سبھا میں اس قدر ذلت کا سامنا! جے چند تیری اس نالائق حرکت کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تو ضرور اس لائق ہے کہ اسیوقت تیرا سر دھڑ سے الگ کر دوں لیکن ذرا ٹھہر گو تیری یہ حرکت کسی صورت بھی قابل معافی نہیں مگر میں تجھ کو ایک اور موقعہ دیتا ہوں اب بھی ہوش سنبھال اور اپنی گذشتہ غلطی کا اعتراف کر تمام راجے ابھی تک موجود ہیں ان میں سے تو جسکو چاہے اپنا شوہر منتخب کر سکتی ہے سن! تجھے اختیار ہے کہ جس کے گلے میں چاہے برمالا ڈالدے بس یہی ایک تدبیر ہے جس سے تیری جان بخشی کی جا سکتی ہے ؛

سنیوگتا جے چند کی پیاری بیٹی تھی اور وہ اس کے ساتھ بڑی محبت کرتا تھا مگر اس موقعہ

کی کارروائی سے جس کو وہ اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھتا تھا اس کا دل یک بہ یک اس کی طرف سے پھر گیا۔ سنیوگتا بھی اپنے باپ کے ساتھ بڑی محبت رکھتی تھی اور وہ دل وجان سے اس کی اطاعت میں حاضر رہتی تھی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا باپ سخت غلطی پر ہے۔ وہ محض اپنی تنگ دلی سے پرتھی راج کا دشمن بن رہا ہے اور ہندوستان بھر میں یہی ایک راجہ ہے جو میرے باپ کے مقابلہ میں کھڑا ہو سکتا ہے وہ راجپوت کی بیٹی تھی اور اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ ضرور پرتھی راج کو ہی اپنا شوہر منتخب کریگی۔ اگرچہ پرتھی راج سوئمبر میں موجود نہ تھا مگر وہ اس کے بُت کے گلے میں برمالا پہنا کر عوام میں اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر چکی تھی پس اب اُس کا اپنے عہد سے بدل جانا ایک اخلاقی جرم تھا اس نے اپنے باپ کے غیظ وغضب کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور بڑے ادب سے جواب دیا۔ پتا جی! یہ آپ کو اختیار ہے کہ اسی وقت میرا سر قلم کر دیں مگر میں آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکتی۔ یہ ناممکن امر ہے کہ میں ایک شخص کے گلے میں برمالا ڈالکر پھر کسی دوسرے شخص کے گلے میں پہناؤں۔ میرا دھرم مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا!!!"

جے چند ابھی تک یہی سمجھے بیٹھا تھا کہ سنیوگتا نے صرف گھبرا کر برمالا پرتھی راج کے بُت کے گلے میں پہنادی ہے اور وہ اس کے کہنے پر ضرور کسی دوسرے راجہ کے گلے میں ڈال دیگی۔ مگر سنیوگتا کے مذکورہ بالا جواب نے اس کا دل توڑ دیا۔ اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اسکی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اور جوش غضب میں کانپتا ہوا کہنے لگا "کیا تو اپنے اس بے بنیاد خیال کو تبدیل نہیں کر سکتی؟ اگر نہیں تو کیوں؟ میں سمجھتا ہوں کہ تیرے سر پر اب ضرور موت کھیل رہی ہے" سنیوگتا نے نہایت شانتی سے جواب دیا "پتا جی! میں مجبور ہوں۔ میرا دھرم مجھے دوسرا شوہر منتخب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ شادی کے لئے صرف دل کی قبولیت کافی ہے باقی رسومات تو محض دنیا کو دکھلانے کے لئے ادا کی جاتی ہیں" جے چند نے پھر غضبناک ہو کر کہا "تو کیا تو اپنی ہٹ سے باز نہیں آئیگی" سنیوگتا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر مگر بڑی شانتی سے جواب دیا "اب میں کچھ نہیں کر سکتی! اگر آپ کی یہی مرضی تھی کہ میں پرتھی راج کو اپنا شوہر منتخب نہ کروں تو پھر اس کے بُت کو سوئمبر کے استھان پر رکھنے سے کیا مطلب تھا؟ یا کم سے کم مجھے پہلے ہی اس بات سے منع کر دیا جاتا"

اب جے چند کے غصہ کی کچھ انتہا نہ رہی۔ تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھا اور قریب تھا کہ چشم زدن

میں سنیوگتا دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی نظر آئے کہ وزیر نے بڑھکر ہاتھ روک لیا اور پاؤں پر گر کر عرض کرنے لگا "مہاراج! رحم! رحم!! کنیا گھات! راجپوت کی تلوار اور لڑکی کے خون کا دھبہ!! ایسا غضب نہ کیجئے گا!!!"

دانا وزیر کا یہ برمحل فقرہ جادو کا کام کر گیا۔ جے چند نے تلوار میان میں کر لی اور کہا "اچھا! تمہارے کہنے سے میں اس کی جان بخشی کرتا ہوں۔ لیکن میں حکم دیتا ہوں کہ اس کو اسی وقت قید خانہ میں لیجاؤ۔ دیکھیں گے کہ کس طرح پرتھی راج اس کے ساتھ شادی کر سکے گا"۔

حاکم کا حکم کسی کو دم مارنے کی جا نہ تھی۔ سنیوگتا کو اسیوقت بندیخانہ کی طرف لے گئے اور اس طرح پر سویمبر کا دلچسپ سین ایک ماتمی مجلس کی حیثیت میں ختم ہوا۔ تمام راجے اپنا منہ لیکر اُٹھے اور ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔

پرتھی راج کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی رہی تھیں اس واقعہ کو سُنکر اسکی رگ حمیت جوش میں آئی۔ فوراً اپانچسو جانبازجن میں زیادہ تر نامی سردار اور جہاندیدہ اور کار آزمودہ نبرد آزما تھے۔ ہمراہ لیکر سوداگروں کے بھیس میں قنوج کو روانہ ہوا۔ دنوں کی منزلیں گھنٹوں میں طے کی گئیں اور اڑتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

رات کا وقت تھا۔ آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے اور کسیقدر بوندا باندی بھی ہو رہی تھی کہ محل شاہی کے اس حصہ کی طرف سے جہاں سنیوگتا قید تھی شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں جے چند آرام سے سویا پڑا تھا۔ وہ بھی چونک اُٹھا مگر اُٹھتے ہی جو خبر اسکو سنائی گئی وہ یہ تھی کہ لٹیرے بیخبری میں حملہ کر کے سنیوگتا کو رہا کرا کے لے گیا ہے حکم دیا کہ اسیوقت نقارہ پر چوب دیجائے۔ بہادران قنوج گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پرتھی راج کو رستہ میں ہی جا لیا۔ جوان سردار کے ساتھ اس وقت صرف پانچسو سوار تھے مگر سب کے سب کار آزمودہ اور شجاع تھے۔ ہر ایک ہمت جرأت اور طاقت میں یکتا تھا خوب مقابلہ ہوا۔ پرتھی راج جم کر لڑنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ وہ دہلی کو اڑتا اور تعاقب کرنیوالوں کا مقابلہ بھی کرتا جاتا تھا۔ قنوج سے دہلی تک پانچ موقعہ پر دو بدو مقابلے بھی ہوئے مگر پرتھی راج سنیوگتا کو لیکر صحیح و سالم نکل ہی گیا۔

پرتھی راج کا یہ کام بڑی ہمت اور دلیری کا کام تھا۔ جے چند کے خاص محلوں سے سنیوگتا کو اڑا لیجانا کوئی کم بہادری نہ تھی۔ سینکڑوں نے ہزاروں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی۔ مگر افسوس کہ جب وہ واپس دہلی میں آیا تو اُس کے پانچ سو ہمراہیوں میں سے جو سب کے سب دلیران

دہلی کا انتخاب تھے اور جو اس کی سلطنت کے ستون سمجھے جاتے تھے۔ صرف پندرہ بیس آدمی اس کے ساتھ تھے اور باقی سب کے سب اپنے راجہ اور رانی کی جان بچاتے ہوئے نثار ہو چکے تھے ؛
پرتھی راج اور سنیو گتا کے یوں صحیح وسالم نکل جانے سے جے چند بڑا سٹ پٹایا۔ مگر اب کیا بن سکتا تھا۔ سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا کر خاموش ہو رہا۔ لیکن اس خاموشی کا نتیجہ جو آخر کار برآمد ہوا وہ نہ صرف پرتھی راج ہی کے لئے بلکہ ملک اور قوم کے علاوہ خود جے چند کے لئے بھی مہلک ثابت ہوا۔ یعنی جب اسکو علانیہ طور پر پرتھی راج کا مقابلہ کرنے میں کامیابی کی امید نہ رہی تو اس نے ایک ایسی چال چلی۔ جس سے اس کا نام ہمیشہ کے لئے قومی نمک حراموں اور ملکی گنہگاروں کی فہرست میں لکھا گیا۔ شہاب الدین غوری جو ۱۱۹۱ء میں پرتھی راج کے مقابلہ پر ایسی شکست فاش کھا کر غزنی کو گیا تھا۔ کہ اس نے پورے دو سال تک ادہر کا رخ نہ کیا اور ممکن تھا کہ وہ کبھی بھی ادہر آنے کا حوصلہ نہ کرتا مگر جے چند نے مدد کے وعدے پر اسکو پھر ہندوستان میں بلایا۔ شہاب الدین کسی ایسے ہی موقعہ کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ جے چند کا پیغام پہنچتے ہی اس نے پھر فوج کشی کے سامان کئے اور ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر ہندوستان پر چڑھ آیا۔ پشاور میں پہنچا تو ایک سال خوردہ مشیر نے مشورہ دیا۔ کہ جو جو سردار غضب شاہی میں دربار سے بند ہوئے ہیں انہیں پھر دربار میں بلا کر انعام دیجئے اور ترقی کے وعدوں سے دل بڑھائیے تاکہ وہ جان لڑا کر پہلے داغ کو دھوئیں۔ چنانچہ ملتان میں آکر چند مقام کئے اور دربار عام کر کے سب سرداروں کو بلوایا اور کہا کہ اے مسلمانوں سال گذشتہ میں جو داغ دامن اسلام پر آیا سب پر روشن ہے۔ مگر اس داغ کا دور کرنا ہر مومن مسلمان پر واجب ہے۔ ندامت کے سبب سے کسی نے جواب نہ دیا مگر تلواروں پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا دیئے ؛

یہاں سے روانہ ہو کر شہاب الدین لاہور میں پہنچا اور سید قوام الملک رکن الدین کو بطور ایلچی نامہ دیکر پرتھی راج کے پاس روانہ کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اسلام کی اطاعت قبول کر کے اتفاق کا طریقہ قائم کر لو ورنہ ملک خدا کا ہے اور حکم خدا کا تلوار دونوں کا فیصلہ کریگی ؛

پرتھی راج اب وہ پرتھی راج نہیں رہا تھا۔ اس کے چیدہ بہادر راجپوت سنیو گتا کے بدلے قتل ہو چکے تھے اور وہ بھی سنیو گتا کے ساتھ شادی کر کے اس کی محبت میں ایسا ڈوبا کہ راج پاٹ کا سارا کام بھول گیا تھا۔ وہ رانی پر نثار تھا اور رانی اسپر جان و دل سے فدا تھی۔ رات دن سوائے عیش وعشرت کے کوئی کام نہ تھا۔ دین و دنیا کی ساری سدھ جاتی رہی اور اس غفلت کا نتیجہ

ہوا تھا کہ سلطنت کے سارے کاموں میں گڑبڑ مچ گئی تھی اور بہت سے ماتحت راجے اسکی متابعت چھوڑ کر خودسر بن گئے تھے۔ باوجود ان تمام باتوں کے بھی جب شہاب الدین کا مراسلہ اس کی نظر سے گذرا تو اس کا خون جوش کھا گیا۔ وہ سویا پڑا تھا مگر شیر کی طرح انگڑائی لیکر اُٹھا۔ اُدھر تو ایک جواب جو کہ پتھر اور لوہے سے بھی کڑا تھا لکھ کر شہاب الدین کی طرف روانہ کیا۔ اِدھر راناسمرسنگھ والئے چتوڑ و دیگر راجوں کے نام جن سے مدد کی پوری پوری توقع تھی پیغام دوڑائے اور اپنے لشکر میں بھی تیاری کا حکم دیدیا۔

سنیوگتا بھی عیش و عشرت کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے شوہر سے کہنے لگی "ہے پران ناتھ! اُٹھئے یہ موقعہ اب آرام وچین کا نہیں ہے آپ چھتری ہیں اور چھتری کا دھرم ہے کہ وہ اپنے ملک اور قوم کی حفاظت کرے۔ لڑنا اور مرنا چھتری کی زندگی کا خاص مدعا ہے آپ بھی اپنے اس فرض کو ادا کر کے نیک نامی اور شہرت حاصل کریں۔ ایشور آپ کو فتح دینگے لیکن اگر آپ میدان جنگ میں کام آئے تو بھی خوشی کا مقام ہوگا۔ چھتری کے لئے ایسی موت مبارک موت ہے۔ میں بھی آپ کا ساتھ دونگی موت کسیکو نہیں چھوڑتی مگر نیکنامی سے مرنا حیات ابدی حاصل کرنا ہے"

کہاں ہیں وہ کم فہم اور کوتاہ اندیش مصنف جو فرقہ نسواں کو محض ڈرپوک اور بزدل سمجھے بیٹھے ہیں۔ آئیں اور دیکھیں کہ سنیوگتا کے مذکورہ بالا فقروں سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

چند دن کے اندر ہی جو کچھ سامان ہونا تھا ہوگیا۔ مہاراناسمرسنگھ والئے چتوڑ معہ اپنے بیٹے کنور کلیان سنگھ کے پرتھی راج کی مدد کے لئے دہلی میں آ گئے ہیں۔ اور کئی ایک دیگر راجے بھی اپنی اپنی سپاہ کیساتھ پہنچ چکے ہیں لیکن افسوس ہے کہ دلش گھاتک جے چند نے ملک اور قوم کے ساتھ دغا کر کے بہت سے راجوں کو پرتھی راج کی مدد پر جانے سے روک دیا ہے تاہم جو جمع ہوئے ہیں وہ اپنے دھرم اور ملک کی حفاظت میں جان نثار کرنے کے لئے بسر وچشم حاضر ہیں۔

حسب الحکم مہاراج پرتھی راج تمام سپاہ کیل کانٹے سے آراستہ ہو کر دہلی کے باہر ایک وسیع میدان میں جمع ہونے لگی۔ ہر حصہ فوج کے سپہ سالار جوش جوانمردی میں سرشار اور بہادری کے نشہ میں چور تھے۔ افسروں کے آہنی خود اور ان پر سنہری کلغیاں اور زرہ کے سوراخوں سے بجلی اور ستارہ کی طرح نظر آنے والی زرکار پوشاکیں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ ہوا سے باتیں کرنیوالے گھوڑوں کے زریں ساز آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہے تھے۔ اور مچھلیوں کی طرح تڑپتی ہوئی جوہردار تلواریں غلافوں سے نکلی پڑتی تھیں۔ ترکشوں میں پڑے ہوئے تیر بہادر ارجن اور کرن کی یاد دلا رہے

تھے۔ راجپوتی خون ہر ایک فوجی جوان کی رگ و پے میں جوش مار رہا تھا۔ اور دلاوروں کے گلے میں
پڑے ہوئے پھولوں کے ہار اوران کی پیشانیوں پر سرخ چندن کے ٹیکے عجیب بہار دکھلا رہے تھے
تمام لشکر چار حصوں پر منقسم تھا۔ پہلے اور دوسرے حصہ کے اٹھائیس ہزار چُنے ہوئے جانباز
پرتھی راج اور سمر سنگھ والئے چتوڑ کے زیر کمان موت سے بیخوف غنیم کے خون کی پیاسی تلواریں جگا
رہے تھے تیسرے حصہ کے بارہ ہزار صف شکن بہادر کنور کلیان سنگھ کی ماتحتی میں دشمنو نکی بوٹی
بوٹی اڑا دینا بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھ رہے تھے۔ چوتھا دس ہزار جرار سپاہیوں کا دستہ کسی وقت نمک
حرام مشہور ہونے والے وزیر زادے نبجے سنگھ کی کمان میں دشمن پر دانت پیس رہا تھا۔ ان چاروں
حصوں میں سوار اور پیدل شامل تھے۔ جن کے چہروں سے بہادری اور دلیری برس رہی تھی۔ سواروں
کی چمکتی ہوئی تلواریں۔ چست وردیاں۔ کاندھوں پر سیاہ ڈھالیں۔ کمروں سے لٹکتی ہوئی زہر آلود
تلواریں۔ ترکشوں میں پڑے ہوئے زہریں بجھے ہوئے تیر۔ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے خونریز برچھے
اور برچھیاں اور کاندھوں پر دھری ہوئی کڑی کمانیں جوانی کا زیور اور بہادری کا سنگار بن رہی تھیں
پیادے ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے اور انگد کی طرح میدان جنگ سے نہ ہلنے والے قدموں پر اکڑ
رہے تھے۔ ایک طرف ہزار ہا سدھائے ہوئے جنگی ہاتھیوں کی قطاریں تھیں۔ جس طرح بھری برسات
میں جھوم جھوم کر آنیوالے متوالے بادل نظر آتے ہیں۔ اس طرح یہ ہاتھی اپنی طاقت کے نشہ میں
جھوم رہے تھے۔ میدان کے ایک طرف سامان رسد رسانی اور گولہ بارود لے جانے کے لئے بڑے
بڑے قدآور اور مضبوط اونٹ بیل۔ چھکڑے۔ رتھ اور بہلیوں کی قطاریں دکھائی دے رہی تھیں
دفعتاً تمام لشکر پر ایک قسم کا سناٹا چھا گیا۔ کان گھوڑوں کے ٹاپوں پر لگ گئے اور ہر ایک کی
نگاہیں کسی کو ڈھونڈتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ تماشائیوں کی بھیڑ کم ہونے لگی اور سپہ سالار اپنے
اپنے فوجی دستوں کو بڑی تیزی سے باقاعدہ بنانے لگے۔ پلک نہ جھپکنے پائی تھی کہ توپوں کی سلامی
سنائی دینے لگی۔ اور فوجی باجے پرجوش آوازوں سے دل لبھانے لگے۔ اتنے میں مہاراج پرتھی راج
کے خاصے کا ہاتھی نظر آیا۔ تمام لشکر پر رعب چھا گیا اور سپہ سالار شاہانہ آداب سے اسکے جلو میں ہو گئے۔
پتھورا رائے نے تمام فوج و سامان حرب کا معائنہ کیا اور ہر ایک چیز پر ایک گہری نظر ڈالنے
کے بعد فوجی عہدہ داروں سے یوں مخاطب ہوا:۔
بہادر چھتریوں کے لائق بیٹو! تلوار کی دھاروں پر نام کر جانے والے سورماؤں کی اولاد
کہلانے والو! کورچھتر کے میدان میں خون کا دریا بہانے والے بہادروں کے سپوتو! قوم کی آن اور

بزرگوں کی عزت قائم رکھنے والو! تم اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں سے ناواقف نہیں ہو۔ اور جانتے ہوگے کہ تمہارے بزرگوں نے دنیا میں کیونکر نام پیدا کیا تھا۔ دیکھو اب ارجن بھیم کرن بھیشم۔ پتامہ اور درونا چارج وغیرہ دنیا کے تختہ پر موجود نہیں ہیں اور اُن کو گذرے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں مگر اُن کے نام اہل دنیا کے دلوں سے ہرگز محو نہیں ہوئے اور نہ ہونگے۔ کیا تمہاری رگوں میں اُسی بھیشم کا خون دورہ کررہا ہے جو تیروں کی سیج پر بغیر کروٹ بدلے تین مہینے تک آرام کرتا رہا تھا؟ کیا وہ تمہارے ہی بزرگ تھے۔ جنہوں نے لنکا پر چڑھائی کرکے راون جیسے زبردست دشمن کو نیچا دکھایا تھا؟ کچھ یاد ہے کہ میدان کورچھتر کا نام ہمیشہ کے لئے کن لوگوں نے زندہ کردیا تھا۔ در اصل وہ کشتری تمہارے ہی بزرگ تھے۔ اور تم ہی ان کی اصل اولاد ہو تو سوچو کہ اب مسلمانوں کے مقابلہ میں تم کو بھی کیا کرنا چاہیئے خصوصًا وہ مسلمان جو تمہارے مقابلہ پر کئی دفعہ شکست کھا چکے ہیں۔ شہاب الدین وہی شہاب الدین ہے۔ جسکو تم کئی دفعہ گرفتار کرکے اسکی جان بخشی کر چکے ہو۔ ایسے دشمن کا کاٹ کر ڈالدینا تم جیسے بہادروں کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے بشرطیکہ تم میں اپنی قومی بہادری کی لاج اور اصلی خون کا کسی قدر جوش ہونا ضروری ہے۔ میرے دلاورو! تم ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرسکو گے کہ دنیا کی تواریخ میں کسی وقت تمہاری بہادری پر حرف رکھا جائے۔ کیا تم اس بات کو برداشت کرسکو گے کہ تمہارے مخالفوں کی تلواریں تمہاری موروثی حکومت اور قومی آزادی کو چھین لیں اور تم بیٹھے دیکھا کرو؟ یاد رکھو کہ فقط اس پر تمہاری مذہبی آزادی تمہاری عورتوں کی لازوال عصمت اور تمہاری قومی ناموری کا دار و مدار ہے۔ میرے جانبازو! میں تم کو یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ اس مرتبہ شہاب الدین کے مقابلہ پر تم کو پہلے سے دو چند بلکہ سہ چند ہمت سے کام لینا ہوگا۔ اب کی مرتبہ جے چند علانیہ طور پر اُس کے ساتھ شامل ہو چکا ہے۔ بلکہ اس مرتبہ شہاب الدین محض اسی کے بھروسہ پر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے۔ اگر تم میں قومی عظمت کچھ بھی باقی ہے تو شہاب الدین کا مار لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن اگر تمہاری ہمتیں پست اور تمہاری دل مردہ ہو چکے ہیں تو پھر چھتری کہلانے کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔ موچھیں چہرے پر بیکار ہیں۔ ہتھیار اُتار دو۔ اور عورتوں کے کپڑے پہن کر گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ یہ معرکہ صرف میری ہی ذات سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ عام ہندو قوم سے معرکہ ہے۔ ہندو مذہب سے جہاد ہے۔ مرد ہو تو میدان سے قدم نہ ہٹنے پائے۔ دلاور مُنہ پر تلواریں کھایا کرتے ہیں۔ بہادر سینے پر خنجر کا وار روکتے ہیں منہ پھیر کر ڈھال کی پناہ میں نہیں رہتے۔ اب میں زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا دریافت

کرتا ہوں۔ کہ تم میں کون میدان جنگ میں مرنے کو دوامی زندگی سمجھتا ہے؟ کون قومی عزت کے بدلے اپنے سر کو فروخت کر سکتا ہے اگر کوئی ہے تو سامنے آئے اور منہ دکھائے۔ دیکھوں تو غنیم کے خون کی پیاسی کتنی تلواریں میان سے نکلتی ہیں"۔

پرتھی راج کی زبان سے آخری الفاظ مشکل سے نکلنے پائے تھے کہ تمام سپاہ کی تلواریں دفعتہً بجلی کی طرح چمکتی ہوئی میانوں سے باہر ہو گئیں۔ پرتھی راج اپنے بہادروں کو مرنے مارنے پر تیار دیکھ کر کمال خوش ہوا۔ اور تین لاکھ راجپوتوں کا لشکر جن کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا ہمراہ لیکر دہلی سے روانہ ہوا۔ ادھر سے شہاب الدین بھی آگے آیا۔ اور سرسوتی ندی کو بیچ میں ڈالکر دونوں لشکر اُتر پڑے ؛

سنیوگتا بھی پرتھی راج کے ساتھ تھی۔ اسکو اپنے باپ جے چند سے مدد کی کوئی توقع نہ تھی۔ مگر جب اس نے سنا کہ وہ اپنی سپاہ کے ساتھ جمنا پار سرحد پر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے تو اس کو اور بھی خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ کھلم کھلا دشمن سے ملکر مقابلہ پر نہ آجائے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اس نے پرتھی راج سے اپنے باپ کے پاس جانے کی اجازت حاصل کی۔ تاکہ وہ اس نازک موقعہ پر اس کو سمجھا بجھا کر مخالفت سے باز رکھے۔ چنانچہ وہ سپاہیانہ لباس پہن گھوڑے پر سوار ہو جمنا سے پار اُتر گئی ؛

جے چند اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ کب لڑائی ہو اور شہاب الدین کی فتح اور پرتھی راج کی شکست کی خبر اس کے کانوں تک پہنچے دفعتاً دربان نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک خوشرو نوجوان سپاہی حاضر حضور ہونے کی التجا کرتا ہے۔ جے چند نے اول تو کچھ تامل کیا۔ مگر پھر اس کو اندر آنے کی اجازت دیدی۔ سنیوگتا نے باپ کے سامنے آتے ہی سر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور دوڑ کر جے چند کے قدموں پر گر پڑی ؛

جے چند سنیوگتا کو بھلا چکا تھا یا یوں کہو کہ وہ اس کے دل سے بالکل اُتر چکی تھی اس وقت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر اول تو وہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں رہا اور پھر اپنی آنکھیں غصہ سے سُرخ کر کے کہنے لگا "کم بخت! ننگ خاندان! اب تو یہاں کیوں آئی ہے؟" سنیوگتا نے ہاتھ باندھ کر اور ادب سے کھڑے ہو کر جواب دیا "پتاجی! ہم لوگ اپنی قوم اور ملک کے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے اس میدان میں آئے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی اشیرباد کے۔ لئے حاضر ہوئی ہوں آپ دعا کریں کہ مجھے اور میرے شوہر کو فتح نصیب ہو" جے چند نے سُرخ چہرہ بناکر جواب دیا۔

"بدبخت لڑکی! اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو خود تمام خرابیوں کا باعث ہوئی ہے۔ میں تجھے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ میرا سینہ مارے غصہ کے سلگ رہا ہے بہتر یہی ہے کہ تو میرے سامنے سے چلی جا۔ میں تیری منحوس صورت دیکھنا نہیں چاہتا"۔ سنیوگتا نے پھر ہاتھ باندھ کر کہا:۔

"پتاجی! اگر میں آپ کی قصوروار ہوں تو ملک یا قوم نے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑا۔ مجھے آپ معاف نہ کریں لیکن قوم کو تو تباہ کرنے کا بیڑہ نہ اُٹھائیں ذرا سوچئے تو! اگر شہاب الدین فتحیاب ہو گیا تو اس وقت ملک کا کیا حال ہوگا؟ آریہ ورت کی پاک اور پوتر زمین کو ناپاک کیا جائے گا۔ مندر مسمار کیئے جائیں گے۔ شوالے گرائے جائیں گے۔ عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا جائیگا۔ ہمارے متبرک تیرتھوں پر گائیں بدھ ہونگی۔ آبادیاں جلائی جائینگی۔ لاکھوں بچے یتیم اور لاکھوں ہی عورتیں بیوہ ہونگی۔ پتاجی! آپ ہی غور کریں۔ کہ ان اناتھوں کی پھر کیا بری حالت ہوگی۔ ان کو لونڈی اور غلام بنایا جائیگا یا بصورت انکار وہ تلوار کی نذر کیئے جائیں گے۔ کیا آپ چھتری نسل سے ہو کر اپنی قوم کی اس دردشا کو دیکھ سکیں گے"؟

امید تو یہ تھی کہ سنیوگتا کی اس گفتگو کو سُنکر جے چند کا خون ضرور جوش کھا جائیگا اور اسکی قومی غیرت اور حمیت کی رگ ضرور جنبش میں آئیگی لیکن حسد اور کینہ کی آگ جو عرصہ سے اس کے سینہ میں سلگ رہی تھی اس وقت بھی شانت نہ ہو سکی۔ بلکہ سنیوگتا کی باتوں نے اس پر تیل کا کام کیا یہ اور بھی بھڑک اُٹھی اور کہنے لگا "بس اب خاموش رہو! میں سب کچھ سمجھتا ہوں لیکن میں پتھی راج کی کامیابی کی خبر کو کبھی خوشی سے نہیں سن سکتا"۔ سنیوگتا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور کہنے لگی "ناعاقبت اندیش پتا! آپ بہت بُرے خیال پر جمے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ سنیوگتا کے دشمن ہیں تو اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر سکتے ہیں لیکن قوم کے گلے پر چھُری نہ رکھیئے! آپ نہیں جانتے کہ دشمن ملک کا ستیاناس کر دیگا۔ قوم کی حالت بگڑ جائیگی آپ چھتری کل میں پیدا ہوئے ہیں۔ ملک اور قوم کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے لیکن آپ اپنے اس فرض کو بالکل چھوڑے جاتے ہیں۔ کیا یہ کم شرم کی بات ہے کہ آپ اپنے ہی ہاتھوں سے ملک کو دشمنوں کے قبضہ میں دینا چاہتے ہیں۔ ایشور کے واسطے اپنی کل کو کلنکت نہ کرو۔ دنیا آپ کو حقارت کی نگہ سے دیکھے گی اور پیدا ہونے والی آئندہ نسلیں آپ کے نام کو ہمیشہ برے الفاظ سے یاد کیا کرینگی۔ آپ اپنی مرضی سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے قوم کو ذبح کرا رہے ہیں مگر یاد رہے آپ کا انجام بھی یہی ہوگا اسوقت آپ پچھتائیں گے مگر وقت کو ہاتھ سے کھو کر کچھ نہ بن سکے گا"۔

جے چند اپنی بیٹی کی ان بے باکانہ مگر سچی باتوں کو سنکر کانپ اٹھا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ شرمندہ ہو کر دوسرے خیمہ میں چلا گیا سنیوگتا کو خیال تھا۔ کہ خاص کام کے لئے باہر گیا ہے مگر جب وہ بڑی انتظار کے بعد بھی نہ پلٹا تو یہ کف افسوس ملتی ہوئی خیمے سے باہر نکلی۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے کیمپ میں چلی آئی ؛

پرتھی راج منتظر بیٹھا تھا سنیوگتا کو اداس دیکھ کر دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ پوچھا کیوں۔ تمہارا چہرہ اس قدر اترا ہوا کیوں ہے؟" سنیوگتا نے جواب دیا "پران ناتھ کیا بتلاؤں! میرا باپ حسد کے قابو میں ہو کر غنیم کے ساتھ مل چکا ہے۔ اس کے دہرم اور کرم پر پانی پھر گیا۔ اور وہ اپنے ہاتھوں سے ملک اور قوم کی تباہی کے سامان کر رہا ہے"

پرتھی راج کوئی بچہ نہیں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ زمانہ کی ہوا بدل چکی ہے۔ اول شہاب الدین پہلے سے دو چند سپاہ و سامان کے ساتھ چڑھ کر آیا ہے۔ دوسرے راجپوتانہ کے بہت سے راجے اس کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جے چند کا شہاب الدین کے ساتھ مل جانا تھا۔ اب پرتھی راج کو اپنی فتح مشکل نظر آنے لگی مگر اس نے حوصلہ کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور کہنے لگا "خیر جیسا ہوگا دیکھا جائیگا۔ جب تک تلوار ہاتھ میں ہے چھتری کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم اب میرے ساتھ نہ رہو اور دہلی کو پلٹ جاؤ" سنیوگتا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا" میں ایسے نازک وقت پر آپ کے قدموں کو نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ سورج ہیں تو میں روشنی ہوں۔ آپ پھول ہیں تو میں اس کی خوشبو ہوں۔ میرا جینا آپ ہی کے قدموں کیساتھ ہے"

پرتھی راج نے اپنی پیاری سنیوگتا کو آغوش محبت میں لے کر کہا " تم کو دہلی روانہ کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اول تو تمہارے وہاں ہونے سے کسی خانگی ابتری کے پیدا ہونے کا اندیشہ مٹ جائیگا۔ دوسرے تم مجھ کو رسد وغیرہ سے کافی مدد پہنچاتی رہو گی اور سب سے بڑھ کر فائدہ یہ ہوگا۔ کہ اگر ہم لوگ میدان جنگ میں مارے گئے تو تم عورتوں اور بچوں کی مناسب حفاظت کر سکو گی ؛

سنیوگتا پرتھی راج کا مطلب سمجھ گئی اور وہ تاڑ گئی کہ اس جنگ کے آثار نیک نظر نہیں آتے یہی وجہ ہے کہ پرتھی راج اس کو واپس کرنا چاہتا ہے مگر وہ اپنے پتی کا حکم نہیں موڑ سکتی تھی۔ کہنے لگی " بہت بہتر! میں جاتی ہوں۔ آپ غنیم کا مقابلہ کریں۔ ایشور آپ کو صحیح وسلامت اور فتحیاب کر کے دہلی میں لائیں لیکن اگر دوسری صورت بھی پیش آئی تو آپ حوصلہ رکھیں۔ موت بھی ہمکو جدا نہیں کر سکے گی"؛

اپنے پتی کے ارشاد کے مطابق جب سنیوگتا دہلی کو پلٹ گئی تو پرتھی راج نے شہاب الدین کو ایک خط لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا "راجپوتوں کی شجاعت آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کئی مرتبہ قید کرکے تمہاری جان بخشی کی جا چکی ہے مگر پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں۔ اب بھی خیریت اس بات میں ہے کہ ٹھنڈے ٹھنڈے گھر سدھارو۔ ہمارا ایک ایک راجپوت وہ من چلا بہادر ہے جس کی ٹھوکر کی کابل اور قندھار تک پناہ نہیں۔ یہ چند نامراد ترک بچے اور افغان زادے جنہیں لوٹ گھسوٹ کا لالچ دیکر گھروں سے یہاں لے آئے ہو چاہئے کہ ان کی جوانی اور ماں باپ کے بڑھاپے پر رحم کرکے یہاں سے پھر جاؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ پیچھا نہیں کیا جائیگا۔ اگر اس تحریر پر خیال کیا۔ تو بہتر نہیں تو یاد رہے کہ ایک جاندار بھی اس میدان سے جیتا نہ جائیگا"۔

شہاب الدین پرتھی راج کا مراسلہ پڑھکر ذرا دھیما ہوا۔ اور جواب دیا۔ "میں آپ کے اس نیک مشورہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ اس لشکر کشی میں مجھے کچھ اختیار نہیں بھائی کے حکم سے اس مہم کا بوجھ سر پر لیا ہے۔ جب تک وہاں سے حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتا اس قدر مہلت ہو کہ وہاں سے جواب آجائے۔ اس وقت صلح اس عہد پر ہو جائیگی کہ ملک پنجاب سر ہند تک ہمارے پاس رہے۔ باقی کل ہندوستان آپ کا۔ اجازت ہو تو اپنے بھائی کی خدمت میں سارا حال عرض کروں"۔

جب ایسا کمزور جواب پرتھی راج کے پاس پہنچا۔ تو اس نے اسی وقت لکھدیا "اچھا! پندرہ دن کی مہلت منظور۔ اس عرصہ میں اپنے بھائی سے خط و کتابت کرلو" راجپوت محمد غوری کا جواب سنکر ہنستے تھے۔ لشکر میں فتح کی سی خوشیاں ہونے لگیں۔ بلکہ نچنت ہو کر ڈیرے ڈیرے میں ناچ رنگ کی محفلیں گرم ہو گئیں۔ اور سب کے سب اس بات سے بالکل غافل ہو گئے کہ سامنے بھی کوئی پڑا ہے۔

ادھر تو تمام لشکر رنگ رلیاں کر رہا تھا۔ اُدھر شہاب الدین نے سر شام فوج کو کمربندی کا حکم دیکر خیمے ڈیرے سب قائم رکھے اور راتوں رات کئی کوس کا چکر دیکر دریا پار اُتر گیا۔ صبح کو راجہ کے لشکر میں ابھی کوئی بستر پر تھا اور کوئی اشنان دھیان میں لگا ہوا تھا کہ دفعتہً پہلو میں دمامہ جنگی پر چوٹ لگا دی۔ سوتے جاگتے سب اچھل پڑے۔ تمام لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ رانا سمر سنگھ ندی کے کنارے بیٹھے پوجا کر رہے تھے۔ کہ مسلمانوں کی سپاہ دریا سے عبور کرتی ہوئی نظر آئی۔ اسی وقت پرتھی راج کو اطلاع دی کہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوں اور خود اپنے جانبازوں

کو ہمراہ لے اسلامی سپاہ کے مقابل ڈٹ گئے۔ سمر سنگھ کے بہت سے آدمی مارے گئے مگر بڈھا بہادر غصہ میں ننگی تلوار چمکاتا ہوا شیر کی طرح غنیم کے دل میں گھس گیا اور آناً فاناً صدہا آدمی کاٹ کر ڈال دیئے۔ اس کی برق وش شمشیر جس پر گرتی اسی کے خرمن ہستی کو برباد کر دیتی۔ اسلامی فوج کا زغہ چاروں طرف سے اسپر بڑھا مگر بڈھے بہادر کی تلوار کی آنچ کے سامنے کسی کو ٹھہرنے کی مجال نہ تھی۔ دلاور چھتری اپنے سردار کو حریف کے دل میں گھستے دیکھ کر فوراً ہی مدد کے لئے آگے بڑھے۔ مسلمان جوانمردوں نے بھی مقابلہ کے لئے تلواریں میانوں سے باہر کیں۔ اور طرفین کے جانباز شربت مرگ سے سیر ہونے لگے۔ اب پرتھی راج اور کلیان سنگھ بھی بچی سپاہ کو درست کر کے سمر سنگھ کی مدد کو آپہنچے ؛

پرتھی راج دھرم کی لڑائی لڑنے کا عادی تھا وہ کیا جانتا تھا کہ حکمت عملی کس جانور کا نام ہے اور دھوکا کسے کہتے ہیں۔ شہاب الدین کے خط پر وہ غافل ہو بیٹھا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ احسان فراموش محمد غوری اسکے ساتھ اس طرح دغا کریگا۔ اس یکایکی حملہ سے تمام سپاہ حیران تھی مگر راجہ نے پھر بھی اپنے ہوش و حواس کو جمع کیا۔ فدا نہ گھبرایا ایک فوج تو تیار کر کے سامنے کی اور باقی انبوہ کو سمیٹ کر پھر میدان میں لا جمایا۔ ادھر شہاب الدین نے فوج کے چار حصے کر کے چار سپہ سالاروں کے ماتحت قائم کر دیئے تاکہ باری باری سے جائیں اور مقابلہ میں جانیں لڑائیں ؛

دوپہر تک خوب تلوار چلتی رہی۔ راجپوت بہادر دائیں بائیں سے درست ہو کر اس خوبصورتی اور بندوبست کے ساتھ لڑتے تھے کہ مسلمانوں کے جی چھوٹ گئے۔ قتل کا بازار گرم تھا۔ برچھیاں جوانوں کے بدن چھلنی کر رہی تھیں۔ بھالے چمک چمک کر خون کے فوارے چھوڑ رہے تھے۔ تلوار بجلی کی طرح جس پر گرتی دم لینے کی فرصت نہ دیتی تھی۔ خون کا دریا بہنے لگا۔ ایک طرف جے کار کی صدائیں اٹھ رہی تھیں تو دوسری طرف سے اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان تھرا رہا تھا آخر کار محمد غوری شکست کی صورت بنا کر پیچھے ہٹا۔ چھتریوں نے تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اتنے میں محمد غوری کے پانچ ہزار سوار اور چار ہزار پیدل جو گھات میں چھپے ہوئے تھے مغلوب اسلامی فوج کی اعانت کے لئے آگے بڑھے۔ ادھر پرتھی راج نے بگل بجایا تاکہ بجے سنگھ وزیر زادہ اپنے دستہ کیساتھ مدد کے لئے آگے بڑھے مگر اس نمک حرام نے سخت بے وفائی کی وہ سلطنت کے لالچ میں محمد غوری سے مل چکا تھا۔ پچاس ہزار سپاہ اس کے زیر کمان تھی۔ وہ دلملب ہونے پر اپنی جگہ سے بھی نہ ہلا۔ ادھر ۵۰ ہزار سوار گھوڑے اڑاتے ہوئے پیچھے سے دکھائی دیئے۔ پرتھی راج بہادر زرد ہو گئی۔ اس فوج کی آمد نے اس کے جسم میں تازہ روح پھونک دی گھوڑے کو چمکاتا ہوا غنیم پر

ور دور تک بڑھتا چلا گیا مگر جب پیچھے پھر کر دیکھا تو یہ سوار قومی دشمن اور ملکی گنہگار جے چند کے تھے
ہاب الدین کی مدد کے لئے آئے تھے۔ پرتھی راج کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ فتح کی امید
ست سے بدل گئی مگر اس نے حوصلہ کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ راجپوت آندھی اور بجلی کی طرح مخالفوں
رنے لگے۔ بہادر سمر سنگھ صفیں کی صفیں برابر کرتا چلا جاتا تھا مگر ایک راٹھور سردار کا برچھا اس کے
کے ٹکڑے کرتا جسم کے پار ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا*
مر سنگھ کے مرنے سے پرتھی راج کی کمر ٹوٹ گئی۔ مگر اس کا بیٹا کلیان سنگھ اپنے باپ
یدان میں گرتا دیکھ کر اس کا بدلہ لینے کے لئے بڑی بہادری کے ساتھ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے لڑائی
سمندر میں کود پڑا۔ راجپوت بڑے جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھے۔ ادھر مسلمانوں نے بھی
سنبھالے۔ تلواریں خوب کھٹکھٹانے لگیں کلیان سنگھ کے حملہ سے مسلمانی فوج میں بڑی ہل چل
ی ہٹتے کر یہ محمد غوری کے مقابل تک جا پہنچا۔ کلیان نے نیزہ ہاتھ میں لیکر اسپر حملہ کرنا چاہا اور اس
ک نہیں کہ محمد غوری یہیں ڈھیر ہو گیا ہوتا کہ پیچھے سے ایک تیر اس کی گردن پر بیٹھا۔ پلٹ کر دیکھا تو
ے والا پرتھی راج کا نمک حرام وزیرزادہ بجے سنگھ تھا!!
کلیان سنگھ کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے راجپوت سردار مارے گئے۔ آگے سے
سلمان حملہ کرتے تھے پیچھے سے جے چند کے پچاس ہزار سوار انکو دبائے چلے جاتے تھے بجے سنگھ
کا پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ محمد غوری کے ساتھ مل چکا تھا۔ پرتھی راج کی کمر ٹوٹ گئی جے چند کی
سے تو اسکو ایسی ہی امید تھی مگر اپنے ہی وزیرزادہ اور سپہ سالار کی بے وفائی سے اس کی رہی سہی
دوں پر بھی پانی پھر گیا۔ اب کھانڈے راؤ بھی میدان جنگ میں بہادری کا حق ادا کرتا ہوا بھائی پر
ہو چکا تھا۔ پرتھی راج نے رہے سہے راجپوتوں کو جمع کر کے ایک دفعہ پھر حملہ کیا مگر اب کیا بن سکتا
لاکھوں کے مقابلہ پر سینکڑوں یا ہزاروں کی تعداد کیا کر سکتی ہے۔ پھر بھی پرتھی راج اپنی قدرتی
کے جوش میں دو دستی تلوار لئے ہوئے غنیم پر حملے کرتا رہا سینکڑوں آدمیوں کو تلوار کے
اتارا۔ اس کو فتح کی کوئی امید نہ تھی مگر وہ بھاگ کر جان بچانے کی نسبت کٹ مرنے کو
سمجھتا تھا۔ جمعیت دم بدم گھٹنے لگی۔ تمام ہمراہی ایک ایک کر کے کٹتے گئے۔ عقب سے مدد
کی امید بالکل جاتی رہی۔ چند ایک ہمراہی جو خال خال نظر آتے تھے اب وہ بھی کٹ گئے پرتھی
نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ مگر شیر دل چوہان بہادروں کی
رنا چاہتا تھا۔ غنیم کے سینکڑوں جوان اپنے اپنے تیروں سے اسکو نشانہ بنا رہے تھے

بے شمار تلواریں اُس کے سر پر سایہ کئے ہوئے تھیں مگر جوانمرد جیتے جی ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس کی قدرتی شجاعت اس کو بھاگ کر جان بچانے کا مشورہ دے سکتی تھی۔ یکایک اس کا گھوڑا برچھی کا ایک مہلک زخم کھا کر گر پڑا۔ پرتھی راج اس کی پیٹھ سے کودا مگر تمام بدن چھلنی ہو رہا تھا۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے کودتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا اور قید ہو گیا پرتھی راج نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی عزت کی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی جہاں تک اس کی ہمت میں تھا اس نے کوشش کی مگر بدنصیبی سے اس کی شجاعت کام نہ آئی۔ ہندوستان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو گیا اور بدبخت بھارت کی آزادی ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی۔ پرتھی راج ہندوستان کا آخری مہاراجہ تھا اس کے قید ہوتے ہی ہندوؤں کے جھنڈے ہمیشہ کے لئے گر گئے۔ ہندوستان کی عظمت منہ کے بل گر گئی۔ اور ایسی گری کہ پھر آج تک اُٹھنا نصیب نہ ہوا؎

کتاب راج سنگرہ کا مصنف جے چند کو سخت لعنت ملامت کرتا ہے واقعی اس نے اپنے داماد کا گلا کٹوایا۔ اُسی کی مہربانی سے ملک اور قوم کی آزادی خاک میں مل گئی۔ کاش کہ ایسا شخص جس کے دل میں ملک کی محبت کا ایک شمہ بھی نہ پایا جاتا تھا پیدا ہی نہ ہوتا یا پیدا ہوتے ہی مر جاتا۔ جو شخص اپنی قوم کے نام پر سینہ سپر ہونے اور اس پر جان نثار کرنے کی بجائے اُلٹا اس کی تخریب کا باعث بنتا ہے وہ انسان نہیں حیوان ہے۔ بلکہ حیوانوں سے بھی گیا گذرا ہے۔ جس طرح ایک ناخلف بیٹا جسکو اپنے والدین کی عزت و حرمت کا پاس نہیں ہے مردودوں کی قطار میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس شخص کا بھی جس کے دل میں ملک اور قوم کی محبت نہیں پائی جاتی اس دنیا میں پیدا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے جے چند نے خود غرضی اور حسد سے مغلوب ہو کر قومی نمک حرامی کی۔ اس نے اپنے ملک کو دشمن کے ہاتھوں میں بیچ دیا۔ بھارت ورش کی تواریخ میں جے چند سے زیادہ شرمناک نام کوئی نہیں پایا جاتا۔ آریہ نسل پر ہمیشہ اس دشمن ملک کے نام پر لعنت بھیجتی رہے گی۔ جے چند تو نے بیشک اپنے ملک کا ستیاناس کر دیا اور ہمیشہ کے لئے غلامی کا طوق اس کے گلے میں پہنا دیا؎

جے چند کا خیال تھا کہ پرتھی راج کی تباہی سے اس کی سلطنت کو عروج حاصل ہو گا مگر ایسا نہیں ہوا دہلی اور اجمیر کی فتح کے بعد شہاب الدین کے نائب السلطنت قطب الدین نے بہت جلد قنوج پر بھی فوج کشی کی۔ اگرچہ جے چند نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر بیول کے

نت کو آم کے پھل نہیں آسکتے قومی نمک حرام کو دینی اور دنیاوی آسائشیں کبھی میسر نہیں
سکتیں جے چند کو بھی شکست فاش نصیب ہوئی اور بھاگتا ہوا گنگا میں ڈوب کر مر گیا؟
ادہر سنیوگتا اپنے شوہر کے حکم سے دہلی کو تو چلی آئی تھی لیکن پتی کے بغیر اس کا ایک
ایک لمحہ نہایت اضطرابی کے عالم میں گذرتا تھا۔ لکھا ہے کہ سنیوگتا ان دنوں میں ایک ٹکڑہ
روٹی کا کھاتی اور صرف اُس پیالہ میں پانی پیتی تھی جو کہ پرتھی راج نے رخصت کے وقت
اس کو دیا تھا۔ اس نے یہ دن بالکل فقیرانہ زندگی کے بسر کیئے۔ شہر کی باقی شریف عورتوں
نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا۔ رانی سے لیکر ایک غریب سپاہی کی عورت تک سب کی سب
عورات اپنے شوہروں کی کامیابی کی دعائیں مانگتی تھیں مگر کون ہے جو قسمت کے لکھے کو مٹا سکے
آخر وہی دن پیش آیا جس کا کہ سنیوگتا کو پہلے سے ہی خیال تھا۔ پرتھی راج کی گرفتاری کی خبر
اس کو پہنچائی گئی۔ اس وقت سنیوگتا اپنے پرائیویٹ کمرہ میں بیٹھی ہوئی پتی کی یاد میں محو تھی کر
قاصد نے حاضر ہو کر سارے لشکر کی تباہی اور پرتھی راج کے قید ہو جانے کا حال عرض کیا۔ یہ خبر
وحشت خیز خبر تھی لیکن سنیوگتا نے اسکو نہایت اطمینان کے ساتھ سنا اس نے اپنے
ایک ایک سپاہی کے مردانگی سے جان دینے اور اپنے پتی کی جوانمردی اور دلاوری پر آفرین کہی
جو قول و قرار اس نے اپنے شوہر کے ساتھ کیئے تھے ان کے پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئی قاصد
پھر ہاتھ باندھ کر عرض کیا مسلمان دہلی پر بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ اور بہت جلد یہاں پہنچا
چاہتے ہیں۔ دیر ہونے میں آفت کا سامنا ہے۔ سواری تیار ہے آپ جان کا فکر کریں"۔ رانی
نے جواب دیا "مصیبت کیسی! میرے لئے اب اور کیا مصیبت ہوگی۔ اب مجھ کو کسی مصیبت کا
ڈر نہیں ہے۔ ہاں اگر تم کو جان کا خوف ہے تو جاؤ بھاگ جاؤ میں اب کہاں جاؤں گی۔
راجپوتانہ کی لڑکی اپنے خاوند کی گرفتاری کی خبر سُنکر اپنی جان کے بچاؤ کا فکر کیوں کرنے لگی؟
اس کے عوض اب میں چتا پر بیٹھوں گی۔ تم لوگ مسلمانوں کے ڈر سے جہاں چاہو بھاگ جاؤ
چھتری نسب کا نام ڈبو دو مگر میری زندگی تمہاری طرح نہیں ہے۔ میں نے چھترانی کی چھاتی سے
دودھ پیا ہے۔ میں ایک بہادر چھتری کی استری ہوں۔ پس مرتے وقت بھی چھترانیوں کی طرح
مروں گی۔ مسلمان مجھے دیکھ بھی نہ سکیں گے ۞
اس کے بعد سنیوگتا نے چندن کی چتا تیار کرنے کا حکم دیا۔ چتا آراستہ کردی گئی اور وہ
پتی کا ڈپٹہ لیکر اس طرح ہنستی ہوئی اس میں جا بیٹھی۔ جس طرح کہ وہ اپنے پتی کو ملنے کیلئے

محلوں میں جا رہی ہے ؎

باقی تمام عورتوں نے بھی جن کے پتی میدان جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس کی پیروی کی۔ رانی کا اشارہ پاتے ہی چتا کو آگ دی گئی۔ اور پھر دم بھر کے بعد وہاں سوائے چند مٹھی راکھ کے اور کچھ نہ تھا!!!

سنیوگتا اپنے پتی برت دھرم کا پالن کر کے دنیا میں نام چھوڑ گئی۔ لیکن چوہان خاندان اور ہندو سلطنت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر گئی!!!

دہلی، اجمیر اور اس کے متعلقہ علاقہ جات کی کامل تباہی کے بعد ایک دن پرتھی راج شہاب الدین کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ بڑی تواضع سے پیش آیا۔ تخت سے اٹھ کر اس کی ملاقات کی اور کہنے لگا "جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ آپ اب میرے مہمان ہیں۔ وہ شاہانہ سلوک جو میری قید کے زمانہ میں جو آپ نے کئے تھے یاد ہیں۔ میں آپ کی الوالعزمی اور بلند حوصلگی کا مداح ہوں۔ میں آپ کے پورانے احسانوں کو فراموش نہیں کر سکتا۔ مجھے آپ پر بہت کچھ امیدیں ہیں اور میری یہ دلی خواہش ہے کہ آپ میری طرف سے سپہ سالار قطب الدین ایبک کی ماتحتی میں حکمرانی فرمائیں۔ اور اپنے بہادروں سے مجھے آیندہ فتوحات کا موقعہ دیں"؎

پرتھی راج کی جمیعت ان باتوں کو سننے کی تاب نہ لا سکی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور نہایت غصہ کے عالم میں کہنے لگا "اس میں شک نہیں کہ میں اس وقت تمہاری قید میں ہوں اور جو کچھ تو کہے گا مجھے سننا پڑے گا مگر یاد رکھ کہ پرتھی راج اب بھی وہی پرتھی راج ہے۔ اس کی خاک سے بھی بہادری کی گھٹائیں اٹھا کرینگی اور اس کی تلوار بجلی بن کر چمکا کریگی۔ پرتھی راج آپ کی طرف سے آپ کے غلام قطب الدین ایبک کی ماتحتی میں حکومت کرے تف ہے ایسی زندگی پر! ایسی حکمرانی سے اس کو یہ قید ہی اچھی ہے۔ آپ ایسے سلوک سے مجھے معاف رکھیں اگر احسان جتانا ہے تو ایک تلوار اپنے ہاتھ میں لیجئے اور ایک میرے ہاتھ میں دیجئے۔ اس کے سوا میں کسی اور احسان کا متحمل نہیں ہو سکتا" محمد غوری پرتھی راج کی اس بہادرانہ گفتگو کو سنکر دنگ رہ گیا مگر حکومت اور کامیابی کا نشہ بھی کچھ چیز ہوتا ہے تیور بدلکر حکم دیا "اگر تم مذہب اسلام کو قبول کر کے میرے نائب قطب الدین کی نیابت کا اقرار کرو تو جان بخشی کے علاوہ تمہاری سلطنت بھی تم کو مل سکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں زندہ نہ چھوڑوں گا"

پرتھی راج نے نہایت استقلال سے جواب دیا" اے احسان فراموش! پرتھی راج تیری طرح پیسے کو اپنا پیر اور دولت کو ایمان نہیں سمجھتا۔ تو ناحق اس کو مال و زر کی طمع دلاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنا دھرم چھوڑ کر مسلمان ہو جائے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تجھے اپنی فتح کا گھمنڈ ہے۔ مگر ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھ کیا یہ فتح تجھے زور بازو سے نصیب ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اُن لوگوں نے جن پر مجھے بھروسہ تھا میرے ساتھ دغا کی اور تجھ سے ملکر ملک پر تباہی اور بلوی نازل کردی۔ خیر یہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ایشور کو یونہی منظور تھا۔ ہندوستان کی بہار ختم ہو چکی تھی۔ مگر یاد رکھ کہ پرتھی راج مرتے دم تک بھی اپنے دہرم اور اپنے استقلال کو ہاتھ سے نہ دے گا"

محمد غوری پرتھی راج کی اس قدر ہمت اور جرأت کے اظہار سے کانپ اُٹھا اور سمجھ گیا کہ اب ہندوستان میں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ چھتریوں اور شیروں کا خواص ایک ہی ہے۔ لاکھ قید میں ہوں۔ ہزار بندشوں میں رکھے جائیں۔ جب نظر چوکے گی تکا بوٹی کردیں گے خدانخواستہ اگر پرتھی راج اب بھی قید سے نکل گیا۔ تو پھر غضب ہی ہو جائیگا۔ اُسی وقت کوچ کا حکم دیدیا اور غور کی طرف روانہ ہوا۔

مؤرخوں نے پرتھی راج اور شہاب الدین کے انجام زندگی کو مختلف طرح پر بیان کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پرتھی راج میدان جنگ میں ہی گرفتار ہو کر مار اگیا تھا۔ اور شہاب الدین ہندوستان سے واپس جاتا ایک گکھڑ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ مگر درست یہ ہے۔ کہ شہاب الدین غزنی میں پرتھی راج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور پرتھی راج بھی وہیں مارا گیا۔ اس بات کی تصدیق گلدستہ قنوج و تاریخ ابوالفضل وغیرہ سے بخوبی ہو ... یار ہے۔ بلکہ چند شاعر جو پرتھی راج کا خاص مصاحب تھا ... مندر چھ مندر ہیں ان میں سے تین جین

واپس آیا تو زمین و آسمان کا رنگ ہی بدلا پایا ... مندر بہت قدیم زمانہ کے ہیں اور بہت عمدہ منقوش ہوش اُڑ گئے۔ حواس باختہ ہو گئے۔ حق ... و جوار کے مکانات پر چھائے ہوئے ہیں قلعہ کے اندر سے دائیں ہاتھ سے کھانا چھوڑ دیا ... آٹھ چاہ ہیں۔ انکا پانی بدذائقہ ہے مگر ایسا نہیں کہ پینے کے کام ... پیر لگا کر اُڑا اور منزلیں پر منزلیں ... کے دروازہ سے باہر ایک عمدہ تالاب ہے۔ جب چاہات میں ہر فن میں اُستادانہ ذہنی اور علمی ... کام دیتا ہے۔ شہر اور قلعہ کے اندر آٹھ ہزار گھروں کی آبادی ہے اس کی طرز کلام میں خاص خدا ... ہیں اول منزل باہر سے سُرخ رنگین ہوتی ہے اسمیں اندر جانے کے ... کے واسطے بجائے دریچوں کے تابدان ہوتے ہیں دوسری منزل بہت

اگر ویدہ بنا لیا کرتا تھا جاتے ہی محمد غوری کے مزاج میں رسوخ پاکر مقرب بارگاہ سلطانی بن گیا۔ شہاب الدین کی دلی خواہش تھی کہ وہ پرتھی راج کو مسلمان کرلے اور اس مطلب کیلئے وہ ساری کوشش صرف کر رہا تھا مگر چند نے بظاہر اپنے آپکو بادشاہ کا خیر اندیش ثابت کرکے ایسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ بادشاہ کو اس ارادے سے بالکل روکدیا اور اسکو یقین دلایا کہ پرتھی راج اپنے دھرم کا سچا پابند ہے اور وہ مذہب اسلام کو کبھی بھی قبول نہ کریگا۔

ایک دن دربار میں تیراندازی کا تذکرہ چھیڑا۔ درباری اپنی اپنی ہانکنے لگے۔ کب چند اس لاف زنی کو برداشت نہ کرسکا۔ کہا کہ اس فن میں جو کمال پرتھی راج کو حاصل ہے دنیا میں کسیکو نصیب نہیں۔ صرف یہی ایک کمال ہے جو ہندوؤں کے لاکھوں کمالات سے پرتھی راج کو وراثتاً حاصل ہے۔ اگر وہ آنکھیں بند کرکے تیر لگائے تو ممکن نہیں کہ نشانہ خطا کرے۔ شہاب الدین نے چند کا کہنا سراسر مبالغہ سے لبریز خیال کیا۔ کہا کہ یہ بالکل ناممکن ہے آنکھیں بند کرکے کوئی شخص نشانہ لگانے میں کیسے کامیاب ہوسکتا ہے۔ چند نے عرض کیا ہاتھ کنگن کو آرسی کی ضرورت نہیں آزما لیجئے سچ جھوٹ ابھی معلوم ہوجائیگا۔ اُسی وقت پرتھی راج قید خانہ سے طلب کیا گیا۔ شہاب الدین نے پوچھا کہ کیا کوئی دنیا میں ایسا آدمی بھی موجود ہے جو آنکھیں بند کرکے نشانہ پر تیر لگا سکے؟ پرتھی راج نے جواب دیا۔ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر صاحب کمال موجود ہیں اگر آپ دیکھنا چاہیں تو جو کچھ مجھے معلوم ہے دکھا سکتا ہوں۔ سامنے ایک مینار تھا اسکی چوٹی پر بنے ہوئے ایک مصنوعی جانور کو دکھلا کر اور پرتھی راج کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر تیر و کمان اس کے ہاتھ میں دیا گیا پرتھی راج زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ چلے کو شانے تک کھینچنے میں ہتھکڑیاں حارج تھیں۔ اسی حالت میں ہی پرتھی راج نے کمان کو کھینچا مگر کمان ٹکڑے ہوکر رہگئی۔ دوسری کمان دی گئی اسکا بھی یہی حال ہوا تیسری بھی پرتھی راج کے قوت بازو کو نہ سہار سکی۔ آخر کار پرتھی راج کے ایما سے اُسکی اپنی کمان منگوا کر

کی تلوار بجلی بن کر چمکا لرکبی ہندی دوہا کہکر پرتھی راج کو یاد دلایا کہ یہ وقت بدلہ لینے کا ہے وقت

کی ماتحتی میں حکومت کرے تف ہے کہ آپ نشانہ پر تیر ماریکی اجازت دیں شہاب الدین نے فوراً

ہے۔ آپ ایسے سلوک سے مجھے معاف رنے نشانہ کا رُخ بدلکر کڑکڑاتی ہوئی کمان سے تیر چھوڑا جو

میں لیجئے اور ایک میرے ہاتھ میں دیجئے۔ ان پر گرا دیا۔

سکتا" محمد غوری پرتھی راج کی اس بہادرانہ گفتگو کو ہاں تھی کہ اسکا آقا مزید بےعزتی یا اذیت سے مارا جائے

کا نشہ بھی کچھ چیز ہوتا ہے تیور بدلکر حکم دیا "اگر تم ندتھ سے خود بھی وہیں ڈھیر ہوکر رہگیا!!!

قطب الدین کی نیابت کا اقرار کرو تو جان بخشی کے علاوہ کے بعد ہندوستان پر ایک گہری

ورنہ دوسری صورت میں زندہ نہ چھوڑوں گا"

ریاست جیسلمیر

راجپوتان جیسلمیر بنام بھٹی مشہور ہیں اور خاندان جادو سے ہیں یہ اُس حصہ ملک کا نام ہے جو بموجب جغرافیہ قدیم کے شامل صحرائے ہند تھا قدیم میں اس ملک کو میر کہتے تھے۔ میر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سرسبز و زرخیز مقام صحرائے ریگستان کے عین بیچوں بیچ پہاڑوں میں واقعہ ہے جیسلمیر کا شہر پہاڑی اور ڈھلوان زمین پر جو چند میل طول اور چند میل عرض میں ہے ایک پہاڑی کے جنوبی کنارہ پر واقع ہے۔ اسکے گرد شہر پناہ کی دیوار اور برجیں صرف پتھروں سے بلا چونہ چنی ہوئی ہیں دیوار سے برجوں کی بلندی زیادہ ہے۔ گران میں سے اکثر مسمار ہو رہے ہیں شہر پناہ کا طول قریب تین میل کے ہے اور شہر کے تین دروازے ہیں۔ فصیل سے اندر اور شہر سے جنوب میں پون میل محیط اور اڑھائی سو فٹ کی علیحدہ پہاڑی پر جس کے ہر طرف کھڑی بلندی ہے قلعہ بنا ہوا ہے۔ قلعہ کی فصیل پندرہ فٹ سے تیس فٹ بلند ہے اور فصیل کا کنگورہ شہر سے ایک سو تیس فٹ بلند ہے۔ قلعہ کے چار دروازے ہیں مگر توپیں بہت کم ہیں۔ قلعہ کے اندر مہارا ول صاحب کا عظیم الشان محل ہے اس کے اوپر بہت بڑا ہشت دھات کا چھتر لگا ہے بجز رئیس اودے پور کے کسی راجہ کو ایسا چھتر لگانے کا استحقاق نہیں ہے۔ مہارا ول صاحب اس محل میں نہیں رہتے۔ بلکہ شہر کی بود و باش کو پسند کرتے ہیں علاوہ محل کے قلعہ کے اندر چھ مندر ہیں ان میں سے تین جین مذہب کے ہیں اور تین برہمنی دھرم کے۔ جین مندر بہت قدیم زمانہ کے ہیں اور بہت عمدہ منقوش پتھروں سے بنے ہیں۔ انکے بلند کلس قرب و جوار کے مکانات پر چھائے ہوئے ہیں قلعہ کے اندر علیحدہ آبادی ہے اور تین سو فٹ گہرے آٹھ چاہ ہیں۔ انکا پانی بد ذائقہ ہے مگر ایسا نہیں کہ پینے کے کام میں نہ آسکے۔ شہر کے دروازہ گڈھی سر کے دروازہ سے باہر ایک عمدہ تالاب ہے۔ جب چاہات میں پانی مطلق نہیں رہتا تو تالاب کا پانی کام دیتا ہے۔ شہر اور قلعہ کے اندر آٹھ ہزار گھروں کی آبادی ہے مکانات اکثر مضبوط اور خوشنما ہیں اول منزل باہر سے سُرخ رنگین ہوتی ہے اسمیں اندر جانے کے لئے ایک دروازہ ہوتا ہے اور روشنی کے واسطے بجائے دریچوں کے تابدان ہوتے ہیں دوسری منزل بہت

صاف اور خوبصورت ہوتی ہے۔ دروازہ پر منقوش مگر وزنی پتھر کا خوبصورت برآمدہ ہوتا ہے۔ اسپر ایک وزنی سائبان اور اسکی چھت اول منزل کی چھت سے ہموار ہوتی ہے۔ اس پر سنگین منڈیر یا موہچہ ہوتے ہیں جن کے پردہ میں مالک مکان بیٹھ کر ہوا کھاتے ہیں ہر مکان کے آگے کوچہ کی سطح سے چار فٹ بلند اور چھ سات فٹ عریض چبوترہ ہوتا ہے۔ اور ہر منزل پر سنگین بدررو بنی ہوتی ہے جس سے مکان کا پانی بہکر کوچہ میں جاتا ہے۔ مکان کے اندر چند فٹ مربع صحن ہوتا ہے جس کے ایک طرف غسل خانہ اور دوسری طرف رسوئی کا مکان ہوتا ہے صحن میں سے چھت پر جانے کے لئے زینہ بناتے ہیں اور عورتیں دوسری منزل پر رہتی ہیں۔ دہلیز سے مقابل کا مکان عموماً خواب گاہ ہوتی ہے اور اس کی پشت پر اجناس کی کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ صحن کے ارد گرد کے مکانات میں طاق اور الماریاں ہوتی ہیں اور بچوں کے سونے کے مکان اکثر مختصر ہوتے ہیں دیواروں میں پارچات اور دیگر اشیا اٹکانے کے لئے خوشنما رنگین چوبی کھونٹیاں لگی ہوتی ہیں الغرض ان مکانات میں انسان کے آرام و آسایش کا کل سامان موجود ہوتا ہے۔ شہر میں سب سے عمدہ تعمیر کا مکان سابق دیوان کا ہے اس میں منقش پتھر کی پانچ منزلیں ہیں۔ اور چھٹی چوبی منزل پر کلس چڑھے ہوئے ہیں تمام شہر میں کوئی مسلسل بازار نہیں ہے صرف قلعہ کے دروازہ کے باہر چبوترہ سایر پر خرید و فروخت ہوتی ہے؛

حسب تحریر ٹاڈ صاحب اس شہر کو جیسل نامی بھٹی رئیس نے سنہ ۱۱۵۰ میں آباد کیا تھا کیونکہ سابق دار الحکومت لودروہ جو یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ کچھ اچھا محفوظ مکان نہ تھا۔ جیسلمیر کی آبادی قریب ۳۲ ہزار باشندوں کے ہے اور وہ عرض بلد ۲۶ درجہ ۵۶ دقیقہ اور طول بلد ۷۰ درجہ ۵۸ دقیقہ پر واقع ہے؛

جیسلمیر کے پہاڑ کچھ کی بلند زمین سے مسلسل ہیں۔ زمین ناقابل الزراعت ہے اور مسافر کی ماندہ جسم کی آسایش اور سیری نظر کے واسطے کوئی درخت نظر نہیں آتا۔ یہ بے انتہا ویرانہ دشت ہے۔ جس میں آک اور خاردار جھاڑیوں کے سوائے کسی قسم کی سبزی نہیں ہے البتہ پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان اکثر مقامات پر عمدہ چراگاہیں بھی ہیں۔ جیسلمیر کے ملک میں کوئی ندی نہیں ہے۔ ٹیلوں پر سے جو پانی کے نالے آتے ہیں۔ ان کا پانی بند کرنے سے چند، وزہ سر بنجاتے ہیں اور ان سروں میں سے بعض میں عمدہ بارش ہو جانے پر سال بھر پانی رہتا ہے۔ مگر عام طور پر ان سروں کا پانی چند ماہ میں خشک ہو جاتا ہے۔ ان میں سب سے بڑا سر کالوڈ کا ہے۔ جب یہ بالکل بھر جاتا ہے

جس کا طول اٹھارہ میل کا ہوتا ہے۔ اس کے مشرقی سمت سے ایک ندی نکلتی ہے۔ جو قریب
۵۰ میل مشرق کی طرف بہ کر جودھپور کے ریگستان میں جذب ہو جاتی ہے۔ پانی خشک ہونے
پر خشک زمین میں سے نمک پیدا ہوتا ہے اور اس سے ریاست کو بہت آمدنی ہوتی ہے باشندگان
ملک عموماً اپنے لئے وسیع تالاب کھود لیتے ہیں اور بارش کا پانی جو ان میں ہوتا ہے کام میں لاتے
ہیں مگر جس سال بارش کی قلت ہوتی ہے لوگوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے مویشی
بلکہ آدمیوں تک پیاس کے مارے مرجاتے ہیں۔ سرحد جنوبی کے جنگل میں یا کہیں کہیں شیر
پائے جاتے ہیں۔ مگر جنگلی سور چیتے اور بھیلے بکثرت ملتے ہیں۔ گیدڑ بہت ہی زیادہ ہیں۔ ہرن
چکارہ اور نیل گاؤ بھی ہیں۔ مگر سانپوں کی ایسی کثرت ہے کہ باشندگان ملک ان سے محفوظ
رہنے کے واسطے چرمی موزے پہنتے ہیں۔ جیسلمیر کی زراعت پیشہ رعایا کی دولت صرف اونٹ اور
بھیڑ و بکری ہے۔ زراعت صرف ایک فصل کی ہوتی ہے مگر وہ بھی بالکل بارش پر منحصر ہے زیادہ
پیداوار باجرہ کی ہے مگر جہاں زمین بہتر ہے وہاں مونگ اور موٹھ بھی پیدا ہوتے ہیں ۔
سری کرشن جی کی بڑی رانی رکمنی تھی اس کے بڑے بیٹے پردومن کی شادی بدریہ کی لڑکی
کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کا بیٹا بجر بھٹی قوم کا مورث اعلیٰ ہوا۔ بجر کے دو فرزند نابہ اور کہر تھے
نابہ نے کرد شہلی میں حکومت قائم کی ۔
پرتھی باہو نابہ کا فرزند تھا اور جہار یجا اور جدوبہان کہر کے بیٹے تھے۔ نابہ کے بعد اس کے
بیٹے پرتھی باہو نے عنان حکومت ہاتھ میں لی اس کے فرزند باہوبل کی شادی بیجے سنگھ پنوار والئے
مالوہ کی بیٹی کملاوتی سے ہوئی۔ والد دختر نے زر و جواہرات زیور طلائی اور دیگر قیمتی سامان کے
علاوہ ایک ہزار خراسانی گھوڑے اور سو ہاتھی جہیز میں دیئے اس کے فرزند باہو نے گھوڑے
سے گر کر جان دی اور اس کے بیٹے سو باہو کو اس کی رانی نے زہر دیا مسموم راجہ کے بعد اس کا
بیٹا رجھ گدی پر بیٹھا ۔

گج سنگھ

راجہ رجھ نے سوبھاگ سندری دختر بیر سنگھ راجہ مالوہ سے شادی کی۔ یہ رانی حاملہ تھی کہ
ایک شب اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ایک فیل سفید پیدا ہوا ہے۔ منجموں نے اس کی

تعبیر اس طرح بیان کی کہ یہ لڑکا بڑا قوی ہوگا۔ اسی بنا پر جب یہ پیدا ہوا تو اس کا نام گج سنگھ رکھا گیا۔ جب جوان ہوا تو راجہ جدبھان نے پورپ دیس سے اس کے لئے پیغام شادی بھیجا۔ اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ منسوب کرنی چاہی۔ گج سنگھ کو رسومات شادی ادا کرنے کے لئے روانہ کیا گیا؛

انہیں ایام میں خبر آئی کہ مسلمان جنہوں نے سابق میں سوباہو پر حملہ کیا تھا بسر کردگی فرید شاہ والئے خراسان چار لاکھ سوار لیکر جنگ کے لئے چلے آتے ہیں۔ راجہ نے بذریعہ جاسوسوں کے اس خبر کی تصدیق کی اور خود بھی سپہ لیکر مقابلہ کے لئے نکلا۔ کنج کے مقام پر دونوں لشکروں کی لڑائی ہوئی اس جنگ میں ہنود کے چار ہزار آدمی کام آئے۔ مگر دشمن تیس ہزار آدمی کا نقصان اُٹھا کر پسپا ہوا؛

دوسرا حملہ پھر ہوا۔ اگرچہ اس لڑائی میں بھی مسلمانوں نے شکست کھائی مگر راجہ رجھ ایسا سخت زخمی ہوا کہ جونہی گج سنگھ اپنی شادی کرکے واپس آیا وہ جان بحق تسلیم ہوا؛

شاہ خراسان نے اب تیسری دفعہ چڑھائی کے سامان کئے اور شاہ روم سے بھی ایک بڑی بھاری کمک حاصل کی۔ راجہ گج سنگھ نے بھی اس خبر کو سُنکر اپنے سب ارکان کو طلب کیا اور مشورہ میں یہ قرار پایا کہ قلعہ کے بغیر اس قدر فوج کثیر کا مقابلہ کرنا غیر ممکن ہے لہذا کوہستان شمالی کے درمیان ایک قلعہ بسرعت تمام تعمیر کیا اور اس کا نام غزنی رکھا گیا۔ یہ قلعہ ابھی قریب الاختتام ہی تھا کہ شاہ روم اور خراسان کے قریب آنے کی خبر موصول ہوئی۔ گج سنگھ نے بروز برہسپت ۱۳ ماہ ماگھ کی شب کو مقابلہ کے لئے کوچ کیا اور دولہ پور میں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ مگر رات کو خبر ملی کہ شاہ خراسان نے بعارضہ قولنج وفات پائی۔ شاہ روم یعنی سکندر رامی کو مرزوالئے خراسان کی وفات پر سخت اندیشہ پیدا ہوا مگر پھر بھی وہ حوصلہ کرکے آگے بڑھا؛

یہ لڑائی بڑی خونریز لڑائی بیان کیجاتی ہے کبیشر نے اسکی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔ "راجہ گج اور اس کے ہمراہی بہت کچھ خیرات کرکے جوگنی کو پشت دیکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہر ایک فریق بھوکے شیر کی طرح حملہ آور ہوتا تھا۔ زمین کانپ اُٹھی۔ گرد نے آسمان کو تیرہ و تار کردیا۔ چاروں طرف سوائے ہتھیاروں کی چمک کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ساز جنگ بج رہے تھے۔ گھوڑے ہنہناتے تھے اور ان کی آوازوں اور ان کے پاؤں کے ٹاپوں سے شور محشر بپا ہوتا تھا۔ چاروں طرف سپاہیوں کی قطاریں بہادروں کے ابر کے ٹکڑوں کی طرح حرکت میں تھیں بہادروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ لوہا خوب برس رہا تھا۔ نیزہ اور تلوار انسانی خون پی رہے تھے

کے سیر ہو جانے سے اب زمین بھی گل لالہ کی طرح رنگی جانے لگی۔ دلاوروں کی تلواریں سر سے
تک صاف نکل جاتی تھیں۔ جنگ آوران قوی دل زمین کو خون سے تر کرتے۔ اور شجاعان اپنے
بادشاہ کے بدلے جانیں قربان کر رہے تھے؛

نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ روم کی فوج رو بفرار لائی۔ پچیس ہزار مسلمان قتل ہوئے اور اسقدر گھبراہٹ
بھاگے کہ انکے گھوڑے اور ہاتھی سب میدان جنگ میں ہی رہ گئے بلکہ بادشاہ کا تخت بھی گج سنگھ
ہاتھ آیا۔ سپاہ جادواں نے فتح کا نقارہ بجایا اور سات ہزار جوانوں کا نقصان اُٹھا کر اس عظیم الشان
حاصل کیا۔ ماہ بیساکھ میں گج سنگھ نے غزنی کے تخت پر جلوس فرمایا۔ اس کے بعد تمام ملک مغربی
فتح کر کے گندپ کیل والئے کشمیر کو حاضر ہونے کا پیغام بھیجا۔ اگرچہ والئے کشمیر سے راجہ گج سنگھ
بہادری اور شجاعت مخفی نہ تھی اور وہ اُس کا لوہا مانے ہوئے تھا لیکن پھر بھی خاموشی کے ساتھ
برداری قبول کرنے میں اس کی ہتک تھی۔ لہٰذا اس نے ایلچی کی زبانی کہلا بھیجا کہ میری جمیعت
اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں بغیر لڑائی کے متابعت کر لوں۔ گج سنگھ کو جب یہ جواب
تو اس کی شجاعت کی رگ جنبش میں آئی۔ اور بہادری کا خون گردش کرنے لگا۔ حکم دیا۔ کہ فوراً
فوج تیار ہو۔ چنانچہ ہزارہا فوجی دلاور جنہیں صرف میدان جنگ میں مرنے کی آرزو ہی زندہ رکھتی ہے
راجہ کے حکم پر جان دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ کشمیر پر فوج کشی کی گئی۔ اگرچہ بظاہر اس کا
نہایت خوفناک اور پُرخطر تھا مگر انجام بہت ہی دلپسند نکلا۔ یعنی معمولی رزم آرائی کے بعد
کشمیر نے دوستانہ اطاعت کی اور ساتھ ہی اپنی حسین راجکماری کی شادی راجہ گج سنگھ سے کر
اسی راجکماری کے بطن سے راجہ سالباہن پیدا ہوا۔ جس کی شجاعت اور دلیری کا حال اگلے
صفحوں میں لکھا جائیگا؛

سالباہن کی عمر ابھی مشکل سے بارہ برس تک پہنچی تھی کہ اس کے والد گج سنگھ کو ایک اور
مہم پیش آئی۔ خراسانیوں نے ایک دفعہ پھر غزنی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور بہت سی جمیعت فراہم
کر کے حملہ آور ہوئے؛

راجہ گج سنگھ اگرچہ دشمن کے مقابلہ سے گھبراتا نہ تھا لیکن اب کی بار اسکو کامیابی کی امید نظر نہ آتی
تھی۔ اس کے لائق افسر مختلف لڑائیوں میں کام آ چکے تھے اور وہ بھی ایام جوانی کے گذر جانے سے
کیفیات کا ویسا خوگر نہ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے مقابلہ کا مصمم ارادہ کیا اور غزنی کی حفاظت میں
کرنے کے سامان فراہم کئے؛

اس نے اپنے بیٹے سالباہن کو چند رشتہ داروں کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ کیا اور جب سنا کہ غنیم اب پانچ کوس کے فاصلہ پر رہ گیا ہے۔ تو قلعہ اپنے چچا سہدیو کے سپرد کر کے خود بھی جنگ کے لئے باہر نکلا۔

راجہ گج کا یہ خیال کہ اب کی مرتبہ وہ کامیاب نہ ہوگا کچھ غلط نہ تھا بڑی خونریز اور یادگار لڑائی ہوئی ایک لاکھ مسلمان اور تیس ہزار ہنود میدان جنگ کی نظر ہوئے۔ گج سنگھ نے اپنے ہاتھوں سے شاہ خراسان کو قتل کیا لیکن خود بھی اس معرکہ میں ملکی حمایت اور قومی حمیت پر نثار ہونا پڑا۔

شاہ خراسان کے بیٹے نے غزنی کا محاصرہ کیا تیس روز تک سہدیو نے قلعہ کا تحفظ رکھا۔ مگر آخر کار سب نے ملکر ساکھا کیا اور نو ہزار راجپوتوں نے کیسری بانا کر کے دشمن کے مقابلہ میں ایک ایک ہو کر جانیں قربان کیں۔

سالباہن

باپ کے قتل کی دلگداز خبر سنکر سالباہن نے حسب دستور اس کا ماتم کیا بارہ روز تک پلنگ پر سونا ترک کیا اور تمام رسومات ضروری ادا کرنے کے بعد ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں کہ پانی چارہ کی کثرت تھی۔ اس جگہ اپنے فرقہ کے آدمیوں کو جمع کیا۔ اور ایک شہر کی بنیاد ڈالکر اپنے نام پر سالباہن پور اس کا نام رکھا[1]۔

سالباہن بھی اپنے باپ کی طرح بڑا دل چلا اور شجاع راجہ گذرا ہے اگرچہ اس کی ابتدائی تربیت ناز و نعم میں ہوئی تھی مگر بعد کی مشکلات نے اسکو پورا پورا جفاکش اور محنت پسند بنا دیا تھا۔ تلوار سے اُسے خاص اُنس تھا اور اس کے قیمتی جوہر پرکھ لینے میں اسکی جوہر شناس نگاہیں کمال رکھتی تھیں۔ ہتھیاروں کا وہ بہت ہی شائق تھا۔ اور بچپن سے ہی اُس نے فنون سپہ گری میں کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔ عالم کم سنی میں ہی وہ اکثر سیر و شکار کی طرف راغب رہتا تھا اور اس میں اسکو ایسی خوشی حاصل ہوتی تھی کہ کسی اور طرح ہرگز ممکن نہ تھی۔ اس کا دل دلیر تھا اور قوم اور وطن کی محبت اُس میں فطرتاً موجود تھی۔ چنانچہ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے ناظرین پر خود واضح ہو جائیگا

(۱) یہ شہر آجکل زمانہ کے ہاتھوں سے بالکل مٹ چکا ہے کرنل ٹاڈ صاحب کا بیان ہے کہ یہ لاہور کے نزدیک ہی کہیں آباد کیا گیا تھا اور تلاش کرنے سے ممکن ہے کہ اسکے کھنڈرات اب بھی کسی جگہ مل سکیں۔

اس کے بعد سالباہن فتوحات پنجاب کی طرف متوجہ ہوا اُسکے قوائے اور تنومند بازوؤں نے اُس کی بہت مدد کی اور اُسے زبردست سے زبردست اور مشکل سے مشکل ارادوں میں ہمیشہ کامیاب رکھا اس کی قوت بازو اور اقبال مندی سے سارا پنجاب فتح ہوگیا :

فیاض قدرت نے بھی اُس کی قسمت پر نہایت فیاضی کی اور اُسے پندرہ بیٹے بلند۔ سالو۔ مگند۔ جچھ۔ روپا۔ لیکھ۔ جس کرن۔ نیما۔ مات۔ نیپک۔ گنگو جگو نامی عطا کئے :

اس بہادر راجہ کی اولاد کے جس قدر نام اوپر لکھے گئے وہ سب کے سب اپنی بے نظیر شجاعتوں اعلے درجہ کی جوانمردیوں سے بڑے بڑے اولوالعزم صاحب ہمت بلند حوصلہ راجہ ہوئے۔ راجہ سالباہن کا بڑا بیٹا تھا اُسکی شادی کے لئے دہلی کے ذمی وقار صاحب اقتدار راجہ نے نارجیل بھیجا۔ سالباہن نے اسے منظور کیا اور افسروں کی مقتدر جماعت ساتھ لے کر بلند پال نہایت شان و شوکت کیساتھ دہلی کو روانہ ہوا شادی کی رسوم بہت دھوم دھام کے ساتھ ادا ہوئیں۔ اور چند دن قیام کرکے بلند اپنی نو کتخدا حسین رانی کو ہمراہ لے کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس اثنا میں راجہ سالباہن نے جس کی رگ و پے میں پُرشجاعت خاندان کا جوش بھرا ہوا تھا غزنی پر حملہ کرنے کی تجویز کی۔ کیونکہ وہ اس دارالحکومت پر مدت سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ کم سنی کے عالم میں باپ کی بے وقت موت کا داغ اُس کے دل سے مٹائے نہیں مٹ سکتا تھا وہ اکثر غمگین رہتا تھا اور انتقام کی آگ اس کے دل میں ہروقت بھڑکا کرتی تھی۔ جب غزنی کی فتح کا ارادہ کرتا تھا تو اس کی خونخوار آنکھوں سے آگ کی سُرخ سُرخ بجلیاں تڑپ تڑپ کر نکلنے لگتی تھیں اور وہ بہت ہی بیتاب ہو جاتا تھا۔ اور بے اختیار آبدار تلوار کے مرصع کار قبضے پر ہاتھ اُٹھ جاتا تھا۔ خراسانیوں سے بدلا لینے کا ارادہ رفتہ رفتہ مستحکم ہی ہوتا گیا۔ اور اُس نے عزم بالجزم کی صورت اختیار کی اور جس طرح سے بنے غزنی فتح کرنے کی خواہش نے پنجاب چھوڑ دینے پر راجہ کو مجبور کیا :

بلند کے آتے ہی راجہ کے یہ خیالات جو ایک مدت سے اُس کے دل و دماغ میں گونجتے تھے۔ عملدرآمد کی صورت میں ظاہر ہونے لگے۔ اُس نے چاروں طرف سے اپنی بہادر فوج کو جمع کیا۔ اور چونکہ وہ یہ بات اچھی طرح سے سمجھتا تھا کہ جس طرح ہوگا۔ غزنی کو فتح کرکے اپنے مرحوم باپ کا بدلا ضرور لیگا اور اگر فتح نہ کرسکے گا تو اپنی قیمتی جان کو باپ کی بیش بہا عزت اور حرمت کا قربان کردیگا۔ اس لئے اُس نے اپنی موجودہ ریاست کا کاروبار جو اُس نے اپنے قوت بازو سے پید

کی تھی۔ اپنے ہونہار فرزندوں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر طرح کی دلجمعی کر کے مع اپنے بڑے فرزند بلند کے ایک لشکر لے کر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ خراسانیوں کو اُنکی دست برد کی پاداش دینے کے لئے پنجاب سے روانہ ہوا؛

اولوالعزم راجہ نے نہایت جوانمردی کے ساتھ محافظوں کو تہ تیغ بے دریغ کرتے ہوئے دریائے اٹک کو عبور کیا۔ اور گویا اپنی آیندہ فتوحات کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ جب خراسانیوں کو راجہ سالباہن کی آمد کی خبر پہنچی تو فریدشاہ شاہ خراسان ایک کثیر التعداد فوج جس میں ربع مسکون کے ہر ایک آباد حصہ کے جوان تھے۔ لیکر سالباہن کے مقابلہ پر آیا بہادروں نے شجاعت کی داد دی۔ اور نہایت خونریز مقابلہ ہوا۔ راجہ سالباہن نہایت جوش کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ اور اسکی بے نظیر شجاعت دیکھ کر فوجیوں کی ہمتیں اور حوصلے بلند ہو رہے تھے۔ ہر ایک بہادر جوان کی تلوار بجلی کی طرح کڑک کر اور چمک کر نیام سے نکلتی تھی اور دشمن کا خرمن ہستی بلا کر خاک سیاہ کر دیتی تھی۔ زمین جنگ پر خون کا ایک دریا بہ رہا تھا جس میں بہادروں کے بے جان جسم چاروں طرف تیرتے پھرتے تھے۔ سر گیندوں کی طرح اُچھل رہے تھے اور بہادر اپنے سردار کے فرمان پر جان قربان کرنے کے لئے تل گئے تھے۔ بازار جنگ نہایت سرگرمی کے ساتھ گرم تھا اور جس طرح راجہ سالباہن کے سرفروش جانباز بہادر نہایت جی داری سے لڑ رہے تھے اور وفا شعاری کے جوہر اُن کی چمکتی ہوئی تلواروں سے روشن تھے۔ اسی طرح خراسانیوں نے بھی بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارے اور راجہ کی بے شمار فوج میں سے بہت سی بہادر جانوں کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ سالباہن کی فوج میں زور پیدا گیا اور خراسانیوں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑنے لگے آخر کار ایکا ایکی راجہ کی فوج نے ایک زبردست حملہ کیا۔ جس میں ہزار ہا خراسانی ہلاک ہوئے اور باقیماندہ نے فرار کو اختیار کیا؛

آخر کار راجہ سالباہن کی فتح ہوئی اور غزنی کا قلعہ بھی قبضہ میں آگیا؛

فتحمند راجہ نے بلند کو وہیں قلعہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور آپ پنجاب کی طرف مراجعت کی۔ لیکن غزنی کی فتح پر اُسے بہت دنوں تک خوشی کا موقع نہ ملا۔ اور چند دنوں کے بعد دست اجل نے اُس کی آنکھیں بند کر دیں۔ اس بہادر راجہ کی حکومت کا زمانہ پینتیس سال نو ماہ رہا؛ بلند مسند حکومت پر بیٹھا۔ اور اس کے بھائی نے پنجاب کے کوہستانی علاقوں پر بہ حکومت بیٹھا ہا مگر ترک پھر جمع ہونے لگے اور غزنی کے گرد و نواح کے اضلاع ان کے قبضے میں چلے گئے

پاس کوئی لائق وزیر نہ تھا اور ہر ایک جزوی کام کو بھی وہ خود کرتا تھا۔ اس کے سات بیٹے
بھاٹی۔ بھوپتی۔ کلر۔ جنج۔ سرمور۔ بھنیسر۔ بیچہ۔ مانگریو۔ خلف دوئم بھوپتی کا لڑکا چکیتو تھا
چکیتو (چغتائی) قوم پیدا ہوئی۔ بلند نے اپنے نبیرہ چکیتو کو غزنی میں چھوڑ کر خود سالباہن پورہ
بود و باش اختیار کی۔ اب ترکوں کی طاقت دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر چکیتو نے
ان کی فوج بھرتی کی اور اراکین سلطنت بھی انہیں کو بنایا مگر انہوں نے ایسی پٹی پڑھائی۔ کہ
مسلمان ہو گیا۔ بلخ اور بخارا کا علاقہ زربک کے قبضہ میں تھا۔ وہاں کا بادشاہ اولاد نرینہ نہ
تھا چکیتو اس کی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے بلخ و بخارا کا مالک بن بیٹھا۔ ۲۸ ہزار سوار اس کے
ران ہوئے اور اس کا سکہ و خطبہ بلخ سے ہندوستان تک جاری ہوا۔
بلند کے فرزند سوئم کلر کے آٹھ بیٹے تھے ان میں سے قریباً سب نے مذہب اسلام قبول کیا۔
بلند کے بعد اس کا بڑا بیٹا بھاٹی مسند نشین ہوا اور اس نے ۱۸ راجوں کو زیر کیا۔ ان لڑائیوں
بہت سی دولت اس کے ہاتھ آئی جس میں چوبیس ہزار خچر خزانہ سے لدے ہوئے تھے اسکی
بھی کی رسم لاہور میں ادا ہوئی تھی یہاں اس نے کل سپاہ کو مسند نشینی کی تقریب پر طلب کیا۔
نشین ہونے ہی اول اس نے کنک پور کے راجہ بیربھان پر فوج کشی کی۔ بیربھان چالیس
سپاہ لیکر مقابلہ پر آیا مگر شکست فاش کھائی اور لڑائی میں مارا گیا۔ بھاٹی کے وقت اس کے
ان کا لقب بدل گیا اور اس کے نام پر یہ قوم بھاٹی مشہور ہوئی۔
بھاٹی کے دو بیٹے تھے۔ منگل راؤ اور سور راؤ۔ منگل راؤ مسند نشین ہوا مگر وہ اپنے باپ کی طرح
اقبال نہ تھا۔ دوندی شاہ غزنی نے بڑے کروفر کے ساتھ لاہور پر لشکر کشی کی منگل راؤ اپنے
لیکر دریا کے کنارہ سے جنگل میں بھاگ گیا۔ سالباہن پور کے محاصرے میں منگل راؤ کے
چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے راکھی جنگل کی راہ لی اور وہاں کے کاشتکاروں کو زیر کر کے ملک
مسلط ہو گیا۔
منگل راؤ کی مفروری کے بعد اس کی اولاد رعایا کے گھروں میں روپوش ہوئی مینی داس
نے جس کے بزرگوں کو بھاٹی کے بزرگوں نے تنگ و تباہ کیا تھا۔ انتقام لینا چاہا۔ اور
شاہ کو اطلاع دی کہ منگل راؤ کے لڑکوں میں سے چند لڑکے ایک شاہوکار کے گھر میں پوشیدہ
بادشاہ کے حکم سے فوجی سپاہی سری دھر شاہوکار کو گرفتار کر کے دربار میں حاضر لائے بادشاہ
دیا کہ منگل راؤ کے لڑکوں کو حاضر کرو۔ ورنہ معہ عیال واطفال کے قتل کر دیئے جاؤ گے ساہوکار

نے جوابدیا کہ میرے ہاں راجہ کا کوئی لڑکا نہیں ہے۔ جو لڑکے میرے پاس پناہ پذیر ہوئے ہیں وہ ایک بھومیہ کے ہیں جو حملہ کے وقت بھاگ گیا تھا بادشاہ کو یقین نہ آیا اور انکو دربار میں بلاکر حکم دیا کہ اگر واقعی یہ بھومیہ کے لڑکے ہیں تو جاٹوں کے ساتھ کھانا کھائیں۔ اسکی تعمیل کی گئی مگر بادشاہ کی تسلی نہ ہوئی۔ اور حکم دیا کہ انکی شادی بھی جاٹوں میں کیجائے اب شاہوکار کو سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ تھا۔ جاٹونکی لڑکیوں کیساتھ انکی شادی بھی کردی گئی اور کلر رائے کی اولاد کلموریہ اور مونڈراج اور شیوراج کی اولاد مونڈہ اور سیورہ مشہور ہوئی ؞

منگل راؤ اول گارہ ندی کے جنگل میں پناہ پذیر ہوا تھا۔ پھر دریا کو عبور کرکے ملک جدید فتح کیا اس زمانہ میں اس ندی کے کنارہ پر بارسہ قوم آباد تھی اور انکی دوسری طرف بوٹا بان کے بوٹہ راجپوت رہتے تھے۔ پوگل میں پرمار۔ دھات میں سودا اور لودوربوہ میں لودرہ راجپوت تھے یہاں منگل راؤ کو پناہ ملی۔ سودا رئیس کی اجازت سے اس نے لودرہ اور بارسہ کی سرزمین میں سکونت اختیار کی ؞

منگل راؤ کی وفات پر اسکا بیٹا معظم راؤ جو اسکے ساتھ یہاں آیا تھا راجہ ہوا اور قرب وجوار کے سرداروں نے اسکو راجہ قبول کرکے اسکی مسند نشینی کے موقعہ پر تحفہ جات بھیجے اور امرکوٹ کے رئیس کی دختر سے اسکی شادی ہوئی۔ جس سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ کیہر۔ مولراج اور گوگلی ؞

کیہر نے اپنی مہمات سے خوب نام پیدا کیا۔ پانچ سو سواروں کا ایک قافلہ ادر سے ملتان کو جارہا تھا۔ کیہر نے شتر فروش سوداگروں کا بھیس بدلکر ان کا تعاقب کیا اور تمام اسباب لوٹ لایا۔ ایسے ایسے کاموں سے وہ مشہور ہونے لگا۔ جالور کے الن سی دیورہ نے معظم راؤ اور اس کے دو بڑے بیٹوں کیواسطے ناریل بھیجے۔ بڑے تجمل سے شادیاں ہوئیں اور جب وہاں سے واپس آئے تو کیہر نے ایک قلعہ تعمیر کیا اور تنودیی کے نام سے اس کا نام تنوت رکھا۔ مگر اس قلعہ کی تیاری سے پیشتر معظم راؤ نے آخرت کا سفر اختیار کرلیا ؞

اب کیہر سنگھ مسند نشین ہوا مگر مسند نشینی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی براہا کے رئیس نے قلعہ تنوت پر حملہ کیا اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ قلعہ اسکی سرحد پر بنایا گیا تھا۔ مولراج نے ایسا مقابلہ کیا کہ براہوں کو بیچ ہی میں محاصرہ اٹھانا پڑا ؞

کیہر سنگھ کے پانچ بیٹے ہوئے سب خوش نصیب سپاہی تھے انہوں نے چنا راجپوتوں کی زمین فتح کی پھر انہوں نے کیہر سے دست بدست بدلہ لے لیا یعنی ایکدن جبکہ وہ شکار کھیل رہا تھا بنجیری میں حملہ کرکے اسکو مار ڈالا کیہر سنگھ کا بڑا بیٹا تنو مسند نشین ہوا۔ اس نے بارہواں کے ملک کو ویران کردیا اور اسیطرح

ملتان کی لانگھا قوم کے مقام بھی غارت کئے مگر حسین شاہ حاکم لانگھا بہت جلد کھچی۔ کھوکھر اور جوہیہ
قوموں کے دس ہزار زرہ پوش سواروں کو ہمراہ لے کر حملہ آور ہوا۔ براہ کے باشندے بھی ان کے
شامل ہو گئے۔ رتنو نے اپنے بھائیوں کو جمع کیا اور چار دن تک قلعہ میں بیٹھ کر مقابلہ کرتا رہا۔ مگر
پانچویں دن قلعہ کے دروازے کھولدیئے اور اپنے بیٹے بجے رائے کیساتھ تلوار ہاتھ میں لیکر قلعہ سے
نکل پڑا۔ اس کی تلوار خون برسا رہی تھی سب سے پہلے براہ قوم نے پیٹھ دکھائی۔ پھر مسلمانوں نے
میدان جنگ خالی کیا۔ راؤ تنو کے بہت سے مال و اسباب ہاتھ آیا اور اس فتح سے اسکی اسقدر
شہرت ہو گئی کہ بوتا بن کے رئیس جیجو نے اپنی بیٹی کی شادی کا نارجیل بھیجا اور عہد و پیمان کیا
کہ والی ملتان کے مقابلہ میں وہ راؤ موصوف کا دست و بازو رہے گا۔

راؤ تنو مند کے پانچ بیٹے تھے۔ بجے رائے۔ مکور۔ جیتنگ۔ آلن اور راکیچو۔ جن میں سے مکور کے
شاہ کے دو نور نظر تھے۔ اسیطرح جیتنگ کے بھی دو فرزند تھے۔ رتن سی اور چوہڑ۔ رتن سی نے
پور کے ویرانے کو آباد کیا اور چوہڑ کے بیٹوں نے اپنے نام سے کولاسر اور گرراج سر تعمیر کئے۔
بجے رائے نے ۱۲۰۱ء میں مسند حکومت پر قدم رکھتے ہی پورانے دشمن رئیس براہ پر فوجکشی کی
اور قوم براہ کا قلع قمع کر کے مقام مذکور پر قبضہ کر لیا۔

دیوراج

۱۲۳۹ء میں راجہ بجے رائے کے محل میں رانی بوتا کے بطن سے ایک خوبرو فرزند پیدا ہوا
اس کا نام دیوراج رکھا گیا۔ در اصل یہ نام اس کے اوصاف سے خاص مناسبت رکھتا تھا ہر
چند وہ ابھی بچہ تھا مگر اس کے رعب دار چہرہ پر بہادری کے آثار ظاہر تھے اور ایک قیافہ شناس
اسے دیکھتی ہوئی فوراً سمجھ جاتی تھی کہ ایک دن اسکا نام آفتاب کی طرح شہرت و عزت
کے آسمان پر چمک کر بھور خاندان کے نام کو اور زیادہ روشن کرے گا۔

راجہ بجے رائے بھی میدان جنگ کا ایک جانباز بہادر تھا اور رانی بوتا کے رگ و پے میں
راجپوتی خون بھرا ہوا تھا پھر وجہ نہ تھی کہ دیوراج مجسم شجاعت اور سراپا جرأت ہوتا راجہ بجے
رائے اور قوم براہ و لانگا سے اکثر لاگ ڈانٹ رہتی تھی۔ مذکورہ بالا قوموں بارہا لشکر کشی کر چکی تھیں
مگر شجاع راجہ کے سامنے انکی ایک بھی پیش نہ جاتی تھی۔ ابھی راجکنور دیوراج کمسن ہی تھا کہ

ایک مرتبہ اور انہوں نے بجے رائے پر حملہ کر کے قسمت آزمائی کی لیکن حسب معمول پھر انہیں ناکامی ہوئی۔
آخر جب انہوں نے دیکھا کہ مقابلہ سے مطلب برآری نہیں ہو سکتی اور فتح و نصرت فیاض قدرت
نے صرف بجے رائے کے حصہ میں لکھدی ہے تو انہوں نے اُسکے نام ایک پیام بھیجا اور اطاعت
پسندی کا اظہار کر کے یہ خواہش کی کہ وہ اپنی حسین سلیقہ شعار راجکماری بھی اپنے مخدوم و مکرم راجہ
کی نذر کرنا چاہتا ہے"۔ جسے بجے رائے نے دلی خوشی سے منظور کیا کیونکہ رئیس براہا کی چالبازیوں
سے بالکل بے خبر تھا۔ چنانچہ آٹھ سو رشتہ دار اور ہم قوم جب راجہ بجے رائے کے ہمراہ شادی میں
شریک ہو کر براہا میں پہنچے تو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کئے گئے۔ کمسن راجکنور دیوراج
بھی انہیں میں شامل تھا لیکن وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ ان مکار دغاباز دشمنوں سے نظر
بچا کر بھاگ کھڑا ہوا اور پروہت کے گھر میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ لیکن براہا نے وہاں بھی تعاقب
کیا اور جب کوئی صورت پناہ کی نہ رہی تو نیکدل پروہت نے جو راجکنور کی بھولی بھولی دلفریب
صورت پر حقیقی والد سے بڑھ کر شیدا تھا رحم کھا کر ایک عجب تدبیر یہ کی کہ اُس کے گلے میں زنار
ڈالدیا تاکہ سب لوگوں کی یہ بدگمانی رفع ہو جائے اور کوئی اُسے دیوراج نہ سمجھے ساتھ ہی مزید
اطمینان کے لئے سب کے سامنے وہ دیوراج کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانے کے لئے بیٹھ
گیا۔ تاکہ لوگ اسکو برہمن خیال کریں۔ دیوراج مدتوں ملک براہا میں پوشیدہ رہا لیکن نہایت
جرات و ہمت سے نکلکر وہ اپنے نانا کے دارالریاست بوتا میں پہنچا اور اُسے نہایت خوشی حاصل
ہوئی جب اس نے اپنی پیاری ماں بوتا کی راجکماری کو زندہ پایا۔ بدنصیب ماں نے بھی اپنے بچھڑے
ہوئے فرزند کے دیدار فرحت آثار سے اپنی آنکھیں روشن کیں ؛

دیوراج نے چند دن کے بعد اپنے نانا رئیس بوتا سے درخواست کی کہ تھوڑی سی زمین مکان
بنانے کے لئے وہ اُسے عطا کرے۔ چنانچہ ریاست کی طرف سے وعدہ کیا گیا کہ یہ درخواست پوری
کی جائیگی اور ایک موضع دیا جائیگا۔ لیکن رئیس بوتہ کے رشتہ داروں نے اُسے سمجھایا کہ آستین
میں سانپ پالنا اچھا نہیں۔ راجہ بوتا بھی مطلب کی بات سمجھ گیا اور راجکنور کی درخواست پر حکم
دیا کہ اُسے ایک چرسے کے برابر زمین مل سکتی ہے لیکن وہ بھی آبادی میں نہیں بلکہ دارالریاست
سے دور ویران جنگل میں عطا ہوگی۔ راجکنور دیوراج نے یہ بھی منظور کیا اور ایک چرسہ لیکر اس
کا روده بنایا اور جب اُس سے زمین ناپی تو کوسوں کا وسیع میدان اُس میں آگیا۔ دیوراج نے
لنکیا نامی معمار کو حکم دیا کہ وہ اس ویران جگہ پر ایک خوشنما مگر مضبوط قلعہ طیار کرے۔ اور اُس

…کا نام دیوگڈھ رکھا۔ ابھی قلعے کی تعمیر پوری نہیں ہوئی تھی کہ مخبروں نے جاکر راجہ بوتا کو خبر کی …جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ دیوراج بجائے مکان کے ایک قلعہ تعمیر کر رہا ہے تو اس نے فوج کو حکم دیا کہ جاکر اُسے منہدم و مسمار کر دیں۔ چنانچہ ایک سو بیس سردار یہ کام سرانجام دینے کیلئے …مقرر ہوئے اور جب وہ قلعہ مذکور کے قریب پہنچے تو ذکی الطبع دیوراج نے اپنی والدہ راجکماری بوتا … مع قلعہ کی کنجی کے بھیجا اور اس امر سے اطاعت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ دس …دس آدمی تشریف لائیں جب دس دس کی جماعت قلعے کے اندر آئی اُس نے اُنہیں تہ تیغ …بے دریغ کیا اور اس طرح تمام فوج قتل ہوئی"۔

چند دنوں کے بعد راجہ دیوراج کے پاس وہ نیکدل جوگی (پروہت) جس نے برا ہیں … پناہ دی تھی آیا"۔ راجہ نے اُس کی نہایت تعظیم و توقیر کر کے کشادہ دلی کیساتھ اس امر کا ثبوت …دیا کہ بہادر اپنے محسنوں کا احسان کبھی نہیں بھولتے۔ اور "سدھ" کا معزز خطاب بھی جوگی مذکور کو …عطا کیا"۔ اِس جوگی سے دیوراج کو گونہ بے تکلفی اور اُنس بھی تھا ایک دن وہ اسکی فرودگاہ پر …گیا۔ لیکن جوگی موجود نہ تھا کسی کام کو باہر گیا ہوا تھا اُسکی جھولی البتہ رکھی ہوئی تھی۔ لکھا ہے …جوگی مذکور کو کیمیا کا بڑا شوق تھا اور یہ جھولی بھی اُسی کے لوازمات سے پُر تھی۔ دیوراج اس کے …خواص سے بالکل بے خبر تھا۔ لیکن جھولی کے پاس ہی جو پیالی کشتہ سے بھری رکھی تھی اُس کا …ایک قطرہ خنجر پر اتفاق سے گر پڑا۔ قطرہ گرتے ہی لوہے کا خنجر بالکل سونا بن گیا"۔ دیوراج یہ تماشا دیکھ …کر بڑا متعجب ہوا۔ اور دونوں چیزیں لے کر وہاں سے اڑ گیا۔ دراصل اِسی کشتے سے دیوراج نے …اپنی دولت حاصل کی۔ جو دیوراول جیسے پائدار اور مستحکم قلعے کی مصارف کو کافی ہو سکی جب جوگی …واپس آیا تو اُس نے دونوں چیزوں کو نہ پایا۔ لیکن وہ اپنے چور سے اچھی طرح واقف تھا۔ خود …اُٹھ کر راجہ کے پاس آیا اور محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں خود ہی یہ دونوں چیزیں عطا کرتا ہوں …بشرطیکہ تم میرے مرید ہو جاؤ اور وفاداری کے اظہار میں جوگ کی کوئی خاص علامت بھی قائم رکھو"۔ …راجہ نے دلی خوشی سے یہ بات منظور کی اور جوگی کا مرید بن گیا ساتھ ہی گیروے رنگ کی پوشاک …زیب تن کی اور کانوں میں آویزہ بھی لٹکائے لنگوٹا کسا۔ گلے میں کفنی ڈالی اور … ہاتھ میں … لیکر بھیک … اپنے رشتہ داروں کے مکانوں میں صدا لگاتا ہوا پہنچا۔ جنہوں نے اُسکی جھولی … فرزند … کا خطاب بھی تبدیل ہوا اور بجائے اُس کی "راول" اختیار کیا گیا۔ جوگی … نے جن کی اولاد … یہ جوگ کی رسم پشتہا پشت تک اسی طرح جاری رہیگی۔ آپ کسی طرف کو…

تعمیر قلعہ سے فراغت کر کے راول نے قوم براہا کی قرار واجبی گوشمالی کا ارادہ کیا اور نہایت جرأت
کے ساتھ اُن پر فوج کشی کی اور اپنے تمام ارادوں میں کامیاب ہوا اور اس قدر اُنہیں ذلیل کیا کہ عورتوں
کے سر سے چادریں تک اُتار لیں۔ پھر دیوراول (قلعے) کی واپسی کے وقت قوم لنگاہا پر لشکر کشی
کی رئیس لنگا اُن دنوں اپنی شادی کے کاروبار میں مشغول تھا اور ازدواج کی رسم پوری کرنے کے
لئے جا رہا تھا۔ موقع پاکر دیوراج نے حملہ کیا اور ایک ہزار آدمی قوم لنگاہا کے مارے گئے یا قیماندوں
نے اطاعت اختیار کی۔ اِن دنوں جھموں سے فراغت کر کے دیوراج اپنے قلعے میں آرام سے چند
دن بھی نہ بیٹھنے پایا تھا۔ کہ موداجو قلعہ دیوراول سے جانب جنوب واقع ہے اور جس کا دارالریاست
مقام پوربروا ہے اُس کے چند معزز عہدہ دار آئے اور اُسے ترغیب دی کہ ہم آپ کی شادی
نربھان رئیس مودا کی راجکماری سے منظور کراتے ہیں اور آپ اِس بہانے قلعے میں داخل ہو کر مودا
والوں کو نکالدیں اور قلعے پر قابض ہو جائیں۔ دیوراج نے یہ درخواست منظور کی۔ شادی کی درخواست
بھی نربھان نے قبول کر لی اور جب دیوراج دولہا بن کر مع اپنی بارہ ہزار فوج کے قلعے میں داخل
ہوا تو تلوار کھینچکر اہل قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ اور تھوڑی سی دیر میں ہزاروں کو خاک و خون میں ملا کر قلعہ
مودا پر قابض ہو گیا۔ اور ساتھ ہی رئیس لودا کی راجکماری سے شادی بھی کی۔ پھر ایک دستہ قلعہ لودا
کی نگہداشت کے لئے مقرر کیا اور آپ قلعہ دیوراول کی طرف مراجعت کی اب وہ اپنے خداداد
شجاعت اور قوت بازو سے چھپن ہزار سوار اور ایک لاکھ شتر کا مالک تھا۔

اسی اثنا میں ایک اور سانحہ پیش آگیا۔ دیوراول کا کوئی تاجر جس کرن نامی دھارانگر میں
وارد ہوا جسے شہر مذکور کے راجہ برج بھان پوار نے گرفتار کر لیا۔ اور کل مال و اسباب ضبط کر کے
رہائی دی۔ جس کرن جب اپنے وطن مالوف میں آیا تو راجہ کو اپنی غم بھری کہانی سنا کر قید کی نشانیاں
جو ابھی تک اُس کے جسم پر باقی تھیں دکھائیں۔ راجہ کو نہایت طیش آیا اور اُس نے قسم کھائی کہ جب
تک اس بے حرمتی کا معاوضہ دھارانگری کے راجہ سے نہ لیگا اُس وقت تک پانی نہ پئے گا۔ قسم
کھانے میں راجہ نے بہادرانہ لاپرواہی سے کام لیا ورنہ اُس کے دارالریاست سے دھارانگری
دور دراز فاصلے پر تھی جہاں بے آب و دانہ اسقدر جلد پہنچنا کسی ذی حیات کے لئے امر ناممکن تھا
سے دور ویران جنگل ہولت نے ایک مصنوعی دھارانگری خام عمارت تعمیر کی اور تجویز ہوئی کہ اُسپر فوج کشی
کار ووہ بنایا اور جب آیا جائے لیکن جیسلمیر کی شاہی فوج میں قوم ہواڑ بھی تھی انکی وطنی حمایت اور قومی حمیت جوش میں
لنکیا نامی معمار کو حکم دیا کہ وہ لوگ جو دھارانگری کے اصل باشندے تھے اور ترک وطن کر کے جیسلمیر میں آ رہے تھے اور راول کی ملازمت کرلی تھی

مصنوعی دھارانگری کی عزت جو اُنہوں نے اصلی کے برابر سمجھی۔ اُس کی حفاظت کے لئے آمادہ ہو گئے اور جس وقت راول کی فوج نے نقلی دھارانگری پر حملہ کیا تو یہ دلاور تیج سی اور سارنگ کی ماتحتی میں نہایت جوانمردی کے ساتھ مقابلہ میں لڑے اور آخر کار ایک سو بیس جو ان قوم و وطن کی محبت پر قربان ہو کر شجاعت کی بے نظیر مثال قائم کر گئے۔ فیاض راجہ اُن کی بہادری سے بہت خوش ہوا اور اُنکی بیوہ کے لئے پرورش کا انتظام کر دیا۔

دیوراج اپنی قسم پوری ہونے سے بہت مسرور ہوا۔ لیکن اُس کا شجاع دل اس مصنوعی طور پر قسم کے پورا ہونے سے دراصل خوش نہ ہوا بلکہ اُس نے اس کھٹکتے ہوئے خلش کے مٹانے کے لئے فوج کو طیار ہونے کا حکم دیا اور جب وہ اپنے ضروری ساز و سامان سے طیار ہو چکی تو دھارانگری کی جانب روانہ ہوا۔ اور شہر کا باقاعدہ محاصرہ کر لیا۔ راجہ برج بھان نے بھی اپنی دارالریاست کی حفاظت کا کافی انتظام کیا۔ اور نہایت شجاعت و دلیری کے ساتھ اپنے حریف کا مقابل ہوا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ اُس دن زمین نے اپنا خاکی لباس بدل کر سُرخ پوشاک پہنی۔ گھوڑوں کی تیز رفتاریوں سے میدان جنگ میں گرد نے اُٹھ اُٹھ کر ایک گھٹا چھا دی تھی اور بہادروں کی چمکتی ہوئی تلواریں تڑپتی ہوئی بجلیوں کا سماں دکھا رہی تھی۔ راجپوتی خون کا ایک دریا بہ رہا تھا اور بہادروں کے سر گر گر کے اس میں حباب آسا تیر رہے تھے۔ آخر کار راجہ برج بھان مع آٹھ سو فوجی سپاہیوں کے میدان جنگ میں مارا گیا۔ کامیاب دیوراج نے فتح و ظفر کا نشان بلند کیا اور نصرت کے نقارے پر چوٹ پڑی۔ اس مہم سے فارغ و شاد کام ہو کر راجہ دیوراج نے اپنے مقبوضہ لودروا کی طرف مراجعت کی اور عیش و عشرت کے چند دن اس کے قلعے میں بسر کرکے اُن آنکھوں کو جو ہمیشہ میدان رزم کی جویاں رہتی تھیں بزم آرائی کا دل خوش کن تماشا دکھایا۔ اس بہادر راجہ کی فتوحات نہایت کامیابی کے ساتھ ہوتی گئیں اور اس کی ریاست میں ایک سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ اس نے جس قدر ملک عزت اور سپاہ حاصل کی وہ صرف اپنے حسن تدبیر اور فقط اپنے قوت بازو۔ خداداد بہادری اور بے نظیر شجاعت سے حاصل کی ورنہ اُس کی ابتدائی بے بسی کی حالت جبکہ وہ ایک جوگی کے گھر میں پناہ گزیں ہوا تھا دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہی مُشت خاک ایک دن تخت و تاج کی مالک ہوگی اور ساٹھ ستر ہزار کے قریب بہادر سپاہی اس کے حکم پر اپنا سر جُھکا کر دلی اطاعت کا ثبوت دیا کرینگے راجہ دیوراج کے دو فرزند تھے مونڈ اور چھید۔ چھید و قوم براہا کی رانی سے پیدا ہوا تھا اور اس کے پانچ فرزند تھے جن کی اولاد چھیدو

راجپوت کے نام سے مشہور ہے۔ علاقہ کھدال وغیرہ میں راجہ دیوراج نے اکثر پختہ تالاب رفاہ عام
کے لئے بنواکر اپنی دریادلی کا ثبوت دیا ہے ؛

شہر تنوت میں بھی دو تالاب بنوائے ہیں جو تنوت سرا اور دبہ سر کے نام سے مشہور ہیں۔ بہادروں
کی موت بھی اگر میدان جنگ میں ہو تو خوش قسمتی سمجھی جاتی ہے۔ راجہ دیوراج کو یہ بات نصیب
ہوئی ایک مرتبہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ ایک قریبی جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے گیا وہاں سو اتفاق
چنار اجپوتوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ گروہ ابھی تک اس کے قابو میں نہ تھا۔ راجہ کے ہمراہیوں کی تعداد
حریف کی تعداد سے بہت ہی کم تھی چنانچہ تھوڑی دیر کی جنگ میں بہادر راجہ دیوراج مع اپنے پچیس
ہمراہیوں کے دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اس کی پوتر روح بہشت بریں کو سدھاری۔ اس
اولوالعزم راجہ نے پچپیس سال حکمرانی کی ؛

موند اور چید دو دیوراج کے دو فرزند تھے باپ کے بعد موند مسند نشین ہوا۔ ارکان دولت و روسائے
ریاست نے نذریں گذاریں۔ راج سنگھاسن کی ضروری رسمیات ادا کرنے کے بعد موند نے
فوراً ہی اپنے باپ کے قاتلوں پر فوج کشی کی اور اُنکے آٹھ سو آدمی تہ تیغ کرکے دل کا
بخار ہلکا کیا ؛

موند کا بیٹا باچیرہ تھا جب وہ چودہ برس کا تھا تو بلب سین سولنگی والئے پالن نے
اپنی لڑکی کا ناریل بھیجا۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی مگر تھوڑے دنوں بعد ہی باپ بیٹا
یکے بعد دیگرے راہی ملک بقا ہوئے ؛

باچیرہ کے پانچ فرزند تھے ان میں سے سنگھ مسند نشین ہوا۔ مگر اس کے زمانہ حکومت کا کوئی
واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ سنگھ کے بعد اس کا بھائی دوساج مسند نشین ہوا۔ اس کے دو لڑکے
تھے جیسل اور بجے راج اور تیسرا بیٹا بجے رائے عالم ضعیفی میں میواڑ کی رانی راناوت سے ہوا جسکو سرداران
و اہلکاران نے دوساج کے بعد مسند نشین کیا۔ بجے رائے کے بعد بھوج دیو لودرہ میں مسند نشین
ہوا مگر اس کے چچا جیسل نے اس کے خلاف سازش کی مگر سولنگی راجپوت اسکی پشت پر تھے جیسل کا
قابو نہ چل سکا ؛

یہ وہ وقت تھا جب راجہ پٹن ٹھٹھہ میں بادشاہی فوج کے ساتھ نبرد آزما تھا۔ آخر راجہ پٹن
کو شکست ہوئی اور شاہ غور کی فوج فتح کے پھریرے اڑانے لگی۔ جب بادشاہ سندھ کی طرف روانہ
ہوا تو جیسل نے قدیم دارالریاست اروا میں بادشاہ سے ملاقات کی اور اس کی مدد سے لودورہ کا

یا۔ بھوج دیو قتل ہوا۔ اور اس طرح پر جیسل نے لودھورہ کی گدی حاصل کی ؛
ودھورہ کا مقام بالکل غیر محفوظ مقام تھا۔ جیسل نے سمت ۱۲۱۲ مطابق ۱۱۵۶ء میں ساون کی دوادشی
کے دن جیسلمیر کی بنیاد ڈالی۔ لودھورہ کے باشندے اپنا مال و اسباب لیکر وارد جیسلمیر ہوئے
جیسل کے دو بیٹے تھے ایک کیلن دوسرا سالباہن جیسل نے سوول قوم پاہو کی اولاد کو
ست مقرر کیا۔ اس کے عہد میں چنا قوم نے قدیم دشمنی کا بدلہ لینے کی نیت سے حملہ کیا۔ مگر
کھائی۔ اس واقعہ کے پانچ سال بعد جیسل کی زندگی دغا دے گئی اور سالباہن گدی
ہوا۔ کیلن عمر میں بڑا تھا۔ مگر اس نے وزیر پاہو کو رنجیدہ کر رکھا تھا۔ لہذا وہ راج گدی
کرنے میں کامیاب نہ ہوا ؛
تاریخ جیسلمیر میں سالباہن کا نام بہت مشہور ہے اس نے راؤ جگ بھان جھالور اور ارولی
ار پر حملہ کیا راؤ میدان جنگ میں کام آیا اور بہت سا سامان زر و جواہرات سالباہن
ھ آئے۔ اس فتح نے سالباہن کا نام دور دور تک مشہور کر دیا۔ سالباہن کے تین فرزند تھے
ر اور ہسو ؛
غزنی سے اخراج کے بعد جادو قوم بدری ناتھ جی کے پہاڑ پر قابض ہو گئی تھی۔ یہاں کے
کا کوئی وارث نہ تھا اسکی وفات پر ایلچی جیسلمیر میں آئے۔ تاکہ خالی گدی پر بٹھانے
طے کوئی شاہزادہ لے جائیں۔ چنانچہ ہاسو کو بھیجا گیا۔ مگر وہ پہنچتے ہی مر گیا۔ اس کے
نام بوجہ پلاس کے درخت کے نیچے پیدا ہونے کے پالاسیہ تھا اس کی ریاست اور قوم
بھی پلاسیہ مشہور ہوا ؛
کچھ عرصہ بعد مانسی دیورہ والئے سروہی نے سالباہن کو نار جیل بھیجا۔ سالباہن اپنے بیٹے
بجر کو گدی سونپ کر شادی کرنے گیا مگر دھا بھائی نے مشہور کر دیا کہ وہ راستہ میں شیر کے
سے مارا گیا ہے۔ بیجر اس کے بہکانے میں آگیا اور راجہ بن بیٹھا۔ سالباہن واپس آیا۔ تو
نے گدی دینے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً اس نے کھدال کی راہ لی۔ مگر راستہ میں معہ ہمراہیوں
بلوچوں کے ہاتھ سے مارا گیا ؛
بجر نے بھی مدت تک سلطنت نہ کی۔ ایک دفعہ کسی بات پر خفا ہو کر دھا بھائی کو مار بیٹھا۔ جو
اس نے بھی مار پیٹ کی۔ بیجر اس ذلت کو گوارا نہ کر سکا اور خودکشی کر لی ؛
اب سالباہن کا بڑا بھائی لیکن جو پاہو وزیر کی چالاکی سے تخت سے محروم

ہوا اور اس نے پچاس برس کی عمر میں مسند حکومت کو رونق بخشی - اس کے عہد میں خضر خاں بلوچ نے سندھ کو عبور کر کے علاقہ کھدال چڑھائی کی مگر کیلن نے سات ہزار راجپوتوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور بڑی خونریز لڑائی میں اس کو قتل کر کے نمایاں فتح حاصل کی۔ کیلن ۱۹ برس تک حکمران رہا ٭

۱۴۳۰ء میں چیچک دیو مسند نشین ہوا اس نے چنا راجپوتوں پر فوج کشی کر کے ان کے دو ہزار آدمی قتل کئے اور چودہ ہزار مویشی چھین لئے۔ مغلوب جماعت نے جوہیوں کے پاس پناہ لی اس کے بعد چیچک دیو نے رانا ارسی کے ملک پر حملہ کیا۔ ارسی نے چار ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ کر پیچھا چھوڑایا۔ اب راٹھوروں نے جو علاقہ کھیر میں آباد ہو گئے تھے شرارت شروع کر دی۔ چیچک دیو نے حملہ کر کے انکی بھی خوب خبر لی اور جھسول اور بالوترہ کا قبضہ حاصل ہوا۔ اس نے ۳۲ سال تک حکومت کی اس کے بیٹے نے جس کا نام تیج راؤ تھا۔ ۴۲ سال کی عمر میں وفات پائی اس کے دو لڑکے تھے بڑے کا نام جیتسی اور چھوٹے کا کرن تھا۔ چیچک دیو کو کرن سے بہت محبت تھی اس لئے مرتے وقت اس نے رؤسائے قوم کے مشورہ سے اسی کو اپنا جانشین مقرر کیا ٭

کرن کے مسند نشین ہونے پر جیتسی ملک چھوڑ کر گجرات کو چلا گیا ان دنوں میں مظفر خاں جوناگوہ پر قابض تھا بڑے زور میں تھا اس نے بھگوتی داس بھومیہ سے جوناگور سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر رہتا تھا دختر طلب کی۔ اس کے پاس صرف ۵۰ اسو سوار تھے۔ اس نے تاب مقابلہ نہ لاکر ترک وطن کا ارادہ کیا اور اپنے عیال و اطفال اور مال و اسباب کو لیکر جیسلمیر کو روانہ ہوا۔ مظفر خاں نے خبر پا کر اس پر حملہ کیا۔ اور بھومیہ کے چار سو آدمی قتل کر کے اس کی لڑکی و دیگر عورات کو گرفتار کر کے لے گیا۔ بھگوتی داس نے جیسلمیر میں پہنچ کر کرن سے اپنی مصیبت اور بے عزتی کی فریاد کی۔ کرن مظفر خاں پر حملہ آور ہوا۔ اور معہ تین ہزار آدمیوں کے قتل کر کے بھومیہ کو اس کی جاگیر پر از سر نو قائم کیا ٭

کرن نے اٹھائیس برس تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا لکھمن سین گدی پر بیٹھا۔ یہ بڑا سادہ لوح تھا۔ ایک رات جنگل سے گیدڑوں کے چلانے کی آواز سنکر اہلکاروں سے دریافت کیا کہ یہ کیوں چلاتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ انکو سردی ستاتی ہے اس لئے چیختے ہیں۔ حکم دیا کہ ان کے لئے روئی دار دگلے تیار ہوں۔ دوسرے دن پھر آواز آئی حکم دیا۔ کہ ان کے لئے مکانات بنوائے جائیں۔ جن میں سے بعض اب تک بھی قائم ہیں اس نے صرف

برس حکومت کی اس کے بعد اس کا بیٹا پون پال مسند نشین ہوا مگر بڑا تند مزاج تھا سرداروں
اسکو بیدخل کر کے مخروج جیتسی کو گجرات سے طلب کیا۔ اور پون پال کی اولاد پوگل میں
تقسیم ہوئی ؀

پسران جیت سی

۱۲۷۶ء میں جیت سی گدی نشین ہوا یہ راجپوتوں کے خاندان ماضی میں اپنے عزم میں لاجواب
قسمت میں انتخاب ہو گذرا ہے قسمت سے اِسے دو فرزند بھی ایسے ہی عطا ہوئے جو ایک اجداہانی
زینت ہو سکتے ہیں۔ ایک کا نام مولراج تھا۔ جس کے فرزند دیوراج کی شادی سونگرا رئین جھالور
خوبصورت راجکماری سے ہوئی تھی اور دوسرا "رتن سی" کے نام سے مشہور تھا سونگرا راجکماری
جس سے دیوراج کے تین بیٹے جنگن۔ سرون۔ ہمیر پیدا ہوئے۔ یہ وہی جنگ جو بہادر ہمیر
جس نے کمبوسین مہو والے پر حملہ کر کے نہایت جرأت سے اُس کے کل علاقے کو لوٹ لیا
اس کے بھی تین فرزند جیتو۔ مونکرن۔ میرو نام پیدا ہوئے ؀

جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ وہ وقت تھا۔ جب کہ رانا روپ سی پر ہار والئے مندور
شاہ (خونی) نے لشکرکشی کی تھی اور وہ شکست کی حالت میں بھاگ کر راول کے پاس پناہ
گزین ہوا اور راول نے اُسے رہنے کے لئے مارو عطا کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ سلطان علاؤالدین
خلجی نے ہند کے قلعہ جات سے جنگ شروع کی تھی۔ دہلی اُس کا پایہ تخت تھا اور ٹھٹہ وملتان
کا خراج پندرہ سو گھوڑے پندرہ سو اونٹ بار ہو کر دہلی کو جاتا تھا۔ اس سال یہ خراج کی رقم
لئے ہوئے محافظ مغل اور پٹھان سوار جنکی تعداد چار سو کے قریب تھی مقام بکھر میں قیام
تھے کہ پسران جیتسی نے یہ ارادہ کیا کہ کسی تدبیر سے پوشیدہ طور پر جا کر ان محافظان خزانہ
مقابلہ کیا جائے۔ اور خزانہ کو اپنے تصرف میں لے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے سات ہزار گھوڑے
ہزار اونٹ ہمراہ لے کر سوداگروں کا بھیس بدلا اور غلہ فروشی کا بہانہ کر کے منزل مقصود کی طرف
ہو گئے۔ خزانہ اور اس کے محافظین کا رُخ دہلی کیجانب تھا عین رستہ میں ان بہادر غلہ فروشوں
مڈبھیڑ ہوئی۔ جنہوں نے ملتے ہی آبدار تلواریں نیاموں سے کھینچ لیں پٹھان اور مغل اگرچہ
میں تھے۔ کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ لیکن پھر بھی میدان کے سپاہی تھے دوسرے خزانے کی محافظت

کا نازک کام اُن کے سپرد تھا۔ جسکی ذمہ واریوں کے مقابلہ میں اُنہیں اپنی جان بھی عزیز نہیں ہوسکتی
تھی۔ آخر خوب دل کھولکر لڑے۔ لیکن بہادر راجپوتوں نے ایک ایک کو تلوار کی باڑھ اور خنجر کی
دھار پر رکھ لیا اور تمام مال و متاع اور جواہرات بیش بہا کو اپنے ساتھ قلعہ جیسلمیر میں لے گئے؛
لیکن دو ایک نیم جان جنہیں معرکہ خوف و خطر سے بچکر دہلی جانا نصیب ہوا شاہی دربار میں
پہنچے اور خزانہ لٹ جانے کا مفصل حال گوش گذار کیا۔ یہ ماجرا سنتے ہی سلطان کی آنکھیں سرخ
ہوگئیں۔ چہرہ تمتما اُٹھا اور غضبناک ہوکر ہونٹ چبانے لگا۔ آخر دل کا بخار الفاظ بن بن کر زبان
سے نکلنے لگا۔ اُسی وقت سپہ سالار کو تیاری فوج کا حکم دیا اور بادشاہ خود افسر اعلےٰ بنکر جیتسی کے
مقابلہ کو روانہ ہوا؛

جب راول جیتسی کو یہ بات معلوم ہوئی کہ سلطان علاؤالدین دہلی سے روانہ ہوکر اجمیر میں آ
پہنچا ہے اور عنقریب ہی قلعہ جیسلمیر کا محاصرہ کیا چاہتا ہے تو اُس نے غلہ اور ضروریات زندگی کی
چیزیں جمع کیں اور بہت سے پتھر فصیل قلعہ کے اردگرد اکٹھا کرا دیئے تاکہ وقت حاجت اُن
سے دشمن کی سرکوبی بخوبی کی جاسکے۔ خاندان کی تمام جوان اور حسین رانیاں دور جنگل میں بھیجدیں
تاکہ راجپوتوں کی قابل قدر عصمت پر کوئی بدنما دھبہ نہ آئے۔ بڑے بڑے عالیشان محل مسمار کر
دیئے گئے۔ شہر بالکل ویران ہوگیا اور بجائے آبادی کے چاروں طرف ہو کا عالم نظر آتا تھا۔ دار
الریاست کی تمام رونق اور زیبائش جس سے پژمردہ مسافر بھی تھوڑی دیر کے لئے شگفتہ ہو جاتے
تھے بالکل خاک میں مل گئی۔ قلعہ کے اندر صرف راول اور دونوں راجکنور مع پانچ ہزار بہادروں
کے رہ گئے دیوراج اور ہمیر قلعے کے باہر فروکش ہوئے اور انہوں نے اپنے لئے کچھ فوجی جوان بہادر
منتخب کر لئے ان کا ارادہ یہ تھا کہ بیرونی حملوں سے دشمن کو پسپا اور عاجز کرنے کی کوشش کریں؛

سلطان علاؤالدین جس کی سرکردگی خاص میں یہ تمام لشکر دریا پیکر راجپوتانہ میں داخل ہوا
تھا۔ خود تو اجمیر ہی میں مقیم رہا اور لشکر مذکور کو جس میں کثرت سے خراسانی اور قریشی تھے۔ قلعے
کے محاصرہ کے لئے بھیجا۔ چھپن مورچے قلعے کے بالمقابل تیار کئے گئے اور اُنکی محافظت کے لئے
تین ہزار سات سو بہادر مقرر ہوئے اور دو ہزار فوج صرف کمک کے طور پر زائد رکھی گئی۔ مورچے تیار
کرنے کے ساتھ ہی پہلے ہفتہ میں سات ہزار مسلمانوں کے رسالے یکے بعد دیگرے قتل ہوئے
ان دنوں میر محبت اور علیخاں میدان جنگ میں تھے۔ راجپوتوں کی اس بے نظیر قوت سے جو قلعے
میں بیٹھے بیٹھے ہی نظر آتی تھی مسلمان سخت گھبرا گئے اور کچھ عیب نہیں اگر وہ اس فتح کو ہمیشہ

[illegible]الوداع کہتے لیکن اِدہر اُدہر سے دیوراج اور ہمیر کی فوجیں اُن کی سرکوبی کے لئے تیار تھیں [illegible]بجائے خود اُن کا اپنا محاصرہ چاروں طرف سے کیا جا چکا تھا۔ آخر دو سال تک وہ اپنی جگہ سے [illegible] حرکت نہ کر سکے۔ اُن کی رسد گاہوں کے راستے اِن بہادر شیروں نے ہر جانب سے بند کر رکھے [illegible] آٹھ برس تک یہی کیفیت رہی کہ برابر محاصرہ جاری رہا۔ اِسی اثنار میں راول جیت سی نے [illegible]ٹھارہ سال کی حکمرانی کر کے وفات پائی اور قلعہ کے اندر ہی اُس کی لاش جلائی گئی۔ چونکہ محاصرہ [illegible] بہت زیادہ ہو گیا تھا اور محاصرہ گیر سرداروں کو اب اس میدان میں وطن کا مزہ آتا تھا۔ [illegible] کی جو جیت سنگھ کا خوش مزاج فرزند تھا محبوب خاں اور اُس میں انتہا خوش خلقی اور بے تعصبی [illegible] دوسرے باہمی تعلقات پیدا ہو گئے اور اُن میں روزانہ ترقی ہی ہوتی گئی۔ دونوں میں سے کسی کو [illegible]یال نہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اور دونوں اِس غرض کی تکمیل کے لئے اپنی اپنی [illegible] فدا کر دیں گے۔ بلکہ یہ دونوں محبت کرنیوالے دوست درخت کھجور کے نیچے لشکر سے دور ملاقات [illegible]کرتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ تھوڑے تھوڑے آدمی ہوتے تھے۔ دونوں بیٹھکر کبھی محبت [illegible] کی باتیں کرتے تھے۔ کبھی شطرنج کھیل کر دل بہلاتے تھے۔ بادشاہ کو اس دوستی کا حال [illegible]م ہو گیا اور اُس نے نہایت عتاب آمیز پیام نواب محبوب خاں کو بھیجا کہ ہمیں محاصرہ کے [illegible] دینے کا سبب معلوم ہو گیا۔ اور خاص محبوب خاں کو حملہ کا حکم دیا۔" نواب محبوب خاں اب [illegible]مجبور تھا آخر اُس نے اپنے دوست سے کہا کہ کل ہم لوگ قلعہ پر حملہ کریں گے۔" چنانچہ نہایت [illegible] اور جوش کے ساتھ قلعہ پر گولہ باری کی گئی۔ لیکن قلعہ داروں نے اپنی حفاظت کا بھی کافی [illegible]سا کر لیا تھا۔ محاصر فوج کے بنائے کچھ نہ بن سکا اور قلعہ داروں کے حسن انتظام اور خوبی [illegible] سے نو ہزار شاہی سپاہ ہلاک ہوئی اور محبوب خاں کا باقیماندہ خستہ حال لشکر پسپا ہوا جب [illegible]شکست زبون کی خبر سلطان کو پہنچی تو اُس نے کمک کو دیگر سوار کافی تعداد میں روانہ کئے ایک [illegible] اس حالت میں بھی گذر گیا اب بڑی مشکل یہ تھی کہ قلعہ دار راجپوتوں کا سامان رسد بالکل مفقود [illegible]گیا تھا۔ آخر راول مولراج نے جو باپ کی وفات کے بعد ۱۲۹۴ء میں گدی نشین ہوا۔ اپنے معزز [illegible]وں اور اراکین ریاست کو جمع کر کے پوچھا کہ "اب تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟" سب نے متفق [illegible] کہا کہ بس اب "ساکھا" کرنا چاہیئے۔ اور سب نے یک زبان ہو کر اپنی جانبازی اور سر فروشی [illegible]قرار کیا۔"

یہاں تو یہ مشورے ہو رہے تھے اور اُدھر نواب محبوب خاں کے چھوٹے بھائی نے جسے رتن

سی مسلمانوں کے پسپا ہوتے وقت قلعے میں لے آیا تھا۔ جب قلعہ کی خستگی اور خرابی کی کیفیت مشاہدہ کی تو جاکر فوراً شاہی فوج کو اطلاع دیدی اور اُس نے دوبارہ قلعے کا محاصرہ کر لیا مولراج نے اپنے بھائی رتن سی سے کہ در اصل اُسی کی وجہ سے یہ تباہی قلعہ والوں پر آئی تھی دریافت کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ رتن سی جو نہایت مغموم تھا بولا کہ اب ساکھا کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہم سب اپنی جان اپنی جی داری پر نثار کردیں۔ اگر قوم کی آبرو اور ناموس کا پاس ہے تو ساکھا کرنا چاہیئے۔ مولراج نے دیگر عقائدین سے بھی رائے لی سب نے یک زبان ہو کر رتن سی کی تائید کی۔ اور سب قومی ناموس پر جان دینے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ رتن سی نے یہ تیاریاں دیکھ کر اپنے دو کم سن فرزندوں کو جو گرسی اور کنر کے ناموں سے نامزد تھے اپنے دوست محبوب خاں کے پاس بھیجدیا۔ اور نواب مذکور نے سچے دل سے اس امر کی قسم کھائی کہ وہ ہمیشہ اُنکی حفاظت کریگا۔ جب لڑکے اُس کے پاس پہنچ گئے، تو نہایت پیار و محبت سے پیش آیا، سر پر ہاتھ پھیرا اور رہنے کے لئے ایک مختصر سا خوشنما مکان آراستہ کر دیا۔ تعلیم و تربیت کے لئے دو ہوشیار سن رسیدہ برہمن مقرر کئے اب رتن سی فرزندوں کی طرف سے اطمینان کرکے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہوا ؛

تمام راجپوت آج جان دینے کے لئے آمادہ تھے اور دلی خوشی کے ساتھ اپنی قومی عزت پر نثار ہونے کو تمام دوستوں عزیزوں سے بچھڑتے تھے وہ کیسا دلسوز سماں تھا۔ جبکہ باپ اپنی چہیتی بیٹی سے جُدا ہو رہا تھا نہ صرف جُدا ہو رہا تھا بلکہ ایک نورانی تصویر حُسن کی دیوی کو خود اپنے ہاتھ سے خاک و خون میں ملا رہا تھا۔ وہ ناز و نعیم کی پروردہ خاتونیں جو دل کا سرور اور آنکھوں کا نور تھیں آج بیرحمی اور بے دردی کیساتھ قتل کی جارہی تھیں کیا یہ نظارہ کچھ کم افسوسناک ہے جب کہ باغبان خود اپنے گلشن میں آگ لگا دے اپنے گلشن کے بے کھلے غنچے توڑ توڑ کر بے دردی کے ساتھ پیروں سے کچل ڈالے اور اُسے ذرا سا ترس نہ آئے " پہلے تو جانبازراجپوتوں نے اپنا اپنا تمام مال و اسباب جمع کیا اور جو جو جلنے یا ڈوبنے کے قابل تھا اُسے آب و آتش کے حوالے کیا اور جو سامان کہ خراب ہونے والا نہ تھا اُسے زمین کے اندر دفن کر دیا۔ مولراج اور رتن سی نے جو مرنے کی آرزو میں سر بکف پھر رہے تھے۔ اپنے جان نثاروں سے متوجہ ہو کر کہا کہ بہادرو! مرنا تو ایک دن ضرور ہے خواہ آج ہو یا کئی دن بعد ہو مگر ہمیشہ کوئی زندہ نہیں رہتا۔ ہماری کیسی خوش قسمتی ہوگی کہ ہم جوانمردوں کی موت مریں اور ہماری نعش میدان جنگ میں صبا رفتار گھوڑے سے جس وقت گرے تو آفتاب کی سنہری شعاعیں اُس کی شاہد رہیں۔ بس اب

قلعے کے دروازے کھولدیئے جائینگے۔ ہمیں تلوار پکڑ کر بپر دشمن میں گھس جانا چاہیئے اور ہم یونہی بہشت بریں جو دائمی عیش و آرام کی جگہ ہے حاصل کرسکتے ہیں۔ ہاں جیسونگر کو اپنے کارہائے نمایاں سے نامور بنانا چاہیئے۔ اور خاندان جادو کی عزت اور ناموس کو بچانا ہر ایک رکن خاندان پر لازمی ہے۔ تمہارے اسلحہ اپنے راجہ کے کام میں بہت مضبوط ہیں۔ کون ہے جو تم سے زیادہ شجاع ہو۔ تمہارے ہاتھ میں تلوار اسی لئے ہے کہ میری عزت کو محفوظ رکھو۔ فوج کو یہ مؤثر تقریر سنا کر اور ان میں مرنے اور مٹنے کے جوش کی ایک تازہ روح پھونک کر دونوں بھائی محلسرا میں داخل ہوئے۔ اور پیاری رانیوں سے مخاطب ہوئے کہ لو اپنا سہاگ سنبھالو۔ اب ہم بہشت میں ملیں گے ہماری دلی آرزو ہے کہ ایمان و آبرو کی حفاظت میں یہ جان کام آئے اور یقیناً اُس آرزو کے پورا ہونے کا وقت اب آگیا۔" غرض یہ رات اسی جوش و خروش میں بسر ہوئی صبح ہوتے ہی سب چھوٹے بڑے بوڑھے زن و مرد جمع ہوئے اور سب نے ایک دوسرے کو نہایت حسرت مگر اطمینان کے ساتھ الوداع کہا چوبیس ہزار عورتیں اسی وقت مرنے پر آمادہ ہو گئیں کسی نے تو خنجر بُرّاں پر گلا رکھدیا۔ کسی تلوار کے گھاٹ عدم کی اجڑی ہوئی بستی میں چل بسی۔ کوئی کنوئیں میں ڈوب مری اور اکثر عورتیں چتا بنا کر جل گئیں آگ کے اُٹھتے ہوئے شعلے قلعے کی بلند دیواروں سے بھی اونچے ہو رہے تھے عجب حسرت ناک اور دہشت خیز سماں تھا۔ کہ روح قالب میں گھبرا رہی تھی۔

شیر دل راجپوت جب ان ضروری کاموں سے فارغ ہوئے اور خود اپنی کمائی اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا چکے تو انہوں نے غسل کیا اور نہایت خلوص کے ساتھ پوجا پاٹ اور دان پن سے فراغت کی۔ پھر زعفرانی پوشاک پہنی اور اسلحہ زیب تن کئے۔ خودوں میں تلسی کی پتیاں رکھیں گلے سے سانگ رام باندھا" اس آن بان اور شوکت و شان سے تین ہزار آٹھ سو بہادر آراستہ ہوئے۔ قلعے کے دروازے کھولدیئے گئے۔ اور سب کے سب ننگی تلواریں لئے ہوئے دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے نہایت زور و شور کے ساتھ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ راجپوتوں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ بس اب ہماری زندگی کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ اس لئے ان کی کوشش اپنی جان بچانے کی نہ تھی بلکہ تمام توجہ وہ دشمن کے خاتمے کے لئے صرف کر رہے تھے۔ بہادر رتن سی نے ایک سو سوار قتل کئے۔ اور مولراج نے صدہا کے سینے اپنی نوکدار برچھی سے مجروح کردیئے۔ غرض داد شجاعت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور جانبازی و سرفروشی کا اعلےٰ نمونہ راجپوتوں نے دکھایا۔ فتح انکی قسمت میں نہ تھی رتن سی تو پہلے ہی قومی محبت پر نثار ہوچکا تھا اب جادو کا راجہ مولراج بھی راہی ملک

عدم ہوا۔ باقیماندہ راجپوتوں نے جو میدان جنگ سے واپس ہونے کی قسم کھا چکے تھے بڑھ بڑھ کر تلواروں کے ہاتھ لگائے اور فن سپہ گری کے اعلےٰ جوہر دکھائے لیکن آخر کار ایک ایک کر کے جان بحق تسلیم ہوئے ؀

جیسلمیر کا قلعہ فتح ہو گیا اور مسلمانوں نے اُس پر قبضہ کیا۔ دیوراج رتن سی کے فرزند دلبند نے جو قلعہ کا بیرون دشمنوں پر جنگ آزمائی کرتا تھا بخار کا شکار ہو کر وفات پائی ؀

۱۲۹۵ء کی تاریخوں میں یہ دردناک واقعہ یادگار رہے گا۔ دو سال تک شاہی فوج قلعے میں مقیم رہی پھر اُسے چھوڑ دیا اور اُس کے دروازے بند کرا کے عالیشان عمارت کو مسمار کرا دیا۔ مدتوں تک یہ قلعہ بالکل ویران پڑا رہا کیونکہ تباہ شدہ قوم بھٹی میں اتنی مقدرت نہ تھی کہ وہ اُس کی مسمار شدہ درودیوار اور کنگروں کو دوبارہ تعمیر کراتے ؀

اس واقعہ کے چند سال بعد جگمل خلف مالوجی راہٹور رئیس میہوہ نے جیسلمیر کے کھنڈرات کو آباد کرنا چاہا مگر دودو اور تلکسی فرزندان جیسلمیر نے اچانک ان پر حملہ کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ رسد کا کل ذخیرہ ان کے ہاتھ آیا اور دودو نے راول کا خطاب اختیار کر کے جیسلمیر کی آرائش کی طرف توجہ کی۔ اس کے بہادر بھائی تلکسی نے بھی بلوچ منگولیے۔ جہودا اور دیورا کو زیر کر کے آبو اور جھالور کی لڑائیوں میں فتح حاصل کی۔ اجمیر تک اوٹ مار کی اور راناساگر سے فیروزشاہ کے گھوڑے چھین لئے۔ فیروزشاہ نے جیسلمیر پر چڑھائی کی۔ محاصرے میں پھر ساکا اور جوہر کی کاروائی نے ریاست کو تباہ و برباد کر دیا۔ سولہ ہزار راجپوت عورتیں آگ میں جل کر مر گئیں۔ دودو اور تلکسی میدان جنگ میں کام آئے رتن سی کے دو فرزند گرسی اور کنیر محبوب خاں کے بیٹوں کے پاس تھے دودو کی وفات کے بعد کنیر نے پوشیدہ طور پر جیسلمیر کی راہ لی اور گرسی علاقہ ہوہ واقعہ مغرب میں گیا اور بملادیوی ہمشیرہ راہٹور سے شادی کی اس شادی میں سولنگ دیو بھی اس سے ملنے آیا اور گرسی کو اپنے ساتھ بادشاہ دہلی کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے شاہ خراسان کی بھیجی ہوئی ایک کڑی کمان امتحاناً اس کے ہاتھ میں دی۔ گرسی نے کمان کو کھینچ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا اور جب تیمور نے دہلی پر فوج کشی کی تو اس معرکہ میں گرسی نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بادشاہ نے جیسلمیر کی از سرنو تعمیر کی اجازت دی اس کے رشتہ دار جگمل مہوو والے نے اسکی حکومت واپس کر کے ریاست کے انتظام اور فوج کی آراستگی میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ اور تمام ہم قوم اس کے متفق ہوئے جیسلمیر کی اولاد نے اتفاق نہ کیا۔ دیوراج کی شادی رہ پیرہ دختر راناممندور سے ہوئی تھی اس سے

[illegible]پیدا ہوا۔ جب سلطان کی فوج نے جیسلمیر کا محاصرہ کیا تو اسکی ماں اسکو لیکر سندور میں چلی گئی لڑکے
[illegible] اس وقت صرف بارہ سال کی تھی اور چرواہوں کے ساتھ گائے بھینس چرانے کے لیے جنگل
[illegible] چلا جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ میدان میں سویا پڑا تھا کہ ایک سیاہ سانپ نے نکلکر اپنی پھن
[illegible]س کے چہرہ پر سایہ کر دیا۔ اتفاقاً ایک چارن کا اس جگہ گذر ہوا۔ اس نے رانا کے پاس جاکر فوراً
[illegible]ال بیان کیا۔ وہ دوڑا آیا اور اپنے نواسہ کی یہ حالت دیکھ کر خوشی سے چلا اٹھا کہ یہ ضرور صاحب
[illegible]بال لڑکا ہوگا ۔

گرسی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ کل قوم کے بچے طلب ہوئے تا کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کرے
[illegible]ہر کا اقبال ترقی پر تھا۔ سب نے اسی کو ترجیح دی۔ مگر جیسر کی اولاد ناراض ہو گئی۔ گرسی نے ایک
[illegible]ب بنوانا شروع کیا تھا اور ہر روز اس کو دیکھنے جاتا تھا۔ مخالفوں نے بے خبری میں حملہ کر کے
[illegible]س کو قتل کر دیا۔ بملادیوی نے اس خبر کو سنتے ہی کیہر کو مسند نشین کر دیا۔ مرتے وقت گرسی کے
[illegible] میں دو آرزوئیں تھیں۔ اول تو تالاب کی تکمیل۔ دوئم کیہر کی جان کی حفاظت۔ بملادیوی نے
[illegible] مہینے تک ان کاموں کو انجام دیا اور پھر کیہر کو جیسر کے بیٹوں یعنی جیتا اور لونکرن کی حفاظت
[illegible] دیکر خود ستی ہو گئی ۔

کیہر کے آٹھ بیٹے تھے اس کے بعد تیسرا بیٹا کیلن گدی نشین ہوا۔ اس نے بیاہ میں ایک قلعہ
[illegible] کرا کر اپنے باپ کے نام پر اس کا نام کیروہ رکھا۔ جوہیہ اور لانگھوں سے پھر جھگڑا پیدا ہو گیا۔
[illegible] خاں رئیس نے کیلن پر حملہ ہوا۔ مگر پسپا ہوا۔ اس فتح سے کیلن کا رعب جاہل۔ موہل اور جوہیہ
[illegible]بی جم گیا۔ اور اس کی حکومت پنج ند تک وسیع ہو گئی۔ کیلن نے سما جام کے ہاں شادی کر کے
[illegible] تمام تنازعات مٹا دیئے۔ جن کے سبب آئے دن کشت و خون گرم رہتی تھی۔ اس نے سما جام
[illegible] مددی تھی اس لئے وہ ہرروٹ میں آیا اور برس کے بعد راہی اکوڈ میں چاہوا۔ کیلن نے اس کے
[illegible]قہ سما کو قبضہ میں کر کے دریائے سندھ کو اپنی سرحد مقرر کیا۔ کیلن ۷۲ برس تک زندہ رہا اور
[illegible]چاچک دیو اس کا وارث ہوا ۔

چاچک دیو

چاچک دیو جب اپنے دلاور باپ کیلن کی جگہ گدی نشین ہوا تو اس نے مارو ت کو دار السلطنت قرار
[illegible] اور اس کا مطلب دار الخلافہ کے تبدیل کرنے سے صرف یہ تھا کہ وہ اپنے قدیمی دشمن رئیس ملتان کے

عدم ہوا۔ باقیماندہ راجپوتوں نے جو میدان جنگ سے واپس ہونے کی قسم کھا چکے تھے بڑھ بڑھ کر تلواروں کے ہاتھ لگائے اور فن سپہ گری کے اعلےٰ جوہر دکھائے لیکن آخر کار ایک ایک کر کے جان بحق تسلیم ہوئے ؎

جیسلمیر کا قلعہ فتح ہو گیا اور مسلمانوں نے اُس پر قبضہ کیا۔ دیوراج رتن سی کے فرزند دلبند نے جو قلعہ کے باہر دشمنوں پر جنگ آزمائی کرتا تھا بخار کا شکار ہو کر وفات پائی ؎

۱۲۹۵ء کی تاریخوں میں یہ دردناک واقعہ یادگار رہے گا۔ دو سال تک شاہی فوج قلعے میں مقیم رہی پھر اُسے چھوڑ دیا اور اُس کے دروازے بند کرا کے عالیشان عمارت کو مسمار کرا دیا۔ مدتوں تک یہ قلعہ بالکل ویران پڑا رہا کیونکہ تباہ شدہ قوم بھٹی میں اتنی مقدرت نہ تھی کہ وہ اُس کی مسمار شدہ در و دیوار اور کنگروں کو دوبارہ تعمیر کراتے ؎

اس واقعہ کے چند سال بعد جگمل خلف مالوجی راٹھور رئیس میہوہ نے جیسلمیر کے کھنڈرات کو آباد کرنا چاہا مگر دودو اور تلکسی فرزندان جیسلمیر نے اچانک ان پر حملہ کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ رسد کا کل ذخیرہ ان کے ہاتھ آیا اور دودو نے راول کا خطاب اختیار کر کے جیسلمیر کی آرائش کی طرف توجہ کی۔ اس کے بہادر بھائی تلکسی نے بھی بلوچ منگولیہ۔ جہودا اور دیورا کو زیر کر کے آبو اور جھالور کی سونگرا قوم پر نمایاں فتح حاصل کی۔ اجمیر تک لوٹ مار کی اور راناساگر سے فیروز شاہ کے گھوڑے چھین لئے۔ فیروز شاہ نے جیسلمیر پر چڑھائی کی۔ محاصرے میں پھر ساکا اور جوہر کی کاروائی نے ریاست کو تباہ و برباد کر دیا۔ سولہ ہزار راجپوت عورتیں آگ میں جلکر مر گئیں۔ دودو اور تلکسی میدان جنگ میں کام آئے رتن سی کے دو فرزند گرسی اور کنیر محبوب خاں کے بیٹوں کے پاس تھے دودو کی وفات کے بعد کنیر نے پوشیدہ طور پر جیسلمیر کی راہ لی اور گرسی علاقہ ہودو واقعہ مغرب میں گیا اور بملادیوی ہمشیرہ راٹھور سے شادی کی اس شادی میں سولنگ دیو بھی اس سے ملنے آیا اور گرسی کو اپنے ساتھ بادشاہ دہلی کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے شاہ خراسان کی بھیجی ہوئی ایک کڑی کمان امتحاناً اس کے ہاتھ میں دی۔ گرسی نے کمان کو کھینچکر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا اور جب تیمور نے دہلی پر فوج کشی کی تو اس معرکہ میں گرسی نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بادشاہ نے اسکی حکومت واپس کر کے جیسلمیر کی از سر نو تعمیر کی اجازت دی اس کے رشتہ دار جگمل جہودوالے نے ریاست کے انتظام اور فوج کی آراستگی میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ اور تمام ہم قوم اس کے متفق ہوئے صرف جیسر کی اولاد نے اتفاق نہ کیا۔ دیوراج کی شادی روپرہ دختر رانا مندور سے ہوئی تھی اس سے

…ہر پیدا ہوا جب سلطان کی فوج نے جیسلمیر کا محاصرہ کیا تو اسکی ماں اسکو لیکر منڈور میں چلی گئی لڑکے … مگر اس وقت صرف بارہ سال کی تھی اور چرواہوں کے ساتھ گائے بھینس چرانے کے لئے جنگل … چلا جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ میدان میں سویا پڑا تھا کہ ایک سیاہ سانپ نے نکلکر اپنی پھن … اس کے چہرہ پر سایہ کر دیا۔ اتفاقاً ایک چارن کا اس جگہ گذر ہوا۔ اس نے رانا کے پاس جاکر فوراً … حال بیان کیا۔ وہ دوڑا آیا اور اپنے نواسہ کی یہ حالت دیکھ کر خوشی سے چلا اٹھا کہ یہ ضرور صاحب … اقبال لڑکا ہوگا۔

گرسی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ کل قوم کے بچے طلب ہوئے تا کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کرے … ہر کا اقبال ترقی پر تھا۔ سب نے اسی کو ترجیح دی۔ مگر جیہر کی اولاد ناراض ہوگئی۔ گرسی نے ایک … تالاب بنوانا شروع کیا تھا اور ہر روز اس کو دیکھنے جاتا تھا۔ مخالفوں نے بے خبری میں حملہ کر کے … اس کو قتل کر دیا۔ بملادیوی نے اس خبر کو سنتے ہی کیہر کو مسند نشین کر دیا۔ مرنے وقت گرسی کے … میں دو آرزوئیں تھیں۔ اول تو تالاب کی تکمیل۔ دوئم کیہر کی جان کی حفاظت۔ بملادیوی نے … جیتے تک ان کاموں کو انجام دیا اور پھر کیہر کو ہمیر کے بیٹوں یعنی جیتا اور نونکرن کی حفاظت … دیکر خود ستی ہوگئی۔

کیہر کے آٹھ بیٹے تھے اس کے بعد تیسرا بیٹا کیلن گدی نشین ہوا۔ اس نے بیاہ میں ایک قلعہ … بنوا کر اپنے باپ کے نام پر اس کا نام کیروہ رکھا۔ جوہیہ اور لانگھوں سے پھر جھگڑا پیدا ہوگیا۔ … خال رئیس نے کیلن پر حملہ ہوا۔ مگر پسپا ہوا۔ اس فتح سے کیلن کا رعب چاہل۔ موہل اور جوہیوں … پر بھی جم گیا۔ اور اس کی حکومت پنج ند تک وسیع ہوگئی۔ کیلن نے سما جام کے ہاں شادی کر کے … تمام تنازعات مٹا دیئے۔ جن کے سبب آئے دن کشت و خون گرم رہتی تھی۔ اس نے سما جام … کو مدد دی تھی اس لئے وہ بہروٹ میں آیا اور برس کے بعد راہی گود میں چلا ہوا۔ کیلن نے اس کے … تحت سما کو قبضہ میں کر کے دریائے سندھ کو اپنی سرحد مقرر کیا۔ کیلن ۲ء ۱۴ برس تک زندہ رہا اور … چاچک۔ دیو اس کا وارث ہوا۔

چاچک دیو

چاچک دیو جب اپنے دلاور باپ کیلن کی جگہ گدی نشین ہوا تو اس نے مار وٹ کو دارالسلطنت قرار … دیا۔ اور اس کا مطلب دارالخلافہ کے تبدیل کرنے سے صرف یہ تھا کہ وہ اپنے قدیمی دشمن رئیس ملتان کے

حملہ سے محفوظ رہے لیکن غنیم نے جملہ اقوام گرد نواح کو شریک سازش کر کے چاچک دیو کے مقابلہ کے لئے بڑا بھاری لشکر فراہم کیا۔ یہ خبر جب چاچک دیو کو پہنچی تو اس نے بھی ستر ہزار سوار اور چودہ ہزار پیادہ تیار کر کے دریائے بیاہ کو عبور کیا۔ فریقین کے لشکروں میں ایک بھاری خونریز جنگ ہوئی مگر بھٹی فتحیاب ہوئے اور رئیس ملتان نے شکست فاش کھائی ؛

دوسرے سال پھر ایک لڑائی ہوئی مگر اس میں بھی چاچک دیو کو فتح نصیب ہوئی اگرچہ سات سو چالیس بھٹی اس جنگ کی نظر ہوئے۔ مگر تین ہزار ملتانیوں کو کھیت رکھا ؛

اس نمایاں فتح کے بعد چاچک دیو کی شجاعت کی دھاک بندھ گئی اور وہ آنروئے دریائے بیاہ اپنی چھاونی مقرر کر کے اور اپنے ایک فرزند کو وہاں چھوڑ کر ماروت کو واپس آیا ؛

دوسرے سال چاچک دیو نے دوندی کے رئیس پر فوج کشی کی اور اُسکو شکست دے کر جیسلمیر اپنے بھائی لچھمن کی ملاقات کو گیا۔ ہنگام مراجعت راستہ میں ایک چرواہا اس کے پاس آیا اور ایک عمدہ بز جو اُس کے گلہ میں سب سے بہتر تھی اس کے پیشکش کی۔ چاچک دیو نے اس کا مقصد دریافت کیا تو اس نے عرض کی کہ برجنگ راہٹور ہم لوگوں کو بہت تنگ کرتا ہے اس کے پنجۂ ظلم سے نجات بخشی جائے۔ برجنگ راہٹور نے مشہور قلعہ سالمیر کو ایک بھٹی رئیس سے چھین لیا تھا اور گرد و نواح کے علاقہ میں سخت لوٹ مار کرتا تھا۔ چاچک دیو نے اس پر حملہ کر کے اس کو معہ دیگر مہاجنان کے گرفتار کیا۔ ان شاہوکاروں نے اپنی رہائی کے عوض بہت سا روپیہ پیش کرنا چاہا لیکن چاچک دیو نے اس شرط پر انکو رہائی دینی چاہی کہ وہ جیسلمیر میں جا کر آباد ہوں۔ تین سو ساٹھ شاہوکاروں نے یہ شرط منظور کی۔ اور جیسلمیر کے متفرق شہروں مثلاً دیوراول۔ پوگل اور ماروت وغیرہ میں آباد ہو [illegible] سے ان شہروں کی رونق بہت بڑھ گئی اور آج کل بھی وہاں بہت سے دولت [illegible] شادی اس لڑائی میں راہٹور مذکور کے بھی تین فرزند قید ہوئے تھے۔ مگر آخر کار ان کو رہائی [illegible] ہوئی ؛

اس کے بعد چاچک دیو نے ٹھکراج کھوکھر رئیس بیلی بنگا پر فوج کشی کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بھٹی کا گھوڑا چرا کر لے گئے تھے۔ کھوکھروں نے شکست کھائی اور ان کا علاقہ غارت کیا گیا ؛

غرض کہ چاچک دیو جب سے تخت پر بیٹھا۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ جنگ و جدل میں ہی صرف ہوا۔ اس نے اکثر ملک فتح کئے اور اپنی ریاست کو پنجاب تک وسعت دی۔ آخر کار بیماری نے اس پر غلبہ کیا مگر چارپائی پر مرنا اپنی شان کے برخلاف سمجھا اور ارادہ کیا کہ جس طرح اُس نے

نے زندگی شمشیر بکف بسر کی ہے اس طرح اس کی موت بھی میدان جنگ میں ہی ہو۔ مگر چونکہ
گردونواح میں اسکو کوئی دشمن نظر نہ آتا تھا اس نے اپنے پرانے دشمن لانگا رئیس ملتان کے
پاس پیغام بھیجا اور جنگ دان کی درخواست کر کے کہلا بھیجا کہ اس کا مقصد اس لڑائی میں صرف
یہ ہے کہ وہ ضعف بیماری کا شکار نہ ہو بلکہ اس کی روح آخری وقت میں دشمن کی تلوار سے
جسم سے جدا ہو۔ رئیس ملتان نے کچھ دغا خیال کر کے اس درخواست کو قبول کرنے میں تامل کیا
مگر چاچک دیو نے قسم یاد کی اور لکھا کہ میں صرف با حرمت موت حاصل کیا چاہتا ہوں میرے ساتھ
پانچسو آدمیوں سے زیادہ ہر گز نہ آئیں گے۔ آخر رئیس ملتان نے اس دعوت کو قبول کیا۔ پانچسو
راجپوت رئیس رشتہ دار جو اس کی فتوحات میں اس کے ساتھ شامل رہتے تھے اس موقعہ پر بھی
خوشی تمام اس کے ہمراہ تیار ہوئے۔ قبل از روانگی اس نے اپنے فرزند گج سنگھ کو جورانی قوم سیتا
[illegible]جن سے تھا معہ اس کی والدہ کے اس کے نانا کے ہاں روانہ کیا۔ اس کے علاوہ پانچ فرزند اس
کے اور تھے یعنی کوبہو۔ برسل۔ بھیم دیو۔ رتو اور رندھیر۔ برسل سب سے بڑا تھا۔ اس کو مالک گدی
قرار دیا اور رندہیر کو کھوال کا علاقہ عطا ہوا جس کا دار الریاست شہر دیور اول تھا؛

اس انتظام سے فارغ ہو کر چاچک دیو بہادرانہ موت مرنے کے لئے معہ پانچسو راجپوتوں کے
[illegible]پر کو روانہ ہوا مگر یہاں پہنچکر جب اس نے سُنا کہ رئیس ملتان دو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ تو
اس کی طبیعت نہایت ہی خوش ہوئی۔ اس نے اس جگہ تلوار کی پوجا کی اور بہت سا زر و جواہر خیرات
کرنے کے بعد آگے بڑھا؛

یہ لڑائی کچھ فتح و شکست کے ارادہ پر نہ تھی چار گھڑی کے اندر ہی اس کا فیصلہ ہو گیا۔ دو ہزار
[illegible]ں راجپوتوں کی تلوار سے قتل ہوئے اور چاچک دیو معہ اپنے بہادر ہمراہیوں کے میدان جنگ میں
کام آیا۔ آہ! اے بھارت بھومی! کیا ایک دفعہ پھر بھی کبھی تیری گود میں چاچک دیو جیسے بہادر بچے
کھیلتے نظر آئیں گے؛

چاچک دیو کے بعد برسیل باپ کی گدی کا وارث قرار پایا۔ جب ایام ماتم ختم ہو چکے تو کو بہو
دوڑتا ہوا اپنے بھائی کے پاس آیا اور قسم کھائی کہ میں جب تک اپنے باپ کے قاتل لانگا کا سر نہ
اُتار لوں گا کبھی چین نہیں لوں گا۔ کو مبہو کسی قدر خبط الحواس بھی تھا اس لئے اس کو سمجھانا بجھانا
لاحاصل تھا۔ نہ وہ کسی کی سُنتا تھا وہ صرف ایک خدمتگار کو ہمراہ لے گھوڑے پر سوار ہو اس
راستہ کو روانہ ہوا جدھر سے کہ والئے ملتان کی فوج واپس جا رہی تھی؛

منزلیں پر منزلیں طے کرتا ہوا کومبھو آخر کار لانگا کو جا ملا رات کا وقت تھا اور والئے ملتان اپنی
سپاہ کے ساتھ ایک جنگل میں ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ اس کا خیمہ ایک ندی کے کنارے ایستادہ تھا
کومبھو نے بلا تامل ندی میں گھوڑا ڈالدیا اور اس کو عبور کرکے خیمہ تک جا پہنچا۔ ندی کی وجہ سے اس
طرف چوکی پہرہ کی کچھ ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی کومبھو بغیر کسی رکاوٹ کے خیمہ میں داخل ہوا
والئے ملتان پڑا سوتا تھا۔ کومبھو نے اس پر وار کرنا شجاعت کے برخلاف سمجھا۔ پاؤں سے ٹھوکر
مار کر اس کو جگایا اور اس کو ہتھیار لے کر اپنے بچاؤ کی مہلت بھی دی۔ لیکن اس کی زندگی کے دن
پورے ہو چکے تھے کومبھو اس کا سر کاٹ کر خیمہ سے باہر نکلا اور ندی کو عبور کرکے بالکل صحیح وسلامت
نکل گیا ؛

بیرسیل اپنے سرداروں کے ساتھ دیوان عام میں بیٹھا ہوا تھا کہ کومبھو ہاتھ میں سر لٹکائے داخل
ہوا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور راستہ کی تھکاوٹ نے اس کو چور چور کر رکھا تھا۔ سر سب کے سامنے
رکھدیا گیا مگر بھائیوں کو اس کے پہچاننے میں مطلق دقت نہیں ہوئی یہ سر واقعی لانگا کا تھا ؛

ادھر برسل نے دیناپور میں اپنا عمل دخل کرکے کروڑ کا عزم کیا۔ ہیبت خاں لنگا قوم کیساتھ
مقابلہ پر آیا مگر بہت بڑا نقصان اٹھا کر شکست کھائی۔ اس کے بعد حسین خاں بلوچ بیکھم پور پر
حملہ ہوا۔ جب برسل اس مہم سے فارغ ہو کر لوٹا تو راول برسی مسند آرائے جیسلمیر نے اسکی ملاقات
کی اور ۱۵۴۱ء میں بیکھم پور کے پھاٹک اور ایوان تیار ہوئے ؛

ہندی تواریخ میں اس کے بعد فرزندان کیلن اور فرمانروایان پنجاب کی باہمی جنگ وجدل
کے سوا اور کوئی بات قابل ذکر نہیں۔ ان جھگڑوں کا انجام یہ ہوا کہ دریائے گارا کے دورویہ علاقے
کیلن کی اولاد نے تقسیم کر لئے۔ مگر بہت جلد بابر بادشاہ قوم لنگا پر فتحیاب ہوا۔ اور ملتان میں شاہی
افسر کی تقرری عمل میں آئی۔ کروڑ کوٹ۔ دیناپور۔ پوگل اور ہروٹ کے بھٹی مسلمان ہو گئے ؛

راول بیرسی کے بعد جیت۔ لونکرن۔ بھیم۔ منوہرداس اور سیل سنگھ یکے بعد دیگرے مسند نشین
ہوئے۔ مگر ان پانچوں پشتوں میں کوئی تاریخی واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ البتہ سیل سنگھ کے عہد
میں بھاٹیوں کے ملکی حالات میں انقلاب عظیم پیدا ہوا ؛

اب شاہجہان کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس نے ان تمام تدبیروں کی تکمیل کی جو اکبر نے
جاگیروں کو سلطنت سے ملحق کرنے کے لئے شروع کی تھیں ... سنگھ جیسلمیر کی مسند کا حقدار نہ تھا
بلکہ شاہجہان نے اسکو یہ ریاست جاگیر میں دی تھی ناہتو فرزند بھیم اصلی وارث تھا وہ بیکانیر سے شادی کرکے

بس آرہا تھا۔ کہ راستہ میں اس کے بھتیجے نے زہر دلوا کر مروا دیا۔ لیکن اس کی اولاد لطف حکومت
اُٹھا سکی راول لونکرن کے فرزند ثانی مالدیو کے بیٹے سبل سنگھ کو اس سے فائدہ پہنچا۔
سبل سنگھ نیک دل تھا اور وہ رئیس امیر کا بھانجہ بھی تھا۔ اس کے تحت میں پہاڑی
دشمنوں سے شاہی خزانہ بچانے میں اس نے کمال بہادری دکھائی تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے
خوش ہو کر جسونت سنگھ والئے جودھپور کو ہدایت کی کہ سبل سنگھ کو جیسلمیر کی گدی پر بٹھایا جاوے
سردار کو نیاوت نے رسوم مسند نشینی ادا کرائیں اور اسکے عوض میں اسکو پوکرن کی جاگیر ہاتھ آئی۔
علاقہ پوکرن راول جیسل اور اُس کی اولاد نے شامل جیسلمیر کیا تھا مگر اب بالکل جدا ہو گیا
بابر سے کچھ عرصہ پیشتر شمال میں دریائے گارا اور مغرب میں دریائے سندھ تک کل علاقے
جیسلمیر کے زیر قلم تھے مشرق اور جنوب میں بیکانیر اور مارواڑ کی سرحدوں تک راٹھوروں کی حکومت تھی۔
سبل سنگھ کے بعد امر سنگھ گدی پر بیٹھا اس نے ان بلوچوں پر فوج کشی کی۔ جو علاقہ جات مغربی
پر حملہ آور ہوئے تھے اس میں امر سنگھ کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کے بعد وزیر نے سرکشی کی مگر وہ
قتل ہوا پھر شمال و مشرق کے چند راجپوت آمادہ پیکار ہوئے مگر امر سنگھ نے فوج کشی کر کے
ان کو ایسا نیچا دکھایا کہ وہ پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے۔

کاندلوت راٹھوروں کی متواتر زیادتی سے تنگ آکر بھیکم پور کے سرداران سندداس اور
...یپ نے اُن پر حملہ کیا اور قصبہ ججو واقعہ سرحد بیکانیر کو خوب لوٹا۔ اور جلا دیا۔ کاندلوتوں نے جیسلمیر
پر حملہ کیا۔ بھاٹیوں نے مقابلہ کر کے راٹھوروں کو شکست دی بہت سے آدمی قتل کئے اور باقیماندہ
بھاگ گئے۔ امر سنگھ نے اپنے رئیسوں کی امداد میں کافی حصہ لیا۔

ان دنوں انوپ سنگھ راجہ بیکانیر فوج شاہی کے ہمراہ دکن میں تھا جب اس نے اس خبر
کو سنا آگ بگولا ہو گیا۔ وزیر کو حکم دیا کہ جیسلمیر پر چڑھائی ہو اور بھیکم پور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی
جائے۔ راٹھوروں کی فوج روانہ ہوئی۔ اِدھر امر سنگھ نے بھاٹیوں کو جمع کیا اور حملہ کا انتظار نہ
کر کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ بڑے معرکہ کی لڑائی ہوئی راٹھوروں کے بہت سے سردار اس
جنگ میں کام آئے اور امر سنگھ کو نمایاں فتح نصیب ہوئی۔ اکثر سرحدی قصبے آگ کی نذر ہوئے
...ں پر نئے سرے سے قبضہ کیا گیا۔ اور بارمیر اور کولوڑہ کے راٹھور سرداروں کو پست کر کے ان
سے فرمانبرداری کا تعہد کرا لیا۔

امر سنگھ کے آٹھ بیٹے تھے بڑا بیٹا جسونت سنگھ سنہ ۱۷۰۲ء میں مسند نشین ہوا۔ امر سنگھ کے

انتقال کے بعد راٹھوروں نے پوگل۔ بارمیر۔ پھلودی و دیگر بہت سے قصبے بھاٹیوں سے چھین لئے اور گار ہانڈی کے کنارہ کا ملک شکارپور کے افغان داؤد خاں نے لے لیا۔ اور یہ علاقہ اس وقت سے داؤد پوتروں کی ریاست میں شامل ہوگیا۔

جسونت سنگھ کے پانچ بیٹے تھے۔ جگت سنگھ۔ ایسری سنگھ۔ تیج سنگھ۔ سردار سنگھ اور سلطان۔ جگت سنگھ نے خودکشی کرلی۔ اس کے تین بیٹے اکھے سنگھ۔ بدھ سنگھ اور زورآور سنگھ تھے اکھے سنگھ مسندنشین ہوا۔ مگر تیج سنگھ نے اس سے گدی چھین لی۔ بدھ سنگھ بعارضہ چیچک فوت ہوچکا تھا۔ جسونت سنگھ کا ایک بھائی ہری سنگھ دربارشاہی میں تھا۔ اس نے تیج سنگھ کو بےدخل کرنا چاہا۔ رؤسائے جیسلمیر کا دستور ہے کہ وہ ہرسال گرسی سر تالاب پر صفائی تالاب کی رسم ادا کرنے جاتے ہیں۔ اول راجہ ایک مشت مٹی اُٹھالیتا ہے۔ پھر امیر و غریب ملکر تالاب کو صاف کرتے ہیں ہری سنگھ نے وقت ادائیگی اس رسم کے اچانک حملہ کیا مگر کارگر نہ ہوا۔ البتہ تیج سنگھ اس حملہ میں سخت زخمی ہوا۔ اور کچھ عرصہ بعد مرگیا۔ اس کے بعد سوائی سنگھ بعمر سہ سال مسندنشین ہوا مگر اکھے سنگھ نے بھاٹیوں کو جمع کرکے قلعہ پر حملہ کیا اور سوائی سنگھ کو قتل کرکے اپنا حق حاصل کیا۔ اس راجہ نے چالیس سال تک حکومت کی۔

مُول راج

سنہ ۱۷۶۲ء میں مولراج جیسلمیر کی گدی پر بیٹھا اس کے تین بیٹے تھے رائے سنگھ۔ اجیت سنگھ اور مان سنگھ۔ بدقسمتی سے مولراج نے جس شخص کو بطور وزیر منتخب کیا اُس سے تمام سرداروں کو نفرت تھی۔ اس وزیر کا نام سروپ سنگھ تھا۔ اور قوم کا بنیا اور مہتہ خاندان سے تھا۔

کچھ عرصہ تک تو یہ آگ اندر ہی اندر سُلگتی رہی لیکن اتفاق سے یا یوں کہو کہ بدقسمتی سے ایک ایسا سبب پیدا ہوگیا۔ جس نے اس آگ کو بھڑکا دیا اور پھر اس سے ایسے شعلے نکلے۔ جنہوں نے خاندان بھٹی کی شاہی نسل کا خون کچھ عرصہ کے لئے بالکل خشک کردیا یہ معاملہ اس طرح ہوا کہ ایک بھگتن نامی عورت ایک بھٹی سردار کی منظور نظر تھی اور وہ بھی اسکو چاہتی تھی۔ مگر سروپ سنگھ زبردستی اس کو اپنے قبضہ میں لایا چاہتا تھا۔ بھٹی سردار نے رائے سنگھ ولیعہد سے انصاف کی درخواست کی۔ رائے سنگھ پہلے ہی وزیر سے تنگ تھا۔ کیونکہ اس کی شرارت سے راجہ نے اس کے

ں کی کردی تھی۔ چنانچہ دونوں نے مل کر وزیر کے قتل کا منصوبہ باندھا۔ تمام سردار اُنکے
حال ہوئے اور یہ قرار پایا کہ ولیعہد بیشک راجہ کے سامنے ہی بذات وزیر کو قتل کرے کوئی اس
س بھی بیکانہ کرنے پائیگا ٭
چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ مولراج کی موجودگی میں ہی ولیعہد نے وزیر پر تلوار کا وار کیا۔ وزیر
ک کر راجہ کے پیچھے پناہ لی۔ سرداروں نے کنور کو اشارہ کیا کہ ساتھ ہی راجہ کا بھی فیصلہ کر
ے لیکن ولی عہد نے اس تجویز کو سُنکر نہایت حقارت سے اُن کی طرف دیکھا اور تلوار
س کرلی ٭
اسوقت تو راجہ کا کوئی بھی مزاحم نہ ہوا اور وہ رنج وغصہ سے بھرا ہوا محل میں چلا گیا لیکن
وں کو چونکہ اس سازش کے عوض میں راجہ سے معافی کی امید ہرگز نہ تھی اس لئے انہوں
وہ کیا کہ راجہ کو معزول کر کے رائے سنگھ کو گدی پر بٹھا دیا جائے اور اگر وہ انکار کرے تو
ے بھائی کو راجہ بنایا جاوے۔ اگرچہ رائے سنگھ نے سرداروں کی اس درخواست کو منظور کر لیا
ی پر بیٹھنے سے مطلقاً انکاری رہا۔ ملک میں اسکی مسند نشینی باقاعدہ مشتہر کردی گئی مگر وہ
گدی کے چارپائی پر بیٹھ کر سلطنت کا کام انجام دیتا رہا۔ اس وقت سرداروں کا گروہ واقعی
تھا مگر ان کی دھمکی یا خوشامد کنور کے ارادہ کو تبدیل نہ کر سکی۔ جب وہ اسکو گدی پر بیٹھنے کے لئے کہتے تو یہی
کہتا کہ مجھے اپنے باپ کی زندگی میں کوئی حق تخت پر بیٹھنے کا نہیں ہے ٭
مولراج پورے تین مہینے اور پانچ دن قید رہا۔ اگرچہ رائے سنگھ کو معلوم نہیں تھا کہ اسکا باپ
مقید ہے مگر وہ یہ جانتا تھا کہ سرداروں نے اس کو قید ضرور کر رکھا ہے اور وہ بھی کسی ایسی
جہاں کہ کوئی شخص اسکی رہائی کی کوشش نہیں کر سکتا ٭
تمام سرداروں میں سے انوپ سنگھ بڑا زبردست سردار تھا اور سب سے پہلا اسی نے ہی وزیر
لم وستم اور راجہ کی کمزوری سے پریشان ہوکر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا چنانچہ راجہ جس جگہ
تھا وہ مکان بھی اسکے مکان کے بالکل قریب اور اسی کی زیرنگرانی تھا اور یہاں پر ایسا سخت انتظام
تھا کہ پرندے کو بھی وہاں پر مارنے کی مجال نہ تھی ٭
یہ سب کچھ تھا مگر ایشور کی مرضی کے آگے انسان کے سارے منصوبے خاک میں مل جاتے
۔ اسی سردار کی عورت کے دل میں ایشور نے رحم ڈالا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح
ہو اپنے راجہ کو ضرور رہا کریگی۔ ایسی حالت میں جبکہ جیسلمیر کے تمام سردار ایک طرف تھے بلکہ

خود اس کا خاوند بھی ان کا شریک حال تھا ایک عورت کا یہ دعوے محض ایک خیالی پلاؤ سے زیادہ وقعت نہ رکھ سکتا تھا لیکن ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ کبھی آریہ ورت کی عورتوں میں بھی بہادری اور جرأت کا وہ مادہ موجود تھا جو شاید کسی بہادر سے بہادر آدمی میں بھی نہیں پایا جاتا۔

اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اس بہادر عورت نے اپنے بیٹے کو جس کی عمر مشکل سے ابھی پندرہ برس کو پہنچی تھی بلایا اور کہنے لگی "میرے عزیز تو جانتا ہے کہ میں نے کن کن مشکلات سے تجھ کو پرورش کیا ہے؟ میں نے نو مہینے تک تجھ کو اپنے پیٹ میں رکھ کر کیا مصیبتیں نہیں اُٹھائی ہیں تو نے میری چھاتی کا دودھ پیا ہے۔ گویا میرے خون سے تیری پرورش ہوئی ہے۔ اور اس سے تیرے گوشت اور پوست نے ترکیب پائی ہے اگر تو ان باتوں کو جانتا ہے۔ تو تجھے یہ بھی معلوم ہوگا کہ میرا حق کس قدر تیری گردن پر ہے۔ اسی حق کو آج تمہاری ماں تم سے طلب کرتی ہے اور بہ حیثیت ایک فرمانبردار اور سعادت مند فرزند کے تمہارا فرض ہے۔ کہ اس کے ادا کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کرو۔"

نوجوان راجپوت نے اپنی ماں کی اس تمہید کا مطلب بالکل نہیں سمجھا۔ اس نے اپنا سر اس کے قدموں پر رکھدیا اور کہا "ماتا مجھ میں تیرے حق کے ادا کرنے کی طاقت ہرگز نہیں ہے ہاں جو کچھ تو حکم دیگی۔ میں اُس کے بجالانے کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں"۔ ماں نے ایک دفعہ پھر اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگایا۔ اور اس کی پیشانی پر متواتر بوسے دیکر کہا "میرا حکم یہ ہے کہ تو اپنے قابل تعظیم راجہ کو جو اس وقت دشمنوں کے پنجہ میں گرفتار ہے رہائی دے"۔ ماں کا حکم سُنکر بیٹے کے کان کھڑے ہو گئے اور کسی قدر تعجب کے لہجہ میں اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "شاید آپ کو معلوم نہیں کہ یہ کیسا مشکل کام ہے راجہ کی رہائی قریب قریب ناممکن ہے۔ پتا جی خود ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور کسی شخص کو راجہ کے پاس تک جانے کی مجال نہیں"۔

ماں نے بیٹے کی اس گفتگو کو سُنکر نہایت حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور اُسے اپنی گود سے علیحدہ کر کے کہنے لگی "اگر میں تیرے جیسا بزدل بیٹا جننے کی نسبت بانجھ ہی رہتی تو زیادہ بہتر ہوتا چھتری ہو کر مشکلات سے گھبراتا ہے! جا میں تیرا مُنہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی"۔ زور آور نے نہایت شائستی سے جواب دیا "ماتا رنجیدہ مت ہو تیرا بیٹا مشکلات سے گھبراتا نہیں۔ میں نے تو معمولی طور پر آپ کے سامنے اِن کا ذکر کیا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے راجہ کی رہائی کی کوشش نہ کرونگا۔ بلکہ قبل اس کے کہ میں اس کام پر جاؤں

ے اس کے تمام نشیب و فراز کی نسبت آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔ ماں نے پہلے کی
ن کسی قدر نرمی سے جواب دیا۔ "بیٹا! تو راجپوت کا لخت جگر ہے تو نے چھترانی کی گود میں پرورش
ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ تو مشکلات سے گھبرا جائے۔ راجہ کی حفاظت کرنا اور اس پر جان و
نثار کر دینا راجپوت کا دہرم ہے۔ کیا یہ کم افسوس کی بات ہے کہ ہمارا راجہ تو یوں بندیخانہ میں
گھٹ گھٹ کر مر رہا ہے اور ہم آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر"!
نے دست بستہ عرض کی "اب آپ مجھے اتنا اور بتلا دیں کہ اگر پتاجی میرے مقابلہ پر آئیں۔
س وقت میں کیا کروں؟" ماں نے نہایت استقلال سے جواب دیا "تو تمہیں اُن کے قتل
نے میں بھی ہرگز پس و پیش نہ کرنا ہوگا۔ تمہیں اپنے فرض کا خیال ہونا چاہیے۔ اور اُسکی ادائیگی
شخص تمہارا مزاحم ہو وہی تمہارا دشمن ہے۔ جاؤ اپنا فرض ادا کرو۔ اگر تمہارا والد تمہارے
ے قتل ہو گیا تو میں بڑی خوشی سے اُس کے ساتھ ستی ہونے کو تیار ہوں۔ مجھے راج بھگتی کا
ضرور ہے لیکن میں استری دھرم سے بھی بے خبر نہیں ہوں۔ راجہ ہم سب کا مالک ہے پس
کے وقت ہم سب کو اس پر نثار ہو جانا چاہیے۔ یہ کہکر بہادر راجپوتنی خاموشی کیساتھ
منہ تکنے لگی۔ جس کے جواب میں زور آور نے نہایت شانتی سے کہا "اب آپ اطمینان رکھیں
بیٹا ایک دفعہ پھر اپنے راجہ کو راج گدی پر بٹھائے گا۔ ورنہ اس کوشش میں یقیناً اپنی
ن نثار کر دے گا"۔

اس کے بعد کچھ زیادہ گفتگو نہ ہوئی اور زور آور سنگھ اپنی ماں کے قدم چوم کر رخصت ہوا۔
بیٹے کی طرف سے مطمئن ہو کر بھی شجاع راجپوتنی نے اپنی کوشش کو جاری رکھا۔ جس کا
یہ ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کے بھائی ارجن سنگھ اور علاقہ ہارو کے رئیس ہیگھ سنگھ کو بھی
شریک حال بنا لیا۔

ایک اندھیری رات میں چند منتخب جانبازوں کا گروہ قید خانے کے قریب پہنچا۔ کم سن
راجپوت یعنی زور آور سنگھ ان کا پیشوا تھا۔ دروازے پر پہنچتے ہی اُس نے نگہبان سپاہیوں کو
ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا۔ مگر جب آشتی سے کام نکلتا نظر نہ آیا تو یک دم کچھ تلواریں میانوں سے
نکلیں اور لمحہ بھر میں نگہبانوں کا کام تمام کر دیا۔

اب انوپ سنگھ بھی مسلح جماعت کے ساتھ موقعہ پر آپہنچا اور قریب تھا کہ ارجن سنگھ اور
سنگھ کے ساتھ لڑائی چھڑ جائے کہ اتنے میں ایک اور مسلح جماعت وہاں آپہنچی اس جماعت

کی سردار وہی بہادر راجپوتنی یعنی زور آور سنگھ کی ماں تھی۔ یہ آتے ہی انوپ سنگھ سے مخاطب ہوئی اور کہنے لگی :

سوامی جی! میں ہر طرح آپ کی تابع ہوں۔ آپ کی خدمت کرنا اپنا فخر بلکہ فرض سمجھتی ہوں میری زندگی آپ ہی کے قدموں کے ساتھ ہے مگر اس وقت میں بہ حیثیت راجہ کی رعایا کے اس کو بچانے کے لئے آئی ہوں۔ اس لئے اس وقت خواہ کوئی بھی ہو اگر میرے مقابلہ پر آئے گا تو میری تلوار کو اس کا خون بہانے میں ہرگز تامل نہ ہوگا" اتنا کہکر اس نے تلوار کھینچ لی۔ انوپ سنگھ کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور تلوار میان میں کر لی۔ دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی اور مخالف و موافق فریق دونوں اس شیرنی کا مُنہ تکنے لگے :

ماں کے حکم سے زور آور سنگھ فوراً راجہ کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں کی زنجیریں کاٹ کر باہر نکلنے کی درخواست کی لیکن راجہ نے کہا "بیٹا! میں تیری ہمت پر آفرین کہتا ہوں۔ لیکن اگر میری قوم (بھیچی) میری رہائی میں تمہاری شریک نہیں ہے تو میں بندیخانہ سے نکلنے پر رضامند نہیں ہوں۔ تم جاؤ میں بیفائدہ قتل و خون کیلئے باہر نکلنا مصلحت نہیں سمجھتا"

راجہ کی گفتگو سُنکر راجپوتنی آگے بڑھی اور کہنے لگی "مہاراج! میں بھی بھیچی راجپوت کی لڑکی ہوں۔ زور آور میرا بیٹا ہے اور ہمارے سر آپ کے قدموں پر نثار ہونے کو تیار ہیں۔ آپ بیشک باہر نکلیں۔ اب کوئی شخص آپ کی مزاحمت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا"

راجہ باہر آیا سب سے پہلے انوپ سنگھ نے تعظیم کے لئے اپنا سر اس کے آگے جھکایا اور پھر دوسرے سردار بھی تلواریں گلے میں ڈال معافی کے خواستگار ہوئے۔ فوراً نقارے پر چوٹ پڑی اور راجہ نے راج گدی پر جلوس فرمایا!

افسوس! ایسی ایسی۔ اکبا در پوتر دھیں آریہ بھومی پر اب کیوں دکھائی نہیں دیتیں!!!

مولراج کے قیدخانہ سے نکلتے ہی مسند نشینی کا نقارہ بجا۔ رائے سنگھ کی آنکھ کھلی۔ تو جلاوطنی کا سامان یعنی سیاہ لباس اور سیاہ گھوڑا سامنے موجود تھا۔ اس نے فوراً اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے رفیقوں کو ساتھ لیکر جیسلمیر سے نکلا اور جنوب کی طرف چلدیا۔ کوٹوہ میں پہنچکر ساتھیوں نے تاخت و تاراج کی صلاح دی۔ مگر اس نے جواب دیا کہ یہ زمین میری ہے۔ جو راجپوت یہاں کے باشندوں کو تکلیف دیگا وہ میرا دشمن ہوگا۔ اس کے بعد وہ تو جودھ پور میں چلا گیا۔ اور ہمراہی رئیس شیو کو ٹورہ اور بارمیر میں آباد ہو گئے یہ لوگ بارہ برس تک وطن سے خارج رہے۔ اور ان کی لوٹنا

ار جیسلمیر تک جاری رہی مگر اس عرصہ کے بعد ان کی جاگیریں واگذار ہوئیں اور ملک میں آنیکی اجازت دی گئی۔ مخروج ولیعہد یعنی رائے سنگھ اڑھائی برس تک بجے سنگھ کے پاس رہا۔ اور اس نے بیٹے کی طرح اس کی خاطر و مدارات کی۔ مگر اس کی بدمزاجی جودھ پور میں بھی ساتھ گئی ایک دن ایک بقال نے جس کا اس نے کچھ قرضہ دینا تھا رستہ میں اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اور دلائے قرضہ کے واسطے بجے سنگھ کی آن دی۔ مگر رائے سنگھ نے مولراج کی آن دیکر باگ چھوڑنے کو کہا۔ بقال نے کچھ پرواہ نہ کی اور کہا کہ میں مولراج کو کیا جانوں۔ اتنا سنتے ہی رائے سنگھ کی آنکھوں سے خون برسنے لگا۔ باپ کے نام کی بے عزتی اس کو گوارا نہ ہو سکی۔ فوراً تلوار میان سے نکالی اور بقال کا سر اُڑا دیا۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے اور رائے سنگھ یہ کہتا ہوا جیسلمیر کو چلدیا۔ "غیر کی پناہ میں رہنے سے اپنے گھر پر قید خانہ میں رہنا بہتر ہے۔"

رائے سنگھ کے یکایک جیسلمیر میں پہنچنے سے لوگ حیران رہ گئے۔ اور جوق درجوق اس سے ملنے آئے۔ مولراج نے بیٹے کا ارادہ دریافت کر بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ اب مجھے کوئی دنیاوی خواہش نہیں صرف تیرتھ یاترا کا عزم ہے۔ پھر بھی اس کو شہر میں آنے کی اجازت نہ ہوئی۔ ہمراہیوں کے ہتھیار لے لئے گئے اور رائے سنگھ کو مع ان کے بیٹوں ابھے سنگھ اور دھونکل سنگھ کے قلعہ دیورا میں رہنے کے لئے بھیجدیا۔

مقتول وزیر کا بیٹا سالم سنگھ بعمر گیارہ سال اپنے باپ کی جگہ وزارت کے عہدہ پر مامور ہو چکا تھا۔ یہ ابھی کمسن تھا مگر باپ کے انتقام پر ابتدا سے ہی آمادہ تھا۔ چنانچہ اس نے بہت تھوڑے عرصہ میں اپنے تمام مخالفوں سے بدلا لے لیا۔ چالاکی اور حکمت عملی اس کی رگ رگ میں بھری تھی۔ وہ سانپ کی طرح کینہ ور اور شیر کی طرح خونخوار تھا مطلب برآری کے لئے وہ ہر طرح کی خوشامد کو جائز سمجھتا تھا۔ اسکی صورت نازنینوں کی سی تھی۔ اس کی تقریر دلکش اور ظاہری عادات عمدہ تھیں۔ مگر پرلے درجہ کا وعدہ خلاف تھا۔ وعدے لاکھ کرتا مگر ایفا ایک کا بھی نہ ہوتا۔ یہ جینی مذہب سے تھا۔ اور جینیوں کے نزدیک کسی ذی رُوح کا ستانا ناجائز نہیں ہے بلکہ پروانہ کے جلنے کے خوف سے گھر میں چراغ تک بھی نہیں جلاتے مگر جس بے رحمی سے سالم سنگھ نے جیسلمیر کی اولاد کو قتل کیا یا کرایا۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مارواڑ کے راجہ بھیم سنگھ کی مسند نشینی کے موقعہ پر مول راج نے سالم سنگھ کو مبارکباد کے لئے بھیجا۔ واپسی کے وقت جلاوطن رئیسوں نے اس کو گرفتار کرلیا۔ اور اس کو قتل کرنے لگے۔

سالم سنگھ نے زور آور سنگھ کے قدموں پر پگڑی رکھ دی اور پناہ کا طالب ہوا۔ راجپوت ہٹ کے پکے ہوتے ہیں۔ زور آور سنگھ نے نہایت عالی حوصلگی سے اس کی درخواست کو منظور کیا۔ یہ زور آور سنگھ وہی شخص تھا۔ جس نے ماں کی مرضی سے مگر باپ کے ارادہ کے خلاف مولراج کو قید سے چھڑایا تھا اور صغیر سنی میں سالم سنگھ کا بھی محافظ رہا۔ مگر اس محسن کش نے اس کو بھی ریگستان میں جلاوطن کرا دیا تھا؛

کل جلاوطن شدہ سردار سالم سنگھ کے خون کے پیاسے تھے اور اب وہ اتفاق سے ان کے ہاتھ پڑ گیا تھا مگر زور آور سنگھ کے کہنے سننے سے سالم سنگھ کو صحیح وسالم چھوڑ دیا گیا اگرچہ وہ ضرور کہتے تھے کہ اس بیجا رحم کا انجام کبھی درست نہ ہوگا۔ یہ سانپ ہے اور ضرور دغا دیگا؛

زور آور سنگھ کی مہربانی سے سالم سنگھ کی جان بچی اور اس کے عوض صرف ایک شرط قرار پائی کہ جلاوطنوں کو واپس وطن میں بلایا جائے۔ چنانچہ وے بلائے گئے۔ مگر بجز زور آور سنگھ کے کسی کو دربار میں باریابی نہ ہوئی؛

رائے سنگھ اب قلعہ دیورا میں قید ہو چکا تھا مگر اس کے دونوں بیٹے ابھے سنگھ اور دھونکل سنگھ بارمیر میں جلاوطن شدہ رئیسوں کے ساتھ تھے۔ مولراج نے بارمیر کے محاصرہ کے لئے سپاہ بھیجی۔ چھ مہینے تک لڑائی ہوتی رہی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ منحرف رئیس رائے سنگھ کے بیٹوں کو نہیں دیتے تھے۔ آخر کار زور آور سنگھ نے درمیان میں آکر اپنی ضمانت پر دونوں راجکمار مولراج کے حوالے کر دیئے اور وہ قلعہ دیورہ میں رائے سنگھ کے پاس بھیجدیئے گئے مگر افسوس کہ چند دن بعد ہی قلعہ میں آگ لگ گئی۔ رائے سنگھ اور اس کی رانی جل کر مر گئی۔ مگر لڑکے اتفاق سے بچ گئے؛

اس حادثہ کے بعد جو خفیہ طور سے عمداً کیا گیا تھا دونوں راجکمار قلعہ رام گڈھ میں جو سندھ کی وسط زمین میں نہایت بعید اور ویران مقام پر واقعہ ہے۔ حسب قول سالم سنگھ اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہاں امن سے رہیں اور راجہ کو بھی اطمینان رہے یعنی کوئی ان کا شریک ہو کر مرتکب فساد نہ ہو سکے۔ مگر زور آور سنگھ نے جس کو سالم سنگھ کے ارادہ پر شک تھا۔ مولراج سے کہا۔ کہ راج کنوروں کا دربار میں ہی رہنا بہتر ہے ان کی نیک چلنی کا میں ذمہ دار ہوتا ہوں۔ سالم سنگھ جل گیا اور اس نے ایسے ایماندار شیر کی ہلاکت کی فوراً تدبیر کی۔ زور آور سنگھ کے بھائی کیتسی کی زوجہ کو سالم سنگھ نے حسب رواج راجپوتانہ ہمشیرہ بنا رکھا تھا۔ اسکو پٹی پڑھائی کہ اگر زور آور سنگھ مارا جائے تو تیرے

...کو جھنجھائی کی جاگیر کا مالک بنا دیا جائیگا۔ عورت ذات اس کے جھانسے میں آگئی اور زور آور سنگھ کو زہر دیکر مار ڈالا۔

بھائیوں کے سرگروہ کا فیصلہ کر کے سالم سنگھ نے بارو داور ڈانگری وغیرہ کے رئیسوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ بعض کو تلوار سے اور بعض کو زہر سے قتل کیا۔ زور آور سنگھ کا بھائی گیتسی جو اپنے بھائی کے قتل میں شاید شریک تھا یا نہیں اس کی جائداد پر قابض ہو کر آخر کار سالم سنگھ ہی کا شکار ہوا۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ سالم سنگھ رائے سنگھ کی اولاد کو محروم الارث رکھنا اور مولراج کے چھوٹے بیٹے کو مسند نشین کرنا چاہتا تھا مگر یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب رائے سنگھ کے بیٹے قتل کر دیئے جائیں مگر گیتسی نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا کے خاندان میں سے کسی شخص کے قتل کرنے میں ہرگز معاون نہ ہونگا۔ سالم سنگھ نے اگرچہ اس وقت اس کو کچھ نہ کہا مگر اس بات کو دل میں رکھا اور تھوڑے دنوں بعد جب گیتسی اور اُس کا بھائی سروپ سنگھ ایک برات کے ساتھ ضلع بالوترہ سے آ رہے تھے۔ مقام بیجورائے واقعہ سرحد جیسلمیر پر سالم سنگھ کے آدمی ان سے ملے اور بہ حیلہ مہمان نوازی قلعہ میں لے گئے۔ اور وہاں سے صرف ان کی لاشیں جلانے کے لئے نکلیں۔

گیتسی کی عورت معہ اپنے نابالغ بیٹے میگھا کے سالم سنگھ کے گھر جا کر پناہ گزیں ہوئی بھولی عورت کو کیا خبر تھی کہ یہی ظالم اسکے خاوند اور دیور کی ہلاکت کا باعث ہوا ہے۔ پانچ دن تک تو حسب خاطر تواضع ہوتی رہی مگر اتفاق سے لونڈی نے جو کھانا لیجاتی تھی اُسکے خاوند گیتسی اور اسکے بھائی کے قتل کا واقعہ بہ تفصیل اس کے سامنے بیان کر دیا۔ عورت اصلیت سنکر چلا اٹھی اور اس نے جانا چاہا۔ مگر سالم سنگھ نے اسکے ارادہ سے مطلع ہو کر فوراً ہی ایک تلوار سے ماں بیٹے کا خاتمہ کر دیا۔

اب ابھے سنگھ اور دھوکل سنگھ کی شامت آئی۔ یہ بیچارے رام گڈھ کے قلعہ میں قید تھے۔ ان کی جان بچانیوالا نہ رہا تھا معہ اپنی عورتوں اور بچوں کے زہر دیکر مروا دیئے گئے۔ سالم سنگھ کی مراد پوری ہوئی۔ مولراج کے چھوٹے بیٹے مان سنگھ کا لڑکا گج سنگھ ولیعہد مقرر ہوا۔ اور اس کے باقی بھائی بھاگ کر بیکانیر کو بھاگ گئے۔

سالم سنگھ کا قتل

عجب کی بات ہے کہ راجپوتانہ میں وہ لیں زیادہ مدت تک حکمران رہے ہیں۔ جنکے عہد میں ریاست قبضہ میں رہی ہے کوٹہ کا رئیس جسکے زمانہ میں ظالم سنگھ قادر تھا پچاس برس سے زیادہ حکمران رہا۔ مولراج نے جیسلمیر میں برائے نام اٹھاون سال تک حکومت کی اور اس کا باپ چالیس برس تک

فرمانروا رہا تھا۔ شاید ہی راجپوتانہ کی تاریخ میں کوئی نظیر ایسی ملے جس میں صرف باپ بیٹے نے اسقدر مدت دراز تک حکومت کی ہو۔ یہ صدی کا زمانہ انقلاب کا زمانہ تھا۔ تنزل کے سوا ریاست کے عروج کی کوئی بات نظر نہ آتی تھی۔ مولراج کے دادے جسونت سنگھ کے زمانہ میں بھٹی قوم کی حدیں حسب ذیل تھیں۔ شمال میں گارہاندی تک جو کہ اس ریاست اور ملتان کے درمیان حد فاصل تھی۔ مغرب میں پنج ند تک جس میں سندھ کی گھاٹی کا وسیع قطعہ بھی شامل تھا۔ جنوب میں مقام دہات تک معہ قلعہ جات شیو۔ کولوڑہ اور بارمیر کے جواب مارواڑ کے قبضہ میں ہیں۔ مشرق میں جیسلمیر کی حد پھلودی اور پوکرن اور ان دیگر مقامات تک تھی جو اب بیکانیر و مارواڑ میں داخل ہیں۔ بہاولپور کی ریاست بھاٹیوں کے ملک میں سے نکلی ہے ؛

۱۷۶۲ء میں مولراج مسند نشین ہوا تھا اور ۱۸۱۸ء میں اس نے سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی سے عہد نامہ اتفاق و احدیت کیا تھا۔ اس کے عہد کا یہ آخری کام تھا اور کل عہد میں وہ سالم سنگھ اور اس کے باپ کے اختیار میں رہا۔ ۱۸۲۰ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا پوتا گج سنگھ مسند نشین ہوا مگر وہ بوجہ صغیر سنی بالکل بے اختیار تھا اور گذشتہ چشم دید واقعات سے وہ سالم سنگھ کے بالکل دباؤ میں تھا۔ سالم سنگھ چاہتا تھا کہ وہ ہر ایک سے بے تعلق رہے اور یہی وجہ تھی کہ کسی رئیس کو بھی اس کے ساتھ ہمدردی نہ تھی۔ سالم سنگھ کے آدمی ہر وقت اسکو گھیرے رہتے۔ اور اس کے ہر ایک قول و فعل کی خبر پہنچاتے رہتے تھے۔ خود رئیس اور اس کی رانی معہ دیگر شاہی خاندان کے سب کے سب وزیر کے محتاج اور دست نگر تھے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی۔ اُسی سے مانگتے تھے۔ اور مل جانے پر اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے ؛

عہد نامہ ۱۸۱۸ء سے پایا جاتا ہے کہ ملک ہندوستان میں صرف ایک جیسلمیر کی ہی ریاست تھی۔ جو سب سے آخر سرکار انگریزی کے ظل حمایت میں آئی تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ ریاست اتنی دور واقعہ تھی کہ انگریز اس سے لاپرواہ تھے۔ دوسرے سالم سنگھ کو خوف تھا کہ جب سرکار انگریزی مولراج کی محافظ ہوگی۔ تو اس کے اختیارات میں ضرور فرق آجائیگا۔ اور مظلوم رئیس بھی اس کے ظلموں کا بدلہ لیں گے ؛

اس عہد نامہ سے بڑی مشکلات کا خوف [illegible] ریاست جیسلمیر کو کل بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کا [illegible] ھ کے اراد[illegible] اقرار کیا تھا اور رئیس جیسلمیر کا امیران سندھ و رؤسائے بہاولپور و مارواڑ اور بیکانیر سے بوجہ چھین لینے ممالک کے تنازع تھا۔ رؤسا مارواڑ و بیکانیر سے بھی گورنمنٹ کا اسی قسم کا عہد ہو چکا تھا۔ ہر طرف کے تنازعات کا گورنمنٹ کی ثالثی سے فیصل ہونا

ر امیران سندھ سے صرف دوستانہ عہدنامہ تھا اور بہاولپور سے کسی طرح کا اسوقت تک عہد و پیمان
اگر اس زمانہ میں جیسلمیر کا بہاولپور یا سندھ سے فساد ہو جاتا تو گورنمنٹ کو جیسلمیر کی حمایت میں ا
کرنی پڑتی یا بصورت نہ کرنے حمایت کے عہدنامہ کی خلاف ورزی ہوتی مگر حسن اتفاق یا حکام
یاقت سے ایسا کوئی معاملہ پیش نہ آیا اور آخر کار جب سندھ اور بہاولپور سرکار کی حمایت میں
ام مشکلات دور ہو گئیں ؛

دنامہ کے بعد سالم سنگھ نے کچھ عرصہ کے لئے سلامت روی کا طریقہ اختیار کر لیا تھا مگر اسکو
ے رحمی سے خاص مزا آتا تھا۔ اس نے پھر وہی خونخواری کا طریقہ اختیار کیا۔ اس چند روز
ی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ عہدہ وزارت کو اپنے خاندان میں موروثی قرار دینے کی شرط عہدنامہ
چاہتا تھا مگر جب اسکو ادھر سے مایوسی ہوئی تو بے محابا دست درازی شروع کر دی۔ پولٹیکل
ے رپورٹ کی کہ احدیت سرکار کے ذریعہ سے کئی طرح کے ظلم و تشدد عمل میں آتے ہیں جو باعث
ار ہے۔ وزیر کو فہمائش کی گئی مگر اس شکایت کو محض بے بنیاد بیان کر کے اپنے رحم اور
لی از حد تعریف کی۔ اور ضبطی اور سزادہی کا سلسلہ پہلے سے بھی زیادہ شروع ہوا۔ اس
راجپوتانہ کو شکایت تھی۔ پالیوال مہاجنوں کے پانچ ہزار گھر اجڑ گئے اور انہوں نے وزیر
سے ترک الوطنی اختیار کی۔ مگر اس میں بھی انکی خیر نہ تھی ساہوکار لوگ جب اپنے قبائل
باب کو اس ملک میں سے لے جانے کے واسطے درخواست کرتے اور اگرچہ سالم سنگھ
ش پولٹیکل ایجنٹ پروانہ راہداری دے دیتا تھا مگر وہ راستہ میں لوٹ لئے جاتے تھے
ے بھاری تعداد مہاجنوں کی ملک سے چلی گئی تھی مگر جو باقی تھے وہ سخت مصیبت میں
نکاری کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ تجارت کی درآمد و برآمد کا سلسلہ بالکل منقطع
ریاست کی آمدن کا ذریعہ صرف ضبطی جائداد باقی رہ گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ سالم سنگھ نے
ندوں کو لوٹ لوٹ کر دو کروڑ روپیہ جمع کر لیا تھا اور ریاست کے خزانہ سے عمدہ عمدہ
و بیش قیمت اشیا اپنے قبضہ میں لا کر اردگرد ملکوں میں روانہ کر دیں تھیں ؛
۱۸۲ء میں سالم سنگھ کے قتل کا اقدام ہو مگر یہ راز افشا ہو گیا۔ اور اسکو شک ہو گیا کہ یہ تجویز
نگھ کے ایما سے ہوئی ہے لہذا اس نے اپنے قبائل وطن میں بھیجدیئے مگر اسی
ت کے زبردست قاصدوں نے آگر اس کے ظالم ہاتھوں کو روک دیا مگر مرتے دم تک
تھا کہ اس نے عہدہ وزارت ہمیشہ کے لئے اپنے خاندان میں حاصل کر لیا ہے ؛

کنور سادو سنگھ

جیسلمیر میں پوگل ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ پندرھویں صدی کے شروع میں یہاں کا حکمران رنگ دیو نام ایک سردار تھا۔ اس کا بیٹا بڑا بہادر اور پھرتیلا راجپوت تھا۔ اس کا نام سادو سنگھ تھا اور ریگستان کا سارا علاقہ اس سے کانپتا تھا۔ سادو سنگھ ایک گروہ سواروں کو ہمراہ لیکر پوگل سے نکلتا اور دریائے سندھ سے لیکر ناگور تک کے درمیانی علاقوں میں لُوٹ مار کرتا چلا جاتا۔ تمام لوگ اس سے خوف کھاتے تھے اور کسی ایک کو بھی اس کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ لوگ اس کا نام سن کر ہی کانپ اٹھتے تھے اور جدھر اُس کا گذر ہوتا تھا مالک مکانوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے ؛

ایک دفعہ وہ بہت سے گھوڑے اور اونٹ لُوٹ کر واپس آرہا تھا راستہ میں اسکا گذر اریںنٹ کے مقام پر ہوا اس جگہ کا سردار مانک راؤ مہیل تھا اور ۱۴۴۰ گاؤں اس کے قبضہ میں تھے مانک راؤ نے سادو سنگھ کی دعوت کی۔ سادو سنگھ کی زندگی اگرچہ لُوٹ مار میں گذرتی تھی اور وہ دل کا بڑا سخت تھا مگر وہ بااخلاق تھا اس نے سردار مہیل کی دعوت کو منظور کرلیا اور اسکے گھر میں مع اپنے ہمراہیوں کے کھانا کھانے چلا گیا ؛

مانک راؤ کی ایک لڑکی تھی۔ اسکا نام کرم دیوی تھا۔ سادو سنگھ کی بہادری اور شجاعت کے کارنامے پہلے ہی اسکے کانوں تک پہنچ چکے تھے اور وہ اسکی جانبازیوں کے تذکرے سُن سُنکر اپنی فطرتی شجاعت کی وجہ سے اسکے نام کی بڑی عزت کرتی تھی۔ اب اسکو دیکھکر اسکا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ سادو سنگھ کی تصویر اسکے دل میں گھر کر گئی اور اسکی خوبصورتی اور مردانہ انداز نے اسکی حالت کو بالکل تبدیل کر دیا ؛

کرم دیوی کی منگنی ولیعہد مندور سے ہو چکی تھی۔ اسکا نام ارنکول تھا۔ مانک راؤ کا ارادہ ارنکول سے بگاڑ کرنے کا نہ تھا۔ والئے مندور اسکا زبردست ہمسایہ تھا اور اسکے ساتھ رشتہ داری قائم ہو جانے سے اسکو اپنی۔ ریاست کی بہتری کی بہت کچھ امید تھی لیکن کرم دیوی کی دلی کیفیت معلوم ہونے سے اس نے اسکی آرزوؤں کا خون کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اسکی مرضی کے مطابق

اسکی شادی سادوسنگھ سے ہی کرنی چاہی۔ اگرچہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اسی واقعہ سے دو خاندانوں کے درمیان فساد کی آگ روشن ہو جائیگی۔ اور اسکا نتیجہ بھی بڑا خطرناک ہوگا لیکن وہ مجبور تھا وہ اپنی بیٹی کی بے قراری کو نہیں دیکھ سکتا تھا اور دیدہ دانستہ اپنی بیٹی کے ارمانوں کے گلے پر چھری پھیرنا غیر مناسب سمجھتا تھا۔ اگرچہ ابتدا میں اس نے بہت کچھ غور و خوض سے کام لیا۔ مگر جو فیصلہ آخر کار اس نے اپنے دل سے کیا یہی تھا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کرم دیوی کی شادی ضرور سادھو سنگھ سے ہونی چاہیئے؛

بہادر جھمان کے آگے تمام حال بیان کیا گیا۔ وہ پہلے ہی کرم دیوی کی دلی کیفیت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس نے بدل اس رشتہ کو منظور کیا۔ اگرچہ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ والئے مندور اس رشتہ سے اس کا دشمن بن جائیگا مگر اس نے اس کی مطلق پرواہ نہیں کی اور مانک راؤ سے کہدیا آپ حسب دستور ناریل پوگل میں بھیجدیں۔ میں بڑی خوشی سے کرم دیوی کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں؛"

بموجب ہدایت سادھو سنگھ ناریل بھیجا گیا اور چند دن کے بعد نہایت دھوم دھام سے شادی بھی ہو گئی۔ سادھو سنگھ کچھ دنوں تک ارینٹ میں رہا۔ اور آخر کار مانک راؤ نے بیش قیمت جواہرات۔ سونے چاندی کے برتن۔ ایک سانڈ سونے کا۔ تیرہ کنیزیں اور ہاتھی گھوڑے جہیز میں دیکر رخصت کر دیا؛

ارنکول بھی اس ہتک کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ وہ بھی راجپوت تھا۔ جب اُس نے سُنا کہ کرم دیوی کی شادی سادھو سنگھ سے ہو گئی ہے تو وہ زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ انتقام کی آگ اس کے سینہ میں روشن ہو گئی اور وہ معہ سنکلا کے جس کے بیٹے کو سادھو سنگھ نے قتل کیا ہوا تھا۔ چار ہزار راٹھور ہمراہ لے کر اس کے رستہ پر ہو بیٹھا؛

سادھو سنگھ کے ساتھ مشکل سے سات سو راجپوت تھے۔ اگرچہ اُسے کہا گیا تھا کہ وہ کچھ مزید سپاہ اپنے ہمراہ لیتا جائے۔ مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے؛ صرف کرم دیوی کا بھائی میگراج پچاس آدمیوں کے ساتھ اس کے ہمراہ آیا تھا؛

چوندان کے مقام پہ دوپہر بسر کرنے کے لئے ڈیرہ جمایا گیا۔ برات کے آدمی خوش خوش لیٹے پڑے تھے۔ سادھو سنگھ اور کرم دیوی آپس میں محبت اور پیار کی باتیں کر رہے تھے کہ رقیب کی سپاہ نے انکو آگھیرا۔ نقارہ پر چوٹ پڑنے لگی راجپوتوں کی چمکتی ہوئی تلواریں آنکھوں کے چندھیانے

لگیں۔ اور طرفین کے بہادر داد شجاعت دینے کے لئے کمریں کسنے لگے؛

ارنکول کی سپاہ تعداد میں زیادہ تھی۔ مگر وہ خود بھی شجاع تھا اس نے اپنی سپاہ کی کثرت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہا۔ اور اس بات کا ارادہ ظاہر کیا کہ ایک کے مقابل میں ایک ہی زور آزمائی کرے۔ جے تنکا جو سادہو سنگھ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ زین برزین پوش بچھائے سو رہا تھا۔ سنکلا نے اسکو پہچانا اور ارنکول نے ایک خدمتگار اس کے جگانے کے لئے بھیجا مگر اس کا پنج کلیان گھوڑا قبل اسکے اسکو جگا چکا تھا۔ بہادر راجپوت نے پیغام جنگ کو قبول کیا۔ مگر یہ وقت اس کا افیون کھانیکا تھا۔ تھوڑی سی مہلت طلب کی۔ مگر اتفاق سے افیون کی ڈبیا رستہ میں گر گئی تھی۔ اُسی خدمتگار کی معرفت غنیم سے افیون طلب کی۔ با اخلاق راجپوت نے فوراً افیون بھیجدی۔ افیون کھا کر جے تنکا حسب معمول کچھ دیر کے لئے لیٹ گیا۔ اور پھر اُٹھکر ہاتھ منہ دھوئے اور اسلاح جنگ سے آراستہ ہوکر خادم کو گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا۔ گھوڑا تیار کر دیا گیا۔ اور جے تنکا اسکی گردن پر تھپکی دیتا اور ذیل کے الفاظ کہتا ہوا اس کی پُشت پر سوار ہو گیا۔ "دوست تیار ہو جاؤ! آج تمہاری ہمت اور وفاداری کا امتحان ہو گا"

یہ کہکر بہادر جے تنکا شیر کی طرح غراتا اور گھوڑا کودتا میدان جنگ میں آیا۔ ارنکول نے جودھا نامی ایک شجاع چوہان کو اس کے مقابلہ کا حکم دیا۔ دونوں بہادروں کی دو دھاری تلواریں میانوں سے نکل کر چمکنے لگیں۔ خوب زور آزمائی ہوئی مگر جے تنکا آخر کار غالب آیا اور چوہان مہلک زخم کھاکر زمین پر گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ جے تنکا کی شجاعت کی داد دوست اور دشمن دونوں نے دی اور چاروں طرف سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے؛

اسی طرح دو دو آدمی ایک دوسرے کے مقابل لڑتے رہے۔ آخر کار سادہو سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر خود میدان جنگ میں آیا۔ اور دو مخالف جو یکے بعد دیگر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے قتل ہوئے۔ کرم دیوی اپنی پالکی میں بیٹھی ہوئی لڑائی کا تماشہ دیکھتی اور اپنے شوہر کے بہادرانہ حملوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ سادہو سنگھ کی تلوار غضب کا کام کر رہی تھی جس کے سر پر پڑتی کمر تک چیرتی چلی جاتی۔ اس طرح راہٹور کے چھ سو اور دوسری طرف کے تین سو آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔ سادہو سنگھ کئی ایک دشمنوں کو خاک میں ملاکر کرم دیوی کے پاس آیا اُس کا خیال تھا کہ یہ اس نظارہ سے خوف زدہ ہو گئی ہو گی۔ مگر وہ غلطی پر تھا شجاع راجپوتنی نے اسکو دیکھتے ہی اس کی بہادری کی تعریف کی اور کہا "آپ اس وقت میرے پاس کیوں آئے ہیں؟

ت کی محبت چھتری کو اپنے فرائض ادا کرنے سے نہیں روک سکتی۔ آپ اپنا فرض ادا کریں اور
اطمینان رکھیں۔ کہ کرم دیوی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں آپ کے ساتھ ہوگی۔ اگر آپ
نے فتح پائی تو وہ کنیزوں کی طرح آپ کی خدمت کرے گی۔ اگر آپ میدان میں کام آئے تو وہ
ستی ہو کر آپ کے ساتھ اپنی جان دیگی"۔ کرم دیوی کی اس گفتگو کو سنکر سادھو سنگھ کا حوصلہ
بھی بلند ہو گیا۔ وہ گرجتا ہوا میدان جنگ کو پلٹا اور ارنکول سے پکار کر کہنے لگا" اس قدر
خونریزی بالکل لاحاصل ہے۔ طرفین کے جوانمرد بے فائدہ کٹ رہے ہیں۔ جھگڑا صرف ہم دونوں
کا ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ راجپوتانہ کی زمین پر ہم تم دونوں کیلئے صرف ایک آدمی
رہ سکے گا۔ آؤ ہم تم ایک دوسرے کے مقابل ہو کر اس جھگڑے کا یکطرفہ فیصلہ کر دیں"۔
راٹھور بھی بہادر راجپوت تھا اس نے اپنے رقیب کی رائے سے فوراً ہی اتفاق کیا دونوں
میدان میں نکلے۔ معمولی شجاعت سے چند منٹ تک ایک دوسرے کو اول وار کرنے کے لئے
کہتے رہے۔ آخر کار سادھو سنگھ نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے راٹھور سردار کی گردن پر تلوار کی ضرب
لگائی۔ زخم کاری تھا مگر راٹھور نے بھی اسی لمحہ اس کا جواب دیا۔ دونوں حریف ایک ساتھ زمین پر
گرے۔ سادھو تو اسی وقت ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر راٹھور میں ابھی جان باقی تھی۔
دونوں طرف کے سرداروں کے گرتے ہی لڑائی بند ہو گئی۔ اور طرفین کے راجپوت اپنے
اپنے سردار کو فرش زمین سے اٹھانے کے لئے آگے بڑھے۔
کرم دیوی اپنے شوہر کو دور سے گرتا ہوا دیکھ کر فوراً اس کی لاش کے سر پر آئی۔ موت بڑی
زبردست طاقت ہے۔ اس کے سامنے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ مگر سادھو سنگھ نے ایک بہادر چھتری
کی طرح لڑتے ہوئے میدان جنگ میں جان دی تھی۔ اس لئے کرم دیوی کو اس کی موت کا کچھ بھی
افسوس نہ تھا۔ اس نے اس کا سر اٹھا کر زانو پر دھرا۔ اور نہایت استقلال کے ساتھ اس کے
چہرے کی طرف دیکھ کر بغیر ایک آنسو بہانے کے چتا تیار کرنے کا حکم دیا۔ قبل اس کے کہ چتا تیار
ہو کرم دیوی نے اپنے ہاتھ سے اپنا ایک بازو تلوار سے جدا کیا اور ایک سوار کے حوالہ کر کے حکم دیا
کہ اس کو اس کے شوہر کے باپ کے پاس پہنچا دے۔ پھر وہ ایک راجپوت کی طرف مخاطب
ہوئی اور کہا" اپنی تلوار سے تم میرا دوسرا بازو بھی جدا کر دو"۔ راجپوت نے اس حکم کی تعمیل میں کسی
قدر تامل کیا مگر شیرنی نے گرج کر کہا" تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے سردار کی بیوہ کے حکم کی فرمانبرداری
کرو۔ تم راجپوت ہو۔ راجپوت کے لئے اپنے آقا کی حکم عدولی کرنا اس کی شان کے خلاف ہے"۔

راجپوت نے سر جھکا لیا اور بڑھ کر کرم دیوی کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ لیا؛

یہ ہاتھ اس نے بھیل کے کبیشر کے حوالے کیا اور کہا " اس ہاتھ کو میرے باپ کے پاس لے جانا اور کہنا کہ آپ کی لڑکی کا یہ آخری تحفہ ہے "؛

اب چتا تیار ہو چکی تھی کرم دیوی اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ اس میں جا بیٹھی۔ اس کے دونوں بازو کٹ چکے تھے۔ خون کے کثرت سے بہ جانے سے وہ بہت نڈھال ہو گئی تھی لیکن اس کی آنکھوں سے نہ تو ایک آنسو ٹپکتا تھا نہ ہی اس کے منہ سے کوئی آہ نکلتی تھی مستقل مزاج راجپوتنی نے چتا کو آگ دکھلانے کا اشارہ کیا۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ آگ کے شعلے بھڑک بھڑک کر بلند ہونے لگے۔ دھواں اوپر کو اُٹھنے لگا۔ اور سب کے سامنے دیکھتے دیکھتے دلاور راجپوتنی اسی جگہ پر جہاں کہ اس کا شوہر قتل ہو کر گرا تھا جل بل کر راکھ ہو گئی !!

یہ لڑائی ۱۴۸۰ء میں واقعہ ہوئی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ نقصان سنکلا کا ہوا۔ اس کے ۳۵۰ آدمیوں میں سے صرف ۲۵ آدمی باقی بچے۔ سب کے سب میدان جنگ میں کام آئے مہراج کو بھی زخم شدید پہنچا۔ ارنکول کے چار بھائی قتل ہوئے اور اگرچہ وہ خود اس وقت فوت نہیں ہوا مگر اس کا زخم بھی مہلک تھا۔ باوجود بڑی کوشش کے بھی وہ درست نہ ہوا اور چھ ماہ کے بعد وہ بھی اسی صدمہ سے مر گیا؛

یہ جھگڑا اگر یہیں ختم ہو جاتا تو بہتر ہوتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ دونوں راج کنوروں کے مر جانے سے انتقام کی آگ زیادہ روشن ہو گئی اور ایک عالمگیر جھگڑا پیدا ہو گیا؛

بوڑھے رننگ دیو نے اپنے بیٹے کی بہادر عورت کا بازو چتا بنا کر جلا دیا۔ اور اس کی جگہ پر ایک تالاب بنوایا۔ یہ تالاب آجکل جھیل کورمدیوی کے نام سے مشہور ہے۔ راجپوت اس کو بڑا متبرک مقام خیال کرتے ہیں۔ اور جب کبھی چند آدمیوں کو اس کے کنارہ پر جمع ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو اس دردناک داستان کو یاد کر کے گھنٹوں تک آنسو بہایا کرتے ہیں!

رننگ دیو اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ مگر بیٹے کے انتقام نے اس کو اس عمر میں بھی تلوار میان سے نکالنے کے لئے مجبور کیا۔ اس نے سنکلا پر فوج کشی کی اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو ہمراہ لے کر اس پر چڑھ گیا۔ ایک خونریز لڑائی کے بعد سنکلا کو شکست ہوئی۔ اس کے تین سو رشتہ دار مارے گئے۔ اور وہ خود بھی سخت زخمی ہو کر میدان جنگ سے بمشکل جان بچا کر نکل گیا؛

رننگ دیو اس لڑائی سے فتحیاب ہو کر واپس آرہا تھا کہ سرحد کے قریب ارنکول کا باپ

[ا]س پرآن گرا۔ خوب زور شور سے لڑائی ہوئی۔ رننگ دیو مارا گیا۔ اور راٹھور اپنے بیٹے کا بدلہ لے کر
[خو]شی خوشی مندور کو پلٹ گیا؛

رننگ دیو کے دو بیٹے اور بھی تھے۔ ایک کا نام ٹنو اور دوسرے کا میرو تھا۔ مگر یہ بدلہ لینے
[کے] قابل نہ تھے۔ کوشش انتقام کا جاری رکھنا ضروری تھا اس لئے وہ خضر خاں والئے ملتان
[کے] پاس گئے۔ اور التجا کی کہ اگر وہ چونڈا کے برخلاف ان کی مدد کرے تو وہ اپنا مذہب تبدیل کر کے
[مس]لمان ہونے اور عمر بھر اس کی متابعت اُٹھانے کو تیار ہیں۔ خضر خاں شریعت کا سخت پابند تھا
[او]ر اس کو یہ مسئلہ یاد تھا کہ جس طرح بن پڑے مذہب اسلام کو ترقی دینی چاہیئے۔ وہ فوراً ان کی مدد
[کے] لئے تیار ہو گیا اور ایک ہزار سوار ان کے ہمراہ چونڈا کے برخلاف روانہ کئے۔ چونڈا نے ابھی ابھی
[ناگ]ور فتح کر کے اپنے علاقہ میں شامل کیا تھا۔ اور وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ اُس کے
[دش]من اس کی تباہی کی کیا کیا تجویزیں کر رہے ہیں؛

اب راول جیسلمیر کا تیسرا بیٹا کیلن بھی ٹنو اور میرو کے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔ اس نے ہدایت
[کی] کہ بجائے علانیہ جنگ و جدل کے اگر حکمت عملی سے کام لیا جائے تو کامیابی کی اُمید جلدی
[ہو س]کتی ہے۔ اور بدلہ بھی آسانی سے لیا جا سکتا ہے۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور کیلن نے
[چون]ڈا کو مفصلہ ذیل پیغام بھیجا؛

آئے دن کی خونریزی سے طرفین کا سخت نقصان ہو رہا ہے۔ سینکڑوں آدمی کٹ رہے
[ہ]یں۔ علاقہ تباہ اور برباد ہو چلا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مندور اور جیسلمیر کے درمیان نئے
[سر]ے سے رشتۂ محبت و یگانگت قائم کیا جائے۔ اس تجویز کی تکمیل کے لئے میں اپنی لڑکی آپ کی
[خد]مت میں دیتا ہوں۔ اگرچہ یہ ملک کے رسم و رواج کے خلاف ہے۔ مگر میں رفع اشتباہ اور آپکو
[مط]مئن کرنے کے لئے اپنی بیٹی کو ناگور میں ہی بھیجدونگا۔ اور وہیں پر رسوم شادی بھی ادا ہو جائیگی؛

چونکہ یہ ایک معقول تجویز [illegible] تھی۔ اس لئے چونڈا نے بھی اسکو فوراً منظور کیا؛
جیسلمیر میں شاہزادی کو روانہ کرنیکی تیاریاں ہونے لگیں۔ پچاس گاڑیاں آراستہ کی
[گئ]یں۔ مگر ان میں بجائے دلہن اور لونڈیوں کے مسلح سپاہی بٹھلائے گئے۔ اونٹوں پر سامان
[ج]ہیز بتلایا جاتا تھا۔ مگر ان کے ہمراہ بھی بغرض حفاظت سات سو سوار تھے۔ جو بالکل مسلح اور
[س]امان حرب سے آراستہ تھے۔ ایک ہزار سوار خضر خان کے بھی ہمراہ تھے لیکن یہ کچھ فاصلہ پر
پیچھے جا رہے تھے؛

جب یہ قافلہ ناگور کے قریب کے پہنچا۔ تو چونڈا شہر سے کچھ فاصلہ پران کے ملنے کے لئے آیا۔ اور جب تک وہ گاڑیوں تک نہ پہنچ گیا۔ اسکو اصل حال معلوم نہ ہوا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ انکے ساتھ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں۔ جن کا تعلق شادی سے نہیں۔ تو اس کے دل میں شبہ گذرا۔ اور وہ واپس لوٹا مگر اب وقت گذر چکا تھا۔ غنیم کی چال درست پڑ چکی تھی۔ راجپوت گاڑیوں اور اونٹوں سے تلواریں سونت کو دپڑے۔ اور خضر خاں کے سوار بھی جو پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ انکے ساتھ مل گئے۔ چونڈا نے اپنے معدودے چند ساتھیوں کے ہمراہ ناگوار کا رخ کیا۔ مگر دشمن تعاقب میں تھے۔ تلوار پر تلوار چل رہی تھی۔ لوہا خوب برسا۔ مندور کی چند جانوں نے دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار سب کے سب مارے گئے اور شہر کے پھاٹک تک پہنچتے پہنچتے چونڈا بھی قتل ہو گیا ؛

اب طرفین کا بدلہ مساوی ہو چکا تھا۔ کیونکہ مندور معہ اپنے ایک بیٹے کے مارا گیا تھا اور اسی طرح سردار جیسلمیر اور اس کا بیٹا قتل ہو چکا تھا۔ راؤ پوگل کی ریاست اگرچہ بہت تھوڑی تھی۔ مگر وہ برابر لڑتا رہا تھا۔ طرفین نے اپنی اپنی عزت کا خوب پاس کیا مگر اب اس عداوت کے جاری رکھنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ طرفین کا انتقام برابر ہو چکا تھا۔ ممکن تھا کہ یہ آگ کچھ دیر تک اور بھی روشن رہتی مگر ایک موقعہ ایسا بن گیا کہ ان دونوں رئیسوں کے درمیان ایک دفعہ پھر صلح ہو گئی اس کا باعث یہ تھا کہ مسلمانوں کی سپاہ دن بدن بڑھتی چلی آتی تھی۔ طرفین کے سرداروں نے باہم ملکر مشورہ کیا کہ اس طرح ہم دونوں تباہ ہو جائیں گے بہتر ہے کہ باہم ملکر اول اس شخص کا مقابلہ کریں۔ جو کہ ہم دونوں کا دشمن ہے سب نے اتفاق کیا اور قسمت اچھی تھی۔ جو کسی نے اس تجویز سے مخالفت نہیں کی۔ راٹھور اور بھاٹی ایک دفعہ پھر بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے گلے ملے۔ اور اسی طرح پر دونوں طرف کی فوجوں نے ملکر تاتاریوں پر حملہ کیا۔ اور خضر خاں کی فوج کو نمایاں شکست دی ؛

میرو اور ٹنو چونکہ انتقام کے جوش میں اپنے وطن سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اس لئے اب انکا پوگل میں رہنا محال تھا۔ دونوں کو مجبوراً اپنے ساتھ باپ دادا کی ریاست سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ اور پوگل کی ریاست کیلن کے قبضہ میں آگئی ؛

یہ کیلن وہی کیلن ہے جس کا بیٹا چاچک دیو بڑا بہادر اور شجاع ہوا ہے۔ اور کسی دوسرے مقام پر اس کتاب میں اس کی زندگی کے واقعات بھی درج کیے گئے ہیں ؛

ریاست کھنڈیلہ

شروع میں یہ مجمع راج جے پور سے نکل کر انقضاء مدت اور اتفاقات زمانہ سے ریاست مذکور کے برابر زبردست اور صاحب حشمت ہوگیا تھا ان میں نہ تو کوئی قانون تحریری تھا نہ اتفاق واحدیت تھی اور نہ کوئی ان کا افسر مقبول العوام تھا۔ صرف فوائد یکسانی حالات کے ہر ایک جاگیردار بنا ہوا تھا۔ مگر یہ بھی متصور نہ ہوتا تھا کہ اس مجمع میں صلاح وتدبیرات کا کوئی سررشتہ نہیں ہے کیونکہ جب کسی معاملہ متعلق ذات و فوائد عوام میں خلل ہوتا تھا تو سرداران شیخاوٹ تدبیر مناسب کرنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے ؛

شیخاوٹ کا گروہ بالوجی کے پوتے شیخاجی کی اولاد ہے۔ بالوجی کی جاگیر امرتسر میں تھی اسکے تین بیٹوں میں سے موکل باپ کا جانشین ہوا۔ موکل اول لاولد تھا مگر کہتے ہیں کہ ایک مسلمان مرتاض کی دعا سے اسکی مراد برآئی اس ولی فقیر کا نام شیخ برہان تھا اس لیے اسکے نام پر لڑکے کا نام شیخا رکھا گیا۔ یہ قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن شیخ برہان امرتسر کے ایک جنگل میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا موکل بھی وہاں پہنچ گیا۔ شیخ نے سوال کیا۔ موکل نے جواب دیا کہ جس چیز کی فقیر کو ضرورت ہو حاضر کی جاسکتی ہے۔ فقیر بولا "تھوڑا سا دودھ پلوایئے"۔ اتفاق سے اس موقعہ پر جو گائے بھینس موجود تھیں ان میں سے کوئی دودھ دینے والی نہ تھی۔ موکل خاموش ہوگیا مگر فقیر نے ایک بے دودھ کی بھینس کے تھن سے دودھ دوہ لیا۔ موکل سال خوردہ تھا اس بات کو کرامت سمجھا اور عرض کی کہ حضرت ابھی تک لاولد ہوں کچھ کرامات دکھایئے۔ خدا کی قدرت اس سال موکل کے لڑکا پیدا ہوا۔ اسکا نام شیخا رکھا گیا اور اسکی اولاد شیخاوٹ مشہور ہوئی۔ یہ فرقہ سور کے شکار سے مطلقاً پرہیز کرتا ہے۔ اب درگاہ میں سہرے اور بدھی چڑھانے کا رواج نہیں لیکن لڑکے اب بھی دو برس کی عمر تک سہرا اور کالا گھنٹا پہنتے اور سیاہ ٹوپی رکھتے ہیں۔ قوم شیخاوٹ شیخ برہان کی اسقدر عزت کرتی ہے کہ زرد جھنڈے میں کالا پھریرا استعمال کیا جاتا ہے ؛

شیخا نے عالم جوانی میں گرد و نواح کے تین سو ساٹھ دیہات فتح کئے۔ اسکے اس عروج پر

راجہ امیر کے کان کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ ابتدائی لڑائیوں میں شیخاوٹ نے اس قدر زور پکڑا۔ کہ خود مختاری حاصل کر لی مگر سوائی جے سنگھ نے سلطنت دہلی کی صوبیداری کے زمانہ میں انکو آخر کار اپنا مطیع بنا کر چھوڑا۔

شیخا اپنے بیٹے رائے مل کے لئے ایک زبردست ریاست چھوڑ مرا۔ رائے مل کے تین بیٹے تھے۔ لون کرن۔ رائے سال اور گوپال جن میں سے لون کرن کو امرت سر اور تین سو ساٹھ شہروں اور دیہات کی حکومت حاصل ہوئی۔ رائے سال کو لاہنی اور گوپال کو چھارنی کی جاگیریں ملیں۔ رائے سال کچھ ایسا خوش قسمت تھا۔ کہ اس کی ذات سے قوم شیخاوٹ کو خاص عروج حاصل ہوا۔

دیبی داس بقال لون کرن کا دیوان تھا۔ سب لوگ اس کی عقل فہم اور ذکاوت کے قائل تھے۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس کی زبان سے نکل گیا کہ عقل اور خوش قسمتی خدا داد ہے اور اس کے مقابلہ میں بادشاہت کی بھی کچھ وقعت نہیں۔ لون کرن جوش میں آگیا۔ اور کہا لاٹھی میں رائے سال کے ساتھ اپنے اس دعوے کا ثبوت دو۔ دیوان لاٹھی کو روانہ ہوا۔ اور رائے سال نے حسب مقدرت اس کی تواضع کی۔ اور دیوان نے رائے سال کو دربار شاہی میں جا کر قسمت آزمائی کرنے کی صلاح دی۔

رائے سال بیس سواروں کے ساتھ عین اس موقعہ پر دہلی میں وارد ہوا جب افغانوں کی یورش کے انسداد کی غرض سے فوج کمربستہ ہو رہی تھی۔ رائے سال بھی فوج شاہی کے ساتھ ہو لیا۔ اور افسر فوج کے دیکھتے دیکھتے دشمن کے سپہ سالار کو اس بہادری سے قتل کیا کہ بے ساختہ سب کی زبان سے واہ واہ نکل گئی۔ اور لشکر مخالف جی چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ رائے سال اجنبی تھا۔ سپہ سالار نے بہت تحقیقات کی کہ اس فتح کا بانی کون ہے لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر کار اس نے ایک عام دعوت دی اور تمام فوجی افسر یکے بعد دیگرے سامنے بلائے۔ جب رائے سال کی باری آئی۔ تو سپہ سالار نے پہچان لیا کہ دشمن کا قاتل یہی ہے۔

جب لشکر دہلی میں واپس آیا تو اکبر نے رائے سال کو درباریوں میں شامل کر کے چندیل راجپوتوں کے اضلاع ردا سو اور کھاسلی بطور جاگیر عطا فرمائے۔ اس کے بعد رائے سال کو بہت جلد مہم بھٹنیر کی شرکت کا حکم ہوا۔ اس مہم کی کارگذاری کے صلہ میں نربھان راجپوتوں کے مقبوضات یعنی کھنڈیلہ اور اودے پور عطا ہوئے۔ مگر یہ لوگ بادشاہ سے بالکل منحرف تھے۔ اور ہمیشہ لوٹ مار سے امن و امان میں خلل انداز رہتے تھے۔

رائے سال جانتا تھا کہ نربھان راجپوت موم کے بنے ہوئے نہیں۔ نہ انکو اُن کے موروثی علاقہ سے محروم کرنا آسان تھا۔ لہذا اس کا خیال تھا کہ بغیر کشت وخون کے اگر حکمت عملی سے کام نکلجائے تو بہتر ہوگا۔ ابھی بھٹنیر کی مہم درپیش نہ ہوئی تھی کہ اس کی شادی کھنڈیلہ کی راجکماری کے ساتھ قرار پائی۔ شادی میں جو جہیز ملا۔ اس پر حجت ہوئی۔ جب تکرار بڑھ گئی تو نربھان نے تیز ہوکر کہا کہ اب یہاں پتھروں کے سوائے اور کچھ نہیں۔ نجومی رائے سال کے ساتھ تھا۔ اس نے کان میں عرض کیا "یہ فقرہ یاد رکھنا!

اسی وقت رائے سال کو کھنڈیلہ کے قبضہ میں لانے کی فکر ہوئی۔ اور بہت تھوڑے عرصہ بعد فوج کشی کی گئی۔ نربھان مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور کھنڈیلہ فتح ہوکر شیخاوٹی کا دار السلطنت بن گیا۔

رائے سال نے میواڑ کے شجاع رانا پرتاب کے مقابلہ اور کابل کی مہم میں راجہ مان سنگھ کے ساتھ اپنی بہادری اور شجاعت کا نمایاں ثبوت پیش کیا۔ اس کے انتقال کے حالات معلوم نہیں ہوئے۔ مگر اس کی زندگی کے واقعات نے دیبی داس کا یہ قول ثابت کردیا کہ تدبیر تقدیر موروثی جائداد سے زیادہ مقدم ہے۔

جب رائے سال فوت ہوا تو اس کا ملکی انتظام بہت درست اور ملک آباد و خوشحال تھا اس کے سات فرزند تھے۔ گردھر۔ بھوج راج۔ نرمل راؤ پرسرام۔ ہررام۔ تاج خاں۔ لاڑخاں رائے سال کے بعد گردہر گدی نشین ہوا۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی بڑا بہادر اور عقلمند تھا۔ ان ایام میں میوات کے میو قزاقوں نے سخت فتور مچا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ دہلی کے قریب ترین علاقوں میں بھی لوٹ مار کر جاتے تھے۔ اس گروہ کی سرکوبی گردھر رائے والئے کھنڈیلہ کے سپرد ہوئی تھی اس نے ایک منتخب سپاہ کے ساتھ انپر چڑھائی کی۔ قزاقوں کا سرغنہ تہ تیغ ہوا۔ اور باقی لوگ کچھ تو قتل ہوئے۔ اور کچھ منتشر ہوگئے۔ بادشاہ نے خوش ہوکر گردھر رائے کو راجہ کا خطاب عطا کیا راجہ کھنڈیلہ کا ایک ملازم لوہار کی دوکان پر اپنی تلوار درست کرا رہا تھا۔ اتنے میں ایک مسلمان بھی وہاں آنکلا۔ اور راجپوت سے دل لگی کرنے لگا۔ اول اس نے چند بیہودہ سوالات کئے۔ جن کا جواب راجپوت دلاور نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ دیا۔ مگر مسلمان اس کے لب و لہجہ پر ہنسی اُڑاتا۔ اور منہ چڑاتا رہا یہاں تک کہ ایک جلتی ہوئی لکڑی اُس کی پگڑی پر رکھدی اب راجپوت سے زیادہ ضبط نہ ہوسکا۔ تلوار اُٹھا کر ایک ایسا ہاتھ رسید کیا کہ مسلمان کا سر قدموں پر

لوٹنے لگا۔ جب یہ واقعہ مقتول کے آقا نے سنا تو اس نے اپنی سپاہ راجہ کھنڈیلہ کے مخالف روانہ
کی۔ اسوقت گردھر رائے دریائے جمنا کے کنارہ پر پوجا پاٹ میں مشغول تھا دشمن بے خبری میں
اسپر ٹوٹ پڑے اور وہیں اسکی زندگی کا خاتمہ کر دیا٭

گردھر رائے کے بعد اسکا بڑا بیٹا دوارکا داس مسند نشین ہوا۔ رئیس منوہر پور اُس سے حسد
رکھتا تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ لون کرن کی شاخ کلاں میں سے ہونے کی وجہ سے وہ بھی اپنے آپ
کو گدی کا مستحق سمجھتا تھا۔ ایک دن بادشاہ دہلی نے حکم دیا کہ کوئی آدمی شیر ببر کے پنجرہ میں داخل
ہو کر بغیر ہتھیار کے اسکا مقابلہ کرے۔ تمام آدمی خاموش ہوگئے جسپر رئیس منوہر پور نے عرض کیا کہ
صرف دوارکا داس ہی اس مقابلہ کے لائق ہے۔ دوارکا داس اس فریب کو سمجھ گیا مگر کچھ پرواہ نہ کی۔
نہا دھو کر چاول اور چندن لیکر بلا خوف اور بے ہتھیار پنجرے میں گھس گیا۔ شیر کے ماتھے پر چندن
کا ٹیکا کر کے اس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور جھک کر شیر کو ڈنڈوت کی۔ شیر ببر نے مطلق
سر نہ ہلایا بلکہ زبان سے اسکا بدن چاٹنے لگا۔ تماشائی حیران رہ گئے۔ بادشاہ نے تحسین و آفرین
کی اور خوش ہو کر حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو طلب کرو۔ دوارکا داس نے التجا کی۔ کہ براہ مہربانی
آئندہ کسی کو ایسے سخت امتحان میں نہ ڈالا کریں٭

دوارکا داس اور خان جہان گہرے دوست تھے ایک موقعہ پر بادشاہ دہلی نے خان جہان
کے قتل کا حکم دیا۔ دوارکا داس نے فوراً اس کو خبر کی کہ یا تو مردانہ وار لڑ کر تہ تیغ ہو یا بھاگ کر
جان بچاؤ۔ چنانچہ بقول فرشتہ رئیس شیخاوٹ بھی اس کی رفاقت میں جان بحق تسلیم ہوا۔ ایسے
ایسے واقعات قتل راجپوتوں کی تواریخ میں بکثرت پائے جاتے ہیں٭

دوارکا داس کے بعد اس کا بیٹا نرسنگھ دیو مسند نشین ہوا اس نے مہم دکن میں بڑے
بڑے کارنمایاں کئے جسکے عوض میں پرمالا کی ہٹری اس کو ملی٭

نرسنگھ دیو کے سات بیٹے تھے۔ بہادر سنگھ۔ امر سنگھ۔ سیام سنگھ۔ چک دیو۔
بھوپال سنگھ۔ ہوکری سنگھ اور دہیم سنگھ۔ بہادر سنگھ کو تو کھنڈیلہ کی ریاست ملی اور باقی
بھائیوں کو دوسری جاگیریں۔ نرسنگھ دیو دکن میں شاہی خدمات انجام دے رہا تھا کہ بیٹے
کی مسند نشینی کی خبر اس کے پاس پہنچی۔ وہ صرف چارسو سوار ہمراہ لے کر کھنڈیلہ کو روانہ ہوا
دو کوس کے فاصلہ پر ایک جاٹنی سے کھانا طلب کیا۔ اور ہدایت کی۔ گھوڑے کو دیکھتے
رہنا۔ کوئی لے نہ جائے۔ جاٹنی نے تیور چڑھا کر جواب دیا۔ کیا تم بہادر سنگھ کی خوش انتظامی

سے واقف نہیں ہو؟ گھوڑا کیا اگر سونا بھی ڈالدو تو کوئی نظر بھر کر نہ دیکھے"!

نرسنگھ دیو اپنے بیٹے کا ایسا انتظام سُنکر بھڑک اُٹھا اور دکن کو واپس چلا گیا ؛

باپ کی وفات کے بعد بہادر سنگھ نے بھی لشکر اسلام کے ساتھ ملکر دکن کی مہمات میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ لیکن اتفاق سے کسی مسلمان افسر سے کچھ جھگڑا ہو گیا اور متعصب اورنگ زیب نے اس کی کچھ سماعت نہ کی۔ اس پر یہ ناراض ہوکر فوج سے چلا آیا ؛

اسی زمانہ میں اورنگ زیب نے ہنود پر جزیہ قائم کیا۔ اور حکم دیا۔ کہ ان کے مندر مسمار کئے جائیں ؛

فوج شاہی علاقہ کو تباہ و برباد کرتی ہوئی ریاست کھنڈیلہ میں داخل ہوئی لیکن بہادر سنگھ اس وقت ایسی کمزور حالت میں تھا کہ وہ تاب مقابلہ نہ لاکر پہاڑوں میں چلا گیا۔ فوج شاہی شہر سے صرف دو کوس کے فاصلہ پر رہ گئی تھی۔ اور ان کا شہر میں پہنچکر تمام مندر اور عبادت خانوں کو مسمار کرنا یقینی امر تھا۔ یہ خبر سوجان سنگھ رئیس جالوبی کے جو رائے سال کی اولاد میں سے تھا گوش زد ہوئی۔ چونکہ اس میں بھی اپنے بزرگوں کی سی شجاعت اور دلاوری موجود تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ کھنڈیلہ کے معبدوں کو بچانا چاہیئے۔ اور اگر وہ اُن کے بچانے میں کامیاب نہ ہوا تو اپنی جان اس کی حفاظت کی نذر ضرور کر دیگا۔ جبوقت یہ خبر اس کو پہنچی وہ سرحد میواڑ پر اپنی شادی کے سامان کر رہا تھا وہ فوراً ہی اپنے گھر کو واپس آیا اور اپنی والدہ سے اجازت طلب کی۔ اگرچہ محبت مادری اپنے اکلوتے بیٹے کو میدان جنگ میں اور وہ بھی ایسے موقعہ پر جس کا نتیجہ سوائے جان دیدینے کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا بھیجنے کی اجازت نہ دے سکتی تھی مگر اس بہادر راجپوتنی نے نہایت حوصلہ سے اُسے اجازت دی اور کہا "میں تجھے خوشی سے الوداع کہتی ہوں۔ چھتری کا دھرم ہی لڑنا اور مرنا ہے مگر اتنا یاد رہے۔ کہ جس اہم کام کا بیڑا اُٹھا کر تم گھر سے جاتے ہو اس کو مرتے دم تک نہ بھولنا۔ کامیابی یا ناکامیابی ایشور کے اختیار میں ہے لیکن تم نے اپنے فرض کو ہرگز فراموش نہ کرنا۔ موت ہر شخص کے لئے لازمی ہے۔ لیکن چھتری کی وہ موت جو میدان جنگ میں واقعہ ہو ایک مبارک موت ہے۔ بس تمہیں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے مرتے سُنکر ہرگز آنسو نہ بہاؤں گی بلکہ وہ دن میرے لئے نہایت خوشی کا دن ہوگا۔ جب [illegible] ہونگی۔ کہ میرے بیٹے نے بھی میدان کارزار کی خاک پاک کو اپنا آخری بستر بنایا ہے"۔

ماں سے رخصت ہو کر سوجان سنگھ نے اپنے تمام بھائی بندوں اور رشتہ داروں کو جمع کر کے اپنا ارادہ اُن پر ظاہر کیا۔ سب نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ لیکن ایک سن رسیدہ راجپوت نے کہا کہ یہ کام بہادر سنگھ کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ اور جب وہ ہی اپنی ڈیوٹی کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا گھسا ہے تو پھر تمہیں کیا ضرورت ہے کہ بیگانی بلا اپنے گلے میں ڈال لو۔ سوجان سنگھ نے اسکی طرف نہایت تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا "کیا میں بھی رائے سال کے خاندان سے نہیں ہوں؟ کیا میری رگوں میں بھی راجپوتی خون گردش نہیں کر رہا ہے اگر یہ درست ہے۔ تو یہ ناممکن ہے کہ میں اپنے ٹھاکر کے مندروں کو مسمار ہوتے دیکھوں اور خاموش ہو رہوں اگر بہادر سنگھ یہاں موجود نہیں ہے تو نہ سہی سوجان سنگھ تو ہے"۔

سوجان سنگھ کی یہ گفتگو سُنکر اس بوڑھے راجپوت نے بڑی محبت سے اسکی پُشت پر ہاتھ پھیرا اور کہا "بیٹا! میں تجھے دیکھتا تھا کہ تو کہاں تک اپنے ارادہ پر مستقل ہے۔ اگر تو اس وقت اپنے ارادہ سے بدل جاتا تو ایشور گواہ ہے کہ میرا خنجر ابھی تیرے پہلو میں گھسنے کو تیار تھا مگر شکر کا مقام ہے کہ تیرے استقلال میں فرق نہیں آیا"۔

اس کے بعد سوجان سنگھ کے تمام رشتہ دار اور بھائی بند اس کے ساتھ مرنے کے لئے تیار ہوئے۔ مگر ان کی تعداد بالکل تھوڑی یعنی قریب ساٹھ نفر کے تھی۔ سب نے کیسری کپڑے پہنے اور ہتھیار سجا کھنڈیلہ میں جا گھسے۔ اُس زمانہ میں کھنڈیلہ کوئی مستحکم مقام نہ تھا۔ مگر مرنے والوں کو اس کی پرواہ کیا تھی۔ اُنہوں نے تو فرض ادا کرنا تھا۔ مسلمان سپہ سالار نے بھی یہ خبر سُنی۔ اور اگرچہ اُسے اس قلیل تعداد سے ہراساں ہونے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ ساٹھ آدمی بھی میرے سات سو جوانوں کو مار کر مرینگے لہذا اس نے پیغام بھیجا کہ دو آدمی میرے خیمہ میں آکر اس بارہ میں گفتگو کریں۔ دو راجپوت آئے اور سپہ سالار نے ان سے کہا کہ اگرچہ بادشاہ کا حکم مجھے تمام مندروں کو بالکل مسمار کر دینے کا ہے۔ مگر میں تمہاری خاطر اس حکم میں اتنی تخفیف کر سکتا ہوں کہ صرف مندروں کے سنہری کلس اُتارنے کی اجازت مجھے مل جائے۔ راجپوتوں نے نہایت دلیرانہ جواب دیا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ ہم پر کچھ مہربانی کیا چاہتے ہیں تو اس جگہ سے واپس چلے جائیے۔ مگر جب سپہ سالار نے اصرار کیا کہ کلس ضرور اُتارے جائیں گے تو ایک راجپوت نے مٹی کا ڈھیلا اُٹھا کر سپہ سالار کے سامنے رکھدیا۔ اور خود تلوار کھینچ کر کہنے لگا۔ مندروں کے کلس اتارنا تو درکنار راجپوت [illegible] دلی میں تم اس مٹی کے ڈھیلے کو بھی نہیں

چھو سکتے۔

راجپوت کی اس حرکت سے سپہ سالار کی آتشِ غضب بھی بھڑک اُٹھی لیکن اس کے استقلال کو دیکھ کر وہ عش عش کر اُٹھا۔

راجپوت واپس قلعہ میں گئے اور مسلمانوں نے اُسی وقت حملہ کر دیا۔

سُجان سنگھ مندر کی حفاظت کے لئے تیار ہوا۔ اُس کے رشتہ دار اس کے ہمراہ تھے مگر بادشاہی لشکر کے مقابلہ میں اُن کی وہی نسبت تھی جو ایک مُٹھی بھر خاک کو کسی ذخار دریا سے ہو سکتی ہے مگر جس ہمت اور استقلال سے سجان سنگھ اور اُس کے ہمراہیوں نے اپنی جانیں قربان کیں کھنڈیلہ کے در و دیوار آج تک اُن کی تعریف کے گیت گا رہے ہیں۔ ایک ایک راجپوت تلوار ہاتھ میں لئے نکلتا تھا۔ اور اپنے پاک فرض کو ادا کرتا اور غنیم کے سپاہیوں کو موت کا پیغام دیتا اس وقت تک آگے بڑھتا چلا جاتا تھا جب تک کہ دشمن کی متواتر تلواریں اس کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیتی تھیں۔ سجان سنگھ نہایت استقلال کے ساتھ دادِ شجاعت دیتا ہوا غنیم کے بیسیوں سپاہی قتل کر کے میدان کارزار میں آرام گزیں ہوا۔ اور اس کے ہر ایک راجپوت نے بہادرانہ موت کا پیالہ نوش کیا۔

اگرچہ مسلمانوں نے کھنڈیلہ میں داخل ہو کر تمام مندروں کو لوٹا گھسوٹا اور بعد میں مسمار بھی کر دیا۔ مگر بہادر سوجان سنگھ نے اپنے اُس دعوے کو جس کے ساتھ وہ کھنڈیلہ میں آیا تھا۔ پورا کر دکھایا۔ بیشک! قولِ مرداں جان دارد۔ مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے مگر راجپوتوں کی لاشوں پر سے گذرتے ہوئے!!!

کیا دنیا کی تواریخ سوائے آریہ ورت کے کسی اور ملک میں بھی سجان سنگھ جیسے سرفروش اور قومی اُنیر مٹنے والے سپاہی کا ثبوت دے سکتی ہے؟

بہادر سنگھ کھنڈیلہ کے قریب ایک ... میں مقیم تھا۔ دیوان کی معرفت اس کو فی من پیداوار ایک سیر غلہ اور فی روپیہ آمدن ایک پیسہ ہاتھ آتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد باغ و مکان واپس ملے اور سیدوں کے عہدہ میں ریاست بھی ہاتھ آئی۔ مگر بادشاہ کی طرف سے ایک جنگی تھانہ وہاں قائم تھا اور اس کے اخراجات ریاست کو ادا کرنے پڑتے تھے۔

بہادر سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ کیسری سنگھ۔ فتح سنگھ اور اودے سنگھ۔ کیسری سنگھ نے حکومت حاصل کرنے کے لئے اپنے بزرگوں کی تقلید پسند کی۔ چنانچہ اپنے ہوا خواہوں اور

منجھلے بھائی فتح سنگھ کے ساتھ دربار شاہی میں باریابی کے لئے روانہ ہوا۔ منوہر پور کا رئیس پھر دربار شاہی میں رسوخ پیدا کر چکا تھا۔ اس کو فکر لگ گئی کہ کہیں پھر رئیس کھنڈیلہ کی چڑھ بنے۔ اس لئے اس نے فتح سنگھ کو ہتھے پر چڑھا لیا اور اقرار کیا کہ وہ ریاست کو تقسیم کر دے گا۔ رئیس منوہر پور کی یہ حکمت کارگر ہو گئی۔ مگر دیوان کو اپنے آقا کے خاندان کی بربادی منظور نہ تھی۔ وہ کھنڈیلہ میں لوٹ آیا اور رانی کے مشورہ سے تین حصے تو کیسری سنگھ کو دلائے اور دو حصہ فتح سنگھ کو۔ اس کے بعد کیسری سنگھ نے توکاوڈٹا میں قیام کیا۔ اور فتح سنگھ نے کھنڈیلہ میں۔ مگر دیوان کی حکمت عملی سے تھوڑے عرصہ کے اندر ہی فتح سنگھ مارا گیا۔ اور کیسری سنگھ نے اس طرح دوبارہ ریاست پر قبضہ کر کے ارادہ کیا کہ وہ نہ تو ریواسو کا خراج خزانہ اجمیر میں داخل کرے گا نہ کھنڈیلہ کا نارنول میں۔ اس پر سید عبداللہ وزیر نے کھنڈیلہ پر فوج کشی کی۔ مقابلہ کے لئے فرقہ رائے سلوت نے بھی تیاری کی۔ دیولی کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ کیسری سنگھ کا پلہ بھاری تھا۔ اور قریب تھا کہ فوج شاہی کو شکست نصیب ہو کہ رئیس منوہر پور نے پورانی دشمنی سے اپنی فوج میدان جنگ سے ہٹا لی۔ ادھر رئیس لارخانی نے بھی عین موقعہ پر دغا دی۔ کیسری سنگھ کو سخت مایوسی کا سامنا ہوا۔ اور بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا "افسوس اس وقت فتح سنگھ نہ ہوا۔ اگر ہوتا تو باقی رفیقوں کی طرح ہرگز یوں کنارہ نہ کر جاتا"۔

تمام دوست کنارہ کر گئے تھے۔ مگر کیسری سنگھ نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور میدان جنگ میں کٹ مرنے کی نیت سے برابر مقابلہ کرتا رہا۔ اس کا بھائی اودے سنگھ بھی مصروف کارزار تھا۔ کیسری سنگھ نے اُس کو کہلا بھیجا کہ تم میدان سے ہٹ جاؤ۔ مگر اس نے اس پیغام کو [illegible] اور سپہ سالار نہ سُنا۔ ہمراہی امیروں نے ہر چند چاہا کہ کیسری سنگھ بچ کر [illegible] گا جواب یہ تھا کہ میں نے بھائی کا خون گردن پر لیا۔ اب یہ دوسرا کلنک کا ٹیکہ ماتھے پر ہرگز نہ لگاؤں گا۔ ہاں اودے سنگھ کا بچاؤ ضروری ہے خاندان کا نام و نشان تو باقی رہنا چاہیئے۔ ناچار بھائی کے حکم سے مجبور ہو کر اودے سنگھ باول ناخواستہ میدان جنگ سے کنارہ کر گیا۔ چاروں طرف تلوار کی آگ برس رہی تھی۔ کیسری سنگھ مردانہ وار لڑتا ہوا میدان کارزار کی نذر ہوا۔

کیسری سنگھ کے بعد اودے سنگھ کو کھنڈیلہ کی حکومت حاصل ہوئی۔ اس نے پچھلا بدلا لینے کی نیت سے منوہرپور پر حملہ کیا مگر کامیابی نہ ہوئی ٭

۱۷۱۶ء کے قریب جب راجہ جے سنگھ نے بہمراہی راجگان قرولی بھدوریا، شیوپور و کھنڈیلہ بھون کا محاصرہ کیا تو رئیس شیخاوٹ کی کچھ شکایت کی گئی جس پر وہ ناراض ہو کر وہاں سے ہٹ آیا۔ جے سنگھ نے بازید خاں افسر شاہی کی مدد سے قلعہ اودے گڈھ پر حملہ کیا۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ آخر اودے سنگھ مجبور ہو کر مارواڑ کے مقام نروہیں پناہ گزیں ہوا اور اس کے بیٹے سوائی سنگھ نے قلعہ کی کنجیاں جے سنگھ کے حوالہ کردیں۔ جے سنگھ نے خوش ہو کر یہ علاقہ پھر اسی کے حوالہ کردیا۔ سوائی سنگھ نے اودے سنگھ کی زندگی میں ہی وفات پائی۔ اسکے تین بیٹے تھے۔ بندرابن داس رئیس کھنڈیلہ۔ شمبھو سنگھ جاگیردار رانول اور کشن سنگھ مالک پیرولی ٭

ریاست امبیر کے لئے جولڑائیاں ہوئیں ان میں بندرابن مادھو سنگھ کا دست بازو بنا رہا۔ جب مادھو سنگھ کو کامیابی حاصل ہوئی تو اس نے اپنے مددگاروں کے کارہائے نمایاں کا صلہ دینا چاہا۔ بندرابن داس کو کھنڈیلہ میں تنہا حکمرانی کی خواہش تھی لہذا پانچ ہزار آدمیوں کی کمک دیو سنگھ کے پوتے اندر سنگھ کو قلعہ سے خارج کرنے کے لئے ملی۔ کئی مہینے تک مقابلہ رہا۔ آخر کار اندر سنگھ کو مقام پر سوئی میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ اور حملہ آور فتحیاب ہونے کو ہی تھے کہ ایک ایسی بات پیش آگئی جس سے وہ صرف جلاوطنی سے ہی نہیں بچ گیا بلکہ اس کے حقوق بھی اس کو مل گئے ٭

بندرابن کو تنخواہ دار فوج کی تنخواہ دینا پڑتی تھی۔ مگر خزانہ خالی تھا رعایا پر جزیہ لگانے کی ضرورت آپڑی۔ کئی معزز اور مقتدر برہمنوں نے شکایت کی کہ یہ ڈنڈ ان کی بے حرمتی کا باعث ہے مگر بندرابن مجبور تھا اسکو روپیہ کی اشد ضرورت تھی۔ لہذا اسکی ایک برہمنوں نے تنگ آکر اسکے سامنے خودکشی کرلی۔ اس واقعہ سے بندرابن سے سب کو نفرت پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ مادھو سنگھ والئے امبیر نے بھی اس سے کنارہ کشی کرلی۔ اندر سنگھ نے پچاس ہزار کے عوض کھنڈیلہ کا پٹہ اس کو لکھ دیا ٭

اب بندرابن اور اندر سنگھ دونوں کھنڈیلہ میں رہتے تھے لیکن جنگ و جدل کا بازار ایسا گرم رہا کہ کبھی اتنے عزیز و اقارب پیشتر انہیں کسی لڑائی میں کام آئے تھے۔ بندرابن کی قوت زیادہ تھی مگر اندر سنگھ ہر دلعزیز تھا اودے گڈھ پر بڑی تیزی کے ساتھ حملہ کیا کرتا تھا۔

بندرابن کے چھوٹے بھائی رگھناتھ سنگھ کو کوچور کی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ اس نے تین اور مقامات دبا لئے تھے۔ جن پر قابض رہنے کے لئے اس نے اپنے والد کے رقیب اندر سنگھ سے اتفاق کیا۔ بندرابن نے کوچور پر فوج کشی کی۔ مگر ناکامیاب واپس ہوا۔ شہر کے باہر فوج مخالف سے مقابلہ ہوا۔ کئی روز تک خون خرابہ ہوتا رہا۔ باپ بیٹے اور چچا بھتیجے ایک دوسرے کے مقابل لڑتے رہے۔ آخر صلح کے لئے سلسلہ جنبانی ہوئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اندر سنگھ کو وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے۔ جن کے لئے اس نے تلوار کو نیام سے نکالا تھا؛

اب بندرابن برہمنوں کے قتل کا کفارہ کرنے لگا۔ کھنڈیلہ کی زمین برہمنوں میں تقسیم ہونی شروع ہو گئی مگر اس کی اولاد تنگ آ گئی۔ ولیعہد نے اعتراض شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ بندرابن حکومت سے دست بردار ہو گیا اور اپنے گذارے کے لئے پانچ شہروں اور کھنڈیلہ کی اشیائے درآمد کی آمدنی پر قناعت کر کے حکومت ولیعہد کو سونپ دی؛

اب گوبند سنگھ گدی کا مالک ہوا۔ جوتشی نے حکم لگایا کہ پوس کی اماوس کو قلعہ سے باہر جانا خالی از خطرہ نہ ہو گا مگر گوبند سنگھ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور قحط زدہ علاقہ کے دورہ میں مصروف رہا۔ اتفاق سے اماوس کے روز ایک راجپوت کی تحویل سے اس کا کچھ قیمتی اسباب اور زیور گم ہو گیا۔ راجپوت پر بھری مجلس میں چوری کی تہمت لگائی گئی۔ اس نے ہر چند اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنا چاہا مگر اس کا کوئی عذر سماعت نہ ہوا۔ راجپوت انصاف سے مایوس ہو گیا اور سمجھ گیا۔ کہ اب سزا کے بغیر بچنا محال ہے۔ لہٰذا وہ وقت کا منتظر رہا اور اسی رات کو موقعہ پا کر گوبند سنگھ کو تہ تیغ کر دیا؛

باپ کے قتل کے بعد نرسنگھ داس گدی نشین ہوا۔ مگر باہمی فساد ترقی پر تھا۔ شاہی فوج کے جبر و تشدد کی گرم بازاری تھی۔ والئے امیر اپنا مطلب نکالنے کے درپے تھا مگر شیخاوٹی فرقہ کے رئیس ملکی اور قومی ترقی کی طرف متوجہ تھے۔ مغلیہ سلطنت کی بنیادیں جنبش کھا چکی تھیں۔ اور بادشاہ میں ان چھوٹی سی ریاستوں کی آزادی میں خلل انداز ہونے کی بھی طاقت باقی نہ تھی۔ البتہ مرہٹوں کا اس وقت بڑا زور تھا۔ میرٹا کی جنگ نہایت منحوس ثابت ہوئی۔ اور اس معرکہ میں راجپوتوں کی آزادی قریب قریب چھن گئی۔ مرہٹے شیخاوٹی کے علاقہ میں لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ اور روپیہ کے لالچ سے اچھے اچھے رئیسوں کو تنگ کر رہے تھے۔ میرٹا کی لڑائی کے بعد مرہٹوں نے بیائی پر فوج کشی کر دی۔ رعایا مرہٹوں کے ظلم و ستم سے

تنگ آکر گھر بار چھوڑ بھاگی۔ بیائی کا قلعہ چھوٹا تھا۔ غیرت مند راجپوتوں نے اس کے بچاؤ کا بیڑہ اُٹھایا۔ اور آبرو کے تحفظ کے لئے سب کے سب قتل ہوگئے۔ مرہٹوں نے اب کھنڈیلہ کی طرف رُخ کیا۔ اور دو کوس کے فاصلہ پر ہوڈی گانگ میں فوج مقیم ہوئی۔ اندر سنگھ نے ۲۰ ہزار روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے سر سے بلا ٹالنی چاہی۔ اور نول سنگھ اور دلیل سنگھ رئیسوں نے ضمانت دی مگر وہ سردست روپیہ کا انتظام نہ کر سکے۔ لہذا وہ ضمانت میں زیر حراست ہوئے۔ حملہ آوروں نے ان پر سختی کرنی شروع کی۔ نظر بند رئیسوں میں سے ایک کے پاس سانگ تھی، مرہٹوں نے اس سے لینی چاہی۔ مگر اس نے انکار کیا اور سب کے سامنے حقہ بھروا کر پینے لگا۔ ایک جاہل مرہٹا اُٹھا۔ اور حقہ توڑ کر پھینک دیا۔ دلیل سنگھ نے تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ مگر ایک گولی اس کا سر توڑ گئی۔ اس کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی نیت سے تلواریں گھسیٹیں۔ اور ایک ایک کر کے قتل ہوگئے۔

اب نرسنگھ داس کی گدی اس کے بیٹے پرتاب سنگھ کے قبضہ میں آئی۔ پرتاب سنگھ اب تک قلعہ سکھرائی میں کھنڈیلہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقیم تھا۔ رؤسائے ریاست نے کم سن راجہ کی خاطر اپنے اسباب تک بیچ ڈالا اور مرہٹوں سے پیچھا چھوڑایا۔ ادھر سے فراغت پاکر پرتاب سنگھ نے نرسنگھ داس کے ساتھ کھنڈیلہ میں قیام کیا مگر ابھی اپنے پاؤں بھی نہ سنبھلنے پایا تھا کہ راجہ آمیر نے خراج کا مطالبہ کیا۔ ناچار پرتاب سنگھ نے پیداوار کی چوتھائی دینے کا وعدہ کر کے پیچھا چھوڑایا۔ مگر نرسنگھ داس میں اپنے بزرگوں کی بلند خیالی موجود تھی اس نے صاف انکار کر دیا۔ پرتاب سنگھ کا ارادہ دربار امیر سے بگاڑ کرنے کا نہ تھا دونوں کی آپس میں چل گئی۔ اکثر لڑائیاں ہوئیں۔ اور آخر کار صلح اس بات پر قرار پائی کہ پرتاب سنگھ رواسو کا مالک قرار دیا جائے اور نرسنگھ داس کھنڈیلہ کا۔

اب دربار جے پور نے پھر خراج کا مطالبہ کیا۔ نرسنگھ داس نے حسب دستور انکار کر دیا۔ جس پر کھنڈیلہ کی ضبطی اور نرسنگھ داس کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا۔ آسارام نے کھنڈیلہ کا محاصرہ کیا۔ مگر رئیس منوہر پور کی معرفت نرسنگھ داس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ راجپوتوں کے نزدیک وعدہ خلافی سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں ہے نرسنگھ داس اس کے قول وفعل پر اعتبار کر کے چلا آیا۔ ادھر پرتاب سنگھ بھی اسی بہانہ سے بلایا گیا۔ باہمی صلح کی شرائط پر بحث ہوتی رہی۔ مگر دونوں کی خاطر تواضع کچھ اس طرح

پر ہوتی تھی کہ ہمراہی غافل ہو گئے۔ ایک روز دونوں کھانا کھا رہے تھے کہ فوج نے کمین گاہ سے نکل کر مشکیں باندھ لیں اور بند گاڑی میں سوار کر کے فوراً ہی امیر کو روانہ کر دیئے گئے۔ کھنڈیلہ ضبط ہوا۔ اور پرتاب سنگھ و نرسنگھ داس امیر کے قید خانہ میں قید کر دیئے گئے ؀

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب والیٔ اودے پور کی دختر کرشن کماری کا جھگڑا ہوا تو یہ دونوں رہا ہوئے۔ مگر کھنڈیلہ کی ریاست انکے ہاتھ سے جاتی رہی ؀



ریاست بھرتپور

ریاست بھرتپور کی زمین علے العموم ہموار اور بہت سیراب ہے۔ زمین کی عمدگی اور کثرت زراعت کے باعث اس ریاست کی پیداوار اور محاصل اراضی بلحاظ رقبہ راجپوتانہ کی کل دیگر ریاستوں سے زیادہ ہے۔ پرگنات شمالی اور قرب وجوار بھرت پور خاص کی زمین بہت پست ہے۔ جس سال بارش بکثرت ہوتی ہے اکثر قطعات اراضی غرق آب رہتے ہیں۔ اور بعض کھیتوں میں معمولی برسات سے بھی اس قدر پانی بھر جاتا ہے کہ چار پانچ مہینے میں خشک ہوکر ان میں صرف فصل ربیع کی زراعت ہوتی ہے ؛

اس ریاست میں صرف برساتی ندیاں ہیں اور سال بھر بہنے والی کوئی ندی نہیں جنوب میں پہاڑ بہت ہیں ایک قطعہ زمین دوز پہاڑوں کا اور نالوں سے بہتا ہوا جس میں بیانہ کے قریب بیس گاؤں آباد ہیں ڈانگ کہلاتا ہے۔ اس میں جنگلی درخت بکثرت ہیں۔ ان کے بلند مقامات ہموار مگر پست بالکل ناہموار ہیں اور کل زمین نہایت دشوار گذار ہے اس قلعہ کے اندر بالکل گوجروں کی آبادی ہے یہ کھیتی بالکل نہیں کرتے بعض کا گذارہ مویشیوں کی پرورش سے ہوتا ہے۔ مگر عموماً چوری پیشہ ہیں ؛

جس پہاڑ پر بیانہ کا قلعہ ہے وہ بہت بلند اور وسیع ہے اس پہاڑ کی ساخت بعینہ اسی طرح کی ہے جس طرح ہنڈوں کے علاقہ جے پور کے پہاڑ کی ہے۔ اور اس میں سے ویسا ہی نمونوں کا عمارتی پتھر نکلتا ہے۔ چنانچہ کھان۔ پہاڑپور پرگنہ روپباس وباریٹھہ پرگنہ بیانہ کا سفید و سرخ پتھر عمدہ ہوتا ہے۔ یہ کانیں قدیم الایام سے جاری ہیں اور فتح پور سیکری کی مشہور عمارتیں اور بھرت پور اور دیگ کے محلات اسی پتھر سے تعمیر ہوئے ہیں ؛

علاوہ ازیں شمالی پرگنات میں بھی جا بجا پہاڑ ہیں مگر کل ریاست میں سب سے بڑا پہاڑ علی پور پرگنہ اکھے گڈھ کا ہے۔ جو کالا پہاڑ کہلاتا ہے۔ اور سرحد ریاست بھرت پور وجے پور اور الور پر واقعہ ہے۔ ان پہاڑوں میں دھات کی کوئی کان نہیں۔ بھوساور اور دیگ کے درمیان

اور بیانہ کے پہاڑوں میں مسی کانیں جاری ہوئی تھیں۔ مگر ان سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور بند ہوگئیں ؛
بھرت پور کے جنوب میں ایک بن ہے۔ جسکو گھنا کہتے ہیں۔ اس کا طول سات میل اور عرض سوا میل ہے۔ پرگنہ روپباس میں بھی ایک بن ہے۔ جب اکبر فتح پور سیکری میں رہتا تھا تو اُسی جنگل میں شکار کیا کرتا تھا ؛

بھرت پور دارالحکومت بڑا شہر ہے۔ اس کا طول قریباً تین میل۔ عرض سوا میل اور محیط پانچ میل ہے۔ پست زمین پر واقع ہونے سے اس کا موقعہ لڑائی کے وقت بہت کارآمد ہوتا ہے گرد نواح کی جھیلوں کا پانی جو شہر پناہ کی خندق سے بلند رہتا ہے۔ ضرورت کے وقت اس کثرت سے چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔ کہ اس کا عبور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ۱۸۰۵ء میں جب لارڈ لیک نے اس شہر پر حملہ کیا تو اس کی ناکامیابی کا باعث یہی تھا کہ پانی کی طغیانی کی وجہ سے وہ فصیل کے قریب نہ پہنچ سکا ؛

شہر کی فصیل خام اور دس دروازے ہیں۔ چاروں طرف خندق ہے۔ جس میں ہر موسم میں اکثر مقامات پر پانی بھرا رہتا ہے۔ مگر برسات میں کل خندق پانی سے بھر جاتی ہے۔ فصیل اور خندق کے باہر شہر کے گرد پختہ سڑک ہے ایسی سڑک راجپوتانہ کے کسی شہر کے گرد نظر نہیں آتی بھرت پور کی آبادی بہت قدیم ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ مہاراجہ رامچندر جی والئے اجودھیا کے بھائی بھرت نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ مگر قلعہ اور اکثر بڑے بڑے مکانات مہاراجہ سورج مل کے وقت کے بنے ہوئے ہیں۔ اور اسی زمانہ سے دارالسلطنت مقرر ہونے کی وجہ سے اس کی آبادی میں ترقی اور رونق بھی ہوئی ہے اگرچہ ۱۸۲۶ء کی لڑائی میں اس کی فصیل اور خندق کو بہت نقصان پہنچا ہے مگر پھر بھی بھرتپور راجپوتانہ کا ایک آباد شہر ہے۔ اور بھرت پور اور سانبھر کے نمک کی منڈی ہے۔ ہندو اس کو بڑا متبرک مقام خیال کرتے ہیں۔ مگر تعجب ہے ۱۸۰۵ء کے محاصرہ میں لارڈ لیک نے بھی بیان کیا تھا۔ کہ مجھے ایک زرد پوش دیوتا تیر کمان۔ چکر اور بنسی سے آراستہ قلعہ کی حفاظت میں مقابلہ کرتا ہوا معلوم ہوا ؛

شہر کی مشہور عمارتیں ایک سرکاری محل واقعہ چار برج اندرون متھرا دروازہ ہے۔ دوسرا شہر کے وسط میں لچھمن جی کا مندر ہے۔ تیسری مشہور عمارت گنگا مندر کی ہے۔ جو مہاراجہ بلونت سنگھ کے وقت سے شروع ہو کر اب تک بدستور جاری ہے۔ اس مندر کی مشرقی دیوار پر سرِ بازار انگریزی ساخت کا گھنٹہ لگا ہوا ہے ؛

شہر کے اندر بہت مضبوط اور بلند فصیل کا قلعہ ہے۔ اس کے گرد بہت چوڑی اور گہری پختہ
خندق ہے اس میں ہمیشہ پانی بھرا رہتا ہے اور باشندگان شہر کو اس سے بہت آرام ملتا ہے قلعہ
کے اندر دو دروازوں سے آمدرفت ہے۔ شمالی دروازہ ہشت دھاتی مشہور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ کواڑوں کی جوڑی جو اس دروازہ پر ہے ہشت دھات کی ہے اور مہاراجہ جواہر سنگھ فتح دہلی کے
وقت وہاں کے قلعہ سے اُتار کر لائے تھے۔ جنوبی قلعہ چوبرج کہلاتا ہے کیونکہ اس کے محاذی چار
برجوں کا ایک مختصر سا قلعہ ہے۔ قلعہ کے اندر آٹھ برج ہیں جو جدا جدا ناموں سے موسوم ہیں۔ یہ
قلعہ آٹھ سال کے عرصہ میں تیار ہوا تھا فصیل خام کے گرد پختہ فصیل اور ہے اور جو کچھ عرصہ بعد
تیار ہوئی تھی۔ علاوہ جواہر برج کے جسپر مہاراجہ صاحب جواہر سنگھ کے بنائے ہوئے بہت عمدہ
اور عالیشان مکانات ہیں۔ قلعہ کے اندر سب سے عمدہ عمارت مہاراجہ صاحب کے محل ہیں۔ یہ
عمارت تین علیحدہ علیحدہ مقامات پر ہے اول وہ محل جہاں مہاراجہ صاحب خود رہتے ہیں۔
دوئم زنانہ محل۔ سوئم کچہری کا مکان۔ یہ مکان نہایت وسیع اور اس کی عمارت نہایت عمدہ ہے
اس کو مہاراجہ رندھیر سنگھ نے تیار کروایا تھا۔ اس کے صحن کے بغلی مکانات جانب راست
پر مہاراجہ صاحب بلونت سنگھ نے ایک عظیم الشان مکان انگریزی وضع پر تیار کروایا تھا۔
اس مکان کی تیاری اور آرائش میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا تھا۔ اسکی عمارت قابل دیدھ ہے
دور دور کے سیاح بڑے شوق سے اس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اور اسکی خوبیوں کو جیسا
سنتے ہیں اس سے دوچند پاتے ہیں؛

اس ریاست میں دیگ۔ کمھیر۔ کامہ۔ بیانہ۔ ویر۔ روپباس۔ ہلینہ۔ بھرسر اور پہاڑی مشہور قصبے ہیں
ابتدا میں خاندان موضع سنسنی اور تھوں میں آباد تھا۔ بدن سنگھ موضع سنسنی جو اب علاقہ دیگ میں
شامل ہے حکمران تھا۔ اول اول صرف تین گاؤں اسکے قبضہ میں تھے اور اُس نے اس جگہ ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا
اسی زمانہ میں موضع تھون پر جواب پرگنہ نگر میں ہے راجارام قابض تھا۔ مگر یہ ہمیشہ علاقہ
تھانہ اومیں غارتگری کیا کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کا بیٹا فتح سنگھ صاحب
لیاقت نہ تھا۔ اس لئے اسکی قوم اس سے ناراض تھی۔ سنسواروں نے جمع ہو کر فتح سنگھ کو خارج
کرکے چورامن کو اس کی جگہ سردار مقرر کیا اس نے تھون میں قلعہ تعمیر کرایا۔ اس کے قبضہ میں اسّی
دیہات تھے اور اکثر دیہات سے خراج لیا کرتا تھا۔ چورامن نے رستم جاٹ سے جس نے بھرتپور
میں کچی گڑھی بنا کر لوٹ مار شروع کی تھی اتفاق کیا اور دونوں نے وہ غارتگری کی کہ دہلی۔ اجمیر

گوالیار اور آگرہ کا راستہ بند کردیا ۔

فرخ سیر بادشاہ دہلی نے چورامن کو پانچ پرگنے اور رستم جاٹ اور اسکے بیٹے کھیم کرن کو بھرت پور وچند دیگر پرگنات دیکر لوٹ مار سے بازرکھنا چاہا مگر یہ تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی ناچار بادشاہ نے چورامن پر فوج کشی کی مگر اس نے اسقدر جوانمردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ شاہی فوج کے دانت کھٹے کردیئے اور شکست فاش دیکر اپنے علاقہ سے بھگا دیا ۔

چورامن زہر کھاکر جان بحق تسلیم ہوا کیونکہ اس کے بیٹے نے ریاست پر قبضہ کرلیا تھا محکم سنگھ نے دیگر لٹیروں سے سازش کرکے بدن سنگھ سے نااتفاقی پیدا کی بلکہ ایک موقعہ پر اسکو قید بھی کرلیا مگر اس کی قوم کے لوگوں نے جمع ہوکر اسکو رہائی بخشی ۔

بدن سنگھ نے جے پور میں جاکر سوائی جے سنگھ کی مدد حاصل کی اور اسکی سپاہ لیکر محکم سنگھ پر چڑھ آیا ۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی ۔ اس مرتبہ محکم سنگھ کو بازی بدنا محال ہوگیا ۔ اور شکست کھاکر بھاگ گیا ۔ اس نے قلعہ کے نیچے سرنگ لگا رکھی تھی اور چاہتا تھا کہ جس وقت فتحمند قلعہ میں داخل ہوں آگ دکھا کر سب کو راکھ دے ۔ مگر بدن سنگھ اس کے فن وفریب سے واقف تھا محکم سنگھ کی یہ تدبیر کام نہ آئی ۔ الغرض بدن سنگھ فتحیاب ہوکر دیگ کا حاکم ہوا ۔ اور مقامات دیگ اور کمہیر و دیر میں قلعجات تعمیر کرائے ۔

بدن سنگھ نے اپنی زندگی میں ہی ریاست کا انتظام اپنے ہونہار فرزند سورج مل کے سپرد کردیا اور خود تارک الدنیا ہوگیا ۔

سورج مل

راجکنور سورج مل کے اکیس بھائی اور بھی تھے لیکن قدرت کیطرف سے صورت وسیرت کی جو خوبیاں سورج مل کو عطا ہوئی تھیں وہ کسیکو نصیب نہیں ہوئیں ۔ سورجمل کی طبیعت نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئی تھی جسے انتظام ملکی اور ریاست مدنی (پولیٹیکل اکانمی) سے ایک خاص مناسبت تھی ساتھ ہی شجاعت اور تہور مردانگی اور جوانمردی کے اعلےٰ جوہر بھی اُس میں پائے جاتے تھے ۔ جیسا کہ اُس کا پیارا نام سورج مل تھا درحقیقت وہ شہرت کے آکاس پر سورج کی طرح چمکتا تھا ۔ چنانچہ یہ بات ایک نازپرور دہ راجکنور کیلئے تعجب خالی نہیں کہ دس برس کی عمر میں جو نہایت کم سنی کا عالم ہوتا ہے وہ فوجی اور ملکی انتظام میں نہایت سرگرمی سے اپنے ولیعہدی کے اہم فرائض کو ادا کرتا تھا ۔

مہاراجہ بدن سنگھ والئے بھرت پور۔ (راجکنور کے والد بزرگوار) بھی نہایت مردم شناس اور
قدردان تھے انہوں نے بائیس۲۲ فرزندوں میں راج بھرت پور کے لئے صرف "سورج مل" کو
انتخاب کیا اور باقی اکیس۲۱ فرزندوں کے لئے علیحدہ علیحدہ جائدادیں مقرر کردیں جو انکے مصارف
کی کفالت کرسکیں۔ ان اکیس۲۱ فرزندوں میں سے سولہ کی اولاد موجود ہے۔ جو سولہ ٹھاکروں
کی کوہٹریوں کے نام سے نامزد کی جاتی ہے۔ مہاراجہ بدن سنگھ نے تقسیم جائداد سے فراغت
کرکے نہایت دھوم دھام سے کنور سورج مل کا راج تلک کیا اور راج پاٹ سب انکے سپرد
کرکے تارک الدنیا ہوگئے۔ کنور سورج مل نے مسند نشین ہو کر سمت ۱۷۸۹ میں بھرت پور پر
شبخون مارا اور ٹھاکر کھیم کرن کو جو ریاست مذکور میں کھا کے نام سے مشہور تھا بالکل برطرف
کردیا۔ اسکی گڑھی بالکل مسمار کردی گئی اور اسکی جگہ فراخدل نوجوان راجہ نے ایک وسیع قلعہ
تعمیر کرایا۔ اور اس سے فراغت کرکے دیگر عالیشان عمارتوں کو تیار کرانے میں مصروف ہوا؛

کنور سورج مل کو سیر و شکار کا نہایت شوق تھا چند بامذاق ہم خیال مصاحبوں کا
گروہ ہمرکاب ہوتا تھا اور وہ شکار کی جستجو میں نہایت لطف کے ساتھ دشت نوردی کیا کرتا
تھا۔ ایک دن وہ شکار کھیلتا ہوا مقام نوح جھیل کی جانب جانکلا صید افگنی میں نہایت محویت
اور شوق کے ساتھ مشغول تھا کہ نواب فتح علی خاں ولد ثابت خاں کا وکیل حاضر ہوا جس
وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نواب مذکور نواح کول کے پرگنات پر قابض ہو
جانے کی وجہ سے معتوب تھا اور محمد شاہ فرمانروائے تخت دہلی نے اسد خاں وزیر کو دس ہزار فوج
اور توپ خانہ کے ہمراہ روانہ کرکے نواب مذکور کے خارج کرنے کا حکم دیا گیا؛

وکیل مذکور بالا نے راجکنور کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات مفصل بیان کرکے
عرض کیا کہ نواب صاحب نے جیسور۔ اکھو۔ ٹپل۔ چنڈوس۔ خواجہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کرلیا ہے
اور اب آپ سے دوستانہ اعانت کے خواستگار ہیں؛

نیک دل راجکنور کو نواب مذکور کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی اور اس کی اعانت و دستگیری
منظور کرلی۔ اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ باقاعدہ ملاقات ہونے کے بعد جانبین میں
عہد و پیمان ہوا۔ اور نواب فتح علیخاں نے اپنی قیام گاہ کی طرف مراجعت کی جب اسد خاں اپنی فوج مذکورہ
بالا لے کر چنڈوس کے اطراف میں وارد ہوا تو کنور سورج مل بھی اپنا ٹاٹ کرکے مقام مذکور پر نواب
کی اعانت و امداد کے لئے جا پہنچا؛

نواب فتح علیخاں نے جس کے ہمراہ راؤ بہادر سنگھ گھاسیڑہ کا رئیس بھی تھا اسد خاں کو پیام بھیجا کہ دراصل کول زمانہ قدیم سے ہماری ملکیت ہے اور ہم بھی قدیمی خانہ زاد شاہی ہیں بہتر ہے کہ تم ہم سے درگذر کرو۔ ورنہ جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ لیکن اسد خاں نے نواب کے وکیل اور اُسکے پیغام کو نہایت حقارت کے ساتھ دیکھا اور برافروختہ ہو کر اُسے واپس کر دیا پھر فوج کو حکم دیا کہ نواب اور اُس کی مختصر فوج پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ اسد خاں کی فوج نے حریف کی کمی تعداد کو حقارت کے ساتھ دیکھکر تین چار دن کی مہلت مانگی تاکہ وہ اپنے ساز و سامان کو بخوبی درست کرے اور اطمینان خاطر کے ساتھ حریف اور اُس کی فوج کو خاک و خون میں ملائے۔ لیکن وزیر اسد خاں نے جسے والئے بھرت پور کی امداد اور آمد کی پوری خبر ہو چکی تھی۔ فوج کی یہ درخواست منظور نہ کی اور موقع کو غنیمت سمجھ کر پہر رات رہے حملہ کر دیا؛

اِدھر کنور سورج مل بھی مع راجپوتان کچھوایہ۔ راٹھور۔ چوہان۔ چندیلہ جاٹاں سنسوال۔ کھونٹیل سوداگروال۔ چاہر بھونگرہ۔ رتوار کھنوارہ۔ نوح وال۔ ہینگلہ ڈاگر بچھاندرہ۔ نسواریہ کے عین وقت پر جا پہنچا۔ ایک ہزار سوار گوکل رام گوڑا اور سات ہزار سوار پرتاپ سنگھ کچھوایہ کی ماتحتی میں دیگر جانب راست مقرر گئے۔ رام چندر کنور اور ٹھاکر سوبنگرہ اور فتح سنگھ بیس دسمیر سنگھ چندیلہ و میدسنگھ چوہان سے فوج ہراول بنائی گئی۔ گج سنگھ۔ شیو سنگھ۔ اودے سنگھ ہر نرائن ہیں راجکنور کی ہمرکاب رہے؛

فتح علیخاں دو ہزار کی جمعیت سے میدان جنگ میں آیا اور حریف کے بالمقابل صف آرا ہوا۔ دو پہر دن چڑھے تک دونوں جانب سے نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ اسد خاں کی فوج نے فتح علی خاں اور سورج مل کی فوج کے بہت سے بہادر ہلاک کر دیئے جس سے فتح علی خاں کی فوج میں ایک شورش پیدا ہوئی اور قریب تھا کہ منتشر ہو جائے مگر وہ اپنے ہاتھی پر سے اتر پڑا۔ راجکنور نے جب اُسے بہت بیتاب پایا تو اطمینان بخش الفاظ میں اُس کی تشفی کی۔ ساتھ ہی اپنی فوج کی مجموعی قوت سے یکبارگی دشمن پر حملہ کیا اور آن کی آن میں شاہی فوج تہ و بالا ہو گئی اسد خاں کو بڑی فاش شکست ہوئی اور ایک بے خطا گولے نے اُس کا بھی کام تمام کر دیا۔ فتح علی خاں اور سورج مل کی فتح ہوئی۔ شادمانی کا نقارہ بجنے لگا۔ راجکنور سورج مل نے نواب فتح علی خاں کو کول میں مختار کر کے اپنے دار الریاست کی طرف مراجعت کی؛

اسی اثنا میں بہادر راجکنور سورج مل کی شجاعت کی ایک اور بے نظیر نظیر قائم ہوئی یعنی

جب سوائی راجہ جے سنگھ والئے جے پور نے وفات پائی تو اُن کے دونوں فرزندوں ایشری و مادہو سنگھ میں گدی نشینی کی بابت باہم نزاع پیدا ہوئی ہر ایک اپنے حقوق قائم کرتا تھا اور دوسرے کو غیر مستحق ٹھیراتا تھا۔ راجہ بدن سنگھ والئے بھرت پور اُس وقت زندہ تھا۔ ایشری سنگھ نے اُسے امداد کے لئے لکھا۔ اور مادہو سنگھ نے ملہار راؤ والئے ہلکر کو اپنی اعانت کے لئے بلایا۔ مہاراجہ بدن سنگھ نے اپنے راجکنور سورج مل کو دو سردار سبھورام و سکھرام اور دس ہزار سوار اور چار ہزار پیادے کی فوج دیکر جے پور روانہ کیا جن کا نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ اور موتی ڈونگری میں فروکش کئے گئے ؛

آخر کار دونوں فوجیں ملکر دکھنیوں کے مقابلہ میں آئیں نہایت خونریز جنگ ہوئی سورجمل اور اُسکے بہادر رفیقوں نے شجاعت اور مردانگی کے اعلےٰ جوہر دکھائے۔ ملہار راؤ نے فاش شکست کھائی لیکن اُس نے آخر میں مادہو سنگھ کو بجوی دو پرگنے دلاکر اُس کے ننھیال اودے پور بھیجدیا۔ اور فتح و نصرت کی نمایاں کامیابی کے ساتھ شادمان شادمان ایشری سنگھ کے پیش کردہ تحائف کو قبول کرکے کنور سورج مل بھرتپور کو واپس ہوا ؛

اس دوسری خونریز جنگ سے فارغ ہوکر ابھی وہ اچھی طرح آرام بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ایک تیسری مہم کے لئے اُسے آمادہ ہونا پڑا جب بادشاہ کے حضور میں اسد خاں وزیر کے قتل ہونے اور فاش شکست پانے کی عرضی پیش ہوئی تو بہت برافروختہ ہوا اور بخشی صلابت خاں کو علی قلی و رستم خاں و قلیم خاں و کیسری و فتح علی وغیرہ امرا اور راجگانِ دربار کے ساتھ تیس ہزار سواروں کی فوج سے سازوسامان دیکر مہاراجہ بدن سنگھ اور راجکنور سورج مل کی بے دخلی کے لئے روانہ کیا ؛

جب راجہ بدن سنگھ کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے راجکنو کو ایک معقول فوج دیکر مقابلہ کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ نوگانوں واقع میوات میں معہ لشکر کے فروکش ہوا۔ اور راجہ موہن سنگھ سورج دوج کو بخشی مذکور کے پاس جو قریب ہی آکر اُترا تھا روانہ کیا اور پیام دیا کہ عرصہ سے اس ملک کا انتظام بادشاہی سے ہم کو سپرد ہے۔ آپ نے کس ارادہ سے اس طرف قدم رنجہ فرمایا ہے ؟

بخشی مذکور نے مسکرا کر کہا کہ ابھی تک آپ کو خبر ہی نہیں جاؤ اُن سے کہدو۔ کہ مجھے شہنشاہ کی طرف سے اکبر آباد گوالیار۔ ہنڈون۔ بیانہ ہوڈل۔ ہول میوات۔ مندانہ متھرا دوآبہ

وغیرہ وغیرہ کی بخشی گری پر سرفرازی بخشی گئی ہے جس ملک پر تم قابض ہو وہ چھوڑ دو اور دو کروڑ روپے نذر لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ تم نے نافرمانی اختیار کی ہے اور ایک متوسل شاہی اسد خاں کو مارا ہے۔" راجہ موہن سنگھ نے جو اس وقت راجکنور کے وکیل کی حیثیت سے تھا۔ بیباکانہ جواب دیا۔ کہ راجکنور سورج مل خود متوسل شاہی ہے اور اس نے شاہی ظل حمایت میں دہلی اور آگرہ کے درمیان ریاست پیدا کی ہے آپکو وہ ایک بسوہ زمین نہ دے گا۔

اس کے بعد کنور نے اپنی فوج لیکر صلابت خاں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ رسد بالکل بند ہو گئی آخر جنگ شروع ہوئی اور نہایت خونریز خوفناک مقابلہ کیا گیا۔ علی قلی فتح علی کبیری تو میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن رستم خاں حکیم خاں آمادہ جنگ رہے شمبھو رام کے فرزند ہرنرائن نے نہایت دلیری کے ساتھ رستم خاں کے ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن دوسری طرف سے کسی نے تیر مارا۔ جری نوجوان نے کچھ بھی پرواہ نہ کی اور بہادرانہ بے دردی کے ساتھ تیر نوچکر پھینک دیا اور رستم خاں کے نیزہ بھونک دیا جس کے ساتھ ہی وہ زمین پر گر پڑا۔ حکیم خاں نے دوسرا تیر چلایا مگر اُس نے خطا کی اور وہ خود قتل کر دیا گیا۔ اس خونریز جنگ میں کنور سورج مل کیطرف سے پرتاب سنگھ کچھوایہ بلرام شیو سنگھ۔ محمد پناہ۔ رتنا۔ ہرنرائن وغیرہ نامور سردار کام آئے اور صلابت خاں کی فوج میں حکیم خاں اور رستم خاں جو نامی سردار تھے قتل ہوے۔ فتح کنور سورجمل کی ہوئی لیکن صلابت خاں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ اور کنور سورج مل اپنے فرزند جواہر سنگھ کو اُس کے ساتھ بھیجکر آپ جے پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

راجکنور کو اس مہم سے فراغت کئیے ہوئے چندہی دن گذرے تھے کہ وہ نواب منصور علیخاں کی امداد کو آمادہ ہوا اور اپنے واجب التعظیم والد کی اجازت لے کر مقام کوئل میں جہاں نواب ممدوح لشکر کش ہوا تھا پہنچا۔ نواب مذکور نے اسمٰعیل نامی ایک معزز معتمد کو بھیجکر نہایت اعزاز کے ساتھ استقبال کیا اور باہم یگانگت بڑہانے کے مراسم اختیار کئیے گئے۔ دوسرے روز نواب نے ملاقات بازدید کی اور کوچ کر کے مقام نولکھا باغ میں قیام کیا۔ کل فوج کی تعداد ایک لاکھ سے

سلہ اصل واقعہ یوں ہے کہ جب نول رائے کارپرداز نواب منصور علیخاں صفدر جنگ کا مہم فرخ آباد میں قوم بنگش سے مارا گیا نواب ممدوح نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ احمد خاں برادر قائم خاں بنگش ملک و پرگنات کی آبادی میں خلل انداز ہوتا ہے اگر چند روز اسی طرح رہیگا تو اُسکا مقابلہ مشکل ہو جائیگا۔ بادشاہ نے یہ عرض سُنکے اُسی وزیر کو باغیوں کی سرکوبی کیواسطے معین کیا وزیر نے دس ہزار پیادے و بارہ ہزار سوار و توپخانہ و خزانہ و دیگر سامان جنگ کے گرز و خلعت و شمشیر حاصل کر کے دہلی سے کوچ کیا اور جمنا کا عبور کیا اور دس روز میں مقام کوئل جا پہنچا

زیادہ تھی۔ کالی دریا سے عبور کرکے کاسگنج میں پہنچے اور وہی لڑائی کا میدان مقرر ہوا ؎
ادھر احمد خاں جو ایک جنگجو بہادر تھا آمادۂ جنگ ہوا۔ اور دس ہزار سوار گنگا پار سے اُسکی مدد
کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن اُس نے کنور سورج مل کے پاس اپنا وکیل بھیجکر عرض کیا کہ بھائی قائم خاں
نے جنگ روحیلہ میں وفات پائی اس موقع کو غنیمت سمجھ کر منصور علیخاں نے اِس ملک کی ضبطی کی
اجازت لے لی ؎

میں اس بات کو سُنکر بھائی کی بیوہ کے ساتھ نواب کے پاس گیا اور کل مال ومتاع نذر کیا
اور بادشاہ کی خدمت میں معاملہ پیش کیا نواب نے ظاہرداری سے خاطر وتسلی کرکے قسم کھائی۔
مگر دل سے کینہ رفع نہ کیا اور مطلق رحم نہ کرکے ہم سے لڑائی شروع کی ہے۔ آپ کو ایسے بے ایمان
کی مدد کرنا زیبا نہیں۔ بہتر ہے کہ اس سے علیحدہ ہو جائیں"۔ کنور نے اس کا جواب دیا کہ اب چونکہ بر
سر مقابلہ آگئے ہیں اس لئے مناسب نہیں اگر پہلے سے تم کہتے۔ تو تمہاری درخواست کا منظور
کرنا ممکن تھا ؎

مجبور ہوکر احمد خاں نے مقابلہ کیا۔ اور دونوں فوجیں خوب جی کھولکر لڑیں۔ منصور علی کی
طرف سے ہزاروں آدمی کام آئے کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ اور میدان جنگ میں خون کا دریا
بہنے لگا۔ آخرکار منصور علیخاں میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ سورج مل کے مقابلہ میں رستم خاں
افغان تھا۔ راجپوت نہایت جی داری کے ساتھ لڑ رہے تھے اور اُنہیں اپنی جان کی بالکل پرواہ
نہ تھی اگرچہ اُن کی طرف سے بہت سے جوانمرد کام آئے لیکن اُن کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ اور آخرکار
رستم خاں مع چھ ہزار سواروں کے مارا گیا اور باقیماندہ فوج نے فرار کو اختیار کیا۔ راجکنور نے دس کوس
تک اُن کا تعاقب کیا۔ اور جب نواب منصور علیخاں روانہ ہوگیا تو وہ مقام دیگ میں داخل ہوئے

اس شکست کے بعد پھر دوبارہ نواب مذکور نے ملہار راؤ ہلکر کو جسکے ساتھ پچاس ہزار کی جرار
فوج تھی مدد کے لئے اپنے ساتھ لے کر اور کنور سورج مل سے کمک کی درخواست کرکے دریائے جمنا کو
عبور کیا اور نواح شمس آباد مئو میں ہوتے ہوئے افغانوں کی سرحد میں پہنچے اور دوبارہ جنگ کی
یہ لڑائی بھی نہایت خونریز ہوئی۔ اس میں بارہ ہزار افغان ملہار راؤ کی فوج سے مقتول ومجروح
اور باقیماندہ مفرور ہوئے۔ نواب کو اس فتح کی خبر دی گئی۔ لیکن اسی اثنا میں افغانوں نے ملہار
راؤ سے اتحاد پیدا کرکے ملک کے تین حصے کئے ایک ملہار راؤ کو دیا۔ دوسرا خود لیا۔ اور تیسرے
کا مالک وقابض نواب منصور علیخاں کو بنایا اس فتح سے فراغت کرکے نواب مذکور تو براہ دریائے

گنگا ملک مشرقی کی طرف روانہ ہوا اور کنور سورج مل اپنے ملک کو واپس آئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ قوم مینا ساکن گھاسیڑہ کے سورج مل کے لشکر کے اونٹ چرا لے گئے تھے کنور نے رائے بہادر سنگھ والئے گھاسیڑہ کو لکھا لیکن اُس نے تعمیل نہ کی کنور کو یہ امر ناگوار ہوا پھر جب افغانوں کی لڑائی میں راؤ مذکور کو لکھا تو بھی اُس نے ٹال دیا۔ چنانچہ نواب صفدر جنگ نے بمشورہ کنور سورج مل اُس کی بدکرداری سے بادشاہ آگاہ کیا۔ اور اُس کی سرکوبی کے لئے کنور مذکور ہی مقرر ہوئے۔ اور خلعت و شمشیر و سپر عطا ہوئی۔ راجکنور کی فوج نے قلعہ گھاسیڑہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر قلعہ دار اور محاصرہ گیر نوجوں میں جنگ ہونے لگی اور خاص راؤ بہادر سنگھ کے ایک گولی لگی لیکن اُس نے زخم کی کچھ پرواہ نہ کی اور پندرہ دن تک برابر لڑتا رہا۔ جب قلعہ دار لوگ باہر آنے جانے سے عاجز ہوئے اور اپنی ضروریات پورا نہ ہونے سے اُنہیں سخت تکلیف ہوئی۔ تو راؤ بہادر سنگھ نے سردار ظالم سنگھ کو بھیجا اور صلح کا پیام دیا آخر دس لاکھ روپیہ نقد اور سامان جنگ پر صلح ہوئی۔ لیکن جب راؤ بہادر سنگھ نے دس لاکھ روپیہ تو دینا منظور کیا۔ مگر سامان جنگ سے انکار کیا تو بیچارہ ظالم سنگھ اپنی بات پوری نہ ہونے سے غیرت میں آکر زہر کھا کر مر گیا۔ جب کنور کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو امر سنگھ خلف منجھلا کو راؤ کے پاس بھیجا راؤ نے کہا کہ قلعہ میں جب تک کھانے کو موجود ہے۔ صلح نہ ہوگی مگر امر سنگھ کے کہنے سے راضی ہوا اور کہا کہ محاصرہ کی وجہ سے کوئی نقد روپیہ نہیں دیتا بہتر ہے کہ اسباب لیتے جاؤ۔ اور دہلی میں گروی رکھ لینا۔ اور روپیہ وصول کر لینا۔ چنانچہ راجکنور نے سردار کھاند کو مال دیکر دہلی بھیجا لیکن معلوم ہوا کہ راؤ نے اپنے فرزند فتح سنگھ کو لکھ بھیجا ہے کہ مال و اسباب کو اپنے قبضے میں رکھے۔ اور کنور کے آدمیوں کو تنگ دیتا رہے۔" اس دغابازی سے خفا ہو کر کنور نے قلعہ پر حملہ کیا۔ بہت دیر تک لڑائی ہوئی اور جانبین سے ہزاروں جانیں کام آئیں آخر راؤ مارا گیا اور سورجمل نے قلعہ کو فتح کر لیا۔ اور گھاسیڑہ پوری طرح قابض ہو گیا +

اسی زمانے میں جب کہ بخشی غلام الدین خاں کی جو نواب منصور علیخاں کی سعی و سفارش سے اس عہدہ جلیل القدر پر پہنچا تھا بوجہ اختلاف نواب مذکور سے باہم کچھ تکرار ہوئی تو بخشی مذکور نے نواب منصور علیخاں کی شکایت بادشاہ تک پہنچائی اور بادشاہ نے برافروختہ ہو کر نواب مذکور کو صوبہ داری اودھ کے بہانے دہلی سے نکالنا چاہا۔ اور غازی الدین خاں کو اُنکی جگہ وزیر بنایا دہلی سے جاتے وقت نواب کو اُنے نہایت افسوس کے ساتھ یہ مصرعہ پڑھا ؎ طفل دستگیر یا آخر گریباں گیر شد!

اور دہلی سے جاکر فوج جمع کرنے لگا۔ اور کنور سورج مل کو طلب کیا اور وہ مع کنور جواہر سنگھ کے
پندرہ ہزار کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے اور دوسرے بڑے بڑے رئیس بھی نواب مذکور کے شامل
ہوئے۔ اور شاہی فوج سے خوب مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ کا مفصل لکھنا غالباً تطویل لاحاصل ہے۔
بہر کیف چھ لڑائیاں ہوئیں اور شاہی فوج بڑی کثرت سے قتل ہوئی۔ حملہ آوروں نے کروڑوں
روپے کا سامان بادشاہ و رعایا کا لوٹ لیا۔ لیکن جب مادھو سنگھ والئے جے پور دس ہزار سوار
لے کر نواب مذکور کے حسب الطلب دہلی میں داخل ہوا تو اُس نے دونوں جانب کے افسروں کی باہم
صلح کرانے میں کوشش کی۔ چنانچہ انتظام الدولہ خلف قمر الدین کی ثالثی سے صلح ہوگئی۔ محرم ۱۱۶۶ھ
میں صفدر جنگ برضامندی شاہی اودھ کی صوبہ داری پر روانہ ہوا۔ اور راجکنور سورج مل نے
بھی اپنے ملک کی طرف مراجعت کی" جہاں تک غور کیا جاتا ہے "سورج مل" بھرت پور کی سرزمین
میں ایک دلیر شیر دل جوانمرد بہادر راجہ ہوگذرا ہے اُس کی اعلےٰ واقفیت جنگ اور سپہ گری
بہادری اور شجاعت جرأت اور ہمت کا حال مذکورہ بالا نظیروں سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے ان کے
سوا اور بھی صدہا مثالیں ہیں جن سے راجپوتانہ شجاعت اور جوانمردی آفتاب سے بڑھکر روشن
ہوتی۔ لیکن تطویل کے خیال سے اُن کی تفصیل قلم انداز کیجاتی ہے۔

۱۷۵۲ء میں مہاراجہ بدن سنگھ نے وفات پائی اور اُن کی جگہ مہاراجہ سورج مل گدی
نشین ہوئے۔ ابھی راج تلک کو صرف دو برس گذری تھیں کہ دریائے جمنا کے اُس سرے پر
کچھ شورش واقع ہوئی اور مہاراجہ مذکور اُس کے رفع کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور ڈیڑھ
مہینے میں قلعہ رسان اور دیگر ریاستوں کو فتح کرلیا۔ چونکہ اسی اثنا میں حسب الطلب نجیب خاں
احمد شاہ دُرانی کے آنے کی خبر بہت عام تھی۔ اس لئے وہ جلد ڈیگ کو واپس آئے۔ احمد شاہ دُرانی
متھرا میں داخل ہوچکا تھا۔ مہاراجہ سورج مل نے منشی یحییٰ خاں اور راجہ موہن سنگھ کو تحفہ تحائف
دیگر روانہ کیا اور وہ پیش کرکے احمد شاہ سے ملک کی سند حاصل کی۔

۱۷۶۰ء میں بسواس راؤ پیشوا چار لاکھ فوج لے کر فتح ہندوستان کے لئے دکن سے
روانہ ہوا اور نواح اکبر آباد میں بمقام جاجیو فروکش ہوا۔ اور مہاراجہ بھرت پور سے اشتیاق ملاقات
ظاہر کیا۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب بیس ہزار کی جمعیت سے گئے۔ راؤ نے عند الملاقات اعانت کی
درخواست کی۔ مگر مہاراجہ اُس کی پست ہمتی سے واقف تھا۔ اُس نے انتظام ملکی کا حیلہ کرکے ٹالدیا
راؤ مذکور دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور پانی پت میں احمد شاہ درانی سے سخت مقابلہ ہوا۔ آخرکار

راؤ مارا گیا اور اُسکی فوج نے سخت شکست اُٹھائی۔ باقی ماندہ مجروح اور شکستہ دل سپاہی بھرتپور سے دکن کو جانے لگے مہاراجہ نے سب کی خاطر داری کی اور زادِ راہ سے مدد کی۔ اسی طرح غازی الدین خان جو ہمیشہ مہاراجہ سے برسرپرخاش رہتا تھا جب قلعہ ڈیگ میں آکر پناہ گزین ہوا تو مہاراجہ مذکور نے اُسکی تعظیم و تواضع کر کے اپنی اعلےٰ ہمتی کا ثبوت دیا ⁂

انہیں دنوں میں کنور جواہر سنگھ چرخی دادری کوٹ قاسم اپنے ممالک مقبوضہ میں جا رہے تھے کہ نجیب الدولہ کے حسب ایما موسے خاں کو بیٹے خاں بلوچ اُن کے سد راہ ہوئے اور مفسدہ عظیم پیدا ہو گیا۔ مہاراجہ سورج مل یہ خبر سُنکر وہاں پہنچے فراخ نگر کو تباہ کر دیا اور موسے خاں کو گرفتار کر کے بھرت پور بھیجا۔ کنور جواہر سنگھ کو بلوچوں کی تنبیہ کے لئے مقرر کر کے آپ نجیب خاں کی سزادہی کے واسطے دہلی روانہ ہوئے۔ مہاراجہ موصوف نے پرگنہ جھجر میں پانچکی ایک گڑھی اور ایک مندر تعمیر کرایا جو اسوقت تک موجود ہیں ⁂

نجیب خاں نے چند معزز سردار بھیجکر صلح کا پیام دیا اور تحفہ میں ملتان کا ایک تھان چھینٹ کا بھی پیشکش کیا مہاراجہ اُس تھان سے بہت خوش ہوئے اور اُسی وقت پوشاک طیار کئے جانے کا حکم دیا لیکن صلح منظور نہ کی۔ مجبور ہو کر نجیب الدولہ جنگ پر آمادہ ہوا اور معزز سرداروں اور اپنے عزیزوں کی فوج کو مرتب کر کے دریائے جمن کے اُس طرف مہاراجہ کے مقابلے کو بھیجا ⁂

مہاراجہ سورج مل نے بھی ناہر سنگھ کے ساتھ اُسطرف جاکر ندی پر مورچے لگائے۔ فوج شاہی شاہدرہ میں فروکش ہوئی۔ منسارام فوج مہاراجہ کا ہراول پہلے شاہی فوج کے مقابلہ میں گیا افضل خاں اُسکے سامنے آیا اور بہت جلد شکست کھا کر بھاگا۔ مہاراجہ ایک مختصر جمعیت کے ساتھ علیحدہ کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ہر چند حکیم اسد مرزا سیف اللہ نے التماس کی کہ ایسی خطرناک حالت میں ایک مختصر جماعت کے ساتھ آپ کا کھڑا ہونا اچھا نہیں لیکن مہاراجہ مذکور نے کچھ خیال نہ کیا۔ سوءِ اتفاق سے سیدو خاں بلوچ پچاس سواروں سے مفرور ہو کر اُسیطرف سے گذرا اُسکے ہمراہیوں میں سے کسی نے مہاراجہ کو پہچان لیا۔ اور سب یکبارگی حملہ آور ہوئے اس اتفاقی حملہ سے جو بالکل غفلت کے عالم میں ہوا تھا مہاراجہ جلدی میں اپنے بچاؤ کی کوئی کوشش نہ کر سکے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حیات کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور موت کا وقت آچکا تھا خواہ کیسی ہی کوشش کیجاتی مگر کامیابی ناممکن تھی آخر اسی حملہ میں مہاراجہ موصوف نے حملہ آوروں کی ضرب سے وفات پائی

اس دل گداز واقعہ کے بعد لشکر دیگ کو واپس ہوا اور وہاں سے کنور جواہر سنگھ کے پاس فرخ نگر میں گیا۔ کنور نہایت رنج وغم کے ساتھ باپ کے ماتم میں سینہ گریاں قلعہ دیگ کو روانہ ہوئے اور تمام لشکر ہمرکاب آیا۔

دیگ میں پہنچکر راج تلک اور مسند نشینی کے مراسم نہایت تزک واحتشام کے ساتھ ادا ہوئے اور جب بھرت پور اور اس کے نواح کی قسمت جواہر سنگھ کی بندھی ہوئی جوہر دار تلوار کے قبضے سے وابستہ ہوچکی تو اُس مرحوم مہاراجہ کی جس نے اپنی تمام عمر خونریزی اور خوفناک لڑائیوں میں بسر کی اور شجاعت کے آسمان پر اپنا نام آفتاب کی طرح روشن کر گیا جو کسی وقت غروب نہیں ہوتا اور ہر وقت بہادروں کے پیش نظر ہے۔ تعزیت اور ماتم داری کی مراسم نہایت شان وشوکت کے ساتھ ادا کی گئیں۔

مہاراجہ صاحب جواہر سنگھ نے سمت ۱۸۲۱ میں مسند نشین ہوکر نواب نجیب الدولہ سے انتقام لینے کے لیئے دہلی پر چڑائی کی۔ ان دنوں سکھوں کی فوج کی بہادری اور جوانمردی کا شہرہ تھا لہذا انگھیل سنگھ۔ جسا سنگھ اور چرسا سنگھ سکھ سرداران کو پینتیس ہزار سواروں کے ساتھ فی سوار ایک روپیہ یومیہ دینے کرکے مدد پر بلایا۔ اسی طرح پانچ لاکھ روپیہ کا وعدہ کرکے ملہار راؤ ہلکر دیگر سرداران دکن کو بھی شامل کیا۔ اس سپاہ سے جواہر سنگھ نے دہلی کا محاصرہ کیا۔ دو سال تک ہنگامہ کارزار گرم رہا آخر کار نواب نجیب الدولہ نے ملہار راؤ ہلکر کی معرفت راجہ صاحب سے صلح کرلی۔

اس کے بعد کنور ناہر سنگھ نے اپنے ماموں کرپارام اور اودے سنگھ کی معرفت نصف ملک کا دعوے پیش کیا اور مرہٹوں کو اپنی مدد پر بلایا اور سلطان سنگھ لنگوٹیہ اور مکاجی سیم سنگھ کے بیس ہزار سواروں کے ساتھ پچونہ کو تاخت وتاراج کیا۔ مہاراجہ جواہر سنگھ بھی اپنی سپاہ لیکر آگے بڑھے اور پیاس کے قریب لڑائی ہوئی۔ جس میں مفسدوں نے شکست کھائی اور سرسر غنے قید کرکے بھرت پور بھیجدیئے گئے۔ اب ناہر سنگھ کے ماموں امراؤ گر اور ہمت بہادر گسائیں سے امداد طلب کی مگر جواہر سنگھ نے ناگوں کی بیس ہزار سپاہ سے انکو بھی شکست فاش دی۔ اور ناہر سنگھ کا دھولپور باڑی تک تعاقب کیا۔ ناہر سنگھ اپنی ریاست سے دست بردار ہو کر دکن کو چلا گیا اور وہاں سے جے پور کی راہ لی مگر جواہر سنگھ ابھی مقام گوہد میں تھے کہ ناہر سنگھ کے مرنے کی خبر ملی ادھر ملہار راؤ بھی عالم پور میں فوت ہوگیا۔

گوہد پور کے رانا چھتر پ سنگھ نے جواہر سنگھ کی بڑی خاطر تواضع کی اور وہاں سے روانہ ہوکر جواہر سنگھ نے قصبہ ایرچ و بھنڈ کو تاخت و تاراج کیا اور ہمت سنگھ راجہ بھنڈ کو قید کر کے بھرت پور بھیجدیا۔ پھر کالپی سے بالاجی مکالدار کو پس و پا کر کے ملک مہوبہ پر قبضہ کیا اور وہاں کنور رتن سنگھ کو مقرر کر کے وطن کو مراجعت کی راستہ میں کنور کیہری سنگھ کی ولادت کی خبر پہنچی اس خوشی میں موسئے خاں وغیرہ قیدی رہا کئے گئے ؛

بھرت پور سے دور دور تک کا علاقہ مہاراجہ جواہر سنگھ کے قبضہ میں آچکا تھا۔ صرف پرگنہ کامہ جو دیگ سے ملحق ہے راج جے پور کے تخت میں تھا مہاراجہ صاحب نے چاہا کہ یہ پرگنہ بھی بغیر لڑائی کے برضامندی رئیس جے پور شامل ریاست بھرتپور جائے۔ مگر والئے جے پور نے منظور نہ کیا۔ جس پر طرفین کے دلوں میں کدورت پیدا ہوگئی ؛

۱۷۶۸ء میں مہاراجہ صاحب پشکر کے اشنان کو گئے۔ وہاں بجے سنگھ والئے جودھ پور سے بھی ملاقات ہوئی مگر مادہو سنگھ والئے جے پور کو اُن کا اپنے علاقہ سے گذرنا بسبب سابقہ کدورت کے ناگوار گذرا۔ مہاراجہ جواہر سنگھ اشنان سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے کہ جے پور کی ستر ہزار سپاہ نے عالم بے خبری میں انپر حملہ کیا۔ انکے ساتھ صرف چار پلٹنیں اور آٹھ توپیں تھیں۔ پھر بھی خوب مقابلہ کیا۔ طرفین کے چھ سات ہزار آدمی مارے گئے۔ اگرچہ بھرت پور کی سپاہ کا بھی سخت نقصان ہوا۔ مگر مہاراجہ صاحب بخیر و عافیت الور کے رستہ بھرت پور پہنچ گئے اس لڑائی میں ریاست جے پور کو ہی نقصان رہا کیونکہ اول تو ریاست الور جے پور سے علیحدہ اور خود مختار ہوگئی دوئم جواہر سنگھ نے کامہ پر بھی قبضہ کر لیا ؛

اس واقعہ کے چند روز بعد مہاراجہ جواہر سنگھ ایک دن اکبرآباد کے قلعہ کے ملاحظہ کے واسطے گئے۔ واپسی کے وقت بھیڑ میں سے کسی آدمی نے شمشیر کا وار کیا زخم مہلک تھا لہذا اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے ؛

اس خبر کو سنتے ہی راؤ رتن سنگھ ملک مہوبہ سے واپس آکر دیگ میں مسند نشین ہوا اس کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ ایک خیمہ بالکل شیر کے چمڑے کا تیار کرایا گیا۔ ایام ہولی میں لاکھ من گلال تیار ہوا۔ اور دو مہینے تک رقص و سرود کی محفل گرم رہی۔ آگرہ سے متھرا تک جمنا کے کل قبہ میں باغ لگانے کا حکم دیا۔ ایک دفعہ بندرابن گئے وہاں ایک گوسائیں نے چند ایک شعبدات دکھا کر کیمیا گری سکھلانے کا اقرار کیا۔ رتن سنگھ نے دھوکھ میں آکر اس کو بہت سا روپیہ دیا۔

مگر جب اس کے اقرار کے دن گذر گئے اور اس کا فریب ظاہر ہونے لگا تو اس نے دغا سے رتن سنگھ کو بضرب پیش قبض گھائل کیا اور خود بھی مہاراجہ صاحب کے ہمراہیونکے ہاتھ سے مارا گیا۔

رتن سنگھ کے بعد اس کا چھوٹا بھائی کیہری سنگھ صرف دو سال کی عمر میں مسند نشین ہوا۔ اور دان ساہ نائب السلطنت مقرر ہوا مگر دیوان جیورام نے دیگ سے آکر مہارانی کشوری جی اور چوہدری دلیل سنگھ کے ساتھ سازکر کے دان ساہ کو معزول کرنا چاہا۔ اُس نے اپنے بچاؤ کے لئے نیابت راؤ نول سنگھ کے سپرد کردی اور کیہری سنگھ کو اس کی گود میں بٹھاکر خود کنارہ کرلیا رانا کشوری نے نول سنگھ کے پاس پیغام بھیجکر کمہیر میں بلایا مگر شہر میں داخل ہونے کے بہت تھوڑی دیر بعد نول سنگھ کے دھابھائی نے اطلاع دی کہ شہر کے دروازے بند ہوگئے ہیں اور تم قید ہو چکے ہو۔

نول سنگھ نے بزور شمشیر اپنی پانچہزار سپاہ کے ساتھ دروازے سے نکل کر مہاراج باغ میں ڈیرہ کیا اور وہاں سے لالہ ایمل اور شیخ مان اللہ کو دس ہزار سپاہ کے ساتھ کمہیر کے محاصرہ پر متعین کیا۔ دوسری طرف سے راؤ رنجیت سنگھ نے ملک کا دعوےٰ کیا۔ اور دونوں بھائیوں کے درمیان چار مہینے تک لڑائی ہوتی رہی۔ دیوان جیورام نے زرکثیر معاوضہ میں دینا کرکے مرہٹوں اور سکھوں کو رنجیت سنگھ کی مدد پر بلایا۔ مگر راؤ نول سنگھ نے سکھوں کی بیس ہزار سپاہ کو ایک ہی حملہ میں شکست فاش دی۔

سمت ۱۸۲۸ میں تکوجی ہلکر و مہاجینت سندھیہ وغیرہ کی ایک لاکھ سپاہ نے ایک کروڑ روپیہ کے اقرار پر برہستہ لال سوٹ و بسولی ملک پر چڑھائی کی راؤ نول سنگھ نے ۷۰ ہزار سپاہ سے آو کے مقام پر مقابلہ کیا۔ چھ دن تک لڑائی ہوتی رہی آخر نول سنگھ نے مرہٹہ سرداروں کو پیغام بھیجا کہ تم کو روپیہ سے مطلب ہے خواہ ہم سے یا رنجیت سنگھ سے اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو متھرا کے مقام پر زر مقررہ ادا کردیا جاویگا۔ مرہٹوں نے متھرا کو کوچ کیا مگر دان ساہ نے جو گوردہن میں مقیم تھا مرہٹوں کی فوج پر حملہ کیا اور خوب لوٹا۔ مرہٹوں نے سمجھا کہ سب نول سنگھ کی دغابازی کا نتیجہ ہے۔ لہذا انہوں نے پلٹ کر نول سنگھ کو جالیا۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی مگر ہمراہیوں کے فرار سے مجبور ہو کر نول سنگھ تن تنہا ویگ میں داخل ہوا۔ اور ستر لاکھ روپیہ دیکر ان سے پیچھا چھوڑایا۔

اب رنجیت سنگھ نے بذاتِ خود گوردہن میں آکر راؤ نول سنگھ سے صفائی کی۔ اور

نول سنگھ دیگ میں اور رنجیت سنگھ کمہیر میں رہنے لگے ؛

شاہ عالم یعنی عالمگیر ثانی کے عہد میں مادھوراؤ سندھیا نے بہت بڑا عروج حاصل کیا۔ نواب نجف خاں وزیر سلطنت تھا دان ساہ قلعہ دار اکبر آباد نے درخواست کی کہ آپ نول سنگھ کو بے دخل کردیں اور ملک مفتوحہ میں سے جس قدر چاہیں رنجیت سنگھ کو دیکر باقی ماندہ خود رکھیں چنانچہ نجف خاں نے فوج کشی کی۔ راؤ نول سنگھ نے چھ پلٹنیں اور توپخانہ بافسری سمرو صاحب مقابلہ کے واسطے بھیجا۔ نجف خاں کی فوج نے شکست کھائی بلکہ خود بھی زخمی ہوا مگر دوسری لڑائی میں سمرو صاحب کی فوج کو شکست دی۔ اور بادشاہ سے صوبیداری اکبر آباد کی درخواست کی۔ چونکہ مدت سے اکبر آباد میں بادشاہ کا کوئی دخل نہ تھا اور نہ اس کے جلدی سے فتح ہو جانے کی امید تھی فوراً سند لکھ بھیجی۔ مگر نجف خاں کی تقدیر یاور تھی۔ ڈیڑھ مہینے کی لڑائی کے بعد اس نے آگرہ لے لیا اور حسب قرار داد ملک پر رنجیت سنگھ کا قبضہ کرا کر خود روہیلکھنڈ کی طرف چلا گیا۔ راؤ نول سنگھ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر دہلی پر فوج کشی کی۔ سکندر آباد پر قبضہ کر لیا اور فرید آباد تک جا پہنچا مگر اپنے سرداروں کی سازش کے خوف سے واپس چلا آیا دوسری مرتبہ پھر حملہ کیا مگر اس عرصہ میں نجف خاں واپس آچکا تھا۔ اس نے راجہ ہیرا سنگھ اور رنجیت سنگھ کی سپاہ کو شامل کر کے مقابلہ کیا۔ نول سنگھ کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور دیگ میں چلا آیا۔ دیگ بڑا محفوظ مقام تھا۔ نجف خاں دھوکھ دیکر اسکو برسانہ میں لے گیا اور وہاں حملہ کر کے دوسری شکست دی۔ دیگ کا بھی محاصرہ ہوا اور چودہ مہینے کے بعد نول سنگھ وہاں سے بھی بے دخل ہوا ؛

اب کل علاقہ بھرت پور۔ قلعہ آگرہ و اضلاع میان دوآبہ پر نجف خاں کا قبضہ ہو چکا تھا اور صرف بھرت پور کا ایک پرگنہ رنجیت سنگھ کے پاس تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد علاقہ بھرت پور کا کل علاقہ نول سنگھ کو واگذاشت کرنا پڑا ؛

سمت ۱۸۳۳ میں نول سنگھ نے بعارضہ جلندہر وفات پائی اور نابالغ راجہ کیہر سنگھ کا نائب رنجیت سنگھ مقرر ہوا۔ مگر ملا رحیم داد خاں وچندن خاں روہیلہ معہ بیس ہزار فوج کے جن کو نول سنگھ نے نوکر رکھا تھا۔ دان ساہ کے اغوا سے آمادہ فساد ہوئے۔ آدھی رات کے قریب چتر سنگھ قلعہ دار سے ساز کر کے رنجیت سنگھ پر شبخون مارا۔ ایک پہر کے قریب لڑائی ہوتی رہی رنجیت سنگھ کے بہت سے آدمی مارے گئے مگر جسونت سنگھ دکھنی کی مدد سے صحیح و سلامت

کمھیر میں پہنچ گیا۔ مگر چند روز بعد چتر سنگھ اور اس کے چچا کی رہیلوں سے تکرار ہوگئی۔ اور اس میں رحیم داد خاں، چندن خاں اور خود چتر سنگھ اور اسکا چچا بھی مارے گئے۔ رہیلوں نے ڈیگ پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کیہری سنگھ قلعہ نشین ہو بیٹھے۔ رنجیت سنگھ اس خبر کو سنتے ہی جمعیت شائستہ ڈیگ میں داخل ہوا اور روہیلوں کو مار کر خارج کر دیا۔ اور اس واقعہ کے چار ماہ بعد ہی نجف خاں نے واپس آ کر رنجیت سنگھ اور کیہری سنگھ دونوں کو وہاں سے خارج کر دیا؛

کیہری سنگھ نے سمت ۱۸۳۴ میں چیچک کے عارضہ سے وفات پائی۔ اور رنجیت سنگھ مسند نشین ہوا۔ انہیں ایام میں نجف خاں نجف قلی خاں کو کانوڈ اور افراسیاب کو جمنا پار کا ملک دیکر اور ہمدانی اور بدل بیگ کو ڈیگ میں مختار کر کے خود دہلی کو چلا گیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد ہی افراسیاب اور نجف قلی خاں نے متفق ہو کر سرکشی کی۔ نجف خاں اس حال سے مطلع ہو کر دہلی سے روانہ ہوا۔ بھرت پور کے قریب دہرہ کے مقام پر مہارانی کشوری اور رنجیت سنگھ نے بہت خاطر تواضع کی جس پر خوش ہو کر نجف خاں نے نولاکھ روپیہ کا ملک واگذاشت کر دیا اور اس پر رنجیت سنگھ کا قبضہ کرا کر خود دہلی کو پلٹ گیا؛

سمت ۱۸۳۹ میں نجف خاں نے دہلی میں وفات پائی اور مرزا شفعی نے جو بجائے اس کے مختار ہوا۔ کل علاقہ رنجیت سے واپس کر لیا۔ یہانتک کہ بھرت پور کے دروازوں سے باہر بھی اس کا دخل نہ رہا۔ مگر جب شفعی خاں بھی ہمدانی کے بھائی کے ہاتھ سے مارا گیا تو رنجیت سنگھ نے موقعہ پا کر کل علاقہ پھر اپنے قبضہ میں کر لیا؛

آئے دن کے جنگ و جدل و تغیر و تبدل کے بعد آخرکار وقت آگیا۔ جبکہ جنرل لارڈ لیک نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے سپہ سالار فوج مہاراجہ سندھیا کو شکست فاش دی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فوجدار شیو سنگھ اور جانی دیا شنکر کی معرفت لارڈ لیک صاحب سے ملاقات کی اور جن رئیسوں نے ابتدا عملداری میں سرکار انگریزی سے دوستانہ عہد کرنے میں اپنی خوشی ظاہر کی مہاراجہ رنجیت سنگھ سب سے اول تھے۔ اس عہدنامہ سے رنجیت سنگھ کو بہ حیثیت مالک اپنے ملک پر قبضہ حاصل ہوا۔ اور مرہٹوں کے مطالبہ خراج اور اُن کے آئے دن کی مداخلت دوست اندازی سے ہمیشہ کے لئے چھٹی ہوئی؛

جب انگریزوں کی دولت راؤ سندھیا سے لڑائی ہوئی۔ تو لارڈ لیک صاحب کے ساتھ ہو کر بھرت پور کی فوج نے بڑی بہادری اور جانفشانی سے عمدہ کام انجام دیئے اور خیر

لڑائی تک شامل حال رہے۔ اس خیر خواہی کے عوض میں علاوہ ملک سابقہ کے پانچ پرگنا
کشن گڈھ۔ کٹھومر۔ ریواڑی۔ گوکل۔ اور سہار سات لاکھ روپیہ جمع کے اضافہ ریاست ہو۔
اور جنگ لاسوڑی سے واپسی کے وقت لارڈ لیک نے مقام کانور مہاراجہ رنجیت سنگھ
سے ملاقات کی ؛

اگرچہ شروع عہد کے نقصانوں کا سرکار انگریزی سے دوستی کرنے پر کامل معاوضہ مل
چکا تھا مگر تھوڑے دنوں بعد جب ہلکر سے سرکار انگریزی کی لڑائی چھڑی اور مدد مانگی گئی تو
مہاراجہ رنجیت سنگھ اول تو اقرار کرتے رہے مگر بعد میں صاف انکار کر دیا۔ بلکہ بھرت پور کی
سپاہ ہلکر کے شامل ہو کر دیگ کے مقام پر انگریزی فوج سے برسر مقابلہ ہوئی اسکی کیفیت
اس طرح پر لکھی ہے کہ جب جسونت راؤ ہلکر نے دکن سے بمقابلہ لارڈ لیک اس ملک میں
آکر متھرا میں قیام کیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نند گاؤں سے دیگ میں آکر ہلکر کی خوب
تواضع و مہمانداری کی۔ ہلکر کے تین کمپو اور لشکر کی بھیڑ نے زیر فصیل دیگ قیام کیا اور لارڈ
لیک صاحب کی تین پلٹنیں موضع بھج میں مقیم ہوئیں۔ اس وقت فوجدار شیو سنگھ نے
عرض کیا کہ ہلکر اور انگریزوں میں جنگ ہونے والی ہے آپ ہلکر کو یہاں سے نکال دیں مگر
مہاراجہ صاحب نے جواب دیا کہ دکھنیوں سے ہماری قدیمی دوستی ہے اس وقت جب کہ
زمانہ ان کے ناموافق ہے۔ بے مروتی کرنا بعید از مردانگی ہے۔ چنانچہ مہاراجہ کی فوج نے ہلکر
کو قلعہ میں لے کر انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ لیک صاحب نے حملہ کر کے ہلکر کو شکست دی
اور دیگ کا محاصرہ کر کے تین روز میں قلعہ خالی کرا لیا۔ مہاراجہ صاحب کی اس علانیہ کارروائی
سے ثابت ہو گیا کہ وہ سرکار انگریزی کے مخالف ہیں ؛

اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کشتی میں سوار ہو کر برستہ تری بھرت میں پہنچے۔ اور سرداروں
کو جمع کر کے قلعہ کا بندوبست کیا۔ خندق شہر پناہ موتی جھیل کے پانی سے پُر کر دی گئی۔ ہلکر
کی فوجیں زیر فصیل مقیم ہوئیں اور خود ہلکر پھولباڑی میں ٹھہرا ؛

بھرت پور کی یہ لڑائی وہ مشہور لڑائی ہے۔ جس نے ہندوستان کی تاریخ میں مہاراجہ
رنجیت سنگھ اور بھرت پور کا نام بڑی فتحیابی کے ساتھ مشہور کر دیا ؛

لارڈ لیک نے دیگ سے بھرت پور کو کوچ کر کے اناہ دروازہ پر مورچہ قائم کیا۔ جنوری
۱۸۰۵ء کو بھرت پور کا محاصرہ شروع ہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جانتے تھے کہ اگر بھرت پور

ریاست مہوبا

آلہا اور اودن

جس زمانہ میں پرتھی راج دلی کے تخت پر جلوہ افروز تھا اور جے چند قنوج کی ریاست پر حکومت کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کا ملک بے شمار خود مختار ریاستوں پر منقسم تھا بلکہ اس امر کا اندازہ لگانا کہ ان ریاستوں کی کتنی تعداد تھی ایک نہایت ہی مشکل امر ہے۔ ہاں! اس وقت خانہ جنگی کی وبا عام طور پر ملک میں پھیل چکی تھی۔ ذرا سی بات پر ایک دوسرے راجہ پر چڑھائی کر دینا اور ہزاروں بندگانِ خدا کے خون پانی کی طرح بہا جانا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی راجپوت بہادر اس وقت فن جنگ میں اچھے ماہر تو نہ رہے تھے تاہم بزرگوں کی بہادری اور شجاعت جو پشتوں سے ورثہ میں چلی آتی تھی کم ہوتے ہوتے بھی یہاں تک باقی رہ گئی تھی کہ آج تک اس کا عشرِ عشیر بھی کسی غیر قوم کو نصیب نہیں ہوا مگر افسوس کہ یہ سپاہیانہ جوہر بجائے اس کے کہ ممالک غیر کو فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوتے اپنے ہی بھائی بندوں کی بربادی اور تباہی کی طرف پلٹا کھا گئے ۔

منجملہ ان تمام ریاستوں کے ایک چھوٹی سی ریاست بھی تھی۔ جس کا نام ریاست مہوبا تھا۔ یہاں کا راجہ پرمال تھا جو خود مختار تو ضرور تھا۔ مگر چنداں طاقتور نہ تھا۔ ایک موقعہ پر قوم گوئیند کے سردار کے بیٹے کریا نے اس پر حملہ کیا۔ پرمال مقابلے کے قابل نہ تھا۔ اور اس کی شکست یقینی تھی مگر مکبھر کے دو راجپوت سرداروں کی بہادری اور مردانگی کی وجہ سے غنیم کو شکست فاش ہوئی۔ سرداروں کا نام جس راج اور بچھراج تھا اور دونوں سگے بھائی تھے جس راج

غنیم کی دارالریاست گڑھ اتک تسخیر کرتا چلا گیا۔ پرمال نے اس حسن خدمت کے صلہ میں ان کو کالنجر کا علاقہ بطور جاگیر مرحمت فرمایا اور خاص طور پر ان کی عزت کرنے لگا۔

دونوں بھائی راضی خوشی اپنے علاقہ جاگیر میں جس کا نام انہوں نے دس پروا رکھا تھا زندگی بسر کرنے لگے۔ جس راج کے دو بیٹے پیدا ہوئے بڑے کا نام آلہا اور چھوٹے کا اودن تھا۔ بچراج کے تین بیٹے تھے۔ اور ان کا نام ملکھا۔ سلکھا۔ اور ڈھیوا تھا۔ چند سال ہنسی خوشی میں گزرے مگر بداندیش کریا جو سابقہ لڑائی میں زک اٹھا چکا تھا۔ بڑی بھاری جمعیت کو ہمراہ لے کر یکایک دس پروا پر چڑھ آیا۔ جس راج اور بچراج نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ مگر ان کی جنگی طاقت بہت کم تھی اور کریا کی کئی گنا زیادہ۔ اس موقعہ پر کریا کو فتح نصیب ہوئی۔ اور جس راج اور بچراج دونوں کو قید کر کے اپنے دارالریاست میں لے گیا مگر وہاں پہنچکر جو سلوک اس ظالم نے ان بہادروں کے ساتھ کیا بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اول نہایت خستہ حالی اور بے عزتی کے ساتھ پابزنجیر تمام شہر میں تشہیر کیا۔ بعد ان کے سر کاٹ کر برگد کے درخت پر لٹکوا دیئے۔ اور لاشیں کولہو میں پیلوا کر اپنے غضب کی آگ فرو کی۔

پرمال کو جس قدر صدمہ ان دونوں بہادروں کے اس ظالمانہ طریقے سے قتل ہو جانے پر پہنچا احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ لیکن سوائے خاموشی اور صبر کے کچھ چارہ نہ تھا۔ کیونکہ نہ تو پرمال اس قدر دلیر تھا کہ وہ فوراً انتقام لینے کے لئے کریا پر فوج کشی کر دیتا۔ نہ اس کے پاس کافی سامان تھا۔ متوفی سرداروں کے پانچوں بیٹے محل میں لائے گئے۔ آلہا اور اودن کی ماں دیول دیوی بھی ان کے ساتھ تھی۔ پرمال نے بڑی محبت سے ان کی پرورش شروع کی۔ اس کی رانی ملنا دیوی خاص طور پر ان پر مہربان تھی۔ اور بنافر کے لڑکوں کو اپنے بیٹوں کے برابر سمجھتی تھی۔ ان پانچوں بھائیوں میں آلہا اور اودن کا نام زیادہ مشہور ہے یہ وہی آلہا اور اودن ہیں جنہوں نے بڑے ہو کر اپنی بے نظیر شجاعت اور بے مثل بہادری سے وہ نام پیدا کیا۔ جو ہندوستان کے خاص خاص بہادروں کو حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک پنجاب کے باشندے جیسا کہ چاہیئے ان دلاوروں کے کارناموں سے واقف نہیں ہیں۔ مگر راجپوتانہ اور ممالک مغربی بشمالی کا بچہ بچہ ان سے آگاہ ہے۔ ان کی بہادری اور شجاعت کے مفصل حالات

(۱) لکھو تریں جسراج اور بچراج کو بنافر نے کے خطاب سے بھی مخاطب کیا گیا ہے معلوم نہیں کہ یا انکا خاندانی خطاب تھا یا کوئی اور

شبیہ شجاع آلہا فخر مہوبا



متعلقہ وقائع راجستھان جلد اوّل صفحہ ۲۴۲

ایک کتاب موسومہ "آلکھنڈ" میں درج ہیں مگر یہاں ان مشہور عالم بہادروں اور نامی راجپوتوں کے مفصل حالات تحریر کرنے کی گنجائش نہیں صرف ان کا جزوی حال اس جگہ قلمبند کیا جاویگا جس سے ہمارے ناظرین بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ ہند کی زمین پر کس کس صفت کے شجاع راجپوت ہو گذرے ہیں۔ آلہا اور اودن کی زندگی کے بہادرانہ کرشمے سپاہیانہ کرتب دلیری اور شجاعت کے بے نظیر واقعات دنیا کو مغالطے میں ڈال رہے ہیں کہ کیا درحقیقت ان کے جسم گوشت اور ہڈیوں سے بنے ہوئے تھے یا ہشت دھات کے ڈھلے ہوئے پتلے انکی تلواریں جہاں چمکیں غنیم کے چھکے چھوٹ گئے۔ دشمن خواہ کیسا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ ان بہادروں کو اس کے مقابلہ میں جاتے وقت ذرا بھی خوف نہ ہوتا تھا۔ ہم کو اپنے ان الفاظ کی تصدیق کے لئے کوئی ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا ان بہادروں کے کارناموں کو اچھی طرح جانتی ہے۔ اور اس کی صداقت کو تسلیم کرتی ہے ؛

بنافر کے بیٹے مہوبا میں زیر نگرانی ملہنا دیوی پرورش پاتے ہوئے آخرکار جوان ہوئے۔ مگر جسراج اور بچراج کے خوفناک انجام کی انکو کچھ خبر نہ تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ملہنا دیوی کا حکم تھا کہ ان بچوں کو اس حادثہ کی مطلق خبر نہ کیجائے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس دوراندیش رانی کے دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں غیرت سے جوش کھا کر بدلہ لینے کے لئے تیار نہ ہو جائیں اور کریا سے مقابلہ کرنے میں اس کو اندیشہ تھا کہ چندیلوں کی کامیابی مشکل ہے۔ مگر وہ ان باتوں کو کب تک چھپا سکتی تھی ؛

ایک دن اودن شکار کھیلتا ہوا ماہل[۱] کے علاقہ میں چلا گیا۔ اور دوپہر بھر آرام کرنے کیلئے اس کے باغ میں اترا۔ اتفاق سے کسی بات پر ناراض ہو کر باغبانوں کو خوب زدوکوب کیا۔ ماہل کا بیٹا ابھے سنگھ بھی باغ میں موجود تھا۔ باغبانوں نے اُس کے پاس جاکر فریاد کی۔ ابھے سنگھ اودن کے پاس آیا اور دھمکانے لگا۔ اودن کو برداشت کہاں تھی۔ ابھے سنگھ کو بھی اٹھا کر زمین پر دے پٹکا۔ جس سے اسکا ایک بازو ٹوٹ گیا ؛

ماہل اس واقعہ کو سنکر باغ میں آیا۔ وہ اودن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جو الفاظ اس نے اسوقت اودن کو کہے وہ تلوار سے بھی زیادہ تیز تھے "مانا کہ آپ بہادر ہیں۔ طاقت میں لاثانی ہیں۔ لیکن یہ طاقت کمزوروں پر خرچ کرنا بہادری نہیں۔ اگر ایسا ہی طاقت کا غرور ہے اور

[۱] ماہل راجہ پرمال کا سالا اور ملہنا دیوی کا بھائی تھا۔ مگر بڑا شریر اور خوفناک شخص تھا ؛

زور کا گھمنڈ ہے۔ تو اول باپ کا بدلہ لو۔ جس راج اور بچھراج کے کٹے ہوئے سروں کو، جو آج تک برگد میں لٹک رہے ہیں اتروا‏ؤ۔ باپ کے قاتلوں کو سزا دو۔ ورنہ یوں کم طاقتوں کو ستانا اور بہادری کا فخر جتلانا بالکل غیر مناسب ہے؛؛

اودن نے بڑی حیرانی کے ساتھ ماہل کی اس گفتگو کو سنا۔ اس کا جسم کانپ اُٹھا۔ اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ ماہل کی طرف قہر آلود نگاہ ڈالی اور کہا "یہ کیا کہا؟ مفصل بیان کرو ورنہ ابھی تمہارا سر قلم کردوں گا۔" ماہل نے جواب دیا "مینے جو کچھ کہا بالکل سچ ہے جمیے کے بیٹے کریا نے دس پرواہ پر حملہ کرکے پرمال کی سپاہ کو شکست دی۔ اور تمہارے باپ اور چچا کو باندھ کرلے گیا۔ دار السلطنت میں جاکر ان کو سخت بے عزتی سے شہر میں تشہیر کیا ان کے سر کاٹ کر برگد میں لٹکا دیئے اور لاشیں کولہو میں پیلوا دیں۔ اگر کچھ حمیت ہے تو اپنے باپ کا بدلہ او۔ مگر میں حیران ہوں کہ اب تک تمہیں اس معاملہ کی خبر کیوں نہیں ہوئی؛؛

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے آلہا اور اودن کو اس واقعہ کی مطلق خبر نہ تھی۔ اودن کا خون ماہل کی گفتگو سے جوش کھا گیا۔ اس نے دوبارہ اسکو کچھ جواب نہیں دیا اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مہوبا کو واپس آیا۔ مگر اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا دیول دیوی بیٹے کی اس غیر معمولی حالت کو دیکھ کر کانپ گئی۔ بڑے غور سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا اور نہایت محبت بھری آواز سے کہنے لگی "بیٹا کیوں! آج تمہاری صورت کیسی بن رہی ہے؟" اودن نے ہاتھ باندھکر عرض کیا "ماتا! آپ مجھ کو یہ بتلائیں۔ کہ ہمارا باپ اور چچا کس طرح مارے گئے تھے اور کس ظالم کی تلوار نے اُن کا خون چاٹا تھا۔ افسوس آجتک آپ نے ہمکو اس بات کی خبر نہیں کی! افسوس ہے کہ آلہا اور اودن کے باپ اور چچا کا قاتل دنیا کے تختہ پر موجود ہو اور یہ پاؤں پسارے محلوں میں سو رہے ہوں کیا غیرت راجپوتی کا تقاضا یہی ہے۔ اودن کی جوہر دار تلوار اگر اپنے باپ کے قاتل کا خون چاٹنے میں کامیاب نہ ہوئی تو اور کیا کر سکے گی۔ آلہا کے بازو اگر جس راج اور بچھراج کا بدلہ نہ لے سکے۔ تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ آلہا اور اودن اس لئے دنیا میں نہیں آئے کہ گوشوں میں چھپ کر خرگوشوں کی سی زندگی بسر کریں۔ اب آپ خوشی سے ہمکو کریا پر فوج کشی کی اجازت دیں۔ یا تو ماڑو کی اینٹ سے اینٹ بج گئی شہر میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ اور کریا کا سر کاٹ کر آپکے قدموں میں لا دھرا یا آلہا اور اودن کے سر بھی اپنے باپ اور چچا کے سروں کے ساتھ برگد میں لٹکا دیئے گئے"

اپنے بہادر بچے کی گفتگو سُنکر ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور نہایت سنجیدگی سے کہنے لگی "بیٹا! یہ باتیں سب سچ ہیں۔ کریا نے جو کچھ ظلم ہم پر کیا۔ اس کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں لیکن میں نے یہ بات عمداً تم پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ تم ابھی بچے ہو۔ کریا کا مقابلہ کرنا آسان بات نہیں ہے۔ باپ کا بدلہ لینا تمہارا فرض ہے مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ چندے اور صبر کرو۔" بہادر اودن نے بڑے ادب سے جواب دیا" یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں! موت ہر وقت سر پر کھیلی ہے۔ مرنا سب کے لئے لازمی ہے۔ مگر چار پائی پر مرنا راجپوت کی شان کے برخلاف ہے۔ راجپوت کے لئے سب سے بہتر جگہ موت کی میدان کارزار کی خون آمیز خاک کا بچھونا ہے۔ اب ہمیں ایسی بے غیرتی کی زندگی گوارا نہیں ہوسکتی۔ دنیا کیا کہتی ہوگی! جسراج اور بچھراج کو ہم جیسے پانچ ناخلف بیٹوں کے پیدا ہونے سے کیا خوشی ہوئی ہوگی! (پگڑی زمین پر پھینک کر) اودن اس ٹیڑھی پگڑی باندھنے کا تب ہی مستحق ہوسکتا ہے۔ جب اپنے باپ کے قاتلوں سے دوبدو ہوکر بدلہ لے ورنہ اس کے لئے مرجانا ہزار درجہ بہتر ہوگا۔" دیولدیوی جواب دیتی ہے "شاباش بیٹا! میں صرف تمہارا دل دیکھتی تھی۔ جاؤ اپنے باپ کا بدلہ لو۔ مرو یا مارو مگر خبردار۔ قدم میدان جنگ سے پیچھے نہ ہٹے۔ کچھ پرواہ نہیں اگر تمکو کامیابی نہ ہو مگر بزدلوں کیطرح اپنے بہادر باپ اور چچا کے نام کو بٹہ نہ لگانا۔ تلوار باندھو مگر اس بھروسہ پر کہ یا تو باپ کے قاتل سے کافی بدلہ لو یا مر کر وہیں میدان جنگ میں ڈھیر ہو جاؤ۔"

اتنے میں آلھا بھی معہ دوسرے بھائیوں کے محل میں آپہنچا۔ اور اصل واقعہ سے آگاہ ہونے پر سب کا خون جوش کھا گیا۔ تلواریں میانوں میں تڑپ اُٹھیں اور سب کے سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ سب سے پہلے باپ اور چچا کا بدلہ لینا چاہیئے۔ پانچوں بھائی مشورہ کرکے پرمال کے پاس گئے اور بڑے اصرار کے بعد کریا پر فوج کشی کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔

آلکھنڈ میں اس فوج کشی کا مفصل حال درج ہے مگر اس جگہ اس کے تفصیلی حالات بیان کرنے کی گنجایش نہیں۔

مہوبا کی فوجیں اول ببری بن پر حملہ آور ہوئیں۔ انوپ سنگھ کریا کا بھائی اور ببری بن کا حاکم تھا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی کئی دنوں تک گولیاں برستی رہیں۔ تیر سنسناتے رہے تلواریں کھنکھناتی رہیں۔ بہادروں کے فرش بچھتے رہے خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ مگر نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ آخر اودن نے انوپ سنگھ کو کہلا بھیجا کہ سپاہ کے کٹوانے سے کیا حاصل؟ آؤ ہم تم دونوں میدان

میں نکل کر اس لڑائی کا فیصلہ کر دیں" انوپ سنگھ شیر کی طرح گرجتا ہوا میدان جنگ میں آیا۔ اودن نے بہادر حریف کی طرح اسکا خیر مقدم کیا۔ انوپ سنگھ کو اپنی سپاہ کی کثرت سے کامیابی کی قوی امید تھی دوئم وہ خود بھی بہادر تھا اس نے اودن سے مخاطب ہو کر کہا "سنو! تمہاری خیر اب اسی میں ہے کہ مھوبے کو پلٹ جاؤ ورنہ ان آدمیوں میں سے جو لالچ یا دھمکی کی وجہ سے تمہارے ساتھ چڑھ آئے ہیں ایک آدمی بھی زندہ نہ بچے گا" اودن کا جواب قطعی تھا "آفتاب مشرق کو چھوڑ مغرب سے برآمد ہو۔ آک کے پیڑوں میں آم کے پھل لگنے لگیں۔ پانی سے تراوت اور آگ سے تمازت دور ہو جائے مگر اودن اپنے باپ کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیگا۔ ہاں! اگر آپ صلح کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے باپ کا بیج سابد ہاتھی پیپہا گھوڑا اور ماتا کا نولکھا ہار معہ بجما کے ڈولہ کے ہمارے حوالے کر دیں اور کریا کا سر کاٹ کر ہمارے پیش کریں۔ تو بھی سپاہ واپس ہو سکتی ہے"

انوپ سنگھ ان باتوں کو سنکر کب برداشت کر سکتا تھا۔ فوراً تلوار گھسیٹ کر حملہ آور ہوا۔ اودن نے اسکا وار خالی دیا۔ دوسری مرتبہ نیزے سے حملہ کیا۔ نوجوان اودن اسکو بھی بچا گیا۔ مگر تیسرے وار سے وہ گرجتا ہوا اس پر جھپٹا اور تیغہ لیکر ایسے زور سے مارا کہ انوپ سنگھ کی ڈھال کو کاٹتا ہوا کمر تک اتر گیا۔

انوپ سنگھ کے قتل کے بعد کریا کا بھائی ٹوڈر اور اسکے بعد سورج مل یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں نکلے مگر دونوں مارے گئے۔

اب کریا میدان میں نکلا۔ اس کا مقابلہ آلہا نے کیا اور بڑی خونریز جنگ کے بعد یہ بھی کام آیا۔ چاروں بیٹوں کے مارے جانیسے جمبے کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ مایوس ہو کر قلعہ نشین ہو گیا مگر جوش بھی عجب چیز ہے آلہا او اودن جو مرنے مارنے کا عہد کر کے میدان جنگ میں آئے تھے۔ کب پیچھا چھوڑتے تھے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا تین دن تک محصورین پر آگ کی بارش ہوتی رہی آخر سرنگ لگا کر فصیل کا کچھ حصہ معہ پھاٹک مغربی کے اُڑا دیا گیا۔

جمبے نے آخری کوشش میں بڑی بہادری دکھلائی۔ دل توڑ کر حملہ آور ونکا مقابلہ کیا مگر تقدیر نے کامیابی کا سہرا ورا ودن کے سر پر باندھا۔ قلعہ کی ساری سپاہ تہ تیغ ہوئی۔ جمبے اسیر کر لیا گیا۔ اور سکا جسم اسی کولھو میں پیلوایا گیا جسمیں کہ جسراج اور بچراج بیلوائے گئے تھے۔

باپ اور چچا کے قاتلوں کو ٹھکانے لگا کر آلہا اور اودن کا دل ٹھنڈا ہوا۔ اور فتح کے نشان اڑاتے مھوبا کو لوٹے!!

اس مشہور لڑائی کے بعد آلہا اور اودن کی بہادری اور شجاعت کی شہرت تمام راجپوتانہ میں پھیل

لگی - اور انکی دلاوری کا ایسا سکہ بیٹھ گیا - کہ جدھر وہ رُخ کرتے تھے - فتح ونصرت ہاتھ باندھے انکے سامنے حاضر رہتی تھی - مگر تقدیر بڑی زبردست ہے شدنی کبھی نہیں ٹلتی - آلہا کے پاس ایک نہایت قیمتی گھوڑا تھا کسی خوشامدی نے پرمال کے آگے اسکی بڑی تعریف کی - جس پر اُسنے آلہا کو بلاکر یہ گھوڑا اس سے طلب کیا - آلہا کو یہ گھوڑا بڑا پیارا تھا - اس نے اُسکے دینے سے انکار کیا - راج ہٹ اور تریا ہٹ دونوں ایک سی ہوتی ہیں پرمال نے مکرر سہ کرر گھوڑا حاضر کرنے کا حکم دیا - مگر اس کا جواب نفی میں ملتا رہا - پرمال کو سخت طیش آیا اور اسی طیش کے عالم میں دونوں بھائیوں کو جلاوطنی کا حکم دیدیا ؛

آلہا اور اودن راجہ کے حکم سے مجبور ہو کر معہ عیال واطفال کے قنوج کی طرف کوچ کر گئے - ان دنوں قنوج کی گدی پر جے چند حکمران تھا اس نے انکی بڑی عزت وتوقیر کی - اور انکے گذارے کے لئے ایک معقول جاگیر مقرر کردی ؛

اس واقعہ کے کچھ دن بعد جبکہ پرتھی راج چوہان راجہ جے چند والئے قنوج کی بیٹی سنیوگتا کو لئے ہوئے دہلی کو جارہا تھا مہوبا کے حکمران پرمل چندیل نے اُسکے چند آدمی حملہ کر کے قتل کر دیئے - اُس وقت تو پرتھی راج کو کسی شخص کے مقابلہ کی فرصت نہ تھی لیکن سنیوگتا کو دہلی میں پہنچا کر سرسہ کے مقام پر جو کہ مہوبا کا علاقہ تھا حملہ کیا ؛

یہ علاقہ آلہا اودن کے چچازاد بھائی ملکھان کے قبضہ میں تھا - ملکھان نے بڑی بہادری سے پرتھی راج کا مقابلہ کیا - مگر جب کامیابی ناممکن دکھائی دی تو معہ تمام باقیماندہ راجپوتوں کے کیسریا بانا کر کے نہایت خندہ پیشانی سے گج موتن (ملکھان کی عورت کا نام ہے) سے رخصت ہوئے ان گنتی کے راجپوتوں نے خوب داد شجاعت دی ایک ایک کر کے کٹ گئے - اور ملکھان بھی بڑی شجاعت سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا ؛

پرمل میں پرتھی راج کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی - اس نے اپنے امیروں کو جمع کر کے مشورہ کیا - اور یہ بات قرار پائی کہ جب تک آلہا اور اودن نہ آجائیں - پرتھی راج سے جنگ کی مہلت طلب کیجائے - چنانچہ کبیشر مہوبا کا بھائی یہ پیغام لے کر پرتھی راج کے پاس روانہ ہوا - اور ٹھیک اس وقت جبکہ وہ دریائے بھوج کو عبور کر رہا تھا - اسکے پاس پہنچا اور پیغام کو اس کے ہاتھ میں دیکر کہنے لگا - سرِدست والئے مہوبا آپ کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں اس لئے امید ہے کہ آپ ایک بہادر چھتری کی طرح اس وقت تک لڑائی کو ملتوی رکھیں گے جبتک

کہ وہ آپ کے مقابلہ کا پورا پورا انتظام نہ کرلے۔ ہمارے بہادر جرنیل آلہا اور اودن اس وقت مہوبا میں موجود نہیں ہیں۔ انکے آنے تک لڑائی ملتوی ہونی چاہیئے"۔ پرتھی راج نے اس درخواست کو منظور کرلیا اور ایک مہینے کی مہلت تیاری سامان جنگ کے لئے دیدی گئی ؀

قاصد کے واپس آنے پر پرمل نے جگنایک کبیشر کو آلہا و اودن کے بلانے کیلئے قنوج میں روانہ کیا۔ اور جو گفتگو اسکے اور آلہا اودن کے درمیان ہوئی ذیل میں درج کیجاتی ہے ؀

"پرتھی راج سرسہ کے میدان پر خیمہ زن ہے۔ نرسنگھ اور سرسنگھ قتل ہوچکے ہیں۔ سرسہ تباہ کردیا گیا ہے پرمل کا علاقہ تباہ و برباد ہورہا ہے۔ ایک مہینے کی مہلت حاصل ہوئی ہے۔ بنافر کے بیٹو! کان دھر کر سنو! جب سے تمنے مہوبا کو چھوڑا ہے ملہنا دیوی بڑی غمگین رہتی ہے۔ وہ تمکو اپنے بچوں سے بھی زیادہ چاہتی تھی۔ اب بھی جب تم یاد آتے ہو تو بے اختیار اسکے آنسو بہ نکلتے ہیں۔ ملہنا دیوی نے مجھے تمہارے بلانے کیلئے بھیجا ہے اور اس نے کہا ہے کہ اس مصیبت کے وقت میں تم اسکی مدد کرو۔ وہ رو رو کر کہتی ہے کہ چندیل خاندان کی عزت تباہ ہورہی ہے تم اسکی حفاظت کرو۔ بنافر کے بیٹو! اگر تم وقت پر نہ پہنچے تو پرتھی راج مہوبا کو تباہ کردیگا اور آخر کو تم بھی افسوس کروگے اٹھو اور مہوبا کے بچانے کے لئے ہتھیار پہنو ؀

آلہا اور اودن جواب دیتے ہیں۔ "مہوبا برباد ہو یا غارت ہو اب ہمیں اُس سے کیا واسطہ! خاندان چندیل کو تباہ ہونے دو۔ ہم کو کس قصور پر جلاوطن کیا گیا تھا۔ ہم بالکل بے قصور تھے۔ ہمارے باپ نے مہوبا کی خدمت میں اپنی جان قربان کی۔ ہمارے باپ نے چندیل کی سلطنت کو وسیع کیا تھا۔ چغل خور بیوری ہار نے ہمکو جلاوطن کرایا تھا۔ اب اسکو کہو کہ پرتھی راج کا مقابلہ کرے۔ ہمارے سر مہوبا کے ستون تھے۔ ہمنے گونڈ قوم کو شکست دیکر ان کے مضبوط و مستحکم قلعے۔ دیوگڈھ اور چندیری کو مہوبا کے علاقہ میں شامل کیا تھا۔ ہمنے جادو بنسیوں سے بڑی بڑی معرکہ آرائیاں کیں۔ ہمنے ہنڈول کو فتح کیا۔ ہمنے ہی چندیل کا جھنڈا اکٹ لیسر میں قائم کیا ؀

"قوم کچھواہا کو جو کہ فتح پر فتح حاصل کرتی چلی آتی تھی مینے ہی آگے بڑھنے سے روکدیا سلطان کی فوج کو بڑے سخت مقابلہ کے بعد شکست فاش دی۔ مینے گیا کو فتح کیا علاقہ لایوہ کو فتح کرکے ریاست مہوبا میں داخل کیا۔ اینٹ ورد کو جلاکر مینے ہی خاکستر کردیا اور قصبات میوات کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ میرا باپ دسراج نکو شکست دیکر انکا مال و اسباب لوٹکر مہوبا میں لایا۔ یہ کام تھے جو مینے اور میرے باپ نے کئے لیکن اسکا انعام ہمکو یہ ملا کہ ہم بلا قصور جلاوطن کئے گئے۔ اپنے باپ کی وفات کے

بعد مینے چالیس لڑائیاں لڑیں۔ سات مرتبہ لڑائی میں زخمی ہوا تین مرتبہ مرتے مرتے بچا۔ مینے چندیل خاندان کی عزت کو بچایا مگر اسکا انعام جو مجھے ملا وہ آپ پر بخوبی روشن ہے"

جگنایک نے جواب دیا "پرمل کے باپ نے مرتے وقت اسکو تمہارے والد جسراج کی حفاظت میں دیا تھا۔ تمہارا باپ اس سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ اور بیٹوں کی طرح سمجھتا تھا تم جسراج کے لائق بیٹے ہو۔ پرمل اسوقت تم سے مدد طلب کرتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ مصیبت کے وقت میں اسکو پیٹھ نہ دکھاؤ۔ راجپوت کا یہ دھرم نہیں ہے کہ وہ اپنے آقا کو مصیبت میں دیکھ کر خاموش بیٹھا رہے ایسا کرنے سے وہ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائیگا۔ تم کو چاہیے کہ تم بھی اپنے باپ کی طرح تخت چندیل کے نمک حلال بنے رہو۔ پرمل تمہارا آقا ہے۔ وہ مصیبت گھرا ہوا ہے۔ اسوقت اگر تم قنوج میں خاموش بیٹھے رہو گے تو اپنی اور اپنے باپ کی شہرت پر بٹہ لگاؤ گے۔ ملہنا دیوی تم کو اپنا بیٹا سمجھتی ہے اور تمہارے دیکھنے کے لئے سخت بے چین ہو رہی ہے"

جگنایک نے دیکھا کہ اسکی تقریر نے آلھا اودن پر کوئی اثر نہیں کیا وہ انکی ماں دیولدیوی کے پاس آیا اور کہنے لگا "آپ آلھا کو اسکا وہ اقرار یاد دلائیں جو کہ وہ مہوبا کی حفاظت کے لئے کیا کرتا تھا۔ اُسکا قول تھا کہ مرتے دم تک مہوبا کو نہ چھوڑے گا لیکن اب وہ اپنے وعدہ سے پھرا جاتا ہے۔ قول کا پاس رکھنا راجپوت کا دھرم ہے جو شخص اپنی قسم کو پورا نہیں کرتا وہ نرک میں ڈالا جاتا ہے اور کبھی نہیں بخشا جاتا"

دیولدیوی نے اسی وقت اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور کہا "میرے بیٹو! اُٹھو! جلدی سے مہوبا کی طرف کوچ کرو۔ تمہارا راجہ تم کو طلب کرتا ہے اِس آڑے وقت میں اُسکے کام آؤ۔ تمہارے لئے یہ عمدہ موقعہ اپنے باپ دادا کا نام روشن کرنے کا ہے۔ میں تم کو جنگ میں جانے کی اجازت دیتی ہوں اور تاکید کرتی ہوں کہ کہیں اپنے باپ کے نام کو بدنام نہ کرنا۔ شیر کا بچہ جبھی شیر کہلا سکتا ہے جبکہ وہ شیر دلی کے کام بھی کرے تم راجپوت ہو تمہارا کام لڑنا اور مرنا ہے۔ اٹھو ہمت پکڑو اور آج ہی مہوبا کو روانہ ہو جاؤ" ماں کا حکم سنکر آلھا نے سر جھکا لیا مگر اودیلا کہنے لگا "ماتاجی! آپ یہ کیسا حکم دیتی ہیں؟ کیا آپ کو وہ دن بھول گیا جب کہ ہم سخت بے عزتی کے ساتھ مہوبا سے نکالے گئے تھے۔ اب ہم کو مہوبا سے کیا واسطہ؟ ہماری طرف سے تو وہ ابھی برباد ہو جائے۔ ہمارا وطن تو اب قنوج ہے"

دیولدیوی کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اور سخت طیش میں آکر کہنے لگی "راجپوت کے

بیٹے اور ایسی بزدلی کی باتیں! ہے ایشور! مجھے بانجھ ہی رکھا ہوتا! میرے پیٹ سے کیوں ایسے بیٹے پیدا ہوئے جو کہ اپنے باپ دادا کے نام پر بٹہ لگا کر مصیبت کے وقت اپنے راجہ کی امداد سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ کاش کہ ایسے بیٹے میرے گھر پیدا ہی نہ ہوتے بدبختو! جنگ کا نام سنکر تو راجپوت پھولے جامے میں نہیں سماتے مگر تم ہو کہ راجپوت میدان میں جانے سے جی چرار ہے ہو۔ تم جسراج کے فرزند کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں ہو۔ تمہارے جیسے ناخلف بیٹوں کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ تم نے تو باپ کا نام ہی ڈبو دیا۔ جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ میں تمہارا منہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی ؛

ماں کی اس بہادرانہ مگر پر غضب گفتگو سے بیٹوں کے سر مارے شرم کے جھک گئے انکی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اوہا اسکے پاؤں پر گر کر کہنے لگا۔ ماتا! حوصلہ رکھ! گھبرا نہیں۔ تیرے بیٹے کبھی تیرے کہنے سے باہر نہیں ہو سکتے۔ وہ تلوار ہاتھ میں لیکر غنیم کا مقابلہ کرینگے اور اپنی جانوں کو مہوبا کی حفاظت کے لئے بھینٹ دیں گے۔ انکے سر چندیل کے قدموں پر نثار ہونگے۔ ان کے بدن غنیم کے تیروں سے چھلنی ہو جائنگے۔ انکے سر میدان جنگ میں لڑھکتے پھریں گے مگر بھاگ کر اپنے بزرگوں کی عزت پر دھبہ نہیں لگائیں گے ؛

اسکے بعد دونوں بھائی جے چند کے پاس گئے اور جنگ پر جانے کی اجازت چاہی۔ جے چند پرتھی راج کا جانی دشمن تھا اس نے بڑی خوشی سے انکی درخواست کو منظور کر لیا۔ جگنایک کو خلعت عطا ہوا۔ بنافر کے بیٹوں کو راجپوتوں کے فرائض جتلاتے ہوئے رخصت کیا اور ایک دستہ سپاہ قنوج کا بھی انکے ساتھ کیا ؛

نوجوان راجپوت قنوج سے نکل کر مہوبا کو روانہ ہوئے۔ دیولدیوی بھی ساتھ تھی راستہ میں بُرے شگون دکھائی دیئے۔ سارس دلہنے ہاتھ اڑتا نظر آیا۔ اڑتے ہوئے باز کے منہ سے شکار گر کر نیچے جا پڑا۔ چکوا اپنی مادہ سے علیحدہ ہو کر چیخ رہا تھا۔ گھوڑوں کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ دیگیدڑ رو رہے تھے۔ قرص آفتاب پر سیاہ داغ دکھائی دینے لگے۔ یہ بُرے شگون دیکھ کر کبیشر کا دل دھڑک اُٹھا۔ اور چونکہ وہ خود ایسی باتوں کا قائل تھا اس نے آلہا اور اودن سے اسکی تعبیر بیان کرنی چاہی۔ لیکن آلہا نے نہایت لاپرواہی کے مسکرا کر جواب دیا۔ میں تمہارے اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ غیب کا علم سوائے ایشور کے کسی کو نہیں۔ یہ وہی جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا۔ بالفرض تمہارا کہنا درست بھی ہو تو بھی ہم کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے

بہادروں کے نزدیک تمام فال نیک ہیں۔ اگر ہم میدان جنگ میں کام آئیں تو بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم موت کے مُنہ میں جا رہے ہیں۔ اس جنگ کا نتیجہ ہمارے حق میں سوائے موت کے اور کچھ نہیں نکل سکے گا۔ اور چندیلوں کی شہرت بھی جاتی رہیگی۔ مگر ہم کو اسکی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ اگر راجپوت اپنا فرض ادا کرتا ہوا میدان جنگ میں کام آئے تو اس کی موت مبارک موت ہے۔ ایسی موت پر رنج نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ یہ موقعہ بڑی خوشی کا ہوگا۔ راجپوت کا فرض بڑا کٹھن ہے۔ اسکا راستہ کانٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ مجھے ان بدفالوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا٭

اس کے بعد آلہا۔ اسکے بھائیوں اور ہمرائیوں نے زعفرانی پوشاکیں زیب تن کیں اور گھوڑوں کو مہوبا کے راستہ پر ڈال دیا٭

آلہا اور اودن کی آمد کی خبر سُن کر پرمال بہت خوش ہوا۔ اُس نے شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ بڑی دھوم دھام سے مہوبا میں لے گیا۔ آج ملہنا دیوی کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ اُس نے آلہا کو بلوا کر اسکی پیشانی پر بوسہ دیا۔ موتی نچھاور کئے اور کبیشر جگنا ایک کو بھی چار گاؤں جاگیر میں عطا ہوئے٭

آلہا نے بھی اپنی مجازی ماں کے قدم چومے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ ماتا جی! یہ سر آپ کا ہے۔ جب اور جس طرح چاہیں اتار لیں مجھے ہرگز دریغ نہ ہوگا۔ میری تلوار مرتے دم تک غنیم کا مقابلہ کریگی اور دنیا دیکھے گی کہ بنافر کے بیٹے حق نمک ادا کرنے میں اپنے باپ سے پیچھے نہیں رہے ہیں٭

اُدھر کبیشر چند پرتھی راج کے حضور میں حاضر ہو کر آلہا اور اودن کے قنوج سے آجانیکی خبر دیتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ میعاد مہلت ختم ہوگئی۔ اب قاصد بھیجکر پرمال کو اطلاع دی جائے کہ یا تو جنگ کے لئے آمادہ ہو یا مہوبا چھوڑ کر چلا جائے۔ قاصد پرمال کے پاس بھیجا گیا اور لکھا گیا کہ تمہارے کہنے پر جنگ ملتوی کیا گیا تھا۔ مگر جو مہلت دیگئی تھی اس کو بھی گذرے ہوئے آج ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔ تم کو قنوج کی مدد کا انتظار تھا وہ بھی پہنچ گئی ہے مگر طبل جنگ ابھی تک نہیں بجا۔ اب دونوں باتیں ہیں۔ یا تو میدان جنگ میں نکل کر مقابلہ کرو۔ یا اطاعت قبول کر کے مہوبا خالی کردو٭

یہ پیغام پرمل کے پاس پہنچا۔ وہ جنگ سے مایوس ہو چکا تھا مگر اُس نے اپنے امیروں اور وزیروں کو طلب کر کے سب کے سامنے پرتھی راج کے قاصد سے کہدیا کہ آئندہ ماہ کی پہلی تاریخ کو بروز اتوار لڑائی شروع کر دی جاویگی ؛

مگر سنیچروار کے دن علے الصباح ہی پرتھی راج نے طبل جنگ بجنے کا حکم دیدیا۔ نقارہ پر تین چوب پڑیں اور یہ اس بات کا اعلان تھا کہ میعاد مہلت ختم ہو چکی ہے۔ لڑائی کا جھنڈا کھڑا کر دیا گیا۔ اور جنگ آور اس کے گرد جمع ہوئے۔ سب کے دل شاد تھے۔ اور لڑائی کا نام سنکر ان کے دل بلیوں اُچھل رہے تھے۔ حسب معمول سب نے ایک ایک پیالہ شراب کا پیا۔ اور پان کے بیڑے مُنہ میں دبا مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے ؛

اب ہم پھر مہوبا کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ پرمال کے دربار میں ایک بڑی کونسل صلاح و مشورہ کے لئے جمع ہوئی ہے۔ تمام امرا و وزرا حاضر ہیں اور پرتھی راج کے مقابلہ کے متعلق فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ راجہ پرمال کی رانی اور آلہا اودن کی ماں دیول دیوی بھی اس جگہ موجود ہیں ؛

کچھ عرصہ سکوت کے عالم میں گذرا حاضرین منتظر تھے کہ پرمال خود سلسلہ کلام کو شروع کرے گا۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ کن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہ بدستور سر جھکائے تخت پر بیٹھا رہا۔ حاضرین کی بے تابی بڑھنے لگی۔ ملہنا دیوی بڑی عقلمند عورت تھی اس نے دیول دیوی سے مخاطب ہو کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب پرتھی راج کے مقابلہ پر جانے سے جی چراتے ہیں ان کی خاموشی اس بات کا صریح ثبوت ہے۔ آؤ! جب مہوبا کی حفاظت کرنے والا کوئی مرد نہیں رہا تو ہم تم مردانہ ہتھیار پہنکر میدان میں نکلیں! رانی کی اس طنزیہ گفتگو سے پرمال کا چہرہ مارے غیرت کے سرخ ہو جاتا ہے۔ حاضرین دربار کی تلواریں میانوں میں تڑپ اُٹھتی ہیں اور وہ بڑی بے تابی کے ساتھ ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگ جاتے ہیں مگر دیولدیوی اہل دربار سے اس طرح مخاطب ہوتی ہے۔ "بہادر راجپوتو! اب آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ پرتھی راج کے لشکر میں جنگ کا نقارہ بج رہا ہے اُٹھو! تم بھی اپنے فرض ادا کرو" آلہا اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نہایت ادب کے ساتھ ماں کو جواب دیتا ہے "ماتا جی! اپنے فرزند کی بات کو غور سے سنئے۔ ہم پرتھی راج کے مقابلہ کو بالکل تیار ہیں۔ اور اپنی جان کو اپنے آقا کے بدلے قربان کرینگے۔ ہم نے راجہ کا نمک کھایا ہے آج اُس کا حق ادا کرینگے۔ ضرورت کے وقت جو شخص اپنے آقا سے اپنی جان چھپاتا ہے وہ اپنے باپ کا بیٹا نہیں ہے۔ راجپوت کا فرض ہے کہ وہ وقت پڑے اپنی سچی وفاداری کا ثبوت پیش کرے

ہماری جانیں ہتھیلیوں پر دھری ہیں اور آج میدان جنگ میں دالیئے مہوبا کے قدموں پر نثار ہونگی۔ بہادران سمبھور سب تہ تیغ کیے جائیں گے اور میں اپنے باپ کا نام روشن کرونگا۔ ماتا! تو یقین رکھ کہ تیرا بیٹا شکست کا داغ پیشانی پر لے کر میدان جنگ سے ہرگز نہیں ہٹے گا بلکہ وہ دنیا پر ثابت کر دیگا کہ راجپوت کے فرائض کیسے کڑے اور سخت تر ہیں۔" اس کے بعد وہ پرمال کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے "مہاراج! میرا بیٹا ایندل اب آپ کے سپرد ہے۔ اس کی اور دیولدیوی کی عزت کی حفاظت رکھنا" ملہنا دیوی آلہا سے کہتی ہیں "بیٹا پرتھی راج کی سپاہ تعداد میں زیادہ ہے اُس کے سردار بہادر اور شجاع ہیں برخلاف اس کے مہوبا کی فوجی طاقت بہت کم ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی متابعت کر کے مہوبا کو غنیم کے قہر سے بچالیا جائے۔

اودن کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس کی آنکھیں خون برسانے لگیں اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا "یہ باتیں تو اُس وقت سوچنی چاہیئے تھیں۔ جبکہ بچارے زخمیوں کو قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر اب وقت ہاتھ سے جا چکا ہے۔ طویل طویل بحث کی فرصت نہیں ہے۔ بہادران مہوبا کبھی کسی کی متابعت نہیں اُٹھا سکتے۔ پرتھی راج کے آگے سر خم کرنے کی نسبت ہمارے لیئے لڑکر جان دے دینا ہزار درجہ بہتر ہے اب ضرورت صرف ہتھیار اٹھانے کی ہے اودے سنگھ آپ سب کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے مہوبا کو دشمن کے ہاتھ میں جانے نہ دے گا۔"

بیٹے کی اس بہادرانہ گفتگو کو سُنکر دیولدیوی کا دل باغ باغ ہوگیا۔ اُس نے محبت بھری نگاہوں سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا "میرے فرزند تو نے خوب کہا۔ اب سوائے اس کے کوئی علاج باقی نہیں رہا کہ تم تلوار ہاتھ میں لے کر ایسے کارنمایاں کرو جس سے تمہارا اور تمہارے باپ کا نام روشن ہو۔ بہادروں کے لیئے نام پیدا کرنے کے یہی موقعہ ہوا کرتے ہیں اُٹھو اور اس بات کو ثابت کر دکھاؤ کہ تم نے واقعی ایک چھترانی کی گود میں پرورش پائی ہے علاقہ تباہ ہو رہا ہے۔ رعیت پریشان ہے۔ زمیندار وطن سے بے وطن ہو رہے ہیں اور مظلوموں کی آہیں فلک کے سینہ میں سوراخ ڈال رہی ہیں۔ گاؤں پھوکے جارہے ہیں بستیوں میں آگ لگ رہی ہے۔ مگر حیران ہوں کہ تم صلاح و مشورہ میں ہی وقت ضائع کر رہے ہو۔"

اب پرمال نے بھی سر اُٹھایا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ آج سنیچر کا دن ہے۔ کل دشمن سے ضرور مقابلہ کیا جائے گا۔ مگر آلہا نے غضبناک ہو کر جواب دیا "جو راجہ اپنی رعیت کو

مصیبت میں دیکھ کر اس کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ عاقبت کے دن ضرور دوزخ کی آگ میں ڈالا جائیگا۔ دشمن کے مقابلہ سے جی چُرانے والا اور میدان جنگ میں جاتے ہوئے خوف کھانے والا راجپوت کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ دشمن ملک کو تباہ کر رہا ہو اور وہ بیٹھا شگون بچارے۔ ایسے شخص کی ناپاک روح کو ساٹھ ہزار برس تک شانتی نصیب نہ ہوگی۔ برعکس اس کے جو بہادر اپنے فرض کو پورا کرتا ہے۔ اس کو اس دنیا میں بھی سرخروئی حاصل ہوتی ہے اور عاقبت کو بھی"۔

مگر افسوس ہے کہ آلہا اور اودن کی اس بہادرانہ گفتگو نے بزدل پرمال کے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ ملہنا دیوی اس نظارے کو برداشت نہ کر سکی وہ اپنے شوہر کی طرف مخاطب ہوئی اور کہنے لگی۔ آپ اس قدر بزدلی کا اظہار کیوں کر رہے ہیں؟ جاؤ اور مردوں کی طرح پرتھی راج کا مقابلہ کرو۔ لڑو اور مرو۔ ملہنا دیوی ہر حالت میں آپ کے ساتھ ہوگی"۔ رانی کی اس بہادرانہ گفتگو نے پژمردہ دل پرمال کو بھی لڑنے مرنے پر کمربستہ کر دیا۔ اس نے اسی وقت تلوار گھسیٹ کر میان کو توڑ کر پھینک دیا اور حکم دیا کہ ہمارے سورما کمر باندھ کر تیار ہو جائیں۔ طبل جنگ بجنے لگا۔ اور دلاور راجپوت کیسری لباس پہن۔ ہتھیار سجا مرنے کے لئے میدان جنگ کو روانہ ہوئے ؀

رخصت کے وقت بہادر ماں نے جو الفاظ آلہا اور اودن سے کہے یہ تھے "میرے پیارے بیٹو! میں بڑی خوشی سے تم کو الوداع کہتی ہوں۔ جاؤ اور اپنے آقا کا حق نمک ادا کرو۔ آج تمہیں اپنی بہادری کے جوہر دکھلانے کا وقت نصیب ہوا ہے۔ اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھنا۔ میں اُمید کرتی ہوں کہ تم بغیر مرے یا مارے میرے پاس واپس نہیں آؤگے میں نے صرف آج کے دن کے لئے ہی تمہیں پرورش کیا تھا۔ جاؤ اپنی ماں کے پرن کو پورا کرو۔ اگر تمہارے سر اپنے راجہ کی خدمت گذاری میں کام آئے۔ تو میں ہرگز آنسو نہیں بہاؤنگی بلکہ میں سُنکر خوش ہوں گی کہ میرے بیٹے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے میدان جنگ میں کام آئے ہیں"۔ اسی طرح تمام عورتوں نے خاوندوں کو اور بہنوں نے بھائیوں کو رخصت کیا اور راجپوت جھومتے ہوئے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے ؀

اس لڑائی کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہو سکے مگر اس موقعہ پر دیول دیوی کے بہادر بیٹوں نے جو کارنمایاں کئے زبان زد خلائق ہیں۔ پرتھی راج کی سپاہ بے تعداد

تھی اور مہوبا کے جان نثار بہت تھوڑے تھے پھر بھی آلہا اور اودن نے جس استقلال اور جوانمردی کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کیں۔ اس کی نظیر سوائے ہندوستان کی تواریخ کے اور کہیں نہ ملے گی۔ سینکڑوں کا ہزاروں سے مقابلہ تھا مگر انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ دیول دیوی جیسی بہادر ماں کی گود میں پرورش پائے ہوئے بیٹے کس عالی حوصلگی سے اپنی جانیں میدان جنگ کی نذر کر سکتے ہیں۔

تمام شد

ہماری نئی طبع شدہ کتب

پشپ کماری

اگر آپ سوراجیہ چاہتے ہیں۔ تو مجسم فرشتہ آزادی مہارانا پرتاب کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ یہ آپ کو سوراجیہ کی طرف لیجانیوالی پہلی کتاب ہے۔ جس کا ترجمہ اردو زبان میں بنگال کے مشہور و معروف مصنف بابو رومیش چندردت صاحب بہادر سی ایس سی آئی۔ ای۔ سابق کمشنر قسمت اوڑیسہ صوبہ بنگال و لیکچرار علم تاریخ لنڈن یونیورسٹی نے کیا ہے۔ جسکا نام انہوں نے پشپ کماری رکھا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے بوڑھوں اور بچوں کی رگوں میں بھی خون جوش کی لہریں مارنے لگتا ہے۔

قیمت فی جلد ایک روپیہ عمر مجلد عہ

مکمل ستیا نبواس

رعایا اور راجہ کے تعلقات پتی اور پتنی پریم کا رقت انگیز نظارہ عصمت مآب سیتا کی دل کو رولا دینے والی قربانی ہر ایک لفظ دل پر نشتر کا کام کرتا ہے۔ لکھائی چھپائی و کاغذ بہت اعلےٰ سرورق بہت نفیس قیمت ۶ر

راجہ نل دمینتی

راجہ نل کی مصیبتوں کا دل کو ہلا دینے والا دردناک نظارہ دمینتی کی دکھ بھری کہانی زمانہ کی دورنگی اگر دیکھنی ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں پتی ورتا دمینتی کو کن کن تکالیف کا سامنا کرنیکے بعد کسقدر راج نیتی کے اصولوں پر چلکر کامیابی ہوئی۔ سُننے اور پڑھنے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اعلےٰ قیمت صرف ۸ر

کلجگ میں ست جگ کی دیوی

ناول کیا ہے گویا ایک پتی ورتا استری کے دلیرانہ بہادری کے کارنامے درج ہیں۔ استریوں کیلئے پتی ورتا کا سبق ہے اور مردوں کیلئے استریوں کی بہادری اور جان نثاری کا فوٹو ہے لاجواب کتاب موتیوں کے برابر تولکر خریدنے کے بھی سستی ہے مگر عام پرچار کے لئے اسکی قیمت ۱۰ر رکھی گئی ہے۔ جلد خریداری بھیجدیں۔ ورنہ اس نایاب کتاب کے ختم ہو جانے پر مایوس رہنا پڑے گا۔

قومی ناد

یہ اپنی قسم کی پہلی اور بے نظیر کتاب دُکھے ہوئے دلوں کیلئے مرہم عیسیٰ ہے ملک کو آزاد کرنے اور سوراجیہ دلانیوالی نظموں کا شاندار مجموعہ ہے اسکی ایک ایک نظم کا ایک ایک بند دراصل سوراجیہ کیلئے ایک ایک زینہ ہے اسکے مطالعہ سے آزادی کی اُمنگ دلمیں پیدا ہو جاتی ہے اور جیلخانہ و دیگر قسم کی مصیبتوں کی ڈراونی شکل جو آج کل ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ یک دم دور ہو کر سوراجیہ کی سیدھی سڑک آنکھوں کے سامنے دکھائی دینے لگتی ہے۔

قیمت فی جلد ۱۰ر

پتہ رامداس اینڈ سنز تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور